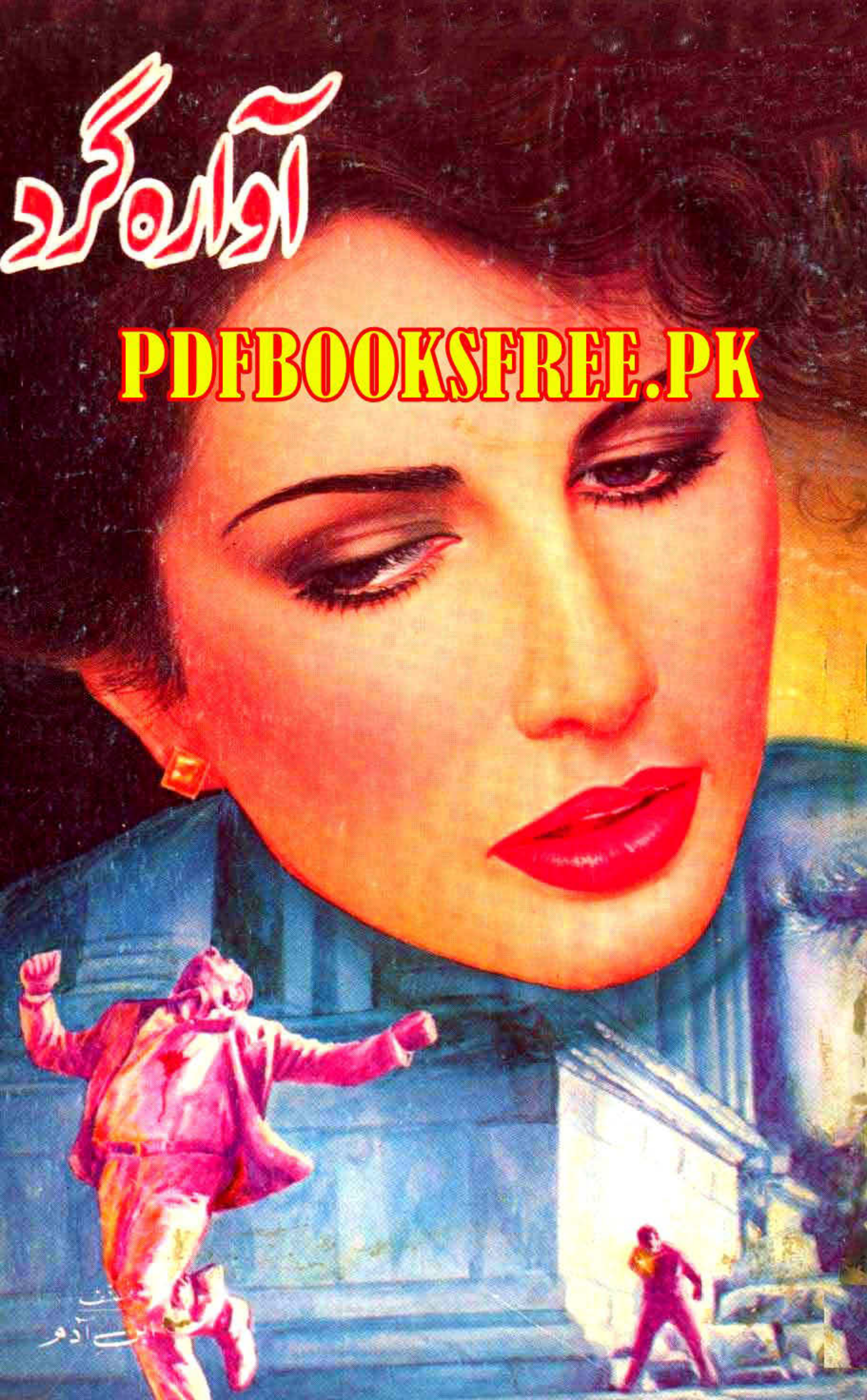


اولیہ گد

PDFBOOKSFREE.PK



نشر آدور

نئے افق کا طویل ترین سلسلہ جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے



پنجاب کے گھبرو جیائے خرم سلطان چوہدری کی سرگزشت
جس نے بدی کے خلاف قدم قدم جہاں کیا

آوارہ گرد

پہلا حصہ

تحریر
ابن آدم

احیاء

پوسٹ بکس ۲۱۴۷ ناظم آباد، کراچی



Uploaded By:

-A Z A M-

اندک کا باغی اور حیرتوں پر ایمان رکھنے والا خرم سلطان ستاروں سے آگے دوسرا جہان تلاش کرنے کے لیے ہر لمحے بے کل رہتا تھا۔
میں دُنیا کو صرف نقشے پر دیکھ کر مطمئن نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اپنی ایڑیوں سے دُنیا کے چتے چتے پر اپنے لیے چشمے پیدا کرنے کا عزم کیے ہوئے تھا۔

خداوند قدوس نے راستے اور نئے راستوں پر چلنے والوں کو نئی دُنیا بھی دیتا ہے۔ وہ خضر صورت شخص مجھے موہل ڈی لکس کے ڈائینگ ہال میں دکھائی دیا تھا، جس کی منٹھی میں میرے ماضی کی خواہشوں، میرے حال کی طلب اور مستقبل کا چاند بند تھا۔ اُس نے منٹھی کھول کر چاند کی کرنوں سے میری زندگی کے اندھیروں کو منور کر دیا۔ وہ ایک ریکورڈنگ ایجنٹ تھا۔ اُس نے میرے سامنے چند پاسپورٹ اور ٹکٹ بریف کیس سے نکالے تھے۔ تب ہی میں تکلفات کی دیواروں کو پھلانگتا ہوا اُس کے قریب چلا گیا تھا۔ کالج کے گراؤنڈ میں نیشنل کیڈٹ کورس کے دوران میرے کمانڈر نے کہا تھا "ٹارگٹ کو تلاش کرو۔ فاصلہ لگا ہوں سے ناپو، رائفل کی نال سیدھی کرو اور پھر سانس روک کر فائر کرو۔ سوچنے اور فیصلہ کرنے کا درمیانی وقفہ اگر ذرا بھی بڑھ گیا تو ٹارگٹ تمھاری نگاہوں سے اوجھل ہو

ہائیں خود کو کسی حوالے سے متعارف کراتے ہوئے خوش گواری محسوس نہیں کرتا، کیوں کہ میرے ساتھ ماضی کی جلتی بھجستی یادوں کا کڑوا کیلا مٹھوا ہے اور میں اپنے وطن سے بہت دور ایک بدبودار دلدل میں کسی مسئلے ہوئے بچوں کی طرح پڑا ہوا ہوں۔ میرا نام خرم سلطان چوہدری ہے۔ میں سلطان احمد چوہدری کا دوسرا بیٹا ہوں۔ میری پیدائش پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں میں ہوئی تھی۔ میرے آباؤ اجداد فوجی تھے۔ یہ روایت زندہ رکھنے کی خاطر میرے بڑے بھائی کو اٹھارہ سال کی عمر میں فوج کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ مجھے بھی اُدھر ہی جانا تھا لیکن میرے اندر سے جو نوجوان ابھرا تھا... اُسے پیار دیواری پسند نہیں تھی۔ میں نے اُس وقت بھی بغاوت کر دی تھی جب مجھے گاؤں کی آزاد فضاؤں سے نکال کر کالج میں داخل کیا جا رہا تھا لیکن میری وہ بغاوت ایک رنگ روٹ کی ضد کے مترادف سمجھ کر بڑوں نے پیار سے کام لے کر میری ناک میں نکیل ڈال دی تھی... لیکن دل کی کیاری میں بچوٹی ہوئی خواہش کبھی نہیں مرتی۔ بلکہ چنگاری کی طرح مجبور یوں کی راہ میں ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ میرے دل میں آزاد فضاؤں میں اُٹنے اور سارے بندھن توڑنے کی خواہش بھی زندہ رہی... میرے

جائے گا: میں نے ٹارگٹ تلاش کر لیا تھا۔ اب سوچنے کی مدت طویل کر کے ٹارگٹ کو اوجھل ہونے کا موقع نہیں دے سکتا تھا... لیکن وہ بھی بہت گھاگ تھا اور میری حیثیت ایسے چورے جیسی تھی جو اپنے والدین کو سوتا چھوڑ کر پہلی بار بل سے باہر نکلا ہو... وہ پہلے تو مجھ سے کھینٹا رہا پھر جب میں اپنی خواتینوں کی پیاس سے نڈھال ہو گیا تو اس نے میری منزل کی قیمت میں ہزار لگائی۔

اس وقت تعلیمی اخراجات سے بچے ہوئے گل پیاس روپے میری جیب میں تھے۔ مجھے انیس ہزار نو سو پچاس روپے درکار تھے۔ میں نے قیم چا زاد، زینت جس نے مجھے اپنے دل کی کارنس پر سجا رکھا تھا، اس کے ہاتھوں کی مہندی اور ماں کے ارمان چڑا لیے۔ رسیدوں کی عدم موجودگی میں زیورات کو لوٹوں کے بھاؤ مجھ سے خریدے گئے۔ بہر حال نوٹ بالکل نئے تھے اور میرا بہت پرانا تھا اس لیے ہفتوں کا کام دنوں میں ہو گیا۔ جس روز میں اپنی فضاؤں کا سینہ چیرتا ہوا اپنے گاؤں کے اوپر سے گزرا، میری آنکھوں میں ندامت کا دھواں سا بھر گیا تھا لیکن میں نے آنکھوں کی نمی کو اسٹریکٹس کی گل نار شخصیت کی حملت سے خشک کر لیا۔ ایجنٹ نے میری ہلکیوں کے ہر بال میں ایک سے ایک بڑھ کر سہانا خواب پرو دیا تھا لیکن ہانگ کانگ جا کر سامنے خواب ریت کے گھر وندوں کی مانند چکنا چور ہو گئے۔ بس میں تھا اور شہر کی سرد اور بے مہر و شہنشاہ تھیں۔ میں نے سنا تھا کہ مرد اور شیر بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھی پر لیا شکار نہیں کھاتے لیکن ہانگ کانگ کے اس روشن اور آباد بازار میں جا کر میں نے سوچا کہ شیر ہو یا گیدڑ، بھوک کی چڑیل سب کو یکساں ہی دکھائی دیتی ہے۔

میرے پاس صرف تین ڈالر تھے جو کفایت شکاری کے باوجود چار دن چلے۔ پانچواں اور چھٹا دن میں نے ایک پارک کے بیچ پر سوچتے، جاگتے اور خوابوں میں بدکتے ہوئے گزارا... ساتویں روز کام کرنے اور سانسوں کی ڈوری کو بچانے کا فیصلہ کیا۔ دن کے بارہ بجے میں گھومتا ہوا ایک ٹیکسی اسٹینڈ پر گیا اور موڈب لہجے میں ایک ڈرائیور سے کہا: "جناب! میں کام کرنا چاہتا ہوں۔"

ڈرائیور نے اچھی سی نگاہ سے میری طرف دیکھا اور پھر چونک سا گیا: کہاں سے آئے ہو؟ اس نے اردو میں جواب دے کر مجھ پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری کر دی کیوں کہ

اب تک زبان کا مسئلہ اڑے آ رہا تھا۔ "پاکستان سے..." میں نے فوراً مسرت سے کپکپاتی آواز میں اسے بتایا تو اس کے تاثرات بدل گئے۔ میں گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میں حیران تھا۔ مجھے اس اچانک تبدیلی کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ "مدن..." ٹیکسی میں ایک جوان جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ نوجوان نے ٹیکسی ڈرائیور کو اردو میں مخاطب کیا: "بھلا کو آؤ ٹنگ پر لے جاؤ میری ڈیوٹی کا وقت ہو گیا ہے۔"

میری حیرت صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ وہ ہندو تھا اور میں مسلمان تھا۔ اسی لمحے ایک اور ٹیکسی قریب آ کر گر گئی۔ اس کی چھت پر میں نے اچھی نگاہ دیکھ لیا، مسافر ایک انگریز بوڑھا تھا۔ میں نے ایڑیاں اٹھا کر اچھی نگاہیں پکڑا تو میرے جیڑے پر ہتھوڑے جیسی ضرب لگی۔ میں لوکھڑاتا ہوا گھٹنوں کے بل گر گیا۔ زمین پر ہتھیلیاں ٹیک کر میں نے حملہ آور کی طرف دیکھا۔ وہ ابھڑے ہوئے جیڑوں اور بیٹھی ہوئی ناک والا ایک زرد رو نوجوان تھا جو ہٹن جیسی سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

غالباً جو کچھ میں کر رہا تھا، ایسی حالت میں نہ کرتا، میں مقابلہ کرنے کی حالت میں نہیں تھا لیکن اس نے پنجاب کی مٹی اور پانیوں کو لٹکا رکھا تھا۔ اس لمحے مجھ پر انکشاف ہوا کہ بھوک اور پیاس صرف انسانی جسم کو لاغر کرتی ہے، اس کے جذباتوں کو نشانہ نہیں کرتی۔ میری حرکت غیر ارادی اور بے اختیاری تھی۔ میں دوڑ کر اس کے قریب گیا اور اسے ٹکرایا چاہتا تھا کہ اس کا ترچھا ہاتھ میری گردن پر چڑا اور میں ڈکرتا ہوا دوبارہ زمین بوس ہو گیا۔

زمین چاٹ کر اٹھا تو میرے تن بدن میں شرارے سے بھر گئے تھے۔ وہ ناگین پھیلا کر ہاتھ قدرے آگے پھیلانے کھڑا تھا۔ میں پھر پہلی حماقت کو دہرانا نہیں چاہتا تھا، اس لیے یوں لوکھڑاتا ہوا چلنے لگا جیسے مقابل کے قدموں میں گرنا چاہتا ہوں۔ میرا انداز شکست آمیز ہی تھا۔ وہاں کھڑے مسافروں اور ڈرائیوروں نے قہقہے اچھالنے شروع کر دیے۔ تین قدم چل کر میں نے پلٹے اور جھپٹنے کا عمل ایک ساتھ ہی کیا تھا۔ وہ مجھے جھپٹے دیکھ کر اچھلا لیکن اس کی گردن میرے آرم لاک میں پھنس چکی تھی۔ اسے جھٹک کر پیچھے کیا اور خود جھٹک کر آگے بڑھا تو وہ میری پشت سے ہوتا ہوا دوڑ جا گیا۔ اس کے حلق سے ابھرنے والی چیخ سن کر میں نے دیکھا تو وہ کسی دم توڑتے گئے کی طرح منہ

کھولے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ میں نے آستین سے آنکھوں میں گرنا خون صاف کیا اور ایک طرف چل پڑا۔ "سنو نوجوان! آواز سن کر میں نے چلتے چلتے پلٹ کر دیکھا۔ میرے پیچھے ایک بوڑھا سیکھ آ رہا تھا۔ وہ ایک طویل قامت مضبوط جسم کا بوڑھا تھا۔ اس نے میرے دائیں شانے پر اپنا وزنی ہاتھ رکھ دیا اور بولا: "ہندوستانی ہو یا پاکستانی؟ پاکستانی..." میں نے فخر سے کہا۔

"پنجابی ہو نا؟" ایسے شیر جوان میرا پنجاب ہی پیدا کرتا ہے۔ میرا نام امر سنگھ ہے۔ میرا گھر ضلع منٹگرمی کے چک چھپاس میں تھا۔ آپاں نے تیری چڑیل دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ گھر و پنجاب کا ہے۔ سن پتر جس کی ڈیاں تو کوکڑا آیا ہے وہ چنگ جی کا آدمی ہے۔ چنگ جی رادھ کر بہرام ڈاکو ہے۔ پچل میرے ساتھ، ورنہ چنگ جی کے غنڈے تیری بدیاں توڑ کر کسی گھر میں پھینک دیں گے۔ اگر پناہ کی پیش کش کوئی ہندو کرتا تو میں کبھی بھروسہ نہ کرتا۔ مجھے سیاست اور جنگ میں ہندو کی ذہنیت کا بڑا تلخ تجربہ تھا۔ میں اس کے ساتھ چل دیا۔

امر سنگھ کا حملہ دیکھ کر میں نے سوچا کہ اگلے لباس میں غلیظ بدن ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ وہ حملہ ایسا ہی تھا جیسے ہمارے ہاں کے محلے ہوتے ہیں۔ کسی گھر کی چار دیواری نہ تھی۔ میلی عورتیں زمین پر بیٹھی غلیظ تنگ دھڑنگ پتھروں کو دودھ پلا رہی تھیں۔ یہ سوتیلہ کالونی ہے۔ امر سنگھ نے محلے کی حالت کے بارے میں وضاحت کی۔

میں نے اس سے نہیں پوچھا کہ وہ اپنا ملک اپنا گھر اور اپنے بچوں سے دودھ کر خاک روٹی کیوں کرتا ہے۔ اگر پوچھ بھی لیتا تو اس کا جواب گالی بن کر مجھے ان ہم وطنوں کی طرف لے جاتا۔ ہر باہر جا کر پرانی غلاظتوں کے انبار میں ڈوب جاتے ہیں اور اپنے وطن کی سوندھی سوندھی مٹی سے موقی رولتے انھیں شرم آتی ہے۔ میں خود بھی اُنھی جیسا تھا۔... پھر میں امر سنگھ سے یہ سوال کیسے کر سکتا تھا۔ اس کا گھر دو دروں پر مشتمل تھا۔ ایک میں وہ لکڑی کی چارپائی پر سوتا تھا، دوسرا درہ زندگی کی تمام تر ضروریات کے لیے مخصوص تھا۔

امر سنگھ بلاشبہ ایک حساس اور ذمے دار انسان تھا، اس نے میری مجبوری کا مذاق نہیں اڑایا۔ وہ میرے لینے پلٹے اور ملک لایا اور کھانا بازار سے منگوادیا۔ حالانکہ میں ذہنی طور پر

اس کے ساتھ کھانے کے لیے خود کو تیار کر چکا تھا۔ وہ پہلی رات میں نے بھرے پیٹ کے ساتھ، ایک چھت کے نیچے پر سکون نیند میں بسر کی تھی۔ صبح امر سنگھ اُٹھانے کے لیے اُٹھا تو اس نے مجھ پر جھٹک کر کہا: پتر کٹھ تیری نماز کا وقت جا رہا ہے۔ سن بلوغت سے آج تک میں نے کبھی نماز ادا نہیں کی تھی لیکن امر سنگھ نے مجھے نماز کے وقت کا احساس دلا کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ میں نے اُٹھ کر نمناک آنکھوں کو وضو کے سرد پانی سے دھویا اور ایک سکھ کے گھر میں اس خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا جو یقیناً امر سنگھ کا بھی رب تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر امر سنگھ نے ڈاگری پہنی اور صفائی والا لباس اُٹھا کر جب خاموشی سے باہر جانے لگا تو میں نے آگے بڑھ کر اس کی بغل سے برش نکال لیا۔

"نہیں چودھری..." وہ مضبوط لہجے میں بولا: "ابھی نہیں کچھ دن آرام کر لے، میں تیرے لیے کوئی دوسرا کام دیکھوں گا۔ کوئی بہتر کام نہ ملا تو برش لے لینا، اس نے نرمی سے میرا ہاتھ دبایا اور برش نکال لیا۔ کچھ دیر بعد قدموں کی ملکی سی چاپ سن کر میں نے دیکھا تو سترہا ستھارہ برس کی ڈبلی تیلی سا نوزلی سی لڑکی اپنی کٹورہ آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا سراپا شلوار قمیص نے ڈھانپ رکھا تھا۔ تم سیکھ تو نہیں لگتے... وہ ٹھیکھے پنجابی میں بولی: "میری اماں کا یہی خیال ہے۔" "ماںیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔" میں اُٹھ بیٹھا: "میں مسلمان ہوں۔"

"میں... میں اماں کو بتاتی ہوں۔" وہ پٹی اور دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ "خدا یا کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا... ہانگ کانگ میں یہ جانے پہچانے چہرے... یہ اپنے سے لوگ... یہ سب کیا ہے؟ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر ہٹا لیا۔

چند ہی لمحے بعد پورا خاندان اس ڈرے میں آ گیا تھا۔ کمانڈر اُسی لڑکی کے ہاتھ میں تھی۔ وہ سب سے آگے آگے تھی اور سب کو اپنی دریافت دکھانے لائی تھی۔ وہ عورت ان کی مال تھی۔ میں استرما اُٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے دوپٹے سے جھانکتے اس کے سفید بال دیکھ کر مجھے اپنی ماں یاد آ گئی جو یقیناً چھپ چھپ کر میرے لیے روتی ہوئی اور سب کے سامنے مجھے بددعا میں دیتی ہوئی ہیں نے اسے کتا دکھ دیا تھا۔ اس نے مجھے اپنا دودھ پلایا تھا اور میں اسے دس کر بھاگ آیا تھا۔ اس نے مجھے اپنے بڑھاپے کی لاشی اور

خاندان کا پاسان بنایا تھا لیکن میں نے ڈاکو بن کر اسے لوٹ لیا تھا پھر بھی وہ ایک ماں تھی۔ بیٹے کے لیے ضرور روتی ہوگی۔
”ہم بھی مسلمان ہیں“ ماں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا۔ عابدہ کے آبا بگدادیش سے تعلق رکھتے ہیں۔ تم کہاں سے آئے ہو بیٹا؟

”پاکستان سے...“

”کوئی روزگار مل گیا؟“

”ابھی نہیں... میں نے بتایا“ ابھی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر چاہو تو میں عابدہ کے آبا سے کہوں۔ وہ ایک کلب میں بارٹینڈر ہے۔“

”اتنا... عابدہ نے جیسے اصل بات ماں کو یاد کرائی یہ امر سنگھ کے ساتھ کیسے رہے گا... وہ سیکھ ہے۔“

”کوئی بات نہیں بیٹی! ماں نے کہا“ پردیس میں بھال ایک ہی ہوتی ہے اور سب اُسی میں کھاتے ہیں۔ امر سنگھ بہت اچھا انسان ہے۔ تم نے اپنا نام نہیں بتایا، بیٹے؟
”میرا نام خرم سلطان ہے۔“

کچھ دیر تک کریم خانہ بیگم اپنے بچوں کو سمیٹ کر واپس چلی گئی لیکن اس خاندان کے خلوص اور اپنائیت کی خوشبو دیر تک میرے سواں پر طاری رہی۔

دوپہر کو عابدہ پیشانی تک ڈو پٹ اوڑھے سمٹی سمٹائی چھوٹے بھائی کے ساتھ ایک ٹرے ساتھ لیے پھر آئی تھی۔ ٹرے میں ساگ اور توے کی چند دوٹیاں تھیں۔ سادہ سا بے تکلف کھانا تھا۔ آپ بیٹھ جائیں“ میں نے کہا۔

”نہیں... عابدہ نے پلٹ کر باہر دیکھا“ گڈو آپ کے پاس رہے گا۔ میں تو بے پروائی ڈال کر آئی ہوں۔ اتنا کام پر نہیں۔“

”اوہ... میں نے نوالہ چباتے ہوئے کہا“ کیا اماں بھی کام کرتی ہیں؟

”جی... عابدہ نے جیسے سیرک کر اعتراف کیا“ یہاں ہر فرد کو دونوں ہاتھوں سے کام کرنا پڑتا ہے۔ ہم بہن بھائیوں کو باہر جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ یہاں بردہ فروش دن دہارے بچوں کو کھالے جاتے ہیں۔“

”جے اوٹے بٹے“ امر سنگھ نے صحن میں داخل ہوتے ہی غرہ لگایا اور عابدہ سمٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ آج تو سارا پاکستان امر سنگھ کے گھر آیا ہوا ہے۔ بیٹھو بیٹھو دھی رانی! اچھا اچھا اپنے بھائی بند کی خدمت میں ہو رہی ہیں۔ امر سنگھ صندوق پر ہی بیٹھ

گیا اور عابدہ پلٹ کر باہر نکل گئی۔

”آؤ چاچا... میں نے ٹرے سرکاتے ہوئے کہا“ کھانا بہت ہے۔“

”گھر کا کھانا کھائے مدت ہو گئی ہے۔ میری بیٹی کلونت کو ابھی عابدہ جتنی ہوگی“ اس نے روٹی کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اُن تیرے لیے ایک کام دیکھ آیا ہوں۔“

”کیسا کام ہے چاچا؟“

”بس کام ہے۔ وہ مونچھوں کے بال ہونٹوں کی گرفت سے نکالتے ہوئے بولا۔ ابھی پاؤں نکھ لے، جگہ خود بخود بن جائے گی۔ سروس اسٹیشن پر گڈیوں پر کپڑا مارنے کا کام ہے۔“

”شکریہ... بہت بہت شکریہ“ مجھے اپنی تقدیر کے مذاق پر رونا آ رہا تھا مگر میں ہنسنے لگا۔ میری ہنسی دیوانے کی ہنسی تھی۔ دکھ بھری ہنسی جسے امر سنگھ نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ ”میں بھی تیری طرح خواب لے کر آیا تھا پترا“ وہ بولا جس قسم کے خواب آنکھوں میں چھپا کر تم یہاں آئے ہو۔ اگر چاہو تو وہ شیش محل تعمیر کر سکتے ہو، مگر یہ لباس پہن کر اس شیش محل میں کوئی بھی داخل نہیں ہو سکتا۔ میں لباس نہیں اتار سکا اس لیے بُرش خریدا ہے۔ جب میں خود لباس اتارنے کی ہمت نہیں کر سکا تو تمہیں کیا مشورہ دوں گا؟

”ہم تو تقدیر کے کھلونے ہیں۔ بے بس کھلونے“ اس لیے اپنے فیصلے خود پر لاگو کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔“

امر سنگھ میری اس بات کو سن کر جیسے نوالہ چباتا بھول گیا۔ تجھے تقدیر نے اچھے فیصلے کے ساتھ اس شہر میں اتار رہا ہے جو دھری! وہ خواب ناک آواز میں بڑبڑایا۔ تیرے اندر کی آتما بے گل بھی ہے اور جی دار بھی۔ تیرے ہاتھ یہ لباس نوچ پھینکیں گے لیکن امر سنگھ کی ایک بات یاد رکھنا، اس لباس کو اتار کر جلاتا نہیں کہیں اپنے اندر کسی کو نے میں رکھ دینا... انسانیت جل جائے تو راکھ سے درندہ جاگتا ہے۔ یہ شہر ایسے ہی خونی درندوں کا مسکن ہے تمہیں کبھی نہ کبھی اپنی مٹی بھی بلانے کی تو تمہیں ادھر جانا ہوگا۔ اُس وقت تمہیں یہ لباس کام دے گا۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں چاچا... میں ہمیشہ یہ لباس اپنے قریب رکھوں گا۔ میرے لباس کا ہر دھاگہ مرہم اور مٹی کا کام دیتا ہے گا۔“

”میں اپنے رب سے تیرے لیے دعا کرتا رہوں گا پترا...“ امر سنگھ نے بھرائی آواز میں کہا۔ میں نے تیرے حبیب گھبرو بیٹھ اس جنگل میں کھو دیا ہے۔“

”اوہ... میں چونک پڑا“ وہ کہاں ہے چاچا؟
”وہاں... جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا“ امر سنگھ نے اُلٹے ہاتھ سے منہ کا آنکھوں کو صاف کیا اور پلیٹ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

سروس اسٹیشن شہر کے وسط میں ایک سپر مارکیٹ کے سامنے تھا اور یہاں سے چھ مٹر کی ایک دوسرے سے گلے مل کر جڑا ہو رہی تھیں۔ مالک ایک چالیس سالہ جاپانی مشر می جو تھا جس کی گول گول آنکھیں حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں۔ وہ اردو کے علاوہ تقریباً ہر ترقی یافتہ زبان بول سکتا تھا۔ میری ڈیوٹی کا تعلق خود مجھ ہی سے تھا۔ می جو کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ میں ہر آنے والی گاڑی پر کپڑا مارتا... یا بیٹھا خلا میں گھورتا رہتا... کیوں کہ میں تنخواہ دار نہیں تھا۔ میری کوئی ذمہ داری“ می جو پر عاید نہ ہوتی تھی۔ البتہ میں لو کے اس کے ملازم تھے جنہیں وہ کسی مشین کی مانند متحرک رکھتا تھا۔ دو گھنٹوں کے دوران جو پہلی گاڑی میں نے اپنی ایک فالتو قمیص سے صاف کی تھی وہ ایک انگریز نوجوان لڑکی کی تھی جس نے سرد ہواؤں کو شکست دیتے ہوئے مختصر ترین لباس پہن رکھا تھا۔ کپڑا مارتے مارتے جب میں اگلے حصے کی طرف گیا تو اترے ہوئے شیشے کے خلا سے اُس نے اپنا خوب صورت نازک سا ہاتھ باہر نکال کر مجھے قریب آنے کا اشارہ کر کے کہا“ پینے کا پانی لاؤ۔“

میں نے پلٹ کر شیشے کے کین کو دیکھا جس کے اندر مٹر می جو ٹہل رہا تھا۔ میں ابھی تک اُس شیشے کے گھر میں داخل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی مجھے معلوم تھا کہ پانی کہاں رکھا ہوا ہے۔ شیشے کی شفاف دیواروں کے قریب جا کر میں رُک گیا۔ کسی دیوار میں اندر جانے کا راستہ نہیں تھا۔ مجھے دیکھ کر می جو نے انگلی کا اشارہ کیا اور پھر میرے سامنے کی دیوار ایسے ہی پھٹتی چلی گئی جیسے علی بابا نے کھل جاسم سم کہہ دیا ہو۔ شیشے دائیں بائیں چل کر رُک گئے۔ کیا بات ہے لوگے؟ می جو نے پوچھا اور میں نے لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

”وہ پانی پینا چاہتی ہے“ می جو نے فریزر سے پلاسٹک کی رنگین بوتل نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دی۔ میں نے بوتل مودب انداز میں لڑکی کو پیش کی۔ اُس نے بوتل لے کر ایک نوٹ مسکراہٹ کی چاندنی میں میرے ہاتھ پر لکھ دیا۔ میں نے ابھی نوٹ کی مالیت کا اندازہ بھی نہ لگایا تھا کہ

”وہ پانی پینا چاہتی ہے“ می جو نے فریزر سے پلاسٹک کی رنگین بوتل نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دی۔

میں نے بوتل مودب انداز میں لڑکی کو پیش کی۔ اُس نے بوتل لے کر ایک نوٹ مسکراہٹ کی چاندنی میں میرے ہاتھ پر لکھ دیا۔ میں نے ابھی نوٹ کی مالیت کا اندازہ بھی نہ لگایا تھا کہ

کار مجھ پر ڈھواں بھرتی ہوئی زن سے رخصت ہو گئی۔ میں نے گھبرا کر پہلے تو جاتی کار اور پھر می جو کی طرف دیکھا، جو ٹہلنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ لڑکی بوتل لے کر فرار ہو گئی تھی۔ نو خرم بیٹے... یہاں سے بھی چند گھنٹوں کے ساتھ تمہاری چٹھی ہوئی۔“ میں نے تانسف سے سوچا اور ڈٹا ڈٹا پھر شیشے کے گھر میں داخل ہو گیا۔ ”وہ بوتل لے گئی ہے جناب! میں نے ڈیوٹی پھوٹی انگریزی میں اُسے کہا۔“

می جو نے رُک کر میری بات سنی اور مسکرائے لگا۔ ”بوتل ناقابل واپسی ہوتی ہے“ لڑکے“ می جو نے جیسے مجھے نئی زندگی دے دی تھی۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور ابھی پلٹ ہی تھا کہ می جو کی باریک آواز میری سماعت سے بھرائی۔ ”سنو لو کے... یہاں صرف ہاتھ اور کان مصروف رکھو۔ کیا تمہیں امر سنگھ نے کچھ نہیں بتایا؟“

”جی... جی سب کچھ بتا دیا تھا جناب!“ میں نے پوچھا کہ جواب دیا، حالانکہ امر سنگھ نے مجھے کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔ اُس نے صرف یہی بتایا تھا کہ جتنا کام کرو گے، اتنی ہی ہجرت ملے گی۔ آٹھویں روز جب میں ایک سیاہ فام کو پلاسٹک کی رنگین بوتل دے کر ٹپ میں ملے بڑی مالیت کے نوٹ کو تر کر کے بیک پاکیٹ میں رکھ رہا تھا تو می جو کا ملازم لڑکا جو رنگ اور شکل سے برصغیر کا باشندہ لگتا تھا اور آٹھ دنوں سے دوسروں کی نگاہیں بچا کر مجھے یوں دیکھتا رہا تھا، جیسے پہچان رہا ہو یا کچھ کہنا چاہتا ہو۔ اُس لمحے مشر می جو ادھر نشست کے میز پر جھکا کچھ لکھ رہا تھا۔ لڑکے نے گردن گھما کر می جو کو دیکھا اور تیزی سے میری طرف لپکا... پھر میرے قریب سے یہ کہتا ہوا گزر گیا۔ ”یہاں سے بھاگ جاؤ۔ تمہارے ذریعے مال باہر جا رہا ہے۔“

میں نے استغفامیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے پیپ نمبر تین کو صاف کرتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں التجا تھی، اُس نے اردو زبان استعمال کی تھی۔ ”میں پاکستانی ہوں دوست!“ میں نے قریب سے گزرتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ ”میری رہنمائی کرو۔“

”پلاسٹک کی بوتلوں میں... وہ سرگوشی میں بولا۔ تم سے پہلے بھی ایک سو ڈائی لڑکا اسی جگہ میں مارا جا چکا ہے۔ ایسے لوگے امر سنگھ سلائی کرتا ہے۔ وہ باہر سے مال لاتا ہے... پھر تم جیسے لڑکوں کے ذریعے تقسیم کروا تا ہے۔“

”بھاگ جاؤ لیکن کہاں... میں نے خود سے سوال کیا۔ گھنے خطرناک جنگل میں بھاگنے والے تو جلدی اپنی زندگی کی شام

کر بیٹھے ہیں۔ تنگ کر کسی درندے کا ڈالہ بن جاتے ہیں یا ڈرتے ہوئے کسی کھوہ میں گر جاتے ہیں۔ میں یہاں ہی رک کر انہی چوہوں پر مضبوطی سے کھڑا رہ کر چاروں اطراف کا خیال رکھوں گا۔ مقابلہ کروں گا۔ مجھے امر سنگھ کا اصل چہرہ دیکھ کر ذرا بھی تعجب اور ڈکھ نہیں ہوا۔ جیروں کی کھڑکی میں نے اپنے ہاتھوں سے بند کر دی تھی۔

ایک طرح میں امر سنگھ کا شکر گزار تھا کہ اس نے فریب کر کے یہ بتا دیا کہ یہاں کا بظاہر بے رنگ پانی بھی اپنے اندر ایک رنگ لکھتا ہے۔ دیکھنے میں بے رنگ مگر ہاتھ دھونے میں رنگدار یہاں کی ہر شے کئی رنگ اور کئی پہلو لیے ہوئے تھی۔ اگر امر سنگھ جو کچھ دکھائی دیتا تھا، وہی اندر سے بھی ہوتا تو خرم چوہداری بار بار ایسے رپڑ کے ناگوں سے خود کو ڈسواتا رہتا۔ میں نے اپنے اس فیصلے سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس ہمدرد اور مہربان لڑکے کو بھی نہیں جس نے مجھے خود کو خطرے میں ڈال کر بتا دیا تھا کہ رگ جاؤ۔ آگے بڑھنا ہوا ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ زندگی کی گاڑی اب چلتی ہی رہے گی۔

پہلے دن پاک کرسی کی مالیت کے لحاظ سے میں نے تین سو پندرہ روپے کما لیے تھے۔ یہ آمدنی معقول ہی نہیں بلکہ میرے ان خوابوں کی کڑیاں پھینے اور جوڑنے کے لیے کافی تھی جو پہلے دن ان پورٹ کے باہر لوٹ گئے تھے۔ اب اگر میں چاہتا تو اپنے لیے کسی معمولی ہوٹل میں کمرہ لے سکتا تھا اور اچھے ہوٹل میں کھانے کے دام بھی ادا کرنے کا اہل تھا، لیکن میں اپنی جڑوں کو ریتی زمین کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ امر سنگھ مجھ سے کمائی کا حساب نہیں مانگے گا، کیوں کہ میں نے دن بھر میں چھ سات بوتلیں ٹھکانے لگا کر اسے معقول کمیشن دلوا دیا تھا۔

رات نو بجے میں روشن سرکیں چھوڑ کر تاریک گلیوں سے گزرتا ہوا جب سوئپر کالونی پہنچا تو گیس اور تیل کے چوٹے ہر گھر میں جل رہے تھے۔ بدتمیز اور ننگے پتے کہیں کوئلوں کھدروں میں دیک چکے تھے۔ باہر آکاؤ کا سرد دکھائی دے رہے تھے زیادہ تر جوان لڑکیاں کھانے پکھنے میں مصروف تھیں۔ ان ہی میں چھٹے صحن میں عابدہ بھی چپا تیاں پکا رہی تھی۔ انھوں نے چونکہ مٹی کی تین دیواری سے باورچی خانے کا تصور نمایاں کر رکھا تھا، اس لیے میں نے نیچی دیوار کے اوپر سے صرف اس کا چہرہ دیکھا تھا جو شعلوں کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ چلتے وقت میں نے سوچا تھا کہ سیدھا عابدہ کے گھر جاؤں گا۔ مگر عابدہ کو صحن میں تنہا دیکھ کر

میرے فیصلے کے قدموں کا رخ بدل گیا تھا۔ میں رال ٹپکھانے اور انگلی سے پہنچے تک جا کر خود کو گرانا نہیں چاہتا تھا۔ یہ سفر بڑا آسان تھا۔ اس سفر پر تو ہر جوان دندناتا ہوا چل پڑتا ہے لیکن عابدہ کو یقیناً ایسے ہی نوجوانوں سے دور رکھنے کے لیے اس کی ماں نے خود کو چادر اور چادر دیواری سے نکال لیا تھا۔ امر سنگھ کا دروازہ عابدہ کے گھر سے دکھائی دیتا تھا۔ میں نے دروازے میں رگ کر عابدہ کی طرف دیکھا تو وہ کھڑی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ معاً اس نے ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے گرا دیا۔ وہ مجھے سلام کرتے کرتے گھر آکر رگ گئی تھی یا کوئی اشارہ ادھورا چھوڑ کر اندر بھاگ گئی تھی۔ امر سنگھ کی چارپائی خالی تھی۔ وہ شاید دوسرے کمرے میں کھانا تیار کر رہا تھا۔ اس لیے میں عابدہ کے در عمل کا کوئی مطلب اخذ کرنے کے لیے باہر ہی رگ گیا۔

عابدہ کے ساتھ ایک شخص دھوق پیہنے باہر آیا تھا۔ عابدہ نے میری طرف اشارہ کیا اور خود باورچی خانے کی طرف چلی گئی، غائبانہ تعارف کے حوالے سے میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ عابدہ کا والد تھا: السلام علیکم... میں نے چند قدم آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

اس نے میرا ہاتھ گرم چوٹی سے دونوں ہاتھوں میں دبایا اور بولا: "میرا نام عبدالحکیم ہے، مجھے عابدہ کی ماں نے بتایا تھا۔ میں اسی لیے اور نام پر نہیں گیا۔ انگو میں حسب معمول چلا جاتا تو شاید برسوں ہماری ملاقات نہ ہو پاتی۔ یہاں کی زندگی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک گھر میں رہنے والے دن کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے ترس جاتے ہیں۔ آؤ، ادھر ہی بیٹھتے ہیں۔ عابدہ کی ماں نے تمہیں بلایا ہے۔"

"اندراؤ مولانا... امر سنگھ نے کہا: مجھے دھی رانی نے بتا دیا تھا، اس لیے چوہداری کے دانے پانی کا انتظام نہیں کیا۔" ہم دونوں یکے بعد دیگرے تنگ دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ امر سنگھ ڈبل روٹی توے پر گرم کر رہا تھا: "جالباس بدل لے... ہاں تو مولانا! سنا ہے تمہارے ہوٹل میں چنگ کے غنڈوں نے ایک لڑکی کو مر شام قتل کر ڈالا ہے۔"

"کوئی دوسری بات کر امر سنگھ! عبدالحکیم نے کہا: گھر میں گھر پر قسم کی باتیں ہی اچھی لگتی ہیں۔"

"کوئی دوسری بات تم ہی بتاؤ؟"

"یہ اطلاع تمہارے لیے ضروری تھی: امر سنگھ! عبدالحکیم نے کہا: میں نے آج اس لڑکے کو می جو کے پیروں میں پیر دیکھا

تھا اور چنگ کے غنڈے یقیناً اسی کو تلاش کرنے آئے تھے۔ انھوں نے جو حلیہ بتایا تھا، وہ اسی لڑکے کا تھا۔"

"اسی لیے میں نے چوہداری کو ایسے مضبوط قلعے میں پناہ گزین کر دیا ہے، جس کی دیواروں اور دروازوں سے چنگ بھی واقف ہے۔ اب چوہداری خرم می جو کی پناہ میں ہے اور می جو اپنے سلٹے میں کھڑے لوگوں کو پچانا جانتا ہے۔"

"ہاں، می جو ایسا ہی ہے۔ عبدالحکیم جیسے مطمئن سا ہو گیا! اگر وہ چنگ کی ٹھکر کا نہ ہوتا تو امر سنگھ اس کا گڑگڑا قتل کر کے زندہ نہ ہوتا... امر سنگھ میں دوسرے گروہ کا آدمی ہوں۔ اس بچے کا خیال رکھنا، کچھ بھی ہو، اپنی مٹی کا آدمی ہے۔ یہ کہہ کر عبدالحکیم نے میرا ہاتھ پٹا اور چل پڑا۔ امر سنگھ... اس کی ذات میرے لیے ایک متممہ بنتی جا رہی تھی۔"

عبدالحکیم کے گھر میں ہم فرشی چٹائی کے کونوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے جس کے درمیان رنگین دسترخوان پر روٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کمرے کے دوسرے کونے میں عابدہ کی ماں بچوں کے ساتھ بیٹھی تھی اور عابدہ ننگے پاؤں بے آواز ہمارے درمیان چل رہی تھی۔

"خرم... اچانک عابدہ کی ماں نے کہا: سنا ہے، تم کسی بدعاش کی ملازمت میں چلے گئے ہو؟"

"میں ابھی اندھا ہوں، خالہ! میں نے جواب دیا: میری انگلی امر سنگھ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جدھر لے گیا، مجھے جانا پڑا۔"

"یہ ہم سب کی مجبوری ہے، ریحانہ! عبدالحکیم بول پڑا: ہمیں کسی نہ کسی کی انگلی پکڑنی ہی پڑتی ہے۔ یہاں سہائے ناگزیر ہیں۔"

"آپ اسے اپنے بار میں کیوں نہیں لے گئے؟"

"میرے ساتھ ایک مجبوری ہے۔ باز جنگل کے کنارے ایک ایسی ندی پر ہے جہاں ہر قسم کا درندہ پیاس بجھانے آتا ہے اور خرم نے آتے ہی ایک بڑے درندے کو پھر مار دیا ہے۔ اس لیے یہ درمیں محفوظ رہ سکتا ہے جہاں امر سنگھ نے اسے رکھوایا ہے۔"

رات تقریباً گیارہ بجے جب میں ان کے گھر سے نکلا تو میری آنکھوں میں ہیند کی کنکریاں پیچھے رہی تھیں اور دل میں عابدہ سمائی ہوئی تھی۔

واپس پہنچا تو امر سنگھ جاگ رہا تھا۔ میں نے اس سے می جو کے سلسلے میں دریافت کیا تو وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا: "می جو ایک بین الاقوامی تنظیم کا سرغنہ ہے اور پورے چنگ کا واحد حریف ہے۔ دونوں کا کام ایک ہی ہے۔ چنگ کے

ساتھ عمر کے تجربات ہیں۔ اس نے خون ریز مقابلوں کے بعد می جو سے باہمی مفادات کا ایک سمجھوتہ کر لیا ہے۔ دونوں اپنی اپنی حدود میں کام کرتے ہیں۔ جب تم سے اتفاقاً وہ حاقق ہو گئی تو میں تمہارا نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا بدن، کچلی ہوئی لاش میں بدلتے دیکھ رہا تھا۔ اگر میں تمہیں وہاں سے نہ لاتا تو چنگ کے درندے تمہیں چیر پھاڑ دیتے۔ وہ اب بھی تمہیں تلاش کر رہے ہیں لیکن اب ان کی تلاش ختم ہو چکی ہے۔ کل شام میری ایما پر می جو نے چنگ چم کو فون پر آگاہ کر دیا تھا کہ تم اب می جو کی پناہ میں ہو۔"

میں نے اظہارِ ممنونیت میں اس کی طرف دیکھا تو امر سنگھ نے وہاں کھول کر قبضہ لگایا اور اسے کر مجھے سینے سے لگا لیا۔ میں تمہیں اپنے بیٹے جو گندہ سے کم نہیں سمجھتا جو محبت کے روگ میں مبتلا ہو کر اپنی محبوبہ کی گولیوں سے چھلنی ہو کر مجھ سے ہمیشہ کیلے بچھڑ چکا ہے۔"

وہ کچھ دیر بعد سو گیا تو میں نے اس کی بوتل اٹھالی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا... پھر کارک کھول کر پانی کی بوتل ہتھیلی پر ٹپکا کر ڈال دیا... بوتل میں پانی ہی تھا۔ میں نے کارک لگایا اور بوتل الٹ کر پینا دیکھا۔ درمیان میں گول چھوٹا سا سوراخ اندر تک چلا گیا تھا۔ سوراخ آگے جا کر بند ہو جاتا تھا، یوں لگتا تھا جیسے اس غلابے سے کوئی شے نکال لی گئی ہو۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے میں نے بوتل رکھ دی اور سونے کے ارادے سے لیٹ گیا۔

میں عبدالحکیم کے گھر پہنچا تو وہ کام پر جا چکا تھا۔ بچے سو رہے تھے اور عابدہ کی ماں جانا ز پر بیٹھی قرآن کی تلاوت کر رہی تھی۔ عابدہ نے مجھے دیکھ کر دوپٹہ درست کیا اور مسکراتی لنگاہوں سے خاموش سلام کیا اور بہار کے پہلے جھونکے کی طرح لہرائی ہوئی میرے قریب سے گزر کر باہر نکل گئی اور میں چٹائی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بیٹھ کر میں کام کے لیے چل دیا۔

سروس اشیش کا وہی ماحول تھا۔ وہی چپ چپ سے ڈرے اور سہمے ہوئے لڑکے اور وہی وقت کا بیشتر جھٹہ ٹھیل کر گزارنے والا ماسٹری جو... سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا لیکن میری آمدنی گھٹ گئی تھی۔ کیوں کہ ماسٹری جو کے فریئر میں بوتلوں کا اسٹاک ختم ہو گیا تھا۔ اس دن نہ جانے پیاسوں کو کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ آج پانی نہیں ملے گا۔ سوائے ایک بوڑھے کے کسی نے بھی پانی نہیں مانگا تھا۔ وہ بوڑھا بھی کوئی خستہ حال ہی

11

تھا۔ پھٹا ہوا لباس بڑھی ہوئی شیواور سرخ آنکھوں والا یہ بوڑھا وہاں پیدل ہی آیا تھا۔ جاؤ ماسٹر سے کہو بوڑھا نام پانی مانگتا ہے۔ اس نے کیا ڈنڈ وال سے ٹیک لگا کر کہا اور بری طرح ہانپنے لگا۔ "پانی کا اسٹاک ختم ہو چکا ہے جناب! میں نے بڑے ادب سے کہا: ویسے ادھر سروس سائڈ میں ٹل چل رہا ہے۔" اُسے کہو... وہ گڑگڑانے لگا: آج اپنے کوٹے سے ایک قطرہ دے دے۔ میں مر رہا ہوں لڑکے بھاگ کر جاؤ۔" کیا بات ہے چوہدری! امر سنگھ کی آواز سنائی دی۔ "یہ پانی مانگ رہا ہے چاچا... مگر بوتلون کا اسٹاک ختم ہے۔"

امر سنگھ نے اپنی جیب سے پلاسٹک کی ٹیوب نکالی اور بولا: سگریٹ نکالو، ٹام!

بوڑھے نے مشکل بوجھل پوٹوں کی جھریوں سے دیکھا اور جیکٹ کی جیب سے مٹری تڑی کنگ سائز سگریٹ نکال کر امر سنگھ کو دے دی۔ امر سنگھ نے ٹیوب کھول کر ایک باریک سا برش نکال لیا برش سے اُس نے سگریٹ کے طول پر ایک لکیر کھینچی اور سگریٹ سلگا کر ٹام کی لورزی انگلیوں میں پھنسا دیا: "موج کر سالتے! امر سنگھ نے ٹیوب بند کرتے ہوئے کہا اور اٹھ کر میری کمز میں ہاتھ ڈال کر کہیں کی طرف بڑھنے لگا: مجھے آج ماسٹری جوتے بلایا ہے۔ اُس نے سرگوشی کی: پتہ نہیں کیا بولے گا۔"

"ہمیں دروازہ کھلا ہی بلا اور می جو مینز کے پیچھے کرسی پر جھول رہا تھا: لڑکا چل جائے گا: می جو نے کسی تمہید کے بغیر کہا: میں اسے سروس سائڈ پر لگانا چاہتا ہوں۔ میرے گا کہوں میں لڑکیوں کی تعداد حیرت انگیز طور پر بڑھنے لگی ہے۔ میں جانتا ہوں، ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

"ابھی کچھ دن اور چلنے دو، ماسٹر...! امر سنگھ نے کہا: ابھی اس کے پڑکھل نہیں ہوئے۔"

"ایک تجربہ ہی سہی! امر سنگھ: ماسٹر نے مسکراتے ہوئے کہا: بزنس مین کو کوئی چانس ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے، تم ایک تبلیغ تجربے سے گزر چکے ہو، اسے تبادو جو گندہ سنگھ بننے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟" میں اسے دوسرا جو گندہ نہیں بننے دوں گا ماسٹر! امر سنگھ نے کہا۔

"خرم چوہدری...! می جو نے میری طرف جھک کر کہا: یہاں ہاتھ اور کان استعمال ہوتے ہیں۔ کانوں سے محکم سُنو... اور

ہاتھوں سے تعمیل کرو۔ زبان صرف اپنی ضروریات کے لیے کھولو۔ ایسے لوگ ادھر بہت کامیاب رہتے ہیں: یہ کہہ کر وہ امر سنگھ کی طرف متوجہ ہو گیا: اسے ناٹن تھری اسٹریٹ پہنچا دو، اسے میڈم شیورا کی گاڑی صاف کرنا ہوگی۔"

"نہیں ماسٹر...! امر سنگھ اکثر لہجے میں بولا: تم جلد بازی کرنے لگے ہو۔"

"لے جاؤ...! ماسٹر غرایا: می جو کے سودے منسوخ نہیں ہوا کرتے۔"

امر سنگھ نے اٹھتے ہوئے زیر لب ماسٹر کو گالی دی۔ باہری جو کی نئے ماڈل کی کرو لاکھڑی تھی۔ ہم اس میں بیٹھ گئے۔ وہ چپ چاپ سا تھا اور ایک ہاتھ سے ڈاڑھی کے بال نوچنے لگا تھا، جس سے اُس کی ذہنی کیفیت ظاہر ہو رہی تھی۔

وہ علاقہ شہر سے پندرہ کلومیٹر باہر، فارموں کے قریب تھا۔ جہاں جدید کوٹھیاں بھی بنی ہوئی تھیں۔ چند کوٹھیوں کے بعد ایک گلی تھی جس کے سامنے ایک وسیع پارک تھا جس کی بیچوں پر بوڑھے جوڑے گھسی ہوئی چونچیں لٹا رہے تھے اور کچھ ننھے ننھے بچے کھیل رہے تھے۔

ناٹن تھری اسٹریٹ میں امر سنگھ نے گاڑی چوتھی کوٹھی کے سامنے روک کر مین بار بارڈن بجایا اور اُتر کر گریٹ پر جا کھڑا ہوا۔ اندر سے ایک سیاہ فام بڑھیا آئی اور کارڈ لے کر واپس چلی گئی۔ میری نگاہ امر سنگھ کے دائیں شانے کو پھلانگتی ہوئی اس شیشے کے دروازے پر جم گئی، جس کے پس منظر میں رنگین پردہ ہلکوت لے رہا تھا۔ میں سانس روک کر کسی پری چہرہ کے ظہور کا منتظر تھا کہ خود کار آہنی گیٹ بے آواز کھلنے لگا۔ بجھوری بجری پر چلتے ہوئے ہم شیشے کے دروازے پر پہنچے تو گیٹ کی طرح اس نے بھی ہمارے لیے اپنا سینہ وا کر دیا تھا۔ دروازے کے سامنے ایک طویل راہداری تھی جس کے اختتام پر وہ سیاہ رو بڑھیا گردن خم کیے کھڑی تھی۔ "مادام آپ کی منتظر ہیں۔" اس نے مؤدب انداز میں ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

امر سنگھ نے مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور خود میرے عقب میں آ گیا۔ وہ دروازہ بھی خود کار تھا، میں نے کندھے اچکاٹے اور اندر قدم رکھا اور ٹھٹک گیا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔ اس کا سفید لبادہ فرش پر پھیلا ہوا تھا۔ اگر وہ ہاتھ سے اشارہ نہ کرتی تو میں اسے سنگ مرمر کی مورتی ہی سمجھ لیتا۔ "ماسٹر تک میرا شکریہ پہنچا دینا: اس کی آواز بھی اُس جیسی

حسین تھی۔ امر سنگھ نے گردن خم کر کے اُسے تعظیم دی اور باؤب لہجے میں جاپانی زبان میں کچھ کہا جسے سُن کر مادام شیورا کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی: ٹھٹک ہے۔ تم جا سکتے ہو: وہ بولی۔

امر سنگھ کو پلٹے دیکھ کر میں نے بھی قدم اٹھایا۔

"نہیں، تم نہیں...! مادام کی آواز نے میرے قدم جکڑ لیے۔

"تم میڈم کے پاس ٹھہرو گے: امر سنگھ نے جاتے جاتے کہا اور مجھے حیرتوں میں غوطہ زن چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔

میں ہانگ کالنگ میں اجنبی اور ان لوگوں کے نزدیک بے بس گھائل پرندہ تھا لیکن میں دودھ کی بوتل چھوڑ کر ادھر نہیں آیا تھا۔ میں بائیس برس کا نوجوان تھا لیکن امر سنگھ کے جاتے ہی مادام شیورا نے اپنے سفید دانتوں کی چاندنی مجھ پر لٹائی تو میرے دل کی ہر خواہش جیسے بیمار سی ہو گئی۔ شاید اس کے پیچھے کوئی نفسیاتی عمل رہا ہو۔ وہ مسکراتی اور قدم قدم پر ہنسنے لگی ہوئی اپنی لمبی پوشاک منجھانے لگی۔ وہ ایک گلی جو انگریزی فلموں کے سیٹ کی طرح بھی ہوئی تھی لیکن مادام سارے ماحول پر کسی گہرے رنگ کی طرح چھا گئی۔ ڈبل بیڈ کے کنارے بیٹھی، ایک سفید پتی اپنے پاؤں چاٹ رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ، ماسٹر کھرم: اُس نے مترنم آواز میں کہا۔ "گاڑی...! میرے حلق میں پھندا سا لگ گیا: مجھے گاڑی صاف کرنے بھیجا گیا ہے۔"

اس نے سر جھٹک کر چہرے کو سیاہ گھٹاؤں سے نکالا اور ہنس پڑی: "مجھے تم جیسے نوجوان پسند ہیں جو انجان پن میں مجھے اس لطف سے آشنا کر جاتے ہیں جس کے لیے میں ان بند کمروں میں ترستی رہی ہوں۔ جھول جاؤ کھرم! بالکل جھول جاؤ، تم کون ہو۔ کہاں تھے، کیوں تھے... بس مجھے یاد رکھو: وہ بوتل اور دو لبوترے سے گلاس نکال کر بیڈ پر بیٹھ گئی: ادھر آؤ کھرم! میرا ساتھ دو۔ میں نے تمہارا وقت خرید لیا ہے۔ ان خریدے ہوئے لمحات کو رنگوں میں ڈبو دو۔"

"سوری مادام...! میں نے خود کو منجھال کر مہذرت چاہی میں شراب نہیں پی سکتا کیوں کہ میں مسلمان ہوں۔ میرے مذہب اور ملک نے شراب حرام قرار دے رکھی ہے۔ آپ بھی یہی مذہب کو تو مانتی ہوں گی؟"

"ہاں ہاں...! اُس نے گلاس سے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"مادام! میں نے اُس کی بات کاٹ کر پوچھا: کیا آپ

مسیح کی برگزیدہ ہستی کی شبیہ کے سامنے بیٹھ کر شراب پی سکتی ہیں؟" وہ... نہیں نہیں: اس نے بوکھلا کر گلاس سا مڑھ ٹیل پر لٹکھ دیا اور کنپٹیاں دبائے لگی۔

"تو پھر میں اپنے خدا کے سامنے ایسی گستاخی کیسے کر سکتا ہوں! مادام! جو ہر جگہ موجود ہے؟"

"اور اسٹ آپ: وہ مٹھتیاں بھینچ کر چینی: تمہیں یہاں تبلیغ کے لیے نہیں بلایا گیا۔ یہ ایک ترسی ہوئی عورت کی خواہگاہ ہے۔ یہاں جنہوں کی باتیں کرو۔ میں نے تمہاری مٹھ مانگی قیمت ادا کر دی ہے۔ بزنس کے اصول کے تحت تم اور تمہارا وقت میرا ہے۔ ادھر آؤ۔"

"میرا نام خرم چوہدری ہے، مادام! اور میں کسی فارم کا بیل نہیں ہوں۔ تم نے گھاتے کا سودا کیا ہے۔ میں واپس جا رہا ہوں اپنے لیے کوئی دوسرا جانور خرید لو، جو تمہارے تلوے چائنا اپنے لیے باعث فخر سمجھے۔ ہمارے ہاں مرد نہیں بکا کرتے، بلکہ ہم عورتیں خرید کر لیتے ہیں۔ تم نے یقیناً ادھر کے مرد کی تاریخ اور نفسیات نہیں پڑھی ہوگی؟"

"سُنو خرم! وہ ہانپتے بڑے بولے: میرا موڈ خراب نہ کرو۔

تم بھی یقیناً مادام شیورا کی تاریخ اور نفسیات سے بے خبر ہو۔ شیورا، بھیا لنگ موت کا دوسرا نام ہے۔ بڑے بڑے سورامیرا نام سُن کر جلا ہوا کاغذ بن جاتے ہیں۔ ادھر آؤ اور خوش بوؤں میں ڈوب جاؤ: اُس نے آگے بڑھ کر اپنی جلتی ہوئی مٹھیلی میری کلائی پر رکھ دی۔ اس سے قبل کہ میں اس آگ کی گرفت میں آتا، میں نے اُسے جھٹک دیا اور وہ میری کلائی سے کٹ کر پڑھڑاتی ہوئی مسہری کی پتی سے جا لگی۔ تب ہی وہ کسی زخمی ناگن کی مانند پھٹکارتی ہوئی مجھ پر جھپٹ پڑی۔ میں جھکائی دے کر ایک طرف ہو گیا۔ وہ بھی قریب آکر فوراً پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس کے ننھے کسی بدلی ہوئی گھوڑی کی مانند پھپھڑا رہے تھے۔ غصے کی شدت نے اُس کا خوب صورت چہرہ مسخ کر دیا تھا۔ وہ ایک دم دوسرے روپ میں کھل کر سامنے آگئی۔ اگر وہ مشرقی مرد کی نفسیات سے ذرا بھی واقف ہوتی تو خود کو عورت اور مجھے برتر مرد تصور کرتی۔ وہ اگر نرم و نازک ربر کی گڑیا بنی رہتی تو شاید میں اُس کی آرزو میں دھک اٹھتا۔ حماقت مجھ سے نہیں! مادام سے ہوئی تھی۔ تب ہی اصولوں کا توازن بگڑا تھا، تصادم اور لڑنے کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

"کھرم چوہدری...! اس کے لہجے میں چابک کی سی آواز

رجی ہوئی تھی۔ میں تمہارا یہ حسین چہرہ خراشوں کا مسکن نہیں بنانا چاہتی۔ خود کو ٹھکرا دو کھرم اور نہ مجھے اور تیرے خالق کو تمہارے چہرے کا بڑا دکھ ہوگا۔

اُس کی انگلیوں پر نکتے نکتے خنجروں جیسے ناخن دیکھ کر مجھے جھنجھری آگئی۔ مجھے جانے دو مادام! میں نے تھوک نکل کر کہا: "یقین کرو، میں تمہارے مطلب کا آدمی نہیں ہوں تم چھری تلے میرے کسی جذبے کو نہیں جگا سکو گی۔"

وہ لیک ایک یوں چڑمائی، جیسے کسی غبارے میں کوئی ننھا سا سورج ہو گیا ہو۔ وہ گہری سانس لے کر مسہری کی پتی پر بیٹھ گئی اور میں قدرے پرسکون ہو گیا۔ تم... وہ کھسیا کر بولی: "تم کچے نہیں پکتے سو رہو۔ تم اپنی برتری اور عورت کی کم قوی سے آگاہ ہو۔ تمہیں میری اس مجبوری کا احساس ہے کہ کوئی عورت کسی بھی مرد سے جبراً کچھ حاصل نہیں کر سکتی جب کہ مرد جب چاہے عورت کو اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔"

اُس نے جھپٹ کر ریسور اٹھا لیا۔ زبان کا مشلا آڑے آگیا۔ اُس نے کیا کہا تھا، مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ چند مختصر مگر سخت جملوں کے بعد اُس نے ریسور رکھ دیا اور بولی: "میں نے مزید وقت کا سودا کر لیا ہے۔ میرے پاس دولت کی فراوانی ہے اور تمہارے پاس عمر کا ذخیرہ ہے۔ میں وقت خریدتی رہوں گی تمہیں ایک نہ ایک دن جھکنا پڑے گا۔"

"میں جا رہا ہوں مادام! میں نے غمرا کر اعلان کیا! مجھے اپنا چہرہ اس قدر عزیز نہیں، جتنی کہ آزادی عزیز ہے۔ میں پھر سے کا قیدی بن کر نہیں رہ سکتا۔"

مجھے یقین تھا کہ مادام مجھے روکے گی مگر وہ مجھے گھورتی ہوئی بولی: جاؤ... میں دروازہ کھول دیتی ہوں۔"

... اور واقعی دروازہ کھلنے لگا تھا۔ مٹا ایک غراہٹ سنائی دی۔ دروازے کے سامنے بد صورت چہرے والا ایک بھاری بھر کم کتا اگلی ٹانگوں پر وزنی تھوکتی نکالے بیٹھا غرا رہا تھا۔ مادام کے قبضے نے مجھے پٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا: "تو ک کیوں گئے، کھرم! جاؤ..."

دروازہ پھر بند ہونے لگا تو میں ایک طویل سانس لے کر چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ خواب گاہ کی دو کھڑکیاں اُس راہداری میں کھلتی تھیں جہر کتا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے مشرقی کھڑکیوں کو دیکھا اور دوڑتا ہوا آدھر گیا، کھڑکی کھول کر دیکھا، نازک باریک تاروں کی گرل لگی ہوئی تھی۔ مادام رنج بدل بدل کر مجھے یوں دیکھ رہی تھی جیسے

گھر کی راہرواں بتی، جو ہے کوئل تلاش کرتے دیکھ رہی ہو۔ میں اچھیل کر کھڑکی کی سیل پر چڑھا اور دونوں پٹ پکڑ کر دائیں پاؤں کی ٹھوکر ماری۔ میرا پاؤں تڑتڑاتی تاروں سے باہر نکل گیا۔ پاؤں کھینچ کر دوسری ضرب چوکھٹ کی جڑ میں لگائی تو گرل اوپر سے نیچے تک اٹھ گئی۔ میں نے پٹ کر دیکھا۔ وہ پرسکون کھڑی، مجھے پھر سے کی سلاخیں توڑتے دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہی کتا آواز سن کر کھڑکی کے سامنے آگیا۔ اُس کی آنکھوں میں مقابلے کی دعوت تھی، جسے میں نے قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ باہر سے کی صورت میں جو خطرہ میرا منتظر تھا، اُسے تو میں ذہنی طور پر قبول کر چکا تھا لیکن مجھے اب بھی مادام کی طرف سے خوش نہیں نہ تھی۔ اُس کے چہرے پر جیسے جیسے سکون کے پیچھے کوئی گہرا راز تھا۔ اُس کی مسکراتی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا، وہ اس کھیل سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔ گویا اُسے میری طفلانہ کوششوں سے کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ ابھی مجھے سامنے موجود خطرے سے مقابلہ کرنا تھا، اس لیے میں نے خود کو گرل سے گزارنا چاہا تو وہ بولے بغیر نہ سکی: "اتنی نہ بنو نوجوان! کتا تمہارا زخروہ چبا ڈالے گا۔ اندر آؤ، ہم کوئی دوسرا حل تلاش کر لیں گے۔"

کتا اب پرجوش انداز میں اگلی ٹانگیں اٹھا کر بھونکنے لگا تھا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ وہ غصے میں پاگل ہو جائے جب میں نے کھڑکی سے چھلانگ لگائی تو کتا زمین سے ایلے ہی اٹھا تھا جیسے مجھے فضا میں ہی اچک لینا چاہتا ہو مگر میں قصاب کی دکان سے پھینکا ہوا چھپر نہیں تھا۔ کتا مجھ سے چند سینکڑ پہلے زمین پر گر کر بے توازن ہو چکا تھا اور میں نے اس مختصر وقفے کو استعمال کرنے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ وہ ابھی سنجیل ہی رہا تھا کہ میرا ذہنی جسم اُس پر جا گرا۔ میں نے دونوں پاؤں جو کرکتے کی گردن پر مارے اور چھپر ہو کر دوڑ جا گرا۔ چوٹ زوردار تھی۔ کتا پہلے تو زمین کے ساتھ دب گیا پھر لوٹنیاں لگاتا ہوا کپا وال سے جا بکریا۔ کتا ابھی اٹھ کر رخ نہیں بدل پایا تھا کہ میں ایک کر اُس کی پچھلی ٹانگیں گرفت میں لے لیں اور دوسرے ہاتھ سے کتا فضا میں تیرتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا اور فیصلہ ہو گیا... کتا جان کنی کی آفتوں میں مبتلا ہو گیا تو میں نے اچھٹی سی نگاہ مادام پر ڈالی اور راہداری میں داخل ہو گیا۔ ابھی مجھے دو خود کار دروازے سے گزرنا تھا لیکن پہلے دروازے سے بھی آدھر سیاہ فام پتھر چٹان کی طرح راستے میں حائل ہو گئی: اندر چلو، نادان لڑکے! اُس نے نرم لہجے میں کہا۔

"راستہ چھوڑ دو" میں نے ہانپتے ہوئے کہا: "میں اندر

ہی باہر آیا ہوں۔"

"باہر کا موسم خراب ہے بچے! اُس نے پچکارنے کے سے انداز میں مجھے پیچھے دھکیل دیا۔ چلو شاباش۔ اچھے بچے صند نہیں کیا کرتے۔"

میں الجھ سا گیا۔ میرے سامنے کوئی پتھر کی چٹان نہیں بلکہ گوشت پوست کی سفید بالوں والی ایک مقرر عورت تھی جو میرے نزدیک کسی مقدس کتاب کی طرح قابل احترام تھی۔ میں اُسے پھلانگنے کی گستاخی نہیں کر سکتا تھا۔ ہٹ جاؤ! میں نے ہاتھ بڑھا کر اُسے نرمی سے مٹانا چاہا لیکن وہ روایتی چٹان بن گئی اور شے سے مس نہ ہوئی۔ اُسی لمحے اندر سے مادام باہر آگئی۔ اب اُس کی آنکھوں میں مسکراہٹ نہیں تھی بلکہ خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔ اُس نے اپنی مادری زبان میں چیخ کر کچھ کہا تو سیاہ فام بڑھیا کا گھٹنا میرے پیٹ میں اور کھڑی ہتھیلی کی زوردار ضرب میری گردن کے دائیں حصے پر پڑی۔ میری آنکھوں کے سامنے سیاہ چادر تن گئی۔ میں نے گرتے گرتے مادام کا قبضہ سنا... پھر میرے حواس کے چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

وہ رات ہی کا کوئی ٹھٹھرا ہوا پہر تھا، جب میرے حواس کا کوئی چراغ روشن ہوا۔ سب سے پہلے ناقابل برداشت بدبو کا احساس میرے غصوں میں جاگا۔ میں تڑپا تو میرے ہاتھ کچرے میں دھنس گئے، تب دیکھ بھرا احساس ہوا کہ خرم سلطان جو بدری رات کے اُس لمحے کسی کوڑے کے ڈرم میں اٹھا کھڑا ہے۔ میں نے حرکت کی تو گردن تک کچرے میں دھنس گیا۔ میں فوراً ساکت ہو گیا۔ یہاں نیشنل کیڈٹ ٹریننگ کام آئی اور میں اگلے ہی لمحے ڈرم سے باہر اپنے پیروں پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ شہر سے کس قدر دور ہوں اور رات کی تاریکی کا سفر ابھی کتنا باقی ہے۔ سمت اور وقت کا تعین ضروری تھا کیوں کہ مادام نے میرا لباس بطور نشانی اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ میں اللہ کا نام لے کر ایک طرف چل دیا۔ قریب ہی پارک نظر آیا تو میں اُس میں جا گھسا۔ وہاں اُن گنت جسم لاشوں کی طرح ساکت پڑے تھے۔ ایسی ہی ایک سانس لیتی ہوئی لاش سے کبل اُٹا کر میں وہاں سے بھاگ اٹھا اور بھاگتا ہی چلا گیا۔

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ عبدالحکیم کے گھر سے بھی ایک کرن باہر آئی اور مجھے کبل میں دیوار کے سہارے بیٹھے دیکھ کر وہ غالباً چیخ کر اندر جانا چاہتی تھی کہ میری آواز سن کر رک گئی۔ وہ پتھر پر جھکی اور پھر میرے گھٹنوں پر ہتھیلیاں ٹیک کر بیٹھ گئی۔ "تم... لیکن کیوں؟"

"ماں کو جگاؤ! میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: میں اندر جانا چاہتا ہوں لیکن تمہارے ساتھ نہیں..."

اُس نے میری جلتی پیشانی کی پیش اپنے ہاتھوں پر محسوس کی تو چونک اٹھی۔ اُسے تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔ چلو اندر چلو! میں عابدہ کے ساتھ اندر نہیں گیا تھا بلکہ اُس نازک سی جان نے میرا بوجھ سہارا لیا تھا۔ اندر ناٹ لب روشن تھا۔ عبدالحکیم تو شاید سویا ہوا تھا لیکن ریحانہ بیگم وضو کا پانی لیے باہر آ رہی تھی: اماں... عابدہ نے مجھے اپنے پلنگ پر ڈالتے ہوئے کہا: "خرم بخار میں جل رہا ہے۔ یہ باہر بیٹھا ہوا تھا۔"

ریحانہ بیگم نے سب کو جگا ڈالا اور سارا خاندان جاگ کر میرے ارد گرد پھیل گیا۔ کچھ دیر بعد وہ ماں بیٹی کہیں باہر چلی گئیں تو میں نے عبدالحکیم کو اپنی سرگزشت سنا ڈال اور درخواست کی: "امر سنگھ کو میری یہاں موجودگی کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

پانچ روشن دن اور چار سرد تاریک راتیں! میں عابدہ کے قریب کی مہک میں ڈوبا رہا تھا۔ عابدہ روایتی جھپک کے خول میں بند تھی۔ اُس کی محبت کا دھیمپن مجھے بے حد اچھا لگا۔ اُس کا پیار برساتی ندی کے شور جیسا نہیں تھا بلکہ سمندر کی عمیق گہرائیوں اور خاموشیوں جیسا ٹھٹھرا ہوا سا اور گہرائیوں میں پرجوش تھا۔ ایک شام ننھے کو کھانسی تھی۔ ریحانہ بیگم مجھے گہری نیند سوتا چھوڑ کر ڈاکٹر کے پاس چلی گئی تو عابدہ گھر میں تنہا رہ گئی۔ میں سویا ہوا نہیں تھا اور نہ ہی بہانے کیے ہوئے تھا بلکہ میں تو انکھوں کے بند کمروں میں اپنا ماضی تلاش کر رہا تھا کہ اچانک مانوس خوشبو کا جھونکا میری ناک سے نکلا۔ میں نے چونک کر بند درختے کھول دیئے۔ عابدہ کا چہرہ مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹ مسیری پیشانی پر مقدس مہر بن کر ثبت ہو گئے۔ "خرم..." اُس نے گردن اُلٹا کر فرش پر انگلی سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے کہا: "واپس چلے جاؤ خرم۔ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"مجھے تمہاری مجبوریوں اور تمہارے والدین کی پریشانیوں کا احساس ہے۔ میں آج رات ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

اس نے تڑپ کر میرے ہونٹوں پر اپنا مہکتا ہوا ہاتھ رکھ دیا: تم غلط سمجھے خرم... یہاں سے مراد میرا گھر نہیں میں چاہتی ہوں کہ تم یہ شہر چھوڑ کر واپس اپنے وطن چلے جاؤ۔ ابا اور امی بھی یہاں سے نکلنے کی فکر میں ہیں۔ یہ وحشیوں کا شہر ہے۔"

"میں واپس نہیں جاسکتا عابدہ... میں سارے پل توڑ کر اس ساحل پر آتا ہوں۔ میں آگے تو بڑھ سکتا ہوں مگر واپس

نہیں جاسکتا۔ ہاں وقت کے فن کار ہاتھوں نے پل دوبارہ تعمیر کر دیئے تو ضرور واپس جاؤں گا۔

”جانتے ہو اب امانی نے کیا سوچا ہے؟“

”ہاں... میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ ہمیں ملانا چاہتے ہیں نا؟“

”ہاں... عابدہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ لیکن... لیکن کیا ایسا ممکن ہے؟“

”میں نہیں... بالکل ممکن ہے لیکن ہم کوئی عہد نہیں کریں گے۔ یہ وعدوں کا دور نہیں ہے۔ ہاں ہم اپنا حرم زندہ رکھیں گے۔“

”میں اب اسی عزم کے بھروسے پر یہاں وہاں ہر جگہ تمہارا انتظار کرتی رہوں گی۔“

”مٹنے کی کھانسی کی آواز سن کر وہ اچھل پڑی اور میں نے بھی کروٹ بدل لی۔

چھٹے روز ہم دونوں تاروں کی روشنی میں گھر سے نکلے اور ہائی وے تک پیدل ہی گئے۔ وہاں پیٹرول پمپ کے احاطے میں عبدالحمید کی کار کھڑی تھی۔ ڈرائیونگ جانتے ہوئے عبدالحمید نے چابی نکلے ہوئے پوچھا۔

”سوزو کی چلاتا رہا ہوں۔“

”خیر بیٹھو۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ میں عینک بھول آیا ہوں۔ دور کی چیز کم دکھائی دیتی ہے... ہمیں مضافات کی تاریک سڑکوں پر سفر کرنا ہوگا۔ بیٹری لائٹس بھی خاصی کمزور ہیں۔ باتوں کے دوران ہی کار کا انجن جاگ اٹھا۔ عبدالحمید اچھا ڈرائیونگ نہیں تھا یا نظر کی کمزوری کا کاٹ بن گئی تھی... کار فراخ اور ویلان شکر پر بشکل چالیس کی رفتار سے چل رہی تھی۔

”میرے سامنے تیری سلامتی کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔ ماسٹری جو کی دشمنی آؤٹ جیسی ہے وہ باغیوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔“

”میرا پاپورٹ اور کاغذات اسی کے پاس ہیں۔“ میں نے بتایا۔ ”میں اب یہ ملک بھی نہیں چھوڑ سکتا۔“

”خود کو چھپائے لکھنا تصویر کے ذریعے اُس کے گھر کے تھیں شہر میں تلاش کریں گے۔ اسی لیے میں تمہیں ادھر لے آیا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے گھنے درختوں کے نیچے کار روک دی۔ ایک فرلانگ کا فاصلہ پیدل طے کرنے کے بعد ہم ایک چوٹی کیپاؤنڈ وال چھلانگ کر اندر گئے اور عبدالحمید نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی... پھر گھوڑے کی آواز سنی تو ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک بوڑھا گھوڑے

کو سرپٹ دوڑاتا ہماری طرف آ رہا تھا۔

وہ ٹھکنے قد اور مضبوط جسم کا چینی نژاد ساٹھ سالہ بوڑھا تھا۔ آتے ہی اُس نے میرا معائنہ شروع کر دیا پھر چند قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔ ”آج اپنے نام بولو۔“

”حرم چوہدری۔“ عبدالحمید نے جواب دیا۔ ”مشر ہو کی میری امانت ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ماسٹری جو سے بھاگ کر آیا ہے۔“

”مشر ہو کی نے سر ہلاتے ہوئے میرا ہاتھ تھاما اور چپلنے کا اشارہ کیا۔

”حرم یہ اپنا وفادار دوست ہے۔ ہم کئی برس ڈھاکہ میں ساتھ رہ چکے ہیں۔ خود کو ملازم نہ سمجھنا۔ ویسے تمہیں مصروف رکھنے کے لیے ہو کی کے پاس بہت کام ہیں۔ اصل مقصد کچھ عرصہ ڈپٹی ہے۔ میں تمہارے باہر نکلنے کی راہ بنانے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ اُس وقت تک ہو کی ایک اچھا محافظ ثابت ہوگا۔ میں گاؤں کا ہے آتا رہوں گا۔“

دیکھنے کو مشر ہو کی ساٹھ سالہ بوڑھا تھا مگر اس کا دل دماغ، عادات اور حوصلے کسی بھی جوانوں سے کم نہیں تھے۔ بچپاس بھڑپا پر شتمل فارم تھا۔ فارم کا تمام تر کام میں نے سنبھال لیا اور پورا ہفتہ امن و سکون سے بیت گیا۔ آٹھویں رات کو عبدالحمید آیا تو بے حد خوف زدہ تھا۔ اس کے دائیں جیڑے پر نیل کا نشان نظر آ رہا تھا۔ ”حرم! ادھر حالات بہت خطرناک ہیں۔“ اُس نے کہا۔ ”مٹی جو پاگل آؤنٹ کی طرح بلبلا رہا ہے اور اس کے آدمی باؤلے کتوں کی مانند دوڑتے پھرتے ہیں۔ اس نے امرنگھ کو قید کر رکھا ہے۔ میری بھی طلبی ہوئی تھی۔ تم اس گروہ کا کوئی اہم رازر ساتھ لے آئے ہو ورنہ اتنی کھلبلی نہ مچ رہی ہوتی۔“

”ہاں میرے پاس دو راز ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”مٹی جو کا پیٹرول پمپ ہیروئن کی اسمگلنگ کا اڈہ ہے۔ پانی کی بوتلوں کے پینڈے میں ایک باریک سی ٹیوب ہوتی ہے۔ قیمت وہ پیٹرول کی قیمت کے ساتھ وصول کر لیتا ہے۔ دوسرا وہ مجھے جیسے نوجوانوں کو عیاش امیر زادوں تک پہنچاتا ہے۔“

”واہ... ہو کی نے قبضہ لگایا۔ کاش! میں جوان ہوتا تو خود کو فوراً مٹی جو کے حوالے کر دیتا۔“

”میرے بار میں جنگ پی کے غنڈے آئے تھے۔ وہ غالباً تیری تلاش میں دل چسپی رکھتا ہے۔ وہ مٹی جو کے ہر باغی کو اپنے گروہ میں لے لیتا ہے۔“

”اور سب خیریت ہے نا؟ میں لاکھ چاہنے کے باوجود عابدہ کا نام نہ لے سکا۔

”ہاں... مگر مجھے ہر وقت بچوں کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ وہ بڑا کمینہ آدمی ہے۔“

”نہیں... میں نے گھبرا کر کہا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر اُس نے کوئی ایسی حرکت کی تو میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔“

”واہ...“ عبدالحمید نے میرا ہاتھ تھپک کر کہا۔ ”ایسی کوئی بات نہ ہوگی بیٹے! میں نے اس جنگل میں زندہ رہنے کا فن سیکھ رکھا ہے... پھر میں نے بھی تو کسی دیوار کا سایہ قبول کر رکھا ہے۔ تم بس اپنا خیال رکھو۔ میں نے مشر اکیڈا سے بات کر لی ہے۔ وہ تمہیں رنگون میں اتارنے کا انتظام کر دے گا۔“

”میں رنگون نہیں جاؤں گا۔“ میں نے فیصلہ سنایا۔ اگر مجھے یہاں سے نکالنا ہی ہے تو یونان بھیج دیں۔ میں گھر سے یونان کے لیے ہی چلا تھا کہ تقدیر نے ہانگ کانگ کی غلطیوں میں پھینک دیا۔“

”تھپک ہے۔“ عبدالحمید اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میں اکیڈا سے بات کروں گا۔“ وہ جب اٹھنے لگا تو اُس کے منہ سے سکائی نکل گئی۔ چہرے کے نیل کی طرح اُس کے جسم پر بھی ایسے ہی نیل موجود ہوں گے۔ اُس شریف ہستی کو میری وجہ سے کتنی اذیتوں سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ میں اُس کا درد محسوس کر رہا تھا مگر بے بس تھا۔

اُس رات مجھے اپنی بے بسی اور عبدالحمید کے خاندان کے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات نے سونے نہیں دیا۔ رات بھر میں عابدہ کے گھر اور زینت کے خیالوں کے درمیان دوڑتا رہا۔ حتیٰ کہ مرغ کی پہلی ہانگ پر میں نے ہاتھ بڑھا کر ماچس تلاش کی اور ٹیبل لیپ جلا دیا۔ امرنگھ کی بات مجھے کھا گئی تھی۔ میں نے پہلا سجدہ اُسی کے گھر میں کیا تھا۔ وہ سجدہ میری جبین پر جاگتا رہتا تھا اور ہر نماز کے وقت مجھے خدا کے حضور گرنے پر مجبور کر دیتا تھا میں وضو کر کے نماز کے لیے کھڑا ہو گیا لیکن جب سلام پھیرا تو میرے پیچھے ہو کی کھڑا پائپ پی رہا تھا۔ اُس نے باڑے کی زنگ آلود چابی میری طرف بڑھا دی۔ یہ رفزاد کا معمول تھا۔ بھڑپوں کا دودھ دوہنا میری ڈیوٹی تھی۔

اس روز مجھے دیکھ کر ہو کی کے گھوڑے نے نتھنہ چھلا کر دلی آواز میں مہیننا شروع کر دیا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، میں اس کی گردن پر تھپکی دے کر آگے نکل گیا۔ تمام بھڑپس خلاف معمول باڑے کے کونے میں ایک جگہ دُکی کھڑی تھیں۔ وہ مجھے دیکھ کر میا نے لگیں۔ میں نے باڑے کا جائزہ لیا۔ ہو کی نے بتایا

تھا کہ ایک جنگل بلا کبھی کبھی باڑے میں گھس کر بھڑپوں کو پریشان کرتا رہتا ہے۔ باڑے میں کوئی ایسی شے نہیں تھی... پھر بھی بھڑپس سہمی سہمی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ایک طرف ٹھٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ ادھر مغربی دیوار کے ساتھ ساتھ گھنے درخت دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے گردن گھما کر ادھر دیکھا تو دیوار کے اوپر سے دو آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں... پھر ایک دم پورا چہرہ اُبھرا اور میں نے اُس چہرے کو پہچان کر گیٹ کی جانب چھلانگ لگائی... لیکن مجھے خود کو فوری روکنا پڑا۔ کھلے گیٹ میں ایک اور شخص کھڑا مسکرا رہا تھا اور اُس کے ہاتھ میں دبے ریو اور کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔

”نہیں مارتھی! شناسا چہرے والا چیخ پڑا۔ یہ میرا شکار ہے۔“ میں نے تھوک نکل کر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ دیوار پھاند کر باڑے میں کود آیا تھا۔ اُس کے دونوں خالی ہاتھ آگے پھیلے ہوئے تھے۔ ایسا ہی انداز اُس نے پہلے بھی اپنا یا تھا اور میں نے دھوبی پاٹ آزما کر خود کو بچا لیا تھا لیکن آج وہ خود میری طرف بڑھ رہا تھا اور میرے پیچھے ایک مسلح نوجوان کھڑا تھا۔ میرا حریف آہستہ آہستہ میری طرف یوں بڑھ رہا تھا جیسے چیتا اپنے شکار کی جانب بڑھتا ہے۔ اچانک فضا میں ہو کی کے گھوڑے کی ہنہنا ہٹ اُبھری تو میں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ ہو کی گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا۔

میں نے غیر محسوس انداز میں چہرہ ذرا ساد میں جانب گھما کر اُس شخص کی پوزیشن اور فاصلے کو نگاہوں ہی نگاہوں میں ناپا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ سامنے آنے والا آدمی جس سست روی سے میری طرف آ رہا تھا اُسی تیزی سے مارتھی مجھ سے اپنا فاصلہ بڑھا رہا تھا۔ اُس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی شکست خوردہ شخص پچھلے پاؤں میدان چھوڑ رہا ہو لیکن یہ اُس کی چال تھی جو بعد میں مجھے معلوم ہوئی۔ وہ خود کو میری دسترس سے دور رکھ کر اپنے ساتھی کے اقدام کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ یہ احتیاط شاید اس لیے کی گئی تھی کہ اگر میں ایک سے فٹ کر فوراً دوسرے پر حملہ کرنا چاہوں تو فاصلے کی وجہ سے ایسا نہ کر سکوں۔

لڑنے کا یہ محفوظ اور محتاط انداز میں نے اُسی سے سیکھا تھا... ایک ایک میں نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا اور جسم پر لرزہ بھی طاری کر لیا تو وہ قریب آ کر اُنھیں کا شکار ہو گیا۔ ”اے! ہاتھ نیچے کرو۔“ وہ غراپا اور میں لڑکھڑانے کے انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے دائیں بائیں لہرا اور اس کی تنی ہوئی انگلیاں ستر کو مارتی تھیں۔ ہاتھ نیچے گر کر وہ ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ درمیانی فاصلہ بڑھتے بڑھتے اور بھی کم

ہو گیا۔ کیونکہ میں نے دائیں بائیں لہراتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھا دیا تھا۔ ایک قدم وہ بھی آگے آیا تو تکرر دائیں گھٹنے اور دونوں ہاتھوں کی ضرب ایک ساتھ مارنے کی کامیابی میرے ہتھ میں آئی تھی۔ مارگٹ کی پوزیشن ایسی تھی کہ میں نے بیک وقت تینوں ضربیں لگا دی تھیں۔ اس کے حلق سے دباؤ نکلی۔ وہ پہلے اچھل کر پشت کے بل گرے لگا تھا لیکن گھٹنے اور ہاتھوں کی ضرب نے اسے پیچھے نہیں گرنے دیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر جھکا اور آنے کی بھری ہوئی بوری کی طرح دھپ سے میرے قدموں میں گر گیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ اور ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ مارگٹ اب پندرہ قدم دور کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں سیاہ ریلوڈ ایک آنکھ سے مجھے گھور رہا تھا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ مارگٹ کی دور سے دور نہیں ہوا تھا اور یہ انکشاف بھی میرے تجربے میں اضافہ ہی تھا کہ جنگ میں فاصلے کو کس قدر اہمیت ہوتی ہے۔ اگر مارگٹ بھی اپنے ساتھی کی مدد کے لیے میرے قریب ہوتا تو میری کامیابی کا فکشی فکشی چانس ہوتا لیکن مارگٹ نے فاصلہ بڑھا کر خود کو محفوظ کر لیا تھا اور مجھے بے بس ہونے اور جیتی ہوئی بازی ہارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ میرے ہاتھوں کی پہنچ سے دور تھا اور میں اس کے ریلوڈ کی گولی کی حدود میں حالی ہاتھ کھڑا تھا۔ مارگٹ کا ساتھی خالی ہاتھ میرے مقابلے پر آیا تھا۔ میں نے مقابلہ جیت لیا تھا لیکن گوشت پوست کا جسم گولی کا مقابلہ کیسے کرتا۔ میں زندگی سے نہ سہی مگر اپنی آزادی سے مایوس ہو گیا۔ کیونکہ اس کی انگلی بلی سے دور تھی۔ اگر وہ مارنا چاہتا تو فائر کر کے اپنے ساتھی کا انتقام لے سکتا تھا لیکن وہ صرف مجھے گھور رہا تھا۔ فوری اور فطری کارروائی کا خدائے نکل گیا تھا، اس لیے مجھے اُمید تھی کہ وہ فائر نہیں کرے گا۔ ہاتھ اٹھا کر گیسٹ کی طرف بڑھو۔ مارگٹ نے ریلوڈ والے ہاتھ کو جھکا دے کر مجھے حکم دیا۔ اُسے شاید یہ خدشہ تھا کہ میری جیب میں بھی کوئی آتشیں کھلونا ہو گا۔ میں نے تھوک نکل کر چاروں طرف دیکھا۔ ہر طرف قداور دھت چپ چاپ اور اس کھڑے میری بے بسی کو دیکھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ پرندے بھی خاموش تھے۔ جیسے ہر شے وقت کی منتظر تھی۔

وہ دھماکا سماعت شکن ہی تھا جس نے ساکت اور خاموش ماحول کو کرجی کرجی کر دیا تھا۔ جب آواز کی زد سے نکل کر میں نے دیکھا تو حیرت اور خوشی کے ماسے میں اچھل پڑا تھا۔ مارگٹ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا اور اس کے سینے سے خون کا فوارہ جاری تھا۔ وہ تعداد میں پانچ تھے اور پانچوں کے پیچھے گھوڑے تھے۔ میرا مرنی ہو رہا ہو کی کسی فاتح جرنیل کی مانند ان کے آگے آگے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ سب سوار،

مجھے ہونے دانتوں کے جھنڈے نکل رہے تھے۔ حالات نے ایک دم کچھ اس طرح پٹا کھایا تھا کہ میں ایک بار غیر ارادی طور پر اچھلنے کے بعد منجمد ہو گیا۔ بڑھے ہوئی نے گھوڑے سے اتر کر میرے کندھے پر چڑھ چکی دی۔ اور میں نے سکے کی گہری نیند سے بیدار ہو کر اپنے محسن اور نجات دہندہ کی جانب تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"میں اپنی ماں سے کہے ہوئے عہد سے مجبور تھا۔" وہ گہرے ہوئے آدمی کو دیکھتا ہوا بولا۔ "میں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ کسی انسان کی جان نہیں لوں گا۔ تم نے یقیناً میرے بارے میں بڑی غلط رائے قائم کی ہوگی لیکن میں اپنے کسی جذبے اور تعریف کی خاطر ماں کی روح کو دکھ نہیں دے سکتا۔"

میں اس شرمندہ شخص کو مناسب جواب دے کر مطمئن کرنا ہی چاہتا تھا کہ میرے پاؤں میں پڑا ہوا شخص مرنے ہوئے سانپ کی طرح حرکت کرنے لگا پھر جب ہتھیلیوں کے بل اس نے چہرہ اوپر اٹھایا تو میں نے پاؤں اٹھا کر اس کے سر پر اوپر سے ضرب لگائی اور پھر میری دوسری ضرب نے واپس اسے تارکیوں میں دھکیل دیا۔

"تم، شوراٹ کے ساتھ چلے جاؤ۔" ہوئی نے کہا۔ "میں انھیں اپنی اپنی منزل تک پہنچا دوں گا۔ ان کی تلاش میں کوئی نہ کوئی ضرور ملے گا۔" شوراٹ یقیناً کسی وقت پہلوان رہا ہوگا۔ اگر پہلوان نہیں تو اس نے اپنے جسم کو سنوارنے اور بنانے پر خاص توجہ دی ہوگی۔ اس کی ٹمر بلاشبہ ساتھ برس کے لگ بھگ تھی مگر جھانی لحاظ سے اسے ایک بوڑھا سا لڑکا بھانسا تھا۔ شاید عمر اور وزنی جسامت نے اسے اس قدر سست و بندا دیا تھا۔ وہ بہت کم چلتا تھا، جب کبھی چلتا تھا تو کچھ کی چال چلتا تھا۔ سنبھل سنبھل کر اپنے تلے قدم اتنی احتیاط سے زمین پر رکھتا تھا جیسے اُسے خدشہ ہو کہ اس کے پاؤں کی وزنی دھماکے سے زمین دھنس جائے گی۔

میں آج بھی اس کی قومیت اور مذہب کے معاملے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ اگر یورپ کے کسی شہر چلا جاتا تو لوگ اسے ایشیائی سمجھتے اور اگر افریقہ کے کسی ملک میں ہوتا تو افریقی، اُسے، یہ انداز میں لہری جھٹے اور یہاں بھی لوگوں کی اپنی اپنی رائے تھی۔ مذہب کے معاملے میں وہ بالکل بے رنگ تھا۔ میں نے کبھی اسے نماز پڑھتے یا چرچ میں جاتے نہیں دیکھا تھا۔ بدھ مذہب کا پیر وکا، اس لیے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ تشدد پر ایمان رکھتا تھا۔ شام کے وقت بندوں کے گرجا گاہ میں نکل جاتا اور ہر جان دار کا شکر کرتا تھا۔

اس نے مجھے فالتو اور بڑے جوئے کی طرح، ہٹ میں پھینک دیا تھا اور اس کے بعد بالکل ہی میرے وجود سے لاتعلقی ہو گیا تھا۔ اگر

اس پتھر کے ساتھ ایک خوبصورت چونک نہ چھٹی ہوتی تو میں اسے کسی بڑے انسان کی ہتھکی ہوئی رتھ سمجھ کر وہاں سے فرار ہو جاتا۔ اس بائیس، تینس سالہ بوڑھی اور خود فراموش لڑکی کا نام جوزی تھا۔ جوزی کا جسم جوانی کی تمام رعنائیوں سے برہنہ تھا۔ وہ دنیا کی نہ سہی، کم از کم آج تک جتنی لڑکیاں میری نظر سے گزری تھیں، ان سب سے خوبصورت تھی۔ اس کے وجود کا انکشاف پہلی بار مترنم اور کپکپاتی آواز سے ہوا تھا۔ میں لکڑی کی دیوار سے ٹیک لگائے، نیم دماڑ تھا۔ میرے سامنے ایک چھوٹا سا پیڑ ویسکس روشن تھا لیکن میں اس کی روشنی سے بہت دور اندھروں میں بھٹک رہا تھا۔ میرے سامنے اندھیری چادر پر میرے اپنوں کے چہرے متحرک تھے جنہیں میں اپنے پیچھے چھوڑ کر دکھ دے کر آگیا تھا۔

بوڑھا شوراٹ، دوسری دیوار کے ساتھ، کروٹ کے بل لیٹا، زوردار خزانے نشتر کر رہا تھا کہ میری سماعت سے وہ آواز نکلتی۔ پہلے تو میں نے سانس روک کر اس آواز کو دوبارہ سُنے کی کوشش کی لیکن جب بھینگروں کی آواز کے سوا کوئی آواز نہ سنائی تو میں اسے اپنی سماعت کا داہمہ سمجھا۔ لیکن چند لمحوں بعد پھر وہی گھنٹیوں جیسی آواز تیرتی ہوئی مجھے بخیر گئی۔ میں نے ٹانگوں سے کھل بیٹھا اور سوچنے لگا کہ اگر اس گھر میں کوئی لڑکی ہے تو وہ اب تک کہاں تھی۔ گوکہ میں نے شوراٹ کو کھانا تیار کرتے نہیں دیکھا تھا اور کھانے کی ٹرے وہ خود اٹھا کر لایا تھا لیکن اگر وہ ہے تو اب تک کہاں تھی؟ اور اگر نہیں تھی تو اب کہاں سے آئی ہے۔ مجھے میرے سوالوں کے جواب کون دیتا؟ مجھے خود ہی اپنے ہر سوال کا جواب تلاش کرنا تھا۔

میں اٹھ کر دے پاؤں باہر نکل آیا۔ آواز ساتھ والے کمرے سے آرہی تھی اور کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ میں نے پردہ ذرا ہٹا کر کمرے میں جھانکا اور پھر میرے ہتھوں سے ایک طویل سانس خارج ہو گئی۔

وہ تین موم بتیوں کے سامنے ہاتھ اٹھانے اور آنکھیں موندنے اس طرح بیٹھی تھی جیسے کسی مورتی کو عبادت کے انداز میں بنا کر رکھ چھوڑا گیا ہو۔ وہ ہاتھ اٹھانے کوئی دعائیر گیت گارہی تھی۔

میں، بت سنا، ایک ٹک اسے دیکھ جا رہا تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر یہ لڑکی رات بھر اسی طرح بیٹھی، اپنے پروردگار سے باتیں کرتی رہی تو میں بھی تو نہیں کھڑا اسے دیکھتا رہوں گا اور اس کی آواز سے اپنی روح کی تشنگی دور کرتا رہوں گا۔

ابھی لڑکی کا گیت جاری تھا اور مجھ پر کیف مستی کا غماز طاری تھا کہ کسی نے میرے کندھے پر اپنا وزنی ہاتھ رکھ دیا۔ میں چونک کر پلٹا۔

میرے سامنے شوراٹ کھڑا تھا۔

"واپس چلو۔۔۔" اس نے سرگوشی کی۔ "یہ دنیا ہماری دنیا نہیں ہے۔ کون ہے، انکل؟" اندر سے جڑی نے پوچھا۔ چونکہ شوراٹ کی سرگوشی بھی اس کے جسم کی طرح بھاری بھر کم تھی اس لیے جڑی نے بھی اسے سن لیا تھا۔

"اوہ۔۔۔" شوراٹ کو میں نے پہلی بار چمراتے بچے میں بات کرتے سنا تھا۔ "لگ۔۔۔ کوئی نہیں، جوزی، وہی لڑکا ہے۔"

"اچھا، اسے اندر بھیج دیں، انکل؟" جڑی نے کہا اور شوراٹ نے میرے کندھے پر تھپکی دی پھر مجھے دھکیلتا ہوا دروازے کے سامنے لے گیا۔ اس نے دروازے کو بڑے مؤدب انداز میں کھولا اور میرے لیے راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا۔

جب میں اندر داخل ہوا تو وہ، موم بتی کی شستری ہاتھ میں لیے کمرے کے درمیان کھڑی تھی۔ اگر وہ اچانک اور پہلی بار میرے سامنے آتی تو اس کا حزن جہاں سوز یقیناً میرے حواس گم کر دیتا لیکن میں اسے دیکھ کر خود کو سنبھال چکا تھا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے، مادام؟" شوراٹ نے مؤدبانہ انداز میں پوچھا تب مجھے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ میرا خیال تھا کہ جوزی، شوراٹ کی بھانجی یا بھتیجی ہوگی۔ اس نے اسے انکل کہہ کر مخاطب کیا تھا لیکن شوراٹ جیسے بڑے یا خصلت انسان کا یہ مؤدبانہ انداز مجھے الجھن میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھا۔

"اوہ۔۔۔" جوزی نے یوں پلٹ کر دیکھا جیسے اسے اُمید نہ ہو کہ شوراٹ بھی باہر موجود ہوگا۔ "آپ جا کر آرام کریں، انکل، میں کچھ وقت اور جاگوں گی۔"

"میں نے اس لڑکے کی وجہ سے پوچھا تھا، مادام؟" شوراٹ بولا۔ جوزی کے ہونٹ سکڑ گئے اور خوبصورت ہتھ پھرنے لگے اور اس کے حسین چہرے کے نرم دناؤں کا رخ خدو خال بگڑ کر رہ گئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی جابر و ظالم حاکم کے سامنے کھڑا ہوں۔

"احقاً سوال نہ کیا کرو، شوراٹ؟" اس کے منہ سے غراہٹ نکلی۔ "تمہارے جسم کی طرح تمہاری سوجھیں بھی مفلوج ہوتی جا رہی ہیں؟" "اوہ، مادام۔۔۔" شوراٹ بے قراری سے ہاتھ ملتا ہوا اندر آگیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ "آپ میری جہان ہیں، مادام! اور یہ نوجوان وحشی اور خطرناک ہے۔"

"مجھے تمہاری کلانی میں کانچ کی جڑی نہیں بنایا گیا ہے۔۔۔" شوراٹ اجاڑا، اپنے کشیدہ اعصاب کو ٹر سکون کرو۔ "کیا میں معاف کر دیا گیا ہوں، مادام؟" شوراٹ نے دھیرے

سے پوچھا۔
 ثابت جسم کے ساتھ واپسی کا مطلب یہی ہوتا ہے، "ڈیر انکل؛
 جزدی نے نرم لہجے میں کہا... اور شواٹ اُنے قدموں چلتا، مگر سے
 سے نکل گیا۔
 "بیٹھ جاؤ۔" اُس نے موم بتیوں والی طشتری کو ایک چوکی پر
 رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا نام ہے؟"
 "خرم... خرم سلطان چودھری؟" میں نے مضبوط اور ٹھہرے
 ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اُس نے میری طرف استقبالیہ نگاہوں سے
 دیکھا اور مسکرا کر بولی۔
 "مشکل اور طویل نام ہے۔ کیا انڈین ہو؟"
 "نہیں... پاکستانی۔"
 "اوہ..." اُس نے ایک چوکی میری طرف کھسکائی اور دھڑکی
 پر خود بیٹھ گئی۔ "پھر یقیناً مسلمان ہو گئے؟"
 "جی نہیں نے چوکی کو ٹھوکر سے دھرا کر اور اُگڑوں بیٹھ گیا۔
 وہ لکڑی کی ایک بڑائی سی بیٹی کو کھڑے اُس کے اوپر چھکی ہوئی تھی
 جب وہ سیدھی ہوئی تو اُس کے ہاتھ میں دو بوتلیں تھیں، بد وضع سی
 وہ بوتلیں، پتانی پر رکھ کر اُٹھی ایک میز سے بڑا سا تھرماس اور دو
 گلاس اٹھا کر میرے سامنے آ بیٹھی۔
 میں حیرت میں ڈوبا، اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو ہر گز نہ ملنے
 لے کو جھٹلاتی جا رہی تھی۔ پہلی نگاہ میں وہ میرے سامنے ایک
 عابدہ اور نیک لڑکی کے روپ میں آئی تھی... پھر شواٹ سے مخاطب
 ہو کر اس کا دوسرا رخ سامنے آیا تھا... اور اب، خدا سے باتیں کرنے
 اور دعائیں مانگنے والی وہی لڑکی میرے سامنے ام القیاس کی آغوش
 میں جانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔
 "مجھے تمہارے نام کا دوسرا حصہ یاد نہیں رہا۔" وہ تھرماس سے
 برف کی ڈیلیاں نکال کر گلاسوں میں ڈالتے ہوئے بولی۔ "کیا میں حرف
 خرم کہہ سکتی ہوں؟"
 "ہاں، کوئی حرج نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 "غصہ نام اچھے لگتے ہیں۔" اُس نے بوتل سے ایک گلاس میں
 شراب اُتدیتے ہوئے کہا۔ "میرا نام جزدین ماریا ہے۔ ماریا میری ماں
 کا نام تھا۔ میں نے لوگوں کی آسانی کے لیے نام کو مختصر کر کے جزدی رکھ
 لیا ہے۔" اُس نے گلاس بھرنے کے بعد میری طرف بڑھایا لیکن میں نے
 معذرت کرنی۔
 "مجھے معلوم تھا کہ تم میں سے اکثر لوگ شراب نہیں پیتے۔ شاید
 تمہارا مذہب بھی انہی مذہبوں میں ہو تا ہے۔ اسی لیے میں نے شراب

کی جگہ جوس کی بوتلیں نکالی ہیں۔"
 میں نے گلاس اٹھالیا۔ اُنسی بوتل سے دوسرا گلاس اُس نے
 اپنے لیے تیار کیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ "مستر خرم، ایک ذاتی
 سوال کر سکتی ہوں۔"
 "جی... لیکن جواب کی پابندی کے بغیر۔" میرا جواب سُن کر وہ
 ہنس پڑی۔
 "ابھی انکل شواٹ نے تمہیں وحشی اور خطرناک نوجوان کہا
 تھا اور اگر وہ ایسا ہی کہتے تو میں بھی کچھ رائے قائم کرتی۔ کیونکہ شواٹ
 کی پتلا میں آنے والا کوئی شخص عبادت گاہ سے اُٹھ کر کبھی نہیں آ سکتا...
 ہاں، تو کسی جیل سے بھاگے ہو، یا قتل کر کے روپوش ہو؟"
 "مقتول ہونے کے خوف سے چھپتا پھر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
 "بہت خوب..." وہ ہنس پڑی۔ "زندگی سے پیار کرنے والے،
 شواٹ کی چھت کے نیچے ایک پل نہیں رہ سکتے۔ شواٹ، لومڑیوں اور
 چوہوں کا شکاری کبھی نہیں رہا۔ سچ تمہاری زبان نہیں بتلے گی... تو
 انکل بتا دیں گے۔ بہر کیف، تم ایک منفرد قسم کے شاندار نوجوان ہو۔ ایشیا
 میرا پسندیدہ خطہ ہے۔ روحانی داستانوں کا حسین خطہ۔" اُس نے آخری
 گھونٹ لیا اور خالی گلاس پوری قوت سے اوپر اٹھا لیا۔ گلاس پہلے
 لکڑی کی چھت سے ٹکرایا پھر فرش پر گر کر ایک چھنکے کے ساتھ ریزہ
 ریزہ ہو گیا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔" وہ خائبانہ انداز میں بڑبڑائی۔
 "شکرِ مدام..." میں نے اُٹھ کر خود کو قدرے جھکایا۔ میرے دل
 میں اس پراسرار خوب رو لڑکی کے لیے ایک عقیدت سی پیدا ہو گئی
 تھی جسے میں کوئی معنی نہیں پہناسکتا تھا۔
 میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ شواٹ گہری نیند سو رہا تھا
 اور دوسرے کمرے سے جزدی کے وجد آفرین گیت کی آواز بھرا آئے لگی۔
 وہ دوبارہ ایک ایسی بولہبی بولہبی صورت بن گئی تھی جرات کی تنہائیوں
 میں گڑ گڑا کر اپنے رتب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہی ہو۔
 ماحول مکمل گہرے سکوت میں ڈوبا ہوا تھا اگر خاموشی اس قدر
 گہری نہ ہوتی تو میں قدموں کی ہلکی ہلکی آہٹیں نہ سُن پاتا۔ باہر برآمدے
 میں کوئی چل رہا تھا۔ کوئی میرے کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزر کر
 جزدی کے کمرے کی طرف گیا تھا۔ میں دے پاؤں اُٹھ کر کھڑکی تک پہنچ گیا۔
 صحن کے وسط میں ایک پیڑ ٹیکس لیپ روشن تھا اور اُس کی
 روشنی میں تین سائے مثلاً بنائے کھڑے تھے۔ پاؤں کی محتاط چاب
 پھر ادھر سے ادھر آتی سنا دی۔ میں کھڑکی کے ٹیشے سے جھانک رہا تھا
 اُسے والا جب میرے قریب سے گزرا تو میں نے اُسے پہچاننے کی کوشش
 کی مگر وہ چہرہ، میرے لیے اجنبی تھا... وہ جو کوئی بھی تھا، اُس کی پراسرار

حرکات اور محتاط چال میں دوستی کا کوئی پہلو نہ تھا۔ صحن میں کھڑے
 تینوں آدمیوں کا رخ بھی ادھر ہی تھا لیکن پیڑ ٹیکس کی دھندلی روشنی
 میں کوئی چہرہ واضح دکھائی نہ دے رہا تھا۔
 میں ابھی نہ تو کوئی حتمی رائے قائم کر سکتا تھا اور نہ ہی کوئی
 قدم اٹھا سکتا تھا۔ اصولی طور پر مجھے شواٹ کو صورت حال سے آگاہ
 کرنا چاہیے تھا۔ اگر وہ اُس کے اپنے آدمی تھے تو بھی شواٹ کا بیدار ہونا
 ضروری تھا... اور اگر اُن کے ارادے کچھ اور تھے، تب بھی شواٹ ہی
 ان سے جواب طلب کرنے کا مجاز تھا۔ میں نے پلٹ کر شواٹ کو
 دیکھا۔ وہ بے فکری کی گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔
 چند لمحوں کے بعد کسی نے میرے کمرے کے دروازے پر بھر پور
 ٹھوکر ماری اور کوڑ پر شواٹ انداز میں کھل گئے۔ چوکی میں اس وقت کھڑکی
 سے چپکا کھڑا تھا، اس لیے دروازے میں کھڑا طویل قامت آدمی، شواٹ
 ہی کو گھونٹنے لگا تھا اگر اس وقت میرے پاس کسی قسم کا اسلحہ ہوتا تو میں
 بڑی آسانی سے اُسے نشانہ بنا سکتا تھا مگر میں خالی ہاتھ تھا۔
 کوڑوں کے دھماکے سے شواٹ نہ صرف بیدار ہوا تھا بلکہ اُچھل
 کر کھڑکی پر گیا تھا۔ جس نے دروازہ ٹھوکر سے کھولا تھا، وہ تین چار قدم اندر
 آ کر رُک گیا تھا۔ وہ اب بھی شواٹ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔
 اتنی دیر میں باہر والے بھی دندناتے ہوئے اندر آ کر اپنے ساتھی کے پیچھے
 قطار میں کھڑے ہو گئے تھے۔
 "خرم چودھری کہاں ہے؟" طویل القامت شخص نے شواٹ
 سے پوچھا۔
 "تم لوگ کون ہو؟" شواٹ نے اُس کے سوال کو نظر انداز کرتے
 ہوئے سوال کیا۔ "ادریوں اندر گھس آنے کی جسارت کیسے کی؟"
 "پہلے میرے سوال کا جواب دو، بڑے میاں؟" طویل القامت
 نے سرد اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
 "سُنو، مسٹر..." شواٹ ایک قدم بڑھا کر پھنکارتی ہوئی آواز
 میں بولا۔ "شاید کسی نے تمہیں میرا نام نہیں بتایا ہو گا۔ غلط محکمہ آگئے ہو،
 برخودار! اگر ادھر کوئی تمہیں رونے والا ہے تو پہلے جاؤ۔ شواٹ اب
 کسی ماں کو روئے نہیں دیکھ سکتا۔ جاؤ۔" اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ جواب
 میں طویل القامت نے ایک طویل فہم بھرا لگا لیا۔
 "مستر شواٹ! وہ بڑے دوستانہ انداز میں بولا۔ "تم مجھے فحشہ
 دلانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میں اتنا احمق ہرگز نہیں ہوں۔ میرے
 پیٹے کا تقاضہ ہے کہ میں صرف اپنے شکار پر پوری توجہ دوں... تم
 میرے شکار نہیں ہو۔ میں نے تمہارا سودا نہیں کیا ہے۔ اس لیے میں
 تم پر اپنی انرجی ضائع نہیں کروں گا۔"

"تو سنو، وہ لڑکا یہاں سے بھی فرار ہو گیا ہے۔" شواٹ کی
 زبان اور نگاہوں نے عجیب احمقانہ تھیل کھیل کھیل تھا۔ زبان نے جو کچھ
 کہا تھا، نگاہوں نے اسے جھٹلایا تھا۔ شواٹ کی نگاہیں میری طرف
 اُٹھ گئی تھیں اور اُس کی نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہ چاروں
 مجھ تک پہنچ گئے۔ میں دیو سے پشت لگا لے چپ چاپ کھڑا تھا۔
 "نہیں..." انھیں میری جانب بڑھتے دیکھ کر شواٹ نے
 حیرت انگیز چھتری کا مظاہرہ کیا۔ وہ فغان میں تیرتا ہوا میرے سامنے
 پہنچ گیا اور ڈھال پٹے پٹے بولا۔ "یہ میری پناہ میں ہے۔"
 میں، شواٹ کے پہاڑ جیسے جسم کے پیچھے چھپ گیا تھا لیکن
 ایک ٹھوکتی ہوئی لات نے شواٹ کو زمین بوس کر دیا۔ دراز قد آدمی
 شواٹ کو پھلانگتا ہوا، مجھ پر کسی بھوکے عقاب کی مانند چھٹا تھا۔ میں اپنی
 جگہ سے غیر ارادی طور پر اٹھا یا وہ نیچے جھکا تھا۔ میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔
 وقفہ ہی اتنا قلیل تھا۔ اُس نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں مجھے
 اُٹھا کر اپنے ساتھیوں کی طرف اُچھال دیا تھا۔
 میں زمین پر اترنے سے منہ مٹا کر اور ساتھ ہی کسی کی زور دار ٹھوکر
 میری پسلیوں پر پڑی۔ میں کسی کمزور آواز کی طرح بلبلا ہوا آواز نکالتی
 ٹھوکروں نے مجھے تو اترنے کے ساتھ بلبلائے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ تینوں فڈبال
 کے کھلاڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے فٹ بال چھین لینے کے انداز
 میں ٹھوکریں مار رہے تھے۔
 "ٹھہرو..." میری ڈوبتی اُچھرتی سماعت سے ایک لڑک دار
 آواز ٹکرائی۔ یہ آواز جزدی کی تھی۔ اُس کی کوکبی ہوئی آواز نے چھیننے
 چلاتے ماحول کو ایک دم ساکت و جامد کر دیا تھا۔ "شواٹ! مدام
 کی پھنکارتی ہوئی آواز ایک بار پھر میری سماعت سے ٹکرائی۔ یہ کیا
 ہو رہا ہے؟"
 "یہ لوگ خرم چودھری کو مجھے مانگ رہے ہیں، مدام..."
 شواٹ نے ہانپتے ہوئے بتایا۔
 "اے، تم میں سے لیڈر کون ہے؟" جزدی نے پوچھا۔
 "مارش! منافع خوب صورت ہے۔" تینوں میں سے ایک
 نے بائیں آنکھ دہلتے ہوئے کہا۔
 "مادم..." کوئی دوسرا نرم آواز میں بولا۔ "ہم آپ کی خدمت
 میں بھی حاضری دیں گے۔ آپ چلیں۔ یہ کھیل آپ جیسی خاتون کی
 صحت کے لیے مناسب نہیں۔" باقی دونوں نے قہقہے لگا کر اپنے
 ساتھی کی حوصلہ افزائی کی۔
 "شواٹ..." مدام نے اُن تینوں کے تضحیک آمیز انداز کو کبیر
 فراموش کر دیا تھا۔ "کیا تم فارغ ہو؟"

"یس، مدام! شوراٹ نے مؤذبانہ انداز میں کہا۔
 "میں، ان پتھوں کے دانت دیکھنا چاہتی ہوں۔" مدام نے اس طرح کہا جیسے کوئی ماں واقعی اپنے بچوں کے دانت دیکھنا چاہتی ہو۔
 "باری باری میرے پاس بھیج دو در خواہ خواہ ہنگامہ مچائیں گے۔"
 "اے، نیلی شرٹ اور گدھے کے چہرے والے اقم دونوں ادھر میرے پاس آؤ۔" شوراٹ نے کہا۔
 "اوتھم، نختے میاں! میرے ساتھ چلو۔" مدام نے اپنی قریبی شخص سے کہا۔

"رک جاؤ، مارش! نیلی شرٹ والا کوڈر مدام اور مارش کے درمیان آگیا۔ ٹالوم کے بعد میں سینئر ہوں۔ یہ منافع میں وصول کر کے تم میں بانٹ دوں گا۔"
 "راستہ چھوڑو، اوٹوف! مارش نے آگے بڑھ کر اوٹوف کے کندھے پر تھپکی دی۔" اس نے مجھے دعوت دی ہے۔ ہم سب سامتی ہیں۔ ٹالوم نے ہمیں یکساں معاوضے پر ہار کیا تھا۔"
 اوٹوف تناٹھا رہا۔ اس نے نہ صرف مارش کا ہاتھ جھٹک دیا تھا بلکہ دوسرے ہاتھ سے اُسے پرے دھکیل بھی دیا تھا۔ مارش نے اچھل کر فاصلہ درست کیا اور پھر اس کی دائیں ٹانگ ہوا میں دائرہ بناتی ہوئی اوٹوف کے چہرے سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔ اوٹوف ڈراسا لڑکھایا اور پھر ہاتھ پھیلا کر مارش کی طرف بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے مارش اپنے ایک ساتھی سے ٹکراتا ہوا، کر دھ کے بل زمین پر گر پڑا۔ تیسرا شخص جو خاموشی سے اپنے دونوں ساتھیوں کو لڑتے دیکھ رہا تھا، اس ٹکڑے لڑکھاتا ہوا شوراٹ کے قریب جاگرا۔

"بچے کو گود میں لے لو، شوراٹ! مدام نے چیخ کر حکم دیا۔ پھر جب وہ جھک کر سیدھی ہوئی تو رات کے ستارے کو اوٹوف کی دل دہلا دینے والی چیخ نے تروبالا کر دیا۔ مدام جب مڑی تو اس کی انگلیوں سے خون ٹپک رہا تھا اور اوٹوف دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ مدام نے اوٹوف کی دونوں آنکھوں کو انگلیوں سے چھید کر بے نور کر دیا تھا۔ ادھر شوراٹ نے اوٹوف کے تیسرے ساتھی کے بال منٹھی میں جکڑ رکھے تھے اور کھڑی ہتھیلی کی کھماڑی اس کی گردن پر مار رہا تھا۔ پھر جب شوراٹ نے دھکا دے کر، اُسے گرایا تو وہ ریت کی بودی ثابت ہوا۔ شوراٹ نے ہاتھ جھاکر اپنا سر مدام کے سامنے جھکایا۔

"کیا نشان بالکل مٹا ہے، مدام؟"
 مدام کوئی جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ مارش نے اٹھ کر اسے بھینے کی طرح اس کے پیٹ میں ٹکڑا کر دیا۔ مدام کو کراہ کر گرتے دیکھ

کر میں غیر ارادی طور پر اپنی جگہ سے ہٹ کر اٹھا لیکن جسم کے ہر جزو نے میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ درد کی ان گنت میسوں نے میسری چیخیں نکال دی تھیں۔
 "نہیں، شوراٹ! شوراٹ کو بڑھتے دیکھ کر مدام چیخی...
 "پچھلے ہی رہو۔ بچے کو کھیلنے دو۔ مجھے ایسے جی دار اور پھر تیلے بچے بہت پسند ہیں۔"

"مدام..." مارش غزایا۔ "میں اب بھی قہیں معاف کرنے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔ تم جیسے خوبصورت کھلونے کو مجھ جیسا کوئی بچہ توڑنا پسند نہیں کرتا۔ کھیل کے دوسرے انداز بھی ہوتے ہیں۔"
 "ہاں، انداز اور بھی ہوتے ہیں۔" مدام اٹھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "مگر مجھے سہلانے اور چھپکیل دینے والے انداز سے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔" اس نے ایک دم اپنا دایاں بازو، دائیں سے بائیں قوس کی شکل میں گھمایا۔ مارش کی توجہ مدام کے ہاتھ کی جانب مبذول ہو گئی۔ مدام کے ہاتھ کا چکر ابھی ادھورا ہی تھا کہ اس کا جسم دھماکے سے مارش کے ساتھ ٹکرایا۔ اور پھر میں صرف مارش کی چیخیں ہی شمار کر سکا۔

"بس، بس..." مارش نے گھٹنے ٹیک کر دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی شکست تسلیم کر چکا ہوں، مدام! عظیم لڑکی! اپنے ہاتھ روک لو۔"

مدام کا تنا ہوا جسم ایک دم ڈھیلا ہو گیا تھا۔ پھر اس نے اپنے سفید بادلے کی آستین سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "شوراٹ ان سب کی تلاشی لو۔"

"یس، مدام! شوراٹ نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور گرے ہوئے آدمیوں کی تلاشی میں مصروف ہو گیا۔

"ختم..." مدام جزدی نے مجھ پر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے میری آنکھ لگ گئی تھی۔ لیکن ساتھ ہی مجھے یہ دکھ بھی ہے کہ تم جب گر رہے تھے تو میں یہاں نہیں تھی۔ میں تمھیں لڑا دیکھنے کی خواہش مند تھی۔ ہاں، کچھ زیادہ ٹوٹ پھوٹ تو نہیں ہوئی؟"

"میں لڑ نہیں سکا، مدام! میں نے شرمندگی سے کہا۔ "بس! انھوں نے آتے ہی مجھے چھاپ لیا تھا۔"

"اوہ..." وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کوئی بات نہیں۔ لڑائی اور محبت میں انسان جو نہیں چاہتا، ہو جاتا ہے۔"

"مدام..." شوراٹ بولا۔ "صرف ان کے لیڈر کے پاس ایک ریوالور ہے۔"

"اس سے پوچھو۔" مدام نے مارش کی طرف اشارہ کیا۔ "ان

کی نیکی کس کے ہاتھ میں ہے؟
 "نہیں... میں کچھ نہیں جانتا۔" مارش، شوراٹ کی پہلو میں پڑنے والی ٹھوکر سے ہللاتے ہوئے کہا۔ "ٹالوم نے ہمیں سو ڈالر فی آدمی کے حساب سے ماسٹر راکی سے خریدا تھا۔"

"مکون راکی؟ وہی لشکر تو نہیں؟"
 "ہاں، وہی..." مارش نے اپنی گردن سہلاتے ہوئے کہا۔ "اس لیے سو ڈالر تعلق کس سے ہے؟" مدام جزدی نے سوال کیا۔
 مارش نے ابھی جواب نہ دیا تھا کہ طویل القامت شخص کے بے حس و حرکت جسم میں خفیف سی حرکت ہوئی۔ "مدام، اُسے بغور دیکھتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔" اوہ... یہ تو بولوں ایڈگر ہے۔"
 مدام کی آواز میں حیرت کی جھرجھرائی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکی اور اس کے گالوں پر ہلکی ہلکی تھپکیاں مارنے لگی۔ پھر وہ گردن گھما کر مارش سے مخاطب ہوئی۔ "ادھر آؤ، مارش! اسے دیکھو۔ کیا اس نے اپنا نام ٹالوم ہی بتایا تھا؟"

"ماسٹر راکی نے اسے ٹالوم کہہ کر پکارا تھا۔" مارش بولا۔ "میرے لیے یہ بالکل اجنبی ہے۔"

مدام جزدی نے چہرہ اٹھا کر باری باری میری اور شوراٹ کی طرف دیکھا۔ پھر اٹھتے ہوئے بالکل بدلی ہوئی آواز میں بولی۔ اس کا لہجہ کسی مغرور اور مختار حکمران جیسا تھا۔ "شوراٹ! اسے میرے کمرے میں منتقل کرو اور خرم کو چیک کر کے رپورٹ دو۔ اگر کچھ ٹوٹ پھوٹ نہ ہو تو خود ہی مرہم مٹی کر دینا۔"

شوراٹ نے حسب سابق سر کو خم دے کر مدام جزدی کا حکم سنا اور پھر جھٹک کر ٹالوم یا بولوں ایڈگر کو بول بچے کی طرح ہاتھوں میں بھر لیا۔ مدام جزدی بھی اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی۔

مجھے یقین تھا کہ ایڈگر کی آمد کا تعلق صبح کے خدائی واقعے سے تھا۔ بوڑھے ہوئی نے زخمی شخص کو چھوڑ دیا ہوگا۔ وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی ماں سے وعدہ کر رکھا تھا۔ مردہ ماں کا زندہ بیٹا بھیڑیوں کے درمیان قتل کی پاسداری کر رہا تھا۔

"ماسٹر مارش! کیا تم لوگ سیدھے یہاں آئے تھے؟" میں نے اپنے یقین کو مزید مستحکم کرنے کی خاطر پوچھا۔

"نہیں۔" ٹالوم ادھر آنے سے پہلے ساتھ والے فارم میں گیا تھا۔ اس بوڑھے نے اپنی کئی ہڈیاں ناکارہ کرانے کے بعد زبان کھولی تھی۔ "مارش نے بتایا۔"

"اوہ..." میرے منہ سے سسکی سی نکل گئی۔ مجھے خود سے شرم سی آنے لگی... میری وجہ سے کتنے لوگ کتاب کا شکار ہوئے تھے...

اس منگھ، عبد الحکیم، بوڑھا ہوئی، شوراٹ اور پراسرار لڑکی جزدی۔ ان سب کو محض میری وجہ سے خون کا ڈالہ چھیننا پڑا تھا۔ میں خود کو جنگل کی آگ سمجھنے لگا تھا جو میرے اپنے گھر سے یہاں تک پھیلتی جا رہی تھی جو بھی اس آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا، وہ بھی اس کے شعلوں میں گھر جاتا۔ اور توں اس آگ کا دائرہ ادھی وسیع ہو جاتا... پھر تپائی پر پڑا ہوا لول ایڈگر کا ریوالور دیکھ کر میں نے خود ہی اس آگ کو بجھانے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے اس فیصلے میں شاید دوسرے عامل بھی کارفرما رہے ہوں گے جن میں ماں اور اس معصوم لڑکی کا زیور چرانے کا احساس بھی شامل تھا۔ مجھ جیسا بد نصیب! اس سے بہتر فیصلہ اور کیا کر سکتا تھا۔ میں نے گردن گھما کر مارش کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر چیخیں ہو گیا کہ مارش بھی ریوالور ہی کو گھوڑ رہا تھا۔ اور وہ مجھ سے بہتر پوزیشن میں تھا۔ مجھے ریوالور تک جانے کے لیے مارش کو کراس کرنا تھا۔ جبکہ تپائی مارش سے صرف دو گز دور تھی۔ مارش نے بھی شاید میرے اندر کا کھلتا ہوا ارادہ جان لیا تھا۔ جتنا فاصلہ مارش کو ریوالور تک طے کرنا تھا، اتنا ہی فاصلہ میرے اور مارش کے درمیان تھا۔ لہذا میں نے پہلے نزدیکی ہدف تک پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ اور مارش پر چھلانگ لگا دی۔ اسی وقت مارش بھی ریوالور کی طرف بڑھنے کے لیے اٹھا تھا۔ میرا گھٹنا اس کے چہرے سے ٹکرایا اور میرے بوجھ کے ساتھ مارش سر کے بل فرش پر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ چند لمحے میں وہیں پڑا ہی سانسیں درست کرنا رہا۔ پھر میں نے تپائی کی طرف دیکھا اور ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

اوٹوف، دیوار کا سہارا لیے کھڑا مجھے ایک خون آلود آنکھ سے گھور رہا تھا اور ایڈگر کا ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی دائیں آنکھ کے گڑھے کے کنارے سے آنکھ کا ڈیلا باہر نکل رہا تھا۔ اور ریوالور کا رخ میری کھوپڑی کی جانب تھا۔ میں نے جس موت کی خواہش کی تھی وہ موت، اوٹوف کی انگلیوں کے نیچے دبی ہوئی تھی... میرے دل میں اچانک ہی جینے کی آرزو جاگ اٹھی۔ موت کو سونے پا کر زندگی کی خواہش بکنے لگی تھی۔

"میرے ساتھ چلو۔" اوٹوف مضبوط لہجے میں بولا۔ "میں، ماسٹر راکی سے تین سو ڈالر وصول کرنا چاہتا ہوں۔"

"احق..." میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ اس جہلت سے فائدہ اٹھاؤ، وہ، ایڈگر کا خون پی کر واپس آئے گی... تو تمھارے لیے کوئی راستہ کھلا نہ رہے گا۔"

میرا مشورہ سن کر وہ الجھن کا شکار ہو گیا۔ "بات ایک ہی ہے دوست! اگر میرے لیے ابھی کوئی راستہ کھلا ہے تو تم بھی ایسی

راتے سے نکل سکتے ہو۔ ورنہ تمہیں گولی مار کر پھینک دوں گا۔ اس نے کہا۔

"گولی چلا کر تم کب سے ایک قدم باہر نہیں جاسکو گے؟"

"دھماکا ہو گا..."

"نہا ہے۔ میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"نالی کو غور سے دیکھو۔ اس نے کہا۔ "سائینسٹر چڑھا ہوا ہے"

میں نے سائینسٹر کا نام تو سن رکھا تھا لیکن اسے دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہوا تھا۔ اوٹوف جب میری طرف بڑھا تو میں نے دیکھا اس کا بایاں بازو جھول رہا تھا اور چال میں بھی قدرے لنگڑاہٹ تھی۔

"میں تین قدم چل کر گولیوں کا۔ وہ بولا۔ اگر تم ساتھ جانے پر آمادہ نہ ہوئے تو چوتھے قدم پر میں تمہیں گولی مار کر نکل جاؤں گا۔ ایک... دو... آخری قدم اور تمہارا آخری فیصلہ... بولو۔"

"میں تیار ہوں۔ میں نے دوسرے قدم ہی پر فیصلہ کر لیا تھا کہ بلاوجہ گولی کھا کر مرنے سے بہتر ہو گا کہ باہر جا کر کسی مناسب وقت وقت کا انتظار کروں۔"

"گڈ... وہ دو قدم اٹھا کر میرے عقب میں آگیا اور دیوار کی نالی میری گردن سے لگا کر بولا: کوئی احمقانہ حرکت مت کرنا۔"

دروازہ پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔ ہم دونوں باہر آ گئے۔

"باہر جانے کا راستہ اس طرف ہے، برخوردار۔" شوراٹ کی آواز میرے مڑے بدن میں زندگی کی نئی لہر دوڑا گئی۔

"خبردار..." اوٹوف غرایا۔ "مجھے روکنے کی کوشش کی گئی تو میں اسے گولی مار دوں گا۔"

"نار دینا..." شوراٹ لاپرواہی سے بولا۔ "لڑکا، میرا سگنا نہیں ہے۔ میں تو تمہیں باہر جانے کا مختصر اور محفوظ راستہ دکھا رہا ہوں۔"

"میں خود تلاش کروں گا۔ اوٹوف نے میرے منحنوں پر چھو کر ماری۔ چلو، تم اڑیل مٹو کی مانند کیوں رک گئے ہو؟ میں نے شوراٹ کی طرف طبعی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ ٹپٹنے والے انداز میں ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔ گیسٹ کے قریب پہنچتے ہی شوراٹ نے چیتے کی مانند جست لگائی اور ہمارے اور گیسٹ کے درمیان حائل ہو گیا۔

"بس، پیارے، ملازم ختم۔ اب واپس چلو۔" شوراٹ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ہٹ جاؤ، بوڑھے گدھے، ورنہ..."

"ورنہ جو کچھ کرنا چاہتے ہو، جلدی کرو۔" شوراٹ نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں کہتا ہوں، چلاؤ، گولی۔"

"ہٹ جاؤ، شوراٹ! میں خود یہاں سے جا رہا ہوں۔" میں

نے ٹوٹے ہوئے لمبے میں کہا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ شوراٹ یوں مجھ سے آنکھیں پھیرے گا۔

"نہیں ہٹوں گا۔" شوراٹ نے پینٹر ابدل کر کرانے کا انداز اختیار کر لیا۔ "گولی چلائے بغیر تم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔"

اوٹوف نے جھنجھلا کر ٹرائیکر ڈبا دیا۔ لیکن اس میں سے گولی نکلنے کی بجائے صرف ترقیح کی آواز ہی نکلنے لگی تھی۔ سلسلے کھڑے ہوئے شوراٹ نے ایک جاندار قہقہہ لگایا۔ "شوراٹ کسی گدھے یا اتو کے پٹھے کا نام نہیں ہے۔ میں نے ایڈگر کی جیب سے دیوار اور نکالتے ہی بے اثر کر دیا تھا۔ اس کی گولیاں میری جیب میں موجود ہیں۔ اس کے اس انکشاف پر میں، اوٹوف کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات تو نہیں دیکھ سکا، البتہ خود کو پرے درجے کا چند ضرور محسوس کرنے لگا۔ میں نے اپنے محسن کی نیت پر شک کیا تھا۔

"مجھے معاف کر دو، شوراٹ! میں شرمندہ ہوں! میں نے اس کے ہاتھ حتمایہ لیے۔

"اوہ... کوئی بات نہیں۔ اس نے خوشدلی سے میرے ہاتھ کو تھپ تھپایا۔ "موت کے پروں کی سرسراہٹ بڑے بڑوں کو بھی حواس باختہ کر دیتی ہے۔ چلو، تمہیں مادام یاد کر رہی ہے۔"

جب شوراٹ مجھ سے باتیں کر رہا تھا تو اوٹوف اُن کے قدموں چلتا دؤر ہو گیا تھا۔ پھر جب وہ اندھیرے میں لنگڑا ہوا ایک طرف دوڑا تو میں نے چونک کر پیٹے اوٹوف کو اور پھر شوراٹ کو دیکھا۔ وہ بھاگ رہا تھا۔

"نہیں..." شوراٹ نے لاپرواہی سے کہا۔ "جانے دو۔ لاشیں پھیلنے کے محنت طلب کام سے بہتر یہ ہے کہ لاش خود ہی بھاگ جائے۔ آؤ، اندر چلیں۔"

شوراٹ کے ساتھ جب میں نے مادام جزدی کی خواب گاہ میں قدم رکھا تو پہلے قدم ہی پر مجھے ٹھٹھک جانا پڑا۔ مادام جزدی تخت پوش پر نیم دراز تھی اور اس کے قریب ایک چوکی پر ایڈگر بیٹھا، شراب کی چمکیاں لے رہا تھا۔ مادام کے بوں میں ان جلی سگریٹ دبی ہوئی تھی اور ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا۔ وہ دیکھ کر دلکش انداز میں مسکرا رہی تھی۔ مادام کا اشارہ پا کر، ایڈگر نے میرے لیے چوکی خالی کر دی اور ایک طرف ہٹ کر موقب انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"آؤ، خرم، میرے قریب آ کر بیٹھ جاؤ۔" مادام نے کہا اور ان جلی سگریٹ شوراٹ کی جانب اُچھال دی جسے شوراٹ نے ہیک کر فضا ہی میں حتمایہ لیا اور بڑی عقیدت سے چوم کر جیب میں رکھ لیا۔

"ایڈگر،" مادام نے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔ "میں قریب ہے"

تم تیاری کرو۔"

"یس، مادام! ایڈگر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"ایک گزارش ہے، مادام!"

"ہاں، ہاں، بولو،" مادام کی آواز میں عجیب سا ہوش عود کر آیا۔ "انکل تمہاری مدد کریں گے، کیوں، انکل؟"

"بسر و چشم، مادام! شوراٹ نے بھی حسب عادت جھک کر کہا۔

"میری لینڈ رور، میں نقد پر کھڑی ہے۔" ایڈگر نے فدیہ مانڈ انداز میں کہا۔ "پچھلا مائیکر درخت تھا، اس لیے کچے میں لانے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔"

"مختصر بات کرو، ایڈی! مادام بولی۔ "گاڑی چاہیے؟"

"یس، مادام! صرف مین روڈ تک! ایڈگر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "انکل شوراٹ کے کمرے ہاتھوں نے میرا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا ہے، ورنہ پیدل ہی چلا جاتا۔"

"مجھے افسوس ہے۔" شوراٹ ندامت سے بولا۔

"میں نے کوئی شکوہ تو نہیں کیا، انکل! ایڈگر ہنستا ہوا بولا۔

"دیے میں نے آپ کا نام اکثر سنا ہے۔ باس، آپ کی مثالیں دیا کرتے ہیں اور سنڈیکیٹ میں آپ کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔"

"شکریہ، ایڈی! شوراٹ ممنونیت سے بولا۔ "میری حیثیت تو اب بوڑھے شیر کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔"

"انکل! آپ کو ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں رہنا چاہیے تھا۔ میں حیران ہوں کہ آپ کو یہ بات کیوں نہیں سوجھی۔" ایڈگر بولا۔

"زبان بند رکھنا، سیکھو، لوول! مادام نے سرزنش کی۔

"ہاس کی عقل! ہم سب سے ارفع و اعلا ہے۔ کچھ سوچ کر ہی انکل کو ریٹائر کیا گیا ہو گا۔"

"مجھے افسوس ہے، مادام! ایڈگر سہم کر بولا۔ "میرا مطلب، باس کی عقل اور اہمیت کو کم کرنا ہرگز نہیں تھا، بعض اوقات... عقل مند آدمی بھی دوسروں کی پوشیدہ صلاحیت کو دریافت نہیں کر سکتا۔"

"یہ بات نہیں ہے، ایڈی! مادام نے پُرسکون انداز میں کہا۔ "در اصل، انکل کے اعصاب کشیدہ ہو چکے ہیں۔ جبکہ سنڈیکیٹ کو تھنڈے دل و دماغ کی ضرورت رہتی ہے۔ جھک سے اُٹنے والے لوگ پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔"

"بے شک، مادام..." ایڈگر نے تعریفی نگاہوں سے مادام کی طرف دیکھا۔ "آپ عظیم ہیں۔"

"اب یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ مادام جزدی جو دکھائی

دیتی ہے وہ نہیں ہے۔ اس کا تعلق بھی کسی جراثیم پیشہ گروہ سے تھا لیکن ایک بات تھی جو کسی خانے میں فٹ نہیں بیٹھ رہی تھی کہ اگر وہ کسی گروہ کی سرگرم کن تھی تو اس دیرانے میں کسی زاہدہ کا روپ دھارے کیا کر رہی تھی؟

"مادام..." شوراٹ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میری جیب آف روڈ ہے۔"

"کوئی بات نہیں، انکل! میری گاڑی لے جاؤ۔"

"چلو، اُٹو، لوکو!" شوراٹ بولا۔ میرا شک یقین میں بدل گیا۔ مادام اور ایڈگر کے درمیان کوئی معاہدہ طے پا چکا تھا۔

"خرم چودھری..." یہ ایڈگر کی آواز تھی۔ وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ آؤ، چلیں۔"

"مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو، مسٹر ایڈگر؟ میں نے اپنے لمبے کو پُرسکون رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔ بس، اپنے کان کھلے رکھو۔"

"میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، مسٹر ایڈگر؟ میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تمہارے ساتھ دم ہوتی تو..." ایڈگر نے قہقہہ لگا کر مادام کی طرف دیکھا۔ "کیوں، مادام! بار باراری کے لیے اچھا گدھا ہوتا۔"

ایڈگر کی توجہ اور اس کا رخ قلیل وقفے کے لیے مادام کی طرف ہو گیا تھا۔ پھر میری ٹکر کا دھماکا سن کر ہی وہ لوگ چونکے ہوں گے یہ ٹکر ایڈگر کے بائیں جڑے پر پڑی تھی اور وہ اچھل کر سامنے والی... دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ میں ابھی سمجھل کر اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ شوراٹ نے مجھے مضبوط بانہوں کے حصار میں جکڑ لیا۔ اگر اس کی یہ گرفت جارحانہ ہوتی تو میں اتنی جلدی خود کو اس کے حوالے نہ کرتا لیکن اس کا انداز نرم گانہ تھا۔ "اچھے لڑکے، ایس بہت ہے۔ اس نے مجھے پچکارے ہوئے کہا۔ اسے اپنی حماقت کی سزا مل چکی ہے۔ چونکہ میں اس کی بانہوں میں پُرسکون ہو چکا تھا، اس لیے اس نے نرمی سے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف لے گیا۔ ایڈگر دیوار کے ساتھ لگا بیٹھا تھوڑی دیر تک اپنے سر اور جڑے کو سہلانا رہا پھر اچھل کر مادام کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور میری طرف کینہ توڑ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اجازت ہے، مادام!"

"نہیں..." مادام جیسے گہری نیند سے بیدار ہو کر بولی تھیں ابھی طویل سفر کرنا ہے۔"

"صرف دو ہاتھ مادام! ایڈگر گڑبڑایا۔ میں اپنی توہین کا بوجھ دہاں تک نہیں لے جاسکتا۔"

"جو اس بند کرو، ایڈگر! مادام ہاتھ اٹھا کر غزائی۔ شورات! اس طرح سے یہ قابو نہیں آئے گا۔ تم ساتھ جاؤ گے۔"

"مادام! شورات! میرے ہاتھ کو سہلانا ہوا بولا۔ کیا اس کو بھیجا ضروری ہے؟"

"تم... تم... مادام نے اُسے سفاک لگا ہوں سے گھورا۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو، انکل شورات؟"

"اپنی طویل اور ہنگامہ خیز خدمات کا انعام! شورات نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ سنو، جوزی بیٹے! ٹھنڈے دل سے اپنے بوڑھے اور وفادار انکل شورات کی بات سنو۔"

"میں کوشش کر رہی ہوں، انکل! مادام کے چہرے کا تناؤ کم ہونے لگا۔"

شورات نے مجھے کھینچ کر اپنے آگے کر لیا اور میرے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ایک فنڈے اور کسی عورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا، مادام! دونوں کا بنیادی مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی عورت اپنی اداؤں اور غمزوں سے قتل کرتی ہے اور غنڈے کے ہاتھ میں اسلحہ ہوتا ہے۔ کسی عورت کی عمر ڈھلنے لگتی ہے تو وہ اپنے مستقبل کے تحفظ کے لیے ایک نیا جسم خرید لیتی ہے جو اُس کا سہارا بنتا ہے۔ مجھے بھی اپنے جسم کی گرتی دیواروں کے لیے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ خرم چودھری، شورات کے لیے بہت بڑا انعام اور اعزاز ہوگا۔"

ایڈگر کا جہرا میں نے احساس توہین کے بدلے توڑا تھا۔ اُس نے مجھے گدھا کہا تھا لیکن جب میں نے غور کیا اور پوزیشن کے بارے میں سوچا تو مجھے ایڈگر کی بات درست ہی معلوم ہوئی۔ میں بلاشبہ ایسا جانور تھا جسے لوگ اپنے مقصد کی باربرداری کے لیے استعمال کرنے کا سودا کر رہے تھے اور میں خود کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جلتے دیکھ کر گدھے کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔

"انکل... جوزی کی آواز میں حیرت اور ترشی کا امتزاج تھا۔ آپ کی عقل واقعی زنگ آؤد ہو چکی ہے۔ آپ ہاتھی کے منہ سے گنا چھین لینے کی احمقانہ باتیں سوچتے ہیں۔ خرم کو کہاں طلب کیا گیا ہے؟ کون طالب ہے؟... اوہ، نہیں! انکل! ہم میں سے کوئی بھی یہ حماقت نہیں کر سکتا۔ جاؤ، اسے منزل پر پہنچاؤ۔"

"بہت اچھا، مادام! شورات کے حلق سے طویل غزائٹ نما سانس اُبھری۔ میری باتوں کو بھول جلیے۔ شاید میں اس کا بالکلین

اور جرات دیکھ کر بہک گیا تھا۔"

"میں، مادام جوزی اور ایڈگر سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یا رو، کچھ مجھ سے بھی پوچھو۔ میرے منہ میں بھی زبان ہے۔ آخر تم لوگوں نے ایک غریب الوطن اور مظلوم نوجوان کو کیوں سینگوں پر رکھ لیا ہے؟ لیکن میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ کیونکہ ان لوگوں کے درمیان رہ کر میں نے اتنا اندازہ کر لیا تھا کہ جرائم کی ذیل کے لوگ صرف اپنی خواہشوں کے غلام ہوتے ہیں۔ وہ آنسوؤں میں بھیگی ہوئی شرافت کی زبان... سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔"

"چلو، لڑکے! شورات نے اس طرح کہا جیسے مجھے میلے میں چلنے کے کوکہ رہا ہو۔"

"میں نے ایڈگر سے ایک سوال کیا تھا، مسٹر شورات! تمہیں یاد ہو تو جواب دے دو۔ میں نے ایڈگر کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔"

"تم غلط لوگوں سے سوال کر رہے ہو، لڑکے! شورات بولا۔"

علامہ اسے بتا دو۔"

"سنو خرم! تمہیں یہاں سے شفٹ کیا جا رہا ہے۔"

"کیوں اور کہاں، مادام؟"

"والہیں شہر..."

"نہیں، مادام! میں نہیں جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

مادام اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی میرے قریب آکھڑی ہوئی اور میری آنکھوں میں ڈال کر بولی۔ "کیوں، خرم چودھری؟"

"اس لیے، مادام! کہ میں انسان ہوں۔ کوئی گائے، بکری قسم کا حیوان نہیں کہ میرا سودا کیا جائے۔"

"اوہ... نہیں... مادام نے چونک کر کہا پھر میرا کس دھا چھٹکتے ہوئے بولی۔ ایسا نہیں ہے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اگر ایسا ہی کرنا تھا تو اس ہنگامے اور خون خرابے کا ڈرامہ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟ مجھے پہلے ہی حوالے کر دیا جانا۔"

"وہ ڈرامہ نہیں تھا، خرم! مادام جھجھراتی ہوئی آواز میں بولی۔ میں نے تمہیں بچانے کے لیے وہ سب کچھ کیا تھا... مگر کبھی کبھی انسان چپتی ہوئی بازی بھی ہار جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے، خرم چودھری! میں بازی ہار گئی ہوں۔"

"لیکن میں نے بھی شکست تسلیم نہیں کی ہے، مادام! میں اُس کی کھوئی کھوئی سی آواز سے متاثر ہو کر کہا۔ اُس کے چہرے پر کرب کا دھواں سا پھیل گیا تھا۔ اگر اس فتح و شکست کا تعلق حوصلوں اور طاقت سے ہے تو میں آخری دم تک مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، خرم! وہ بولی۔ میں نے یہ چھوٹی

سی جیت، کل کی بڑی جیت کے لیے خود ہار میں بدل لی ہے۔ ابھی تم عمل کے میدان میں نووارد ہو۔ زندگی، تمہیں بھی ہارنے اور جیتنے کے گور سکھا دے گی میں تمہیں اسی جیتی جاگتی زندگی اور ترقیاتی میدان میں بھیج رہی ہوں۔"

"نہیں... میں نے فیصلہ کن لمحے میں کہا۔ میں نہیں ہاؤں گا۔ یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے، خرم! مادام نے مجھے گھورتے ہوئے بدے ہوئے لمحے میں پوچھا۔ پھر سورج کو، خرم! انکار کا وجود یہاں زندہ نہیں رکھا جاتا۔"

"آزادی کی بقا کا خرم صرف موت ہی توڑ سکتی ہے، مادام! میں نے کہا۔ میں اپنی آزادی اور عزت نفس کی خاطر بہت آگے جانے کا خرم رکھتا ہوں۔"

"ہوں... اس نے پلٹنے کے لیے رخ پھیرا اور پھر اچانک ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی پلٹی... اور جب وہ بلی بن کر مجھ پر گری تو میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنا چلا گیا۔"

میری آنکھوں پر سے تاریکی کا بوجھ ایک دلخراش نسوانی چیخ نے ہٹایا تھا۔ آنکھیں کھول کر میں نے چیخ کی سمت میں دیکھا۔ میرے سامنے چند قدم کے فاصلے پر ایک نوجوان چوڑا، دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ دونوں کے ہاتھوں کو اوپر آٹھڑے میں پھنسا دیا گیا تھا۔ نوجوان کا صحت مند چہرہ اُلوہاں تھا۔ لباس بھی جگہ جگہ سے نچا ہوا تھا اور اُس کی گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی۔ ناک اور منہ سے خون کے قطرے ٹپک ٹپک کر قریب کو رنگین بنا رہے تھے۔ لڑکی کی آنکھیں دہشت سے چپٹی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے سامنے ایک کاڈ بوائے قسم کا نوجوان کھڑا تھا۔ سچویشن ایسی تھی کہ لڑکے پر تشدد کر کے لڑکی سے کوئی مطالبہ منوایا جا رہا تھا۔

دروازہ کھٹکنے کی چرچراہٹ سن کر میں نے پلٹ کر دیکھا۔ زرد چہرے پر بین جیسی گول گول آنکھیں مجھے ہی گھور رہی تھیں۔ اُس نے کسی اجنبی زبان میں کمرے میں موجود کاڈ بوائے سے کچھ کہا تھا... اس کی زبان تو میں نہ سمجھ سکا لیکن مفہوم جلد ہی میری سمجھ میں آ گیا۔ اُس نے میرے ہی بارے میں کچھ کہا تھا۔ کاڈ بوائے پلٹ کر میرے قریب آیا اور ناگنیں پھیلا کر کھڑا ہو گیا... پھر مجھ پر جھکنا ہوا دوستانہ انداز میں بولا۔ "یار، تم کسی کونے سے خطرناک تو لگتے نہیں۔ تمہارے ساتھ کوئی اور انجمن تو نہیں؟"

"ہاں، دوست! میں اٹھ کر اُس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ تب اُسے میرے چہرے کو دیکھنے کے لیے اپنا چہرہ اوپر اٹھانا پڑا تھا۔"

"کیا انجمن ہے، لانگ بولنے؟ وہ میرے قد کو وہ حسین آئین

لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔" میرا نام سائرس ہے اور لوگ جانتے ہیں سائرس بیک وقت دوستی اور دشمنی کی علامت کا نام ہے... جو دوست بن گیا، بس سائرس، اُس کی ذات کا وفادار گناہن جاتا ہے اور جو دشمن بنتا ہے، سائرس کے ناشن... اُس نے خاموش ہو کر دونوں ہاتھ میرے سامنے پھیلا دیے تھے اور میں اُس کی آنکھوں... انگلیوں پر آٹھ برچھیاں دیکھ کر کپکپا سا گیا۔ سائرس نے اپنا پایاں ہاتھ نیچے کر کے دایاں ہاتھ میری طرف بڑھا دیا جسے میں نے جھبک کر تھام لیا۔ "سائرس! آج سے تمہارا دوست اور ایک دم نئے کے موافق وفادار ہے۔" اُس نے گرم جوشی سے میرے ہاتھ کو جھٹکے دیتے ہوئے کہا۔ "ویسے یار! ہو بڑے بدبخت... اپنے آنے سے پہلے اپنی شہرت یہاں پہنچا دی۔ خیر سائرس کو یاد رکھنا۔"

"یہ کون لوگ ہیں، دوست؟ میں نے مہربان وقت سے سوال کیا۔ سائرس نے گردن کھٹا کر نوجوان جوڑے کو دیکھا۔ لڑکی اپنے ساتھی کے بے حس و حرکت شانے پر سر رکھے سسک سسک کر لے پکار رہی تھی۔

"ایک بات سنو، پیارے! سائرس نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔ "ادھر کچھ دن صرف کان استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ کان کا استعمال سیکھ لو گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سمجھ گئے نا؟" میں نے منفی انداز میں گردن ہلا دی۔

"پاگل ہو، تم... تم جیسے خوبصورت نوجوان کو اس قدر بدبخت نہیں ہونا چاہیے۔ کان کا مطلب ہے کہ حکم سنو اور خاموشی سے گود جاؤ۔ پہلا سبق یہی ہے۔" اُس نے کہا اور ہاتھ بھرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اُس کے جانے کے بعد، میں اس نوجوان جوڑے کی طرف متوجہ ہو گیا... پھر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ نوجوان جس کو لڑکی بلک بلک کر پکار رہی تھی، کہیں مری نہ چکا ہو۔ ابھی میں اُن سے چند قدم کے فاصلے ہی پر تھا کہ لڑکی نے پاؤں کی چاپ سن کر سر اٹھایا اور دردناک لہجے میں بولی۔ "نہیں، نہیں... خدا را اب اُسے کچھ نہ کہنا۔ میں اُسے منالوں گی۔ جب یہ جوش میں آئے گا تو تمہارا مطالبہ مان لے گا۔"

"خاتون... میں نے اُس کے قریب جا کر کہا۔ گھبرائیں نہیں۔ وہ وحشی جاچکا ہے۔"

"اوہ... آپ کا بہت بہت شکریہ! وہ بولی۔ غالباً آپ بھی..."

"ہاں، خاتون! میں بھی آپ جیسا ہی ایک مظلوم شخص ہوں، دیے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے کیا جرم کیا ہے؟ میں نے اُس سے پوچھا۔

"لگ... کچھ بھی نہیں بس یہ ہماری دوستی اور جوانی خریدنا چاہتے ہیں۔ غالباً آپ کو بھی اسی مقصد کے لیے مجبور کیا جا رہا ہوگا۔۔۔ یہ ذلیل لوگ..."

اندر آنے والے تین آدمی تھے اور ان کو دیکھ کر لڑکی کی آنکھیں خوف سے پھر پھرانے لگیں۔

"ختم چودھری..." ادھر عمر آدمی بولا۔ "باس، تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" میں نے اپنے ہونٹ بھیج لیے۔ مجھے اپنے دوست سائے کا مشورہ یاد تھا اور ہونٹ کھولنے والوں کا انجام بھی دیکھ چکا تھا۔۔۔ زبان کے استعمال نے اب تک مجھے جتنے چر کے لگائے تھے وہ بھی تازہ تھے۔ اب میں زبان بند کر کے بھی ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا۔ "تم دونوں لاش ٹھکانے لگا کر سیل نمبر پھرتی میں اون کے کی رپورٹ دو گے۔"

"نن... نہیں..." لڑکی چیخ پڑی۔ "تم سب جھوٹے ہو۔ تم اسے مجھ سے جدا کرنا چاہتے ہو۔ یہ اکیلا نہیں مر سکتا۔ اس نے مجھ سے ایک ساتھ جیسے مرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اگر یہ مرنے لگتا تو مجھے ضرور بتاتا۔ مجھے بھی اس کے ساتھ مرنے ہے۔"

"یہ دنیا منزل کا راستہ ہے اچھی لڑکی! ادھر عمر آدمی نے کہا اور آگے بڑھ کر لڑکی کی کلاٹیاں، آہنی کڑے میں سے نکالنے لگا۔ "ہم سفر بدلے رہتے ہیں۔ ادھر دیکھو، تمہارا نیا ہم سفر بھی ہم نے منگو لیا ہے۔" اس نے پلٹ کر میری طرف اشارہ کیا۔

"جو اس مت کرو، غلط کئے!" لڑکی نے آزاد ہوتے ہی پھیل کر اس آدمی کے سینے پر ٹکرماری اور اس نے جواباً لڑکی کے دروازے بالوں کو مٹھتی میں جکڑ کر اس کے چہرے پر ترناخ سے تھپتھپ کر دیا۔ "پیلے، ان دونوں کو باس کے آگے چھینک آؤ۔" ادھر عمر آدمی نے بیچ کر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا اور دونوں نے جھپٹ کر لڑکی کو بالوں سے چکڑ کر نیچے گرایا اور گھسیٹتے ہوئے چل پڑے۔۔۔ ان کے پیچھے پیچھے میں بھی چلنے لگا۔

میں اگر اپنی عادت کے مطابق ڈریل گھوڑے کی طرح قریب آنے والوں کو آگے سے کاٹتا اور پیچھے سے دوپٹی جھاڑتا تو کچھ دیر... ہنگامے میں وقت ضرور کٹ جاتا لیکن ٹھوکروں نے مجھے گول اور چلنا کر دیا تھا۔ پہلے میں ہر ٹھوکرا جواب ٹھوکرے دینے کا عادی تھا لیکن ہمیشہ میری ایک جوانی ٹھوکرے کئی ٹھوکریں دی تھیں۔ اور ہر ٹھوکرے مجھ پر اذیت کا نیا دروازہ کھولا تھا۔ باہر چند لوگ اور بھی کھڑے تھے۔ جب میں نے پلٹ کر

دیکھا تو مجھے اپنی اہمیت اور عزت افزائی پر ہنسی آگئی۔ وہاں موجود ہر شخص جو کتنا اور مسلح تھا۔ سب کی توجہ کامر کر رہی تھی۔ دو چہرے لباس والے میرے آگے تھے، دو پیچھے اور دو دائیں بائیں چل رہے تھے۔ چار ریو اور بردار ہاتھ میری جانب اٹھے ہوئے تھے۔۔۔ چونکہ مجھے یہاں بے ہوشی میں لایا گیا تھا۔ اس لیے باہر آکر پہلی بار میں نے ارد گرد دیکھا۔ وہ ایک چار مندر عمارت تھی جس پر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ باہر کوئی متنفس دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں آگے جانے والے محافظوں کے نقش پا پر راہداری کے سرے پر پہنچا تو دونوں لڑکے طویل قامت شخص پلٹ کر میرے قریب آیا اور بڑے جارحانہ انداز میں بولا۔ "منوعہ علاقہ شروع ہو چکا ہے۔ تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھی جائے گی۔" میں نے خاموشی سے کندھے اچکا کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ اس نے پتلون کی جیب سے چار، پانچ، آٹھ چوڑی پتی نکالی اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

"چلو..." پتی کس کس کراؤں نے میرے کندھے پر تھپکی دی۔ بالکل سائے۔ میں ابھی دو، چار قدم ہی چلا تھا کہ پھر کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "بس لڑک جاؤ۔ تم اب لفٹ کے ذریعے سفر کرو گے۔" لفٹ زور دار جھنکے سے متحرک ہو کر نیچے جانے لگی۔ تب مجھے پتہ چلا کہ میں کسی ترخانے میں جا رہا ہوں میں نے ہاتھ کودائیں بائیں گھمایا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ محافظ بھی میرے ساتھ نیچے جا رہے ہیں یا مجھے گہرائیوں کا مسافر بنا کر خود اوپر لڑک گئے ہیں۔

میرا ہاتھ ایک جسم سے ٹکرایا اور کسی نے نرمی سے میرا ہاتھ روک کر تھام لیا۔ "سنو، خرم چودھری!" آواز مانوس سی تھی۔ غالباً پتی باندھنے والا، میرا ہاتھ تھامے بول رہا تھا۔ "لفٹ میں جاؤ کسی نظام نہیں ہے۔ غور سے سنو۔ مجھے، آخر سنگھ اور ماسٹر می جو کا پیغام ملا ہے۔ میں یہاں ماسٹر کے مفادات کا نگران ہوں۔ مجھے حکم ملے کہ کسی نہ کسی طرح تمہیں، چنگ کے چنگل سے چھڑا لیا جائے۔ ام سنگھ کو یقین ہے کہ تم تعاون کرو گے۔ ہمیں وقت درکار ہوگا، اس لیے تم، بڑے شیطان سے اچھے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تمہارے نزدیک ہی رہا کروں گا۔ میرا نام مارکونی ہے۔ ام سنگھ اور ماسٹر می جو تمہیں ہر قیمت پر واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہاں اور کون ہے؟" میں نے سرد آواز میں پوچھا۔ "کوئی بھی نہیں۔" مارکونی نے بتایا۔ "میں، تمہیں چیف کے پاس چھوڑ کر واپس چلا جاؤں گا۔"

"کیا لفٹ متحرک ہے؟" "اوہ نہیں۔" مارکونی بولا۔ "میں نے دوسری اسٹیج پر روک

رکھی ہے۔ جلدی جواب دو۔ ہم زیادہ دیر نہیں رُک سکتے۔" "میرا جواب سنو، مارکونی! میں چنگ اور می جو دونوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ مجھے دونوں سے نفرت ہے۔ میں آزادی... چاہتا ہوں اور مارکونی! تم مجھے آزاد کرو گے۔"

"آزاد..." وہ غرایا۔ "اپنی بات کی وضاحت کرو۔" "آزادی کا بس ایک ہی مفہوم ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔ اگر تم نے تعاون نہ کیا تو میں اوپر جا کر چنگ کو تمہارا اصلی چہرہ دکھا دوں گا۔"

"اوہ، نہیں... تم ایسا کرنے کے لیے اوپر نہیں جا سکو گے۔ میں اپنے دفاع میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ جلدی فیصلہ کرو... زندگی یا موت؟"

"ٹھیک ہے، مارکونی!" میں نے ایک طویل سانس لے کر شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "زندگی۔"

"ہاں، زندگی ایک دلکش شے ہے۔" مارکونی نے لفٹ کو پھر متحرک کر دیا۔

لفٹ رکنے پر مارکونی نے مجھے باہر چلنے کا حکم دیا اور دوسرے اسی لمحے اس نے میری پشت پر ریو اور کی نال لگا دی۔ میں اندھے قدم بڑھانے لگا۔ ساتھ ہی قدموں کی چاپ سے میں نے اندازہ لگایا۔ کہ کوئی میرے آگے بھی چل رہا ہے۔ دو، تین منٹ سہا چلنے کے بعد، میرے ہاتھ سے کسی کا ہاتھ ٹکرایا اور اس نے میرا رخ دائیں جانب پھیر دیا۔ "بس لڑک جاؤ۔" ایک نامانوس آواز نے کہا۔ "مارکونی پتی کھولو۔" مارکونی نے گرہ کھولنے کا تھکے نہیں کیا بلکہ جھپٹ کر پتی نوج لی۔ میں ایک ایسے تنگ دروازے کے سامنے کھڑا تھا جس کی پیشانی پر روشن حروف سے 'چیف' لکھا ہوا تھا۔

"مارکونی، زیر و زبر کے ساتھ حاضر ہے، چیف!" نے محافظ نے ریسور پر اندر اطلاع دی۔ ابھی وہ، ریسور، ہک کے ساتھ لٹکا ہی رہا تھا کہ اپنی شتر بے آواز رول ہوتا ہوا اوپر اٹھنے لگا۔ دوسرا پردہ مضبوط گرل کا تھا۔ گرل نیچے بیٹھتی جا رہی تھی۔ گرل جب پوری زمین میں دھنس گئی تو تیسرے نمبر پر پلائی وڈ کا دروازہ دائیں بائیں ہٹتا، دیواروں میں سمٹا دکھائی دیا۔ مجھے یہ سب کچھ جادو کا دلچسپ کھیل لگ رہا تھا۔ مارکونی نے میرے جسم پر ریو اور کا دباؤ ڈال کر اپنی کارکردگی دکھائی۔ مارکونی کی یہ حرکات مجھ پر بھلاہٹ اور وحشت طاری کر رہی تھیں۔

"ماسٹر مارکونی!" میں نے مرتعش آواز میں کہا۔ "میسری خاموشی کو چاہک نہ مارو۔"

"چلتے رہو۔" مارکونی نے مدھم آواز میں کہا۔ جس میں دوستی کا رنگ نمایاں تھا۔ اسی میں میری اور تمہاری بہتری ہے... تم، زیر کر اس سے آگے نہیں جاؤ گے۔" مارکونی نے ہدایت کی۔ تب میں نے دیکھا۔ میرے چند قدم ادھر قالین پر سفید اور کالی دھاریاں نمایاں تھیں۔ مارکونی کی ہدایت کے مطابق، میں دھاریوں سے ایک فٹ ادھر ہی رُک گیا۔ میں، میری چمکیلی سطح پر قرینے سے رکھی چیزوں کا جائزہ لے رہی رہا تھا کہ میری نظر سفید بالوں پر جا پڑی۔ ایک سفید بالوں والا سر، میرے افق سے آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا۔ دروازہ ڈاڑھا تھا، گھنی بھوئیں، بٹن نما گہری گہری دوا آنکھیں، خفی سی ناک، اُچھے ہوئے چہرے، چہرے کی دم کی مانند، دائیں بائیں شکستہ سفید ٹوپی اور گول چھوٹی سی ٹھوڑی۔ جب گری سمیت آدھا جسم مکمل ہو گیا تو اس نے ایک فال اُٹھا کر کھولی اور پڑھنے لگا۔

"نام، خرم سلطان چودھری ولد سلطان احمد چودھری..." اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ "ہم نے پاکستان سے تمہاری پوری لائف ہماری منگوائی ہے۔ ادھر تمہارا ریکارڈ بالکل صاف ہے۔ تم جیسے نوجوان عموماً اپنے پیچھے لاش یا کوئی بہت بڑا جرم چھوڑ کر آتے ہیں۔ اس بات نے مجھے آنکھوں میں فال دیا ہے کہ ایک بھی خصلت نوجوان، اس شہر میں آتے ہی کیوں اور کیسے ایک دم پھیر لیا گیا۔ تم نے پہلے روز بلاوجہ مشتعل ہو کر میرے کارکن شوانگ پر حملہ کر دیا... پھر تم، مادام شیخو جیسے برقی گری کہا جاتا ہے، اس کے تار کاٹ کر بھاگ نکلے۔ اب تک تم، میرے دو بہترین آدمی ہلاک کر چکے ہو۔"

"نہیں... میں نے براہ راست کسی کو ہلاک نہیں کیا۔" فام میں ایک آدمی، مسٹر ہو کی یا اس کے ساتھی شواٹ کی گولی سے ہلاک ہوا تھا اور دوسرے کی ہلاکت مادام جوزی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

"لڑکے..." بوڑھا چنگ آگے جھک کر جھبر جھرائی ہوئی باریک آواز میں بولا۔ "چنگ اپنی بات کی تائید یا تردید کا کبھی محتاج نہیں رہا... پھر یہاں تمہیں فرد جرم بنانے کے لیے نہیں لایا گیا ہے۔ میں اپنی آنکھوں دودھ کر رہا ہوں۔ اب تم بولیو گے اور میں سنوں گا۔"

"میری بدبختی کا آغاز بڑا سہانا اور خوش آئند تھا۔" میں نے کہنا شروع کیا۔ "میں بہتر مستقبل کی خاطر گھر سے نکلا تھا لیکن یہاں میرے اچھٹ نے مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ تب میں فطری

فردیات کی مجبوری سے کرٹکیسی اسٹینڈ پر گیا۔ وہاں ایک ٹیکسی ڈرائیور نے مجھے ایسے کام کی پیش کش کی جو میرے عقیدے اور قومی غیرت کے منافی تھا۔ میرا پیٹ اور پرس بے شک خالی تھا لیکن میرا ضمیر زندہ تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ پھر میری جوتے پہنے مجھے منشیات کی سپلائی میں استعمال کیا بعد میں میری عزت کو نیلام کرنا چاہا۔ اور اب پھر کوئی نیا جال میرے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ آخر کیوں؟ میں نے کیا قصور کیا تھا؟ کیا اپنے عقیدے، قومی غیرت اور عزت کا تحفظ کسی قانون میں جرم ہے؟ میں نے پوچھا۔

"ہاں، جرم ہے۔ چنگ، میری طرف دیکھ بغیر بولا۔ جو چیزیں انسان کو جذبول کے ظلم میں جبرولیتی ہیں ان کا حصول میرے... نزدیک جرم ہے۔ ایک کامیاب انسان کو بڑی گیند کی مانند ٹھیک دار ہونا چاہیے۔ وہاں پرے تو ٹھیک کر دیا اور توڑ ڈالے، ضرب لگے تو اچھل کر مضارب سے دور چلی جائے، ٹھوکر لگے تو ادھر ادھر ہو کر راستہ چھوڑ دے۔ گیند ہی ایک ایسی شے ہے جو زندگی کو برقرار رکھنے کا فن جانتی ہے۔ تمہارا جرم یہی ہے کہ تم نے دباؤ اور مضارب کو قبول نہیں کیا۔ اگر تم بھی اس شہر میں ہزاروں آوارہ گیتوں کے گروہ میں خود کو گم کر لیتے تو شاید کبھی متوجہ نہ ہوتا۔ تم نے خود کو دوسرے گیتوں سے منفرد رکھا اور شواٹنگ کو ٹھوکر مارنی پڑی۔"

"مسٹر چنگ... میں غصے سے بے قابو ہو کر چیخا۔ میں گتا نہیں بلکہ انسان ہوں۔"

"خوب، خوب..." چنگ ہنس پڑا۔ "تم نے پھر ثابت کر دیا کہ تم ایک خطرناک اور بیدار گیت ہو۔ اب میں چاہوں گا کہ تم اپنی تمام تر خطرناکیوں کے ساتھ چنگ کے دفاندے بن جاؤ۔ چنگ اپنے وفادار گیتوں کو..."

"خاموش..." میں حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ اور ساتھ ہی چھلانگ بھی لگائی لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، میں ایک سخت دیوار سے ٹکرا کر نہ صرف ڈگ گیا تھا بلکہ اس دیوار نے مجھے واپس بھی اچھال دیا تھا۔ جب میں اٹھا تو میرے سامنے ایک آہنی سیاہ چادر تھی ہوئی تھی جو زمین کے کنارے سے لیکل کر چھت تک چلی گئی تھی۔ معامیرے دونوں کانوں کے قریب سے دو خمر سراتے ہوئے گزے اور آہنی چادر سے ٹکرا کر قالین پر گر پڑے۔

"چنگ ایک جہم کا نام نہیں ہے، لڑکے! اس بار لاؤڈ اسپیکر سے آواز ابھری تھی۔ چنگ ایک ناقابل تسخیر قلعے اور ناقابل شکست قوت کا نام ہے اور اس قلعے کے دروازے خرم چودھری پر کھول دیے گئے ہیں۔ خرم چودھری اب ایک مضبوط ہاتھ کی پناہ میں آچکا

ہے۔ آہنی دیوار سمیت سے ہٹ گئی۔ سامنے بوڑھا چنگ بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ "تم نے خود کو منوالیا ہے، پیارے لڑکے! وہ نرم آواز میں بولا۔ تمہارے تمام خواب پورے ہوں گے۔ چنگ کی پستہ تمہارے روشن مستقبل کی ضمانت ہوگی۔ منزل وہی ہے جس کے لیے تم نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ صرف راستہ دوسرا مگر مختصر ہے۔ شرط صرف وفاداری ہوگی۔"

میں نے چہرہ ٹھکا کر مار کوئی کی طرف دیکھا۔ وہ مسر جھکائے، میرے قریب کھڑا تھا۔ بعض اوقات انسان، زندگی کا بہت بڑا فیصلہ صرف ایک منٹ میں کر لیتا ہے۔ میں نے بھی وہ فیصلہ ایک سیکنڈ کے قلیل عرصے میں کیا اور میں بجلی کی مانند لہرایا پھر جب میں اوپر اٹھ کر پلٹا تو میرے ہاتھ میں قالین پر گرنا ہوا ایک خمر تھا اور وہ خمر ایک بچکنے کے عرصے میں مار کوئی کے حلق میں اتر چکا تھا۔ میں نے خمر اپنی طرف کھینچا اور لات مار کر مار کوئی کو پیچھے گر دیا۔ پھر جب میں خون آنسو خمر، دونوں ہاتھوں پر رکھ کر پلٹا تو چنگ آہنی دیوار کے پیچھے چھپ چکا تھا۔ میں دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر قدرے جھک کر کھڑا ہو گیا۔

"عظیم چنگ کی خدمت میں اپنی وفاداری کا حقیر سا نذرانہ میں نے بہ آواز بلند کہا۔"

"میری انگلی، تمہاری موت کے تین پر ہے۔ اپنی اس حرکت کی وضاحت کرو، یہ کس قسم کی وفاداری ہے؟ لاؤڈ اسپیکر سے چنگ کی آواز ابھری۔

"ادھر ہمارے ہاں، لوگ اپنے دوست کے دشمن سے اسی قسم کا سلوک کر کے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم... کالی بیٹروں کے لیے یہی سزا تجویز کرتے ہیں... مار کوئی، عظیم چنگ کے حریف می جو کا جاسوس تھا۔"

"اوہ... نہیں..." وہ آہنی دیوار گرتے ہوئے بڑبڑایا۔ "اس نے لفٹ روک کر مجھے می جو اور دام سنگھ کا پیغام دیا تھا۔"

"ایک منٹ..." چنگ پوچھتا ہے میں بولا۔ "ہیلو، آپریٹر... چیف کا لنگ... بتاؤ، لفٹ کتنی دیر کی تھی؟ وہ ایک چوکور ڈبے پر جھکا سنا رہا اور پھر جب اس نے میری طرف دیکھا تو اس کا خونگ چہرہ نرم اور شفیق تھا۔ "تم نے ایک ہی جہت میں طویل فاصلہ طے کر لیا ہے۔ وہ بولا۔

"شکریہ، چیف! میں نے ممنون آواز میں کہا۔ اب میں ایک بات پوچھنے کی اجازت چاہوں گا۔"

"چنگ جی جواب دینے کا پابند نہیں ہے۔" اس نے اپنی آواز کو نرم اور خوشگوار ہی رکھا تھا۔ "بہر کیف، تمہیں اجازت ہے۔"

"یہاں میری حیثیت کیا ہوگی؟" میرے سوال پر وہ پرسکون نہ رہ سکا۔

"چنگ کی پناہ میں صرف اس کے غلام اور وفادار ہی رہتے ہیں۔" وہ تڑختی آواز میں بولا۔

"گستاخی معاف، چیف! میں بے خوفی سے بولا۔ "کیا تاریخ کے کسی معنے پر کسی غلام کی وفاداری کا ذکر ہے؟ نہیں، چیف! غلام اپنے آقا کے سچے میں بند، ایک ایسا پرندہ ہوتا ہے جو ہر لحظہ کسی نہ کسی صلاح کو توڑنے میں مصروف رہتا ہے۔ غلام کبھی وفادار نہیں ہوتا۔ کیا مجھے یہاں دوست کا درجہ نہیں دیا جاسکتا؟"

"ہوں..." اس کی ناک سے سیٹی ٹپکتا ہوا نکلی۔ وہ چند لمحوں میں میری طرف دیکھتا ہوا پھر پوچھتا ہوا بولا۔ "تم، جسم، دل اور دماغ، ہر پہلو سے روشن ہو۔ میرے لیے ایک اچھا تجربہ اور اضافہ۔ میں، تمہاری اس عجیب اور دلیرانہ پیشکش کو قبول کرتا ہوں... آگے بڑھو اور اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تمام لو، جو ہاتھ دوستی اور دشمنی کا مظہر ہے۔ چنگ جی نے قدرے آگے جھک کر اپنا استخوانی ہاتھ، میری طرف بڑھایا۔ میں نے قدم بڑھا کر اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔ "بیٹھ جاؤ۔ میرے گروہ میں سے دوسرے رکن کو یہ اعزاز ملا ہے۔" میں ٹھوکا اور دائیں جانب دالے گداز صوفے پر جا بیٹھا۔

چنگ نے سرخ شیلی فون کا ریسپورڈ اٹھایا اور بولا۔ "مسٹر جوے بات کراؤ۔" می جو کا نام سننے ہی میں اچھل پڑا۔ چنگ نے ہاتھ اٹھا کر مجھے پرسکون رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر رابطہ قائم ہونے پر بولا۔ "ہیلو! برا میں جی بول رہا ہوں۔ مار کوئی کا متبادل بھیج دو۔ چنگ نے قہقہہ لگایا۔ "تم اب اتنے احمق نہیں ہو، می جو! تمہیں یقیناً معلوم ہوگا کہ متبادل کی تلاش کب ہوتی ہے۔ چنگ نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا اور ریسپورڈ رکھ کر چند ثانیے تک ہنستا رہا۔ "بوڑھا لومٹر اپنی بوٹیاں نوچنے لگا ہے۔ بہت مدت بعد، میری طرف سے ادھر کوئی تیر بھیجا گیا ہے۔ اب می جو زخمی ناک کی طرح ڈسنے آئے گا اور میں اس کے پھین پر پاؤں رکھ دوں گا۔ مجھے معاہدے نے پابند کر رکھا تھا۔ اب معاہدہ، اس نے توڑا ہے۔ اپنے آدمی میرے گروہ میں شامل کر کے اس نے اپنے بلیٹنگ وارنٹ پر سائن کر دیے ہیں۔" اس کی غرورت ہی کیا تھی چیف؟ میں نے ہونٹ چبا کر کہا۔ "مار کوئی کو خاموشی سے ٹھکانے لگا دیا جاتا۔"

"معاہدے کی خلاف ورزی کا ثبوت پیارے لڑکے! چنگ ہنس پڑا۔ اس نے سفید شیلی فون سیٹ پر صوف دو نمبر کھائے۔ "اگلا نمبر لاٹ کرو، خرم چودھری... ہاں، ہلو... کیا نمبر ہے؟... قمری ایٹ ناٹن اور لوکل؟... قمری فائیو... اور... اب ڈاؤمی اوپر بھیج دو۔ سرخ لباس اٹھانے ہے۔" ریسپورڈ رکھ کر چنگ نے میری جانب چہرہ کھمایا۔ اور دوستانہ انداز میں بولا۔ "اپنے کوڈ نمبر ذہن نشین کر لو۔ انٹریشنل کوڈ نمبر قمری ایٹ ناٹن اور مقامی نمبر ہوگا قمری فائیو... اب میں چاہوں گا کہ تم میرے معیار پر اٹھتے، بتدینج نمبر کرتے میرے قریب آ جاؤ۔ قریب ترین نمبر، چیف؟"

"تین..." اس نے بتایا۔ "نمبر تین، اب کھار کا بوڑھا شیر ہے جو اصلاتی سکون کے لیے فی الحال خاموش زندگی بسر کر رہا ہے۔ سرخ بلب جلنے لگا تو چنگ نے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی اور قدرے بائیں جانب جھک کر بولا۔ "ہاں، اندر آؤ۔" پردہ ہٹا کر اندر آنے والوں میں ایک خوبصورت عورت کھڑی تھی اور دوسرا ایک ادھیڑ عمر حبشی۔ دونوں نے اندر آ کر چنگ کو تعظیم دی... اور مار کوئی کی لاش کے قریب آ گئے۔

"اس کا لباس پیک کر کے مسٹری جو کو میری طرف سے بطور تحفہ بھیج دو۔ چنگ نے کہا اور لاش ٹھکانے لگا کر ریپوٹ دو۔" حبشی لاش پر جھک گیا مگر لڑکا کھڑا، میری طرف دیکھتا رہا۔ اس کی نگاہوں میں میرے لیے اپنائیت سی تھی۔ میں بھی جواباً سرسکالی نگاہوں سے اُسے دیکھا تو وہ مسکرائے لگا۔ چنگ نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "یہ لڑکا راجو، تمہارا ہم وطن ہے۔" میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ راجو نے بھی آگے بڑھ کر اپنا دایاں ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا مگر میں نے پیک کر اُسے سینے سے لگا لیا۔

"میرا نام رجمان ہے اور میرا تعلق سوات سے ہے۔" پاکستان چو، رجمان، پاکستان! میں نے اس کو دوستانہ انداز میں بھجور دیا۔ "باہر آ کر ہم صرف پاکستانی ہیں۔ وہ ضلع ادھر... ہماری پہچان میں اور یہاں آ کر ہم صرف پاکستان کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔"

"لیکن پاکستان اور ہماری ماؤں نے ہمیں اس لیے تو نہیں پروان چڑھایا تھا کہ... راجو کی آواز شدت جذبات سے کپکپانے لگی۔ "اے خرگوش... چنگ خوش دلی سے بولا۔ "بس، اب ختم کرو۔"

”ادہ، سودی، چیف! راجو، میری طرف دیکھ کر لالک ہو گیا۔ لیکن جلتے جلتے وہ مجھ پر انکشاف کا ہم چھینک گیا۔ اگر موت کے کنوئیں سے زندہ نکل آئے تو پھر ملاقات ہوگی۔ یہ باتیں ہم نے اپنی قوی زبان اردو میں کی تھیں، اس لیے چنگ اور حبشی غلام بے خبر ہی رہے تھے۔“

راجو اور حبشی، مارکونی کی لاش اٹھا کر لے گئے تو چنگ... سفید ٹیلی فون پر کسی سے اپنی زبان میں بات کرنے لگا۔... اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا میں خطرے میں ہوں؟ راجو نے کسی موت کے کنوئیں کا ذکر کیا تھا لیکن وضاحت نہیں کی تھی۔ اگر وہ صاف صاف بتا جاتا تو میں اپنے بچاؤ کے لیے کوئی تدبیر کر سکتا تھا۔ معاً بھل پر دوسے میں لرزش ہوئی اور میرا پھیلا ہوا جسم کسی آنے والے ٹوٹی لٹے کے خوف سے سمٹ کر رہ گیا۔

وہ زرد رو، مضبوط جسم رکھنے والا چینی تھا۔ ذیل ڈول سے باکسر لگتا تھا۔ اس نے بھی چنگ کو تعظیم دی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

”ختم...“ چنگ نے مجھے مخاطب کیا۔ یہ یونگ چاؤ ہے۔ میرے دوسرے حکم تک تم اس کے اشاروں پر چلو گے۔“

میں اٹھا اور گردن کو ہلکا سا ہم دے کر، چنگ کے حکم کی تائید کا اظہار کیا۔ یونگ میرے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور بغیر میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر میرا ہاتھ تھام کر بولا۔ ”جھک جاؤ۔“

میں نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”کس کے سامنے؟“

”سودی، محترم یونگ چاؤ۔“ میں نے کہا۔ ”کیا آپ نہیں جانتے کہ مسلمان صرف ایک ہستی کے سامنے، جسے رتبہ ہے، جھکتے ہیں۔ اگر محترم چاؤ کا جھکنے سے مطلب احترام ہے... تو میں احترام کرتا ہوں۔“

واپسی کا سفر کھلی آنکھوں کے ساتھ ایک وسیع و عریض کمرے تک جاری رہا۔ کمرے میں فرنیچر قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔ چند ڈیمیاں، تن سازی کا سامان اور آہنی کڑوں میں جھولتی ہوئی مختلف جسامت کی زنجین گیندیں اور بیگ موجود تھے جو بالنگ کی تربیت کے دوران کام آتے ہیں... ہاں، میں ایک ڈمی کے پاؤں میں اس لڑکی کو دیکھ کر ضرور چونکا تھا جس کے ساتھی کو تشدد کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

یونگ چاؤ اگر میرے سر پر ننگی تلوار کی طرح مسلط نہ ہوتا تو

”اس کے جانے کے بعد میں راجو سے مخاطب ہوا۔ تم یہاں کب اور کیسے پہنچے؟“

”غالبا اسی طرح جس طرح تم پہنچ گئے ہو۔“ راجو نے ہنس کر ادھر بچانوسے فی صد لوگ ایک ہی غرض سے آئے ہیں۔“

”ملازمت کی تلاش...“

”ہاں، بھائی، ملازمت کی تلاش۔“ راجو سنجیدہ ہو گیا۔ ”میں سیاسی پناہ لینے کے لیے جرمنی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا۔ راجو نے اپنی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ ”ہم کل سات افراد لالچ کے ذریعے جا رہے تھے کہ گشتی لالچ پیچھے لگ گئی۔ میں پانی میں گر پڑا جب آٹھ کھلی تو ایک بحری جہاز کے ٹکڑے پر تھا۔ اس جہاز پر چیف خود موجود تھا۔ بس اتنی سی داستان ہے میری۔“

”راجو...“ میں نے کہا۔ ”تم نے کسی موت کے کنوئیں کا ذکر کیا تھا لیکن اس کی وضاحت نہیں کی۔“

”یہ کمرہ...“ راجو بولا۔ ”اسی کو موت کا کنواں کہا جاتا ہے۔ ماسٹر یونگ چاؤ کی تربیت اتنی سخت ہوتی ہے کہ دس کے گروپ سے تشکیل دو، چار زندہ رہ کر آگے بڑھتے ہیں۔ ماسٹر کی خیریں جان لیوا ہوتی ہیں۔ ابھی پچھلے ہفتے ماسٹر کی ضرب سے ایک لڑکے کا مغز دیوار سے جا لگا تھا۔“

”تم کس درجے میں ہو؟“

”ڈانٹ بلیٹ حاصل کر چکا ہوں۔“ راجو نے فخر سے بتایا۔ ”میں ان چھ خوش نصیبوں میں شامل ہوں جو دس کے گروپ سے پاس بنے ہیں۔“

”ادب جو گروپ مل رہا ہے، اس کی تعداد کیا ہے؟“

”ابھی گروپ نہیں بنا۔“ راجو نے لڑکی کی طرف دیکھا جو پھوڑی گھٹنوں پر لٹکائے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ ”شاید تم اور وہ لڑکی ابھی دو ہی ہو۔“

”ادہ...“ میں نے ہونٹ سیکڑے ”تو کیا یہ لڑکی بھی...“

”شاید...“ راجو نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

میں لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر لڑکی ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میں غل تو نہیں ہوا؟“ میں نے نرم آواز میں پوچھا تو لڑکی کا سہا ہوا چہرہ ڈھیلا ہونے لگا۔ ”جو کچھ آپ سے چھین چکا ہے، اسے میں واپس تو نہیں لا سکتا لیکن جو کچھ آپ کا اپنا ہے، میں اس کی حفاظت کا یقین دلاتا ہوں۔“

”ادہ...“ وہ سسک اٹھی۔ ”بہت بہت شکریہ... میرا نام ستمبر ہے۔“

”ادہ، فرام آئیڈیا؟“

میں اس مظلوم و معصوم حسن کی دل جوئی ضرور کرتا۔

”یہ سیل نمبر دن ہے۔“ یونگ چاؤ نے بتایا۔ ”ہر آنے والا اس کمرے سے اپنا سفر شروع کرتا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دوسرے آنے والوں سے منفرد ہو۔ چیف نے بطور خاص مجھے تمہاری تربیت کا حکم دیا ہے۔ کیا تم جوڈو، کراتے میں مہارت رکھتے ہو؟“

”نہیں... صرف چند ابتدائی مشقیں سیکھ سکا تھا... البتہ باکسنگ کی اسے بی سی جانتا ہوں۔“

”گڈ...“ یونگ چاؤ خوشگوار انداز میں بولا۔ ”ہمارا چیف کسی مخصوص فن پر یقین نہیں رکھتا۔ اس کا ایمان اہلیت پر ہے۔ اگر کوئی شخص ایک حقیر تنکے سے اپنا دفاع کر سکتا ہے تو وہ بہت بڑا فکا رہے اور اگر کوئی ماہر فن، ناک پر بیٹھنے والی مکھی کو نہیں اڑا سکتا تو وہ، چیف کے نزدیک ردی پڑ رہا ہے۔ اس لیے ادھر کسی ایک مخصوص فن کی تربیت نہیں دی جاتی بلکہ ایسے افراد تیار کیے جاتے ہیں جو خود کو بچانے اور مد مقابل کو گرانے کے اہل ہوں...“

”آج تم مکمل آرام کرو۔ کل صبح تمہیں یونیفارم دی جانے لگی اور تمہاری تربیت کا آغاز ہوگا۔“ اس نے بتکون کی پچھلی جیب سے ایک ڈائری نکالی اور بال پین سے لکھنے لگا۔ ”تمہارا ڈول نمبر“

”نہیں...“ وہ مدح آمیز میں بولی۔ ”ہم ملازمت کے لیے بلاتے گئے تھے۔“ اس نے گریبان سے ایک تہ شدہ کاغذ نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ میں نے کھول کر دیکھا۔ وہ کسی اخبار کا تراشا تھا۔ اشتہار کی عبارت کو سرخ روشنائی سے نشان زد کیا گیا تھا۔ اشتہار کی عبارت تھی۔ ”ایک ایڈورٹائزنگ فہم کو پیکش جوان جوڑے کی خدمات درکار ہیں جو ماڈلنگ اور اشتہاری فلموں میں دلچسپی رکھتا ہو۔ معقول معاوضہ اور مستقل بنیادوں پر کام کی ضمانت، میسرز فاسٹ ایڈورٹائزرز سے بلا مشافہ رابطہ قائم کریں۔“

”پھر تم لوگ آنے اور یہاں پھنس گئے؟“ میں نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

”بریندر کی موت کی ذمے داری میں ہوں۔“ ستمبر نے کھوٹے کھوٹے لہجے میں کہا۔ ”اگر میں خود کو جھینٹ چڑھا دیتی تو وہ بچ جاتا۔“

”وہ مجھے بھری دنیا میں تنہا چھوڑ گیا۔“

”ہم سب تنہا ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”میرا کون ہے؟ اس لڑکے کا کون ہے؟ ادھر اس شہر میں ہر شخص تنہا ہے اور موت سے چھپتا پھر رہا ہے۔ بہر حال بات کیا تھی؟“

”ایک اشتہاری فلم فلمائی جا رہی تھی۔ غالباً کسی لباس کی مشہوری تھی۔ سیدھی سادی فلم تھی۔ مجھے ڈہن اور بریندر کو ڈہا بنایا گیا تھا اور فلم ساز کا تقاضا تھا کہ منظر کی تکمیل حقیقی معنوں میں ہونی چاہیے۔ میں نے انکار کر دیا اور...“ وہ پھر سسک پڑی۔

”کچھ دیر بعد ستمبر نے جلتی لگا ہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر لگائیں جھکا کر بولی۔ ”آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا؟“

”فی الحال مجھے ایک انسان ہی کہہ لو۔“ میں نے ٹھوس لہجے میں کہا... اور پھر ہم دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ راجو، میرے قریب ہی گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اندھیرا جب کھڑکیوں سے اندر آ گیا تو میں نے راجو کو جگایا۔

”یہ وہ سجدہ نہیں ہے مسٹر خرم! یونگ نے بتایا۔“ یہ بڑے اور چھوٹے کی ایک پہچان ہے جو ہر مذہب میں موجود ہے۔ میں صرف یہی کہوں گا کہ یہ حکم نہیں ہے۔ یونگ نے بڑا خوبصورت جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ جو بات حکم میں شامل نہیں ہے، اس کی خلاف ورزی پر کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ میرے لیے اتنا اشارہ ہی کافی تھا۔ یونگ چاؤ چلا گیا۔

”یہ وہ سجدہ نہیں ہے مسٹر خرم! یونگ نے بتایا۔“ یہ بڑے اور چھوٹے کی ایک پہچان ہے جو ہر مذہب میں موجود ہے۔ میں صرف یہی کہوں گا کہ یہ حکم نہیں ہے۔ یونگ نے بڑا خوبصورت جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ جو بات حکم میں شامل نہیں ہے، اس کی خلاف ورزی پر کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ میرے لیے اتنا اشارہ ہی کافی تھا۔ یونگ چاؤ چلا گیا۔

”نہیں...“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میری مائند اس سے ادھر آئی تھی اور میری پیدائش بحری سفر کے دوران ہوئی تھی... میں نے مائتاجی سے پوچھا نہیں کہ وہ مندر کس ملک کا تھا، اس لیے میں بے وطن ہوں۔“

”اور آپ کا آنجنابی ساتھی؟“

”بریندر... وہ، آسام سے چند سال پہلے آیا تھا۔ وہ میرا منیجر اور ایک اچھا اداکار تھا۔“ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر خاموش ہو گئی۔

”کیا تم لوگ یہاں باقاعدہ ملازم تھے؟“ میں نے لے کر دیا۔

”نہیں...“ وہ مدح آمیز میں بولی۔ ”ہم ملازمت کے لیے بلاتے گئے تھے۔“ اس نے گریبان سے ایک تہ شدہ کاغذ نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ میں نے کھول کر دیکھا۔ وہ کسی اخبار کا تراشا تھا۔ اشتہار کی عبارت کو سرخ روشنائی سے نشان زد کیا گیا تھا۔ اشتہار کی عبارت تھی۔ ”ایک ایڈورٹائزنگ فہم کو پیکش جوان جوڑے کی خدمات درکار ہیں جو ماڈلنگ اور اشتہاری فلموں میں دلچسپی رکھتا ہو۔ معقول معاوضہ اور مستقل بنیادوں پر کام کی ضمانت، میسرز فاسٹ ایڈورٹائزرز سے بلا مشافہ رابطہ قائم کریں۔“

”پھر تم لوگ آنے اور یہاں پھنس گئے؟“ میں نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

”بریندر کی موت کی ذمے داری میں ہوں۔“ ستمبر نے کھوٹے کھوٹے لہجے میں کہا۔ ”اگر میں خود کو جھینٹ چڑھا دیتی تو وہ بچ جاتا۔“

”وہ مجھے بھری دنیا میں تنہا چھوڑ گیا۔“

”ہم سب تنہا ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”میرا کون ہے؟ اس لڑکے کا کون ہے؟ ادھر اس شہر میں ہر شخص تنہا ہے اور موت سے چھپتا پھر رہا ہے۔ بہر حال بات کیا تھی؟“

”ایک اشتہاری فلم فلمائی جا رہی تھی۔ غالباً کسی لباس کی مشہوری تھی۔ سیدھی سادی فلم تھی۔ مجھے ڈہن اور بریندر کو ڈہا بنایا گیا تھا اور فلم ساز کا تقاضا تھا کہ منظر کی تکمیل حقیقی معنوں میں ہونی چاہیے۔ میں نے انکار کر دیا اور...“ وہ پھر سسک پڑی۔

”کچھ دیر بعد ستمبر نے جلتی لگا ہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر لگائیں جھکا کر بولی۔ ”آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا؟“

”فی الحال مجھے ایک انسان ہی کہہ لو۔“ میں نے ٹھوس لہجے میں کہا... اور پھر ہم دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ راجو، میرے قریب ہی گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اندھیرا جب کھڑکیوں سے اندر آ گیا تو میں نے راجو کو جگایا۔

”یہ وہ سجدہ نہیں ہے مسٹر خرم! یونگ نے بتایا۔“ یہ بڑے اور چھوٹے کی ایک پہچان ہے جو ہر مذہب میں موجود ہے۔ میں صرف یہی کہوں گا کہ یہ حکم نہیں ہے۔ یونگ نے بڑا خوبصورت جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ جو بات حکم میں شامل نہیں ہے، اس کی خلاف ورزی پر کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ میرے لیے اتنا اشارہ ہی کافی تھا۔ یونگ چاؤ چلا گیا۔

”یہ وہ سجدہ نہیں ہے مسٹر خرم! یونگ نے بتایا۔“ یہ بڑے اور چھوٹے کی ایک پہچان ہے جو ہر مذہب میں موجود ہے۔ میں صرف یہی کہوں گا کہ یہ حکم نہیں ہے۔ یونگ نے بڑا خوبصورت جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ جو بات حکم میں شامل نہیں ہے، اس کی خلاف ورزی پر کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ میرے لیے اتنا اشارہ ہی کافی تھا۔ یونگ چاؤ چلا گیا۔

”یہ وہ سجدہ نہیں ہے مسٹر خرم! یونگ نے بتایا۔“ یہ بڑے اور چھوٹے کی ایک پہچان ہے جو ہر مذہب میں موجود ہے۔ میں صرف یہی کہوں گا کہ یہ حکم نہیں ہے۔ یونگ نے بڑا خوبصورت جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ جو بات حکم میں شامل نہیں ہے، اس کی خلاف ورزی پر کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ میرے لیے اتنا اشارہ ہی کافی تھا۔ یونگ چاؤ چلا گیا۔

”یہ وہ سجدہ نہیں ہے مسٹر خرم! یونگ نے بتایا۔“ یہ بڑے اور چھوٹے کی ایک پہچان ہے جو ہر مذہب میں موجود ہے۔ میں صرف یہی کہوں گا کہ یہ حکم نہیں ہے۔ یونگ نے بڑا خوبصورت جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ جو بات حکم میں شامل نہیں ہے، اس کی خلاف ورزی پر کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ میرے لیے اتنا اشارہ ہی کافی تھا۔ یونگ چاؤ چلا گیا۔

”یہ وہ سجدہ نہیں ہے مسٹر خرم! یونگ نے بتایا۔“ یہ بڑے اور چھوٹے کی ایک پہچان ہے جو ہر مذہب میں موجود ہے۔ میں صرف یہی کہوں گا کہ یہ حکم نہیں ہے۔ یونگ نے بڑا خوبصورت جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ جو بات حکم میں شامل نہیں ہے، اس کی خلاف ورزی پر کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ میرے لیے اتنا اشارہ ہی کافی تھا۔ یونگ چاؤ چلا گیا۔

"معاف کرنا، راجو پیارے! اندھیرا پھیل رہا ہے مگر مجھے سوچ نظر نہیں آ رہا..."

"روشنی ادھر سے وقت پر بھیجی جائے گی۔" راجو پھر لیٹ گیا۔
"سوجاؤ، چودھری صاحب! اس وقت کو ضائع نہ کرو ورنہ میری طرح نیند کو ترسو گے اور نیند کے لیے تمہیں وقت نہیں دیا جائے گا، سوجاؤ۔ وہ لڑکی کہاں ہے؟"

"چلی گئی..." میں نے جواب دیا۔

"اوہ... مجھے اس کی لاش ٹھکانے لگاتے دکھ ہوگا۔ پتہ نہیں کیوں، وہ مجھے اچھی لگی تھی۔"

"ہو سکتا ہے، وہ بچ کر نکل گئی ہو۔" میں نے پہلا جواب تو محض تفریحی ہی دیا تھا مگر راجو نے جس باوثوق انداز میں ستر کی لاش کا ذکر کیا تھا، اس سے مجھے اس مذاق کو سمجھنے میں بدلنا ضروری محسوس ہوا۔ میں، راجو سے یہاں کے انتظامات کی سن گن لیٹنا چاہتا تھا۔

"ناممکن، چودھری! راجو بولا۔" اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو برآمدے میں جا کر گیٹ کی طرف دیکھ لو۔ ستر کا خوبصورت جسم ادھر پڑا ہوگا۔ اگر باہر جانے والوں کی نگرانی کسی مرد کے سپرد ہوتی تو میں بھی ممکن اور ناممکن کے چکر میں پڑ سکتا تھا۔ کوئی بھی مرد، ستر جیسی خوبصورت لڑکی کو ضائع کرنے سے قبل کئی بار سوچے گا۔

"باہر کون ہے راجو؟"

"بہرہ خو خوار گنا۔" راجو نے بتایا۔ "وہ کیا ڈنڈ کی حد تک دم ہلاتا، ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے، جو نہی کوئی گیٹ سے باہر قدم رکھتا ہے اس کا زرخہ اڈھیر دیتا ہے۔"

"لیکن مجھے کسی نے نہیں بتایا، راجو! میں نے تمہیں پہلے میں کہا۔" اگر میں چلا جاتا تو..."

"چلے جانے کی کوشش کرنے والوں سے چیف کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے؟" راجو نے نہایت سادگی سے بڑی گہری بات کہہ دی تھی واقعی چنگ چی کو فرار ہونے والوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی... وہ مجھے کیوں بتاتا؟ اگر میں وفادار رہتا تو مجھے کوئی خطرہ نہ تھا اور اگر فطری جبلت مجھے فرار ہونے پر اکساتی تو میرا شمار بھی باغیوں اور غداروں میں ہوتا۔

معاساً اگر بقیہ نو رہن گیا تھا۔ کرنوں سے ٹھوڈی روشنی پھوٹ رہی تھی حالانکہ بظاہر کوئی ٹیوب نظر نہیں آ رہی تھی۔ روشنی میں راجو نے ستر کو دیکھا اور ایک پرسکون سی گہری سانس لی ستر بھی مسکرانے لگی... میں نے اسے پہلی بار مسکراتے دیکھا تھا۔

"راجو بھائی..." ستر اٹھتی ہوئی بولی۔ مجھے اندھیرے کا مشکوہ ہونا چاہیے۔ اندھیرے نے مجھے ایک ہمدرد بتایا ہے۔ تمہارے پرکھوں جذبوں نے مجھے بڑا سہارا دیا ہے۔ اب میں خود کو تنہا نہیں کہہ سکتی۔ راجو مسکرایا۔ "میں، آپ لوگوں کے لیے کھانا لاتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"کہاں سے لاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہوسٹل کے میس سے۔ یہاں راشن پانی کا معقول انتظام ہے۔" اس نے بتایا۔

رات گیارہ بجے جب ہم سو گئے... صبح ناشتہ بھی راجو ہی لایا تھا اور ہاتھ دھو کر اس نے راجو کی تھی۔ راجو، ہمارے لیے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا تھا... تقریباً آٹھ بجے یونگ چاؤ ایک مرلے سے نوجوان لڑکے کے ساتھ اندر آیا۔ راجو نے حسب سابق اسے تھک کر تعظیم دی۔ میں صرف اس کی تعظیم کے لیے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ستر، دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی، اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی۔ اس نے یقیناً یونگ کو دیکھ لیا تھا مگر ظاہر یہی کر رہی تھی جیسے وہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہو۔ یونگ نے اس کی بے خبری کو اپنی توہین پر محمول کیا اور اس کے نتھنے پھرنے لگے اور وہ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ستر کو گھورنے لگا۔ "مترم یونگ!" میں نے ستر کی دکالت کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بیمار ہے۔"

"ہوں..." وہ غمایا۔ "کیا پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتی؟" ابھی میں کوئی دوسرا جھوٹا سوچ ہی دیا تھا کہ ستر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے جھڑک اٹھے۔ وہ بھوکے شیر کی طرح یونگ کو گھور رہی تھی۔

"ستر چاؤ..." وہ سر ہلچے میں بولی۔ "اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" "نامکمل فلم مکمل ہوئی۔" چاؤ نے بھی سر ہلچے میں جواب دیا۔ "لیکن وہ مچکا ہے۔"

"ہاں..." چاؤ نے ذوقم آگے بڑھ کر میرے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔ "اب کہانی میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی گئی ہے۔ ادھر دیکھو۔ اسے پہچانو... کہانی میں یہ تمہارے ساتھ ہوگا۔ یہ اس وقت کھڑکی کے رستے اندر داخل ہوگا جب بریندر اپنی دہلیز کو انگوٹھی پہناتا ہوگا۔ ہم بریندر کی پشت دکھائیں گے۔ اس کی جگہ راجو لے گا۔ یہ بریندر کی پشت میں خنجر گھونپ کر اپنی مجبوری پر قبضہ کرے گا۔" یہ کہہ کر یونگ باہر چلا گیا۔

ستر، میرے قریب سے گزرتی ہوئی راجو کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ راجو، گزشتہ شام میں نے جب تمہیں بھائی کہا تھا تو تم نے جواباً

میں رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"ہاں..." راجو بڑبڑایا۔ "اس لیے کہ رحمان خان ادھر اکیلا ہی آیا ہے۔ ہم لوگ منڈیوں میں کھڑے ہو کر بہن اور ماں کے رشتوں کو یاد بھی نہیں کرتے۔"

"سنو، راجو! ستر آپرسکون اور مدھم لہجے میں بولی۔ "اگر یہاں تمہاری بہن ہوتی تو..."

"نہیں..." راجو کا ہاتھ تراز سے ستر کے گال پر پڑا... اور وہ کھڑک کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ "نہیں... نہیں... میری بہن... نہیں... خدایا..." راجو سسکتا ہوا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر فرخ پر بیٹھ گیا۔ ستر گال سہلاتی ہوئی دیوانہ وار ہنس رہی تھی۔ راجو، میرے سامنے پیٹھا سسک رہا تھا۔ میں گیلی لکڑی کی مانند سسک رہا تھا اور میرے اندر سے نکلنے والا کڑوا دھواں میری ذات کے گرد گردش کرتا، گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

"خرم چودھری کون ہے؟" ایک بوڑھی عورت نے اندر بھانک کر پوچھا۔ "ستر چاؤ یاد کر رہے ہیں۔"

"چاؤ، خرم سلطان..." ستر بولی۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب یونگ چاؤ کو دوسرا بریندر نہیں بلے گا... پھر فائدہ بھی تو کوئی نہیں۔ بریندر مہتا تو خرم سلطان ایک مہرے کی طرح آگے بڑھا دیا گیا ہے۔ یہ مہو بھی پٹ گیا تو کوئی تیسرا انگ پڑ کر رہے گا۔"

میں نے پلٹ کر راجو کے سر پر تھپکی دی۔ "مردن کر حالات کا مقابلہ کیا کرو، رحمان خان! میں جا رہا ہوں۔ میری واپسی تک تم دونوں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ وقت کو اپنے اوپر حساوی نہ ہونے دو۔"

راجو نے آنسوؤں سے تر ہو کر اوپر اٹھا کر مجھے دیکھا اور میں تھوڑے قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔

یونگ چاؤ چند آدمیوں کے درمیان، ایک سیاہ دین سے ایک لگائے کھڑا تھا۔ میں برآمدے کی سیڑھیاں اترنے لگا تو سب ستر کی کمری طرف دیکھا۔ غالباً چاؤ نے انہیں بتا دیا ہوگا۔ یونگ چاؤ ساتھیوں سے الگ ہو کر مجھے ایک طرف لے گیا۔ اس کا بڑا ڈوستانہ انداز تھا۔ "مار کوئی کی وجہ سے می جو تھیلی سے باہر آ گیا ہے۔ رات پہلے سے خشک پیرا کٹوں سے حملہ کیا گیا ہے۔ مجھے ابھی چیف کا پیغام ملے کہ کسی جو کو کچھ دن اپنی بوٹیاں نوچنے دو... پھر ہم بھر پور وار کے روپوش ہو جائیں گے اور طویل مدت تک می جو اپنے زخم چاٹتا رہے گا۔ اس لیے ہم اپنا ہیڈ کوارٹر عارضی طور پر یہاں سے منتقل کر رہے ہیں۔ تم، میرے ساتھ انتظامی امور کے لیے چلو گے۔"

کیا فلم بندی نہیں ہوگی؟

"ہوگی..." اس نے مسکرا کر میرے کندھے پر ہاتھ مارا۔ میں چیف کو مشورہ دوں گا کہ تمہیں آؤٹ ڈور گروپ میں نہ رکھا جائے۔ تمہاری فلمیں بہت کامیاب بن سکتی ہیں۔"

"یہ آپ کی ذمہ داری ہے ماسٹر! میں نے انکسار سے کہا۔ میں پہلے خود کو مکمل کرنے کا خواہشمند ہوں۔"

"ٹھیک ہے، بوائے! اس نے میرے پیٹ پر ہاتھ مارا۔" ہونے نہیں کر کہا۔ "یونگ چاؤ کی تربیت تمہیں ناقابل تسخیر بنا دے گی۔ آؤ، چلیں۔"

دین کی ڈرائیونگ سیٹ یا ٹیگ چاؤ نے سنبھالی تھی اور ساتھ مجھے بیٹھنے کی سعادت دی گئی تھی۔ کھلی سڑک پر نکل کر مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ عمارت، شہر کے گنجان اور مصروف علاقے میں واقع تھی۔ گیٹ کے بالکل سامنے کوئی پانچ چھ سو گز دور، سڑک کے کنارے پولیس اسٹیشن کا بورڈ دیکھ کر چنگ چی کی ذہانت اور دلیری کی دلدیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے قانون کی ناک کے سائے میں پناہ لے رکھی تھی۔

منتقلی کی وجہ بھی یہی رہی ہوگی کہ می جو کی کسی متوقع جھڑپ سے چنگ کا یہ محفوظ ٹھکانہ قانون کی نظر میں آجائے۔ چنگ چی اپنے حریف کو کسی دیران اور کھلی جگہ لے جا کر مارنا چاہتا تھا۔ سڑکوں پر تیز رفتار زندگی دواں دواں تھی اور ہماری دین ٹریفک کے... اڑدھام میں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب ایک چوک پر دوین لڑکی تو میں مانوس اور جانی پہچانی جگہ دیکھ کر چونک اٹھا۔ اس چوک سے ایک فرلانگ مشرقی سڑک پر عابدہ کا گھر تھا۔ میرا دل کسی بچے کی مانند چل اٹھا لیکن میں تو بچے سے بھی بڑھ کر بے بس تھا۔

دین کا سفر ایک ساحلی بسٹی میں ختم ہوا۔ ناہموار پتھر پٹی زمین پر قطار در قطار لکڑی کے ڈریہ نما مکانوں کی بسٹی ڈور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بسٹی یقیناً پتھر والوں کی ہوگی۔ جنگل کے رخ آخری قطار کے درمیان دین لڑکی اور تین آدمی وہاں استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ تینوں نے تھک کر یونگ چاؤ کو تعظیم دی اور چینی زبان میں شاید انھوں نے رپورٹ پیش کی تھی۔ یونگ چاؤ سر ہلاتا ہوا ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ میں نے محتاط نگاہوں سے جنگل کا فاصلہ ناپا اور جنگل کے آفتی پر کھڑی پہاڑیوں کو دیکھا اور یونگ چاؤ کے اشارے پر چل پڑا۔ دس مکانوں میں گھوم پھر کر یونگ چاؤ نے انتظامات کا جائزہ لیا اور ساتھ ساتھ میری رائے بھی لیتا رہا ہر مکان میں چیزوں پر گرد و جلی

ہوئی تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ یہ مکان گروہ کا پرانا خفیہ ٹھکانہ ہے۔
 "محرم یونگ چاؤ" ایک مکان میں داخل ہوتے ہوئے میں نے منقار
 آواز میں کہا: "اگر میرے لیے کوئی کام نہ ہو تو میں آرام کرنا چاہوں گا۔"
 "اوہ" یونگ نے پلٹ کر میرے سر پر انکشت شہادت
 کی اتنی ماری: "میں تو تھاری دلچسپی کی خاطر تھیں ساتھ لیے پھر
 رہا تھا۔ جاؤ خبر تو سن ہٹ میں آرام کرو۔"
 "شکر یہ مہربان یونگ چاؤ" میں نے اپنی آواز میں ممنونیت
 رچا کر کہا اور وہاں سے چل پڑا۔

شام سات بجے جب میری آنکھ کھلی تو میرے قریب راجو کھڑا
 تھا اور کچھ لوگ اوندھے سیدھے لیٹے باتیں کر رہے تھے کمرے میں
 چھوٹا سا بیڑو میکس روشن تھا: "بیٹھ جاؤ راجو" میں نے گدے پر جگہ
 چھوڑتے ہوئے کہا: "سمتر کہاں ہے؟"

"ساتھ والے ہٹ میں" راجو نے بتایا: "جیف بھی وہاں موجود
 ہے اور تھیں بلایا گیا ہے۔"
 "بیٹھ جاؤ" میں نے سرگوشی کی۔ راجو نے چہرہ گھا کر دوسرے
 لوگوں کو دیکھا اور پھر بیٹھ گیا: "میرا ساتھ دو گے؟" میں نے سرگوشی میں
 پوچھا: "آج رات ہم یہاں سے نکل چلیں گے؟"

"رات کا وہ پہرا بھی بہت دیر ہے دوست" راجو چھت کو
 گھورتے ہوئے بڑبڑایا: "بہت دور۔ اس سے پہلے بہت کچھ ہو چکا
 ہوگا، سوچو دھری" راجو مجھ پر ٹھک گیا اور عین اس لمحے جب میرے
 جسم کا ہر سام کان بن کر راجو کی بات سننا چاہ رہا تھا، یونگ چاؤ
 دندنا ہوا اندر داخل ہوا اور راجو کا گلابی چہرہ سرسوں کا پھول
 بن گیا۔

"اے راجو" وہ سرمراقی آواز میں بولا: "چلو اٹھو جیف تمہارا
 منتظر ہے۔"

"میں بالکل تیار ہوں ماسٹر" راجو اچھل کر اٹھا اور تن کر یونگ
 کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ یونگ چاؤ نے اپنی عادت
 کے مطابق تہہ ہونے راجو کے کندھے پر تمکا مارا اور ہنستا ہوا میری
 طرف بڑھ آیا۔

"میرے چودھری تیری ماں نے تیرے ساتھ اچھا ستارا بھیجا ہے
 جیف نے تھیں کلر میٹ دینے کا حکم دے دیا ہے، بڑے تم نقاطی
 قوت کے حامل ہو۔ میں بھی تیری سفارش کر چکا ہوں۔ چل آج بچے
 ایک نیا کھیل کھلایا جا رہا ہے۔"

میں ہانگ کانگ اور یونگ چاؤ کے لیے کچا رنگ روٹ ہی
 تھا، لیکن اپنی معلومات کے توالے سے نیا نہیں تھا۔ مجھے معلوم ہو

چکا تھا کہ بڑھاپہ چنگ جی دوسرے جرائم کے ساتھ شرم ناک فلموں کا
 بھی کرتا ہے اور سمتر ایسی معصوم کلی کو کس طرح مسل کر چینگ
 جانے گا۔ مجھے دکھ تھا جو کچھ ہوتا تھا اور جو کچھ ہونے والا تھا، میرے
 لیے اذیت ناک اور نفرت انگیز کل تھا، لیکن میں انکار اور فرار کی
 پوزیشن میں نہ تھا۔ میرا انکار آنے والے لمحات پر اثر انداز بھی تو نہیں
 ہو سکتا تھا۔ اگر کچھ ہوتا تو صرف اسی قدر کہ چند لمحوں کے لیے کھیل روک
 دیا جاتا اور مردہ کھلاڑی کی جگہ کوئی اور لیتا۔ برینڈر نے انکار کیا اور
 مر گیا۔ اسے ہٹا کر خرم چودھری کو آگے بڑھایا جا رہا تھا۔ اگر خرم چودھری
 مر جاتا تو کوئی دوسری جگہ لیتا۔ اس لیے انکار کا کوئی فائدہ نہ تھا۔
 رہا سوال فرار کا تو ہر غلام کو فرار کا حق ہوتا ہے، میں بھی اپنا حق استعمال
 کرنا چاہتا تھا۔

جب میں مضبوط اور متوازن قدم بڑھاتا پینگ جی کی خدمت
 میں حاضر ہوا تو اس نے آنکھوں میں مسکراہٹ کے چراغ روشن کر کے
 میری طرف دیکھا اور بولا: "تمہاری صلاحیتوں کی آزمائش ہو رہی
 ہے ہوائے۔ کیا تھیں بتا دیا گیا ہے؟"
 "نہیں جیف" میں نے نفی میں سر ہلایا: "مجھے صرف جیف
 کا حکم ملا ہے۔"

"ہم ایک دستاویزی فلم بنا رہے ہیں" اس نے بتایا: "راجو
 روایات کو بے مدینہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے مشرقی انداز کی ایک
 شادی کی تقریب فلمانے کا فیصلہ کیا ہے، جملہ عروسی تک مکمل ہے۔
 اب تھیں فلم کو آگے چلانا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تمہارا تعلق بھی مشرق
 کے ایک روایت پسند ملک سے ہے، تھیں کسی اسکرپٹ کی ضرورت
 نہ ہوگی اور قدرتی طور پر جارحانہ اداکاری کر سکو گے۔"

"میں پوری کوشش کروں گا جیف" میں نے انکار سے کہا۔
 "ویسے میرے لیے یہ نیا اور پہلا تجربہ ہوگا اس لیے۔۔۔"

"اوہ" وہ ہنس پڑا: "تمہاری معصومیت ہی فلم کا اصل شہ
 ہوگی، آؤ ادھر چلیں۔"

ہم ساتھ والے کمرے میں داخل ہوئے اور کمرے کی بجاوٹ
 مہکار نے مجھے چونکا کر رک جانے پر مجبور کر دیا۔ کونے میں ایک مسہری
 بھی ہوئی تھی۔ بچے پھولوں کی دلوں نے دھانپ رکھا تھا مسہری
 پر سرخ بوڑے میں ملبوس سمتر انگشٹوں پر سر رکھے بیٹھی تھی: "کھلی کھڑکی
 کھلی ہوئی تھی، اس لیے ہوا سے لڑیاں ہلکے سے رہی تھیں۔ لاش
 ایک آدمی بیٹھا اور کمرہ سبز روشنی سے بھر گیا، روشنی سبز ہونے کے باوجود
 اس قدر تر تھی کہ میں دھڑکھڑا سمتر کے منہ آلودہ ہاتھوں کو صاف کر
 رہا تھا۔

"ہمارے پینگ نے کونے میں کھڑے کوتاہ قد آدمی کو پکارا۔
 "کیا تمام تیاریاں مکمل ہیں؟"
 "بس جیف" ہمارے کی آواز کسی پستے گتے سے ملتی جلتی تھی۔
 "مسٹر چودھری کو ایک دو بار دیر پرل کرنا ہوگی۔"
 "چاؤ کہاں مر گیا؟ پینگ جی کا بچہ ناخوشگوار تھا۔"
 "میں کھڑکی سے گرل الگ کر رہا ہوں جیف" کھڑکی کی طرف
 سے چاؤ نے جواب دیا۔
 "جلدی کرو۔ وہ چوہا ہاتھ دھو کر تیجھے لگا ہوا ہے۔ ادھر بھی
 آسکتا ہے۔"

یونگ چاؤ باہر سے کھڑکی پر چڑھا اور کود کر اندر آگیا۔ اس
 کے پیچھے پہلے راجو کودا، پھر دو آدمی اور اندر نکلے۔

"ہمارے تم اپنا کیمرو سنبھا لو اور شیتا و تم مسٹر چودھری کو ایک
 بازبانی بچا دو، پھر ہم دیر پرل شروع کر دیں گے۔"

شیتا و بائیں تیش برس کا بڑا جوان تھا۔ وہ میرے مقابل
 آکر رک گیا۔ مسٹر چودھری! تھیں ایک ناکام عاشق کا کردار ادا کرنا
 ہے۔ جس کی عجوبہ زندگی کسی دوسرے کے توالے کر دی گئی ہے اور
 وہ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا جلد مغروسی میں داخل ہو جاتا ہے۔ دولہا

"تم نے بوڑھے شیر اور لومڑی کی کہانی کبھی سنی ہے خرم۔ لومڑی
 نے شیر سے کہا تھا: اے جنگل کے بادشاہ! میں دیکھ رہی ہوں تیری غار
 تک جانے کے نقش پا تو بہت ہیں، مگر واپسی کا کوئی نقش نہیں۔"
 "لیکن لومڑی اور انسان میں جو فرق ہوتا ہے، وہی فرق میرے
 ساتھ ہے۔"

"آؤ کچن میں چلیں" وہ اٹھ کھڑی ہوئی: "دیکھیں کچھ ہے یا تیار
 کرنا پڑے گا۔"

"جو کچھ ملے آئیے" میں نے جو تے اتار تے ہوئے کہا: "اگر
 کچھ ملے تو رات بیت ہی جائے گی۔"

"تھیک ہے۔ میں کچھ کچھ لاتی ہوں، لباس بدلنا چاہتا ہوں تو ادھر
 الماری میں چند مردانہ بوڑے پڑے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ کچن میں چلی گئی۔

 صبح میری آنکھ سہری چڑیا کے اعلان پر کھلی تو ریٹا میرے قریب
 ہی صوفے پر سوئی ہوئی تھی۔ معاً ہر کال بیل بجنے لگی۔ ریٹا اچھل کر اٹھی
 اور میری طرف کوئی دھیان دیے بغیر دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ دو تین
 منٹ بعد وہ دروازے تک آئی اور نیم وا کواڑوں سے چہرہ اندر کر
 کے بولی: "مسٹر خرم سلطان! جلدی باہر آؤ جیف نے تھیں یاد کیا ہے"
 میرا جواب سننے بغیر اس کا چاند سا چہرہ کواڑوں کے انق میں ڈوب گیا۔

میں نے اٹھ کر ہاتھ روم استعمال کیا اور انگلیوں سے بال درست کرتا
 ہوا باہر نکل گیا۔ صحن میں ریٹا میرا انتظار کر رہی تھی۔ جاؤ باہر بوڑھا
 شورٹ تھا اور منتظر ہے۔"

"اوہ" میں طویل سانس لے کر بڑبڑایا۔
 بوڑھا شورٹ دہلیز پر پاؤں اٹکائے کھڑا تھا۔ سناؤ کیسے رہے
 تم؟ اس نے نرمی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔
 "بالکل تھیک" میں نے خوش دلی سے کہا: "مادام جونی
 کیسی میں؟"

"کون۔ ادھر۔ اوہ اچھا اچھا وہ بالکل فٹ ہے اب" وہ کچھ
 ہڑبڑا سا لگایا تھا۔

"پیشن لینے آئے ہو شورٹ" میں نے ہنس کر پوچھا اور شورٹ
 کا پوچھتا ہوا بھی پھیل گیا تھا: "اچھے بازو دق لڑکے ہو" وہ میری کمر پر ہاتھ
 مار کر بولا: "تم اپنی نرمی کے رکن ہو۔ یہاں کا سب سے بڑا اعزاز
 ہوتا ہے کہ آدمی کوئی اور برقی کرسی سے بچ کر گوشہ گمنامی میں چلا جائے"
 "پھر کیسے آنا ہوا؟"

"جنگ کی حالت میں کمانڈر کو اپنی محفوظ فوج کو واپس بلانا پڑتا
 ہے" شورٹ بولا: "میں جو اور چینگ جی ایک طویل مدت زمانہ امن
 میں رہنے کے بعد پھر برسرِ پیکار ہوئے ہیں۔"

"جنگ میں رنگ روٹ شامل نہیں ہوا کرتے؟" میں شورٹ
 کو آہستہ آہستہ اپنی طرف لا رہا تھا۔

"نہیں" وہ بولا: "تو آموز کار کُن بعض اوقات پورے گروہ کی
 شکست کا باعث بن جاتے ہیں۔"

"تو پھر مجھے کیوں طلب کیا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔
 "طلب نہیں کیا گیا لڑکے" شورٹ نے بتایا: "بلکہ تھیں محاذ
 سے دور ٹریننگ سینٹر میں بھیجا جا رہا ہے۔"

"محاذ کی موجودہ پوزیشن کیا ہے؟" میں نے پوچھا تو شورٹ
 نے چہرہ گھا کر میری طرف سر دنگا ہوں سے دیکھا اور غصیلی آواز میں
 بولا: "کیا تم می جونی کا مپا بیوں پر خوش ہونا چاہتے ہو؟"

"نہیں؟" میں نے نفی میں سر ہلایا: "مسٹر شورٹ کیا تم نے
 وہ آؤنٹ والا محاذ بھی سنا ہے؟"

"نہیں" وہ بولا: "ویسے بھی میں غاروں پر ایمان رکھنے والا
 انسان نہیں ہوں، سنا دو۔"

"آؤنٹ سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے نزدیک آرائی اچھی ہے
 یا چڑھائی، تو آؤنٹ نے ناک بھجوں چڑھا کر جواب دیا تھا کہ دونوں
 قابلِ لعنت ہیں۔ سو مسٹر شورٹ میرے نزدیک دونوں ایک سے

شیطان ہیں۔

”اور تم؟“ وہ خوشخوار نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ ”تم بھی کسی خبیث روح سے کم نہیں ہو۔ مجھے جب بتایا گیا کہ خرم چودھری نے چنگ کے سامنے می ہو کے ایک کارندے کو قتل کر دیا ہے تو مجھے یقین نہیں آیا، مگر چیف نے نہ صرف تمہاری جرأت کا اعتراف کیا ہے بلکہ وہ تعریف بھی کرنے لگا تھا، میرا خیال ہے میرے بعد چنگ اندرسے بل گیا ہے۔ وہ مضبوط سہاروں کی تلاش میں ہے۔“

گلی کے چوراہے میں سفید کار کھڑی تھی اور پچھلی سیٹ پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ تم آگے میرے ساتھ بیٹھو گے۔“ کار کے نزدیک جا کر سٹارٹ نے ہدایت کی۔ ”می جو کے آدمی پورے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر کسی نے مجھے پہچان لیا تو تم کارروائی کے دوران اپنی حفاظت خود کرو گے، لیکن میری آنکھیں پورے جسم میں ہیں کوئی حماقت نہ کرنا۔“ اس نے گھوم کر میرے لیے دروازہ کھولا، مجھے اندر بٹھا کر اس نے چابی سے دروازہ لاک دیا اور دوسری طرف جا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، اسٹین گن کی آنکھ مجھے ہی گھور رہی تھی۔ میرے اندر کہیں دھڑا ساس برتری اور مسرت کی کوئی پھلپھولی بھونکی تھی۔ یہ انتظام، یہ تردد اور حفاظتی تدابیر خرم سلطان کے لیے وہ دروازہ پرانا، مگر منتقل تھا اور سائز کے اعتبار سے خاصا اونچا اور چوڑا۔ چنگ نے برقی گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھی اور دہانہ باہر چلا گیا۔ ”کون! اندرسے ایک باریک نسائی آواز آئی۔“

”چنگ... کو دسیا چاند۔“

”ایک منٹ چیف،“ عورت کی آواز مودب ہو گئی۔ ”چابی لے آؤں۔“

”تم؟“ چنگ نے پلٹ کر باڈی گارڈ سے کہا۔ ”ہیڈ کوارٹر میں پرہیزجو، جیولنگ واپس آئے تو مجھ سے رابطہ قائم کرے۔“

دروازے کی چڑچڑاہٹ ابھری اور چنگ اور خرم چودھری کی کواڑ نیم وا ہو کر رک گئے، لیکن اتنی بھری پیدا ہو چکی تھی کہ نوٹے سے موٹا آدمی بھی اندر داخل ہو سکتا۔ ”آؤ خرم،“ چنگ نے کہا اور مجھے پہلے اندر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک طرف ہو گیا۔ میں جوہنی اندر داخل ہوا۔ سامنے کھوی لڑکی مجھے دیکھ کر اچھلی اور دوسرے لمبے کار لہو اور میرے سینے پر بٹھا، میں اس کی حیرت انگیز بھرتی پر دنگ رہ گیا۔ کون ہو تم؟“

”اوہ نہیں ریٹا،“ چنگ نے بھانک کر کہا۔ ”نیا لڑکا ہے، اسے سنبھالو۔“

”اوہ میرے خدا،“ ریٹا اسی بھرتی سے الگ ہو گئی۔ ”اندروں میں آئیں گے چیف؟“

”نہیں۔“ چنگ نے جواب دیا۔ ”می جو سے طویل خاموشی کے بعد پھر بحث گئی ہے۔ فی الحال اس کا پتہ بھاری ہے، وہ مجھے کھلا ہے۔ میں اپنی جنگی چال کے مطابق ہر محاذ پر شکست کھا رہا ہوں دو ٹھکانے اس نے چھین لیے ہیں۔ اس لڑکے کو اپنی نگرانی میں رکھو۔“

”کیا مادام سے بھی نہیں ملیں گے چیف؟“

”کیا وہ ابھی تک جاگ رہی ہے؟“

”جی ہاں، مطالعہ کر رہی ہیں۔“

”میں جلدی میں ہوں،“ چنگ نے کہا۔ ”اسے بتادینا کہ ریٹا اور ڈنگ آلود ہو گئے تھے، کارکن سست ہونے لگے تھے، اس لیے می سے محاذ آرائی فروزی تھی ہاں اس لڑکے کو تم لوگ میرے لیے تیار کرو چاؤ مڑ چکا ہے، میں اسے نزدیک رکھنا پسند کروں گا۔“

”آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی چیف،“ ریٹا بولی۔ ”اس کو کم سے زیادہ ہلک اور خفہ سے بڑھ کر تیز دھار بنائیں گے۔“

”میں نے یہی سوچ کر ادھر کا فیصلہ کیا ہے،“ چنگ نے کہا اور چہرہ بھری سے تیجھے بنایا اور ریٹا نے بڑھ کر کواڑ بند کر دیے۔ جب وہ پلیٹ توین برآمد سے کی پہلی سیڑھی پر پاؤں رکھ چکا تھا۔ ”اے سر ادھر نہیں،“ ریٹا کی وارننگ پر میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ”ادھر مارا کی خواب گاہ ہے۔“

”میں مادام کو سلام کرنا چاہتا ہوں۔“

”نہیں۔ وہ لپک کر آئی اور میرا بازو تھام کر تھینکا دیا۔ میرے ساتھ چلو۔“

”پہلے سلام۔“ میں نے بھی تھینک کر بازو چھڑا لیا اور دوپٹے کے لیے سشدرسی مجھے دیکھتی رہی۔ ”کہاں سے آئے ہو؟“

”جنگل سے۔“

”تب ہی اکھڑا اور وحشی ہو۔“ وہ بولی۔ ”مادام شپ خوابی کے لباس میں کسی مرد کے سامنے نہیں آتی۔۔۔ صبح ناشتے کی میز پر مل کر لینا۔“

”مان لوں؟“ میں نے معصومیت سے پوچھا۔

”ہاں اچھے بچے مان لو،“ ریٹا نے نیچے اشارے کرتے ہوئے کہا اور پھر ہنس پڑی۔ ”اس بار چیف مادام کے لیے خوبصورت اور دلچسپ کھانا لائے ہیں۔“

”سخت بھی؟“ میں نے کہا۔ ”جو بھی مجھ سے کھیلنے کی کوشش کرتا ہے ہاتھ زخمی کر لیتا ہے۔ میں کا بیج کا ٹما ہوا کھلونا ہوں ادا کو بتا دینا۔“

”مسٹر! ریٹا تعجب سے بولی۔ ”تم۔ تم۔۔۔“

”میرا نام خرم سلطان چودھری ہے محترم۔“

”اوہ مسلم؟“ اسے ہم تو یہاں ہی الجھ گئے، چلو اندر تھیں سونے کا کمرہ دیکھاؤں۔“ اس نے جوتے بیچھ کر کہا۔

وہ کمرہ بجاوٹ کے حوالے سے بلاشبہ حسین نوجوان جیسا تھا۔ بیڈ ٹی کے عادی ہو چکا ریٹا نے گدے پر دھاری دار چادر بچھاتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”لیکن دونوں وقت کے کھانے کا عادی ضرور ہوں۔“

”یعنی ابھی تم نے رات کا کھانا نہیں کھایا؟“

”نہیں۔“ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”کیا یہ بھی چیف کا کوئی خفیہ ٹھکانہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”تم یہاں مسٹر جی کے پاس آئے ہو یا لانے گئے ہو؟“

”لایا گیا ہوں۔“

”پھر تو تمہیں دکھ ہو گا۔ اس بیچرے کی سلاخیں تمہیں بہت کچھ بتادیں گی۔“

”میرے تھوٹوں کا امتحان لے رہی ہو مس ریٹا...؟“

بھی ایسا ہی چاہتا تھا، لیکن میری یہ آرزو صرف آرزو کی حد تک ہی محدود تھی جب کہ چنگان بچے نے اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنا کر چنگ جی جیسے تجربہ کار سربراہ کو ورطہ حیرت میں ڈبو دیا تھا۔

”باہر جاؤ،“ چنگ کی سیٹی نا پھینکا رانجھری۔ ”وہ نکل گیا ہے۔“

روشنی کے دھارے پھر پھرنے لگے اور چند آدمی مجھے روندتے ہوئے کھڑکی کے راستے باہر کو دگنے کمرہ پھر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ ”خرم چودھری! چنگ نے پکارا اور میرے بے حس و حرکت جسم لرز کر بیدار ہو گیا۔“ تم جہاں بھی ہو میرے قریب آؤ۔“

”میں۔“ میں اربابوں چیف۔“ میں نے اٹک اٹک کر جواب دیا اور میری آواز سن کر چنگ نے ٹارچ کی روشنی مجھ پر ڈالی، میں اچھل کر اٹھا اور روشنی پر چلتا ہوا چنگ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ ”میرے لیے کیا حکم ہے چیف؟“

”تمہیں بھی نکل جانا چاہیے تھا لڑکے،“ چنگ بولا۔ ”جو لوگ وقت سے فائدہ اٹھانے کے فن سے نا آشنا ہوتے ہیں، وہ زندگی میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔“

”یقیناً ایسا ہی ہو گا چیف۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن میرے بزرگوں نے مجھے بتایا تھا کہ جو اپنے بڑوں کا وفادار نہیں، وہ زندگی سے بھی وفادار نہیں ہوتا۔ میں غلامی کے دکھ سہولوں کا چیف، مگر فداوری کا دھتورے دامن پر لگا کر خوش نہیں رہ سکتا۔“

”مارٹی! چنگ نے ٹارچ کا رخ پھیرتے ہوئے کسی کو مخاطب کیا۔ تم بھی باہر جاؤ۔“

میں نے دیکھا ایک مسخ شخص پتنگ کے نیچے سے سرک کر باہر نکلا تھا۔ ”لو کے تیرے ساتھ واقعی کسی اچھے انسان کی دعائیں مل رہی ہیں؟“ میں نے مائی کو تیری موت کا پروانہ جاری کر دیا تھا۔ اگر تم اندھیرے میں وقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تو مارٹی تمہیں چھلنی کر دیتا۔ مجھے انسانی جسم کی نہیں بلکہ ایک حوصلہ مند اور وفادار انسان کی ضرورت رہتی ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا خرم، چنگ وفاداری کا پرستار ہے، آؤ میرے ساتھ۔“

چنگ کی بات سن کر میں نے اطمینان بھری گہری سانس لی، ”میرا خیال ہے کہ باہر رنگامی صورت حال کے پیش نظر شور شرابا ہو گا، مگر باہر گہرا سناٹا طاری تھا۔ جیسے قبرستان میں کھڑے ہوں۔ ہٹ فطار میں خاموشی اور تاریک کھڑے تھے حالانکہ رات گونے صرف اندر کا برقی نظام تباہ کیا تھا، لیکن باہر بھی تاریکی کا ہی راج تھا، کسی مصلحت کے تحت روشنی گل کر دی گئی تھی یا راجو کی کارروائی نے سارے برقی نظام کو متاثر کر دیا تھا۔ آخری ہٹ کا صحن ابھی چند قدم باقی تھا کہ باتوں کا شور سن کر چنگ رک گیا، ادھر سے آنے والے تین آدمی مجھے بوکسی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ جوہنی مارچوں کی روشنی چنگ پر پڑی، وہ بیک دم خاموش ہو کر وہیں کھڑے ہو گئے۔ آگے بڑھو اور بتاؤ وہ کہاں ہے؟“ چنگ جی نے پوچھا۔

”می جو کے آدمی باہر موجود تھے چیف۔“ ایک آدمی نے قریب آ کر بتایا۔ ”سٹرائنگ کا بیان ہے رات بھر کی کے ساتھ حبس باہر نکلا تو ایک کار منتظر تھی فدا اٹھانے لگی۔“

”اسٹرائنگ کہاں ہے؟“

”اسٹرائنگ کی مداخلت پر انھوں نے اُسے برسٹ مارا تھا۔“

چنگ کو بتایا۔ ”اب وہ مڑ چکا ہے۔“

”ٹھیک ہے،“ واپسی کا اعلان کر دو۔“ چنگ نے سر دواؤں میں کہا۔ ”غالبا میرا دست راست چاؤ بھی خاموش ہو چکا ہے۔ جیونگ اب چاؤ کی جگہ سنبھالے گا۔ اب میرے پاس بھیج دو۔“

”وہ موٹر سائیکل پر کار کے تعاقب میں روانہ ہو چکا ہے چیف۔“

”اوہ، اور کون ادھر گیا ہے؟“

”سب لوگ گاڑیوں میں چلے گئے ہیں چیف۔“

”مارے جائیں گے احمق،“ چنگ بڑبڑایا اور پلٹ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”لڑکے تیرے ساتھ بنگامے چلتے ہیں، شاید اس لیے میں نے تمہیں پسند کر لیا ہے، کبھی میری ذات بھی ہنگاموں کو قدم پر ختم دینے کے لیے مشہور تھی۔ آؤ راجو کے لگائے ہوئے زخم صاف کریں۔“

اندرواغل ہو کر چنگ نے مارچوں کی روشنی کا حکم دیا۔ بیک وقت تین مارچیں روشن ہو گئیں۔ دروازے کی بائیں جانب چاؤ کی لاش دیوار کے ساتھ نیم دراز حالت میں تھی۔ چنگ آہستہ آہستہ چلتا ہوا لاش کے قریب جا کر بڑبڑایا۔ "چاؤ میرے پیارے دوست چنگ تیری روح کو بے قرار نہیں رہنے دے گا۔ اس نے جھجک کر چاؤ کے زرد چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیا اور ہچکچا کر بڑبڑایا۔

ایکے اور نرم دوسرا جو نے ایک مضبوط گروہ کو ایک ہی پلے میں بنیادوں سے ہلا کر رکھ دیا تھا، نرم گداز ہاتھوں نے تباہی مچادی تھی۔ جس کار میں واپسی کا سفر کیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں چنگ نے بتایا تھا کہ بٹ پر وف ہے اور بڑبڑا چنگ اسی میں سفر کیا کرتا تھا۔ سفر کا اختتام شہر کی ایک گھان آبادی میں ہوا تھا۔ تنگ اور پتھر کی گلیوں میں میری رہنمائی ہو رہی تھی۔ چنگ کرتار ہاتھ اور میرے پیچھے ایک اور شخص تھا جو یقیناً باڈی گارڈ ہی تھا۔

اس وقت انگوٹھی پہنا کر گھونٹ کی جانب ہاتھ بڑھا رہا ہو گا کہ تم اگر اس کی بیٹھ میں فخر گھونپ دیتے ہو۔ اسے گھسیٹ کر ایک طرف کر کے تم اپنی پچھڑی ہونی مجھ کو بے قریب جاتے ہو جو اب پانی ہو چکی ہے۔ مشرق روایات کے مطابق وہ خود کو اپنے شوہر کی امانت سمجھتی ہے اور تمہیں قریب نہیں آنے دیتی، یونگ چاؤ نے دیگر ہدایات جاری کرتے ہوئے پورے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر میرے قریب آیا۔ "سرمچو دھری! یہ امتحان تمہاری آئندہ زندگی کا سنگ میل ہے۔"

ایک طرف سے راجو کولا گیا، اس کے گلے میں ایک پیڑ بندھا ہوا تھا۔ وہ میرا لنگی انداز میں چلتا ہوا مسہری کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ "فخر نقلی ہے۔ چاؤ نے شش کر تباہی حد بلکا پھلکا فخر میرے ہاتھ میں دے دیا۔" پھر بھی تم احتیاط کے ساتھ پیڑ پر وار کرنا اور تم را جو دیں اور دھمے ہو جانا۔ میرا ذہن ساؤف اور جسم دھواں دھواں سا ہو رہا تھا۔ میں خود کو بمشکل ہی متوازن رکھے ہوئے سوچ رہا تھا کیا میں ہار گیا ہوں؟ کیا وقت نے مجھے شکست دے دی ہے؟

"آخری اعلان: یونگ چاؤ چینی۔ سرمچو دھری ابراہم کرم تم کھڑکی سے باہر جاؤ اور تالی کی آواز پر اندر کود آنا۔ باقی سین تمہیں بچا دیا گیا ہے۔" اور میں سر جھکائے ہوئے کھڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے آخری فیصلہ ایک سیکنڈ میں کر لیا تھا۔ ایک کومل کلی کے دامن پر بدنام دھتے لگنے سے بہتر تھا کہ میں اس شیطانت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے فرار ہو جاؤں یا پھر اپنی جان قربان کر دوں۔ میں نے کھڑکی سے چھلانگ لگائی اور میرے فیصلے کی چھت میرے اوپر گر پڑی، باہر ایک نگران ہاتھ میں ریوڑ لویہ کھڑا تھا۔ میں نہ جانے کب تک باہر ہی کھڑا

رہتا کہ تالی کی آواز سن کر جیسے ایک دم بیدار ہو گیا۔ فخر کا دسٹہ میری بھینگی ہوئی مٹھی سے چپک گیا تھا۔ میں نے فخر دانتوں کے درمیان پھنسا لیا اور اچھل کر کھڑکی پر چڑھ گیا۔ آنکھیں چندھیا دینے والی روشنی میرے چہرے پر چھینکی جا رہی تھی چنگ جی اور یونگ چاؤ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے تھے دیکھ رہے تھے۔ میں کھڑکی سے سرک کر نیچے نہیں اترتا تھا بلکہ گودے سے خاصی پُر شور دھمک پیدا ہونی تھی۔ کون کوئی چنچا اور تیز روشنی ایک دم سبز روشنی میں تبدیل ہو گئی۔ "دوبارہ۔" "خرم چو دھری! یونگ چاؤ چنچا۔ تمہیں کیا بتایا گیا تھا۔ گدھے، بے آواز اندر آنا تھا۔ اس طرح سین کا قدرتی حسن مجروح ہو جائے گا، جاؤ، باہر جاؤ۔"

میں نے باہر جانے سے قبل راجو اور ستر کی طرف دیکھا، دونوں ہی ایک دوسرے کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں ایک بار پھر اٹھ گیا۔ دونوں نے حالت سے سمجھ کر لیا تھا اور میں احمق تھا تو اب بھی خود سے برسرِ پیکار تھا۔ ایک بار پھر اندر سے تالی کی آواز باہر آئی اور میں نے پھر دی غل کو ہرایا۔ اس بار میں کھڑکی سے بالکل باہر بے آواز ہی فرش پر اترتا تھا۔ تیز روشنی میرے ساتھ ٹھنک تھی۔ اندر کم از کم پانچ چھ افراد موجود تھے، لیکن سکوت کا یہ عالم تھا کہ میں اپنی بہکی بہکی بے ترتیب سانسوں کی آواز سن رہا تھا۔ تین کمرے بیک وقت مجھے اپنے اندر محفوظ کرنے میں مصروف تھے۔ میں بے جان ٹانگوں پر اپنا پلو جھل جم گھسیٹ رہا تھا اور لمبے لمبے فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے فخر دانتوں سے نکال کر سیدھے ہاتھ میں رکھا اور جست لگا کر باہر کے سر پر جا پہنچا تھا۔ میرا ہاتھ اوپر اٹھا اور میں نے جسم کو جھکا کر ابھی زاویہ مکمل بھی نہ کیا تھا کہ راجو کسی زخمی ناگ کی طرح پھینکا کر پلٹا اور اس کا چن چن میرے پیٹ پر سخت پتھر کی مانند لگا۔

مجھے اعتراف ہے ضرب غیر متوقع اور شدید تھی، ضرب زیادہ شدید نہیں تھی اور زیادہ سے زیادہ مجھے روکھ مار دو قدم پیچھے ہٹ کر سنبھل جانا چاہیے تھا، لیکن میں کراہتا ہوا نیچے گرتا چلا گیا۔ میں راجو کے حلق سے ابھرنے والی دردناک بیج سننے کا منتظر تھا، لیکن آواز راجو کے حلق سے نہیں ابھری تھی۔ بلکہ کسی خود کار آتشیں اسلحہ کے حلق سے ابلنے والے بے شمار فیتھوں کی آواز تھی۔ میں نے گھر کر آنکھیں کھول دیں، میری بھیجی بھیجی آنکھوں کے سامنے موت کا دھنیا نقش جاری تھا اور موت راجو کے ہاتھوں کے اشارے پر مجبور قفس تھی۔ راجو اسٹین گن لیے مسہری پر کھڑا تھا اور میرے ارد گرد موت قہقہے لگاتی تھی۔ رہی تھی۔ پھر راجو کے ہاتھ کا زاویہ بدلے اور مرکزی ٹیوبیں اندھیرے میں ڈوب گئیں۔

"ننگ جاؤ راجو! یہ دھماکا گروہ کے پراسرار بوڑھے چنگ جی کی مٹی سدا جو نے غالباً آواز پر برسٹ مارا تھا اس کے بعد کمرے میں صرف کراہنے کی آوازیں ہی اندھیرے میں سرسراتنے لگی تھیں۔ میں ریگنا ہوا کھڑکی کی جانب تیزی سے بڑھنے لگا اور جونہی میں نے خود کو اوپر اٹھانا چاہا بے شمار آدمی دوڑتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور ان گنت مارچوں کی روشنی پھرنے لگی۔ میں نے روشنی ہوتے ہی مسہری کی طرف دیکھا، مسہری خالی تھی اور پھولوں کی لوبال آہستہ آہستہ ہلکورے کھا رہی تھیں۔ شارج کی پتھر کی ہوئی روشنی کی لہر میرے چہرے پر اگر جم گئی میں اگر سا بھجک پر اسی پوزیشن میں ہوتا تو بے ہوشی کو خود پر طاری کھنے کا مضبوط جواز تھا، مگر میں ریگنا کھڑکی کے نیچے تک چلا گیا تھا اب خود پر مضبوطی بے ہوشی مستط کرنے کا مطلب یہی ہوتا کہ میری پلپٹیشن بھی مشکوک ہو جاتی اور جو فونی ہنگامہ ہوا تھا اس کی ذمہ داری میں میرا نام بھی شامل کر لیا جاتا۔ تو کچھ ہوا تھا وہ بہت اچھا ہوا تھا میں بروئے کار لائی جا رہی تھیں۔"

دس منٹ بعد کار ایک سہ منزل عمارت کے سامنے رکی اور شوراٹ مجھے ساتھ لے کر لغت میں داخل ہو گیا۔ اس نے آخری منزل کاٹن دیا تھا اور شام تھی مجھے ریوڑ لویہ کھینک بھی دیکھادی تھی۔ پڑ نہیں شوراٹ کو میرے بارے میں کیا کچھ کہہ دیا گیا تھا، وہ بے حد محتاط اور چوکنا دکھائی دے رہا تھا۔ لفٹ ایک تنگ مگر روشن راہداری میں کھلی تھی۔ شوراٹ نے پہلے مجھے باہر چلنے کا اشارہ کیا اور میرے پیچھے ریوڑ لویہ تان کر باہر نکلا۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ میں ایک چوہے دان میں پھنس چکا ہوں۔

جو تھے دروازے کے سامنے ایک مستح نو جوان شہل رہا تھا اس نے شوراٹ کو دیکھ مستعدی کا مظاہر کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ اب گدھے کی کشتی دیکھ کر اٹھنے کی مضحکہ خیز کوشش فصول ہی تھی۔ لہذا میں سینہ تان کر اندر داخل ہو گیا۔ سامنے میز کے پیچھے چنگ جی بیٹھا دکھائی دیا۔ اس کے سامنے بوتل رکھی تھی اور وہ ہاتھ میں نازک سا جام اٹھائے کچھ پڑھ رہا تھا۔ میری طرف دیکھ کر اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر ٹرانسمیٹر کا بٹن آن کر دیا۔ چند لمبے ٹرانسمیٹر سے نکلنے والی سیٹیاں سننا رہا اور پھر جھجک کر بولنے لگا۔ "ہیلو آگن چیف کالنگ اور جب دوسری طرف سے کوئی جواب آیا تو اس نے بٹن آف کر کے پھر بری طرف دیکھا اور کسی میری طرف گھما کر کہنے لگا۔ "پیارے لڑکے حالات سنگین تر ہوتے جا رہے، مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ جا پانی چوہا اس قدر مضبوط ہو گا۔ جانتے ہو یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے، لیکن میں تم سے خفا نہیں، تم نے ایک خوبصورت انداز دکھایا تھا، میں

اس انداز پر اپنا پورہ گروہ قربان کر سکتا ہوں۔" "شکر یہ چیف" میں نے شرمندگی سے کہا۔ "بہر کیف مجھے افسوس ہے۔"

"اوہ نہیں پیارے بچے بالکل نہیں،" وہ پرنور ہجے میں کہنے لگا۔ "ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ میرا گروہ سست ہو گیا تھا، ہنگامے ہی کسی گروہ کی زندگی ہوتے ہیں۔ جانتے ہو می جو نے تمہارے سر کی کم قیمت لگائی ہے؟"

"نہیں چیف" میں نے نفی میں گردن ہلائی۔ "میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا چیف بتاتا ہے۔"

"پچاس ہزار ڈالر،" چیف نے بتایا۔ "یا تمہاری واپسی اور صلح۔"

"چیف نے کیا فیصلہ کیا؟"

"اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا فیصلہ کرتے خرم؟" چنگ نے مجھے مشکل میں پھنسا دیا۔

"وہی فیصلہ چیف جو کسی با اصول باس کو کرنا چاہیے۔"

"بس،" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "سنا تم نے شوراٹ، لڑکے کا جواب؟"

شوراٹ کو نے میں کھڑا میری طرف دیکھ کر تھوک نکل رہا تھا۔ یقیناً اس نے میرے خلاف کان بھرے ہوں گے، اب چیف کی بات سن کر وہ ہال اور نہ کی اذیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"تم نے سوال کیا تھا۔ شوراٹ کہ ایک نوخیز اور نا تجربہ کار غیر ملکی لڑکے کو اس قدر کیوں اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس وقت میں تمہاری کم فہمی پر مسکرا کر خاموش ہو رہا تھا۔ مجھے خوشی ہے خرم چوہہ نے تمہارے سوال کا جواب دے دیا ہے۔ پیارے شوراٹ جس طرح جوہری راکھ کے ڈھیر میں پڑے مونی کو پہچان لیتا ہے، اسی طرح چنگ لاکھوں میں کارآمد انسان کو دیکھ لیتا ہے، میں نے جب سنا تھا کہ کسی نے میرے کارندے کو جیسی شینڈل پر مارا گیا ہے تو میں اسی وقت اس جیلے کو دیکھنا چاہتا تھا۔"

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں چیف،" شوراٹ ناگوار مگر نرم لہجے میں بولا۔ "ابھی اس لڑکے کی ابتدا ہے، بڑے کھن مرنے ہیں، آزمائشوں کی بھیجی سے نکل کر آنے کا تو میں مانوں گا۔"

"کیا تم بوڑھے شیر کی باتیں سن رہے ہو خرم؟" چنگ نے کہا۔ "مرد بن کر خود کو منوا سکو تو میں شوراٹ کا جینج قبول کر لوں۔"

"مجھ پر نفسیاتی حربے نہ آؤ چیف،" میں نے سرمراتی آواز میں کہا۔

شوراٹ اور چنگ دونوں نے بیک وقت قہقہے لگائے

اور میں ہوں سو کروں کو دیکھنے لگا تھا، شوراٹ نے دو قدم بڑھ کر میرے شانے پر ہاتھ مارا اور بولا: "ہٹل ماسٹر بیٹے کی باتیں کرو، نظر لگ جائے گی!"

مرا سیر کا بلب جلنے لگا تو پنگ نے ہاتھ اٹھا کر شوراٹ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا: "تم لوگ جاؤ!"

شوراٹ نے مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا اور میرے آگے چل پڑا تھا۔

اُسی کار میں محافظ کی ٹیمانی میں سفر آدھ پون گھنٹے میں ختم ہوا تھا ایک سڑک سے گزرتے ہوئے میں نے پاکستان اسلامک یونین آف ہانگ کانگ کا بورڈ دیکھا۔ شوراٹ سے سڑک کا نام پوچھا، اس نے لاعلمی کا اظہار کر کے معذرت کر لی، حالانکہ مجھے یقین تھا وہ بورڈ فٹڈ جھوٹ بول رہا تھا۔ مین روڈ سے جب کار ایک کئی چھٹی تنگ سڑک پر آتری تو سامنے درختوں کے جھنڈے دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ ہماری منزل کوئی مضائقہ فارم ہوگا۔

وہاں چند لوگ کھانے پینے کی دکان میں درخش میں مصروف تھے۔ سب کے سروں پر نیلے سکارف بندھے ہوئے تھے، ایک لڑکی نے کار دیکھ کر ساسھی لڑکیوں کو بتایا اور پانچول لڑکیاں ورزش کا سامان پھینک کر ہماری طرف متوجہ ہو گئیں۔ "اے پیاری لڑکیو! شوراٹ نے کیا فائدہ میں داخل ہوتے ہی ہانگ کانگ کی "متھارا باب کہاں ہے؟" اندر "ایک اسٹارٹ سی لڑکی نے جواب دیا: "کلاس ورک شروع ہے!"

"جاؤ اسے اطلاع کرو، شوراٹ آیا ہے!"

"انوس جناب،" اُسی لڑکی نے معذرت آمیز لہجے میں آگے بڑھ کر کہا: "لیکچر میں داخل انداز ہی فادر گاہے برداشت نہیں کرتا آپ..." اُس نے پاکٹ سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا: "حرف دس منٹ انتظار کریں!"

شوراٹ کندھے آچکا کر پٹا اور میرا ہاتھ تھام کر بولا: "ڈسپین انڈسپین، ہمیں احترام کرنا پڑے گا۔ آؤ تمہیں اسکول کی سیر کراؤں!"

"نہیں جناب،" وہی تنومند طویل قامت لڑکی بولی تھی "فادر کی اجازت کے بغیر آپ ایک قدم بھی آدھر نہیں رکھ سکتے!"

"بہت اچھا پیاری لڑکی!" شوراٹ بے حد متل اور ٹھنڈے دماغ سے کام لے رہا تھا۔ "ہم گاڑی میں انتظار کرتے ہیں!"

اگر تین نفوس کی تعداد کو کلاس کا درجہ دیا جاسکتا ہے تو وہ تین رکنی کلاس ایک سیٹی کی آواز پر باہر نکلی تھی۔ تینوں ہی اچھے ذیل فوٹ کے نو عمر لڑکے تھے۔ تینوں نے سبز چٹائی کر سے پیٹ رکھی تھی...

شوراٹ اور میں جب لڑکیوں کے قریب سے گزر رہے تھے۔ اسی لمبی لڑکی نے شوراٹ سے پوچھ لیا تھا: "انگل ایہ داخل ہونے کی شوراٹ نے مسکرا کر اثبات میں گردن ہلائی اور لڑکی کے بال کھینچ آگے بڑھ گیا اور پھر میری طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں بولا: "اگر میں جوان ہوتا تو یہ کلیاں میرے لیے اپنی خوشبو کھیرتیں۔ تم لڑکیوں کے ہونٹوں میں خطرناک حد تک کشش رکھتے ہو، تم نے جوزفین جیسی چٹان کو مور کی طرح کچلا دیا تھا۔ جانتے ہو اگر تم وہاں سے نہ آتے تو اس کی عیادت دھری کی دھری رہ جاتی۔ اس نے خود میرے سامنے اعتراف کیا تھا پہلے دروازے کے پیچھے ایک طویل راہداری تھی اور پورے راہداری میں انسان ناڈ میاں قطاریں استادہ تھیں، چند برطانیہ فٹ بال چھت سے لٹک رہے تھے، میں نے ایسی ہی چیریس لی کر اٹے کلب میں بھی دیکھی تھیں۔ اس لیے اندر جانے سے قبل ہی معلوم ہو گیا تھا کہ بورڈ سے چیف چنگ نے مجھے کرائے اسکول میں دیا ہے۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ میں بچرے سے نکل کر کھلی جنگاہوں، جب موقع ملا یہاں سے فرار ہو جاؤں گا۔ راہداری کے سرے ایک ہال تھا۔ شوراٹ اُس میں داخل ہوا تھا۔ ہال کے کونے میں ریچھ ناشٹن شل رہا تھا۔ قدموں کی چاپ سن کر اس نے پلٹ کر دیکھا اور بدبختانہ ہوا شوراٹ کی طرف بڑھا۔ شوراٹ نے ہاتھیں پھیلا کر اسے گلے سے لگایا۔ "مقدس باب!" وہ شوراٹ کے سینے پر چہرہ دھرتے ہوئے بولا: "مجھے اطلاع کرتے ہیں باجھڑا ہوتا!"

"کوئی بات نہیں میرے بیٹے!" شوراٹ اس کی چوڑی گردن پر تھپکی دے کر بولا: "عقیدت کا تعلق رُوح سے ہوتا ہے، خیمہ چھاؤں ہوتے ہیں مکمل میں یہ نہیں تھا، تو بھی آئے واسے وقت رکھا کر!"

"مجھے یاد ہے، مقدس باب، تیری ایک ایک نصیحت ہے۔ تم نے کہا تھا: گاہے تم میرا مستقبل ہو، اب میں بہت سے لوگوں کو اپنا مستقبل بنانے میں دن رات کوشاں رہتا ہوں!"

"ہال بس، یہی ایک ایسا راستہ ہے جس پر انسان مرنے بعد بھی چراغوں کی طرح روشن رہتا ہے!" شوراٹ نے اسے الگ کرتے ہوئے کہا: "میں مر جاؤں گا تو گاہے میری روشنی کو بجھنے نہیں دے گا اور جب گاہے وقت کا اندھیرا بن جائے گا۔ تو ان لوگوں میں اپنی روشنی چھوڑ جائے گا!"

"چنگ جی شاید پھر خول میں بند ہو گیا ہے!" گاہے نے ایک اسٹول ٹھوکر سے میری طرف لڑھکایا: "بیٹھ جاؤ لڑکے!"

"ہاں بند تھا!" شوراٹ بولا: "لیکن جی جوں نے اُسے باہر نکالا"

پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ تمام اقدے تیس تیس کرنا بظاہر چنگ جی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کے قریب ہے!"

"بظاہر سے تیری کیا مراد ہے مقدس شوراٹ؟"

"چیف جنگی چال چل رہا ہے!" شوراٹ نے بتایا: "اس نے اپنے آدمی شہر میں پھیلا دیے ہیں۔ جی جو خالی ٹھکانوں کو نشانہ بنانا ہے اور چیف کے آدمی جو کہ لڑکوں کو نشانہ لگاتے جا رہے ہیں۔ پھر جب بورڈ حامی جو فتح کا جن منار ہا ہوگا تو چنگ جی پوری قوت سے اس پر ٹوٹ پڑے گا!"

"خیر چھوڑو، گاہے اکتائے ہوئے لہجے میں بولا: "چنگ نے اس لڑکے کا ذکر کیا تھا؟"

"ہاں!" شوراٹ نے میرے کندھے پر ہاتھ مار تے ہوئے کہا: "اٹھو اور اپنے مقدس باب کو تعلیم دو!"

میں نے اٹھ کر فوجی انداز میں سلام کیا۔

"اے یوں نہیں!" شوراٹ چیخا: "گاہے اسے بتاؤ لڑکے جھک جاؤ!"

"محترم شوراٹ! میں نے حیرہ گھا کر مضبوط آواز میں کہا: "مادام جوزی کی خواب گاہ میں میرا فیصلہ تم نے سن لیا تھا اور اُس نے قبول کر لیا تھا، میں سر نہیں جھکاؤں گا!"

"یہ کون ہے، مقدس باب؟" گاہے نے حیرت بھری آواز میں پوچھا: "کہاں سے آیا ہے؟"

"ہاں مجھے یاد ہے!" شوراٹ نے جیسے گاہے کی آواز نہ سنی تھی: "گاہے مجھے آئندہ تم پر چم پوشتی سے کام لوگے۔ یہ لڑکا مذہبی دیوانہ ہے۔ ذرا اکھڑ بھی ہے اور چنگ جی نے اُسے پسند کر لیا ہے!"

"لیکن مقدس شوراٹ!" گاہے رنج کی مانند ہانپتے ہوئے بولا: "انسٹی ٹیوٹ کی اپنی روایات ہیں اور گاہے کو تو کچھ ملا ہے، معزز باب شوراٹ سے ہی ملا ہے کیا یہ یہاں مساعلی لڑکانہ ہوگا؟"

"نہیں گاہے!" شوراٹ نے پریقین لہجے میں کہا: "جو مثال لڑکا ثابت ہوگا۔ بس اس کی مذہبی روایات کا خیال رکھنا!"

"لڑکے اپنے کوائف دس خبر فنانے میں لکھ دو!" گاہے نے بلیک بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے پلٹ کر جاک اٹھا یا اور اوپر درج سوالنامے کی فائز پڑی کرنے لگا۔ میں جب ہٹا تو گاہے نے اونچی آواز میں کوائف پڑھے: "وزن زیادہ ہے بات سب اچھا ہے!"

"اے سنبھالو میں جانوں گا!" شوراٹ اٹھتے ہوئے بولا: "چند منٹ رُک جاؤ، گاہے نے سیتی بیا کر کہا۔ راہداری

میں بہت سے قدموں کی دھمک گونجنے لگی۔ وہ سب قطار میں ہی اندر آکر دائرے میں کھڑے ہو گئے تھے۔

"ہٹل!" گاہے نے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور وہی دراز قدر لڑکی قطار سے نکل کر گاہے کے سامنے رکھ کر کے انداز میں جھک کر سیدھی کھڑی ہو گئی تھی: "یہ لڑکا تربیت کے لیے لایا گیا ہے، تم اپنی رائے دو!"

لڑکی نے گھوم کر میرے سر پر گاہے پر نگاہ ناز ڈالی۔ نگاہ پاؤں سے سر کی طرف گئی اور پھر وہ پھلانگ لگا کر میری پشت پر جا کھڑی ہوئی: "فادر گاہے!" اُس کی آواز بھری: "نہیں چلے گا!"

"کیوں؟ وضاحت کرو!" گاہے بالکل سنجیدہ ہو کر غیر سنجیدہ کھیل کھیل رہا تھا۔ جھلا وہ لڑکی کون تھی؟ میری شخصیت نا پسے تو لے والی۔

"یہ مجھے مرد اور عورت کی درمیانی صنف لگتا ہے!" لڑکی کی بات پر میں زخمی سانپ کی مانند پھٹکار کر اُدھر پٹا تھا، لیکن لڑکی اور میرے درمیان میں خالی تھی۔

"میری طرف دیکھو!" گاہے حکم آمیز آواز میں بولا: "اُس نے میرے سوال کا جواب دیا ہے۔ رائے دینے میں ہر شخص آزاد ہے، کیا تم اس کی تردید کر کے خود کو مرد ثابت کر سکتے ہو؟"

"ہاں!" میں نے پھٹکار کر جواب دیا: "میں اپنی توہین برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں!"

"ہٹل!" گاہے بولا: "سامنے آؤ، اب تم زبان سے نہیں اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اپنی رائے کو منواؤ گے!"

"ہاں مقدس باب!" میں نے لڑکے کے سامنے آگئی۔

"کسی مرد کو بھیجو سنا گاہے!" میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ میں تھکتی ہوئی فاصلہ کم کرتی نزدیک آ رہی تھی۔ "عورت میرے لیے ایک مال بہن اور بیٹی ہے۔ میں ان مقدس رشتوں پر ہاتھ اٹھانا مرد کی توہین سمجھتا ہوں!"

"ہٹل!" گاہے غصا ہوا: "اس لڑکے کو بتاؤ کہ جب کوئی لڑکی رشتوں کی چار دیواری سے باہر نکل آتی ہے تو وہ مال بہن اور بیٹی نہیں صرف قہر خداوندی کی علامت بن جاتی ہے!"

"خود کو بچاؤ!" میں نے اُچھل کر دائیں ٹانگ گھمان جو میرے چہرے کے قریب سے دائرہ بنائی ہوئی گزرتی۔

میں ایک ساتھ دو قدم پیچھے ہٹ کر شوراٹ کے عقب میں جا کھڑا ہوا اور احتیاجاً چیخا: "شوراٹ! اس لڑکی سے کہو کہ واپس چلی جائے!"

”اگے بڑھو، شورٹ نے اٹھ کر کرسی پر سے کمری فرم
چوہری تمہارے سامنے لڑکی نہیں بلکہ ایک چیلنج ہے۔“
”نہیں“ میں نے کہا۔ ”میں لڑکی پر برتری ثابت کر کے خود
کو مرد تسلیم کرانا نہیں چاہتا۔“
”یا سوکا۔“ گنگو مو۔ ”اگے بڑھو، شورٹ نے اٹھ کر کرسی پر سے کمری فرم
چوہری تمہارے سامنے لڑکی نہیں بلکہ ایک چیلنج ہے۔“
”نہیں“ میں نے کہا۔ ”میں لڑکی پر برتری ثابت کر کے خود
کو مرد تسلیم کرانا نہیں چاہتا۔“
”یا سوکا۔“ گنگو مو۔ ”اگے بڑھو، شورٹ نے اٹھ کر کرسی پر سے کمری فرم
چوہری تمہارے سامنے لڑکی نہیں بلکہ ایک چیلنج ہے۔“
”نہیں“ میں نے کہا۔ ”میں لڑکی پر برتری ثابت کر کے خود
کو مرد تسلیم کرانا نہیں چاہتا۔“

”جس کو مقدس باپ دعا دے گا، جاپانی نے سر کو خم دے
کر کہا۔“
”گنگو مو۔“ اتم آگے آؤ، مکی تم اپنی جگہ واپس جاؤ، گابے نے
کہا، مگر مکی نے جانے سے انکار کرتے ہوئے کھسکی بقی کی مانند جھج کر
اجتاج کیا۔ ”نہیں مقدس باپ۔ میری برتری تسلیم کرو۔“
”جاؤ، گابے دھڑا اور مکی کا جسم ایک دم نیچے کاغذ کی
طرح چڑھ گیا۔“

”سیاہ فام لڑکا مجھے دیکھ کر مسکرایا اور اس کے سیاہ بھدے
ہونٹوں کے درمیان سے سفید موتیوں جیسے دانت چمک اٹھے تھے۔
اس نے باری باری گابے اور شورٹ کو جھک کر تعظیم دی اور عجیب
سی اچھل کود شروع کر دی۔ مکی بھی اپنی جگہ سے تین قدم آگے بڑھا
اور دایاں ہاتھ مصلحی کے لیے آگے بڑھایا۔ گنگو مو میرے ہاتھ کو
دیکھ کر جھٹک سا گیا تھا۔“
”ہاتھ ملاؤ دوست! میں نے اُسے دوتا نہ مسکراہٹ دی
اور گنگو مو نے اپنا انداز توڑ کر میرا ہاتھ جوڑ کر معنی سمجھا سائیں نے
پوری قوت سے اس کا پنجہ دبایا۔ وہ درد کی شدت سے قدم سے ٹکرا
گیا تھا۔ پھر میں نے اُسے اپنی طرف سے جھٹکا دے کر ایک دم چھوڑ
دیا تھا۔ وہ لڑکھانے لگا۔ ”فاؤل، فاؤل،“ قطار میں کھڑی لڑکیاں
ایک آواز بولیں لیکن مکی کوئی کھلاڑی نہ تھا کہ ریفری کی سیٹی پر ٹک
جاتا، مجھے تو اپنی توجہ کا اوجھاڑ چکا تھا، میری مردانگی کو گالی دی
گئی تھی، مجھے جبرنی محفل میں ایک لڑکی نے ذلیل کر دیا تھا۔ میں نے
لڑکھاتے ہوئے جھشی کی گردن پر دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر مارا۔
جھشی ضرب کھاکر کسی ایسے گتے کی طرح چپٹا تھا جس کی دم پر پاؤں
اگیا ہو۔ وہ ضرب کی دھمک سے نیچے جھکا اور نیچے سے میرا ہاتھ
اوپر اٹھا اور اس کی ٹھوڑی پر لگا تھا۔ وہ لہرایا اور اپنی قلا بازی
کھانا مجھ سے کن قدم دور جا کر اٹھا۔
میرا خیال تھا کہ کھیل ختم ہو چکا ہے اس لیے میں نے فتح مند

انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھا جو ہاتھ اٹھا اٹھا کر احتجاج کر رہی
تھیں۔ ”شاہاش: لڑکیوں نے نعرہ بند کیا اور میں نے ادھر دیکھا
گنگو مو جھوتا ہوا میری طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس کے دونوں
ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ ”بڑھو، آگے بڑھو، توڑو،“ گنگو مو کے سفید
دانت خوں سے سرخ ہو گئے تھے اور اس کی باجھوں سے خوں
کی لکیریں رواں تھیں۔ دو قدم کا فاصلہ رکھ کر وہ ٹک گیا تھا میں کبھی
اور کشتی کے چند داؤ جانتا تھا لیکن گنگو مو دور کھڑا تھا۔ اگر وہ مجھے چھو
کی کوشش کرتا تو میں کبڑی کا کوئی داؤ آزما سکتا تھا۔ ایک صوت
تھی کہ میں دوڑ کر اس سے لپٹ جاتا اور دھولی پٹڑا مار کر اسے
گرا دیتا۔ میں نے ابھی اپنے پتے والے فیصلے پر عمل بھی نہ کیا تھا کہ
گنگو مو اچھل کر اوپر اٹھا اور میرا چہرہ اس کے پاؤں کی زوردار
ٹھوکر سے جھنجھٹا گیا تھا۔ پھر تو مجھے حیرت کو ذہن میں جگہ دینے
کی بھی مہلت نہ مل تھی۔ ”مکی! کیا کھٹ کھٹ وہ اچھل اچھل کر ضربیں
لگانے لگا اور آخری ضرب میں نے سینے پر سہ کر خود کو بے بسی کی
حالت میں کچے فرش پر گرا دیا تھا۔ گنگو مو نے میرے سینے پر پاؤں
رکھ کر نعرہ بند کیا۔ ”مقدس باپ کی دعاؤں کے ساتھ میں حریف
پر برتری حاصل کر سکا ہوں۔“

میں نے چاہا کہ اس کا پاؤں پکڑ کر توڑ دوں، مگر پیٹ سینے
اور جھٹوں سے آٹھتے ہوئے درد کے طوفان نے مجھے بے بس کر رکھا
تھا۔ ”خرم چوہری: میری ڈوبتی ہوئی قوت سماعت میں مدھم
سی آواز آئی تھی، کیا تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہو؟ میں تاریکی
میں ڈوبتا چلا گیا اور سارے مناظر دھندلے ہوئے بھٹے اندھیروں
میں ڈوب گئے تھے۔“

جب ہوش کی آنکھ بیدار ہوئی تو میں نے بند آنکھوں
کے پردوں پر روشنی محسوس کی تھی۔ میرے سر کے نیچے لیپٹ
روشن تھا اور صوفے پر مکی نیم دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔
نے چہرہ گھٹا کر دوسری طرف دیکھا۔ قطار در قطار کاؤچ بچھے ہوئے
تھے اور باقی چاروں لڑکیاں اونٹنی سیدھی سوئی ہوئی تھیں۔ میں
بھی ویسے ہی ایک کاؤچ پر دراز تھا۔ جاگ کر پہلی ضرورت مجھے
پانی کی محسوس ہوئی تھی۔ میری زبان اور حلق پیاس کی شدت سے
خشک ہو کر جل رہے تھے۔ میں نے جب آنکھ کے لیے کروٹ بدلا
تو درد کی ٹیس سے میرے منہ سے بلند سسکی نکل گئی۔ میں نے
گردن گھٹا کر پانی تلاش کیا، مگر کمرے میں پانی نہیں تھا۔ درد تھا
کہ راسی جنبش پر ناگ کی مانند ڈسنے لگا تھا لیکن مجھے ہر صورت
اپنے لیے کنواں کھودنا تھا۔ میں نے در کی ناقابل برداشت ہموں

کو دانتوں تلے دبایا اور پاؤں نیچے اتار دیے۔ پاؤں شیشے کے
جگ سے ٹکرائے اور جگ اٹ گیا۔ مکی چھند کے کی آواز پر بڑبڑاتی
ہوئی اٹھی اور دوڑتی ہوئی میرے پاس آگئی تھی۔ ”اوہ، مشر خرم
چوہری میں سو گئی تھی۔ لیٹے رہو، ڈاکٹر نے تمہیں ہٹے جلنے سے منع
کیا تھا؟ اس نے جھک کر میرے پاؤں پر دباؤ ڈالا اور دیکھ کر
دیے۔ میں متعجب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ لڑکی جو میری
حریف تھی اب کسی وفادار بیوی اور دلنواز محبوبہ کی طرح مجھ پر صدمہ
جا رہی تھی۔“

”پانی دوس مکی: میں نے درد کی لہر کو دانتوں سے نکل کر
بشکل تما کہا۔“

”جگ ٹوٹ گیا ہے: وہ بولی: اور باہر خوفناک کتا ہے بھڑ
میں دیکھتی ہوں: وہ دوڑتی ہوئی ساتھی لڑکیوں کی جانب چلی گئی۔
جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل اور لمبو ترا سا
گلاس تھا۔“

ایڈنا پیٹے پیٹے لڑھک گئی ہوگی: وہ میرے منہ میں شراب
اندینے لگی تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا: میں
شراب نہیں پی سکتا:

”کیوں؟ اس کی خمار کو دیکھیں سوالیہ نشان بن گئی تھیں۔
”تمہارے لیے بہت مفید ہے۔“

”یقیناً ہوگی: میں نے کہا: لیکن میرے مذہب میں حرام ہے:
”میں جانتی ہوں: اس نے مسکرا کر گلاس میں شراب اڈھل

دی: لیکن پھر بھی تمہارے بہت سے ہم مذہب بھائیوں کو میں
پیٹے دیکھ چکی ہوں۔ جوان اور بیماری میں مذہب کی باتیں نہ
ذکر۔ ہاں جب بوڑھے ہو جاؤ گے تو بچوں کی خاطر بارسا بن
جانا: اس نے گلاس میری طرف بڑھایا اور میں نے ہاتھ سے روک
دیا: بیٹھ جاؤ: میں نے کہا: کیا تم بیماریاں پیاں اور بھوک کے
تقاضوں سے مجبور ہو کر نالی کا پانی پی سکتی ہو اور کوڑے کے جھیر
سے روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر کھا سکتی ہو؟

”یقیناً نہیں: وہ بولی اور پھر گلاس منہ سے لگا کر شراب
حق میں اڈھل کر کھڑی ہو گئی: ”میں فادر سے بات کرتی ہوں اور
تمہارے لیے پانی لاتی ہوں: اس نے ایک لمبی دروازے پر لگے برقی
بزن کو دبایا اور منہ دب آواز میں بولی: فادر، فادر، خرم چوہری
بزن میں آگیا ہے اور اسے پانی چاہیے:

دوسرے لمحے مجھے ناگاہی آنکھیں ملتا ہوا دروازہ کھول کر
اندھا گیا: اب کیے ہو نوجوان؟

”ٹھیک ہوں: میں نے کہا: ”مجھے افسوس ہے کہ تمہیں وقت
اٹھانا پڑا:
”او: اب ادھر چلو: وہ بولا: ادھر دوسرے لڑکے سوئے ہوئے
ہیں:

”اوہ نہیں فادر: مکی فادر سے ہی گابے کی بات سن کر بولی۔
”یہ ابھی چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہے: میں اس کی تمہداشت کو ٹل:“
اس نے ٹھنڈے پانی کا گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔
”کچھ کھانا پسند کرے تو فریج سے نکال لاؤ: گابے جھال لے
کر بولا: ”بے تکلف ہو جاؤ، تم دوستوں کے درمیان ہو: وہ
پٹا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔“

میں نے پانی پینے کے بعد آستین سے ہونٹ صاف کیے
اور ممنون نگاہوں سے مکی کی طرف دیکھنے لگا اور پوچھا: ”کیا ادھر
مہان نوازی کے سی انداز ہیں کہ مہان کو پہلے مارو پھر بیمار داری کرو؟“
مکی نے کھٹکتا ہوا قہقہہ لگایا: ”ہاں لڑکھٹ میں بڑا ملا آتا ہے
ویسے وہ سب کچھ ایک رسی کا رروال تھی۔ فادر گابے ہر نئے ڈیوٹ
کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے، تمہارا ڈبل ڈول دیکھ کر اس
نے توڑ پھوڑ کا تماشا دکھایا ہے ورنہ عموماً وہ ذہنی جھٹکے دیا کرتا ہے:
مکی باتیں کرتی ہوئی دیوار گیر الماری نما فریج کی جانب چلی گئی۔“

واپس آکر سوپ کا پیالہ میرے ہاتھوں میں تھا دیا۔ پیالہ سرخ تھا، مجھے جھٹکا
سوپ عجیب لگا تھا: یہ فادر گابے کی ایجاد اور پسندیدہ چکن کریم ہے
مقوی اور لذیذ: مکی مجھے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر ہٹلنے لگی: ”فادر
منت نئے تجربے کرنا بہت ہے، نئے رگروٹوں سے امتحان کا طریقہ کار
بھی اسی کے ذہن کی اختراع ہے۔ اس کے خیال میں بے حق ادب و غیرت
لوگ اچھے فاسٹر نہیں بن سکتے۔ جو ڈو کر لے ایک مقدس فن ہے اس
لیے بے غیرت لوگوں کو نہیں سکھانا چاہیے:

مکی کی وضاحتوں کا ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ میرے دل میں
گابے کی عظمت جاگزیں ہو گئی تھی اور مکی کے بارے میں جو میل تھی وہ
وہ بھی دھل گئی تھی۔ چلنے پھرنے تو میں دوسرے دن ہی لگا تھا، مکی
کلاس میں بیٹھنے کی اجازت تین روز بعد ہی دی گئی تھی۔ فادر گابے بلاشبہ
ایک قابل احترام استاد اور مہربان انسان ثابت ہوا تھا، چونکہ میں کلاس
سے بہت پیچھے تھا اور میرا ذہن خصوصی بنیادوں پر ہوا تھا، اس لیے گابے
مجھ پر خصوصی توجہ سے رہا تھا۔ اس نے اسباق اور مشقوں کی کمی کو اور تمام
سے مکمل کرنے کی خاطر مکی کو مقرر کر دیا تھا۔ کچھ تو اس میں ذاتی صلاحیتیں
تھیں اور تربیت کے لحاظ سے بھی وہ رنگ لیڈر تھی۔

دوسرے ہفتے فادر گابے نے مجھے کلاس کا سیکنڈ رنگ ماسٹر

بنانے کا اعلان کہ کسی سینئر لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ لیکن کسی کو آزادی رائے کے باوجود احتجاج کرنے کی جرات نہ ہوئی تھی، کیونکہ میں فادر گاہے اور بکثرت سے فادر اور جوڑے میں لڑا کر اپنا لوہا منوا چکا تھا۔ فادر گاہے تو میرا رواجانی باپ تھا۔ اس نے نہ بھی خود سے لڑنے کی اجازت دی تھی اور نہ ہی ہم میں سے کوئی ایسی گستاخی کر سکتا تھا، البتہ بکثرت سے مقابلہ کرتے وقت میں نے معذرت طلب کر لی تھی کہ وہ میرے لیے فادر گاہے کے بعد قابل احترام خاتون ہے۔ اس نے مجھے جوڈو کرانے کا علم سکھایا تھا۔ وہ بلاشبہ عقیدتوں اور احترام کی مستحق تھی۔ اسے میں نے ہر روپ میں ایک عظیم رول کیا تھا۔

میں پہلے بھی اعتراف کر چکا ہوں کہ میرے دل میں بکثرت سے جذبات کے ساتھ بس گئی تھی، لیکن ہم نے کبھی تنہائی کو دل کا طوطا نہیں بنایا تھا۔ مجھے جرات دلانے کی کبھی کوشش نہ کی تھی۔ مرد ہمیشہ عورت کی آنکھوں کے راستے عشق کا سفر شروع کرتا ہے، بکثرت وہ راستہ میرے لیے کسی نہ کھولا تھا، اگر وہ آنکھوں کے پٹ کھول دیتی تو شاید میں پیش قدمی کی لیتا۔ ہم پہلو پہ پہلو بیٹھے تھے، جلتے جلتے کسی لمحے غیر ارادی طور پر فاصلہ کم ہو جاتا اور ہمارے شانے رگڑا کر ایک ہو جاتے تھے، گراؤنڈ کی کپاؤنڈ وال سے ایک سایہ سا ابھرا۔ اسے ہم دونوں نے ایک ساتھ ہی دیکھا۔ "اے کون ہے اُدھر؟" بکثرت نے ناگوار لہجے میں پوچھا اور دوسرے لمحے وہ دیوار بچاند کر ہمارے سامنے آگیا۔ "کیا بات ہے یا سوکا۔"

"میں نے تمہیں منع کیا تھا بکثرت، یا سوکا غرا یا۔ تم میرے وطن کی ناموس ہو اور یہ غیر ملکی لڑکا۔"

"خاموش، بکثرت دھاڑی، واپس جاؤ، یہ میرے وطن کے تم جیسے کتوں سے ہزار درجے بہتر غیر ملکی ہے۔ جاؤ۔"

"خرم چودھری، یہ وہ بکثرت کی ڈانٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے براہ راست مجھ سے مخاطب ہو گیا، بکثرت میری ہم وطن اور پسند ہے کیا تم شرافت سے میرا حق تسلیم کرو گے؟"

"بشرطیکہ بکثرت پہلے میرے دعوے کی تائید کرے" میں نے جواب دیا۔

"نہیں خرم، غیر مشروط بات کرو، وہ ایک قدم آگے بڑھ آیا تھا۔"

میری تمام تر توجہ چونکہ یا سوکا پر ہی مرکوز تھی اس لیے میں بکثرت کی گھومتی ہوئی ٹانگ کو قبل از منزل نہ دیکھ سکا تھا۔ بکثرت نے اس کے دائیں جبڑے کو نشانہ بنایا تھا اور یا سوکا ضرب کھا کر بائیں جھجک گیا تھا۔ بکثرت جب پیچھے ہٹنے لگی تاکہ فلائنگ لگ مارنے کے لیے مناسب

فاصلہ حاصل کر سکے۔ میں نے کوڈر یا سوکا کو اپنی آڑ میں کر لیا تھا۔ نہیں بکثرت ہم سب دوست ہیں، میں نے اسے روکتے ہوئے کہا، "یا سوکا تم بھی بکثرت سے معافی مانگ لو۔"

"جاؤ پتلے جاؤ یا سوکا، بکثرت کسی جھلائے کی طرح تڑپ کر میرے پہلو سے نکل کر پھر یا سوکا کے سامنے جا کھڑی ہوئی، ورنہ میں تمہاری گردن توڑ دوں گی۔"

"خرم چودھری، یا سوکا پھنکارا، میرا سوال اب بھی برقرار ہے اور مجھے تمہارے جواب کا انتظار ہے۔"

"یا سوکا۔" میں نے اس کے شانے کو تھپ تھپا کر نرم اور دوستانہ لہجے میں کہا، "میرے دوست، اپنا ہجر درست کرو میں کہہ چکا ہوں کہ ہم سب دوست ہیں۔"

یا سوکا نے نہ صرف میرا ہاتھ بڑی طرح جھٹک دیا بلکہ میرے دائیں پہلو میں سائیڈ کٹ بھی ماری، میں اگر بروقت اچھل کر پیسے نہ ہو گیا ہوتا تو ضرب کسی پل کی نو نقصان پہنچا دیتی۔

"بکثرت، میں چیخا، ہٹ جاؤ، میں نے اچھل کر پوز بنایا اور یا سوکا کی فلائنگ لگ نے مجھے پشت کے بل گرا دیا تھا۔ یا سوکا بھی دودھ مارا تھا اور پھر ہم دونوں بیک وقت ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

تھے۔ میں نے لات گھمانی جسے یا سوکا نے جھکائی دے کر خالی جانے دیا تھا اور جب میری ٹانگ دائرہ مکمل کے واپس زمین پر آتی تو میری پنڈلی پر یا سوکا نے کھٹ سے پاؤں مارا اور میں کراہ کر جھول سا گیا تھا۔ وہ ایک ٹیکنیکی چال تھی۔ یا سوکا نے مجھے جھوٹے دیکھ کر پھر فلائنگ لگ ہی آزمانا چاہتا تھا۔ میں چونکہ پہلے ہی جھکا ہوا تھا اور پوری طرح تیار تھا۔ اس لیے میں بیک دم نیچے ہو گیا اور جب یا سوکا نے زمین چھوڑی تو میں نے بیک دم آگے بڑھ کر اس کے زیریں حصے پر ہنگامی وہ قلابازی کھانا ہوا منہ کے بل گرا تھا۔ گرنے کی پوزیشن ایک کمزور اور بے بس پوزیشن ہوا کرتی ہے کیونکہ گرنے والا حریف کو نہیں دیکھ سکتا، اسے لٹھنے کے لیے ہاتھوں اور گھٹنوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

پھر پاؤں سمیٹ کر اچھلتا پڑتا ہے۔ یہ ایک طویل وقفہ ہو جاتا ہے جس سے ہمیشہ حریف کو ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ابھی وہ ابتدائی کوشش کے پہلے مرحلے میں ہی تھا کہ میں نے اچھل کر اس کی گردن اور کمر کے درمیانی حصے پر دونوں پاؤں تلے آگے بڑھا، پھر پلٹ کر یا سوکا کی جھکی ہوئی پیشانی کو ٹھوکر لگائی۔ یا سوکا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر زمین پر مارے اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

اندر جا کر بکثرت نے فادر گاہے کو روٹ دیتے ہوئے ساری بات بتادی تھی، دو لڑکے یا سوکا کو تھا کہ جب گاہے کی عدالت میں

لائے تو اس کا چہرہ سرخ کچھڑے سے تھرا ہوا تھا فادر گاہے نے نہ کوئی مقدمہ سنا، نہ کوئی گواہی لی۔ بس کھڑے کھڑے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ خرم چودھری دس منٹ اور یا سوکا پندرہ منٹ، دونوں کو الٹا لٹکا دیا جائے۔"

ہمارے لیے یہ سزا کوئی نئی نہ تھی۔ گاہے کی سزائیں ہمیشہ اذیت ناک ہونے کے باوجود دلچسپ ہی ہوا کرتی تھیں۔ فیصلے پر اسی وقت عمل ہوتا تھا کہ یا سوکا اور فادر گاہے کے فرائض بکثرت کو سپنے گئے تھے۔ تمام لڑکے روکیاں جلوس کی شکل میں ہمارے ساتھ چلتے راہداری میں گئے اور دو ریٹوں سے وزنی فٹ بال اتار کر ایک رستے سے میری ٹانگیں باندھ دی گئیں اور دوسرے کو یا سوکا کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ ہم دونوں جھٹ سے لڑنے لگا دیے گئے تھے۔

"بکثرت تم خرم چودھری پر شش فہرین کرو گی اور ایڈنا تم یا سوکا کو بچھاؤ کہ عشق کا مرا کیسا ہوتا ہے۔"

یہ ایک دلچسپ اور عجیب کھیل تھا، لیکن اس رات مجھے معلوم ہوا تھا کہ کھیل صرف دیکھنے کی مدد تک دلچسپ ہوتے ہیں جب کوئی خود اس کا کھلاڑی بن جاتا ہے تو ساری دلچسپی اذیت ناکوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ بکثرت نے قریب آ کر میری آنکھوں میں جھانکا۔ وہ مجھے الٹی دکھائی دے رہی تھی، پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر مجھے جھولا دیا۔ دوسری طرف ایڈنا بھی فرض لیا اور ایڈنا کی مصروف ہو گئی تھی۔ میں نے جھوٹے چہرہ کھاکر اُدھر دیکھا تھا، ایڈنا اچھل کر یا سوکا کو صرب لگا رہی تھی۔ جب میں جھولتا ہوا بکثرت کے قریب سے گزرنے لگا تو میں نے پھرتی سے بکثرت کے بلاؤ کو بکڑا کر جھٹکا دیا۔ بکثرت میرے ساتھ ہی گرتی پڑی گئی تھی۔

"فادر۔" ایک لڑکا چیخا، "بکثرت مجرم سے مل گئی ہے، عین ہی مجرم کی گمگماتے میرے جھڑے پر لگا۔ اور میں نے ایک ہاتھ سے چہرہ چھپایا اور دوسرا ہاتھ بکثرت کی ٹانگ پر مارا۔ بکثرت آزاد تھی اور میں جھکا ہوا تھا وہ ہزار پلانے پر قدار تھی، جب کہ میں اس کی چوٹ کبھی ہاتھوں یا انہوں نے کبھی چہرے پر پہننے پر مجبور تھا۔ بکثرت ضرب لگا کر پھرتی سے اُدھر اُدھر ہٹ کر میرے ہاتھوں سے دوڑ چلی جاتی تھی۔ کچھ اٹکھٹکے اور دوسرے خون کا دباؤ چہرے اور آنکھوں پر شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ بکثرت پوری دیانتداری سے صرب لگا رہی تھی۔ جب فادر گاہے نے اسٹاپ کیا تو میری ٹانگ سے خون بہہ بہہ کر فرش کو رنگین کئے لگا تھا۔ بکثرت نے ایک ضرب، ٹانگ پر لگا کر مجھے... اس ہاتھ کر دیا تھا۔ سزا جھٹک کر میں تو اپنے ہی پاؤں پر چل کر کمرے آ گیا تھا لیکن یا سوکا کی حالت ابتر تھی۔ اسے اٹھا کر طبی امداد کے کمرے میں لے جایا گیا تھا۔

دوسرے دن بھی جب یا سوکا نہ اٹھا تو گاہے نے ایڈنا کو منگوا کر اسے کسی اسپتال بھیج دیا۔ اس حادثے کے بعد لڑکے مجھ سے کچھ کچھنے سے سہنے لگے۔ البتہ لڑکیوں کے چہرے میرا قریب پاتے ہی گلابی ہو جاتے۔ ہر لڑکی مجھ سے انفرادی توجہ طلب کرنے لگی تھی لیکن میں اُداس ہو گیا تھا۔ فادر گاہے نے بکثرت اور میرے درمیان حکم کی دیوار حائل کر دی تھی۔ ہم دونوں تنہائی میں نہیں مل سکتے تھے۔

تربیت کا عرصہ پورا ہونے لگا تو گاہے نے گرین اور بلیک بیلٹ دینے کا اعلان کر کے سب میں ایک نئی پہل پیدا کر دی۔ مجھے بتایا گیا کہ اس سے قبل اس انسٹی ٹیوٹ میں بیلٹ کبھی نہیں دیے گئے۔ اس مقلبے اور تقریب کے خصوصی انتظامات کیے جا رہے تھے کہ تقریب سے ایک روز قبل اچانک ہی جنگ جی اپنے چار باڈی گارڈز کے ساتھ انسٹی ٹیوٹ میں آگیا۔ اس وقت ہم گراؤنڈ میں بکھڑے مشت کر رہے تھے۔ میرے مقلبے میں ایڈنا اور نگو مو تھے۔ دونوں کے وار میں بچا رہا تھا۔ بلیک بیلٹ کے ہم دو امیدوار تھے۔ میرا حریف ایک چینی لڑکا یاوچن تھا۔ وہ خاموش طبع نوجوان سب میں ہر دلعزیز تھا۔ میں بھی اس کی عزت کرتا تھا کیونکہ وہ میری عزت میں ہمیشہ پیش پیش رہا تھا۔ فادر گاہے ہم دونوں کو تیار کر رہا تھا اور دن رات مشقیں کرائی جا رہی تھیں۔ بڑھے چوکیدار نے گراؤنڈ میں آکر سیٹی بجا کر کھیل کو روکا اور بولا۔

"خرم چودھری کو اندر بلایا گیا ہے۔" میں نے ایڈنا اور نگو سے ہاتھ بلایا اور شکریہ ادا کر کے چوکیدار کے ساتھ چل پڑا۔... چاروں باڈی گارڈ دروازے پر مستعد کھڑے تھے۔ میں ان کے درمیان سے گزرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ بوڑھا جنگ جی مجھے دیکھتے ہی اٹھا۔ اور بائیں پھیلا کر میری طرف بڑھا۔ میں بھی دوڑ کر اس کی بائیں ہانگ پر ہنر بن گیا۔

"گاہے نے تمہاری تعریف کر کے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔" "نوازش ہے۔" میں نے اٹکھٹکے کہا۔ اس لڑکے راجو کا کوئی سراغ بلایا نہیں؟

"وہ... وہ فادر... جنگ جی سائڈ کی طرح پھنکا رہا۔" وہ، می جو کی پناہ میں چلا گیا ہے۔ اس نے میرے بہت سے خفیہ ٹھکانوں پر حملے کرائے ہیں۔ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ تم تربیت مکمل کرو۔ میں نے تمہارے لیے بہت کچھ سوچ رکھا ہے۔"

"بلیک بیلٹ جیت لو۔" گاہے بولا۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے اور میں پر امید ہوں۔"

نادر گاہے کا بوڑھا چوکیدار، ٹرے میں شراب کی بوتل اور دو گلاس لیا تھا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ گاہے نے میری مذہبی حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا اور یہ بات اس نے اپنے چوکیدار کو بھی نوٹ کرادی تھی کہ خرم چودھری شراب نہیں پیتا۔

"ہاں ماسٹر... چنگ چسکی لے کر بولا۔ مجھے معلوم ہوا ہے، می جو نے بھی کوئی لڑکا، تمہارے پاس تربیت کے لیے چھوڑ رکھا ہے؟" ہاں، تھا چیف، مگر عجیب اتفاق ہے کہ یہاں بھی می جو، تم سے شکست کھا کر اسپتال چلا گیا ہے۔" نادر گاہے نے تفصیل سے میری اور یاسو کا کی رقابت اور چنگ کی کہانی چنگ کو سنادی۔ چنگ جی نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ "واہ... خرم! بہت خوب۔ تم نے ادھر بھی محاذ جیت لیا ہے۔ کیا تم بھی اس لڑکی کو چاہتے ہو؟"

میں نے شواہد چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ "اگر وہ میرے بیٹے کو دل دے بیٹھی ہے تو اسے بتا دو... کہ چنگ جی، اسے قبول کرتا ہے۔ چنگ جی نے سنبٹے ہوئے کہا: "بہر حال اسے میری دعائیں پہنچا دینا۔" چنگ جی نے آخری طویل گھونٹ لے کر گلاس ٹرے میں رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا... اس کی گہری آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ وہ میری طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی ماں اپنے خضر یاب بیٹے کی طرف دیکھتی ہے۔ اس وقت چنگ کے چہرے پر سفاکی اور دندگی کا دور دور تک نشان نہ تھا۔ اس نے جیب سے پرس نکال کر نادر گاہے کی طرف اچھال دیا... نادر گاہے نے ایک ہاتھ سے پرس پکڑا اور چنگ کی طرف استغفار کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ "میری طرف سے ان بچوں کی الوداعی پارٹی کر دینا۔"

"شکر، چیف! گاہے نے شکر آمیز لہجے میں کہا: "کیا چیف پارٹی میں شرکت فرمائیں گے؟" "افسوس، نہیں۔" چنگ نے نفی میں سر ہلایا۔ "می جو کے اچھے ہوئے اڈے پھر سے آباد کر رہا ہوں۔ وہ چوہا سارے اڈے چھوڑ گیا ہے۔"

"میں اس کی عیادی سے واقف ہوں، چیف! گاہے بولا: "وہ ایک اچھا جنرل ہے۔ محاذ سے پیچھے ہٹ کر بھر پور حملہ کرنا اس کی فطرت میں شامل ہے۔"

"ہاں... چنگ بولا: "مگر اس بار میں تعاقب اور دباؤ جاری رکھوں گا۔" وہ دھماکا غیر متوقع ہی تھا جس نے ہم تینوں کو چونکا دیا۔

ہم نے پلٹ کر کھڑکی طرف دیکھا اور اپنی اپنی جگہ منجمد سے ہو گئے۔ یاسو کا کھڑکی کے ایک پٹ سمیت اندر گرا تھا اور گریبے ہی وہ اچھل کر چنچا تھا۔ "ہینڈ ناپ..." چنگ اٹھنے والا شخص ہمارے چیف چنگ تھا پھر بھلا ہم دونوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ نادر گاہے نے ہاتھ اٹھا کر بڑے نرم لہجے میں یاسو کا کو مخاطب کیا۔ "اسٹین جن پھینک دو، میرے بچے!"

"جو اس بند کر بوڑھے! یاسو کا دھاڑا۔" اب مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم بھی اس بوڑھے سور کے بچے ہو۔" یاسو کا نے ایک قدم آگے بڑھ کر اسٹین گن کی نال چنگ کی پشت سے لگا دی۔ "تم دونوں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" وہ بولا۔ "میرا دوست، تمہارا خیال رکھے گا۔" میں نے چہرہ گھما کر دیکھا۔ کھڑکی سے ایک جاپانی لڑکا اندر آ رہا تھا۔

میرے ساتھ یقیناً بوڑھا چنگ جی اور نادر گاہے بھی آ رہے تھے۔ جاپانی لڑکے کو دیکھ کر تذبذب کا شکار ہو گئے۔ ہوں گے نادر گاہے کے والد مہرہ چوہری ہوئی بساط کے توازن پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔ سرسراہٹ سن کر یاسو کا نے محتاط انداز میں اُدھر دیکھا اور اس کے چہرے پر اطمینان کی سسکی گہری ہوتی دیکھ کر میرا تذبذب مایوس میں بدلنے لگا۔ اگر وہ جاپانی لڑکا یاسو کا کے لیے بھی اجنبی ہو تو اس کے چہرے کا رنگ یقیناً بدل جاتا۔ یوشی: یاسو کا چچینا۔ "ماسٹر چنگ کے ہاتھ باندھ دو۔"

نرم و نازک سے یوشی نے سر جھکا کر شہادت میں اس کے کھوپڑیا اور نائیلون کی سرخ باریک ڈوری کھولنے لگا۔ چنگ چپ چاپ کسی بے جان مجسمے کی مانند کھڑا سامنے دیوار کو گھوڑا تھا۔ اس نے یقیناً یاسو کا کی آواز سنی ہوگی، اسے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ یاسو کا چاہ رہا ہے، اگر کامیاب ہو گیا تو می جو اس کا کیا کرے گا۔ لیکن اس کے باوجود وہ خاموش تھا، شاید کامیابی اور اپنی ذات کی شہرت نے اسے کسی خوش فہمی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس کے باڈی گاڑڈ بھی ساکت کھڑے تھے ان کی مجبوراً ناقابل فہم نہ تھی، چنگ جی کی پوزیشن ہی ایسی تھی اگر وہ ناز کے طرف سے گولی چلائی جاتی تو چنگ کے جسم کو پار کر کے یاسو کا تک رسائی حاصل کرتی۔ باڈی گاڑڈ دھواڑے سے ہٹ کر یاسو کا بہتر پوزیشن حاصل کرنے سے بھی ہچکچا رہے تھے۔ کیونکہ یاسو کا نے شروع ہی میں ان کو وارننگ دے کر بے بس کر دیا تھا۔

یوشی نے ڈوری کو ہاتھ انداز میں لہرایا اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا چنگ جی کے قریب ہونے لگا۔

"اسے گئے۔" یاسو کا دھاڑا اور ساتھ ہی ایک دھماکا اور انسانی چیخ ابھری۔ چنگ جی کا ایک محافظ سینے پر گول کھا کر آٹھ گیا تھا غالباً وہ ہاتھ لانے کی حماقت کر بیٹھا تھا۔ یوشی نے نزدیک جا کر بڑی بے رحمی سے چنگ کے آٹھے ہونے ہاتھ جھٹک کر نیچے کیے اور بل دیتا ہوا پیچھے لے گیا۔ درد اور توہین کے احساس سے چنگ جی کی دھنسی ہوئی گہری آنکھوں سے شرارے اُبل پڑے لیکن وہاں اس کی حیثیت ایک پیٹے ہوئے مہرے کی تھی۔ شکیں کس کر یوشی ایک بار پھر یاسو کا کے سامنے جھکا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے تم بھی ابھر شامل ہو جاؤ۔" یاسو کا نے محافظوں کو حکم دیا۔ میں تمہارے چیف کو زندہ رکھوں گا تم بھی اس کی زندگی کے لیے وفاداری کا ثبوت دو۔"

"ہتھیار پھینک دو لڑکوں! چنگ نے اپنے محافظوں کو حکم دیا۔ تینوں نے اپنے مڑوہ ساتھی کے قدموں میں اسٹین گنیں رکھ دیں اور لڑ کھڑاتے ہوئے اندر آ کر ہمارے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ یاسو کا نے اسٹین گن چنگ کے جسم سے ہٹا لی اور گھوم کر سامنے آ گیا۔ اس کی گول گول آنکھیں کسی ناگ کی طرح مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں اپنے روحانی باپ کی تمام دولتوں کا انتقام لینے آیا ہوں جو میری خرم سلطان۔"

"سن لڑکے! چنگ جی بولا: "تمہارے اس چوبے باپ کا دشمن میں ہوں، صرف میں، چل مجھے اس تک لے چل خرم چوہری نادر گاہے کا رنگوٹ ہے۔ ادھر مجھ سے بات کرو۔" تم سے تمہارا دشمن ہی بات کرنے کا مجاز ہے ماسٹر! یاسو کا نے جواب دیا: "مجھے اپنے دشمن سے بات کرنے دے۔"

"نہیں نہیں میرے بچے! نادر گاہے پر جوش انداز میں بولا: "خرم تیرا روحانی بھائی ہے، یہاں کوئی کسی کا دشمن نہیں ہوتا۔" یاسو کا نے اچھل کر میرے چہرے پر طمانچہ مارا۔ نادر اس نے نہ صرف تیرے اس انٹی ٹیوٹ کا تقدس پامال کیا ہے بلکہ میرے وطن کی ناموس بھی داغ دار کر دی ہے۔ میں اسے قتل کرنے کے لیے ہاں لے جاؤں گا۔"

میں ہاتھ اوپر اٹھائے دیوار کا سہارا لیے کھڑا تھا۔ میں نے پہلے دایاں ہاتھ غیر محسوس انداز میں پیچھے کرنا شروع کر دیا۔ یاسو کا نے یکدم اچھل کر خود کو دھک کر لیا اور قہقہے لگانے لگا۔ "نہیں خرم

چوہری یہاں نہیں! وہ بولا اور اس نے اسٹین گن تان کر مجھے قطار سے نکلنے کا اشارہ کیا۔ یوشی! تم ماسٹر کو لے آؤ لے تم لوگ بھی آگے آگے چلو۔"

"چنگ ماسٹر یوشی باریک نسوا کی آواز میں بولا: "اگر کوئی گریڈ کرے تو میں..."

"ہاں ہاں پیارے! یاسو کا نے اسے اجازت دے دی۔" فرار دلی سے نشانہ آزماؤ۔"

حیرت یہ نہ تھی کہ یاسو کا کیسے غالب آ گیا۔ شدید حیرت چنگ جیسے ماسٹر پر تھی جو کسی گاہے کی مانند نہ خیریدار کا ہر حکم بے چون و چرا ماننا چلا جا رہا تھا۔ اس نے نہ صرف خود کو ان کے حوالے کر دیا تھا بلکہ اپنے محافظوں کو بھی ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ حالات بالکل روز روشن کی طرح میرے سامنے تھے لیکن صورت حال کسی طرح ہضم نہ ہو رہی تھی۔ دروازے سے باہر نکلے تو ہماری ترتیب یاسو کا نے اپنے حق میں کر رکھی تھی۔ ہمارے ہونے جتنے میں مجھے سب سے آگے رکھا گیا تھا۔ میرے پیچھے چنگ تھا اور چنگ کی پشت پر دیوالور بدست یوشی تھا۔ اس کے پیچھے نادر گاہے اور چنگ کے باڈی گاڑڈ چل رہے تھے۔ آخر میں خضر یاب یاسو کا کسی جرنیل کی آن بان سے موجود تھا۔ کہاؤ نڈ سے نکل کر یوشی کے کاشن پر میرے قدموں کا رخ مشرق کی جانب ہو گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا یہ خرم چوہری۔ یاسو کا نے بند آواز میں پکارا: "تم قافلے سے الگ وائیں جانب دس قدم پر چلے جاؤ۔"

میں نے گن کر دس قدم بڑھائے اور ٹک گیا۔ میری طرف گھوم جاؤ: یاسو کا نے حکم کا چابک مارا اور میں گھوم گیا۔ وہ بھی تھوڑا سا باہر نکل آیا تھا اسٹین گن سے میرا نشانہ بنے ہوئے تھا اور یاسو کا کی گول گول آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ "سونادان لڑکے! چنگ کی بدلی ہوئی آواز سن کر میں نے چونک کر دیکھا اس کے لبوں پر وہی جانی پہچانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جب چنگ کسی کو سزا سننے والا ہوتا تھا۔ میں اس ماحول، فضا اور اندر بیٹھے بچوں کو خون کی چھینٹوں سے پرانندہ کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ آؤ شریفانہ سوا طے کریں۔"

"یوشی! یاسو کا نے کہا: "چند قدم پیچھے ہو جاؤ۔" یوشی بھی عجیب احمق لڑکا تھا۔ یاسو کا کے ہر حکم پر پہلے سر جھکا پھر تعمیل کرتا۔ اس نے ایک قدم ہٹ کر سرخم کیا۔ چنگ کی سرخ آنکھیں چاروں طرف سرخ لائٹ کی طرح گھوم رہی تھیں۔ بغاوت فضا میں اچھلا اور بیک وقت دودھاکے ہوئے، یاسو کا کسی زخمی

درندے کی طرح حلق پھاڑ کر دھاڑتا ہوا پہلے جھکا پھر سینہ دبانا ہوا
منہ کے بل گرا اور روشنی کی باریک پیرچھ جیب ابھری تو وہ پشت کے
بل گر رہا تھا۔ میں نے حیرت انگیز منظر دیکھا۔ چنگ کے دونوں لاک
بوتلوں کی ٹوٹے دھواں نکل رہا تھا۔ فادر نے چنگ نے پرسکون
اور قدرے مودب لہجے میں کہا۔ اس لوگ نے میرا وقت اور
تھواری انرجی ضائع کی ہے۔ میں جا رہا ہوں، ان کو میرے تحریری
سلام کے ساتھ رات کے وقت کسی چوراہے میں ڈال دینا۔ میرا
دوست میرا سلام پا کر یقیناً خوش ہوگا اور تم خرم نئی زندگی کے ساتھ
یہ بات بھی فراموش نہ کرنا کہ نئی زندگی دینے والے ہاتھ زندگی کو
چھین لینے کا بھی حق رکھتے ہیں۔ اس نے باری باری دونوں
لاشوں کو دیکھا اور پلٹ کر جیل پڑا۔ اس کے باڈی گارڈ اندر سے
اسٹین گن لے کر دوڑتے ہوئے واپس آ رہے تھے۔

”خرم میرے ساتھ آؤ۔ فادر گلے پھرتی سے بولا۔ اندر بھی
ایک لاش ہے۔ میں اب یہ جگہ چھوڑ دوں گا۔ یہ جگہ ناپاک ہو چکی ہے۔
میں اس یقین اور ایمان کے باوجود کہ زندگی اور موت کے
تہیجے کسی چنگ پی یاں جو کا ہاتھ کاڑنا نہیں ہوتا، چنگ پی کامنوں
تھا۔ دوسری بار موت صرف ایک بالشت کے فاصلے سے لوٹ گئی تھی۔
چنگ کے پرسکون انداز کی وجہ یہی رہی تھی کہ اسے خود پر پورا اعتماد تھا۔
اور میرے علم میں وہ ایک انوکھا اضافہ تھا کہ چنگ کی دنیا میں صرف
انگلیوں سے ہی گولیاں نہیں چلتیں بلکہ جوتوں کو بھی اپنے دفاع میں
استعمال کیا جاتا ہے۔ چنگ کے لاک بوتل اپنے اندر ہلاکتوں کا
سامان رکھتے تھے۔ جب ہم اندر پہنچے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ
گیا کہ باہر موت کا دشنام کھیل کھیل گیا تھا اور اندر کی دنیا پرسکون
تھی۔ سب رٹے لوکیاں ریاضت میں مصروف تھے لیکن تجربات
سے ثابت ہو چکا تھا ان میں ہر ایک اپنی جگہ انگارہ ہے اور گلاب
نے کسی کو نہ بلیا اور نہ ہی کچھ کہا۔ مجھے ان میں شامل کر کے باہر نکل
گیا جب کھانے کی گھنٹی بجی تو میں نے جیتے جیتے محتاط نظروں سے
دیکھا۔ مینوں لاشیں ٹھکانے لگانی چاہتی تھیں اور خون صاف
کر دیا گیا تھا۔ کھانے کے دوران کی ادا ایدنا میرے دائیں بائیں
تھیں۔ مٹی پر چونکہ زبان بندی کی پابندی تھی اس لیے وہ نگاہوں
اور کہنیوں سے باتیں کر رہی تھیں، البتہ اس پابندی سے ایدنا بھڑک
فائدہ اٹھا رہی تھی۔ مینرے اٹھ کر وہ میرے ساتھ ہی میرے کمرے
میں آ گئی۔ ہمارے ساتھ گھومو بھی تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ
سیاہ رو مضبوط نوجوان سفید چمڑی والی ایدنا کی پرستش کر رہا ہے۔
لیکن معاشرے نے یقیناً اسے رنگ کی قدر و قیمت بتادی تھی شاید

یہی وجہ تھی کہ چاہنے کے باوجود اس نے کبھی ایدنا پر اپنی پرستش ظاہر
نہ کی تھی۔ ایدنا اپنی نسل اور خوبصورتی پر اس قدر نازاں تھی کہ گھومو
جیسے نوجوان کو پاؤں چھونے کی بھی اجازت نہ دے سکتی تھی۔ کیا
ہر گرام ہے خرم؟ ایدنا بالوں کو جھٹک کر بولی۔ آؤنگ کو جی چاہ رہا ہے
”اور کون ہوگا؟“

”مجھ سے متھیں کوئی خطرہ ہے کیا؟“
”تم جس کی بیٹی ہو اس نے میرے باپ کو بہلا پھسلا کر جنت
سے نکلوا دیا تھا۔ لہذا میں محتاط ہوں۔“

ایدنا بتاتی خوبصورت آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی اور پھر میری
سانس لے کر ہونٹ چباتی ہوئی باہر نکل گئی۔
”تم لوگ“ گھومو نے خرم اس سے قبوہ میرے ہاتھ میں اٹھاتے
ہوئے کہا۔ ”عورت کی دل شکنی کیسے برداشت کر لیتے ہو کیا ادھر سب
مرد عورت کو یوں ہی رسوا کرتے رہتے ہیں؟“

”ہاں۔ میں نے چسکی لیتے ہوئے جواب دیا۔ جس کو تم لوگ
روائی کا نام دیتے ہو اسے ہم عزت افزائی کا مقام دیتے ہیں۔
عورت اس وقت رسوا ہوتی ہے جب وہ محض اپنے لیے چار
دیواریں سے باہر قدم نکالتی ہے۔“

”ایک بات تو بتاؤ خرم: گھومو کو کھسک کر نزدیک ہو گیا۔
”میں عیسائی ہوں اور تم مسلمان۔ ہم دونوں مذہبی حوالے سے
خدا اور اس کی لامحدود قوتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ مجھے
بتاؤ کیا خدا ایدنا مجھے بخش دینے پر قادر ہے؟“

”بے شک بے شک۔ میں نے پرجوش آواز میں کہا۔
”جو طاقت آگ جیسی بے مروت اور بے ہر چیز کو اپنے بندے
کے لیے پھولوں کی طرح فرحت بخش بنانے پر قادر ہے۔ اس کے
لیے ایدنا کے دل میں گھومو کی محبت پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ معاً
ایک پتھر کھڑکی کے راستے اندر آ کر لگا۔ میں اور گھومو بیک وقت
اچھل کر دیوار کی آڑ میں ہو گئے۔“

”پتھر کے ساتھ کوئی پیغام ہے۔ گھومو نے سرگوشی میں بتایا
اور پیٹ کے بل فرش پر ریگتا ہوا پتھر اٹھا لایا۔ میں نے جھپٹ
کر پتھر لے لیا۔ پتھر کا غڈ چڑھا ہوا تھا۔ چرم رائے کا غڈ پر دم دم ختم
تحریر تھی۔ دس بجے نہ توں کے بوڑھے درخت کے نیچے میں انتظار
کروں گی۔“

پونے دس بجے فادر گلے کو شرب نجر کہنے کی پریڈ جوں
ہی ختم ہوئی مٹی نے راہداری میں چلتے چلتے مجھے کہنی ماری اور
آگے نکل گئی۔ خرم دیکھ رہا تھا کہ ایدنا نے بلند آواز میں کہا۔

”تا کر مٹی کے علاوہ دوسرے لوگ بھی سن لیں۔ یہ درس گاہ ہے یہاں
عبت کے معاملے نہیں حل کئے جاسکتے۔ تم دونوں ماحول خراب نہ کرو۔“
”میں مخلصانہ مشورہ دوں گا مس ایدنا کہ...“
”اپنے پاؤں پر ہی اپنا وزن رکھو۔ اس نے کہا۔ مشورے
کا شکریہ۔“

میرے قدموں کی چاپ سن کر مٹی زیتون کی چھدری جھاڑیوں
سے نکل کر یکدم سمنے آ گئی۔ جب میں قریب گیا تو اس نے دونوں
ہاتھ پھیلانے اور قدم آگے بڑھایا۔ مگر میں نے ہاتھوں کو ہاتھوں
کی ڈھال پر روک کر فاصلہ گھٹنے نہ دیا۔ بیٹھو: میں نے اس کے
دونوں ہاتھوں کو ایک ہاتھ میں جکڑتے ہوئے کہا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں
تمہیں زندگی کا محفوظ راستہ دکھاتا ہوں۔ وہ سسک کر بل کھاتی
ہوئی میرے سامنے آکر بیٹھ گئی اور میرے گھٹنوں پر تھوڑی رکھ
کر مجھے دیکھنے لگی۔ سب سے پہلے مجھے بتاؤ یہاں سے نکل کر کہاں
جاؤ گی: میں نے دریافت کیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”خرم: مٹی نے اپنا چہرہ میری پتھیلیوں سے اٹھا لیا اور
میری روح یکدم ہلکی پھلکی ہو گئی۔ ماں کی دعائیں بڑی اثر انگیز
ہوتی ہیں۔ جانتے ہو، جب میں گھر سے روانہ ہو رہی تھی تو میری
ماں نے دعا دی تھی۔ آج اسی دعا نے اس کی نادان بیٹی کو دل دل
میں گمنان سے بچا لیا ہے۔“

”کیا تم واپس ماں کے پاس جاؤ گی مٹی؟“
”ابھی نہیں۔ کچھ مجبوریاں ہیں خرم: اس نے مجھے ٹاننا چاہا۔
”ہاں تم سنا ہے چنگ پی کے منظور نظر ہو۔ اگر تمہارا پیف مجھے پناہ
دینے کا وعدہ کرے تو میں خط و مول لے سکتی ہوں۔“
”اوہ... تم بھی کسی گروہ کی گرفت میں ہو؟“

”ہاں۔ مادام جولی نے مجھے لازم رکھا ہوا ہے۔ مٹی بتانے لگی
”اس کے گروہ میں صرف خوبصورت لوکیاں ہیں جو ہر قسم کا بزنس
کرتی ہیں۔ میں نے صرف ادا فروشی کی شرط تسلیم نہیں کی، مجھے
ہاسل کا چارج سنبھالنا ہوتا تھا۔ کبھی اس طرف آؤ گے خرم؟“
”ہاں۔ جب مجھے اپنی بقا کی ضرورت محسوس ہوگی تو ضرور
آؤں گا۔“

”ٹھیک ہے میں تمہیں آؤریس لکھ دوں گی لیکن سمجھتی بات
کے وقت ادھر نہ آنا۔ مادام گھوم پھر کدات کو ہاسل میں واپس
آجاتی ہے۔“
”اچھا آؤاب واپس چلتے ہیں: میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی

اٹھ کر کپڑے جھاڑتی دس پندرہ وقت تک میرے پہلو پہلو چلتی رہی۔
اور پھر زیتون کی جھاڑیوں میں داخل ہو گئی۔

چوکیدار نے مجھے دیکھ کر حسب ضابطہ پہلے سلام کیا اور پھر
گھونسنے کی وجہ سے... دریافت کی۔ میں نے جوتوں کی دھمک کئے
ڈرے اسپورٹس شوز تلوں میں اس رکنے تھے۔ جب چوکیدار
نے جواب طلبی کی تو ذہن نے ننگے پاؤں کا جواز پیش کرنے کا
اشارہ کر دیا۔ میرے پاؤں رات کے وقت جلنے لگتے ہیں میں
نے پاؤں کی طرف اشارہ کر دیا۔ لاکن گھاس پر چہل قدمی کر رہا
تھا: عین اسی لمحے اتفاقاً ہی میری نگاہ مٹی کے جھکے ہوئے سائے
پر پڑی جو کپاؤنڈ فال کے ساتھ ساتھ اپنی پیرک کی جانب رینگ
رہی تھی۔ ذرا ہاتھ لگا کر دیکھو تو یہ کون سا مرض ہے۔ آگ کے
شعلے جیسے نکل رہے ہیں۔

چوکیدار فوراً ہی میرے پاؤں پر جھک گیا اور میں نے باری
باری دونوں پاؤں پاؤں اٹھا کر اسے دکھائے۔ مٹی میری چال
سمجھ گئی تھی جوں ہی چوکیدار جھکا تھا وہ گود کر کپاؤنڈ وال بھانڈ گئی
تھی۔ نہیں کوئی مرض نہیں: وہ ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ رٹ
کے بوٹ کم پہنا کر۔ ورنہ میری طرح نظر بھی گنوا بیٹھو گے۔“
”شکریہ ماسٹر: میں نے کہا۔ میں آپ کے مشورے پر ضرور
عمل کروں گا۔“

محض گھومو کی نیند کے خیال سے میں نے بے آواز دروازہ
کھولا۔ اندر خلاف معمول اندھیرا تھا۔ میں تھک کر دروازے میں
ہی جم گیا کیونکہ انٹی ٹیوٹ کے ایک ضابطے کی خلاف ورزی ہوئی
تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ نادر گاہے یا تو نہ ہی جنون میں
متلا تھا یا پرے درجے کا وہی انسان تھا ضابطے کی تشریح میں
بتایا گیا تھا کہ اندھیرے میں بدروحیں اندر آ کر انسانوں کے
کردار کو متاثر کرنے لگتی ہیں۔

گھومو کے مانوس خراتے اندھیرے میں نشر ہو رہے تھے۔
میں نے آگے بڑھ کر سوچا کہ کیا کمرہ یکدم دودھیا روشنی میں
نہا گیا۔ سوچ بورت سے ہاتھ اٹھا کر جوں ہی میں پلٹا جبریت کا پھٹکا
ہوا چابک لگا۔ میں بڑی طرح اچھل پڑا۔ ایدنا میرے بستر پر بیٹھی
سینہ لگا ہوں سے مجھے گھور رہی تھی۔ میرے ہنٹوں کی جھبش
اور تھنوں کی پھر پھر ڈھمک دیکھ کر ایدنا نے اپنی بخروٹی انگلی افقی
انداز میں گلابی ہونٹوں پر رکھ دی اور مجھے خاموشی سے قریب
آنے کا اشارہ کیا اور سرگوشی کی۔ ”گھومو بے ہوش ہے۔ اس نے
سرگوشی میں انکشاف کیا۔ میں نے جب پاؤں چن کو متھارے

کمرے سے نکلتے دیکھا تو قدرتی بات تھی کہ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ کل سب سے بڑے اعزاز کے لیے تم ہی پاؤ جن کے مد مقابل ہو۔ اسے اصولاً ادھر اپنے مد مقابل سے نہیں ملنا چاہیے تھا۔ جب میں آئی تو تم غائب تھے ادھر بھی غیر حاضر تھی۔ دو جمع دو جواب بہت آسان تھا۔ مگر وہ اندھا پڑا ہوا تھا۔ میں نے خود دیکھا ہے مگر وہ کو باہر سے غالباً زہریلی سولی کا نشانہ بنایا گیا ہوگا۔

"لیکن کیوں؟ میں نے پوچھا۔"

"تھیں کل کے مقابلے سے دور رکھنے کے لیے۔ لیکن کھڑو۔ ایڈن نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کر دیا۔ میرا خیال ہے کمرے میں ٹائم بم رکھا گیا ہے۔"

"اوہ۔ میں چونک کر ایڈن کو دیکھنے لگا۔ اس خطرے اور خیال کے باوجود تم اندھیرے میں چلتی ہوئی تھی۔ مگر کیوں ایڈن؟... کیوں جبکہ میں تمہارے نزدیک بے وفا اور سرد مہر شخص ہوں؟"

"میں کوئی جواب نہیں دوں گی۔ ایڈن ابولی کیوں کہ تم ان جذباتوں سے نا آشنا ہو بھی، اب بتاؤ فادر گابے کو رپورٹ دی جائے یا اپنے طور پر کچھ کیا جائے؟"

"فادر گابے کو ڈسٹرب نہ کرنا بہتر ہے۔ میں نے کہا: ہم کو کی تلاش لے لیتے ہیں کمرے میں سامان ہی کیا ہے یا گومو کو اٹھا کر میں باہر چلا جاتا ہوں؟"

"دوسری تجویز معقول ہے۔ ایڈن نے کہا: ٹائم بم ہماری... تلاشی کے دوران ہی پھٹ سکتا ہے۔"

"میں نے گومو کے زنی جسم کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور ایڈن نے ہمارے بستر پیٹ لیے۔ راہداری میں بستر گچکی تو میں نے کہا۔ "تم جاؤ میں سبقت روپیے پر نام نہوں اور مستقبل کا خرم چھری ایڈن کے اس جذبے کو فراموش نہیں کرے گا۔"

"اس نے کوئی ضد نہ کی اور خاموشی سے چلی گئی تھی۔ میں جب بستر پر دراز ہوا تو میرا ذہن پھوڑے کی طرح جاگ رہا تھا۔ میرے تجربات کی کوری کتاب اس شہر کی سیاہیوں نے کتنی جلدی جھڑی تھی۔ خطرے اور آگے والے کل کی فکر نے میری آنکھوں سے نیند اچک لی تھی۔ تقریباً تین بجے فادر گابے کے قدموں کی چاپ راہداری میں گونجی۔ میں نے اٹھ کر اس کو تعظیم دی۔"

"صبح جب کچن کی انچارج عورت کھسکھس کر آئی اور پرے آتری میں جاگ رہا تھا اور ابھی تک میرے کمرے میں رکھا ہوا پھٹا نہیں تھا۔ میں نے گومو کو دیکھا وہ بھی استفہامیہ لگا ہوں

سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ آؤ اندر چلیں پیارے! میں نے کہا۔ "مگر ہمیں باہر کون چھوڑ گیا ہے؟"

"ایک خوبصورت تختی تھی۔" گومو نے گھبرا کر فوراً انگلی سے سینے پر صلیب کا کراس بنایا اور خوف زدہ سا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے اپنا بستر سمیٹ لیا اور گومو بھی میرے ساتھ چل پڑا۔ میری غیر حاضری میں یہاں کون آیا تھا؟ کوئی بھی نہیں۔

"تم نے میرے لیے قہوہ تیار کیا تھا؟"

"ہاں... بلکہ شکر پاؤ جن سے مانگ لیا تھا۔"

"اوہ... تم نے قہوہ پیا تھا گومو؟"

"نہیں۔" گومو نے نفی میں سر ہلایا۔ تم جانتے ہو میں اگر سوتے وقت قہوہ پی لوں تو نیند نہیں آتی۔ صرف تمہارے لیے تھرماس میں رکھ دیا تھا۔"

"گومو جاؤ کچن سے کوئی بتی پکڑ لاؤ۔ میرا خیال ہے کہ میرے قہوے میں زہر ملا یا گیا ہے۔"

"گومو وڑتا ہوا گیا اور دو منٹ بعد پھر واپس آگیا اس کے ہاتھوں میں کالی بتی پل رہی تھی۔ اسے قہوہ پلاؤ۔" گومو نے بتی کا منہ کھول کر تھرماس اندر ڈال دی۔ کچھ قہوہ فرش پر گرا، کچھ بتی کے حلقے سے اتر گیا۔ بتی جھپٹی رہی اور تڑپتی رہی مگر گومو نے اسے بوجھ رکھا تھا۔ آدھے منٹ بعد بتی کا جسم بے حس و حرکت ہو کر ہاتھوں میں جھونٹے لگا تھا۔

"فکر نہ کرو دوست! میں نے ٹھپک کر اسے پرسکون کیا۔ خرم چوہری بھی ہڈیاں چٹکنے کا فن سیکھ چکا ہے۔ تم دیکھ لو گے۔ آؤ اپنے رب کا شکر ادا کر لیں۔"

جب ہم دونوں عبادت سے فارغ ہو کر ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے تو ایڈن مجھے دیکھ کر رنگا ہیں چرلے لگی۔ یقیناً وہ شرمندہ ہو رہی ہوگی کہ اس نے جس خطرے کی نشان دہی کی تھی۔ وہ خطرہ ملنے نہیں آکا تھا۔ میرے قہوہ میں زہر تھا۔ میں نے قہوہ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پلیٹ بیدھی کرتے وقت ایڈن کو ندامت سے باہر نکال لیا تھا۔

دس بجے قبل دوپہر تقریب کا وقت مقرر ہوا تھا۔ لوگوں نے رنگ کو بیچ دیں کی طرح سہانے میں کوئی گسڑ چھوڑی تھی۔ کچھ فادر گابے کے حکم کی پابند تھی اور مجھے سے براہ راست بات نہ کر سکتی تھی اس لیے دوسری لڑکیوں کے ذریعے مجھ تک اپنے جذبات اور دعائیں

بھیجا رہی تھی۔ ابتدائی نمائش مقابلوں سے ہوئی اور پھر گرین بیٹ کے جوڑے کا اعلان کیا گیا۔ گراؤنڈ میں پہلے ایڈن آتری پھر بتی رقص کرتی ہوئی ایڈن کے ساتھ آن کھڑی ہوئی۔ ایڈن نے پہلے جھپٹے میں بتی کا منہ نوچ لیا۔ ریفری نے سیٹی بجائی اور دونوں کو بلا یا اور وارننگ دی پھر مقابلہ شروع کر دیا۔ مگر وارننگ کے باوجود وہ فائل کھیل رہی تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کا خلیہ لگا ڈیا۔ بالآخر بتی کو کامیاب قرار دیدیا گیا۔ فادر گابے نے اٹھ کر بلیک بیٹ کا اعلان کرتے ہوئے میرا اور پاؤ جن کا نام لکھا، پاؤ جن وارننگ کے درمیان آکر سیٹی کے انداز میں رقص کیا لیکن میں متوازن قدم اٹھاتا ہوا اس کے پیلو میں جا کھڑا ہوا۔ ریفری نے بتی رٹائی ہدایات جاری کیں اور ریٹان سے ہٹ گیا۔

پاؤ جن نے اچھل کر دولتی جھاڑی اور میں نے پھرتل سے تھک کر اس کا دایاں پاؤں پکڑ کر مروڑ دیا۔ وہ دوہرا ہو کر گر اور میں پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ لگ... لگ مارو۔ یہ آواز بتی کی تھی لیکن میں نے پاؤ جن کو اٹھنے کا موقع دیا۔ وہ اٹھا اور ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ ریفری دوڑتا ہوا اس کے قریب گیا اور پھر میں نے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا پاؤ جن ریفری کے کندھے کا سہارا لے کر سنگڑا تا ہوا چل پڑا تھا۔ لڑکیوں نے شور اور تالیوں سے آسمان سر ہوا اٹھا لیا لیکن میں کچھ سمجھ ہی نہ سکا تھا۔ میں کیسے یقین کر لیتا کہ پاؤ جن جیسا پھر تیرا اور ماہر فن کار اتنی جلدی میدان سے واپس حار ہا ہے لیکن جو میں دیکھ رہا تھا وہی کچھ دوسرے لوگ بھی حیران نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پاؤ جن نے گنڈا اتر جانے کی وجہ سے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ اس طرح مجھے ایک معزز شخص نے بلیک بیٹ اور بتی کو گرین بیٹ اپنے ہاتھوں سے پہنائے تھے۔ یہ ہمارے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ بقول فادر گابے جس کے ہم بچا طور پر متفق تھے۔

تقریب کے اختتام پر فادر گابے نے دو روز مکمل آرام کرنے اور آخری دن شاندار الوداعی پارٹی کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے مجھے مبارک دینے والا میرا ساتھی میرا حریف پاؤ جن تھا اور دوسرے نمبر پر بتی تھی۔ بتی نے سب کی موجودگی میں میرے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر چوم لیا تھا۔ یہ اس کی عقیدت اور محبت کی آخری نشانی تھی جو آج بھی میں اپنے ہاتھ کی پشت پر زندہ دیکھ رہا ہوں۔ انٹی ٹیوٹ کے چاروں طرف بڑے بڑے سایہ دار درختوں کی دنیا آباد تھی۔ میرا چھاؤں میں لیٹے کودل چاہ رہا تھا لیکن کوئی ساکتی نہ تھا اور بتی کو دھوکے

کرنے اور آخری دن شاندار الوداعی پارٹی کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے مجھے مبارک دینے والا میرا ساتھی میرا حریف پاؤ جن تھا اور دوسرے نمبر پر بتی تھی۔ بتی نے سب کی موجودگی میں میرے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر چوم لیا تھا۔ یہ اس کی عقیدت اور محبت کی آخری نشانی تھی جو آج بھی میں اپنے ہاتھ کی پشت پر زندہ دیکھ رہا ہوں۔ انٹی ٹیوٹ کے چاروں طرف بڑے بڑے سایہ دار درختوں کی دنیا آباد تھی۔ میرا چھاؤں میں لیٹے کودل چاہ رہا تھا لیکن کوئی ساکتی نہ تھا اور بتی کو دھوکے

دینے کی مجھ میں جرأت نہ تھی۔ جب بے کلی حد سے بڑھنے لگی تو میں کسی کو بتائے بغیر ہی ایک طرف چل پڑا۔ درختوں کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا تھا میں ایک جگہ لیٹ گیا اور اپنا جلتا ہوا چہرہ ٹھنڈی مٹی پر رکھ دیا۔ بڑی فرحت اور راحت کا احساس مجھ نے لگا تھا۔ پتہ نہیں میں تھکا ہوا تھا یا راحت کا خمار تھا میں وہیں سو گیا۔ کچھ دیر بعد کسی نے میرے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو میں ہڑپ کر اٹھ بیٹھا۔ مجھ پر چاندنی برس رہی تھی۔ میرے سر نے بتی کی تھپی ہوئی تھی اور پاؤں کی طرف دو دم دھڑکے تھے۔ یہ صاحب تھا۔ اسے ایک ضروری پیغام لائے ہیں۔ بتی نے بتایا: "ہم شام سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔ میں نے غور سے دیکھا، ایک تو گومو تھا اور دوسرا میرے لیے اجنبی تھا۔"

"میں عبدالحکیم کا پڑوسی نیاز احمد ہوں۔ اجنبی نے تعارف میں جوں ہی عبدالحکیم کا نام لیا میں ڈپ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے ایک لمبا لغاف میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے بو کھلائے

ہوئے انداز میں لغاف چاک کر کے ترشہ کا غذا ہار نکال لیا لیکن تحریر اتنی باریک تھی کہ پہلے دنوں کے چاند کی روشنی میں بڑھی نہ جاسکی۔

"چلو سب لوگ تمہاری وجہ سے پریشان ہیں۔ بتی نے کہا۔ اگر فادر گابے واپس آگئے تو ناراض ہوں گے۔"

"خیر بہت تو ہے نا بجائی ادھر؟ میں نے نیاز احمد سے پوچھا "مجھے لیکچری میں عبدالحکیم کے چھوٹے لڑکے نے یہ لغاف آپ تک پہنچانے کے لیے دیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بزرگ خانوں بھی تھی۔"

"لیکن... میں ایک خیال سے چونک پڑا کہ اسے میری جلتے رہائش کس نے بتائی ہوگی۔ لیکن تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟"

"میں سیدھا لڑکھ کے پاس گیا تھا۔ نیاز احمد نے بتایا۔ اسی نے اوپر پتہ لکھ دیا تھا۔"

"مٹی اور گومو کمرے میں چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے میں نے نیاز احمد کو روشنی میں دیکھا تو مانوس صورت لگی۔ خط کھول کر دیکھا۔ تحریر زانا ہی تھی اور خط عابدہ کا تھا میں نے ایک طویل سانس لی۔ پھر میں نے مسک کر خط پڑھنا شروع کر دیا۔

"کئی دنوں سے سوچ میں تھی لیکن بہت نہیں پڑتی تھی۔ اب بھی پہروں کی سوچ کے بعد مجبوراً قلم کو متحرک کیا ہے۔ کیا لکھوں... یہی تو میرے

ساتھ مجبوری ہے جو لکھنا چاہتی ہوں۔ قلم ساتھ نہیں دیتا۔ خرم! میں دل کی آواز کو ضبط کی بجاری سلوں کے نیچے دبائے بیٹھی تھی۔ تمہیں کبھی نہ بلاق۔ مگر اب عزت کو خطرہ لاحق ہوا تو اتنی باتیں مجبور کرو یا تمہاری وجہ سے کوئی مجرم گروہ ہمیں پریشان کر رہا ہے۔ کل شام امرنگھ کو بائی دھمکی دی گئی ہے کہ اگر خرم چودھری کا پتہ نہ بتایا گیا تو تمہاری بیٹی کو اغوا کر لیا جائے گا۔ امرنگھ جانتا ہے تم کہاں ہو لیکن وہ ایک کھرا انسان ہے اسی نے رائے دی ہے کہ میں تمہیں یہاں بلاؤں تاکہ ہم مل کر کوئی حل سوچیں۔ آج رات گیا بیجے میں تمہارا انتظار کروں گی۔ آؤ گے نا خرم! تمہیں ایک بوڑھے باپ کی عزت بلا رہی ہے۔ تمہاری خیر خواہ عابدہ!

خط پڑھ کر میں نے چند لمے آنکھیں بند کر کے سوچا اور پھر فیصلہ کر لیا: اُسے کہنا خرم چودھری عابدہ کے لیے نہیں بلکہ ایک باپ کی عزت اور ایک مسلمان لڑکی کی سلامتی کے لیے ضرور آئے گا۔ نہاذا احمد نے اُسے کہہ کر ہاتھ ملایا اور کوئی بات کہنے بغیر ہار نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد نگومو میرے پاس آکر بیٹھ گیا: خرم! کل پر سوں ہم یہاں سے ہاکر پھر شہر بے وفائی میں گم ہو جائیں گے۔ کیا ہم ایکے سرے کو پھر مل سکیں گے؟

”ہاں شاید وقت کی کوئی لہر ہمیں ملا ہی دے۔ میں نہ کہتا۔ یہ کارڈ دیکھو۔۔۔ نگومو نے گرین ملاقاتی کارڈ دیا اور میں ایسے اچھلا جیسے نگومو نے میری پٹیلی پر زہر ملا۔ پتھر رکھ دیا تھا کارڈ پر پھپکی مڑنے کھوئے بیٹھی ہوئی تھی اور یہ می جو کے گروہ کا شناختی کارڈ تھا۔

”کیا بات ہے: نگومو مجھے حیرت زدہ دیکھ کر بولا۔

”اوہ کچھ نہیں: میں فوراً ہی سنبھل گیا۔ میں نیاز احمد سے ایک بات پوچھنا بھول گیا ہوں۔ میں نے کارڈ جیب میں ڈالا تھا تو نگومو نے ہاتھ بڑھا کر کارڈ واپس لے لیا۔

”یہ میرا شناختی کارڈ ہے خرم: وہ نرم آواز میں بولا: مگر تم شہر اگر مجھ سے ملنے کا وعدہ کرو تو تمہیں بہتر سروس اور معقول معاوضہ دلانا میری ذمہ داری ہوگی۔

”تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں نے غرّا کر پوچھا۔

”ہاں خرم! نگومو مسکرایا: کل سے۔“

”وہ جو کل آیا تھا اُسے بھی جانتے ہو؟“

”ہاں! نگومو کے سفید دانت اب بھی چمک رہے تھے وہ نہایت ہی پرسکون انداز میں بات کر رہا تھا: اس کے حوالے سے تو تمہیں پہچانا ہے۔“

”پھر تمہیں یہ بھی اطلاع مل چکی ہوگی کہ تمہارا چیف شکست تسلیم کر چکا ہے۔“

”ہاں: وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا: لیکن یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔ دھوپ چھاؤں کی طرح متحارب گروہ اپنی پوزیشن بدلتے ہی رہتے ہیں۔ یہ توقع رتی نظام کے مطابق ہوتا ہے۔ پرانے درخت گرتے ہیں، نئے آگتے ہیں:“

”نگومو! میں نے مضبوط آواز میں پوچھا: تم نے خود کو مجھ پر ظاہر کیوں کیا ہے؟“

”دوستی کو مضبوط کرنے کے لیے: نگومو نے خود پر کوئی تبدیلی لائے بغیر کہا: سنو خرم سلطان! اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں دونوں سے نفرت کرتا ہوں مگر پیٹ سے نفرت نہیں کی جاسکتی۔ نہ می جو میرا باپ ہے اور نہ چنگ چچی تمہارا چچا ہے۔ ہمارے لیے دونوں مفاد پرست ہیں۔“

”تو پھر میں تمہیں دعوت دیتا ہوں میرے ساتھ چلو: میں نے نگومو کو گھیرنا چاہا۔“

”اگر میرا پاس فتح مند ہوتا تو میں تمہاری دعوت کبھی نہ ٹھکراتا میرے دوست! نگومو نے گہری سانس لے کر کہا: لیکن اب مجھے افسوس ہے اگر میں چنگ چچی کی ملازمت میں چلا گیا تو میرے تمام بچے کچھے ساتھی مجھے ابن الوقت اور بزدل سمجھیں گے میں نے وفاداری کا عہد کیا تھا۔ میں می جو کے زخم پر نمک پاشی نہیں کر سکتا۔ ہم متحارب ہو رہے ہیں رہ کر بھی خود دوست بن سکتے ہیں: میں نے اس کا سیاہ کھردرا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا اور نگومو نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر اس فیصلے کو تسلیم کر لیا۔ بکٹی اور ایڈنا کو اند آتے دیکھ کر ہم خاموش ہو گئے۔

میں دونوں لڑکیوں کی باتوں کے طوفان میں گھبرا بس خود کو سنبھالنے میں ہی مصروف رہا۔ وہ دونوں سوالوں کی بوجھار کر رہی تھیں ایک دوسرے کو پچھاؤں کے کوشش کر رہی تھیں۔

”ہم کل یہاں سے ایک ساتھ شہر چلیں گے: میں نے طویل بحث کو ختم کرتے ہوئے تجویز پیش کی۔

”کس اچھے سے ریپورٹ میں بیٹھ کر میں گے اور وہاں ہی مستقبل کا پروگرام بنالیں گے کوئی ایسا بد و گلام جس میں ہم تینوں

ساتھ ساتھ چل سکیں۔۔۔ کیوں ایڈی! تمہارے ڈیڑی جہاز میں کئی جیسی لڑکی کے لیے کوئی پوسٹ نہیں ہے سکتے؟“

”یہ جواب بھی میں کل دے سکوں گی۔ چلو میں کل تک خرم سے ہم میں سے کوئی نہیں ملے: ایڈنا نے بکٹی کا ہاتھ تھاما اور دونوں لڑکیاں باہر نکل گئیں۔ دروازے میں جا کر ایڈنا پلٹ کر بولی: خرم، آج نوبے ڈیڑی کی سالگرہ ہے۔ میں صبح آؤں گی پھر مقدس باپ سے اجازت لے کر چلیں گے۔“

میرے پاس اب صرف تین گھنٹے تھے اور مجھے اسلحہ خانے سے رہو اور چند فالٹو رائف اور فادر گاہے کی ذاتی لینڈرور حاصل کرنا تھی۔ فادر گاہے کی عدم موجودگی نے میرے لیے بہت سی آسانیاں فراہم کر دی تھیں ورنہ دس بجے سونے کی گھنٹی کے بعد چڑیا بھی پر مار لی تو فادر گاہے کو خبر ہو جاتی۔ مجھے بوڑھے جو کیدار کی ایک ضروری معلوم تھی جسے میں نے استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ افیون کا عادی تھا۔ میں نے ایک مقامی لڑکے کی امدادی سے افیون کی ڈیکھ نکال لی تھی۔ جب میں ٹھہرا ہوا اسلحہ خانے کی طرف گیا تو جو کیدار حسب معمول بیٹھا اور گھبرا ہوا تھا۔ قدموں کی آواز سن کر اُس نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور پھر اوٹھنے لگا۔ بیو سپر اولڈ مین: میں قریب چلا گیا: آج کافی پیسے کو جی چاہتا ہے۔

”بیٹو میں بنا کر لاتا ہوں: یہ کہہ کر وہ اندر کیمین میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کافی کے دو گنگ بنا کر لے آیا اور میں نے افیون کی وہ ٹکیا بڑی ہوشیاری سے اس کے گنگ میں منتقل کر دی۔ پندرہ بیس منٹ بعد جب میں دوبارہ اسلحہ خانے کے سامنے گیا تو جو کیدار اسٹول پر نہیں تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ نیم دراز تھا میں نے قریب بیٹھ کر اُس کے پاؤں کو تھپ تھپایا مگر وہ فوری طور پر نثر کر رہا تھا۔ اُس کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر میں پھر رہائشی حصے میں گیا۔ لڑکے کا تاش کھیل رہے تھے اور لڑکیاں کیرم بورڈ کھیلنے میں مصروف تھیں۔

اسلحہ خانہ میں توپ بم کے علاوہ ہر قسم کا ہتھیار موجود تھا۔ میں نے اعشاریہ تین آنچ کا رہو اور نمبر سیون اٹھا لیا۔ کیونکہ تربیت کے دوران یہی رہو اور مجھے آلات ہوا تھا میرا آدمیا ہوا تھا پانچ گنگ بھرے باہر نکل کر تالہ لگا دیا اور چابیاں جو کیدار کی جیب میں ڈال کر سیدھا گیاراج میں جا داخل ہوا۔ لینڈرور کی چابی میرے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ میں کالج کے شعبے میں مہذب اور شوقیہ کارچروں کے گروہ کا سرغنہ چکا تھا ہم کل چار لڑکے تھے جو شاپنگ سینٹرز اور سینما گھروں سے کاریں چراتے، آدھ پون گھنٹہ ریس لگاتے

اور کسی معروف سڑک پر کار چھوڑ کر ٹھہرتے ہوئے ہوشل واپس چلے جایا کرتے تھے۔

دس بج کر پندرہ منٹ پر میں نے لینڈرور کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر تار کی خود ساختہ چابی انکیشن میں لگائی اور انجن دوسری کوشش پر جاگ اٹھا۔ اور میں بے خطر گاڑی کپاؤنڈ سے باہر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ کلال میرے سامنے شیئرنگ پر تھی اور گھڑی کے روشن ہندسے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ گیارہ بجنے میں سات منٹ باقی تھے اور میں عابدہ کے محلے کی ایک گلی میں داخل ہو چکا تھا کسی ممکنہ سازش کو مد نظر رکھتے ہوئے میں پوری تیاری کے ساتھ شروع ہی سے ایسے راستوں کو استعمال کرتا رہا تھا۔ جو عام ٹریفک کے لیے موزوں نہ تھے۔ اگر عابدہ کا نامہ بر امرنگھ کا حوالہ نہ دیتا تو شاید میں اتنا چوکنا نہ ہوتا۔ امرنگھ بلاشبہ می جو کا ایجنٹ تھا اور می جو میرے خون کا پیاسا ہورہا تھا۔ اس لیے احتیاط بہت ضروری تھی۔

گاڑی نسبتاً تاریک جگہ روک کر میں باہر نکل گیا۔ خاتون اور سنان تھیں تین گلیوں کے بعد جب میں جانی پہچانی گلی کی نگرہ پر جانکا تو دیوار کے ساتھ لگ کر گرو ویش کا جائزہ لیا۔ عبدالحکیم کا دروازہ سامنے تھا اور آخر تک گلی ویران تھی۔ میں دیواروں کے سائے میں چلتا ہوا عبدالحکیم کے دروازے تک چلا گیا۔ دروازہ نیم دھکا تھا لیکن جھری میری جسامت سے کم تھی۔ دروازہ کھول کر کچھ بھر میں نے توقف کیا پھر اندر داخل ہو کر کو اڑ بند کر دیے۔ ابھی میں نے ایک قدم بھی نہ اٹھایا تھا کہ عابدہ کچن سے نکل کر سامنے آگئی۔ ہم جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔ نہ وہ مجھے دیکھ کر روایتی محبوب کی طرح پسلی نہ میں دیوانہ وار اس کی طرف دوڑا۔ میری چھٹی حس نے مجھے چوچ ماری اور میری سماعت سے ایک پھنکار لی ہوئی مگر کوئی ٹکرائی۔ عابدہ کو کسی نے کچن کے اندر سے کچھ کہا تھا۔ نہیں: عابدہ چیخی اور میری جانب بڑھتے ہوئے کہا: بھاگ جاؤ خرم!

عین اسی لمحے میرے سامنے دھڑ سے کوڑ بجے۔ اس سے پہلے کہ مجھے کوئی لگارتا میں پھرتی سے پٹا اور میری لات ایک جسم سے ٹکرائی۔ وہ دھنیز پر کھڑا تھا چوٹ کھا کر وہ جھلٹا ہوا گلی میں جاگرا۔ میں نے بھی بلاتا خیر باہر پھلا گنگ لگائی صحن میں کسی نے لگارا اور ساتھ ہی فائر بھی جھونک دیا تھا لیکن میں دروازے سے نکل چکا تھا۔ باہر گرتے گرتے میں نے گھٹنوں کے بل اٹھتے ہوئے شخص کی کھوپڑی کو بھی نشانہ بنا دیا تھا۔ تھوکر کا رگر ہی رہی ورنہ وہ ڈکرائی ہوا دوسری بار نہ گرتا۔ جب میں اُٹھ کر بھاگا تو میرے

سائنس کوئی سمت اور منزل نہ تھی۔ سیدھی گلی تھی جو کم از کم پچاس گز دائیں بائیں نہ گھومتی تھی۔ میں نے دوڑتے قدموں کی دھمک اور پھر تین فائروں کی آواز بھی سن لی تھی۔ میرے پیچھے آنے والے دو تین ضرور رہے ہوں گے۔ اچانک ہی میری نگاہ سٹپ ہو گئی، دو آدمی گلی کے درمیان کھڑے تھے۔ میں رک گیا۔ مجھے کسی چوہے کی طرح پچھلے میں چھانسن لیا گیا تھا۔ پلٹ کر دیکھا آنے والے بس گز دور تھے اور آگے والے تھے اتنے ہی فاصلے پر راستہ روک کھڑے تھے اور گلی کا چوڑا صرف دس قدم آگے تھا۔ وہ یقیناً احمق ہی تھے جو چوراہے سے دس گز آدھ کھڑے تھے۔ شاید جو ہتھیار ان کے پاس تھے وہ دس گز دور ٹارگٹ کو گرانے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں گے۔

"میں خالی ہاتھ ہوں دوستو! میں نے ہاتھ اوپر اٹھاتے وقت جیب سے چھوٹا سا مگر خطرناک ریولور نکال کر سٹھی میں بٹاتے ہوئے جیج کر کہا: "میں آ رہا ہوں۔" میں دونوں ہاتھ اٹھا کر پھر دوڑ پڑا کیونکہ پیچھے آنے والے اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر تھے میرا زخ سانسے والے آدمیوں کی طرف تھا اور چوراہے میں پہلا قدم رکھتے ہی میں نے دو آدمی اور دیکھ لیے جو بائیں طرف والی ٹنگ پر چوک کھڑے تھے۔ شاید انھوں نے میری آواز سن لی تھی۔ ان کے خیال میں میرے ہاتھ خالی تھے اور میں سیدھا جا رہا تھا میں نے دو قدم کا فاصلہ طے کرتے ہوئے ریولور کا کھٹکا چڑھایا اور درمیان میں جا کر یکدم پلٹ کر میں نے دو فائر کیے دونوں ہی حیرت زدہ آوازیں نکالتے گر پڑے تھے اور میں ان کے تڑپتے جسموں کو روندتا ہوا دائیں گلی میں نکلتا چلا گیا اور اسی وقت دکھ اور جہت سے میری آنکھیں پھٹ گئیں کیونکہ آگے گلی بند تھی میرے سامنے کسی مکان کی سپاٹ دیوار تھی اور پیچھے لاشیں اور دشمن تھے۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ تین دروازے آگے چڑھا کھلا نظر آیا۔ اور اندر سے روشنی کا سیلاب گلی میں کھڑی کار پر پڑ رہا تھا۔ میرے لیے اب کوئی دوسرا راستہ نہ رہا تھا اور نہ ہی سوچ کر فیصلہ کرنے کا وقت تھا چاروں فائرنگ کرتے گلی میں گھس آئے تھے عقل اور جرأت کے تقاضے میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ میں لہراتا ہوا دوڑا اور کھلے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اور دروازہ اندر سے بند کر کے روشن صحن میں نکل گیا۔ صحن میں بڑی بڑی میزوں قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ بے شمار برتن اور دھبے پڑے تھے چند بیلان موت اڑانے میں مصروف تھیں۔ ایک کمرے سے روشنی آرہی تھی، میں نے ایک ایک بند کمرے کو آزمایا مگر کسی نے بھی مجھے پناہ نہ دی تھی

جبورا مجھے روشن کمرے کا ہی رخ کرنا پڑا تھا۔ ایک ادھیر عمر کا شخص شخص ریشمی گاؤں میں بلوس شارب پی رہا تھا۔ آؤ۔ اس نے بھارتی آواز میں کہا: کچھ بھول گئے ہو کیا؟

"محترم مجھے پناہ چاہیے۔ کچھ لوگ میرے تعاقب میں ہیں؛ میں نے ریولور سیدھا کر لیا۔

بورٹھے نے مسکرا کر ہاتھ اٹھایا۔ حماقت نہ کرنا میں آج لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

میں نے یکدم ریولور نیچے جھکا لیا۔ "شکریہ جناب۔" میں نے نرم آواز میں کہا: میرے تعاقب میں موت ہے داسی وقت دروازے پر چڑھیں گئے کے دھماکے سنائی دینے لگے۔ بورٹھا اچھل کر اٹھا: آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔ جو بھی ہیں اندر آکر رہیں گے اور میں آج کی رات کوئی ہنگامہ نہیں پسند کروں گا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے ایک دروازے پر جا رکھا۔ دروازہ کھول دیا۔ جلدی... فوراً ہی اندر روشنی ہو گئی۔ دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا حیرت سے میں لوٹ کر سا گیا اور لوہی کی برج بھی حلق سے اوپر سی آکر رک گئی۔ میرے سامنے ایڈنا شب خوابی کے لباس میں کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔



اُنسی نازک ترین لمحے عقب سے ایڈنا کی کار بجے۔ میں بیک ہونے کی آواز، میری سماعت سے ٹکرائی۔ زندگی پچھلے قدموں دور جو رہی تھی اور موت آنکھوں کے سامنے کھڑی میری بے بسی پر خندہ زن تھی۔ امن کی دنیا میں جنگ، مہلے دار لڑی جاتی ہے اور ان مرحلوں میں انسان کے پاس سوچنے اور قابل عمل فیصلہ کرنے کا خاصا وقت ہوتا ہے مگر حرم کی دنیا میں یہ مرحلہ محض ایک سیکنڈ اور کبھی کبھی ایک سیکنڈ سے بھی کم ہو جاتا ہے۔ وہاں سوچنے اور پھر فیصلہ کرنے والے احمق، آخری بجلی بھی پچھتلاؤ کی نذر کر دیتے ہیں۔ میں دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں دردنگی، ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ... اور انگلیوں کی حرکت، میری موت کے پروانے پر مہر ثبت کر رہی تھی۔ لہذا میں نے سیکنڈ سے بھی کم وقت میں فیصلہ کر لیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر جوابی بھجی بھجی سی مسکراہٹ، چہرے پر شرمندگی کا دھواں اور آنکھوں میں دوستانہ چمک دیکھ کر، اُن کے تپنے ہوئے نقوش ایک دم ڈھیلے ہو گئے۔ میرا فیصلہ اُن کے لیے غیر متوقع ہی رہا ہوگا۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کوئی دیوانہ ہی مسکرانے کی جرأت کر سکتا تھا۔ میری جرأت، اُن کی حیرت بن گئی تھی اور حیرت نے اُن کے طعانی زدہ عمل کو متاثر کر دیا تھا۔ موت، حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر رک گئی تھی...

کیا چیف نے میرے بلیک وارنٹ جاری کر دیے ہیں دوستو؟ میں نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

دونوں نے استغیبارہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن یہ وقفہ نہایت ہی مختصر تھا۔ حرف لمبے بھر کے لیے نظروں کا تصادم ہوا تھا اور یہ وقفہ اپنے کندھے پر چھوٹی اسٹین گن اتارنے کے لیے ناکافی تھا۔

"بولتے کیوں نہیں، دوستو؟" میں نے ملتی بے میں کہا۔ "کیا تم جیف نے بھیجا ہے؟"

"تم کون ہو؟" ٹوٹی ہوئی ناک والا اعتراض۔

"وہی جسے منظر سے ہٹانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے" میں نے بتایا۔ "جیف نے مجھے ریڈیو پر حکم دیا تھا کہ ہٹ میں جا کر انتظار کرو... وہاں ایک جوڑا آئے گا۔ اُسے زندہ گرفتار کرنا ہے۔ بے شک، تم بھی دو ہو مگر میں اپنے کسی مود دوست کو لڑکی نہیں کہہ سکتا۔ مجھے ہی بتایا گیا تھا کہ ایک آوارہ گرد لڑکا، اپنی دوست کے ساتھ ہوگا۔"

"اسٹین گن، بیروں میں گروو۔" ٹوٹی ہوئی ناک والا منمنایا...

اور دو قدم دائیں ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔

میں نے کندھا ڈھیلا کر کے جھکا دیا اور اسٹین گن نیچے گرتی چلی گئی۔

"ہاں، اب بولو۔ تمہارے چیف کا کیا نام ہے؟"

"کیا جیف کسی اور نام سے بھی جانا جاتا ہے؟" میں نے تسخرانہ انداز میں کہا۔ "کیا تم لوگ اُسے نام سے پکارتے ہو؟"

"تمہیں یہاں کون لایا ہے؟"

"سامی... وہ سیاہ فام لڑکا۔"

"دوسری گاڑی میں کون تھا؟"

"جیف کا کوئی دوسرا کتا" میں نے دانت پیس لیے۔ "ہاں، ہم سب جیف کے احمق تھے ہی ہیں۔ جیف کی آنکھوں کا اشارہ پاکر، اپنی آنکھیں بند کر کے موت کی طرف پلک پڑتے ہیں۔ سنو، دوستو! ہم بنیادی طور پر انسان ہیں اور انسان سے خطائیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ اگر میری وجہ سے جیف کا ایک ٹھکانہ، دوسرے گروہ کی نگاہوں میں آ گیا ہے تو اس کی سزا موت سے کم بھی تو دی جاسکتی تھی۔ کل تم میں سے بھی کوئی نادانستہ خطا کر سکتا ہے جس طرح میری زندگی تمہاری منکھلی میں بند کر دی گئی ہے، اسی طرح تمہاری زندگی کا چراغ بھی کسی اور کی چھونک سے بجھا دیا جائے گا۔"

"نام..." دوسرا نوجوان نرم آواز میں بولا۔ "اپنا نام بتاؤ تاکہ ہم کوئی فیصلہ کر سکیں۔"

"ایڈ... ایڈ کلینو..." میں نے تھوکر لنگ کر اپنا فرضی نام بتادیا۔

"جیف کے ساتھ کب سے ہو؟"

"گزشتہ ہفتے ایک بوڑھے سکھ نے مجھے فروخت کیا تھا۔" میں نے سکھ کا نام نہیں لیا کیونکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان دونوں کا تعلق کس گروہ سے ہے۔

"والری..." ٹوٹی ہوئی ناک والے نے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ "اب دو اور دو کا جواب سمجھ میں آ رہا ہے۔ غالباً اس نے لڑکے کو بھیج کر جیف مطمئن نہیں رہا ہوگا۔ اس لیے ہمیں بھی بھیج دیا ہے۔"

"ہاں..." والری نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے، ایڈ! ادھر ہمارے ساتھ آکر بیٹھ جاؤ۔"

"تو کیا چیف نے میرے لیے..."

"نہیں، دوست..." والری ہنس پڑا۔ "وہی تم بہادر نوجوان لگتے ہو۔ میں نے موت کے سامنے آکر بولنے والا کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے قریب جا کر ہاتھ آگے بڑھایا۔ "نئی زندگی کے نام..."

"والری..." والری نے میرا ہاتھ اپنے مضبوط پنجے میں دبوچ لیا اور تعارف کر لیا۔ "اور یہ میرا دوست ایڈگاؤ۔"

میں نے جھجک کر ایڈگاؤ کا اٹھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

دونوں اکڑوں بیٹھے تھے اور اُن کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ میں آسانی سے وہاں بیٹھ سکتا تھا۔ تربیت کے دوران فادر گلبے نے جو کچھ بتایا اور سکھایا تھا، میرے ذہن میں ایسے ہی تازہ تھا جیسے... کمرہ امتحان میں داخل ہونے سے چند منٹ قبل کسی طالب علم نے کوئی سوال یاد کیا ہو۔

جوں ہی ایڈگاؤ نے میرا ہاتھ چھوڑا، میں ایک قدم پیچھے ہٹا اور دوسرے ہی لمحے ہٹ کی خاموشی مجروح ہو گئی۔ میرا دایاں پاؤں والری کی کھوپڑی اور دائیں ہاتھ کی کھڑی ہتھیلی، ایڈگاؤ کی گردن توڑتی ہوئی اوپر اٹھ گئی۔ دونوں ہی آخری کرناک چیخ کے ساتھ پہلو کے بل گرے۔ یہ میری ہمارت نہیں تھی بلکہ وہ دونوں اتنے آسان اور شاندار ٹارگٹ تھے کہ کرناے کا انارزی طالب علم بھی کامیاب وار کر سکتا تھا۔ البتہ مجھے اپنی زور وار ضربوں پر ناز تھا۔ ایک ہی ضرب نے والری اور ایڈگاؤ جیسے مضبوط نوجوانوں کو موت کی ولایت میں ڈھکیل دیا تھا۔

میں نے چند طویل سانسیں لیں اور جھجک کر والری کی نبض ٹولی۔ زندگی سکوت میں ڈوب چکی تھی، ایڈگاؤ بھی مر چکا تھا... میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر باری باری دونوں کی تلاشی لی، دونوں ہی جوہی کے گرے گئے تھے۔ والری کا شناختی نمبر تین نو ایک تھا اور ایڈگاؤ کا نمبر سینئر ممبر تھا۔ اُسے ایک سات نو نمبر لالت ہوا تھا۔ ایک ایک فالتو کلب اور ریولور موجود تھے۔ اس کے علاوہ کچھ کرنسی اور دو ٹرانسمیٹر بھی ہاتھ لگے... سب کچھ میں نے اپنی جیبوں میں ٹھونس لیا اور جیبی کھڑکی کھول کر باہر

نکل گیا۔

چاند گھر سے بادلوں کی اوٹ میں تھا... پھر بھی اندھی چاندنی سے گرد و پیش کی ہر چیز واضح تھی۔ پیچھے دور تک ریتلا میدان تھا۔ واپس اندر آکر، میں سیدھا کچن میں گیا۔ وہاں ایسی کوئی شے نہ تھی جو میری مدد کرتی۔ میں نے ٹوسٹ کاٹنے والا ٹوکا اٹھایا اور دوڑتا ہوا کھڑکی سے کود گیا۔ بہت سے ایک فرلانگ دور، میں نے نیا قبرستان قائم کرنے کے لیے جگہ منتخب کی اور پندرہ بیس منٹ کی جان توڑ محنت سے تین تین فٹ گہری دو قبریں کھود لیں۔

میری کوشش یہ تھی کہ دونوں لاشیں ایک ساتھ بے جاؤں مگر چند قدم چل کر ہانپ گیا۔ خاصے صحت مند نوجوان تھے۔ والری کی لاش... اونڈھی مگری اور میں، ایگا ڈوکے کر آگے چل پڑا۔ جب میں، والری پر ریت ڈال رہا تھا تو یکایک مجھے احساس ہوا جیسے کسی آنکھ نے تھجڑی کی اوٹ سے میرا جرم دیکھ لیا ہو۔

اگر کوئی خطرہ اور احتیاط پیش نظر نہ ہوتی تو بھی ایسے کمرے میں سکون کی نیند کی منتا عجیب ہی ہوتی جس میں دوائیوں کو قتل کیا گیا ہو۔ لہذا اندر آکر سونے کے بارے میں کیسے سوچتا؟... پھر میرے اندر خطرے کی گھنٹیوں کا شور بھی برپا تھا۔ والری اور ایگا ڈوکے واپسی کا انتظار وہ کب تک کر سکتا تھا۔ جب کہ ان کی واپسی کے ساتھ ہی جو کی نیندوں کا قاتل بھی منسلک تھا۔

میں نے دونوں گنوں سے کلپ نکال لیے اور صوفے کے نیچے ہاتھ لے جا کر اس کا ایک کونہ بچھا دیا... پھر گنیں صوفے کے اندر گھونس کر اندر سے دروازے کی چٹخنی لگائی اور نظر کی سے کود گیا۔ روشنی اور بند دروازہ، کسی آنے والے کو کچھ دیر اٹھائے رکھنے کے لیے کافی تھا۔

اب مجھے خود کو چھپانا اور حالات پر نگاہ رکھنی تھی۔ اس کے لیے یہ ویران جگہ ہی موزوں تھی۔ می جو اگر راہ پر لگ ہی گیا تو اسے یہ فیصلہ کرنا پڑتا کہ خرم چودھری، قتل کر کے خود کو جانے والی کے قریب رکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ میں اس کی اسی سوچ سے فائدہ اٹھا کر یہاں لو پوش ہو جانا چاہتا تھا۔

ہٹ طویل قطار میں دوڑتے چلے گئے تھے۔ میں کھڑکیوں پر نگاہیں جمائے چل رہا تھا۔ تقریباً تمام ہٹ آباد تھے۔ کسی میں تیز روشنی اور کھٹکے جام، قہقہوں کی گونج تیر رہی تھی اور کسی میں زیر و پا اور بلب کی روشنی سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ غالباً ہٹ دسواں یا گیارہواں ہی تھا، اندھیرے میں چل رہا تھا، مجھے اندھیرے نے نہیں بلکہ نیم وا کھڑکی نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ قریب جانے پر معلوم ہوا کہ خرم خوردہ کھڑکی کا ایک پٹ اٹھ چکا ہے... میں نے نیم واپٹ تمام کر لیا اور کھول دیا اور پھر کھڑکی کی سرول پر پھیلیاں

ٹیک کر بے آواز کمرے میں اتر گیا۔ ابھی قدم بھی نہ اٹھانے پایا تھا کہ ایک سرسراہٹ سرگوشی میرے سکون کو بخودنی نکل گئی۔ میں ایک دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔ سرگوشیوں کی پھرتیں میرے ارد گرد جھین جھین کرتی رہی تھیں۔

میں نے حالات کا جائزہ لیا۔ میں پھنس چکا تھا۔ اندر آتے وقت تو میں کیوں کی نگاہوں سے بچ گیا تھا مگر واپسی کا مقصد موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

"کون... کون ہے؟" مرد کی آواز میں خوف کی لرزش تھی۔

"اندھیروں کا مسافر..." میں نے جواب دے کر جگہ بدل لی۔ "میرے آنکھیں کھلیں دیکھ رہی ہیں۔ اٹھو، روشنی کرو۔" میں مسلسل جگہ بدلتا رہا اگر وہ فائر کرنے کی کوشش کرتا تو گولی دیوار ہی کو لگتی۔

دوسرے ہی لمحے ٹیبل لیمپ روشن ہو گیا اور میری آنکھیں چند گئیں۔ اس سمیٹی ٹوکی کا حسن ہی کچھ ایسا تھا کہ میری آنکھیں بے بس ہو رہ گئی تھیں۔ وہ گھنٹوں پر پھوڑی رکھے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کا ساٹا ایک ادھیڑ عمر کا لٹکی ہوئی توند والا بد نما مرد تھا۔

"ہمارے پاس..." مرد دھوک نکل کر بولا۔ "... صرف شہاب آدھی بوتل رہ گئی ہے۔"

"تھوٹ مت بولو، موٹے..." میں نے کسی ادباز نوجوان کے اندر میں ٹوکی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہارے پاس ابھی بہت کچھ ہے۔" میں نے ایک آنکھ دبا دی۔ ٹوکی یہ اشارہ پلٹے ہی کنول کی طرح کھڑا اٹھی۔ اس کا خوف زدہ اور ستا ہوا اندر چہرہ حیرت انگیز طور پر گلاب رنگ ہو گیا۔ اور اس کے بدن رنگ ہونٹ مسکرانے لگے۔

بوڑھے نے بے بسی سے ہونٹوں پر زبان پھیری اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ "یقین کرو، نوجوان! میرے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے۔" "تم چپ رہو، اوٹن!" ٹوکی نے اسے دھکیل کر نیچے گرائے گا۔ اگر زبان، تمہارے قابو میں نہیں ہے تو ہاتھ دھم میں چلے جاؤ۔"

"نہیں، چالاک مگر کیا؟ میں نے سرگوشی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ شوہر کو یہیں رہنے دو۔"

"یہ میرا شوہر نہیں ہے۔" ٹوکی نے اوٹن کو نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ "میں کسی کے لیے بھی یہ جگہ مخصوص کر سکتی ہوں، جس طرح ہر مکان کا کرایہ ہوتا ہے، اسی طرح، اس جگہ کا بھی کرایہ مقرر ہے۔ اوٹن فوراً یہ جگہ چھوڑ دو۔"

"لیکن میں کرایہ ادا کر چکا ہوں۔" وہ توند سمیٹتا ہوا غرایا۔ ٹوکی نے سائڈ ٹیبل سے اپنا منی بیگ اٹھایا اور کرنسی نکال کر اوٹن کی طرف اچھال دیے۔ یہ لو اور یہاں سے چلتے پھرتے

اوٹن نے پہلے میری جانب دیکھا پھر نوٹوں کو اٹھانے لگا۔ میں نے سوچا کہ اگر اوٹن چلا گیا تو اس کی چھوڑی ہوئی خوب صورت چمکا ڈر، میری ذات کی دیواروں سے سرگوشیوں کے لگے گی۔ جبکہ میں صرف چند لمحے سکون کی نیند کا خواہش مند تھا۔

"تھہرو، انکل! میں نے کہا۔" مجھے افسوس ہے کہ میں نکل ہوا۔ میں واپس جا رہا ہوں۔"

"اوہ، نہیں..." ٹوکی نے احتجاج کیا۔ "اب میں اسے برواشت نہیں کر سکتی چلے جاؤ، اوٹن... اور تم... کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا کوئی نام نہیں ہے اور جس کا نام نہیں ہوتا، اس کا کوئی مقام بھی نہیں ہوتا۔ آؤ، انکل! اپنی جگہ سنبھال لو۔"

"شکریہ، نوجوان!" اوٹن نے کہا۔ "اوٹن کسی ردی لفافے کا نام نہیں ہے۔ اس ٹوکی سے پوچھو کہ شہر کی روشنیاں، میرا کس طرح احترام کرتی ہیں۔ اب میرے لیے یہاں ٹھہرنا ناممکن ہو چکا ہے۔" "شہر جا رہے ہو تو کیا میری ایک امانت لے جاؤ گے؟"

"ہاں، لاؤ... دے دو۔"

"چلو، باہر..." میں نے ٹوکی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ "خود کو تازہ کر لو۔"

میں واپس آ رہا ہوں۔ اوٹن نے میرا ہاتھ تھپ تھپایا اور ہم دونوں دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ "لڑکے، سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟" اوٹن نے سرگوشی کی۔

"آپ کا بھتیجا... انکل اوٹن!" میں نے خوش مزاجی سے جواب دیا۔ "اور آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔"

اوٹن چلتے چلتے ٹوک گیا۔ چاندنی میں اس کا چہرہ مجھے سوا لہ نشان دکھائی دے رہا تھا۔ "اور وہ...؟"

"وہ رات بھر کسی خارش زدہ گتیا کی طرح پریشان رہے گی۔" میں نے کہا۔

"کیا واقعی تم...؟"

"ہاں، پیارے انکل! میں ایسی ٹوکیوں سے نفرت کرتا ہوں۔" "شان دار..." وہ بڑبڑایا۔ "اس کو جو سزا میں نہ دے سکا، تم نے دے دی ہے۔ بے شک، وہ خارش زدہ گتیا ہی ہے۔"

ہٹ سے پندرہ بیس قدم دور، اس کی کار کھڑی تھی۔ اس نے چال سے دروازہ کھولا اور اندر جا کر میرے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولنے لگا۔

"پچھلا دروازہ، انکل!" میں نے کہا۔ "میں بے حد تھکا ہوا ہوں۔" "شہر تک آرام کروں گا۔"

اس نے بے چوں چرا ہاتھ پیچھے کر کے لاک اوپر اٹھایا اور میں... اس کا اور کوٹ ہٹا کر بیٹھ گیا۔ وہ اگیش میں تارکھنے میں مصروف تھا۔ یہ سوچ کر کہ اوٹن بھی میرا ہی کوئی بھائی بند ہے، میں نے طویل سانس لی۔ کیونکہ چوری کی کار میں سفر، میری سلامتی اور مقاصد کے خلاف بھی جا سکتا تھا۔ کار کا انجن ایک آچکی لے کر جاگ پڑا اور اوٹن نے یوٹرن لے کر اسے باہر جانے والے راستے پر ڈال دیا۔ پکی سڑک پر چڑھتے ہی میں نے والری اور ایگا ڈوکے کی کار دیکھی۔ احمقوں نے بالکل سڑک کے کنارے درخت کے سائے میں کھڑی کر رکھی تھی۔

میں اگر چاہتا تو اس کار پر قبضہ کر سکتا تھا لیکن احتیاط کا تقاضا وہی تھا جو میں نے اختیار کیا تھا۔ اگر میں، والری کی گاڑی استعمال کرتا تو راستے میں گروہ کا کوئی بھی آدمی، کار کو پہچان سکتا تھا۔ شہر کی حدود میں پٹرولنگ پولیس بھی روک سکتی تھی اور میرے پاس کسی کو بھی مطمئن کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ یہی سوچ کر میں نے اوٹن کی آڑ لی تھی۔ "اگر تم جاگ رہے ہو تو کچھ بات کرو۔" تھوڑی دیر بعد، اس نے عقب نما آٹھنے کا زلیہ درست کرتے ہوئے کہا۔ "اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ اگر کچھ پچھپاؤ گے تو بھی اوٹن کی تجربہ کار نگاہیں، تمہیں تلاش کر لیں گی۔"

"تلاش کرو، انکل! میں نے سیٹ پر پھیلتے ہوئے کہا۔ "جب تلاش کرو تو مجھے جگہ لینا۔"

"میں نے تمہیں مسٹر بیکر کی گاڑی سے اترتے دیکھا تھا۔ اوٹن نے اپنی ذات کی پہلی پرت کھولی۔ اس وقت میں، ڈوگی سے بوتل نکالنے باہر آیا تھا۔ بیکر محض تھریچا کسی کو گاڑی دینے والوں میں سے نہیں ہے۔ اب تم بتاؤ گے کہ بیکر کے ہٹ میں کون مقیم ہے؟... یقیناً کوئی یہاں ہی ہو گا۔"

"ہاں، انکل!" میں نے کہا۔ "مجھے، یہاں تک برہن پہنچانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔"

"برہن یا گرم گرم گولی..." اوٹن نے قہقہہ لگایا۔ "میرے پیارے بیٹے! برہن جیسی پر کھٹکے دے کر، تمہاری طرح کوئی پناہ گاہ اور لفٹ تلاش نہیں کر سکتا۔"

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اگر سچ ہے تو میری مرضی کے خلاف تمہاری خفیہ سی حرکت بھی بقایا گولیاں، تمہارے جسم کے کھاتے میں جمع کر دے گی۔"

"ہاں، اب ہوئی نا، بات!" اوٹن ہنستے ہوئے بولا۔ "گو یا میں تمہیں تلاش کر لیا ہے۔"

میں نے قدرے اوپر اٹھ کر ریڈیو کی نال اس کی گردن سے

لگادی۔ مجھے خدشہ تھا کہ میری اس حرکت پر وہ چمکے گا اور گاڑی تنگ
سڑک پر ہراتی ہوئی جھاریوں میں اتر جائے گی یا وہ سبھا ہو کر دھانے
لگے گا... لیکن اس نے خود پر بیکھلا ہٹ طاری نہیں ہونے دی اور مجھے
یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں نے آنے کی بوری سے نال لگادی ہو۔

"میں ایک گاڑی کی ہیڈلائٹس دیکھ رہا ہوں۔" اوشن نے...
پُرسکون لہجے میں اطلاع دی۔ "اب بتاؤ، اگر مجھے کوئی ٹھہرایا گیا تو مجھے کیا
کرنا ہوگا؟"

"میں کسی کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتا۔" میں نے کہا۔ "یہ تمہاری
ذہانت اور نیت پر منحصر ہے کہ تم کیا کرتے ہو... ہاں میں یہ ضرور بتا سکتا
ہوں کہ اگر تم نے مجھے ظاہر کرنے کی حماقت کی تو تمہاری سیٹ کی پشت
میں گولیاں اتارنے میں مجھے کوئی تامل نہ ہوگا۔"

مور کاٹنے ہی سامنے سے آنے والی گاڑی کی روشنی اوشن کے
گنچے سر کو روشن کرنے لگی تھی۔ آنے والا کوئی بھی ہو سکتا تھا لیکن قوی
امکان یہی تھا کہ امی جو گروپ ہی کا کوئی آدمی ہوگا۔ ہو سکتا ہے والری
اور الیگا ڈوکی کا کردگی معلوم کرنے کے لیے ان کو کال کیا گیا ہو... اور
جواب نہ پا کر امی جو نے کوئی کاغذ بھیج دیا ہو۔

میں نے اس کی گردن سے نال مٹائی اور سرک کر نیچے لیٹ گیا۔
پھر اپنے اوپر اوشن کا اور کوٹ پھیلا لیا۔ اوشن کی ذات چونکہ اندھیرے
میں تھی اس لیے کوئی رائے قائم کرنا حماقت ہی تھی۔ لہذا میں خود کو
ہر خطرے سے نشتے کے لیے تیار کرنے لگا۔ سب سے پہلے میں نے مخالفت
سمت کا دروازہ فوراً کھل جانے کے قابل بنایا... اور پھر فاضل کلپ
پتھن کی پچھلی جیبوں میں سے نکال کر، بشرٹ کی جیبوں میں رکھ
لیے۔ "ہوشیار..." اوشن نے کاشن دیا، گاڑی ترچھی کر دی گئی ہے...
دائیں طرف جھانپاں ہیں اور بائیں طرف کھائی ہے۔ میں نکل جانے
کی کوشش کروں گا۔ سیٹ پر خود کو اچھی طرح چھپا لو۔ وہ تعداد میں
شاید دو ہیں۔ اوشن تبھو کرنے لگا۔ ایک سامنے آگیا ہے اور دوسرا
جھاریوں کی اوٹ میں جا چھپا ہے... اب فرار ہونے میں خطرہ ہے۔ وہ
برسٹ مار کر گاڑی ناکارہ کر دیں گے۔

"نیکل چلو، انکل اوشن! میں نے مدد ملے ہیں اُسے حکم دیا۔
"خاموش رہو۔" اس نے بھی سرد آواز میں مجھے حکم دیا۔
چند لمحوں بعد گاڑی ایک جھنگ سے رُک گئی اور ساتھ ہی اوشن
کی سفاک اور گونجتی ہوئی آواز ابھری۔ "راستہ چھوڑ دو۔ میری بیوی
کو فوری طبی امداد دیکار ہے۔ وہ مر رہی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے، جناب! کسی کی بھڑائی ہوئی آواز سنائی
دی۔ کیا میں ایک نظر خاتون کو دیکھ سکتا ہوں؟"

"نہیں..." اوشن دھانا۔ "ہٹ جاؤ۔" احمقانہ باتیں نہ
وہ رچی کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ تب ہی میں نے آواز کو سمجھ
کر یکجا کیا اور پھر میرے حلق سے کسی دھکی عورت جیسی سسکاہٹ
گئی۔ "ہٹ جاؤ... انسانیت کے نام پر ہٹ جاؤ۔" اوشن پھٹ
"بہرو..." آواز قدرے دُور ہو گئی۔ "گاڑی ایک طرف
میں آپ کی بیوی کے لیے دعا کرتا ہوں، جناب! خدا، آپ کو چپ
ساجد دے۔"

میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ساتھ ہی اوشن جیسے مہربان
کو دعائیں دینے لگا۔ اوشن نے گاڑی آگے بڑھائی تو ایک منٹ
میں نے کوٹ پر سے پھینک دیا اور کہنیوں کے بل اٹھ کر پچھلے
سے دیکھنے لگا۔ وہ لوگ بھی چل پڑے تھے۔ گاڑی کی سرخ روشنی
اچھلتی کودتی دور ہوتی جا رہی تھیں۔

"شکریہ، انکل!" میں نے ممنون لہجے میں کہا۔ "سلامتی
شے ہوتی ہے۔ سلامتی کی خاطر، میں گستاخی کا مرتکب ہوا تھا...
معاف نہیں..."

"فصل اول مذاکرہ اور اختیار نہ کرو، لڑکے!" اوشن نے بالکل بد
ہوئے لہجے میں کہا۔ اب میرے سامنے وہ فطاسپا اور چنڈا اوشن
تھا جو ایک آواز لڑکی کے سامنے بھیجے ہوئے کاغذ کی طرح پڑھ گیا تھا
بلاشبہ وہ قوی حوصلہ اور ذہین شخص تھا۔ جس طرح اس نے راستہ
والوں کو ہٹا کر مجھے بچایا تھا، وہ اس کی ذہانت اور اعلا ہمتی کا ثبوت
"کیا سڑیکی گھر جاؤ گے؟"

"نہیں، انکل!" میں نے گہری سانس لے کر اسے متاثر کر
چاہا۔ "میرا اس سے اتنا ہی تعلق رہا ہے جس قدر تم سے ہے۔"
اوشن نے موٹی گردن کے باوجود، پھرتی سے گردن گھما کر مجھے دیکھ
"وضاحت کرو۔" اس کی آواز میں کڑخی آگئی۔ وہ ہر لحظہ خود کو بے نفع
کرنے لگا تھا۔

"اگر کوئی مجھے اس کار سے اترتے دیکھے گا تو میرا تعلق اوشن
سے جوڑے گا۔" میں نے کہا۔ حالانکہ ہمارے تعلق کی بنیاد خوش گوار نہیں
بالکل اسی طرح میں ایک لڑکی کو اسٹین گن کی زد پر وہاں لے گیا تھا۔
"وہاں جانے اور پھر وہاں سے ادھر لوٹ آنے کی وجہ بتاؤ گے"
"اپنے دشمن سے پیچھا چھڑانا تھا۔"
"ہاں... اب کہاں جاؤ گے؟"

"شکاری کتوں کے منہ سے بچ نکلنے والے خرگوش کا کوئی ٹھکانہ
ہوتا، انکل!" میں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ کوئی بھی گھنی جھاڑی
اس کی جائے پناہ بن جاتی ہے۔

"میری پھت اور دیواروں پر بھروسہ کرو گے؟"
"ذات کے لیے، انکل..." میں نے نذر دے کر کہا۔ "اصل پناہ
خود ذات کا بھروسہ ہوتی ہے۔"

"تم اپنی ٹکڑے بڑی باتیں کر رہے ہو۔" اوشن نے نرم آواز میں کہا۔
"او، ایک رات کسی نے مجھے کے حوالے کرتے ہیں۔ جو کچھ تم بظاہر ہو
اور جتنا کچھ میں تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہوں، اگر تم نے ایک دوسرے
کو پہچان لیا تو یہ ہم دونوں کے لیے ایک نیا تجربہ ہوگا۔ میں اپنے تجربات
آزمائوں گا اور تمہارے لیے بھی اس بات کا تجربہ مستقبل کی روشنی کے
تساؤف ہوگا۔"

وہ فلسفے اور انسانی جبلتوں کی باتیں کرتا رہا اور میں چپ چاپ
سناتا گیا۔ میں نے بھی اندھیرے میں پھلانگ لگنے کا اندھا فیصلہ کر لیا تھا۔
یونکہ باہر میرا کوئی گھر، کوئی ہمدرد اور سہارا نہیں تھا۔ اس شہر کی سڑکیں
اور گلیاں قاتل تھیں اور میں اپنے قاتلوں سے دور رہی رہنا چاہتا تھا۔
میرے لیے کسی پارک کا ٹھوس شیخ اور اوشن کی اجنبی ذات دونوں ہی
مبار تھے۔ گوماضی کے تلخ تجربات نے ہر سہارے کو خود غرض اور ناپائدار
حیثیت کر دیا تھا پھر بھی زندگی کے لیے کسی نہ کسی کا سہارا ناگزیر تھا۔

شہر کی روشنیاں ابھی دور ہی تھیں کہ اوشن نے بڑی سڑک
سے گاڑی دائیں بائیں ایک دم مٹنے والی تنگ سڑک پر اتار دی۔ دونوں
حرف درخوں کے جھنڈے اور تنگ سڑک اس جھنڈے میں ایک نیم تار ایک
سڑنگ دکھائی دے رہی تھی۔ اس سڑنگ میں تین چار کو میٹر چلنے کے بعد
"او، ایک بار پھر چاندنی میں نکل آئی تھی اور آگے بائیں جانب آبادی شروع
ہو گئی تھی۔ قطار میں یکساں فاصلے پر فلیٹوں کا سلسلہ دور تک دکھائی دے
رہا تھا۔"

اس نے ایک فلیٹ کے سامنے کار روک دی اور پلٹ کر میری
طرف دیکھنے لگا۔ "یہ لو، کارڈ" اس نے کہا۔ "فلیٹ، تمہیں تیسری منزل
پر پہنچا دے گی۔ کال بیل کے جواب میں جو بھی آئے، اُسے یہ کارڈ...
دے دینا۔"

میں نے بے چوں و چرا کارڈ لے لیا اور دروازہ کھولنے لگا۔
"سنو، اُسے مت بتانا کہ میں یہاں آکر واپس گیا ہوں... اب
"خفاقات ہوگی۔" جو نہیں میں باہر نکلا، اوشن نے کارڈ آگے بڑھادی اور
میں کندھے پر کراہین لٹکی کر طرف چل پڑا۔

مطلوبہ بین دیوار میں جتنی بھی روشنی دیکھنے لگا، جو نہیں فلیٹ
کی آغوش دا ہوئی، میں اندر چلا گیا اور اوشن کھوٹے کو انگلی کے اشارے
سے منزل بتادی۔ فلیٹ سے نکل کر پہلی بار میں نے سفارشی کارڈ دیکھا
وہ میرے لمبوں پر حیرت آمیز مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"نیک اوشن مینجنگ ڈائریکٹر یا گوجی کارپوریشن"
مجھے مطلوبہ دروازہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی، برقی
بٹن دباتے ہی اندر سے گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ آدھے منٹ بعد
تالے میں چابی گھونٹنے اور پھر بھری پیدا ہونے کی آواز آئی۔
"جو شو..." بھری سے نفرتی گھنٹی کا سا ترنم سنائی دیا۔
"مم... مم... میں..." میرے حلق سے خرخرات جڑھائی ہی
پر دم توڑ گئی۔

"کون ہے؟" مٹھاس میں ترشی کا ذائقہ نمایاں ہو گیا... اور
میں نے بھری سے کارڈ اندر کر دیا۔ بھری کا خلا کچھ فرائح ہو گیا اور دو
روشن آنکھیں اور انگارہ سے ہونٹ نمودار ہوئے۔
"مسٹر اوشن گھر تشریف نہیں رکھتے۔" آواز میں پھر وہی چپک
اور خیر سنی گھل گئی تھی۔

"اوہ..." میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "میری ملاقات بے حد
ضروری ہے۔ مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ بہر صورت انتظار کروں۔"
دروازہ پورا کھول کر وہ سراپا قمر پورے چاند کی طرح سامنے
آگئی۔ اس کے جسم پر سیاہ دھاریوں والا ریشتی گاؤن بے ترتیبی سے
تھول رہا تھا۔ "آپ کہاں مقیم ہیں؟"

میں نے نگاہیں چڑا کر پھر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں اس شہر میں
اجنبی ہوں۔"

"اوہ..." وہ جلدی سے ایک طرف ہو گئی۔ "پھر تو مجھوری ہوئی
اندرا آجاؤ۔"

غصہ سی راہداری میں نے ادھر ادھر دیکھے بغیر طے کی اور پوچھل
پر وہ اٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں ایک پلنگ، چند کرسیاں
اور ایک سنگردان قسم کی کوئی شے تھی۔ فرش پر پرانی میٹ تھی کہیں
جس قدر حسین تھا سقام اسی قدر افلاس اور بے توجہی کا مظہر تھا...
میرا ذہن تضاد اور نا انصافی کے جوازیں اُلجھ گیا تھا۔ میں کسی روپوٹ
کے انداز میں چلتا، ایک گرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ، میرے قریب ہی کھڑی
تھی۔ میں صرف اس کے سنگ مہر کے پاؤں دیکھ رہا تھا۔
"کس شہر سے آئے ہو؟" وہ، میرے قریب سے گزرتی ہوئی،
پلنگ پر جا بیٹھی۔

"مسٹر اوشن صبح آئیں گے نا؟" میں نے ایسے کہا جیسے اپنی کسی
پریشانی میں اس کی آواز ہی نہ سنی ہو۔ جواب گول کرنے کی مجبوری میرے
ساتھ یہ تھی کہ میں کسی شہر کا نام نہیں جانتا تھا لیکن یہ بھی یقین تھا کہ
وہ اپنا سوال پھر دہرائے گی۔

"ہاں، اُسے آنا تو چاہیے۔" وہ بولی۔ "یہ کارڈ تو تھیں کب اور کہاں دیا گیا تھا؟"

"مسنر... میں نے کبنا چاہا۔"

"صرف مونیکا... البتہ تم احتراماً مادام لگا سکتے ہو۔"

"مادام... کیا آپ اپنے سوالوں کو مسٹر اوشن کی آمد تک ملتوی نہ کر سکیں گی؟"

"اوہ... اُس کے خوبصورت ہونٹ مسکرتے... پھر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ ایسے ہی جیسے فرش پر سکتے گر رہے ہوں۔" سوال تو اس کے جاسکتے ہیں مگر یہ شرط تکلیف دہ بھی ہو سکتی ہے۔ تم ہر بات صبح تک ملتے رہو گے۔"

"در اصل مادام... میں نے خود پر مذمت طاری کرتے ہوئے کہا۔"

"انسان پر پریشانی، تھکاوٹ اور جھجک کی نقاہت طاری ہو تو اُسے دنیا کی ہر شے بے کیف اور اجڑی اجڑی لگتی ہے۔"

"جھجک اور تھکاوٹ تو دور ہو سکتی ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"البتہ تمہاری پریشانی اوشن ہی دور کر سکتا ہے۔" او، میرے ساتھ۔"

"کچن بھی بے سرو سامانی کا شکار تھا۔ مونیکا نے ایک دلا زکھولی اور اندر سے جام کی آدھی بوتل اور بریڈ کے چند ٹکڑے نکالے۔ "چلو، شروع کرو۔" وہ پلیٹ میں رکھے ٹکڑوں پر جام اُٹھاتے ہوئے بولی۔ "میں کافی تیار کرتی ہوں۔"

"بانی کدھر ہے؟" میں نے خشک حلق کو تر کرنا ضروری سمجھا تھا اور نہ منو کھے ہوئے ٹکڑے نیچے نہ اترتے۔ مونیکا نے پھر وہی دلا زکھولی اور پلاسٹک کی ایک بوتل نکال کر اُسے کھولنے لگی۔

"میں حیران ہوں۔ اُس نے تمہیں یہاں کا ایڈریس کیسے دے دیا؟"

"یہاں صرف وہی آتا ہے۔"

"حالانکہ چند لمحے قبل آپ کو کسی جوشو نامی شخص کا انتظار تھا۔" میں نے کہا۔

"وہ بڑی طرح چونکی تھی اور اُس کے ہاتھ سے بوتل گر پڑی۔ چند ثانیے وہ مجھے غور دیتی رہی پھر گہری سانس کے ساتھ بولی۔ "ہاں، مجھے اُس کا انتظار تھا۔" وہ فرش پر پھری ہوئی شکر صاف کرنے لگی۔ "اب بھی انتظار ہے... مگر یہ عجیب زندگی ہے، اجنبی جہان، جس کا انتظار ہوتا ہے، وہ نہیں آتا... لیکن تم، اوشن کے سامنے جوشو کا نام نہیں لو گے۔ میں نہیں چاہتی کہ جوشو کا حوالہ مجھ سے اوشن کی ہمدردیاں اور یہ چھت بھی پھینک لے۔" ہاں، کیا نام ہے تمہارا؟"

"کلینو۔" میں نے بے دھڑک فرضی نام بتا دیا۔ میں بد نصیب

خرم چودھری کو نئے نام کے خول میں چھپا دینا چاہتا تھا۔

"مسنر کلینو، کیا میں یقین کر لوں کہ تم میری پریشانیوں میں اضافہ نہ کرو گے؟"

"آپ مجھ پر مکمل بھروسہ کر سکتی ہیں، مادام؟"

"شکریہ... بہت بہت شکریہ! یہ کہہ کر وہ مسکراتے لگی۔"

"افسوس ہے کہ کافی اور پانی کے بوا، میرے پاس پینے کی کوئی اور شے نہیں ہے۔"

"میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور جرمہ جرمہ کافی حلق میں اُٹھ رہا۔ چند لمحے کمرے پر گہرا اور ہولناک سکوت طاری رہا... پھر اس سکوت میں کال بیل کا بزر بزرے زور سے چیخا... اور مونیکا، مجھے نظر انداز کرتی کمرے سے نکل گئی۔ میرے لیے آنے والا خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ اس میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر جبب میں رینگ گیا۔"

"قدوں کی چاپ اور تیز تر پھر جوش مرگوشیاں سن کر میں نے جوشو سے ریوالت نکال لیا اور اُس کا رخ دروازے کی طرف کر دیا... لیکن اس کے ساتھ ایک دہلی پتلی حیدرہ کو دیکھ کر میرے جسم کا تناؤ ایک دم ختم ہو گیا۔ لڑکی کا چہرہ اور آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ وہ میری ہی طرف دیکھ رہی تھیں۔"

"یقیناً مونیکا نے اُسے میرے بارے میں بتا دیا تھا۔"

"ہیلو، مسٹر کلینو..." اُس نے خوش دلی سے میری طرف نرم و نازک ہاتھ بڑھایا۔

"میں نے اُسے کراؤس کے ہاتھ کو ایسے ہی تمام لیا جیسے کاغذ کی نازک شے تمام رہا ہوں۔"

"اگر تم نہ آتیں، میں تو بالوس ہوتی ہی لیکن یہ نوجوان بھی غلط فہمیاں لے کر جاتا۔ میں نے اس کی آمد پر تمہارا نام لیا تھا۔"

"میں نے چونک کر مونیکا کو دیکھا۔"

"ہاں، کلینو... یہی جوشو ہے جس کا مجھے انتظار تھا۔"

"بتایا۔" اب براہ مہربانی، تم یہاں پلنگ پر سو جاؤ۔ ہم، کچن میں مسائل پر باتیں کرنے جا رہی ہیں۔ اوشن کی آمد سے قبل جوشو کو یہاں سے نکل جانا ہو گا۔ او، جوشو! مونیکا نے لڑکی کو تقریباً لپٹ لیا... اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"میں نے کافی کا آخری گھونٹ لیا اور خالی مگ لے کر دروازے کی طرف چل پڑا... اس کمرے اور کچن کے درمیان ایک چھوٹا سا سٹیل کمرہ تھا جس میں روشنی کچن اور خواب گاہ سے آتی تھی۔ اس کمرے میں جو بلب ٹنگ رہا تھا، فیوز تھا یا مونیکا نے اسے نہیں تھکے کچن کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دروازے کی ایک درز سے آنکھ لگا دی۔"

مونیکا، چوہے کے قریب سینٹ کے تھڑے پر الٹی پالٹی مارے

دیوار سے پشت لگنے بیٹھی تھی اور جوشو، میری طرف پشت کیے،

ایک چوکی پر براجمان تھی۔

"گوجی، تمہیں دیکھ کر متعجب تو ہوا ہو گا؟" مونیکا نے پوچھا۔

"شاید ہوا ہو۔" جوشو نے بتایا۔ "لیکن تم جانتی ہو، وہ ایک اچھا فنکار ہے۔ اُس نے بالکل اجنبی انداز میں میری طرف دیکھا تھا۔ البتہ میں نے آنکھ کے اشارے سے اُسے تمہارا پیغام دے دیا تھا۔"

"اُس بُڑھے کو شک تو نہیں گزرا؟ میں تمہارے لیے بے حد فکر مند تھی، اگر اُسے ذرا سا شبہ ہو گیا تو وہ، تمہیں بھی ایک اہم کارڈ کے طور پر استعمال کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔"

"نہیں،" باروے نے بھی بڑی جان دار اداکاری کی تھی۔ "جوشو بتانے لگی۔ "بُڑھے جوشو نے جب مجھے ایک شاہکار قرار دیا تو باروے نے جھجک کر اُس کی جوہر شناسی کی واو دی تھی۔"

"جوشو کی زبان سے جو کا نام سن کر میرے ذہن میں جھکڑے چھنے لگے تھے۔"

"میں تمہیں یہی بتانے آئی ہوں، مونیکا! میں تمہارے گوجی کو بہت جلد وہاں سے نکال لوں گی۔"

"تم اور باروے جو کچھ میری خاطر کر رہے ہو، مونیکا کی آواز شدت غم سے بھر جھرنے لگی۔ "میں حیران ہوں کہ تم دونوں کس دنیا کے انسان ہو؟ کون

اسی بڑی قربانی دے سکتا ہے کبھی کبھی میں سوچتی ہوں، گوجی کی زندگی اور مونیکا کا سہاگ اس قدر قیمتی تو نہیں جس قدر اُس کی قیمت ادا کی جا رہی ہے۔"

"نہیں، مونیکا! جوشو بولی۔ "تم بہاری محسنہ ہو۔ تمہارا سہاگ بچانا، میرے فرائض میں شامل ہو چکا ہے۔" ہاں، مونیکا، تم ایک عظیم

عورت ہو۔ تم نے اپنی محبت اور نلاد گوجی کے لیے میرے ڈیڈی کی دولت کو بایہ حقارت سے ٹھکرا دیا ہے۔ یہ تمہارا احسان ہے، مونیکا..."

"میں نے غافلانہ اور سری ماں پر احسان عظیم... میں ایک طرح خود غرض ہوں۔ میں تمہاری محبت نہیں بلکہ اپنی ماں کا سہاگ اور غافلانہ کا وقار بچا رہی ہوں۔ فرض پر توجہ نہ دینا بھی قربان کیا جائے، کم ہی ہوتا ہے۔ یہی نقطہ

میں نے باروے کو بھی سمجھا دیا تھا۔ شکریہ باروے کی سوجوں کا بھی وہی رنگ ہے جو میرا ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے جوشو؟" مونیکا نے پوچھا۔ "تمہاری سفارش

میری جو میرے گوجی کو چھوڑ دے گا؟"

"مجھے جو شک تھا، وہ شک مونیکا نے دور کر دیا تھا۔ میں وہ...

بد نصیب مسافر تھا جسے ہر سمت اور سمت نما ستارہ دھوکا دے کر ہر بار

ایسے راستے پر ڈال دیتا تھا جس کی منزل وہی ہوتی تھی جس سے دور ہونے

کے لیے میں سفر کا آغاز کرتا تھا۔ قسمت بار بار، مجھ سے ایک جیسا ہی

مذاق کرتی تھی، کوئی ان دیکھی قوت مجھ سے بلی پوچھے کا کھیل کھیل رہی تھی۔

میں نے دھواں دھواں ذہن کو پھر کجا کیا اور ان کی طرف توجہ نہ ہو گیا۔

جوشو بول رہی تھی۔

"... عین اُس لمحے جب می خواہی تمام معصوفیات پس پشت

ڈال کر اپنے محافطوں کو باہر جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ باروے بھی ہونٹ

چماتا ہوا، مجھے اُس کی مکروہ بانہوں میں چھوڑ کر جانے لگا تو ایک شخص

پا پٹتا ہوا اندر آیا۔

"چیف، والری اور ایگنا دو غائب ہیں۔"

"کیا بکتے ہو؟" می جو حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ "اور وہ سُر؟"

"چیف، وہاں سے ہم ایک لڑکی ساتھ لائے ہیں... مسٹر اوشن

کی مجبور ہے۔"

"میں لڑکی نہیں لڑکا چاہتا ہوں۔" می جوشو نے چیخ کر کہا۔ "مجھے

بتاؤ، وہ لڑکا کہاں ہے؟"

"چیف... لڑکی کا بیان ہے ایک لڑکا، ریوالتور کے ساتھ...

مسٹر اوشن کے ساتھ وہاں سے نکل گیا تھا۔"

"می جوشو نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا ہی تھا کہ ایک شخص

نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اُس نے ایک لڑکی کو جکڑ رکھا تھا جو

اُسے کاٹ اور نوج کھسوٹ رہی تھی۔ "اسے اندر پھینک دو۔" می جوشو

نے حکم دیا اور لڑکی اُس کے قدموں میں آن گری۔ "کیا یہ وہی لڑکی ہے؟"

"ی جوشو نے پوچھا... اور لڑکی کسی زخمی ناگن کی طرح چٹکارتی ہوئی سی جو پر...

چھٹ پڑی۔"

"نہیں، چیف...، محافظ کی ٹھوک سے جب لڑکی کو ابھی ہوئی دور

جا گری تو اُس نے بتایا۔ "یہ کوئی دوسری لڑکی ہے۔"

"یہ کون ہے، جوشو؟" می جوشو نے پوچھا۔

"یہ خرم چودھری کی مجبور ہے، چیف! اسی نے آخری لمحے سارا کھیل

لگا دیا تھا۔"

"وہیں... اسے حراست میں رکھا جائے، می جوشو کھڑا ہوا...

جوشو اگل آنا، وہ میری طرف گھوما اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔"

جوشو کی آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس

ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گہرے کنویں میں بیٹھی بول رہی ہو۔ عابدہ کے

متعلق جو کچھ میں نے سنا تھا، وہ میرے لیے ناقابل برداشت تھا۔ میرا ذہن

ناکارہ انجمن کی طرح سوں سوں کرتا بند ہو گیا... پھر نہ جانے کب اور کیسے

میرا دایاں ہاتھ دروازے سے ٹکرا گیا۔ کھٹکا ہوتے ہی مونیکا نے چیخ کر پوچھا۔
 "کون ہے؟ کھینو..."
 اس سے قبل کہ مونیکا آتی اور مجھ سے سوال کرتی، میں دروازہ کھول کر کہن میں داخل ہو گیا۔ مونیکا پہلے تو خشک نگاہوں سے گھورتی رہی پھر یکایک اس کا چہرہ چاند رات کا صحن بن گیا۔ جوشو کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔
 "کیا بات ہے، کھینو؟ تم سوئے نہیں؟" مونیکا نے نرم آواز میں پوچھا۔ "دیکھو، ہم ضروری باتیں کر رہی ہیں۔ تم آرام کرو۔"
 "معزز خواتین!" میں نے دروازہ بند کر کے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ایک حیران کن خبر سنانا چاہتا ہوں لیکن پہلے میرے چند سوالوں کے جواب دو۔"
 "کیا کہنا چاہتے ہو، مسٹر؟" مونیکا اچھل کر پہلے اکڑوں بیٹھی... پھر کھڑی ہو کر میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ "جاؤ، پلٹ جاؤ۔" وہ ہاتھ اٹھا کر غرائز آئی۔
 "گوچی کون ہے؟" میں نے سرد آواز میں سوال کیا۔
 "اوہ... تو تم...؟"
 "ہاں" میں سب کچھ سن چکا ہوں۔ میں نے دیوالور کو لہراتے ہوئے کہا۔ "اور اُسے می جوئے کیوں حراست میں لے رکھا ہے؟"
 "بڑے! غیر ضروری معاملات میں نہ الجھو۔ یہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہے۔"
 "شہر و، مونو! جوشو، میری طرف گھومتے ہوئے بولی۔ "ہاں"
 "کھینو! تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟"
 "اس لیے کہ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"
 "اوہ..." مونیکا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "شکریہ، پیارے کھینو! بہت بہت شکریہ!"
 "لیکن تم ہماری مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟" جوشو نے شہری ہوئی آواز میں پوچھا۔
 "حاصل بات یہ ہے کہ ملازم کی ہم شکل میری ایک بہن تھی۔" میں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اُسے بھی ایک سفاک قاتل نے پہلے بونگی کا داغ دیا اور پھر قتل کر دیا۔"
 "اوہ..." جوشو ہونٹ سیکر کر رہ گئی۔
 "پیارے بھائی..." مونیکا نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھوں کو تھپ تھپایا۔ "مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ میں تم جیسے بھائی کی کسی بہن کی ہم شکل ہوں اور میں تمہارا دکھ بھی محسوس کر رہی ہوں۔"
 "معاذ میرے ہیٹ پر دھماکا خیز چوٹ لگی اور میں کراہتا ہوا جھک گیا۔ دیوالور میرے ہاتھ سے پھوٹ کر دوڑ جاگرا۔ مونیکا نے کراٹے کی ضرب

لگا کر مجھے لحظہ بھر کے لیے ناکارہ بنا دیا تھا۔ اس میں شک و شبہ کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی کہ مونیکا میری کچی اداکاری کو بھانپ گئی تھی۔
 "ہاں! اب بولو..." مونیکا نے میرا دیوالور اٹھا کر میری گردن سے لگا کر بولی۔ "جوشو! دیکھو... بچے کے دودھ کے دانت کتنے گئے ہیں؟"
 "مونو..." جوشو، میرے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ دیوالور ہٹاؤ۔ اسے کچھ بتانے دو۔ ہو سکتا ہے اس کے پاس جواب لیے کوئی اچھی خبر ہو۔"
 میں، گھٹنوں پر ہتھیلیاں ٹیک کر آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔ جوشو، کراٹے کی یقیناً ماہر رہی ہوگی مگر عورت کی فطری کمزوری بھی اس کے ساتھ تھی۔ عورت اپنی جیت کی خوشی میں کچھ اس قدر بھول جاتی کہ خود کو متوازن نہیں رکھ سکتی۔ یہی حاقق مونیکا سے بھی سرزد ہوا تھا۔ سانس نے مجھے گرا کر رہنے لیا تھا کہ جوشو چلے تے ہیں وہ پھر کبھی نہیں اٹھ سکتے... حالانکہ داناؤں کا قول ہے کہ جوشو جہاں گرتا ہے، اُسے وہاں سے اٹھنا ہوتا ہے۔ میں نے گھٹنوں پر وزن ڈال کر، مونیکا کو یہی بتا دیا کہ اٹھنے کی ناکام کوشش کر رہا ہوں۔ جبکہ میں آہستہ آہستہ جسم کو تھپ کر رہا تھا۔
 "مونو! ٹیلیز..." جوشو بولی۔ "دیوالور کو ادھر پھینکو اور اسے سنبھالنے میں میری مدد کرو۔ دیکھو، تمہاری وجہ سے ایک شریف آدمی تکلیف میں مبتلا ہے۔"
 جوشو نے میری بغلوں میں ہاتھ ڈالے تو میں نے برق رفتاری سے دونوں ہاتھ جوشو کے جسم سے دائیں بائیں آگے بٹھا دیے۔ دوسرے لمحے چیختی ہوئی الٹ گئی اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جوشو بھی بوکھلاہٹ میں پڑ گیا۔
 "جا پڑی تھی۔ میں اُسے پھلانگتا ہوا اپنے دیوالور پر بھینچا اور اُسے اٹھا کر دوڑ گیا..." "سنو، مسٹر! مونیکا سپاٹ آواز میں بولی: "اگر تم نے بستر کے ساتھ "ہاروے..." جوشو نے قہقہہ لگایا۔ "وہ احمق نوجوان مجھے چاہتا ہے۔ میں تو اُسے پسند نہیں کرتی۔ وہ تمہاری اور ماما کی مجبوری کی پیدائش تو اُسے چھوڑ دو گی؟" مونیکا نے جھرجھرتے ہوئے میں پوچھا۔
 "کیسی احمقانہ باتیں کرتی ہو، مونو! جوشو نا خوشگوار ہے۔"
 بولی۔ "وہ میرا کون ہے؟ صرف ایک فردیت! ایک مہرہ، اُس کی جگہ اگر سونے کی ڈلی مل گئی ہے تو کیا یہ سراسر حاقق نہ ہوگی کہ پتھر کے لیے سونے کو چھوڑ دیا جائے... اور ہاروے کو صرف میرے جسم سے پیار ہے۔ اگر کے دل میں محبت کی شمع روشن ہوتی تو وہ اپنی محبوبہ کو می جوگی بھینٹ دیتا۔ پھر گزرتا رہتا۔ وہ تو صرف می جوگا ایک کتاب ہے، مونو! اور ایسے کتوں

نرم جیسا بانڈا دلیر نوجوان بہر صورت! ایک قابل قبول دوست ہے۔"
 مونیکا کے تیر خطناک حد تک بگڑے ہوئے تھے لیکن اُس نے ہونٹوں پر قہقہہ لگایا تھا۔ جوشو، میرا ہاتھ تھامے مجھے گھسیٹ رہی تھی۔ مونیکا باہر لفٹ تک ہمارے ساتھ آئی تھی۔ جب جوشو نے مجھے لفٹ کی کھسی آغوش میں دھکیلا تو میں نے ناگن کی سی پھنکار سنی۔ مونیکا نے کسی اجنبی زبان میں جوشو سے کچھ کہا تھا اور پھر اُس کے جواب میں جوشو بھی چیختی تھی۔ لفٹ کے پٹ بل گئے اور میں نے بھری میں سے جھانک کر دیکھا... مونیکا دوڑتی ہوئی دائیں سمت والی راہ داری میں جا رہی تھی۔
 جوشو کی ٹو سیٹر کار بھی اُسی کی طرح نازک تھی لیکن مزاج میں ویسی نہ تھی۔ کیونکہ اساتھ ہونے تک کوئی پچاس قدم دھکیلتی پڑی تھی۔ چلنے میں بھی بہت سست رفتار تھی۔
 "کیا تم یہ نہ بتاؤ گی...؟" طویل خاموشی سے گھر کر میں نے پوچھا۔
 "... یہ گوچی، مونیکا، اوشن اور می جوگا کیا چکر ہے؟"
 "وہی مرد اور عورت کا چکر۔" جوشو نے قہقہہ لگایا۔ "گوچی، میرے ڈیڈی کا پرائیویٹ سیکرٹری ہے اور مونیکا، اُس کی بیوی... کسی تقریب میں مونیکا نے مردانہ شہر کے ہاس کو مسکراہٹ کا تحفہ دے دیا اور اس کے ساتھ ہی گوچی کی قسمت کا ستارہ گردش میں آ گیا۔ مجھے، گوچی اور مونیکا سے کوئی ہمدردی نہیں، جہنم میں جائیں۔ مجھے تو اپنی ماں کو بچانا ہے۔ اگر گوچی نے می جو کے تشدد کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تو ڈیڈی، مونیکا سے شادی کر لیں گے۔"
 "مسٹر اوشن اور می جو میں کیا تعلق ہے؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔
 "ہوگا کوئی... ویسے ماما سے سنا ہے کہ می جو کبھی ڈیڈی کا پاس رہا ہے۔" جوشو نے بتایا۔ "اب دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔"
 "ہاروے کون ہے؟"
 "میرا خدیلانی اور می جو کا ایک کتا۔ میں نے گوچی کی خاطر اُسے لفٹ دی تھی۔"
 "اگر میری وجہ سے وہ بدگ گیا تو کیا نقصان وہ ثابت نہ ہوگا؟"
 "میں پہلے اُس کے نوکیلے دانت توڑوں گی۔" جوشو ہنسنے ہوئے بولی۔ "کل کسی وقت میں اُسے گھیر لوں گی اور وہ میرے پیچھے ہاتھ لگنے کی طرح دم ہلاتا چلا آئے گا... پھر تم، اُسے سنبھال لو گے نا؟"
 "ہاں... اگر تم عابدہ کو آزاد کرو لو تو میں، ہاروے سے کہیں زیادہ ونا دار ثابت ہو سکتا ہوں۔"
 "ایک شرط پر..."
 "بولو..."
 "میں، می جو سے عابدہ کو پتھر لاؤں گی اور تم ایک ماہ کے لیے

اپنا آپ، میرے حوالے کر دو گے۔"
 "لیکن ایک شرط میری بھی ہوگی۔"
 "میں، وہ شرط سننے بغیر قبول کرتی ہوں۔"
 "تکمیل معاہدہ تک ہم صرف دوست رہیں گے۔"
 جوشو نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "ٹھیک ہے، میں محنت پر یقین رکھتی ہوں۔ محنت سے حاصل کیا ہوا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔"
 میں نے اطمینان کی سانس لی۔ شہر گ پر رکھی ہوئی چھری کچھ دیر کے لیے ہٹ گئی تھی اور جو وقت مجھے ملا تھا، اس میں بہت کچھ کیا جا سکتا تھا۔ جو معلومات میں حاصل کرنا چاہتا تھا، وہ کر چکا تھا۔
 ایک سات منزلہ طویل عمارت کے سامنے، کار گ گئی اور اُس کا انجن آخری ہچکی لے کر خاموش ہو گیا۔ جوشو نے مجھے اترنے کا اشارہ کرتے ہوئے، انٹیشن سے چابی نکال لی۔ سرنخ روشنی کے جھمکے، کار کی فڈ اسکرین پر روشنی پھینک رہے تھے۔ میں نے سامنے دیکھا۔ کچھ فاصلے پر ایک بلند بالا عمارت کی پیشانی پر رکھوور ہوٹل کا نیون سائن تو اتر کے ساتھ پلکیں بھپکا رہا تھا۔
 کار کے دروازے مقفل کرنے کے بعد وہ مجھے نظر انداز کرتی ہوئی چل پڑی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بے چاری کا خیار ٹوٹ گیا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ اب اُسے میری ضرورت تو نہ تھی مگر میں تو... ضرورت مند تھا۔ اُس کے گھر کی چھت اور اُس کی ذات کی آڑ، میرے لیے ناگزیر ہو گئی تھی۔
 لفٹ میں داخل ہوتے وقت بھی اُس کی سر دھری برقرار رہی تھی۔ اگر میں ذرا سی بھی تاخیر کرتا تو لفٹ کا دروازہ بند ہو جاتا۔ ہلے کوارڈل سے رگڑ کھاتا، میں لفٹ میں داخل ہو گیا۔ لفٹ دوسری منزل پر رُک گئی۔ جس میں قیسرا فلیٹ، اُس کا تھا۔
 فلیٹ میں داخل ہو کر، اُس نے پرس ایک صوفے پر اچھال دیا۔ اور خود ہاتھ روم میں چلی گئی۔ میں گلاز قالین پر کھڑا، جدید فرنیچر سے آراستہ کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ جب وہ باہر آئی تو اس کے جسم پر ایک سیاہ گاؤن تھا... اور یہ گاؤن یقیناً اُس نے خود کو چھپانے کے لیے نہیں بلکہ عیاں کرنے کے لیے پہنا تھا۔
 "تمہارے لیے ڈیڈی کی خواب گاہ مناسب رہے گی۔" اُس نے میرے چہرے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا... "کیا تمہارے ساتھ کبھی ایسا حادثہ پیش آیا کہ تم کسی خوشی کے انتظار میں زندگی کی فٹ پاتھ پر کھڑے ہو اور وہی خوشی کسی دوسرے کو پہنوں دے دے؟ تمہارے قریب سے گزر گئی ہو؟" وہ کسی ماہر شکاری کی طرح مجھے باتوں اور دلائل میں الجھا کر

اپنے جال میں پھانس رہی تھی... لیکن میں ایسا تجربہ کار اور بدکار ہوا
شکار تھا جو کئی شکاریوں کو بیل دے کر یہاں تک پہنچا تھا... میری
نگاہیں جال پر تھیں اور میں جانتا تھا کہ اگر میں نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا
تو اس جال کے تانے بانے میری روح میں ہیوست ہو جائیں گے۔
اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی... اور جو شو پھاڑ کھانے
ولے انداز میں اس کی طرف بڑھی۔ "ہیلو... ہیلو... کون ہے؟" "ہو۔"
جو شو نے پہنچ کر پوچھا پھر ریسور کرڈیل پر پہنچ دیا۔ "کم بخت سنگ دہی
ہے۔" اس نے دانت کچکھائے۔

"کون...؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"وہی تھی، مونیکا..." جو شو بولی۔ "اس نے سوچا ہوگا کہ جو شو
کے خوبصورت لمحوں کو غارت کر دوں... اؤ نہہ!"
اچانک میری چٹھی جس بیدار ہو گئی اور میرے ذہن میں خطرے
کی گھنٹیاں بجے لگیں۔ مونیکا کی باتیں، اس کا رویہ اور آخری وقت
اس کا کسی طرف دوڑتے ہوئے جاننا، یہ سب باتیں پہنچ کر مجھے کسی
آنے والے خطرے سے آگاہ کر رہی تھیں۔

مونیکا بہر حال، اپنے شوہر کو وہاں سے آزاد کرانا چاہتی تھی لیکن
اس کے لیے جو طریقہ کار جو شو نے میری وجہ سے اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا
وہ، مونیکا کے نزدیک خطرناک تھا۔ جو شو واشگاف طور پر گوجی کی آزادی کو
پس پشت ڈال چکی تھی۔ اب اس کی تمام تر توجہ مجھے حاصل کرنے اور عابدہ
کی دہائی پر مرکوز دیکھ کر مونیکا کو کافی بھی قدم اٹھاسکتی تھی۔
میں نے اپنی پوری افرادی قوت، میری تلاش پر لگا رکھی تھی۔
اُسے جو شو اور عابدہ جیسی لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی... اگر مونیکا گوجی
کی دہائی کے عوض مجھے پیش کرتی تو میری ذات پر ہزار گوجیوں
کو قربان کر سکتا تھا۔

"کیا مونیکا براہ راست میری جوتے سے رابطہ قائم کر سکتی ہے؟" میں
نے پوچھا۔

"اوہ... جو شو اچھل پڑی۔ کیا تم اس لائن پر سوچ رہے ہو؟"
"میری بات کا جواب دو، جو شو: میں نے تیری سے پوچھا، جلدی"
"ہاں... وہ سہم گئی۔ لیکن میں جوتے ہاں آنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔
یہ اوشن کا گھر ہے۔"

"میں جا رہا ہوں اور تم کان کھول کر سن لو۔ اگر تم نے میری شانددی
کی تو میں کسی بھی جگہ تم سے دوبارہ ملاقات کر سکتا ہوں اور اس لمحے مجھے
تمہارے جسم میں بارود داخل کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ تم یہی بتاؤ
گی کہ خرم چودھری راستے ہی میں کہیں اتر گیا تھا۔"
"لیکن یہ ایک وہم بھی تو ہو سکتا ہے۔" جو شو نے کہا۔ "یہاں بھی

تم روپوش رہ سکتے ہو۔"

"نہیں، میں چوتھے دال میں بند ہونا پسند نہیں کروں گا۔" میں نے
پلٹ کر کہا اور تیزی کے ساتھ فلیٹ سے نکل آیا۔ لفٹ سے نکلنے کے
بعد میں نے احتیاطاً گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ مجھے یقین تھا کہ مونیکا نے میری
اور جو شو کی فلیٹ میں موجودگی کی تصدیق کے بعد، ادھر بتا دیا ہوگا کہ...
خرم چودھری وہاں پہنچ چکا ہے... اب وہ لوگ کئی آنکھوں کے ساتھ
دوسری بار مار کھانے نہیں آسکتے تھے... اس بار وہ مکمل منصوبہ بندی کے
ساتھ آئیں گے۔

اب تک میری جوتے کے پانچ آدمی میرے ہاتھوں ہلاک ہو چکے تھے۔
دو ایڈنا کی لگی ہیں اور دو اس کے ہٹ میں... یوں تو اس کے گروہ کی
موجودہ پسپائی اور بربادی میری ہی ذات سے وابستہ تھی۔ میں نے چنگ چڑی
پر اپنی جی داری اور وفاداری ثابت کرنے کے لیے اس کے سامنے میری جوتے
کے غایبہ جاسوس کو قتل کر کے دونوں گروہوں کے ٹکرانے کا ایک جواز
پیدا کر دیا تھا۔ اگر میری جوتے میرے لیے خصوصی وارنٹ جاری کر دیے تھے تو وہ
حق بجانب تھا... اس سلسلے میں مجھے نہ تو کوئی حیرت تھی اور نہ افسوس۔
میرے ہاتھوں جو کچھ بولیا جا چکا تھا، وہی مجھ سے کٹوا جا رہا تھا۔

اسٹریٹ لائٹ کی مدھم روشنی پارکنگ پلاٹ تک آرہی تھی۔
وہاں کل پانچ کاریں پارک تھیں، ان میں جو شو کی کار بھی شامل تھی۔ یہ
سابقہ تعداد تھی۔ اگر تعداد میں اضافہ ہو گیا ہوتا تو میں دندنا تا ہوا باہر ہرگز
نہ نکلتا۔ اس کا مطلب تھا کہ ابھی تک میری کوئی شکاری نہیں پہنچا تھا۔
جو شو کی کار کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے سوچا کہ اس کی کار سے کر
نکل جاؤں مگر میرے پاس چابی تھی، نہ کوئی تار۔ وقت، طبع آزمائی کی
سیاسی کامیابی نہیں ہو سکتا تھا۔

ابھی میں "محرابی گیٹ" سے چند قدم اندر ہی تھا کہ سامنے سے
کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنیاں پڑیں۔ میں ٹھٹھک گیا اور دوسرے
لمحے لاشعوری طور پر میرے قدموں کا رخ، پارکنگ ایریا پر کھڑی کاروں
کی طرف ہو گیا تھا۔ جب وہ کار چرچراتی ہوئی رکی تو میں ایک کار بھجود
کر دوسری کار کی اوٹ میں ڈبکا ہوا تھا۔

"چانگین۔" ایک آواز سنائی دی اور دروازہ بند ہو گیا۔ شاید
وہ لوگ، کار سے اترے تھے میری سماعت سے باتوں کی آواز مکرانی ہی
مگر میرے پتے سوائے چانگین کے اور کوئی بات نہ پڑی تھی۔ وہ تین تھے
اور تینوں ہی چینی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ باتوں میں جب اوشن
اور جو شو کے نام آنے تو میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے... وہ میری
ہی جان کے دشمن تھے۔ دودھ ہوتے قدموں کی چاپ سن کر میں نے کار
کی اوٹ سے جھانکا۔ وہ تینوں لفٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مجھے اگر اپنے نامہ اعمال میں خون کے دھبوں کا اضافہ ہی درکار
ہوتا تو ان تینوں کی پشتیں میرے لیے بہترین ہدف تھیں لیکن میں
انسان ہوتے ہوئے بچو کا کردار ادا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ قتل کرنا میرا
مقصد حیات نہیں تھا، نہ ہی قتل کر کے مجھے لذت اور فرحت حاصل ہوتی
تھی، قتل تو میں اس وقت کرتا تھا جب ہر راستہ مجھ پر بند کر دیا جاتا تھا۔
... پھر ان کی ہلاکت میرے مقصد کے لیے مفید بھی تھی۔ میری
مزید از جان عابدہ، میری جوتے کے قبضے میں تھی۔ میں اس کے لیے مزید...
مشکلات نہیں خریدنا چاہتا تھا۔ میری جوتے شیطان، میری استعمال انگلیوں
کی سزا، اس معصوم کو بھی دے سکتا تھا۔

ان تینوں کے لفٹ میں داخل ہونے کے بعد میں کاروں
کی آڑ لیتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ چند منٹوں میں، میں نے اپنی منزل کا
تعیین کر لیا تھا۔ جب میں نے لفٹ سے نکل کر وہاں قدم اٹھایا تھا تو وائرلو
روڈ کے گرجے کے گھر والے نے صبح کے چار بجائے تھے۔ صبح کا ذب کے آثار
میں نے بھی محسوس کیے تھے اور دودھ لانے والی دین بھی باہر کھڑی تھی۔
ناکامی اور کامیابی کے لیے میرے پاس بہت قلیل وقت رہ گیا تھا۔ دن
کی روشنی میں، میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں تھی، میں جانتا تھا کہ جب
روشنی پھیل جائے گی تو میری پوزیشن، اس گیدڑ سے مختلف نہ ہوگی جو شہر
کی گلیوں میں آکر جنگل کا راستہ بھول گیا ہو۔

کال ہل کے ٹین پر انگلی رکھ کر میں نے ناک ٹپکی سے وہابی، مونیکا
جس محل پر برسر پیکار تھی، اس کا تقاضا تھا کہ وہ پلنگ پر نہ جائے... وہ
جاگ رہی تھی۔ چند ہی لمحوں بعد، اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔
وہ دروازے کے قریب آکر رگ گئی تھی اور شاید کی ہول سے جھانک
رہی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

"کون ہے؟"
"مامام، ماسٹری جوتے تحریری پیغام لایا ہوں۔" میں نے ناک دبا
کر ہڑائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا وہ گرفتار ہو گیا ہے؟" مونیکا کے لیے سے بے مکرر تھی۔
"ہاں شاید... کیا الفاظ باہر تری رکھ جاؤں؟"
"ہاں، رکھ دو۔" مونیکا نے جواب دیا۔ "ماسٹر کو فون پر جواب دے
دوں گی۔"

میں نے جیب سے پرس نکال کر فرش پر گر دیا... اور دیوار کے
ساتھ ساتھ قدموں کی چاپ پیدا کرنا چلا اور پھر بچوں کے بل واپس آکر
دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا اور
وقت بے آواز بیت رہا تھا۔ وہ تین چار منٹ صدیوں پر بھاری تھے۔
دروازے کے بند کھڑا چرچرائے اور میری سانس حلق میں اٹکنے لگی... پھر

دہی روشن اور گداز پاؤں سلنے کیا اور دوسرے ہی لمحے میں اڑتا ہوا
مونیکا پر جا پڑا اور اسے ساتھ لیتا ہوا کمرے میں اوندھا گیا۔ مونیکا، میرے
پچھے دہی ہوئی تھی۔

میں نے لات مار کر کواڑوں کو بند کیا اور مونیکا کے کھٹے بالوں
کو ٹھٹھی میں جکڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ مونیکا بھی سسکیاں لیتی ہوئی
میرے ساتھ اٹھی تھی۔ اس نے کسی حیرت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ تجربہ کار
عورت کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی ہوگی کہ بازی اُلٹی جی ہے۔
"خرم چودھری..." اس نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا۔ "کھیل
میں بار، جیت ہوتی ہی رہتی ہے لیکن جو کچھ تم حاصل کرنا چاہتے ہو، کیا
اطمینان سے بیٹھ کر حاصل نہیں کر سکتے؟"

میں نے اس کے بالوں کو جھٹکا دیا اور اس کا چہرہ دد سے بھڑکیا۔
"یہ چہرہ، گوجی اور اوشن کے نزدیک لائق تحسین ہوگا۔" میں نے
بیک پاٹ سے چاقو نکال کر اس کا ٹین ویلیا اور ایک جھٹکے سے اس
کا پھل نکل آیا۔

"نہیں... نہیں..." مونیکا کی آنکھیں خوف سے ابل پڑیں۔ "تم...
ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کیوں نہیں کر سکتا، مامام مونیکا؟" میں نے اس کے اوپر اٹھے
ہوئے چہرے پر چاقو کی نوک رکھ دی۔ "مجھے کون روکے گا؟"
"رغم کرو، خرم!" اس کے آنسو بہنے لگے۔

"ناگن پر رحم..."
مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ہی میری جوتے کو تھارے ہائے میں
بتلیا ہے۔ "وہ گروانے لگی۔" لیکن میں مجبور تھی۔ جس طرح تمہیں اس طرحی
سے پیار ہے۔ اسی طرح میں گوجی کی بچان ہوں۔ میں پیار کے نام پر تم
سے ہم مانگتی ہوں۔"

"میں بھی پیار ہی کے نام پر تم سے وہ راستہ پوچھتا ہوں جس پر
چل کر میں اپنے پیار تک پہنچ سکوں۔" میں نے بال بھجور کر اسے دھکا
دے دیا۔ وہ کمرے سے نکلتی ہوئی، مونے پر جا پڑی۔ "بتاؤ، اس وقت
میں جوتے کہاں ہے؟"

"ٹیلی فون نمبر..." وہ بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے بولی۔ "اوشن
نے میری کار پر انٹرویو ٹیلی فون نمبر بتایا تھا۔"

"تم اگر چاہو تو اس ٹیلی فون سیٹ کا مقام بھی پوچھ سکتی ہو۔"
"وہ نہیں بتائے گا... یقین کرو، خرم! وہ اتنا حق نہیں ہے۔"
وہ گاؤں کی ڈوری کستی ہوئی بولی۔ "ہاں، میں یہ بتا سکتی ہوں کہ وہ اکثر
لائیں اپنی ایک فریج مجبورہ کے ہاں بسر کرتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ... یہ
ٹیلی فون نمبر بھی اسی کا ہو۔"

"وہ کہاں رہتی ہے؟" میں نے چاقو کی دھار پر انگلی پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"مٹری ایریا کے کسی بنگے میں۔ اوٹن نے ذکر کیا تھا کہ وہاں ٹری تال کسی برطانوی کرنل کے ساتھ فرانس سے آئی تھی اور اُسے کرنل سے می جو نے مانگ لیا تھا۔"

اگر مجھے یقین ہوتا کہ مونیکا مبالغہ آمیزی سے کام لے رہی ہے تو تفتیش کا انداز شریفانہ اختیار نہ کرتا۔ مونیکا کا شمار ان عورتوں میں کیا جا سکتا تھا جو مال و جان سے زیادہ اپنے سُن کو عزیز رکھتی ہیں۔ مونیکا بھی اپنے حسین چہرے کو پاناچا جی جی تھی کیونکہ اُس نے میری آنکھوں میں اُترا ہوا خون اور درندگی دیکھ لی تھی۔

"کیا می جو خود بولا تھا؟"

"ہاں... مونیکا نے اثبات میں سر ہلادیا۔ میں نہیں پوچھوں گی کہ تم بچ کر کیسے نکل آئے ہو؟ اگر تم خود بتا دو تو یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ می جو کے گروں کا کیا حشر ہوا؟ اگر تم سب کو ادھیر آئے ہو تو مجھے ناکامی کے باوجود روحانی خوشی ہوگی۔"

"ٹیلی فون نمبر بتاؤ۔" میں نے سنی اُن سنی کرتے ہوئے کہا۔

اُس نے ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک ہندسہ بتایا اور میں نے ذہن میں نقش کر لیا۔ "ٹیلی فون کہاں ہے؟" میں نے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"باہر شتر کے ٹیلی فون بوٹہ ہے۔ مونیکا نے بتایا۔ شاید تم دائرہ کمری میں نمبر..."

"یہ میرا کام ہے... مجھے کیا کرنا ہے؟ یہ فیصلہ میں کرنا چاہوں۔" جب میں اُس کے سر پر جا کر کھڑا ہوا تو وہ صوفے کی پشت سے کہنیاں ٹیک کر خوف زدہ لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے اُس کے کپکپاتے لبوں پر کوئی سوال پچھنے سے قبل کٹری ہتھیلی کی ضرب لگادی اور وہ بے آواز صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ اُس کی خاموشی ہی میرے لیے سود مند تھی۔ اگر میں اُسے یونہی چھوڑ دیتا تو وہ موقع پاتے ہی می جو کو نئی صورت حال سے آگاہ کر دیتی اور می جو پیش بندی میں مصروف ہو جاتا۔ اوٹن کی آمد کا بھی خطرہ تھا۔ وہ کسی بھی لمحے اگر دو جمع دو کا جواب نکال سکتا تھا۔ مونیکا کی بے ہوشی کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی جا سکتی تھی کیونکہ اوٹن خود مجھے وہاں چھوڑ گیا تھا۔ اُس کی سوچوں کا رخ موڑنا ضروری تھا۔

مونیکا کے منہ پر جی باندھنے اور ٹیکس کئے میں ڈونٹ صرف ہونے ہوں گے۔ اُسے پلنگ کے نیچے ٹھونس کر میں نے دونوں کرسیوں کو الٹ دیا، پلنگ کی چادر اور ٹیکے کو بے ترتیب کیا اُس کے علاوہ کئی چیزوں کو ادھر ادھر پھینک دیا تاکہ اوٹن، کمرے کی اُتر حالت دیکھتے

ہی حواس باختہ ہو جائے۔ اگر سب کچھ اپنی جگہ ٹھیک رہتا تو وہ پورے فلیٹ میں مونیکا کی تلاش شروع کر دیتا۔

ادھر سے فارغ ہو کر میں چلنے لگا تو سائڈ بیل پر مونیکا کا کھولا ہوا پرس دکھائی دیا۔ میں نے پرس کو خالی کرنے میں ذرا بھی تاثر نہ کیا۔ پرس میں جاپانی، چینی اور برطانوی کرنسی کے نوٹے اور پرانے نوٹ تھے جنہیں میں جیبوں میں تھونکتا ہوا، باہر نکل گیا۔

ٹیلی فون بوٹہ میں داخل ہو کر میں نے سکے ڈالا اور مونیکا کا بتایا ہوا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ میں دانتوں پر دانت جملے، آواز کا منتظر رہا۔

"صبح کا سلام..." کسی عورت نے فریج لیمپ میں کہا۔ "جی فرمائیے۔"

"مادام ٹری تال..." میں نے بیٹھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"لولو، کون ہو؟" اُس کی شیریں آواز ایک دم ناگن کی پھنکار میں بدل گئی۔

"چیف کا ادنیٰ غلام..." میں نے فدیہ دیا نہ لیمپ میں جواب دیا۔

"کون چیف...؟"

"مادام! مجھ پر بھروسہ کیجئے۔ میں چیف کا خصوصی غلام ہوں..."

مجھے یہی ہدایت دی گئی تھی کہ بارانی سے رقم وصول کر کے مادام ٹری تال کو آگاہ کر دوں۔ شاید آپ کو بھی بتایا گیا ہوگا۔ ان دنوں چیف بہت مشکلات سے دوچار ہیں۔ گراں قدر رقم کا بیگ ہم اپنے کسی اڈے پر رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔

"کتنی رقم ہے؟" اُس کا لہجہ قد سے نرم ہو گیا۔

"ایک لاکھ ڈالر، مادام! میں نے سرگوشی میں بتایا۔" میرے لیے کیا حکم ہے؟

"کیا چاہتے ہو؟"

"رقم کی حفاظت، مادام! میں نے مؤتب انداز میں جواب دیا۔

"براہ کرم مجھے اس ذمہ داری سے سبکدوش کیجئے۔ کیا میں وہاں آ جاؤں؟"

"اوہ... نہیں..." وہ جلدی سے بولی۔ "ہو سکتا ہے تمھارے ساتھ کوئی خطرہ لگا ہوا ہو..." اس وقت تم کہاں ہو؟"

"ہوٹل فورچونا کے پارکنگ شڈ کے قریب ٹیلی فون بوٹہ میں۔"

میں نے اپنی معلومات کے مطابق جواب دیا۔

"میرا انتظار کرو۔" ایک لاکھ ڈالر نے مادام کی سانسیں اٹھل پٹھل کر دی تھیں۔ میں کار سے نہیں نکلوں گی۔ تم بیگ کا دیاں رکھ کر فوراً مجھ سے دُور ہوجاؤ گے۔"

"کار کا نمبر، مادام؟"

"مجھے نہیں معلوم، کون سی گاڑی قابل استعمال ہوگی۔ میں سرخ

اسکارف سے پہچانی جاؤں گی۔"

"میں منتظر ہوں، مادام! اُس نے کوئی جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اور میں دسیورنگ میں لنگر باہر نکل آیا۔

عمارت کے احاطے میں بے شمار گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ایک نوٹس لڑکا، میرے آگے چل رہا تھا۔ وہ گاڑیوں کی جانب مڑ گیا اور میں گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ شکر دور دور تک ویران تھی اور مجھے پلاتا غیر ہوٹل فورچونا پہنچا تھا۔ بصورت دیگر میری ساری تنگ دودھ اکارت جانے کا خدشہ تھا اور پچھایا ہوا جال پچھا ہی رہ جاتا۔

فلان کی آواز پر میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہی لڑکا فوکی میں گیٹ سے نکل رہا تھا۔ میں نے فوراً انگوٹھا اٹھادیا۔ اُس نے قریب آ کر کار روک لی اور سکرلے ہوئے پوچھا۔ "کہاں جانا ہے؟ دوست؟ سیاح ہو؟"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے، کار کا دروازہ کھولا اور سیٹ پر گرتے ہوئے جواب دیا۔ "ہوٹل فورچونا، پیارے بھائی!"

"میں پورٹ کی طرف جا رہا ہوں۔ خیر، اب تم بیٹھ ہی چکے ہو تو..."

"شکریہ..." میں نے کہا۔ ہوٹل پہنچنے تک ہمارے درمیان خاموشی ہی رہی۔

گیٹ کے قریب اُس نے کار روک لی اور میں نے لڑکے کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے، ایک نوٹ نکال کر اُس کی جیب میں ڈال دیا۔ وہ ہونٹ ساہ گیا لیکن اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا، میں دروازہ کھول کر باہر کود چکا تھا۔

چند ملازمت پیشہ لڑکیاں، ٹولی کی شکل میں چلیں کرتی ہوٹل کی بیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔ البتہ پارکنگ شڈ میں زندگی کی کوئی رقم نہ تھی۔ میں نے پلٹ کر گیٹ کی طرف دیکھا اور سیدھا ٹیلی فون بوٹہ کی جانب بڑھ چلا گیا۔ وقت گزرنے کے لیے وہ کہیں محفوظ مقام تھا۔

کڑمی کے چوکور ڈبے کے اوپر ٹیلی اور بیٹھی ہوئی ڈائریکٹری کھلی پڑی تھی۔ میں نے جلدی سے او کی پتی نکالی اور اوٹن کا نام تلاش کرنے لگا۔ تیسرے صفحے کے آخر میں اوٹن کا نام اور اُس کے اداسے کا پتہ درج تھا۔ رہائشی خانے میں ٹیلی فون نمبر درج تھا۔ میں نے جیب سے ایک سکر نکال کر مشین میں ٹرکھکا دیا۔ جوٹو نے فوراً ہی جواب دیا تھا۔

"ہیلو، جوشی! میرا خیال ہے تعارف کی ضرورت نہ ہوگی۔" میں نے اپنی اصلی آواز میں کہا۔

"اوہ... خرم چودھری! کہاں ہو؟" اُس نے بے صبری سے پوچھا۔

"واپس چلے آؤ، پیارے! شکار دی گئے بھونک بھونک کر واپس چلے گئے ہیں۔ اُن کو می جو نے پورٹ ایریا میں واپس بلا لیا ہے۔"

"کوئی بدتمیزی تو نہیں ہوئی؟"

"اوہ... نہیں، خرم! جوٹو نے میری جوش آواز میں جواب دیا۔"

"بس، تمھاری شان میں زوردار گستاخیاں کرتے رہے۔"

"میں گستاخی پر دُور ہو چکا ہوں، بس جوشی! میں نے کہا۔"

"مجھے تمھاری فکر تھی۔"

"شکریہ، خرم! پھر کہے ہو، نا! اگر کوئی خطہ محسوس کر رہے ہو تو مجھے بلاؤ۔ ہم، ڈیڈی کے ہٹ کی طرف نکل چلیں گے۔ وہ محفوظ جگہ ہے۔"

"سودی، جوشی! میں بہت دور اور مصروف ہوں۔ ویسے میں تمھارے خلوص کا شکریہ ادا کرنے ضرور آؤں گا۔" میری لنگاہیں باہر لگی ہوئی تھیں، جوہی ایک سیاہ بیوک گیٹ سے داخل ہوئی، میری دھڑکنیں... بے ترتیب ہونے لگیں۔ بیوک کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی عورت کے سر پر سرخ اسکارف تھا اور پچھلی سیٹ پر ایک سیاہ فام شخص مستعد بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے دسیورنگ میں لنگایا اور بوٹہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر خود کو سمیٹنے لگا۔ مادام ٹری تال پورے انتظام کے ساتھ آئی تھی۔ پیچھے بیٹھا ہوا شخص یقیناً اُس کا محافظ ہی تھا... لیکن میرے مقصد کی راہ میں اگر آگ کے سات سمندر بھی حاصل ہو جاتے تو مجھے ہر صورت اپنے لیے راستہ بنانا تھا۔ یہ احساس مجھے ناگ کی طرح ڈسنے لگا تھا کہ ایک شریف خاندان کی معصوم لڑکی، مجھ جیسے نصیب جالے شخص کی خاطر بھیر پھیل کے بھٹ میں جا پڑی ہے۔

مادام ٹری تال نے کار موڑ کر گیٹ کی طرف رخ کر کے روک دی تھی اور کھڑکی سے سر نکال کر متلاشی لنگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ میں بالکل لا تعلق انداز میں، گاڑیوں کے جم تھپ تھپانا ہوا، اُس کی طرف بڑھنے لگا۔

اُس نے آواز سن کر میری طرف دیکھا اور مجھے خالی ہاتھ پا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اُس کے مطلوبہ آدمی کے ہاتھ میں وہ بیگ ہونا چاہیے تھا، جس کی چابک اُسے یہاں تک کھینچ لانی تھی۔

"پورٹ...؟" میں نے جھک کر جوشی سے پوچھا۔ "گائیڈ..."

"نہیں، شکریہ..." جوشی نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"کوئی اور خدمت؟" میں نے کہنیاں دروازے پر لگا دیں اور سر اندر کر لیا۔ پھر جب مادام نے کھٹ کی آواز سن کر پلٹ کر دیکھا تو میرے ریوا لور کا دستہ اپنا کام کر چکا تھا۔

"یہ بے حد ضروری تھا، مادام! میں نے جھکے سے دروازہ کھولا اور بے ہوش محافظ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ چیف! کسی تیسرے وجود کو اس راز میں شامل کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دے گا۔"

"تم... تم..." مادام ہانپنے لگی۔ "تم، گی لاشہ کو نہیں جانتے؟"

”میں صرف چیٹ کا خادم ہوں۔ میں نے گئی لاش کی زندہ لاش سیٹ سے نیچے دھکیل دی۔“ براہ کرم یہاں سے نکل چلئے۔“
”رقم...“ مادام کی آواز تھکتارنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں شک کے ناگ بھرا رہے تھے۔

”گاڑی بڑھاؤ، مادام تری تال!“ میں نے ریوالور کی نال، اُس کی گردن سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”اس میں بارہ گولیاں ہیں مادام، اور سیسے کی ان بے حس گولیوں کا دل کسی خوبصورت عورت کو دیکھ کر جی جوکے دل کی طرح نہیں دھڑکتا۔“
”تو تم وہ نہیں ہو...“ وہ بڑبڑائی۔

”وہ کون...؟“
”رقم والا...“
”یہ وضاحت گھر چل کر ہوگی۔“ میں نے اُس کی گردن پر ریوالور کا دباؤ بڑھا دیا۔ مادام نے گاڑی آگے بڑھادی۔ چونکہ ابھی دفاتر کا وقت نہیں ہوا تھا، اس لیے مٹرکول پر ٹریفک کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس لیے ہم جلد ہی پہنچ گئے۔

اُس کا ہنگامہ مضافاتی علاقے میں، ایک باغ کے کونے پر واقع تھا۔ کار، کپاؤنڈ میں داخل ہوئی تو میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ وسیع لان میں دو کرسیاں آسنے سامنے پڑی ہوئی تھیں اور نیچے خالی لفافے اور شراب کی دو بوتلیں پڑی ہوئی تھیں۔

”سنو، مادام تری تال!“ میں نے سرد آواز میں کہا۔ ”میں... ساری کشتیاں جلا کر آیا ہوں۔ اگر تم نے کوئی بھی حماقت کی تو میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ زندگی بہر کیف، تمام جذبوں سے اُتم ہوئی ہے۔...“ جو بھی تمھاری زندگی ہی کا بچاری ہے۔ جب تم خون میں ڈوبی ہوئی لاش میں بدل جاؤ گی تو وہ ادھر آکر تمھاری لاش پر چپ اور ڈالنے کی زحمت بھی گواہ نہ کرے گا۔ جس طرح بساط سے مہرے فائبر ہوتے رہتے ہیں اور دھکیل جاتی رہتے ہیں، اسی طرح گروہ کے کارندے بٹتے رہتے ہیں۔ ماسٹر لوگ نہ تو ان کا سوگ مناتے ہیں، نہ جنازے کا اہتمام کرتے ہیں، بس خالی جگہ پر کر لیا کرتے ہیں۔ انھیں صرف اپنی ذات اور مفادات سے پیار ہوتا ہے۔“

”تم خرم جو دھری ہوئے؟“ تری تال نے ذرا سا چہرہ گھمایا اور سرگوشی میں بولی۔ ”انکار نہ کرنا مجھے اپنی شکست کا دکھ ہوگا۔“

”ماسٹر اس وقت کہاں ہے؟“ میں نے سنی ان سچی کرتے ہوئے اپنے سرد ہجے کو برقرار رکھا۔ ”جھوٹ تم بھی نہ بولنا مادام ورنہ تم جیسی نایاب شے کو ضائع کرنے کا مجھے بھی دکھ

ہوگا۔“

”اپنے کسی آدے پر ہوگا۔“ مادام نے جواب دیا۔ ”اُس کا کوئی ٹھکانہ نہیں، وہ شیطان ہے یہاں وہاں ہر جگہ موجود رہتا ہے اور جب تلاش کرو تو دکھائی بھی نہیں دیتا۔ سراسر کی طرح طالب کو پریشان کرتا رہتا ہے۔“

”اُترو۔“ میں نے ریوالور کی نال اُس کے پیلو سے لگا دی۔ ”کیا میری بات تم نے ذہن نشین کر لی ہے؟“

”پچھ سکون رہنا خرم جو دھری۔“ وہ سیٹ سے کھسکتے ہوئے بولی۔ ”میرا گروہ سے کوئی تعلق نہیں، جی جی اس قدر پُرشش مرد ہے کہ کوئی عورت اُس کی خاطر جان پر کھیل جائے، میں اپنی سلامتی کے لیے جو جیسے سیکڑے دل برد سے قربان کر سکتی ہوں، آؤ دیکھتے ہیں وہ کہاں مل سکتا ہے۔“ اُس کے باوجود کہ مادام تری تال کا رویہ عدم تعاون کی نفی کر رہا تھا اور اُس کی باتوں میں سچائی کا رنگ نمایاں تھا، وہ اُحق نہ تھی کہ ایک برٹس جو ہے کہ خاطر اپنی جان داؤ پر لگا دیتی، پھر بھی جی جی کو دینا ہے ہی مجھے محتاط رہنے کا جو درس دیا تھا اُس سے میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا،

تری تال میرے دائیں ہاتھ بالکل ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور میرے ریوالور کا رخ بالکل درست تھا، سیڑھیاں چڑھ کر اُس نے بائیں گھونٹے سے قبل اجازت چاہی اور فوجی انداز میں میرے قدم سے قدم ملا وہ ایک دروازے کے سامنے ڈکی۔ ”میری خواب ہے۔“ اُس نے مٹو پر ہاتھ رکھ کر میری جانب دیکھا۔ ”اگر تم چاہو تو ڈرائنگ روم میں ملیں، ویسے میں ایک بیگ لینا چاہتی ہوں۔“

میں نے آنکھوں کے اشارے سے اُسے خواب گاہ میں ہی چلنے کی اجازت دے دی۔ مٹو گئی اُس نے دونوں کواڑ کھولے اور خوشبو کی خوشگوار بیٹیس جیسے استقبال کے لیے تیار تھیں، مگر جدید فخر سے آراستہ تھا صحبت سے ایک بڑا فائز سات روشیاں بکھیر رہا تھا، یوں لگتا تھا جیسے مادام نہایت ہی بدعمری سے میری طرف چلی گئی تھی۔

”آؤ خرم۔“ اُس نے میرا ہاتھ لگاؤ سے تمام لیا۔ ”بول ڈرائنگ روم میں ہے، پھر مجھے پورے کے لیے نیل فون بھی کرنا ہوگا۔ اندر کھنڈے والے دروازے کے کوڑیغ دانتھے اور ریٹھی پر وہ جھری کے سامنے جھبیل رہا تھا، تری تال نے دروازے کو پاؤں کی ٹھوک ماری اور اس سے قبل وہ چھلانگ لگانے میں کامیاب ہو جاتی میں نے جھپٹ کر اُسے بالوں سے جکڑ لیا۔

”نہیں مادام۔“ جھکا دے کر اُسے رد کرتے ہوئے میں نے کہا۔

”بال چھوڑ دو جوشی۔“ وہ سسک کر بولی۔ ”بھئی غلطی ہوئی ہے میں نے بال تو چھوڑ دیے مگر پتا چلے گا کہ اُس کے شانے پر رکھ دیا، پردہ ہٹا کر وہ پہلے داخل ہوئی اور اُس کے پیچھے چل ہی میں نے قدم اندر رکھا خوف و دہشت کا اتنا زور دار جھٹکا لگا کہ میری آنکھیاں ٹری تال کے گوشت میں پیوست ہو گئی تھیں، لیکن وہ جھٹکا بس ثانیہ بھر کا ہی تھا۔ اگر میں ایک سیکنڈ بھی تاخیر کر دیتا بازی اُٹ جاتی۔ میں نے تری تال کو پُشش کے ساتھ پیچھے کیا اور بائیں کلائی اُس کے گرد گدی کر کے کے وسط میں بیٹے پر ہاتھ باندھے جی جی کو اپنی سرخ بن مبی آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

میں اپنی ذہانت اور طاقت کے نشے میں سرشار ہو گیا تھا۔ کیونکہ میں نے کمال ہوشیاری اور جا بگدستی کے ساتھ بانگ کا تنگ کے خطرناک اور طاقت ور غنڈے کی محبوبہ تری تال کو دھوکے کی زنجیریں جکڑ کر بے بس کر دیا تھا۔ جی جی کے حوالے سے تری تال زہریلی ناگن سے کم نہ ہو سکتی تھی، جی جی جیسے خونی اور غورخوار درندہ سے کی محبوبہ کو عصمت مآب اور سالیوں سے بدکنے والی عورت ہرگز نہیں ہونا چاہیے تھا، میں نے ایسی ہی درندہ صفت عورت کے سارے دانت توڑ کر خمر سے گردن کو تان لیا تھا۔ لیکن میں خود کو اور اپنے کو دار کو فراموش کر بیٹھا تھا، مجھے اپنا ناقابل معافی جرم یاد رکھنا چاہیے تھا، میں کسی ملک کے قانون کا مجرم نہ تھا، کسی عام سے انسان کو ستانے کا جرم مجھ سے سرزد نہ ہوا تھا۔

میں تو وہ بد نصیب ہوں جو اپنی ماں کا مجرم ہے۔ جس نے ماں جیسی مقدس ہستی کو ستانے کا گناہ کیا تھا، مجھے یاد رکھنا چاہیے تھا کہ ماں کی دُعا میں اور حقیقت کی ہوائیں ایک جیسی رُوح پروردار اور فرصت انگیز ہوتی ہیں۔ مجھے بھولنا نہیں چاہیے تھا کہ ماں کے مجرم کو جس مصیبت نے سزا دی ہے وہ عادل اور حاضر و ناظر ہے، وہ سزا دے کر کسی مجرم کو اذیت اور قہر کی جیل سے فرار ہونے کا موقع نہیں دیا کرتا تھا۔

ابھی میری سزا کی معاد باقی تھی، اذیت کا قہر میرے پاؤں کے نوؤں سے گرم لوہے کی طرح چٹا ہوا تھا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہ سوچا تھا کہ جی جی وہاں موجود ہو سکتا ہے، نیل فون کا محض اتفاقاً یا مصلحتاً اُڑی نہ سکتی ہے اور قریب بیٹھا ہوائی جو، سبیل کے اشارے سے اُسے جال بچھانے کا حکم دے سکتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک سیکنڈ میں ہوا تب میں نے سوچ لیا تھا جب تری تال بے حس و حرکت میری گرفت

میں تھی اور جی جی اُنٹ کی طرح تھبتوں کی جھاگ اُڑاتا قدم قدم میری جانب بڑھتا رہتا تھا۔ امانک اور غیر متوقع صورت حال پر اُس بوڑھے کا دماغ اُٹ گیا تھا جو اُسے ہونے خطرناک رہا اور کی سیدھ میں قبضے لگاتا بڑھ رہا تھا۔ یہ بات بھی میں نے اُس وقت سوچ لی جب میری آنکھیں کا دباؤ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔ مد مقابل کو دازنگ دینے کا وقت گزر چکا تھا، کیونکہ جی جی کا احمقانہ انداز اور خطرناک فیصلہ دار ننگ کا حق دار نہ رہا تھا۔ دھماکا ہوا اور میرے ہاتھ کو جھٹکا لگا، ایسے ہی جیسے گرم پانی کی دھار میرے ہاتھ پر لگی ہو۔ دھماکے کی دھب سے قدرتی طور پر آنکھیں ثانیہ بھر کے لیے بند ہو کر جب دوبارہ کھلیں تو میرا ہاتھ خالی ہو چکا تھا اور تری تال کی کہنی کی ضرب نے مجھے کراہنے اور جھکے پر مجبور کر دیا تھا۔ مزاج کے حوالے سے اس ہفت رنگ جزیرے پر پرتنے سے قبل بے شک جرم اور اسلحہ کے بارے میں میری معلومات افواہی اور کتابی ہی تھیں مگر فادر کا بے کی کھٹائی کی پیش نے مجھے جرم کی دُنیا کا مکمل آدمی بنا دیا تھا۔ اس لیے نشانہ خطا ہونے سے متعلق میں سر ج بھی نہ سکتا تھا، مجھے یقین اُس وقت بھی تھا اور آج بھی ہے کہ میں نے جی جی کو کھوپڑی کا نشانہ لے کر ٹرائیگر دیا یا تھا جب ایک لمحے بعد مجھے دیکھنے کی مہلت ملی تو میں جی جی کو زندہ و سلامت مسکراتا دیکھ کر حیرت زدہ ہی رہ گیا تھا۔ گولی اس قدر قلیل فاصلے کے ہوت

کا کیسے راستہ بھول گئی تھی، پھر مجھے یاد آیا وہ لمحہ جب گولی سفر پر روانہ ہوئی تھی جی جی میری بند ہوئی آنکھوں سے غائب ہو گیا تھا، وہ بلاشبہ مارشل آرٹ کا ماسٹر تھا، اُس نے میری آنکھیں کا اشارہ ملتے ہی شاندار سلیپ لیا تھا اور گرتے گرتے میرے ہاتھ کو بھی جوتے کی ٹوک سے سہلانا لگا تھا اور تری تال نے بھی حاضر و معانی سے کام لے کر عین اُس وقت کہیں میرے پیٹ میں ماری تھی جب دھماکے اور ضرب سے میری توجہ کا توازن بگڑ گیا تھا۔ درد کی چمک سے گڑر کر جب میں نے چہرہ اُٹھا کر اُوپر دیکھا، تری تال دُور کھڑی گہری گہری سانس لیتی اپنی نازک گردن کو سہلارہی تھی اور جی جی میرے ریوالور کو پڑے ٹھکرا رہا تھا۔

گو میری جیب میں چاقو بھی موجود تھا لیکن جیب اور ہاتھ کا فاصلہ اتنا تھا کہ میں چاقو تک سفر کرنے کی حماقت نہ کر سکتا تھا، کیونکہ بے وفا ہتھیار جو چل بھر پہلے میرا وفادار تھا اب کسی پیشہ دروہان کی طرح جی جی کی وفاداری کا دم بھر رہا تھا، اس سے قبل بھی موت و شکست کی گرفت سے میں نے خود کو کسی دیکسی طور پر بچا لیا تھا، اُس لمحے بھی قدرت کے ہاتھوں نے مجھے قاتل ہاتھوں سے محفوظ کر لیا تھا۔

جب موت اور زندگی کا فاصلہ بالشت سے بھی کم رہ گیا تھا لیکن وہ قاتل می جو اور جنگ جی کے پروردہ غنڈے تھے، ناپ تولی میں انیس میں کا فرق تھا مگر می جو ہر حوالے سے مجھ جیسے نوآموز سے برتر تھا لہذا جنگ کے سنہری اصولوں کا تقاضا یہی تھا کہ مستقبل کی بڑی فتح کے لیے حال کی چھوٹی شکست قبول کرنی جانی چاہیے۔

اس سے قبل کر لی جو مجھے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیتا میں نے خود ہی دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے تھے، زندگی کی بقا اور وقت سے کچھ مہلت حاصل کرنے کا یہی آسان طریقہ تھا۔

”نہیں پیارے لڑکے۔“ می جو نے نرم اور مہربان ہنسنے میں کہا ”ہم کسی جنگ کی حالت میں نہیں ہیں۔ ہاتھوں کو اپنی اصل حالت میں رہنے دو اور اپنا کھلونا سمجھا لو۔“ اس نے میرا ریلو اور بڑی بے نیازی سے میری جانب اچھال دیا۔

میں نے اٹھتے ہوئے ہاتھوں سے ریلو اور ایک کر فوراً جیب میں رکھ لیا، حالانکہ مجھے یقین تھا می جو نے جیب فراموش نہیں کیا تھا مگر می جو کی اس بے نیازی کے پیچھے کوئی ایسی بات ضرور رہی ہوگی ورنہ مجھ جیسے ہتھیاروں کے پردہ مجبور نہیں کر سکتا تھا، مجھے وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ میری اس غیر متوقع حرکت نے اُسے اُلجھن میں ڈال دیا، مجھ سے اس فرمانبرداری کی اُسے توقع نہ رہی ہوگی، اُس نے اپنی فیماںی پر مجھے حیرت زدہ کرنا چاہا تھا مگر میں نے خود کو چکر کا تاند بے حس رکھ کر اُسے حیرتوں کا بھرپور چٹکا دے ڈالا تھا۔

”پیاری ٹی ٹی“ می جو نے پُرسٹائش آواز میں کہا: ”دیکھ رہی ہو لڑکے کا انداز میں نے تجھیں بتایا تھا کہ خرم چودھری اپنی عمر سے بہت بڑا لڑکا ہے، بہادر لوگوں کے سارے وصف رکھتا ہے۔ آؤ پیارے ہم بالکل ایک فائنل کے افراد کی طرح بیٹھ کر باتیں کریں۔“

”شکریہ ماسٹر“ میں نے مضبوط آواز میں کہا: ”پہلے فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ یہاں میری حیثیت کیا ہے اور کیا ہوگی، اگر میں زیر حراست ہوں تو براہ کرم پہلے مجھے بے دست و پا کیا جائے، کھلے پجرے کا احساس کسی بھی لمحے مجھے اپنا حق استعمال کرنے پر اگساکتا ہے۔“

”تمہاری حیثیت ٹی ٹی تان کے معزز مہمان کی ہے پیارے لڑکے۔“ می جو نے جواب دیا۔ ”میں ماضی کے تلخ تجربات کے باوجود تمہیں کو مجھل چکا ہوں، اگر تمہیں کوئی پریشانی ہے یا کوئی کام ہے تو میری طرف سے اجازت ہے، کیوں ٹی ٹی۔“

”ہاں“ میں خرم چودھری کی میزبانی کا شرف حاصل کرنا پسند کروں گی، ٹی ٹی تان میری طرف پسندیدہ نگاہوں سے دیکھ کر مسکرائی۔

”صرف ایک پیگ میرے ساتھ۔“ وہ لہرائی بل کھاتی قدم قدم پر حشر جگاتی الماری کی طرف بڑھ گئی اور می جو خزاں زندہ دار می کے بل سجھاتا ہوا منوٹے پر جا بیٹھا۔

اگر میں می جو کے مہربان رویے اور لاپرواہی پر اُلجھ نہ گیا ہوتا مجھے یہ شک نہ ہوتا کہ اس لاپرواہی کے پس منظر میں می جو نے کوئی شیطان مال نہیں بچھا رکھا تو وہ مہلت میرے لیے بہترین تھی۔ ٹی ٹی تان میری جانب پشت کیے الماری سے برتیں نکال رہی تھی اور می جو منہ پیر کر چند قدم چل کر صوفے تک گیا تھا۔ میں بڑی آسانی سے دونوں کو جہنم میں دھکیل کر خود کو کامرائی سے ہم کنار کر سکتا تھا لیکن کوئی شے ایسی تھی جو میرے اسادوں پر حاوی ہوگی تھی۔

”کیا بات ہے خرم چودھری؟“ می جو نے بیٹھ کر پوچھا۔ ”تم ابھی کھڑے ہو۔“

”بات تم جانتے ہو ماسٹر“ میں نے کہا۔ ”میں کون ہوں اور کیوں تمہارے پیچھے ہٹنے ہوئے ہوں؟“

”میں تو صرف تمہیں جانتا ہوں لڑکے۔“ می جو مسکراتے لگا۔ ”ہماری شناسائی بہت پرانی ہے، وہ تو کچھ تمہاری نا تجربہ کار جوانی اور کچھ اس میرے دوست جنگ کی مہربانی نے مہارے درمیان چند نا خوشگوار حادثے ڈال دیے ہیں، جن کو میں کون اہمیت نہیں دیتا، میں اپنی بساط پر مہر سے اسی لیے رکھتا ہوں کہ اُن کو بڑھایا جائے۔ مہربان حال جیت کی خوشخبری تو نہیں سنایا کرتی، کبھی کون مجھ کو مددِ مخالفت کے مہرے کو نکل جاتا ہے اور کبھی خود خوراک بن جاتا ہے، اگر تم اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لاتے تو میرا کون مہرہ تمہیں نکل گیا ہوتا، تم نے کھیل میں اپنا حق استعمال کیا ہے اور مجھے تمہارا یہ انداز بے صدا چھال لگا ہے۔“

”اس کے علاوہ بھی تمہاری مٹھی میں ایک نمسے ہے ماسٹر: میں نے اس کی کرنی اور چند حیاتی آنکھوں میں جھانک کر کہا: ”میں یہاں ٹی ٹی تان کی شرک پر چاقو کی نوک رکھ کر اپنے چیف جنگ کے دشمن سے ملاقات کرنے نہیں آیا تھا ماسٹر میں نے جان بکھول کر اس سے بھی نہیں ڈالی تھی کہ اپنی رسوائیوں کا تم سے انتقام لینا تھا۔ نہیں ماسٹر میں اس لڑکے کے لیے آیا ہوں جو میری ذات کے حوالے سے تم نے پہچانی تھی۔“

”اوہ“ می جو نے پہلو بدلا: ”بہادر لڑکے تمہارا ہر نیا قدم تمہارے کو جنم دیتا ہے۔ میں تمہارے اس جذبے سے بھی متاثر ہوا ہوں۔“

خرم چودھری، می جو نے تین برس ماں کا دودھ پیا تھا۔ می جو کا ایک مہربان باپ ہی تھا جس کی آرزو تھی کہ اس کا بیٹا بڑھ کر کسی اکول کا پیچھے رہے، می جو کا دوسرا رخ بھی ہے اور اس کا نام ہے ذاتی زندگی جسے بہت کم لوگ دیکھ سکے ہیں کیونکہ لوگوں کے لیے ہمیشہ میں تاریک رخ ہی سامنے رکھتا ہوں ٹی ٹی تان کے لیے بھی یقیناً یہ انکشاف حیرت ناک ہی ہوگا کہ می جو کا کوئی ایک کے ایک دیہات میں گھر ہے اور گھر میں وفادار بیوی اور تین پیارے پیارے بچے بھی ہیں جو صرف یہ جانتے ہیں کہ ان کا بوڑھا باپ ماہی گیر ہے۔

”میں جانتی ہوں جو“ ٹی ٹی تان نے پیگ تیار کرتے ہوئے کہا: ”ٹی ٹی تان کے اپنے بھی کچھ ذرائع ہیں۔“

”میں بیک وقت وفادار شوہر، مہربان باپ لیکن معاشی کا بدترین شخص بھی ہوں“ می جو چھوٹی سی ڈبیلے سوار قسم کا پاؤ ڈر چٹھی میں بھر کر ناک میں سوکھ لیا۔ شراب، معورت اور دولت یہی میرے تاریک رخ کی شدید طلب ہے لیکن جب میں نے اس لڑکی کو پہلی نظر دیکھا تو اس کے چہرے پر ایسی ہی سوگوار معصومیت تھی جیسی میری بیٹی کے چہرے پر ہوتی ہے میں نے یکدم اپنا وہ رخ اور وہ بڑی ذات ایسے چھپالی جیسے میں گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی کرتا ہوں، کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ بھڑیا اپنی کھوئی گری ہوئی نوجوان بھید کو کھوہ سے نکل جانے کی اجازت دے سکتا ہے۔ لیکن میں اپنی بیٹی تانیا کو اس وقت جنگ کے کتوں کے خطرے سے لاپرواہ ہو کر عبد الحکیم کے گھر چھوڑ آیا تھا۔

میں می جو کی ذاتی زندگی کے روشن رخ کو دیکھ کر چڑچڑاہٹا تھا۔ ذات تازہ ہوا تھا مگر اس کے تیسرے رخ اور انکشاف نے مجھے تنگ سا کر دیا تھا۔ شیطان سے نیکی کی توقع، مجھ سے مہربانی اور بھیڑیے سے رحم کی توقع کوئی احمق ہی کر سکتا ہے۔ میں کیسے یقین کر لیتا کہ می جو نے جو کچھ بتایا تھا وہ حقیقت پر مبنی ہوگا۔ مجھے مذہب میں غلط زن دیکھ کر می جو اچھل کر اٹھا اور میرے سامنے آکر گر گیا۔

”ہر شخص ہر وقت نہ برا ہوتا ہے نہ برا چھو آدمی ہر لمحے اچھا ہی ہوتا ہے۔ میں دونوں طاقتوں پر ایمان رکھتا ہوں: اس نے چہرہ گھٹا کر ٹی ٹی تان کو دیکھا جو ٹی ٹی پر جام رکھ رہی تھی، ٹی ٹی، لڑکا شراب نہیں پیتا، اسے کوئی دوسرا مشروب پلاؤ اور تم اسے امرنگھ تک ابھی چھوڑنے جاؤ گی، میں اُسے فون پر ہدایت دے دوں گا۔“

”سوری جو“ ٹی ٹی تان ہنوتی سی ہو کر بولی: ”میرے پاس پینے کی اور کوئی شے نہیں ہے۔ لیکن یہ شراب کیوں نہیں پیتا؟“

”تم مسجد کیوں نہیں جاتیں؟“ می جو نے مسکرا کر پوچھا۔ ”اوہ، مسلم: وہ ہونٹ سکڑ کر بولی: ”لیکن میں نے ادھر“ ”بس یہ نہیں پیتا“ می جو نے تھک کر گلاس اٹھا لیا اور دوبارہ بیٹھتا ہوا بولا: ”امرنگھ کا نمبر ملاؤ: ٹی ٹی تان نے سرخ مٹی فون سیٹ اٹھا کر می جو کی گود میں رکھ دیا اور می جو نمبر ڈائل کرنے لگا: ”کون سوئی، امرنگھ کو لاش پر بلاؤ“ می جو نے سرو آواز میں کہا: ”تو پھر تم غور سے سنو۔ ایک لڑکا آ رہا ہے اُسے تم امرنگھ کے گھر لے جاؤ گی۔ ٹی ٹی تان نے جلدی جلدی اپنا گلاس خالی کیا اور ٹی ٹی تان کی ہنوتی الماری نکلتی۔

”تمہارا ریلو اور خالی ہے خرم: می جو نے واسکٹ کی جیب سے بارہ گولیاں نکال کر تیا اور میں نے گہری سانس لے کر ہاتھ آگے بڑھا دیا اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا، جس نے میرا بھرم رکھ لیا تھا۔ می جو نے واقعی استادی فن دکھایا تھا اور اس کا پیر سکون رو بہ بھی میری سمجھ میں گیا تھا۔ اگر میں مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فائر کرنے کی حماقت کر بیٹھتا تو ندامت کے سوا کچھ نہ ملتا۔

”جو“ ٹی ٹی تان بولی: ”میری کار میں گی لاش کی زندہ لاش ہے۔ کیا میں تمہاری جیب لے جاؤں؟“

”نہیں“ می جو نے نفی میں سر ہلایا: ”میری جیب ان لوگوں خروگوش ہے جوں ہی سڑک پر چڑھے گی بے شمار شکاری کتے تعاقب میں دوڑنے لگیں گے۔ اُسے گریچ میں ڈال جاؤ۔“

ٹی ٹی تان نے کندھے اُچکائے اور میرا ہاتھ تمام لیاؤ چلیں۔

”خرم چودھری“ می جو نے میرا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا تھا: ”تمہاری رہائی بالکل غیر مشروط ہے۔ لیکن میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں، اگر اس لڑکی کو واپس کرنے کا کوئی انعام تم دے سکو تو میں اس انعام کو تمہاری شکل میں پسند کروں گا۔ کیا تم مجھے انعام کا مستحق سمجھو گے؟“

”ابھی میں کوئی وعدہ نہیں کروں گا ماسٹر: میں نے آہستگی سے دونوں ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا: ”ہاں اگر یہ سچ ہوا تو میں فیصلہ کرتے وقت تمہاری اس نیکی اور احسان کو مد نظر رکھوں گا۔“

”ایک وعدہ کرو خرم:“

”کیا تمہارے ہاں وعدے کی پاس داری کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ماسٹر؟“

”ہاں... بلکہ شدید۔“

”کہو۔“

”میرے پاس واپسی کوئی شرط نہیں“ می جو اپنے مخصوص

لہجے میں بولنے لگا تھا۔ لیکن چنگ کی طرف نہ جانا ایک لازمی شرط ہوگی۔ تم اگر انعام کا مستحق سمجھو تو میں چاہوں گا یہ انعام چنگ کو بھی نہیں ملنا چاہیے۔ تمہیں میں حوصلوں اور جوان مردی کے حوالوں سے پسند کرتا ہوں جب کہ چنگ تمہیں اپنے عروج کا ستارہ خیال کرتا ہے۔ وہ ایک تو ہم پرست چینی ہے اس کی حالیہ کامیابیاں اور حوصلے اسی نفسیاتی بیماری کے مرہون منت ہیں۔ اگر تم نے خود کو اس کی ذات سے الگ کر لیا تو اس کے حوصلوں کے گھٹنے مڑ جائیں گے اور میں اپنے کھوئے ہوئے اڈے حاصل کر لوں گا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟

"ہاں! میں نے تاہید میں گون ہلائی۔ اگر عابدہ نے تمہاری سفارش کر دی تو میں اس احسان کا بدلہ ضرور چکاؤں گا۔ ادھر بیٹھ کر دیا تو چنگ جی کے پاس بھی نہ جاؤں گا۔"

"شکر ہے بہادر لڑکے! تم جی بولا اور یاد رکھنا وعدہ توڑنے والے کو میں قبر کی چھت کے نیچے بھی سکون کی نیند نہیں سونے دیتا۔" ٹی تان مجھ سے پہلے باہر نکل گئی تھی۔ برآمدے کی بیڑیوں تک می بڑ میرے شانے پر ہاتھ رکھے آیا تھا اور جب ٹی تان نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا تو اس نے میرے گال پر ہلکی سی چپت ماری اور پھر ہاتھ پر پھیل دے کر کسی چاہنے والے بزرگ کی سی مشفقانہ آواز میں کہنے لگا۔

"میرے بیٹے یہ یاد رکھنا اس شہر کی ہر گلی میں می بڑ اور چنگ جی رہتے ہیں۔ اگر تمہیں یہاں گیدڑ کی زندگی بسر نہیں کرنی تو واپس آ جانا می بڑ تمہیں گھر کا سکون اور باپ کی محبت دے گا۔"

میں نے سچ کچھ کسی اندرون جذبے کے فوری اثر سے متاثر ہو کر می جو کے سوکھے ہاتھ کو چمک لیا تھا۔

ٹی تان عجیب مٹی کی عورت تھی گھر کی چار دیواری میں اُسے میں نے ایک گھر بیلو عورت کے نرم و ملائم روپ میں دیکھا تھا لیکن چار دیواری سے نکلے ہی اس کا چہرہ مجھے کسی ایسی شیریں کاجو لگا تھا جو شکار کی تلاش میں نکل ہو، اس کی بے قرار آنکھوں کی پتیلیاں رقص کے انداز میں آگے پیچھے دائیں بائیں بٹھرنے لگی تھیں۔ اس کا چوکس انداز یقیناً جو کے موجودہ حالات کی غمازی کر رہا تھا۔ اُسے، چنگ جی کے بکھرے ہوئے غنڈوں کی نگاہوں سے بچ کر رہنے کی ہدایت کی گئی ہوگی۔

پندرہ بیس منٹ کی مسافت کے بعد کارپورٹ ایریا میں داخل ہو گئی تھی۔ فٹ پاتھوں پر بیوی کے نوجوان اور نجی جہازوں اداروں کے ملازم ٹولپوں کی شکل میں آتے جاتے دکھائی دینے لگے۔

تھے۔ ایک رکاوٹ پر ٹری تان سے جاپانی زبان میں کوئی سوال پوچھا گیا۔ ٹری تان نے ڈیش بورڈ سے چری نفاذ نکال کر ان کے حوالے کر دیا تھا جس میں کاغذات اور شناختی کارڈز وغیرہ تھے۔ نفاذ واپس کرتے وقت گیٹ کیپر نے مؤدب اور معذرت آواز میں اُسے کچھ بتایا اور اس کی زبان سے شریکر اور اوشن کا نام سن کر خوف کی سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ نکل گئی اور میری ہتھیلیوں میں پسینے کی نمی اکھڑ آئی۔ پھر گیٹ کیپر نے قدرے جھک کر اچھٹی سی نگاہ مجھ پر ڈالی جو اب میں کسی گونگے شخص کی طرح مسکرا رہا۔

"آج صبح جب کسی عورت نے تمہارے بارے میں جو کوفون پہلا طالع دی۔ گیٹ سے آگے نکل کر ٹری تان ایسے بولنے لگی جیسے ٹیپ سے آواز نکل رہی ہو۔ تو جو نے بتایا تھا کہ خرم چودھری اپنے ساتھ ہنگامے لیے چلتا ہے۔ اس کی بات کی تصدیق ہو گئی ہے۔ جانتے ہو مجھے کیوں روکا گیا تھا؟ اس نے عقب نما آئینے میں نظر آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے اس کی آنکھوں کو نفی میں جواب دیا۔ اوشن اور بیکر نے مشترکہ طور پر پولیس میں رپورٹ درج کروادی ہے۔ کیا ادھر بھی اچھل کود کرتے ہو؟"

"ہاں! میں نے گہری سانس لے کر کہا: کچھ گڑبڑ ہو گئی تھی کوئی مزید تفصیل؟"

"نہیں! ٹری تان نے بہت سی کاروں کے درمیان کار روکتے ہوئے بتایا: یہاں سے ہم بندریہ فری پار جائیں گے۔ تم میرا کوٹ اٹھا کر ایک قدم پیچھے چلو گے۔ دیکھتے والے تمہیں میرا محافظ سمجھیں گے۔ ادھر ٹری تان میں غلام پالنے کی شوقین ہیں۔ باہر نکل کر اس نے اپنا کوٹ میری جانب اچھال دیا تھا۔

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ ایک فری بال نکل تیار تھی جو، تی میں ٹری تان کے پیچھے پیچھے فری میں داخل ہوا۔ انہیں اسٹارٹ کر دیا گیا تھا اس تیز رفتار کشتی میں میرا پہلا سفر تھا جو خوشگوار اس لیے تھا کہ میں عابدہ کے لیے سفر کردہ ہاتھ اور ناخوش گوار اس لحاظ سے تھا کہ لوگ مجھے ایک عورت کا غلام سمجھ رہے تھے۔ دوسرے کنارے پر ایک کم سن جاپانی لڑکی نے ٹری تان کا پرجوش استقبال کیا چونکہ وہ لڑکی جاپانی زبان میں گفتگو کر رہی تھیں اس لیے میرے پنے صرف لڑکی کی بار بار اٹھتی نگاہوں کا منہم ہی پڑا تھا۔

"خرم! ٹری تان نے کوٹ لیتے ہوئے بتایا: اب تمہاری گاڑی یہ لڑکی ہوگی۔ امرنگھ کچھ انتظامی امور میں مصروف ہے۔"

"کیا میری مہربان کاٹھیا امرنگھ کا گھر جاتی ہے؟ میں نے لڑکی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مکھڑو مسٹر خرم! انکل جو مجھے ہانگ کانگ کی دکنسی کہا کرتے ہیں! اس نے مسکراتے ہوئے کہا: ویسے انکل امر سنگھ نے مجھے راستہ بتا دیا ہے۔"

"اؤ میں تم دونوں کو کچھ کھلاؤں! ٹری تان نے ایک ٹی بار کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شکر ہے مادام! لڑکی نے مؤدب آواز میں بتایا: انکل جو کا تم ہے خرم کو بلانا خیر ادھر پہنچا یا جائے۔ پھر مجھے کچھ دوسرے فرائض بھی سرائیبا دیئے ہیں۔"

"اور کے! ٹری تان نے ہاتھ اٹھایا: خرم چودھری! میری بانی کی خواہش اب بھی میرے اندر زندہ ہے۔ اگر ہنگاموں سے فرصت ملے تو کبھی چلے آنا! اس نے قہقہہ لگایا: کس قدر تانباک زندگی بسر کرتے ہو۔ شاندار! وہ یکدم بیٹی اور بیکر دیکھے دور ہوتی چلی گئی تھی۔

میں عورت کے معاملے میں خاصا بدذوق اور سردمانا جاتا ہوں۔ میری کم سن اور خوب صورت میزبان لڑکی قدم قدم پر فتنے جنگاتی میرے آگے آگے چل رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر قدم سے قدم کا فاصلہ بڑھایا اور لڑکی سے پہلو کتراتا ہوا آگے نکل گیا: سوری مسٹر خرم! لڑکی بول پڑی "میں بھول گئی تھی مرد خود کو ہر جگہ برتر رکھنا پسند کرتا ہے۔ مجھے آگے نہیں چلنا چاہیے تھا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں مس..."

"سرینا! اس نے نام بتا دیا۔

"ہاں مس سونیا!۔۔۔ دراصل میں تیز چلنے کا عادی ہوں۔"

"میں تمہیں بہت دنوں سے جانتی ہوں خرم! سونیا نے کہا۔

"تم نے یقیناً مجھے نہیں پہچانا ہو گا۔ جن دنوں تم انکل جھکے پٹرول پمپ پر کام کرتے تھے، میں نے تم سے بوتل خریدی تھی۔"

میں نے غور سے اس کے بیضوی چہرے کو دیکھا۔ مگر وہ عام سا ہی چہرہ تھا ایسے چہروں کی بے شمار دیکھائیں میرے ذہن میں گڑبڑ تھیں کسی گوشے میں سونیا کا چہرہ محفوظ تھا لیکن میں نے معذرت کی کہ اسے مایوس نہیں کیا ضرورت بھی کیا تھی وہ پل بھر کی ہمسفر تھی اگر میں مندری ظاہر کرتا تو وہیں ممکن تھا وہ میرے تکلیف دہ ماضی قریب کے کچھ دوسرے درونک حوالے دینے لگتی۔ عابدہ کے ساتھ بیٹے چند لمحوں کے سوا میرے ساتھ کسی بھی لمحے کی یاد خوش گوار نہ تھی اور میں کسی کو بھی اپنے زخموں کو کھینچنے کی اجازت نہ دے سکتا تھا۔ لڑکی کی تجوید مجھے گوارہ نہ تھی۔ ایک سوزوکی کار کے قریب جا کر اس نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر جاپانی نکال اور دروازہ کھولنے لگی۔ مگر میرے اندر تک کا تبید چھوٹا۔ میری نگاہ اتفاقاً ہی اس چرچ کے ناود پر جا پڑی تھی جو دھڑ

جزیرے میں واقع تھا۔ جب مادام شینورا نے مجھے گڑبڑ کے ڈرم میں قدرتی لباس میں پھینکا دیا تھا تو باہر نکل کر میں نے اسی ناود سے عابدہ کے گھر کی سمت معلوم کی تھی۔ وکٹوریہ پارک سے دو تین فرلانگ دور وہ چرچ تھا اور چرچ کے بالکل عقب میں عابدہ کا محلہ تھا۔

"بیٹھا جاؤ خرم! سونیا نے ساتھ والی سیٹ کا دروازہ کھول دیا! ہم کچھ دیر آوارہ گوی کر دیں گے پھر جب فری دوسرے ٹرپ پر روانہ ہوگی تو ہم نکل چلیں گے۔"

میرے اندر کی گڑگڑاہٹ یکدم ختم ہو گئی تھی۔ سونیا کی عظمت نے شک کے پھنکارے سانپ کو پھر پھر سکون کر دیا تھا۔ میں خاموشی سے سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اگر واپس ادھر ہی جانا تھا تو مجھے ادھر محض آوارہ گوی کے لیے لانے کا مقصد! میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"کسی مقصد کے بغیر انکل جو شاید دوسری سانس بھی نہیں لے گا! سونیا نے ہنستے ہوئے جواب دیا: ہم انکل کے کان اور ہاتھ پاؤں میں ہنستے ہیں اور چل پڑتے ہیں۔ جب تمہیں بھی یقین کی قوت مل جائے گی تو تم بھی ہماری طرح کیوں اور کیسے کے چکر میں نہ پڑا کرو گے۔"

یوں گھنٹہ تک اس کی سوزوکی فرارح سڑکوں کے جال میں دوڑتی رہی اور پھر اسی جگہ آ کر رُک گئی تھی سونیا نے عام لوگوں کی طرح کوئی بات نہ کی تھی، خاموش بھی نہ رہی تھی سارا وقت موسم اور می بڑ کے بارے میں بولتی رہی تھی۔ جب ہم ساحل پر لوگوں کے ہجوم میں داخل ہوئے تو فری سے سامان اتاراجا رہا تھا اور پار جانے والے مسافر قطار میں ٹھکے ہوئے گڑھوں کی مانند سر جھکا کر کھڑے تھے میں نے کھوجتی نگاہوں سے ایک ایک چہرے کو دیکھا مختلف نسلوں کے لوگ تھے۔

"لاٹ میں لگ جاؤ! سونیا میرا ہاتھ تھام کر بولی: ورنہ جگہ نہیں ملے گی! وہ پھر آگے کھڑی ہونے لگی تھی کہ میں نے اسے ہلکا سا جھٹکا دے کر روک لیا اور پھر خود آگے ہو گیا۔ وہ ہنسی ہوئی میرے پیچھے قطار میں کھڑی ہو گئی تھی اس نے اس حرکت کو بھی ایک مرد کی فطرت سے ہی تعبیر کیا تھا۔ دیکھتی ہوئی ساکت قطار جب بیدار ہو کر جیونشی کی رفتار سے ریگنے لگی تو سونیا میری پشت سے پیپ گئی! اس کا غیر متوقع لمس میرے لیے برقی رو کا بھر پور جھٹکا ہی تھا لیکن جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی مجبوری کے پیش نظر قہروروش برجان درویش کے مصداق انکار سے کی اذیت برداشت کرنا ہی پڑی تھی۔ ہمارے پیچھے کچھ طالب علم قسم کے نوجوان کھڑے تھے جو آگے

کھڑی لڑکیوں کے لیے ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے میرے سامنے ادھر سے کمری سفید فام عورت تھی اور سونیا کے عقب میں ایک سائڈ نا جشی... کھڑا تھا۔ میں نے ایک دو بار اسے لال سیلی لگا ہوں سے دیکھا مگر چپے ہٹتے سے وہ بھی قاصر تھا، تب میں نے سونیا کو اپنے آگے کر لیا۔ فیری میں داخل ہونے تک وہ مرز سیاہ جیسے بہانوں سے میری پسلیاں سہلاتا ہی رہا تھا۔ اگر میں ایک مندر منزل کا مسافر نہ ہوتا تو بٹ کر اسے مزا چکھا دیتا۔ مگر وقت کی ٹھوکروں نے مجھے ٹھاکر بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں دانتوں میں غصہ کھپتا ہوا فیری کی گڈاز سیٹ پر جا بیٹھا تھا، مجبوری واقعی انسان کو بزدل بنا دیتی ہے۔

پارکنگ ایریا میں داخل ہوتے ہی سونیا نے ہاتھ اٹھا کر ایک شخص کو اشارہ کیا وہ دوڑتا ہوا ایک کار میں جا بیٹھا اور کار کو دیورس کر کے ہمارے قریب لے آیا۔ میں ان لوگوں کے رابطے کا جدید نظام دیکھ کر خاصا متاثر ہو گیا۔ ہر جگہ مطلوبہ شخص بالکل مستعد ہی مل رہا تھا۔ سونیا کھلے دروازے میں بھج کر داخل ہو رہی تھی اور میں ابھی فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ مجھے پھلپلشت پر سونیا کے ساتھ بیٹھنا چاہیے یا ڈرائیور کے پہلو میں بیٹھنا مفید ہوگا کہ میرے کندھے پر نرم سادباؤ پڑا۔ میں نے چونک کر کمرے کے اوپر سے دیکھا ایک گڈاز گلاب ہاتھ تھا اور ہاتھ کے دوسرے سرے پر جو شو سراپا مسکراہٹ و خوشبو بنی کھڑی تھی۔ میری ناک سے یوں طویل سانس نکلی جیسے ٹیوب میں کوئی نوکیلے شے آن لگی تھی۔ پہلی نظر تو جو شو کے گلابوں ہی میں الجھ گئی تھی لیکن دوسری خوف زدہ اور استغناء میں لگا جب جو شو کی مسکراہٹ کو زندگی ہوئی اس کے بے منتظر نگاہی تو میرے اندر خطرے کا الارم بڑی طرح چیننے لگا تھا۔ اوشن تقریباً دوڑتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ میں نے بھی سیکڑے کم وقفے میں فیصلہ اور فیصلے پر عمل مکمل کر لیا تھا میں نے پلٹ کر اس مسکراتی گڈیا کو جھٹکا دیا اور دوسرے لمبے وہ سونیا کے اوپر جاگری تھی۔ سونیا بھی اسی دنیا کی لڑکی تھی اس نے بغیر کسی سوال کے جو شو کا منہ دبایا تھا اور حلق کی چڑھائی چڑھتی ہوئی جو شو کی چیخ، سونیا کی پھیلی کے نیچے دم توڑ گئی تھی۔

”وکتور پینشن کی طرف نکل چلو“ جب میں کوکر تڑپتی جو شو پر گرا تو سونیا نے چیخ کر ڈرائیور کو حکم دیا۔

”کسی قاتل کو کیوں تلاش کیا جاتا ہے؟ اس نے طنز پر لبے میں پوچھا۔“

”قاتل؟“

”ہاں قاتل؟ اس نے کہا۔“ مون اپنے کمرے میں مردہ پائی گئی ہے۔“

”اوہ نہیں؟ جو شو کا انکشاف میرے لیے دھماکا خیز ہی تھا؟ نہیں جو شو! میں نے اسے زندہ چھوڑا تھا؟“

”لیکن وہ مردہ پائی گئی؟ جو شو نے مسکرا کر کہا۔“ ڈیڈی کا بیان یہی ہے جب وہ اندر داخل ہوئے تو مون اپنے بستر پر اونٹنی پڑی ہوئی تھی۔ اس کی کنپٹی میں سوراخ تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بڑی روح فرسا ہے قتل کرنے سے قبل تم نے اس کے ساتھ انسٹیت سوز سوک کیا تھا۔“

”اوہ میرے خدا! میں اس گھناؤنے الزام اور ناکارہ گناہ کے درد سے سسک اٹھا۔“ یقین کرو جو شو... خدا کی قسم میں نے مونیکا کو قتل نہیں کیا۔“

”پھر وہاں اور کون کیا ہوگا؟“

”میں جو کے بھیر رہے۔“ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”تم نے جب ان کو بتایا ہوگا کہ خرم جو دھری راستے میں ہی اتر گیا تھا تو وہی بروہ یقیناً ادھر گئے ہوں گے۔“

”لیکن وہ اسے قتل کیوں کرتے؟ جو شو نے الجھ کر سوال کیا۔“

”مونیکا کس قسم کی عورت تھی، مجھ سے بہتر تم جانتی ہو؟ میں نے معافی پیش کرتے ہوئے وضاحت کی۔“ اور جو لوگ تمھارے گھر مجھے مارنے گئے تھے جس قماش کے مالک ہیں وہ بھی تم سے پوشیدہ نہیں انھوں نے اسے تنہا پاکر زندگی کا مظاہرہ کیا ہوگا اور مونیکا کی مزاحمت یا اوشن کے خوف کی وجہ سے مونیکا کو خاموش کرنا ہی ان کے مقاد میں تھا۔ وہ اس کی موت سے دہرا فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے اور کامیاب بھی رہے ہیں۔ اپنی درندگی اور جرم، خرم جو دھری کے کھاتے میں ڈال کر اوشن کو شکاری کتوں کی صف میں کھڑا کر چکے ہیں۔“

”تمھارے دلائل میں خاصا وزن ہے؟ جو شو بولی۔“ کیا تم مجھے یہی دلائل ڈیڈی تک پہنچانے کی اجازت نہیں دو گے خرم؟“

”سوری ابھی نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”میرا اوشن تمھاری موجودگی میں ہماری کار کی شان میں کوئی خطرناک گستاخی نہیں کریں گے۔ وہ بالکل قریب آچکے ہیں پھر دوسری وجہ پولیس بھی ہے اور میں فی الحال پولیس کا مہمان نہیں بن سکتا۔“

”میری وجہ بھی ہے خرم؟ جو شو نے بتایا۔“ ڈیڈی کے حکم پر

گوچی کو بھی بوڑھے جو نے آزاد کر دیا ہے اور گوچی پاگل کتے کی طرح اپنی پیاری بیوی کے قاتل کو تلاش کرتا پھر رہا ہے اس نے میری موجودگی میں اپنے مہلکا گوتم کی قسم کھائی تھی۔ ڈیڈی کو تو میں یقین دلاؤں گی مگر پولیس اور گوچی سے تمھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔“

”میں موت سے نہیں ڈرتا جو شی۔“ میں نے پُر وثوق انداز میں کہا۔ ”جس طرح پہلے موت میری آنکھوں میں جھانک کر پلٹ جاتی رہی ہے اس بار بھی کتر کر نکل جائے گی۔ میں تو قید اور غلامی کی مجبوری سے خوف زدہ ہوں۔ میں آزاد رہنا پسند کرتا ہوں۔“

”لیری! فلیش کا سلسلہ کچھتے ہی سونیا بولی۔“ چوک سے دانیس طرف ٹرن لے کر کسی گلی میں ٹھس جانا۔ اس بار سونیا نے انگریزی میں ہدایات دی تھیں، شاید خوف و ہراس میں وہ بھول گئی تھی کہ ڈرائیور انگریزی نہیں جانتا۔ ڈرائیور نے پہلے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر بول پڑا تھا، تب سونیا نے وہی ہدایات اس کی مادری زبان میں دہرائیں۔

ہماری کار کے تعاقب میں صرف ایک جانی بچانی کار دوسری گاڑیوں کے درمیان سے لہراتی ملی آ رہی تھی، میں نے غور سے دیکھا ڈرائیونگ سیٹ پر اوشن نہ تھا، البتہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے شخص کے بال دکھائی دے رہے تھے۔ کار ایک بازار ناگلی میں چرچاتی ہوئی داخل ہوئی تو سونیا ایسے ہی تیار ہوئی جیسے کوئی چھانہ بردار سوانی جہاز سے کودنے کی تیاری کر رہا ہو۔ اس نے جلدی جلدی ڈرائیور کو بتایا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ ”اس موڑ پر ہمیں کوڑنل ہے۔“

”ڈرائیور سے کہہ دو۔“ میں نے بھی کوڈنے کی پوزیشن میں آتے ہوئے کہا۔ ”میں جو شو کو عزت و احترام کے ساتھ کسی مناسب جگہ اتار دے۔“ سونیا نے ڈرائیور کو میرا پیغام دیا اور پھر چولہی کار نے بائیں جانب ٹرن لیا، ڈرائیور نے پوری قوت سے بریک پر دباؤ ڈالا، کار کی تیز چرچاہٹوں میں ہم دونوں نے دائیں بائیں دروازے سے بیک صحت چھلا لیں رگادی تھیں۔ جب میں تلابازی کھا کر سیدھا ہوا تو سونیا گھٹنوں کے بل اٹھ رہی تھی اور کار دھواں چھوڑتی کئی گز آگے نکل چکی تھی۔

”بھاگو! سونیا تنگ سی راہداری کی جانب دوڑتے ہوئے چینی اور میں گھٹنوں اور گھٹنوں کی چوٹوں کے باوجود دوڑتا ہوا اس سے آگے نکل گیا تھا۔ جب ایک چمچے کے نیچے ہم دونوں دیک کر ہانپ رہے تھے تو تعاقب کرنے والی کار بھی گڈاڑاتی وہاں سے گزری تھی۔ میں نے اوشن کو پہچان لیا تھا۔ وہ پچھلی نشست میں دھنسا ہوا تھا۔“

”آؤ چلیں! سونیا نے پرسکون سانس لے کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ اب

یہ مردوں پر جھک مارتے پھرتے تھے اور ہم اپنے فلیٹ میں آرام کریں گے۔

”نہیں سونیا“ میں نے جارحانہ انداز میں ہاتھ پھڑپھڑاتے ہوئے کہا: ”براہ کرم مجھے منزل تک پہنچاؤ۔“

”کیا واقعی تم اتنے ہی احمق ہو؟ وہ بولی: ”یہ کوئی وسیع شہر نہیں اگر پانچ آدمی کسی کو تلاش کرنے لگیں تو ہر طرف پر وہ نگاہ رکھ سکتے ہیں، کیا اس لڑکی نے تمہیں نہیں بتایا کہ پولیس، اوشن اور گوجی تمہیں تلاش کر رہے ہیں، پولیس کسی ایک فرد کا نام نہیں پیارے وہ ایک جدید فورس ہے، تمہارے ساتھ نہیں اپنے گروہ کے مفادات کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔“

جس خطرے کی طرف سونیا نے اشارہ کیا تھا۔ وہ میرے پیش نظر بھی تھا اور جس احتیاط کی تجویز اس نے سامنے رکھی تھی۔ حالات اور وقت کا تقاضا بھی وہی تھا لیکن میں اڑ کر عابدہ کی سلامتی اور خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا، حالات نے جو ایک دم کروٹ بدلی تھی اس نے مجھے پورے بڑے بڑی طرف سے بھی مشکوک کر دیا تھا۔ اس نے جس فراخ دلی کا مظاہرہ کیا تھا مجھے ایک نئی چال اور سازش کی کڑی دکھائی دینے لگی تھی۔ پچھلے دنک نہ مارنے کی توقع کوئی احمق ہی کر سکتا ہے، ایک طرف می ٹو نے مجھے عابدہ تک پہنچانے کا اُلجھا ہوا اور طویل رستہ اختیار کیا تھا، اگر اس کے فائدے عابدہ کی اوٹ لے کر خرم جو دھری پر ہاتھ ڈالنے وہاں جاسکتے تھے تو مادام ٹری تال کو بھی براہ راست وہاں بھجوا دیا جاسکتا تھا۔ اگر وہ کسی مجبوری کے تحت نہیں بھیجی گئی تھی۔ تو سونیا کوئی خودی تال کے گھر طلب کر سکتا تھا، ٹری تال کو کیوں سمجھ پارنگ بھیجا گیا تھا اور سونیا مجھے وصول کر کے کیوں آوارہ گردی میں وقت ضائع کرتی رہی تھی؟ اور جب اس نے مجھے پارٹا تال تو میں اسی وقت جو شواہد اوشن کیوں میری ناک میں تھے؟ اتنے ڈھیر سارے سوال میرے ذہن میں گھبلانے لگے تھے جن کا کوئی جواب نہ تھا۔۔۔

سابقہ تلخ تجربات موجودہ اُلجھے ہوئے حالات اور یہاں کی بے قوت فضاؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سب سوالوں کا جواب ایک ہی تھا کہ کسی پر بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، اس جواب کی روشنی میں سونیا بھی مجھے ایک ایسی چٹیل دکھائی دے رہی تھی جو خوبصورتی کے بل بوتے پر کسی راہ گرو کو ہلکا سا کھینچ کر چبائے لے جا رہی ہو لیکن میری منزل کی راہوں میں جن خطرات کا اس نے ذکر کیا تھا۔ اُن سے انکار بھی نہ کر سکتا تھا، تین پارٹیوں کے تربیت یافتہ شکاری گتے میری ذات کی بوسوں گئے میرے نقاب میں تھے اور دن روشن تھا، اسی روشنی میں

میرے لیے چھپ کر نکل جانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا اور پھرے جانے یا دیکھے جانے کا مقصد مجھ سے پوشیدہ بھی نہ تھا۔

”یہ گولی بھی ماری جاسکتی تھی اور گھر کر کسی نہ خالے میں بند بھی کیا جاسکتا دووں صورتیں خوشگوار ہرگز نہ تھیں۔“

سونیا کا فلیٹ جو سختی منزل پر تھا، ضرورت کی ہر شے موجود تھی لیکن گرو کی نہ زبان حال سے بتا رہی تھی۔ لیکن کو یہاں رہنے اور چیزوں کو استعمال کرنے کی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی۔ اس نے میلی چادر سے صوفے، کرسیاں اور ایک میز جھاڑ کر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پلنگ کی چادر لے کر ہاتھ دھو میں چلی گئی۔

جب سونیا نے نئی چادر بچھائی اور مجھ سے معذرت طلب کر کے لباس بدلنے دوسرے کمرے میں چلی گئی تو میں اُٹھ کر پلنگ پر بچھ گیا۔

... پھر میرے پر گرم سانسوں کی پیش خوس کرتے ہی میری آنکھ کھل گئی تھی، کمرے میں دو دھیا روشنی چیلی ہوئی تھی اور میری آنکھوں کے قریب سونیا کا گندمی بیضی چہرہ جھکا ہوا تھا: ”جاگو شہزادے! اس نے میری پیشانی پر لڑال ہاتھ پھیرا اور میں نے خوابیدہ سے کسی انجان جذبے کے تحت اس کے ہاتھ کی پشت پر پھیلی رکھ دی، جوں ہی میں کہنیوں کے بل آدھا اٹھا اس نے دوسرے ہاتھ سے مجھے پھیر لیا۔

”وقت... میں نے شش حلق سے بمشکل آواز نکالی۔ وقت کیا ہوا؟“

”رات ابھی شروع ہوئی ہے، میں اُچھل کر لستر سے اُٹھ کر کھڑا ہوا۔“

”بالتقدیر میں پانی ہے؟“ میں نے پوچھا۔ پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہاتھ روم میں داخل ہو گیا۔ نیم گرم پانی سے غسل کر کے جب میں باہر نکلا تو سونیا کمرے میں نہ تھی، میرا ہاتھ اٹھکا، تو لیرہ کرسیوں پر اُچھان ہو دروازے کی طرف دوڑنے لگا، ٹوٹھا کھوکھرا اپنی طرف کھینچا تو کھل سونیا کی غیر حاضری میرے نزدیک بے حد خطرناک تھی، لیکن اس نے دروازہ مقفل نہ کر کے مجھے عجیب اُلجھ میں ڈال دیا تھا۔

”کیا تم جانا چاہتے ہو خرم؟“ سونیا کی آواز پر میں نے پھرتی سے پلٹ کر دیکھا وہ اپرین پہنے پھرتی تھی۔ بیٹھو میں کھانا لاتی ہوں؟ اس نے گہلا لیرہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ پھر وہ پلٹ کر اندر چلی گئی اور جب قد آدم آئینے کے سامنے جا کر بالوں کو سیٹ کرنے لگا تھا۔ ایک ہی رُے میں دونوں کا کھانا تھا، ایک پلیٹ میں آبلے ہوئے چاول اور دوسری میں آلوؤں کا بھرہ، البتہ جینی کی بوتل بھری ہوئی تھی، ان حالات میں اور ایسے حاضری باورچی خانے سے اس قسم کا کھانا ہی کچھ کم نعمت نہ تھی۔ جب میں نے چاول چھوٹے ہوئے بسم اللہ اتر میں

پرچی تو سونیا نے استفہامیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھا: ”کیا کہا تم نے؟“

”میں نے کہا ہے شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت بہرہ بان اور رحم کرنے والا ہے۔“

”کیا تم ہر شے کھانے سے قبل ایسا ہی کیا کرتے ہو؟“

”ہاں۔ ہر کام کی ابتدا ان ہی پاکیزہ الفاظ سے کرتا ہوں میں نے نوالہ چبائے ہوئے بتایا: ”کیا اللہ مہربان اور رحیم نہیں ہے؟“

”بے شک ہے، سونیا بولی: ”یہاں ایک اسلامی مرکز بھی ہے۔“

”مسجد؟“

”جتنے نہیں شاید کم لوگ اُسے مسجد ہی کہتے ہو، وہ نوالہ بناتے ہوئے بولی: ”وہاں جمعہ کے دن مسلمان جمع ہوتے ہیں۔“

”ہاں ہم لوگ ہر جمعہ کی نماز مرکزی مسجد میں ادا کیا کرتے ہیں اور امام ہمیں آسمانی کتاب، قرآن کریم کی اچھی اچھی باتیں بتاتے ہیں۔“

چند نوالوں میں پلیٹ صاف ہو گئی تھی، پیٹ بھرا تو نہ تھا مگر بھوک کا منہ البتہ بند ہو گیا تھا، پلاسٹک کی بوتل کا پانی پی کر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا اور سونیا برتن اٹھانے لگی، واپس پر اسی رُے میں کافی کاسامان لائی تھی۔ اس نے چھوٹی چھوٹی فیس پیالوں میں کافی تیار کی۔ کافی کی بہک نہایت ہی خوشگوار تھی اور ذائقہ بھی فرست بخشنے ہی تھا۔

”چنگ چچی کی جہالت نے تمہیں بہت کم وقت میں بڑی شہرت دلائی ہے، یہ وہ سپ لیتے ہوئے بولنے لگی: ”جس مقام پر اب تم کھڑے ہو اس مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ہماری فوج میں خون اور آگ کے کئی سمندروں کو بھرنے پڑتا ہے، پھر بھی ایسی شہرت نصیب نہیں ہوئی، انکل امر سنگھ ہمیشہ تمہاری تعریفیں کرتا رہتا ہے، تو کچھ بڑے بڑے ہیں۔ اس کی روشنی میں تم ایک ایسے جنگی درندے ہو جو شکاری کے تجربے سے کسی پر رونق مڑک پر نکل بھاگا ہو۔“

”تم نے بڑا اچھا اور واضح تجزیہ پیش کیا ہے سو فی صد میں نے سناؤں لیجے میں کہا: ”لیکن میں جنگل کا درندہ نہیں ہوں بلکہ ایک غریب ملک اور خاندان کا مفرد بیٹا ہوں۔“

”اس شہر سے نکلنا پسند کرو گے خرم؟“ وہ پیالی کے افق سے میری آنکھوں میں جھانک کر بولی: ”عجیب سوال ہے، میں نے مسکرا کر کہا: ”کسی دوزخی سے اگر کوئی فرشتہ ایسا سوال کرے تو جو جواب اس کا ہو گا وہی جواب میرا بھی ہے۔“

”تو پھر وقت اور میرے اشارے کا انتظار کرو؟“ سونیا سپاٹ آواز میں بولی۔ میری رضا مندی پر سونیا نے کسی خوشی اور جوش کا اظہار کیا

تھا۔ نہ میں خوش فہمی کا شکار ہوا تھا۔ میں اپنے پروں کی پرواز پر ایمان رکھتا تھا۔ کسی لڑکی کو میا کھی بنا کر منزل پانے کی اہمقاہ سوچ میرے اندر کبھی بیدار ہی نہ ہوتی تھی۔

ایک ہلال کا فاصلہ ہم نے اندھیروں میں طے کیا، میں سوچ رہا تھا۔ بڑی سڑک پر چڑھ کر کسی جیسی کو روکنے کی کوشش کروں گا، کیوں کہ وہاں کی ٹیکسیاں بھی عجیب بد تمیز اور اندھی تھیں، اشارہ دینے پر زن سے نکل جاتی تھیں اور کبھی بے طلب ہی قریب آکر رک جاتا کرتی تھیں۔ لیکن دوسرے ہلال کے پار کنگ شید میں صبح والا ڈرائیور ہمارا منتظر تھا، میں اُسے دیکھ کر اس لیے حیران ہو گیا تھا کہ سونیا نے فرار ہوتے وقت اُسے کوئی ہدایت نہ دی تھی اور نہ ہی اس کے فلیٹ میں ٹیلی فون کی سہولت تھی۔ اور میرے ذہن سے یہ سوال نشتر ہوا اور سونیا نے فوراً اُسے موصول کر لیا تھا، ہو سکتا ہے یہ شخص اتفاق ہی ہو یا سونیا ٹیلی فنی کا علم جانتی تھی۔

”جب تم سونے ہوئے تھے میں انکل جو کور پورٹ دینے باہر گئی گئی تھی اُس نے میرے خاموش سوال کا جواب دے دیا تھا۔“

”لڑکی کو کہاں بھیجا تھا تم نے دوست؟“ میں نے ڈرائیور سے سوال کیا جس کا ترجمہ صوب موصول سونیا نے کیا تھا۔

”کہہ رہا ہے اُس کے فلیٹ کے نزدیک؟“ سونیا نے اُس کا جواب مجھ تک پہنچایا، وہ مسلسل بول رہا تھا اور اس کی باتیں سونیا رواں تبصرے کے انداز میں نشر کرنے لگی تھی: ”جنگ نے تمہاری واپسی کا مطالبہ کر دیا ہے، وہ تمہارے عرصہ جو کامرکزی اقد واپس کرنا چاہتا ہے، اوشن نے اپنی بیٹی کی بات نہیں مانی، گوجی، پولیس کے ساتھ مصروف تلاش ہے، میں خاموش رہی تھا، کوئی بھی بات غی اور حوصلہ افزا نہ تھی، میرے نزدیک چنگ اور می جو ایک جیسے ہی دوزخ کے دانے تھے، می جو مرکزی اقدے کے بدلے مجھے واپس کر دیتا یا انکار کر دیتا میرے لیے برابر ہی تھا۔“

ڈرائیور نے راستے سے کار اندر لے گیا تھا اور ام سنگھ کے مکان کے سامنے میں نے کار روکنے کا اشارہ کیا تھا۔ جب میں نیچے اُتر آیا تو میرا جسم عابدہ کے تصور اور اُس کے والدین کے خیال سے سنسنے لگا تھا اُس کا گھر سامنے تھا اور محض روشن تھا۔

”اگر تم چاہو تو ہم ٹھہر سکتے ہیں؟“ سونیا نے چہرہ باہر نکال کر کہا: ”ویسے میں ہدایت ہی ملی تھی کہ تمہیں چھوڑ کر واپس چلے آؤں۔“

”ٹھیک ہے تم وہی کرو جیسا کہا گیا ہے؟“ میں نے ریلو اور ٹیک

کے جانے کے بعد وہ بولی: "تو جان نے کاغذات بنگلہ دیش کے لیے منگوائے تھے، لیکن میں آپ کے ملک میں جانا چاہتی ہوں۔ آپ وعدہ کریں، مجھے انتظار کی آگ میں زیادہ عرصہ نہ جلائیں گے، عابدہ نے میری پتیلیوں پر چہرہ رگڑتے ہوئے کہا۔

"میں بھی اب تمہارے لیے واپس آؤں گا عابدہ۔ جب وہاں کیتوں میں بیٹھ کر تم ہر روز مجھے یاد کیا کرو گی تو میرا دل یہاں کیسے لگ سکے گا؟"

ماں بیٹی دروازے تک آئیں اور دونوں نے خدا حافظ کہہ کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ باہر نکل کر بغیر کئے ایڈنا والی گلی میں چلنے لگا کیوں کہ مجھے ایڈنا کے گھر سے علی فون پر می جیسے سودا طے کرنا تھا۔

"آہستہ چلو دوست، عقب سے آواز آئی اور میرا اٹھا ہوا قدم جام ہو گیا، میں نے صرف چہرہ ہی گھمایا تھا اسٹریٹ لائٹ میں آنے والے صاف دکھائی دے رہے تھے، دونوں ہی خالی ہاتھ تھے۔ ہم دوست میں خرم چودھری: "آواز تو غیر مانوس تھی مگر جب وہ دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ قریب آئے تو ایک نام سے نہیں البتہ چہرے سے آشنا لگا، وہ جنگ جی کے بیرونی معاملات کا اچھا تھا۔ لاٹوش: "اُس نے قریب آکر سر جھکایا اور ہاتھ آگے کر دیا تھا۔

"میں چیف کا سلام اور پیغام لایا ہوں۔" میں نے دونوں سے باری باری مصافحہ کیا اور نوڈ کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "چیف کو بھی میرا شکریہ اور سلام پہنچا دینا لاٹوش۔"

"کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے دوست؟ لاٹوش نے مودب لہجے کو برقرار رکھتے ہوئے کہا: "چیف تمہارے لیے بہت پریشان ہے خرم چودھری! اُس نے تمام معمولات ملتوی کرنے کا حکم دے دیا ہے۔"

"اگر میں کسی وجہ سے معذرت کر لوں تب؟" میں دوبارہ درخواست کر دیا کہ پیارے دوست، لاٹوش مددگار ہو کر میری لپے میں بول رہا تھا۔ اُس لمحے وہ بے حد شریف اور ہذب شخص دکھائی دے رہا تھا۔ اور جب تک تم ہاں نہ کرو گے میں درخواست کرتا رہوں گا! اُس کی شیریں بیانی اور مودب انداز کے پیچھے جولاٹوش چھپا ہوا تھا۔ اُسے میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ بڑے طوفان کا پیش خیمہ گھبراموٹی اور گہرا سکوت ہی ہوا کرتا ہے، میرے لیے یہ یقین مشکل نہ تھا کہ لاٹوش کی ہر درخواست کا انداز اور

لب و لہجہ بتا رہا تھا۔ آخر فیصلہ مجھے ہی کرنا تھا اور فیصلہ اقرار یا انکار کی صورت میں ہی ہو سکتا تھا، مگر میری موجودہ پوزیشن پھر وہ صورتوں کی منتقلی نہ تھی۔ میں نے دونوں راستوں کو سرد پا کر تیسرے راستے کی جانب دیکھا۔ وہ تھا سیاست کا راستہ۔

"ختم لاٹوش کیا تم کسی ٹیلی فون کو تھک میرا ساتھ نہ دو گے؟" میں نے دوستانہ لہجے میں کہا: "چیف سے میں خود بات کروں گا۔"

"میرا خیال ہے مجھے ایسا کرنا چاہیے؟" وہ دوسرے ساتھی کی طرف دیکھنے لگا: "کیوں برٹ؟" میں تمہارا معاون ہوں۔ برٹ کندھے اُچکا کر بولا: "جو تم ہو گے وہی میں کروں گا۔"

"آؤ دوست، اُس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ تم ذہنی اعتبار سے بھی مہاد ہو۔" گلی سے نکل کر دائیں ہاتھ مارکیٹ تھی، آدمی سے زیادہ کانیں بند ہو چکی تھیں۔ کھلی دکانوں پر بھی آٹا دکان پر دکانی دے رہا تھا۔ لاٹوش نے بوتھ میں داخل ہو کر سیکرٹ ڈالا اور خبر ڈال کر نکل گیا۔ "گڈ نائٹ مادام،" اس کی آواز میں نکتہ تھی: "آپ کا خادم لاٹوش۔۔۔ خرم چودھری، چیف سے بات کرے گا۔۔۔ نہیں مادام کسی گستاخی کی نوبت ہی نہیں آئی خرم بالکل پرسکون ہے۔ لاٹوش نے ریسپونڈ میری طرف بڑھایا: "مادام سے بات کرو۔"

"خرم چودھری: میں نے سرسراتی آواز سے اپنا تعارف کرایا۔ "اوہ۔ خرم چودھری، کیسے ہو پیارے؟ میں تجوزی ہوں۔ یہی جانا تم نے؟"

"ہاں میرے حافظے میں دعائیہ کلمات اب بھی محفوظ ہیں ملاؤ! میں نے اُسے اس رات کا حال دیا جس رات مجھے دیکھ کر وہ اپنی تمام عبادتوں اور ریاضتوں پر پانی پھیرتے پھیرتے یک دم سنبھل گئی تھی۔ "کیا آپ کا چلہ مکمل ہو گیا ہے مادام؟"

"ہاں! اُس نے جواب دیا: "میں دوسری رات ہی طلب کر لی گئی تھی، اُس رات تم میرے ہمان بھی بنے مگر حالات ایسے تھے ملائکہ نہ ہو سکی تھی، جب میں واپس آئی تو تمہیں فادر گاہے کے حوالے کیا جا چکا تھا۔"

"چیف سے بات کرو! میں مادام: میں اس کی بک بک سے اکتا کر بولا۔ "سولہ کرو،" اُس نے جنگ جی کو پکارا اور پھر میرے کانوں سے جانی پہچانی چھٹکارا۔

"ہیلو لوائے، یہ کیا عاقبتیں کرتے پھر رہے ہو، تمہاری وجہ سے وہ جو ابھی شیریں گیا ہے۔"

"چیف! یہ شکوہ تو مجھے کرنا چاہیے تھا۔" میری آوازیں غیر ارادی طور پر جوش نمایاں ہونے لگا تھا۔ آپ کو معلوم ہو گا آپ کی وجہ سے اس نے میرے عزیزوں کو پریشان کیا ہے۔"

"جنگ میں ایسا ہوتا رہتا ہے لڑکے،" اُس کا ہجہ یکدم سرد ہو گیا: "بعض اوقات مقابل کو ہراساں کرنے کی خاطر گولے اصل ہدف سے ہٹ کر بھی گئے جاتے ہیں۔ بہر کیف تم آؤ گے تو میں تمہارے نقصان کی تلافی کروں گا۔"

"میں ایک درخواست لے کر حاضر ہوا ہوں چیف، لیکن پہلے میں اپنی موجودہ حیثیت کے بارے میں وضاحتی سوال کرنے کی اجازت چاہوں گا۔" بولو: "میں سس رہا ہوں۔"

"کیا میری وفاداری کسی بھی لحاظ سے مشکوک ہے؟" "نہیں۔"

"میں نے چیف کو کبھی دھوکا دینے کی کوئی کوشش کی ہے؟" "یقیناً نہیں،" اُس نے کہا: "لیکن تم ایسے سوال کیوں کر رہے ہو خرم؟ تم جانتے ہو جنگ نے اپنی سطح سے بہت نیچے گرتے ہوئے تمہیں اوپر اٹھایا ہے۔"

"میں اپنی ممنونیت کا ہی تواظہ کر رہا ہوں چیف۔" "وقت مناسب نہ کرو لڑکے،" اُس نے آگاہت بھرے انداز میں کہا: "چلو، میں تمہاری وجہ سے خاصا پریشان ہوں۔"

"چیف! میں فی الحال نہیں آسکتا۔" "کیوں؟ اُس نے بیچ کر پوچھا: "کیوں نہیں آسکتے؟" میں صرف یہی کہوں گا چیف، مجھے مجبور کیا جائے، میں فرصت پاتے ہی آپ کے پاس چلا آؤں گا،" میری باتوں کے جواب میں اُس کی آواز بڑھتی گئی تھی: "اگر چیف کو میری وفاداری پر اطمینان ہے تو لاٹوش کو حکم دیا جائے کہ وہ مجھے جانے دے۔"

"لڑکے! وہ طویل سالوں میں غزایا۔ تم میری مجبوری سے یقیناً آگاہ ہو چکے ہو، کب تک آؤ گے؟" "شرط نہیں چیف،" میں نے التجائیہ آوازیں کہا: "بغیر مشروط وفاداری بہتر ہوتی ہے۔"

"اوکے۔ لاٹوش کو ریسپونڈ دے دو، اس کی آواز کا سارا رنگ اُتر گیا تھا۔ میں نے ریسپونڈ لاٹوش کی طرف بڑھا دیا۔ لاٹوش خاموشی سے جنگ جی کو سنتا رہا اور پھر اُس نے ریسپونڈ دوبارہ مجھے دے دیا۔ "شکریہ چیف،" میں نے نمون آوازیں کہا۔

"مالی اور افرادی ضرورت؟ اُس نے پوچھا۔" "اگر کوئی ایسی مشکل پیش آئی تو میرے قدم اپنا گھر چھوڑنے میں، چیف" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ،" وہ بولا اور ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ "شکریہ دوست،" میں نے ریسپونڈ سے اٹھا کر لاٹوش کی طرف ہاتھ بڑھایا: "اب تم جاؤ مجھے ایک جگہ فون پر رابطہ قائم کرنا ہے۔" لاٹوش نے جنگ جی کو میرا ہاتھ گرم ہوشی سے محکم کر کے خوش انداز میں تین چار تھکے دیے اور میرے شانے پر پتھکی دیتا ہوا بوتھ سے نکل گیا۔ مجھے امید تو نہ تھی کہ فٹنوں کا بادشاہ جنگ جی میری درخواست قبول کرے گا، مگر اس کی مجبوری نے اُسے طوعا کر ہاں کر کے پر مجبور کر دیا تھا، وہ بہر صورت میری ذات سے وابستہ رہنا چاہتا تھا، انکا سار جبر کی صورت میں جو خطرہ اُسے میری ذات سے تھا۔ اُسے بھی اُس نے مد نظر رکھا ہو گا۔ میں نے شیشے سے دیکھا لاٹوش اور برٹ دونوں تیز تیز قدم بڑھاتے جا رہے تھے۔ تب میں نے می بٹوکا ہنر ڈال کر میرے پاس مادام ٹی تال کا ہی خبر تھا۔ دوسری طرف مادام ٹی تال موجود تھی۔

"مادام میں ماسٹر سے بات کرنا چاہتا ہوں،" بغیر تمہید کے میں نے کہا: "بے حد ضروری بات ہے۔"

"سنو لڑکے،" مادام نے کوچ دار آوازیں جو اب کہا: "ماسٹر کوئی ریشاڑو ملازم نہیں ہے جو دن رات یہاں بیٹھا مکتھیاں اُٹاتا رہے، اُسے کارندوں کو کنٹرول کرنے کے لیے پورے شہر میں بکھرنا پڑتا ہے، شاید کل کسی وقت واپس آئے گا، تم یہاں چلے آؤ۔" "مادام! میں نے توفیقی آوازیں کہا: "میرے ارد گرد موت کھڑی ہے، ماسٹر نے شاید اپنی برتری بتانے کے شوق میں جنگ کو پیغام دے دیا ہے اور اس کے آدمی میرے تعاقب میں ہیں، اگر ماسٹر سے رابطہ نہ ہو سکا تو میں خود کو جنگ کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"تم سب لوگ بکے سو رہو۔ ہر وقت خون کی باتیں، اُس کا نبر لوٹ کر لو،" میں اُس کی بھجلاہٹ پر بے اختیار مسکرانے لگا تھا۔ اُس نے فزیکل ٹک کر بتایا اور میں نے ناخن سے بوتھ کی دیوار پر نوٹ کر لیا۔

جو تھی گھنٹی پر دوسری طرف کسی کی چھٹکارتی سانس ابھری، کوئی دُور سے دور تا ہوا آیا تھا اور ریسپونڈ اٹھا کر بھولی ہوئی سانسیں درست کر رہا تھا: "ہا۔ ہا۔ وہ ہانپتی آوازیں اٹک اٹک کر بولا۔

”کون ہے؟“

”خرم چودھری، ماسٹر سے فوراً بات کراؤ۔“

”کھو، خرم۔ اوہ تم ہو۔ بولڈ کرو، کھٹ کی آواز آئی۔۔۔“

میں نے تھکے ہوئے گدھے کی طرح اپنا بوجھ دوسری ٹانگ پر رکھا اور بولڈ کی دیواروں پر کند چنڈ خریدیں پڑھنے لگا۔ بڑے بڑے نادر فقرے اور بے لباس الفاظ دیواروں پر بکھرے آج کے انسان کی ذہنی بلندی پر زندہ زن تھے۔

”بیلو بوائے“ می بڑی باریک آواز آئی۔ ”ابھی تک جاگ رہے ہو؟“

”ماسٹر! میں واپس آنا چاہتا ہوں۔“

”نہایت ہی دل خوش کن خبر ہے۔“ وہ چپکا۔ ”چلے آؤ پیارے، دل اور آنکھیں فرش راہ پاؤ گے۔“

”مگر ایک شرط کے ساتھ۔“

”حالانکہ میں نے تمہیں غیر مشروط جانے دیا تھا پیارے۔“

”میں مجبور ہوں ماسٹر۔“ میں نے ندامت ظاہر کی۔ ”اسے شرط کہو یا میری درخواست۔“

”بولو! اس نے مہربان انداز میں کہا۔ ”جو نایاب ہیروں کا شہنائی رہا ہے، اپنی قیمت لگاؤ۔“

”دس ہزار ڈالر ماسٹر! میں نے بے سوچے ہی اپنی قیمت اُسے بتا دی۔“

”بہت کم ہے بڑے۔“ اُس نے جواب دیا۔ ”ادائیگی کا طریقہ کار بھی بتا دو۔“

”میں سنجیدہ ہوں ماسٹر۔“ میں نے اس کی رضامندی کو طنز پر انداز ہی سمجھا تھا، کوئی احمق ہی مجھ جیسے بھیک منگے تلاش لوجوان کو دس ہزار ڈالر میں خریدنے کا فیصلہ کر سکتا تھا اور می جو جیسا شخص کم از کم احمق ہرگز نہ تھا۔

”بات کیا ہے خرم؟ اُس نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔ کیا کرو گے اتنی بڑی رقم کا؟ تب میں نے اُسے سچ سچ ساری بات بتا دی اور اُس نے میرے جذبے اور عہد الحکیم کے دانش مندانہ فیصلے کی بے حد تعریف کی تھی۔ ان لوگوں کے کاغذات میرے حوالے کر دو خرم۔ وہ بولا۔ ”تم جانتے ہو اُس لڑکی کے معاملے میں میرا رویہ کچھ دوسری قسم کا ہے، چند دنوں تک ہم اُن کو یہاں سے روانہ کر دیں گے۔“

”میں اس احسان کو یاد رکھوں گا ماسٹر، میری آوازیں خوشی

اور ممنونیت کی کپکپاہٹ تھی۔ میں اس سنگہ والی مارکیٹ کے بولڈ سے بول رہا ہوں، براہ کرم گاڑی بھیج دیں۔“

”سنو خرم! می بڑے سرگوشیاں آواز میں کہا۔ ”ادھر حالات مخدوش ہیں، ہم یہ ٹھکانہ خالی کر رہے ہیں جنگ کا دباؤ مسلسل بڑھ رہا ہے، جانتے ہو میں نے اُس کی بہت بڑی پیش کش ٹھکرا دی ہے، میں نے تمہیں آزاد کر دیا تھا اور وہ مجھ سے تمہارا سودا کرنا چاہتا تھا۔ جو شے میری نہ رہی۔۔۔ اُس کا سودا میں کیسے کرتا۔ خیر چھوڑو اس ذکر کو، میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا، میں نے اپنا ایک اصول مرنے سے بچا یا ہے، ہاں تو میں اُسی لڑکی کو بھیج رہا ہوں، وہ تمہیں مناسب وقت تک محفوظ جگہ رکھے گی۔“

”لیکن میں کاغذات دینا چاہتا ہوں ماسٹر۔“

”سونیا کو دے دینا! اس نے بتایا۔ ”مجھ تک پہنچ جائیں گے اور میں اس سنگہ کے ذریعے بعد الحکیم سے پوچھ لوں گا اُسے رقم کس صورت میں دی جائے۔“

”کوئی ایسا آسان اور یقینی طریقہ ہونا چاہیے ماسٹر کہ وہ لوگ اس رقم کو وطن جا کر آرام سے حاصل کر سکیں۔“

”ٹھیک ہے بشرط زندگی! اُس نے بھٹی آواز میں کہا۔ ”موت اور زندگی ان دونوں پہلو پہلو چل رہی ہے، تم بولڈ کے قریب رہنا۔ شب بخیر۔“ میں شکر یہ ادا کرنا چاہتا تھا مگر شکرینے کے الفاظ میرے ہونٹوں سے ہی چپک کر رہ گئے تھے، می بولڈ نے یکدم

سلسلہ توڑ دیا تھا۔ بولڈ سے نکل کر میں نے بے کاری سے ریگاز بریز کے مصداق پادکنگ شروٹ میں کھڑی گاڑیوں کے ماڈل اور پلیٹ نمبر پڑھنے شروع کر دیے تھے، ان گاڑیوں میں ایک وین پولیس کی بھی تھی۔

تب میرے ہم پر خوف کی بے شمار جیوشیاں چڑھ آئی تھیں، بھاگ دوڑ اور عابدہ کے کیف انگیز خیالوں نے میرے ذہن سے یہ بات دھو ڈالی تھی کہ میرے ہاتھوں پر ناکردہ قتل کا خون لگایا جا چکا ہے اور مقتولہ کا شوہر پاگل اونٹ کی طرح میری کھوج میں لگیوں سرگول اور بازاروں میں پھر رہا ہے۔

ایک شخص سر جھکائے پارکنگ شیڈ کی جانب آرہا تھا، اُس کے دائیں بائیں دونوں جوان جو کس انداز میں چل رہے تھے میں جیب سے دو مال نکال کر گاڑیوں کے درمیان چلنے لگا، شیڈ کے دائیں کونے والا دب فیوز تھا کسی نے روشن ہی نہ کیا تھا، اُدھر کھڑی گاڑیاں نسبتاً ٹنگی روشنی میں تھیں میں نے وہ نیم تاریک کونہ اپنے

یہ سوچ کر منتخب کیا تھا کہ کاروں کا رنگ میچا نا نہیں جا رہا تھا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ ایسی جگہ کھڑا ہو جاؤں جہاں میرا رنگ بھی صاف پہچانا مشکل ہو۔ آنے والے پولیس کے جابغا کم بھی ہو سکتے تھے جو کسی مجرم کو حراست میں لیتے ہوئے تھے اور کسی بڑے آدمی کے زرخیز غلام بھی۔ یہ دیکھ کر میں نے گہری سانس لی تھی کہ وہ تینوں اُس کار کے قریب آکر رُکے تھے جس کے ساتھ تھوڑی دیر قبل میں ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا جب بولڈھا اندر بیٹھ چکا تو اُس نے تین بار جھک کر سلام کیا اور مقدم بہٹ کر موندبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا تھا، دوسرے نوجوان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ جب کار متحرک ہوئی تو نیچے کھڑا نوجوان ایک طرف دوڑتا گیا اور کونے میں کھڑی موٹر سائیکل پر کُود کر بیٹھا اور کار کے پیچھے چل پڑا تھا۔ ابھی میں متاثر دیکھ ہی رہا تھا کہ سیاہ کار چرچراتی ہوئی شیڈ کے باہر رُکی اور سونیا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی، میں گاڑیوں کی بے ترتیب قطاروں سے گزرتا جب سامنے ہوا تو وہ واپس اندر بیٹھ گئی۔

”جلدی بیٹھو! اُس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے رُکھائی سے کہا۔ ”اگر تمہیں اتنی جلدی واپس جانا تھا تو بتا دیتے۔“

”غلطی ہو گئی مدام۔“ میں نے اندر بیٹھ کر کہا اور دروازہ بند کر دیا۔ ”مجھے معلوم نہ تھا۔ شہزادی عالیہ کو یہ پھر تکلیف دی جائے گی۔“

”میں تیرا ہوں! اُس نے کار کو بیک کرتے ہوئے نافذ غلا لہجے میں کہا۔ ”آخر یہ دونوں پاگل بولڈھے تمہیں اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟“

”اس لیے کہ میں ایک ایسی نایاب قسم کا گدھا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”جس کے سر پر سینگ ہیں اور ان سینگوں سے بیک وقت دودھ اور خون نکالا جاسکتا ہے۔“

”ناایاب ہو یا نہیں مگر دل چپ گدھے بے شک ہو۔“ وہ ہنستے ہوئے کہنے لگی۔ ”میری بات یاد ہے نا؟“

”کون سی مدام؟ میں نے اس کی طرف جھک کر پوچھا۔ دلچپ گدھے والی؟“

”نہیں، یہاں سے فرار کی! اُس نے کار آگے جاتے رُک سے پاس کرتے ہوئے بتایا۔ ”میرے پاس ایک شاندار منصوبہ ہے خرم۔ مجھے تم جیسے بہادر، نڈر اور پھرتیلے ساتھی کی تلاش تھی، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انکل جوا اور اس سنگہ کا پسندیدہ نوجوان۔۔۔“

خرم چودھری اتنی آسانی سے مل جائے گا، میں کھتی ہوں وقت مجھ پر مہربان ہے۔ ہم اس شاندار منصوبے کے ساتھ روشن مستقبل کے

سہانے جزیروں کی طرف بہت جلد سفر کریں گے۔“

”میں ساتھ سینے کا بھد کر چکا ہوں سو فی“ میری بدلی ہوئی آواز اور دلربانہ انداز پر اُس نے چونک کر دیکھا۔ لیکن مجھے چند دنوں کی بہت ضرورت دینا۔“

”ٹھیک سات دن خرم! اُس نے بتایا۔ ”ان سات دنوں میں ہمیں مستقبل کو سنوارنے پر کام کرنا ہو گا۔“

سونیا مجھے دوسرے راستوں سے اُسی فلیٹ میں لے گئی تھی۔ لفٹ سے نکل کر پڑانے اور جگہ جگہ سے ادھر سے بولڈھے میٹ پہلے آواز چلتے جوں ہی ہم فلیٹ کے دروازے پر پہنچے تو ہول سے روشنی کی کرن دیکھ کر سونیا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ کیا تم یاد کر سکتے ہو ہم نے لائٹ آف کی تھی۔؟ اس نے پوچھا۔

”مجھے یاد ہے تم نے سوئچ آف کر دیا تھا! میں نے ذہن کے محفوظ ذخیرے سے یاد نکالتے ہوئے بتایا۔

وہ جھک گئی اور کی ہول سے آنکھ لگا کر اندر دیکھنے لگی۔

پھر چہرے پر خوف کی پرچائیاں لیے اوپر اٹھی اور سرگوشی میں

میں بولی۔ ”انکل شمعون ہے، سب کچھ میں بولوں گی تم نہ بولنا۔“

میں اثبات میں سر ملاتے ہوئے اُسے تعاون کا یقین دلایا۔ اس نے محتاط انداز میں لٹو کھایا اور پھر۔۔۔۔۔ پرس سے جانی نکال

کر دروازہ کھولا، اندر داخل ہو کر بیچوں کے بل دو قدم چل کر اُس نے پلٹے بغیر ہاتھ سے مجھے بھی اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے احتیاطاً ہی ریوالور والی جیب میں ہاتھ ڈال لیا تھا۔ پلنگ خالی تھا اور ایک پچاس ساٹھ برس کا نوجوان بولڈھا ہاتھ روم سے نکل کر سامنے آگیا تھا، اس کی نگاہیں سونیا کے اوپر سے مجھ پر مرکوز تھیں اور میرے ہونٹ بچھنے ہوئے تھے۔

”انکل۔؟“ سونیا بولی۔ ”یہ خرم سلطان ہے، جس کا ذکر میں نے فون پر کیا تھا، یاد ہے نا۔؟ اُس کے اُٹھے ہوئے کان ایسے ہی ڈھیلے ہو گئے تھے جیسے کتے نے مالک کی آواز پہچان لی ہو اور بگڑا ہوا چہرہ بھی نرم اور متبسم ہو گیا تھا۔

”دخوش آمدید نوجوان! وہ سونیا سے رگڑ کھاتا ہوا میری طرف بڑھا اور میں نے جیب سے ہاتھ نکال کر مصافحہ کرنے کی رسم ادا کی۔ سونیا نے بتایا تھا کہ نوگزار نوجوان شیر اس شہر میں لوگوں کو چیرتا پھارتا پھرتا ہے، بلاشبہ تم اچھی نسل کے شیر ہو۔“ اس نے میرے شانے پر زور سے ہاتھ مارا اور تمہارے ہاتھ

85

واپس پلٹا۔ سونی۔ اٹھیک ہے اچھی نسل سے دوستی بہت اچھی ہے، اگر جلدی سے کافی پلا دو تو میں تمہارے وقت کو مزید ضائع نہیں کروں گا۔

”ایسی کوئی بات نہیں انکل۔ میں نے سونیا کو بالکل مشرقی لڑکی کے خالص اور پختے روپ و انداز میں شرماتے دیکھا۔ مجھے واپس جانا ہے، آپ چاہیں تو رہ سکتے ہیں میری واپسی کا کچھ ٹھیک نہیں اور خرم چوہدری بھی بعض وجوہ کے پیش نظر باہر نہیں جاسکتا، صبح ناشتے کا انتظام آپ کو کرنا ہوگا۔“

”ہاں انکل۔ میں جلدی سے بول پڑا۔“ آپ رہ جائیں ایک سے دو بجھتے ہیں۔“

”خرم۔ اکاغذات نے دو سونیا پلنگ کی چادر دست کرنے لگی ہے انکل جو لے کہا تھا اے آنا۔“ میں نے ایک پاکٹ سے لفاظ نکال کر اس کے حوالے کر دیا اور وہ لفاظ گریبان میں گرتی ہوئی واپسی کے لیے چل پڑی تھی۔ مجھے پلنگ سے لڑ سونیا کا انکل شمعون افریقہ کے آدم خور قبائل اور آسام کی جادو گرئیوں کی باتیں کرتے کرتے پتہ نہیں کب سو گیا تھا۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو شمعون ناشتہ تیار کرنے میں مصروف تھا، میں تمام ضروریات سے فراغت پا کر شمعون کا لایا ہوا اخبار دیکھنے لگا۔ ناشتہ بے حد پر تکلف تھا انکل شمعون بلاشبہ ایک با ذوق اور ماہر اور چم تھا اس نے نہایت چھوٹی چھوٹی قیویات کا بھی خیال رکھا تھا جیسے سکھ اور سلیقہ مند ہوی اپنے محبوب شوہر کے لیے چھوٹی سے چھوٹی بات کا خیال رکھتے ہوئے دسترخوان چلتی ہے۔۔۔ ناشتے کے برتن اٹھانے میں میں بھی شامل تھا پھر ہم دونوں نے مل کر برتن صاف کیے اور الماری میں رکھ دیئے۔ شمعون نے ناتھ خشک کر کے سگریٹ سلگایا اور دیوار سے پشت لگا کر دھواں دھار کش لگانے لگا۔

”میں اس بوڑھے کے بہت قریب رہی ہوں چوہدری بہت قریب۔ اس نے غریہ انداز میں بتایا۔“

”لیکن ہمارے فرار سے اس خزانے کا کیا تعلق ہے؟ میں نے مانگتے ہوئے پوچھا۔“

”اگر تم۔۔۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر کہا: ہاں اگر تم میرا ساتھ دو تو اس سارے خزانے کے ساتھ ہم نئی دنیا اور نئی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔“

”مگر کیسے سونی؟“

”طاقت، جرأت اور جلال کی چوہدری۔ وہ بولی۔ منصوبہ میں مکمل کر چکی ہوں لیکن میں تنہا کچھ بھی نہیں ہوں۔“

”خزانے کی اہمیت نے تمہارا دماغ الٹ دیا ہے سونیا۔“

میں نے کہا: جتنا بڑا خزانہ ہوگا اتنے ہی زیادہ حفاظتی انتظامات بھی ہوں گے، پھر خزانے کا مالک کوئی عام ڈپر لوک تاجر نہیں ہے اس کا نام می جوہر شیطانوں کا مجموعہ ہے۔“

”بے شک۔ سونیا نے بڑے سکون انداز میں کہا: لیکن وہ ہے تو انسان اور پھر مجرم۔ وہ یہ سب کچھ قانونی طور پر نہیں کر رہا ہے اور نہ ہی یہ خزانہ اس نے اپنی حلال محنت سے جمع کیا ہے، خزانہ ایک عام جہاز کے ذریعے جارہا ہے۔۔۔ جہاز کے مالک سے معاہدہ بھی طے پا چکا ہے۔“

”منصوبہ کیا ہے؟ میں نے دبی زبان سے پوچھا۔“

”بالکل آسان۔ وہ مسکرتے لگی۔ ہم طاقت اور ذہانت سے جہاز پر قبضہ کر لیں گے۔“

”خوب۔ میں طنزاً ہنس پڑا: ہم دونوں۔؟“

”ہاں ہم دونوں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا: ہم کسی تیسرے کو شامل کر کے تیسرا حصہ اسے نہیں دے سکتے۔“

”ہاں ہاں خواہ مخواہ ہی۔ میں ہنسنے لگا: اچھا پھر جہاز پر قبضہ کرنے کے بعد بحری جہاز کو کس ملک کے ہوائی اڈے پر اتار۔۔۔“

”تم شاید مجھے کچھ پاگل ہی سمجھ رہے ہو۔ وہ میری بات کاٹ کر بولی اور ایسے ہی بسورنے لگی جیسے مصوم بچی روٹھ گئی ہو۔“

”نہ پیاری لڑکی! میں نے پچکاڑتے ہوئے کہا: اتنا شاندار منصوبہ بنانے والی لڑکی جھلا پاگل کیسے ہو سکتی ہے۔“

”میں کہتی ہوں میری باتوں پر یقین کرو خرم چوہدری۔ میں پاگل نہیں ہوں۔ وہ زور دے کر بولی۔“

”آؤ نیچے چل کر انکل امر سنگھ سے ٹانی کی فرمائش کریں۔“

میں نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر اس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔

”جہنم میں جاؤ۔“

”بشرطیکہ تم جی سہ چلو۔“

”یہ پڑھو امتق نوجوان۔ اس نے کسی خط کی فوٹو اسٹیٹ مجھے دے کر کہا۔“

”پیاری سونی۔!“

تمہارا پسندیدہ نوجوان خرم چوہدری سخت خطرے میں ہے۔ می جوہر شیطانوں سے ایک معاہدہ کیا ہے جس کی رو سے ہمارے

جہاز کسی خفیہ ہم کے لیے می جوہر تحویل میں دیا گیا ہے اور اوشن کو اپنی محبوبہ کا قاتل سے دیا جائے گا، اسے کرکٹ آؤ انکل شمعون۔“

”اب یہ بھی سن لو پتھر کے انسان۔ وہ بھرق آواز میں بولی۔ میں تمہیں چاہتی ہوں۔ اس دن سے جب پہلی بار تمہیں پٹرول پمپ پر دیکھا۔ میں انکل شمعون سے لڑائی کر کے محض تمہارے پیچھے اس جہنم میں داخل ہوئی تھی، جاؤ چلے جاؤ۔ اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور رونے لگی۔ میں خود کشی نہیں کروں گی، میں بڑل نہیں ہوں، تمہارے بغیر بھی جی لوں گی۔“

”سونی۔ اس لڑکی نے میری مت اسی مار دی تھی۔ مجھے معاف کر دو پیاری میں چاہے جانے کے قابل نہیں ہوں۔“

”یہ فیصلہ تمہیں نہیں مجھے کرنا تھا۔ وہ ترخ کر بولی۔ جو میں کر چکی ہوں۔“

”تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں نے اس کے شانے پر تھکی دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اس نے ہاتھ دبوچ کر میری تھیلیوں کو بے تحاشہ چومنا شروع کر دیا تھا۔“

”خرم۔ بات میرے نہ ہو، میرے ساتھ نہ چلو لیکن فدا رہاں سے نکل جاؤ۔ می جوہر میں اپنے مفاد کی آگ میں جھوٹ چمکا ہے۔ نکل جاؤ خرم، میں اسی احساس کے ساتھ زندہ رہ لوں گی کہ میرا محبوب زندہ ہے۔ جب جب یہاں آکر مجھے بتایا گیا کہ خرم چوہدری ایک خطرناک اور متنازعہ نوجوان ہے اور یہاں کے سرکردہ دونوں گروہ اس کے تعاقب میں ہیں تو میں واپس انکل شمعون کے پاس گئی اور اسے تمہاری ممکنہ حفاظت پر لگا دیا۔ تم جہاں بھی گئے میری معلوماتی نگاہوں میں رہے ہو۔ میں نے انکل شمعون کے تعاون سے ہی تمہیں نکال لے جانے کا منصوبہ ترتیب دیا ہے۔“

اجتماع نہ کیا تھا کیونکہ میں نے خود کو فروخت کر کے عابدہ کی سلامتی خرید لی تھی، پکے ہوئے مال پر حق جانے کی اگر میں حماقت کرتا بھی تو پابندی کے ساتھ شاید کوئی سختی بھی شامل ہو جاتی۔ ماسٹر کے عارضی ہیڈ کوارٹر میں تقریباً سب لوگ قیام پذیر تھے، صبح کا ناشتہ کسی ہوٹل یا ہوٹل سے آتا تھا اور ہر شخص منگ اور پلیٹ سے کر دین سے اپنا حصہ وصول کر لیتا تھا۔

اس صبح قطار میں میرے آگے سونیا کھڑی تھی، جب وہ ناشتہ لے کر پلیٹ تو مجھے قریب پا کر رک گئی، امر سنگھ ناشتہ لے کر

واپس جا چکا تھا۔ خرم روم نمبر تھری زیر زمین آجانا۔ گزرتے گزرتے وہ بولی: ”آج ماسٹر یہاں نہیں ہے، لہذا چھٹی ہوگی۔“

جب میں کہیں میں داخل ہوا تو امر سنگھ کٹوریوں چاٹ رہا تھا۔ مجھے امر سنگھ کی یہی خوبی پسند تھی کہ وہ اپنا قومی شخص اس دلدل میں بھی برقرار رکھے ہوئے تھا، لباس، زبان اور طرز معاشرت سب کچھ ایسا ہی تھا جیسے کوئی سکھ امرتسر میں کرتا ہوگا، مجھے یہاں تک بتایا گیا تھا کہ ماسٹر می جوہر نے اسے گڑی آٹا لے کر ایک بار کھم دیا تھا تو امر سنگھ نے چاقو اس کے ہاتھ میں لے کر بڑے حوصلے اور عزم سے کہا تھا ماسٹر پہلے میری گردن تن سے جدا کر دو پھر میری گٹری سر سے اترو لینا، وہ پلیٹوں کی موجودگی میں بھی پیتل کی کٹوریوں میں کھانا کھاتا تھا اور یہ سارا سامان اس کے سفری قبیلے میں ساتھ ساتھ جلتا رہتا تھا۔ چاہا۔ اس کے قریب ایک اسٹول پر بیٹھ کر میں نے کہا۔

آج ماسٹر نہیں ہے لوگ کہتے ہیں مکمل آرام کا دن ہوگا۔

”ہاں کاکے۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا: گھر والا گھر نہیں اور مجھے کسی کا ڈر نہیں۔“

گھر کوئی انسان نہیں سب پتلیاں ہیں ڈوری پے گی تو پتلی بھی نہ چمے گی۔

”میں ذرا گھوم پھر کر مریج میلہ دیکھ آؤں چاہا۔ امر سنگھ جاتے جاتے چونک کر پلٹ آیا۔“

”کہاں جاؤ گے چوہدری۔؟“

”گیٹ سے باہر نہیں چاہا۔ میں نے بتایا: میرے لیے اتنا فکر مند نہ ہو کرو، مجھے تیری مجبوریوں کا احساس ہے کیا ہوا تو بتاتا نہیں اور میں بولتا نہیں۔“

”ہاں کاکے۔ اس نے طویل سانس لی: ہماری باگیں جب تک دوسروں کے ہاتھ میں ہیں ہم وہی کریں گے جو ہاتھ کا اشارہ چاہے گا۔“

”میں سونیا کے ساتھ کچھ وقت بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے خود پر مصنوعی شرم طاری کر لی، جیسے کوئی خرچلا بیٹا ماں سے عیاشی کے لیے پیسے مانگ رہا ہو۔ امر سنگھ یکدم قہقہہ مار کر ہنسا اور دیر تک ہنستا رہا۔ میں کنواریوں کی طرح شرماتا رہا اور وہ ہنستا ہوا باہر چلا گیا، میں نے ناشتہ ختم کیا اور برتن کوٹنے کی جانب لڑھکتا ہوا نکل گیا تھا۔

سونیا اپنے کہیں میں تنہا فرش پر آلتی پالتی کے انداز میں میٹھی بڑانے اخبار سے برتن صاف کر رہی تھی، مجھے دیکھ کر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور چہرے سے گلاب کھل گئے تھے وہ

اتنی حسین بھی نہ تھی بس عام سی دھلی گھڑی گھڑی صاف
سٹھری لڑکی تھی۔ آؤ اوپر چھت پر چلیں۔ اس نے بیٹھیں لکڑی
کی پیٹی میں رکھتے ہوئے کہا: "یہاں کوئی بھی باہر سے ہماری باتیں
نہیں سن سکتا ہے۔" میں چپ چاپ اس کے ساتھ کمر خوردہ
سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا، چھت پر فروٹ، سبزی اور دودھ
کے ڈبے بچھے ہوئے تھے، سونیا نے پاؤں سے چند ڈبے
بٹلے اور پیٹھ لٹی: "لوگ ناشتے سے فارغ ہو کر ادھر بھی آ سکتے
ہیں۔" وہ بولی: "ہمارے پاس بہت کم وقت ہے اور چند اہم باتیں
ہیں، میں نے اس رات یہاں سے نکل چلنے کی بات کی تھی، اب
وہ وقت قریب آچکا ہے۔" نکل می جو نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے
اور اپنے سارے اثاثے فلیپائن منتقل کرنا ہے۔ بولتے بولتے وہ
رک گئی اور اٹھ کر پیچھے دیکھنے لگی، پھر اسی تیزی کے پلٹ آئی، میں
ابھی تک کھڑا ہی تھا، میرے سامنے وہ بھی کھڑی ہو گئی: "میں اپنی
عمر کے لحاظ سے نادان بھی ہوں اور بے حد محتاط بھی، یہ میری نادانی
یہ کہ میں بن کر کچھ تم پر چھوڑ کر زندگی داؤ پر لگا رہی ہوں۔"
"میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا سونیا۔" میں
نے باوثوق بچے میں کہا یہ تم کو ایک حوصلہ مند لڑکی ہو اگر مجھے اس
سیلاب سے لٹکانے کے لیے تم کا بھی ٹے تو میں اسے بھی بڑا سہارا
مانوں گا۔"

"ہاں شاید اسی لیے وہ ادھر ادھر دیکھ کر بولی: "میں نے تمہیں
چنا ہے، اب میری باتیں غور سے سنو جو دھری۔ آج سے چار روز بعد
یہاں سے آخری ٹرپ جائے گا، جس میں تنظیم کا سب سے بڑا خزانہ
ہوگا۔ اس نے گریبان کی جوری سے ایک بھیگا ہوا میلا سا غذا کا
پرنڈ نکال کر میرے سامنے بیٹھ کر فرش پر کھولا۔ بیٹھ جاؤ خرم۔"
کاغذ پر فیسل سے اعداد و شمار درج تھے: "دو بیٹیاں، بیرون، تین
بکس میرے چلبھارت، ایک بیٹی سونا، چار قہیلے کرنسی۔"
"یہ۔ یہ معلومات... حیرت سے میری آواز کو جیسے جاڑا
مار گیا تھا۔"

مجھے اس کے رونے کا کوئی ڈکھ تھا نہ تعجب، وہ میری جدائی کے غم میں
رونی ہوگی یا یہاں سے نکلنے کی خوشی کا اظہار کر رہی ہوگی۔
"میری دعا ہے تم جہاں رہو خوش رہو، می جو نے بھرائی آواز
میں کہا، چونکہ عابدہ اندو اور جنگل کے سوا کوئی تیسری زبان نہیں جانتی
تھی اس لیے ترجمانی کے ذرائع عبدالحکیم نے سنبھال لیے تھے۔ خرم
جو دھری کے ذریعہ ہمارا رابطہ برقرار رہے گا، کسی بھی ضرورت کے وقت

مجھے یاد کر لینا، جدید دور میں کوئی بھی فاصلہ مجبوری نہیں بن سکتا۔
می جو نے کوٹ کی لائک پاکٹ سے بھاری لفافہ نکال کر عابدہ کے
ہاتھوں میں دے دیا: "اس میں ٹکٹ، پاسپورٹ اور پانچ ہزار ڈالرز
عبدالحکیم۔ تم مناسب قسطوں بھیج دینا۔"
"میں اپنے خاندان کو خرم جو دھری کے گھر بھیج رہا ہوں۔"
عبدالحکیم نے بتایا: "لہذا ذرا فٹ بھی اس کی طرف سے بنوادوں گا۔"
"پرسوں آپ لوگوں نے روانہ ہونا ہے۔ می جو نے عابدہ
کے شانے پر تھکی دی اور پلٹ کر میری طرف دیکھنے لگا۔ خرم۔" ہم
کسی مصروفیت کی وجہ سے ان پورٹ نہ جاسکے، ان سے بل لو، ہم
باہر انتظار کرتے ہیں۔"

امرنگہ جھکا جھکا متواتر آگے بڑھا اور عابدہ کے سر پر ہاتھ
رکھ کر وقت آمیز آواز میں بولا: "میری مجبوری کو معاف کر دینا پھر۔"
اس نے بھی ایک بند لفافہ عابدہ کو دیا تھا: "میں ماسٹر کی طرح لاٹھ
دولت کا مالک نہیں ہوں۔ میری طرف سے یہ حقیر سی رقم۔ عابدہ
نے نہ کچھ می جو سے کہا تھا اور نہ ہی امرنگہ کے جذبات کا شکریہ ادا کیا
تھا، وہ لنگ سی کھڑی تھی۔ می جو اور امرنگہ دونوں جب باہر چلے
تھے تو میں نے امرنگہ کو آستین سے آنسو پونچھتے دیکھا تھا، وہ بیکہ باب
ایک مسلمان بیٹی کے لیے صدق دل سے رورہا تھا۔ عابدہ بھی رو رہی
تھی، می جو جیسے انسان کی آواز بھی زندہ ہی ہوئی تھی عبدالحکیم کا چہرہ بھی جھج
گیا تھا لیکن میں جو کسی نہ کسی جذبے کے حوالے اور مذہب کے رشتے
سے بہت قریب تھا، مجھے جس عورت نے تپتے صحرائیں منٹا کی ٹھنڈی
چھاؤں دی تھی، جس لڑکی نے میرے نکور اور کھٹور دل میں پیار کی
جوت جگائی تھی اور عابدہ کے بہن بھائی جو مجھے دیکھ کر کھل جاتے
تھے، وہ سب پیارے لوگ مجھ سے جدا ہونے والے تھے۔

عبدالحکیم بھی ان کے ساتھ باہر چلا گیا۔ جوں ہی دروازہ بند ہوا
عابدہ نے جھکا ہوا چہرہ ٹھل سے باہر نکالا۔ مجھے یوں لگا جیسے بادل
کے ٹکڑے سے چاند نکل آیا ہو: "آؤ اندر چلیں۔ اتنی سے بھی مل لیں۔"
میری چلتی ہوئی خواہش شرمندہ ہو گئی کیونکہ اندر سے بے شمار آنکھیں
اُسے دیکھ رہی تھیں۔

چوتھی رات آدمی سے اوپر جا چکی تھی میں اور امرنگہ ماسٹر جو
کی پرائیویٹ خوبصورت اور آرام دہ فیری میں بیٹھے کھلے سمندر میں
تھے، ہمیں اطلاع ملی تھی کہ ایک بوٹ کچھ مال لے کر فلیپائن کے لیے
روانہ ہونے والی ہے اور ماسٹر جو اس بوٹ میں ہوگا اور اُسے ساحل

سے میں کلو میٹر دور بوٹ سے فیری میں واپس لانا ہوگا۔ فیری کا
کنٹرول امرنگہ نے سنبھال رکھا تھا اور میں اس کے قریب بیٹھا اس کی
ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ میری بحری تربیت امرنگہ اور
گی لاشہ کے سپرد تھی۔ گی لاشہ مجھ سے پٹ کر میرا گہرا دوست اور جراح
بن گیا تھا۔

"تم نے عابدہ کے بارے میں کچھ پوچھا نہیں۔" امرنگہ نے سپیڈ
میر کی سوئی کو گھورتے ہوئے کہا۔
"وہ بھی میرے مانتی کا ایک حصہ بن چکی ہے چاچا۔" میں
نے جواب دیا یہ اگر میں مانتی کو یاد کرنے لگوں تو مجھے وہ خرم سلطان
جو دھری بے حد یاد آنے لگتا ہے جو خط پوٹھوار کی مہکتی فضاؤں
کا آزاد پرندہ تھا، قفس میں آزاد فضاؤں کی یاد کا کرب بڑا
اذیت ناک ہوتا ہے سردار جی، معاشرہ ریج ٹرالسیر پر اشارتی
سرخ روشنی اور تیز جھینا ہٹ انجری اور امرنگہ نے فیری کا کنٹرول
میرے حوالے کر دیا۔

"ہاں تو مینشن فرم لیں لوگ۔" امرنگہ جھک کر بولا۔
"امرنگہ۔" آواز ماسٹر جو کی تھی: "میں مال کے ساتھ جارہا
ہوں واپس چلے جاؤ۔"
"ور آل رائٹ ماسٹر، امرنگہ نے کہا۔

"چاچا ادھر کیا بھیجا جاتا ہے۔" میرے سوال پر امرنگہ
ناموش رہا مگر بولا:

"کاکا۔" ایسے سوال نہ پوچھا کر ادھر آؤ نیاز نہیں بھیجا جاتا
ابھی تنظیم میں تیسری ذات کچی ہے، اگر کوئی کچا آدمی تنظیم کی پختی
باتوں سے واقف ہو جائے تو اسے بھی فوراً آگے بھیج دیا جاتا ہے
پھر کنارے تک میں نے کچا سوال نہ کیا، فوم کے گداز گتے پر کروٹ
کے بل لیٹ کر امرنگہ کے ہاتھوں کی حرکات دیکھتا رہا تھا۔ ان
دنوں میں امرنگہ کی تحویل میں تھا، وہ ہر وقت مجھے ساتھ چپکائے
پھرتا تھا، حتیٰ کہ جب میں ہاتھ روم میں ہوتا تو وہ باہر ٹھہرتا رہتا، میں
جاننا تھا اسے ماسٹر نے میری کڑی نگرانی کا حکم دیا ہوگا کیونکہ میرا
سابقہ ریکارڈ ایسا ہی تھا، جیل سے مفور ہونے والے قیدی پر جو
پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں وہی مجھ پر عائد تھیں، لیکن ان پابندیوں
کے اوپر غلوس اور محبت کا رنگ چڑھایا گیا تھا۔ میں نے کبھی بھی
دوہیر کا کھانا کھا کر شمعوں مجھ سے نکل گیر سو کر رخصت ہوا تو میں
دروازہ لاک کر کے سو گیا اور اس وقت جاگا جب کال بیل کی مسلسل
فراہیں ہو رہی تھیں۔ بیدار ہو کر ریسٹ وچ دیکھی شام کے چھ بجنے

والے تھے۔ کی ہول سے دیکھنے کی عادت بہانہ مجرموں کے ساتھ
رہتے ہوئے مجھ میں سراسیمہ کر گئی تھی، باہر امرنگہ کھڑا تھا، اُسے
دیکھ کر ایک ایک زخم کھل گیا تھا دیکھنے لگا تھا، امرنگہ ہی میرا محسن،
دوست اور دشمن تھا۔ دروازہ کھول کر میں پل پھر اُسے جلتی بجھتی
لگا ہوں سے گھورتا رہا تھا اور وہ ابھی داڑھی اور مونچھوں کے اندر
سکراتے مسکراتے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"اوائے سونیا، مکھناں آسینے نوں ٹھنڈا پاہیریا۔" اس
نے باہیں پھیلایا اور میں دوڑ کر اس کی باہنوں میں سمٹ گیا۔
امرنگہ کی زبانی پتہ چلا کہ می جو نے اپنے اثر و رسوخ کا بھرپور
مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دن میں تمام کاغذی کارروائیاں مکمل کر دلی
تھیں اور ٹکٹ بھی خریدے جا چکے تھے، می جو اپنے ہاتھ سے تمام
کاغذات عابدہ کے حوالے کرنا چاہتا تھا اور یہ خوش خبری امرنگہ
اس سہمے ہوئے خاندان کو بھی سنا رہا تھا۔ رات دس بجے جب میں
اور امرنگہ وکٹوریہ میشن کے پارکنگ ایریا میں داخل ہوئے تو
ایک بندوین میں می جو، دو محافظوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا،
اس پاس کچھ مالوس چہرے بھی دکھائی دے رہے تھے، غالباً پوری
ٹیم لے کر می جو یہاں آیا تھا۔

"ادھر میرے ساتھ بیٹھو خرم۔" می جو نے ایک محافظ کو
اٹھاتے ہوئے میرے لیے دائیں پہلو میں جگہ بنائی۔
"تمہاری اجازت کے ساتھ میں اس رزکی کے گھر جانا چاہتا
ہوں۔" می جو نے مہذب دنیا کے مہذب انسان کے بچے میں کہا۔
"جہم جیسے لوگوں کو ایسی سچی خوشیاں بہت کم نصیب ہوتی ہیں۔"
"آپ ہمارے محسن ہیں،" میں نے ممنون انداز میں جواب دیا۔
"یہ میری عزت افزائی ہوئی ماسٹر۔"

"یہ سب کچھ،" می جو نے کھوٹے کھوٹے لہجے میں بتایا: "یقین
کہ خرم، یہ میں نے اندر کے جو کہ پیارے اور دھلی انسان کی خوشی
کے لیے کیا ہے، جس طرح ہر شریف آدمی اندر سے بھی ضروری نہیں
شریف ہو، اسی طرح بڑا آدمی بھی اندر سے ہر وقت بڑا نہیں ہوتا
اس اندر کے انسان کو تم بھی کہہ سکتے ہو، میری روح بھی
پیاسی ہے خرم جب کبھی میں گھر جاتا ہوں تو بیوی بچوں کے درمیان
رہ کر اس کی پیاس بجھ جاتی ہے اور کوئی اچھا کام کروں تب بھی
اندر ایک عجیب سی روشنی اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے، میں کل
رات سے اب تک اسی خوشی کو میشتا رہا ہوں۔"
دس منٹ کا راستہ باتوں باتوں میں طے ہو گیا تھا، ہماری

دین کے آگے آگے امرنگھ کی کار تھی اور پچھے قین کاریں اور بچی تھیں۔
 امرنگھ نے کار عبدالحکیم کے دروازے سے دس قدم آگے جا کر روکی۔
 دھرم تم اندر جا کر پتھری کو اطلاع دو، امرنگھ نے دین میں
 جھانک کر کہا، امرنگھ نے دین میں جھانک کر کہا۔ میں اترا ہی تھا
 کہ دروازہ کھول کر عبدالحکیم باہر آگیا۔ مجھے اور امرنگھ کو دیکھ کر اس کا
 نورانی چہرہ غیظ و غضب اور خوف سے چکرانے لگا تھا۔ مولوی حبیب
 امرنگھ بول پڑا یہ گجرانے کی کوئی بات نہیں، خرم چودھری کے ساتھ ہم
 سب معافی مانگتے آئے ہیں، عبدالحکیم کا اکڑا ہوا جسم آہستہ آہستہ
 نارمل ہونے لگا۔

”میرے ساتھ می جو ہے۔ میں نے قریب جا کر بتایا۔ سب کام
 مکمل ہو گئے ہیں، وہ اپنے ماتھے سے کاغذات عابدہ کو پیش کرنے کی
 اجازت چاہتا ہے۔“

”امن اور سلامتی کے نام پر میں اسے اجازت دیتا ہوں۔“
 وہ بڑبڑاتا ہوا واپس پلٹ گیا۔ میں نے آگرمی جو کو دین سے اتار اور
 دونوں ساتھ ساتھ چلتے جب اندر جانے لگے تو امرنگھ کی بھرائی ہوئی
 آواز آئی۔

”میں۔ میں بھی دھی رانی کے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہتا
 ہوں پتھر۔“

ہم تینوں زندہ لاشوں کی طرح چپ چاپ ننگ صحن میں
 کھڑے ہو گئے تھے، اس وقت غنڈوں کا بادشاہ اور انسا توں کو
 چوڑیوں کی طرح روندنے والی جو ایک ایسا غم زدہ بوڑھا باپ
 دکھائی دے رہا تھا، جس کی بیٹی ڈول میں بٹھانے کے لیے لائی جا رہی تھی۔
 عابدہ گہری نکل میں آدھا چہرہ چھپائے، باپ کے سائے
 میں چلتی ہوئی جب سائے آئی تو می جو پہلے جھکا پھر آگے بڑھ کر اس
 نے عابدہ کے سر پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔ عابدہ کا بدن چمکیوں کو دیکھنے
 کی ناکام کوشش میں کپکپاہٹوں کی زد میں تھا، وہ بے آواز رو رہی
 تھی۔ عورت کے آنسوؤں کو میں نے کبھی اہمیت نہیں دی، وہ ہر وقت
 اور ہر موقع پر بڑی آسانی اور روانی سے رو سکتی ہے، حتیٰ کہ مکر و فریب
 کو کامیابی سے ہٹا کر کرنے کی خاطر وہ مگرچہ کی طرح آنسوؤں کے سیلاب
 سے اپنا مقصد حاصل کر لیتی ہے۔ شاید اسی رعایت سے ان کو
 صنف نازک کا خطاب دیا گیا ہوگا، ناکام ہوں تو چھاجوں روئیں گی
 کامیابی کی خوشی میں بھی ان کی آنکھیں چمک اٹھتی ہیں۔ زیادہ خوشی
 نہ غم کسی بھی زیادتی کو برداشت نہیں کر پاتیں۔ عابدہ رو رہی تھی لیکن
 ”وہیں نے انکار تو نہیں کیا سوئی۔ میں اس کا دوسرا رخ

”سوئی۔ کیا تم باہر جا سکتی ہو؟“ میں نے پوچھا۔
 ”ہاں مجھ پر کوئی پابندی نہیں۔ اس نے بتایا یہ کیوں؟“
 ”کوئی فیصلہ کرنے سے قبل میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرے
 بارے میں کیا ہے۔“

”جب تمہیں منصوبے کی تمام جزئیات معلوم ہوں گی
 تم بھی میری طرح کامیابی پر ایمان سے آؤ گے۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے
 بولی۔“ پہلے یہاں سے نکل چلو، می جو یہاں سے شاید ہمیشہ کے
 لیے جا رہا ہے، وہ اپنے ساتھ صرف چند زمرودہ وفادار لے جائے
 گا۔ تمہارے بارے میں اس کی رائے ہے کہ خرم چودھری ناک
 موقع ملتے ہی دس لے گا لہذا وہ ایک تیرے تین شکار کر رہا ہے
 تم جیسے خطرناک راندار سے چھٹکارا، جنگ جی کو تم سے محروم کر
 کے ذہنی دکھ اور دشمن کا تعاون شاید تم نہیں جانتے، اوشن یہاں
 کا بااثر شخص ہے اور سڑیکر کا قریبی دوست سمجھا جاتا ہے، می جو
 ایسا جہاز درکار ہے جس کا مالک اور عمل پیرا پورا تعاون کرتا ہو۔
 کیونکہ جو بندرگاہ سے مال لوڈ نہیں کر سکتا۔ سارا مال کہیں راستے
 میں ٹوٹ سے جہاز میں منتقل کیا جائے گا۔ اوشن نے تمہارے بیٹے
 ان سہولتوں کی ضمانت کا وعدہ کر لیا ہے کیونکہ سڑیکر کا ایک جہاز
 فلپائن جانے والا ہے۔“

سونیا نے تفصیل سے جو تجویز پیش کیا تھا اس کی روشنی میں
 سونیا کی ایک ایک بات پر یقین ساہو نے لگا تھا، واقعی می جو کو میری
 ضرورت بھی کیا تھی۔ میں کسی بھی لحاظ سے ماہر تھا نہ وفادار، اگر اس
 نے میری زندگی اور آزادی کا سودا کر کے اپنا مفاد حاصل کر لیا تھا تو اس
 میں تعجب کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ مجھ سے باہر، کبھی بچا تھا کہ اسے
 میرا جنگ جی کے پاس دوبارہ جانا کسی بھی صورت میں گوارا نہ تھا۔ وہ
 جنگ جی کی قدامت پسندی اور جہالت سے فائدہ اٹھا کر اسے ذہنی
 جھٹکا دے کر یقیناً خرمی محسوس کر سکتا تھا۔ جنگ اس کا ایسا دشمن
 تھا جس نے خرم چودھری کو بنیاد بنا کر اسے بانگ کانگ سے اٹھا کر
 پھینکا تھا۔ وہ اپنے دشمن اور دشمن کی من پسند فالت کو کیسے محاذ
 کر سکتا تھا۔

”کیا آج رات ہم نکل چلیں؟“ میں نے پیٹ دھوئے ہونے پوچھا۔
 ”بالکل۔“ اس نے کہا یہ کار مارا کرکٹ کے عقب میں ایک
 سٹور کی پارکنگ میں کھڑی ہے۔“

”دس کے بعد جب بھی تمہیں موقع مل جائے۔“
 ”ٹھیک ہے۔ میں رکاوٹ توڑ کر ٹھیک سو اسی بجے نکل
 جاؤں گا۔“

”امرننگھ نے مجھ پر جو احسان کیا تھا، اس کا احساس سترہا تھا۔۔۔
 اس کا احسان یاد تھا اور میں احسان فراموشی کو گناہ کے مترادف مانتا
 تھا۔ زندگی اور آزادی کی آرزو کی شدت نے مجھے ندھال کر کے۔۔۔ وہ
 کار فیصلہ صادر کروا لیا تھا۔ میں نے دن بھر کی تپتی سوچوں میں جیل کر
 کر کوئی راہ سے ہٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔ سونیا کی اطلاعات اور حالات
 سے میرے حوصلوں کی کمر توڑ دی تھی۔ اس میں کسی شک کی

سیرھیوں کی چرچہ اب سترہا سن کر ہم دونوں ہی متحاور ہو گئے
 تھے۔ کوئی اور بار رہا تھا۔ اس نے بلیا۔“ امرنگھ جھانک کر بولا میں تو
 پریشان ہی ہو گیا تھا۔ ٹھیک ہے، موج کرتا وہ فوراً ہی پٹ گیا تھا۔
 ”دیکھ تم نے؟“ سونیا پر جوش مگر دم آواز میں بولی۔ ”اب
 بھی نہیں مانو گے؟“ آخر تمہاری اتنی سخت ٹکرانی کیوں ہو رہی ہے؟

گنجائش نہ تھی کہ می جو نے میرا سودا نہ کیا ہوگا۔
 می جو کہیں گیا بھی تھا اور غصہ طر پر واپس بھی آچکا تھا۔ گروہ کی
 نگاہوں سے اچھل رہے کا کوئی ذکوئی مقصد ضرور رہا ہوگا اور میرے نزدیک
 اس کا مقصد یہی ہوگا کہ اس کی عدم موجودگی میں اوشن اڈے پر دھاوا
 بول کر مجھے درمیان سے اٹھا لے جائے تو می جو کی امان کا وعدہ بھی زخمی
 نہ ہو اور مقصد بھی حل ہو جائے۔ امرنگھ بے چارہ تو کرایے کا سنتری تھا،
 اس پر ہاتھ اٹھانے کی راہ میں ایک یہ سمجھ بھی ملنے تھی کہ میں بے گناہ۔۔۔
 لوگوں پر ہاتھ اٹھانے کا قائل نہ تھا۔ مگر جب کوئی میری آزادی کی راہ
 کا پتھر پٹتا ہے تو مجھ پر اچھے بھوکے سے ہٹنا پڑتا ہے۔ امرنگھ کی ٹکرانی
 بھی میری سلامتی کے لیے خطہ بن گئی تھی۔

امرننگھ دیوار کی طرف منہ کیے کھڑے رہ گیا تھا اور اس
 کے بال نیچے پر پکھڑے ہوئے تھے۔ میں نے ناگہی سے گہری گہری
 سانس لیں اور پھر میں کہنیوں کے سہارے اٹھ ہی رہا تھا کہ کھلے دروازے
 کے سلسلے سے سونیا گزرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ پونے گیارہ کا وقت ہو
 چکا تھا۔ میں نے اسے سوادس بجے کا وقت دیا تھا لیکن تکلیف دہ فیصلہ
 کرتے کرتے مقررہ وقت کو گنو کے عالم ہی میں بیت گیا تھا۔۔۔ سونیا
 یقیناً صورت حال کا جائزہ لینے آئی تھی۔

”ہاں، جناب، خرم چودھری، ساتھ دس کمرے میں سویا ہوا ہے۔“
 سونیا کی آواز سن کر میں اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ امرنگھ کا بھاری بھر کم
 جسم بھی فٹ بال ہی کی مانند اچھلا تھا۔۔۔ سونیا کے انداز نے مجھے جھنجھوڑ
 کر بتایا تھا کہ نیا طوفان تیزی تلاش میں ہے۔

”نہیں، کاکے! میری مجبوری پر رحم کر۔“ امرنگھ حیرت انگیز
 پھرتی سے ایک ہی چھلانگ میں میرے قریب آگیا۔

”خاموش۔۔۔“ میں نے سرگوشیاں انداز میں کہا اور کواڑ کی اوٹ
 میں ہو گیا۔ دیوار پہلے ہی نکال چکا تھا۔ ”میری طرف نہ دیکھ، چاچا!“
 امرنگھ کا جسم ایک دم تن گیا اور اس کے نتھے پتھر پھڑپھڑانے
 لگے۔ وہ سُرخ انگارہ نگاہوں سے دروازے میں کھڑے کسی شخص
 کو گھور رہا تھا۔ میں نے قدموں کی چاپ سے اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی۔۔۔
 دروازے میں آکر رک گیا ہے۔

”معاف کیجئے گا، جناب! اوشن کی آواز سن کر میرا بدن ترسٹھنے
 لگا۔“ یہاں میرا نوجوان دوست خرم چودھری رہتا ہے۔“

”تم کون ہو؟“ امرنگھ غزب آیا۔ ”کیا تمہیں کسی نے نہیں بتلایا کہ یہ
 کس کا ڈھب ہے؟“

”نہیں، جناب! اوشن نے نہایت مؤدب اور نرم آواز میں۔۔۔
 جواب دیا۔ ”اُدھ گھنٹہ قبل۔۔۔ دھمکے کی آواز میں اوشن کی آواز

ایک دم 'اوش' میں بدل کر ختم ہو گئی... اور دوسرے ہی لمحے وہ کٹے ہوئے ہتھیر کی طرح اندر آ پڑا۔

امر سنگھ نے الجھی الجھی نگاہوں سے باری باری اوشن سونیا اور میری جانب دیکھا۔ سونیل نے جس دیوار کے دتے سے اوشن کو ضرب لگائی تھی، اُسے نال کی طرف سے پکڑے ہوئے اندر لگئی۔

"انکل! اُس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔" یہ... یہ شاید وگن کا آدی ہے۔ کمروں میں جھانکتا پھر رہا تھا۔

"اسے گھسیٹ کر اندر لے چلو اور دروازہ بند کر دو۔" امر سنگھ نے کہا اور میں نے دیوار اور جیب میں رکھ لیا۔ سونیل نے بھی اپنا دیوار اور کہیں چھپا دیا تھا۔ اوشن کا ایک ہاتھ سونیل نے اور دوسرا امر سنگھ کے پکڑا پھر اُسے گھسیٹے ہوئے کونے میں لے گئے۔

"کیا ہو رہا ہے پیارے بچو؟" سانپ کی سی باریک تیز اور سیٹی نما آواز میں کریم تینوں جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ جیسے کھلونوں کی چابی ختم ہو گئی ہو۔

میں نے گہری سانس لے کر بہت آہستہ چہرہ گھمایا۔ دروازے میں شیطانوں کا استادی جو، مکر پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑا، بن جیسی آنکھوں سے گھور رہا تھا اور اُس کے دائیں کندھے سے ایک اور اجنبی چہرہ جھانک رہا تھا۔

"گوچی..." میری جو کی سرسراہٹ آواز ابھری۔ "اپنے باس کو ہوش میں لاؤ۔" میری جو بالکل فوجی انداز میں گھٹا اور گوچی کو راستہ دے دیا۔ گوچی آہستہ آہستہ اندر آنے لگا اور اُس کی نگاہوں کا ہدف صرف میں تھا۔

گوچی، سرخ انگارہ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا اور

میں کسی بھی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ لیکن گوچی کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ اگرچہ اصول کے گرداب میں نہ گر پڑتا تو اُس کے جسم میں سوراخ کرنا نہایت ہی آسان تھا۔ میرا دیوار اور میری انگلی کے اشارے کا منظر تھا مگر میں خودی کوئی فیصلہ کرنے میں دیر کر رہا تھا۔ وہ میرا دشمن تھا۔ لہذا اُس سے کسی رحم یا ہمدردی کی توقع کرنا حماقت تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے قاتل کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود، اُسے نہتا پا کر میری انگلی، ٹرائیگر پر جم کر رہ گئی تھی۔ میں نہتے دشمن پر وار کرنے کے لیے خود کو تیار نہیں کر پا رہا تھا۔

سونیل نے اوشن کو ضرب لگاتے ہی بڑی پھرتی سے اپنا دیوار اور چھپا لیا تھا۔ جب گوچی دبے پاؤں، اوشن کی طرف بڑھا تو اُس کی نظروں

کا زاویہ بھی بدل گیا۔ اب وہ گرے ہوئے اوشن کو دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے سونیل نے متعجب نگاہوں سے میری طرف اُس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے سوال کو بخوبی پڑھ رہا تھا لیکن میرا ہاتھ تھا۔ میں، اُسے کیسے جواب دیتا کہ گوچی خالی ہاتھ ہے اور ختم چودھر دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ مجھے خاموش اور متذبذب دیکھ کر اُس ہی کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سے قبل کہ میں اُسے روکتا، اُس کے پیٹو میں کھڑے... امر سنگھ نے لٹ گھٹائی اور سونیل کے حلق سے باریک سی گئی۔ ضرب، اس نازک اندام لڑکی کی پیلیوں پر پڑی تھی۔ وہ گری تو گوچی نے نیک سیکنڈ میں دیوار اور نکال لیا۔

بعض اوقات بڑے مشکل فیصلے اور خطرناک حادثات سے قبل جو ہلتے ہیں۔ ادھر سونیا چوٹ کھا کر گری اور میری نگاہوں بدلا، ادھر گوچی نے دیوار اور نکلتے ہی اوشن کے سینے میں سوراخ سب کچھ بس دو سیکنڈ ہی میں ہو گیا تھا۔

جب میں چوٹ کا تو گوچی، اپنا دیوار اور، اوشن کے جسم پر رکھا جانب گھوم گیا۔

"میں تم لوگوں کا بے حد ممنون ہوں دوستو! اُس نے زخم سے قبل کہا۔ تم نے میرے لیے آسانیاں فراہم کی ہیں۔ دندن میں ایک دوست کو اتنی آسانی سے سزا نہ دے پاتا۔ میں اس لڑکی کو اندر لے گا۔ اُس نے گھٹنوں کے بل بیٹھی، لمبی لمبی سانسیں لیتی سونیا کو نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "پیاری لڑکی! میں صرف اوشن کا ہوں۔"

امر سنگھ خشکے خشکے انداز میں اپنے پچھلے ہونے بال میٹ باندھنے لگا۔ ابھی وہ فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی لگی۔ چاپ سے اندازہ ہوتا تھا کہ آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ گوچی نے پیک کر دیوار اور اٹھالیا۔

آنے والوں کی تعداد چار تھی اور ان کی رہنمائی پورے کر رہا تھا۔ وہ حسب دستور خالی ہاتھ تھا۔ البتہ تینوں نوجوانوں ہاتھوں میں وہی جوئی اسٹین گنوں کا رخ ہماری جانب تھا۔

سب سے پہلے گوچی نے اپنا دیوار اور، فرش پر گر لیا اور وہ اٹھالے۔ پھر سونیا اٹھوٹتی ہوئی اٹھی اور دیوار سے ٹیک لگائی... اور پھر امر سنگھ، پگوچی کے آخری بل کو اڑتا ہوا اور دروازے کھڑا ہوا اور اُس نے شروع سے آخر تک سب رپورٹ دے دی۔

میرے جوئے کے ٹکے جوئے جڑے تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ میرے جو باریک آواز میں بولا۔ "تم نے اوشن کو نہیں بلکہ میرے مفادات کو ہلاک کر دیا۔ اب وہ گرے ہوئے اوشن کو دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے سونیل نے متعجب نگاہوں سے میری طرف اُس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے سوال کو بخوبی پڑھ رہا تھا لیکن میرا ہاتھ تھا۔ میں، اُسے کیسے جواب دیتا کہ گوچی خالی ہاتھ ہے اور ختم چودھر دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ مجھے خاموش اور متذبذب دیکھ کر اُس ہی کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سے قبل کہ میں اُسے روکتا، اُس کے پیٹو میں کھڑے... امر سنگھ نے لٹ گھٹائی اور سونیل کے حلق سے باریک سی گئی۔ ضرب، اس نازک اندام لڑکی کی پیلیوں پر پڑی تھی۔ وہ گری تو گوچی نے نیک سیکنڈ میں دیوار اور نکال لیا۔

بعض اوقات بڑے مشکل فیصلے اور خطرناک حادثات سے قبل جو ہلتے ہیں۔ ادھر سونیا چوٹ کھا کر گری اور میری نگاہوں بدلا، ادھر گوچی نے دیوار اور نکلتے ہی اوشن کے سینے میں سوراخ سب کچھ بس دو سیکنڈ ہی میں ہو گیا تھا۔

جب میں چوٹ کا تو گوچی، اپنا دیوار اور، اوشن کے جسم پر رکھا جانب گھوم گیا۔

"میں تم لوگوں کا بے حد ممنون ہوں دوستو! اُس نے زخم سے قبل کہا۔ تم نے میرے لیے آسانیاں فراہم کی ہیں۔ دندن میں ایک دوست کو اتنی آسانی سے سزا نہ دے پاتا۔ میں اس لڑکی کو اندر لے گا۔ اُس نے گھٹنوں کے بل بیٹھی، لمبی لمبی سانسیں لیتی سونیا کو نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "پیاری لڑکی! میں صرف اوشن کا ہوں۔"

امر سنگھ خشکے خشکے انداز میں اپنے پچھلے ہونے بال میٹ باندھنے لگا۔ ابھی وہ فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی لگی۔ چاپ سے اندازہ ہوتا تھا کہ آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ گوچی نے پیک کر دیوار اور اٹھالیا۔

آنے والوں کی تعداد چار تھی اور ان کی رہنمائی پورے کر رہا تھا۔ وہ حسب دستور خالی ہاتھ تھا۔ البتہ تینوں نوجوانوں ہاتھوں میں وہی جوئی اسٹین گنوں کا رخ ہماری جانب تھا۔

سب سے پہلے گوچی نے اپنا دیوار اور، فرش پر گر لیا اور وہ اٹھالے۔ پھر سونیا اٹھوٹتی ہوئی اٹھی اور دیوار سے ٹیک لگائی... اور پھر امر سنگھ، پگوچی کے آخری بل کو اڑتا ہوا اور دروازے کھڑا ہوا اور اُس نے شروع سے آخر تک سب رپورٹ دے دی۔

میرے جوئے کے ٹکے جوئے جڑے تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ میرے جو باریک آواز میں بولا۔ "تم نے اوشن کو نہیں بلکہ میرے مفادات کو ہلاک کر دیا۔ اب وہ گرے ہوئے اوشن کو دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے سونیل نے متعجب نگاہوں سے میری طرف اُس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے سوال کو بخوبی پڑھ رہا تھا لیکن میرا ہاتھ تھا۔ میں، اُسے کیسے جواب دیتا کہ گوچی خالی ہاتھ ہے اور ختم چودھر دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ مجھے خاموش اور متذبذب دیکھ کر اُس ہی کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

زخم کھایا ہوا زندہ اور زخمی ناگ، دونوں بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔ میری جو بھی ایسا ہی ناگ تھا جس کے قریب ہی میں کھڑا تھا۔ اگر وہ بھاگتے بھاگتے، مجھے دس لیتا تو یہ کوئی انوکھی بات نہ ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ میں بھی پوری طرح چوکتا تھا۔

"امر سنگھ، تم، گوچی کو ساتھ لے جاؤ اور اس لڑکی کو میرے پاس لے آؤ۔" میری جو بولا اور عادتاً ایڑیوں کے بل گھوم کر دونوں جانوروں کے ساتھ دائیں جانب چل پڑا۔ تب گوچی نے اپنا دیوار اور اٹھالیا اور اُسے جیب میں ڈالتا ہوا میری جانب گھوم کر سرد آواز میں بولا۔

"تم وہ آخری شخص ہو جس نے فونیکا کے ساتھ آخری لمحات گزارے ہیں۔ میں نے تمہیں معاف نہیں کیا، کچھ وقت دیا ہے۔ میں، تم سے کسی لمحے پوچھوں گا کہ جب موتی کو اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا تو اُس نے تمہیں کیا بتایا تھا اور وہ لاکٹ کہاں ہے... اگر لاکٹ تمہارے پاس ہے تو اُسے ضائع نہ کرنا، لڑکے! ہو سکتا ہے وہی تمہاری زندگی کی ضمانت بن جائے۔ میری بات یاد رکھنا نوجوان! جو نہی مجھے وقت دلا، میں تم سے بدلہ لگاؤں گا۔ لاکٹ کی حفاظت کرنا۔"

"سنو مشر گوچی..." ایک قدم آگے بڑھ کر میں نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "مجھ سے ملنے سے قبل اوشن کی بیٹی سے ضرور مل لینا... رہا لاکٹ کا سوال، تو میں نہیں جانتا کہ جب میں، تمہاری بیوی کا جہان تھا تو اُس نے لاکٹ بہن رکھا تھا یا نہیں۔ ہمارے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ اگر مجھے بھی وقت نے اجازت دی تو میں اس نیک دل خاتون کی موت پر افسوس ضرور کر رہا ہوں گا۔"

"ہم ضرور ملیں گے۔" وہ سرسراتے لہجے میں بولا۔ "میری زندگی کا اب بھی ایک قصہ رہ گیا ہے، اپنی موتی کے قاتلوں سے ملاقات۔" وہ گھومنا اور باہر نکل گیا۔

سونیا بدستور دیوار سے پشت لگائے بانپ رہی تھی۔ جو نہی امر سنگھ، گوچی کے پیچھے باہر نکلا۔ سونیا چھلانگ لگا کر میرے قریب آ گئی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، خرم!" اُس نے سرگوشی میں بتایا۔ اُس نے ڈگ، گوچی اور امر سنگھ کو راستہ دینے کے لیے دروازے سے جھٹ کر ایک ستون کی اوٹ میں چلا گیا تھا۔

اسی فاصلے اور وقت کو اپنے حق میں استعمال کرتے ہوئے سونیل نے مجھے اپنے اگلے اقدام کے بارے میں آگاہ کر دیا۔ اگر وہ بروقت قدم نہ اٹھاتی تو میں دوسرے انداز میں کارروائی شروع کر چکا ہوتا۔ بہر طور میں فرار اور آزادی حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

بارے ہوئے میری جو کی ساری توجہ گوچی نے اپنی جانب مبذول کر لی تھی۔ اگر گوچی اپنے بے وفائی کار کی زندگی سے انتقام نہ لیتا تو میری جو اپنے

خطوں کے منصب پر عمل کرتے تھے اپنی تمام تر توجہ میری پر مرکوز رکھتا۔ وہ مجھے گہری اور روشن کے شے میں کس کو خود نکل جاتا۔

پارکنگ شینک تم مجھے اٹھا کر چلو گے۔ سونیا نے پھر سرگوشی کی۔ ہم رستے میں اپنے گھر کے گلو خاص حاصل کر لیں گے۔

میں نے ڈک پر نگاہیں جما رکھی تھیں اور ہونٹ سختی سے بند کیے ہوئے تھے۔ کیونکہ ڈک، سونیا کو میرے قریب دیکھ کر چونکا ہو گیا تھا۔ تب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ سونیا میرے کندھے پر ہاتھ رکھے، لڑکھڑانے کی اور کاری کر رہی تھی۔ مجھے بھی اُسے سہا دینا چاہیے تھا۔

کیا لڑکی چل نہیں سکتی؟ ڈک نے بظاہر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔ ہاں، دوست! میں نے سونیا کو سہا دیتے ہوئے کہا۔ یہ لڑکی ٹوٹ چھوٹ گئی ہے لیکن فکر نہ کرو، میں اسے اٹھا لوں گا۔ تم رہنمائی کرو۔ اُسے اٹھا کر آگے آگے چلو۔ ڈک نے اسٹین گن سے اشارہ کیا۔

پھر جب میں سونیا کو کندھے پر لادے، راجداری سے گزر رہا تھا تو سننے پارکنگ شینک موجود، ایک سیلہ دین میں ہی ہوا، ہر سنگ اور گچی سوار ہو رہے تھے۔ دین کے شیشے بھی سیاہ تھے۔ جب دین روانہ ہوئی تو اُس کے آگے... موٹر سائیکل پر دو نوجوان سوار تھے اور ایک ٹیلی کال دین کے پیچھے تھی۔ جی بڑ نے اپنی حفاظت کا معمولی نظام کر رکھا تھا۔ دین کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ بٹ پر وف ہوگی۔ میں نے اسی رنگ اور ساخت کی ایک دین چنگچی کے پاس بھی دیکھی تھی۔

ہمارے لیے ایک سفید کار موجود تھی جو پرانے ماڈل کی مضبوط گاڑی تھی۔ ڈک نے ہمارے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا اور میں نے سونیا کو احتیاط کے ساتھ پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔

ڈرائیونگ سیٹ، تم سنبھا لو گے، دوست! ڈک نے کہا۔ سواری، مسٹر ڈک... میں نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔ میں ڈرائیونگ نہیں جانتا۔

پھر اتنے خطرناک کیسے بن گئے؟ ڈک نے استغیابانہ نگاہوں سے میرے سراپے کا جائزہ لیا۔ مسٹر، تمہیں بڑی اہمیت دینا ہے تعجب ہے۔ میں دوسری لائن کا آدمی ہوں، دوست! میں نے جھپٹا لیا۔ ہر انسان کی نہ کسی فن میں ماہر ہوتا ہے۔ میں صرف اپنے دشمنوں کے لیے خطرناک اور ماسٹر کے وفاداروں کے لیے بالکل بے غر ہوں۔

ٹھیک ہے۔ وہ آگے بڑھا۔ اپنا رول اور میرے حملے کرو۔ برانہ محسوس کرنا۔ ہماری دنیا صرف احتیاط کے سہارے چلتی ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے اپنا رول اُسے دے دیا۔

ڈک نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر رول اور اسٹین گن ڈیش بورڈ کے ٹوے فیلے میں رکھ دی۔ پھر اسٹیرنگ وھیل کے ساتھ جھنجھکی تاروں کو

ہلا کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔... جب کار، پارکنگ شینک سے نکل کر پر دوڑنے لگی تو سونیا نے اپنا سر میری گود میں رکھ دیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اُس نے آنکھ ڈبا کر اشارہ کیا اور ایک ہاتھ سے طریقے پر رول اور میری جانب سر کانے لگی۔

میں نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھا، ڈک کی نگاہیں جھی ہوئی تھیں۔ رول اور، میری گرفت میں آگیا لیکن میں الجھ گیا تھا۔ اُلجھ بڑوں نے سختی جھلکار کی رفتار سے غیر معروف شہر پر کار پوری رفتار رہی تھی۔ ایسے میں اگر میں رول اور کے زور پر ڈک کو زیر کرنے کی کوشش تو وہ یقیناً میری حماقت پر قہقہہ لگاتا۔

میں سوچ رہا تھا اور سونیا کے ناخن میری کلائی کو کھرج رہے وہ یقیناً اُسوں سے واقف رہی ہوگی اور کچھ سوچ کر ہی اس دیران رستے کا انتخاب کیا ہوگا۔

اوہ، مسٹر ڈک! میری ساتھی مر رہی ہے۔ میں نے گہرائی میں کہا اور سونیا جلدی سے کروش کے بل ہو گئی۔ پلیر! گاڑی رول اور سونیا پر جھکا ہوا تھا اور وہ اٹھری اٹھری سانسیں لے رہی تھی۔

ڈک نے کار روک دی اور قبل اس سے کہ وہ پلٹ کر کاجائزہ لیتا، میں نے رول اور کی نال، اُس کی گردن سے لگا دی اور وہ اپنی جگہ جم گیا۔

ڈک... میں نے سفاک لہجے میں کہا۔ ہمارا تعلق بھی یہی ہے۔ اور ہماری بقا بھی احتیاط کے دھانکے سے بندھی ہم احتیاطاً نہیں اُترنا پسند کریں گے۔

میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ وہ بھراتی ہوئی آواز میں کہا۔ سے زندگی بہر حال عزیز ہوتی ہے۔ البتہ اب میں، ماسٹر کی طرف نہیں سکوں گا۔

ہاں! سونیا اچھل کر بیٹھ گئی۔ ماسٹر تم جیسے لوگوں کا اس کا عادی نہیں ہے۔ سونیا نے میرے ہاتھ سے رول اور لے کر اُس ڈک کی کھوپڑی پر بجاتے ہوئے کہا۔ تمہاری بہتری کے لیے سر ڈش بورڈ سے جالگا۔ اُسے اٹھا کر اس طرف ڈال آؤ۔ غم نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں نے اپنی فطرت کے خلاف، لڑکی کے حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ کیونکہ سونیا نے بڑی مختصر وقت میں خود کو نکال دیا تھا۔ سونیا نے حالت کا پوشیدہ بیٹو، میری نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔ ورنہ میں نے عورت کو ڈرو پوک بنی سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی لیکن سونیا کی اور جرات نے ثابت کر دیا تھا کہ عورت صرف پھل کی طرح نرم و نازک

نہیں بلکہ سوسے کی دیوار بھی ہے۔ وہ شہر، بند گاہ کی کوئی ذیلی یا مٹروک شہر تھی جو ایک فرلانگ کا نام لے کر کھٹے ہوئے، بڑی شہر کے متوازی جا رہی تھی۔ دونوں شہروں کے درمیان، لکڑی کے شکستہ کیبنوں اور قد آدم جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ڈک نے اس دیران شہر کا انتخاب کیوں کیا تھا۔ شاید چنگچی کے متوازی گڑگوں کی نظروں سے بچ کر جانا چاہتا تھا۔

جب میں ڈک کو جھاڑیوں میں ڈال کر واپس آیا تو سونیا بڑے جاتن و جد انداز میں اسٹیرنگ سنبھالے بیٹھی تھی۔ اُس نے اسکا روف سے ادا چہرہ پھپھارکھا تھا۔ پہلی نظر میں اُسے لڑکی کی حیثیت سے پہچان لینا مشکل ہی تھا۔

ڈک، یہیں منزل مقصود سے دور لے آیا ہے۔ اُس نے مجھے پچھلی سیٹ پر بٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ انکل شمعون پریشانی میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں۔

کیا وہ، ہماری کم شدگی کا اعلان کرانیں گے۔ میں نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے کہا۔ اور سونیا ہنس پڑی۔

اعلان سے بھی خطرناک بات یہ ہوگی کہ وہ، می جو کے کسی عارضی ٹھکانے میں گھسنے کی حماقت کر بیٹھیں۔ سونیا نے کار بڑھاتے ہوئے کہا۔ تم، انکل شمعون کو نہیں جانتے۔ وہ، می جو اور چنگچی سے سینئر غندہ ہے اور چنگچی سے ریٹائر ہونے کا باقاعدہ وظیفہ وصول کر رہا ہے۔ سنا ہے چنگچی کو نیکاک سے وہی لیا ہے۔

اور یقیناً وہ میری حیثیت بھی جانتا ہوگا؟ ہاں، وہ جانتا ہے کہ تو بڑھاپا چنگچی، تمہیں اپنی قسمت کا روشن ستارہ سمجھ بیٹھا ہے لیکن میں، انکل کی فطرت سے واقف ہوں وہ چنگچی کی دولت برمی جھکے خزانے کو تر جیح دے گا اور اگر یہ خزانہ درمیان نہ ہوتا تو انکل مجھے گولی مار کر تمہیں فرخت کر دیتا۔

کیا وہ تمہارا سگا انکل ہے؟ میرے سوال کا جواب اُس نے انبات میں گردن ہلا کر دیا۔

مجھے اُسی نے پروان چڑھایا ہے۔ میری ہر وہ خواہش اُسے عزیز ہے جس کا کرؤ، اُس کے ذاتی مفاد سے نہ ہوتا ہو۔ تم اپنی ہی مثال لے لو۔ میں نے تمہیں دیکھا، پسند کیا اور اپنی خواہش کا اظہار انکل سے کر دیا۔ اُسی کی لکھشوں سے می جو اپنا بویا بستر لیٹنے اور تمہیں چھوڑنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ پھر تو خاصی خطرناک شے ہوئی، تمہارا انکل!

مارکیٹ کے وسیع پارکنگ شینک میں کئی گاڑیاں بڑے سلیقے سے پارک تھیں۔ سونیا نے بھی آخری قطار میں اپنی گاڑی پارک کر دی۔ ابھی اُس نے انجن بند نہیں کیا تھا کہ شمعون اپنی کار سے نکلتا دکھائی دیا۔ وہ بڑھاپا

تھا مگر اس کی چال اور جسمانی ساخت اُسے نوجوانوں میں شمار کرتی تھی۔ نیلی چہرے ڈانٹری میں وہ خاصا اسارٹ دکھائی دے رہا تھا۔

"میلو پیارے بچو!" اُس نے قریب آکر ہاتھ پلاتے ہوئے مسرور لہجے میں کہا۔ پھر وہ، سونیا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ گاڑی یقیناً پرانی ہوئی، اگر کوئی خطر نہ ہو تو میرے پیچھے چلے آؤ۔ میرے ساتھ برتھ اور اسس کی بندیا بھی ہے۔

کون، مارشا؟ سونیا نے چیخ کر پوچھا۔ وہ، اُسے پھر اپنے ساتھ لگالیا ہے۔

پھر سکون رہو بے بی! شمعون نے سونیا کا کندھا تھپ تھپایا۔... مارشا کو وہ نہیں لیا بلکہ میں نے بلایا ہے۔ وہ بھی ہمارے منصوبے میں شامل ہے۔ شمعون بولا۔

لیکن... میں... سونیا نے سر جھٹک کر کچھ کہنا چاہا مگر شمعون کی آنکھ کے اشارے سے اُس کے الفاظ حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئے۔

تم ساحل پر کھینٹنے والی وہ بچی نہیں ہو، سونیا! شمعون خشک آواز میں بولا۔ جودل بہلانے کے لیے ریت کا گھروندا بناتی ہے اور پھر خود ہی ٹھوکر مار کر گرا دیتی ہے۔ خود کو میٹ کر رکھا کرو۔... ہاں، تو کیا اسی گاڑی میں چلو گی؟

"سواری، انکل! سونیا نڈلت سے بولی۔ میں، مارشا کا نام سن کر جذباتی ہو گئی تھی۔ اگر ادھر جگہ نہیں ہے تو ہم دونوں کسی ٹیکسی میں چلیں گے۔ یہ کار محفوظ نہیں ہے۔ میں انتظام کرتا ہوں۔ شمعون بولا۔

چند منٹ بعد میں، شمعون کی لمبی سیاہ کار کے تعاقب میں، سونیا کے ساتھ، ایک کرایے کی کار میں جا رہا تھا۔ شمعون، ساحل پٹی کے ساتھ ساتھ چکر لگاتا ہوا واپس گنجان علاقے میں داخل ہو گیا تھا۔

آبادی گنجان لیکن شکستہ اور کچی تھی۔ یہ ماہی گیروں کی بستی تھی۔ پھلیوں کی ناگوار بو، کار کے اندر تک گھسنے آتی تھی۔ ایک عورت تین بچوں کے ساتھ بیٹھی، ایک عارضی چوہے پر پھچلیاں بھون رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر لائیں روشنیاں اڑاتی، ساحل کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ میں اپنے حالات اور سونیا سے بہت دور ان قدتی مناظر میں کھپا ہوا تھا کہ جھٹکے سے چونک پڑا۔

شمعون کی کار چند گاڑیوں کے قریب جا کر رُک گئی تھی لیکن ہمارے ڈرائیور نے پس قدم ادھر ہی کار روک لی تھی۔ شمعون، کار سے اُتر کر ہماری طرف آیا۔ سونیا، اتم واپس شہر جاؤ گی۔ شمعون نے کار کا دروازہ کھول کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں، خرم چوہری کو محفوظ مقام تک لے جاؤں گا۔...

تھیں، برقع کے ساتھ ڈاکٹر فون کے کھینک جاتا ہے۔ میں، اُسے فون پر ہدایات دے دوں گا۔

”خرم! پلیز...“ سونیا نے بڑے دالہانہ انداز سے کہا۔ ”تھاری اجازت کے ساتھ، مشترکہ مفادات کی خاطر ہمیں جلدی برواشت کر لینی چاہیے ٹھیک ہے نا؟“

”ہاں، جان...“ میں نے بھی پیار بھرے انداز میں کہہ کر اس کے بالوں کو تھپ تھپایا۔ ”مجھ سے وہ اب تو ایک پل کی جلدی بھی ناقابل برواشت ہے۔ میں منتظر رہوں گا۔“

”مارشا، ہمارے ساتھ جا رہی ہے۔“ شمعون نے بتلایا۔ ”جب تم کلام سے فارغ ہو جاؤ گی تو اُسے واپس بھیج دیا جائے گا۔ خرم تنہا، پوریت محسوس کرے گا۔“

”اوہ... نہیں! انکل!“ میں نے احتجاجی انداز میں کہا۔ ”میں بے حد تھکا ہوا ہوں مجھے کسی مارشا کی نہیں بلکہ ایک چار دیواری اور تنہائی کی شدید خواہش ہے... براہ کرم آپ، مارشا کو میرے لیے تکلیف نہ دیں۔ میں، سونیا کی واپسی تک سونا چاہتا ہوں۔“

”فرود... شمعون مسکرایا۔ مارشا کی موجودگی، تھاری خیند کے لیے سو مند ثابت ہو گی۔“

اُس وقت تو اس بوڑھے شیطان کی بھاس مجھے بہت زہر لگی تھی لیکن جب لالچ کی مدغم روشنی میں، میں نے مارشا کو دیکھا تو میری آنکھیں چمکا چوند ہو گئیں۔ میری آنکھوں میں شوق اور خیریت تھی اور اُس کی قاتل آنکھوں میں بڑی جان بیزا اور خود سے آگاہی کی مسکراہٹ رقصاں تھی... اور شمعون، ہمارے درمیان کھڑا، فخریہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”مارش...“ وہ ہنستا ہوا آگے بڑھا اور میرے بالوں کو سہلاتے ہوئے بولا۔ ”اس نوخیز اور نوگرفتار جیسے نام خرم سلطان ہے۔ ہمارا یہ غیر ملکی دوست، ہمارے شہر کے لوگوں سے خفا ہے اور شاید نفرت بھی کرتا ہے... حالانکہ زمین پر رہنے والے سبھی لوگ بڑے اور قابل نفرت نہیں ہوتے۔ تم، اس کے دل سے اپنے لوگوں کے بارے میں رائے صاف کرو گی۔“

مارشا کی مسکراہٹ کی روشنی کچھ اور بڑھ گئی۔ وہ بے حد نرم اور میٹھی لگا ہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

”اور خرم سلطان! یہ قدرت کا پیارا شاہکار مارشا ہے۔ یہاں کی معروف ٹی وی فنکارہ۔“

میں نے سر کو ہلکا سا خم دے کر، اُسے تعظیم دی۔ ”میں جو ہر نا آشنا ہونے کے باوجود، دام مارشا کو خوش آمدید کہتا ہوں۔“

وہ، میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بے تکلفی سے میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ شمعون سگڑ سگڑ کر ایک کونے میں جا بیٹھا اور میں نے آنکھیں موند

لیں کیونکہ مارشا کا قرب میرے لیے پریشان کن تھا۔ عابدہ کے بعد یہ پہلی لڑکی تھی جس نے میری سوچوں سے کام خواہشیں چھین کر صرف اپنی ذات خواہش زندہ رہنے دی تھی۔

وہ عمارت کو لون شہر کے شرقی کونے میں ایک زرعی فلام کے درجہ تھی۔ وہ عمارت خامی وسیع اور خوبصورت تھی۔ ہو سکتا ہے، مارشا کی خواہش نے اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا ہو یا میری نگاہیں مارشا کے پس منظر کو پرکشش محسوس کرنے لگی تھیں۔

کمرے میں بیڈ نام کی کوئی شے نہ تھی۔ البتہ جدید طرز کے کاؤچر بیڈ کے طور پر استعمال کیے جا سکتے تھے۔ میرے خوبصورت اور عزیز بہنوئی شمعون نے کنگ سائز فرنیچر کا پٹ کھولتے ہوئے کہا۔ ”اس میں زندگی کی فردت کی ہر چیز موجود ہے۔ شراب، سوڈا، روٹ، بیف، پھلی اور لٹ کے لیے مکھن، انڈے، روٹی...“ اس نے تفصیل بتا کر فرنیچر بند کر دیا اور ہنستا ہوا، مارشا کے پہلو میں جا بیٹھا۔

”میرا خیال ہے، انکل!“ مارشا کھنکتی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ”جوان لوگوں کو خیند بہت عزیز ہوتی ہے۔ مارشا نے مجھ پر چوٹ کی۔“

”انکل! مجھے واقعی خیند عزیز ہے۔“ میں نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا۔ ”میں کئی راتوں کا جاگا ہوا ہوں۔ براہ کرم صبح تک مجھے پریشان نہ کیا جائے۔“ اور، کے، بوائے! ”شمعون کی آواز ابھری۔“ میں، اُس خندی لڑکی تک تھاری خواہش پہنچا دوں گا۔ اگر اُس نے خندہ کی تو اب صبح ملاقات ہو مارشا! تم بھی خرم کی ہر خواہش کا احترام کرنا۔ اگر تم رات میں کسی وقت آنے تو تم لوگوں کو دُشرب نہیں کریں گے۔“

تھوڑی دیر بعد میں نے دروازہ بند ہونے اور تائے میں چابی گھومنے کی آواز سنی۔ شمعون باہر جا چکا تھا... میری آنکھیں کھل گئیں۔

”ایک رات کے ہم سفر کچھ باتیں کرو۔“ مارشا، فرنیچر کی طرف برعینہ ہوتی بولی۔ ”میں جاتی ہوں، تم صرف اس بوڑھے کو یہاں سے دفع کرنا چاہتے تھے۔“ اُس نے فرنیچر کا پٹ کھولتے ہوئے پوچھا۔ ”نیٹ یا ساتھ میں سوؤا بھی؟“

”میرے لیے کوئی دوسرا مشروب دیکھو۔“

وہ الجھی الجھی سی استغیابہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

”میں اپنے مذہب کا حال نہیں دوں گا۔ بس عادی نہیں ہوں۔“

”مسلم...؟“ اُس نے فرنیچر کا پٹ چھوڑ کر حیرت سے میری طرف دیکھا اور میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ ”کس نسل سے تعلق رکھتے ہو؟ میرا مطلب ہے، ترکش، ایرانی، انڈین...؟“

میں نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ”پاکستانی۔“ وہ چہرے پر کوئی نہ مل نکل ہر کیے بغیر گھوم گئی اور فرنیچر میں سر

لیے شربت کی بوتل تلاش کرنے لگی۔ ”سوری دوست!“ وہ ایک ٹرسے نکال کر بولی۔ ”یہاں اس وقت بیف کے سوا تمھارے لیے کچھ نہیں ہے۔“ تم نے اپنے لیے کچھ نہیں لیا؟“ اُسے فرنیچر بند کرتے دیکھ کر میں نے پوچھا۔

”اچھے پینے والے، تنہا نہیں پیا کرتے۔“ وہ ٹرسے تپائی پر رکھ کر بولی۔ ”مجھے بے تحاشی کر بدست ہو جانے والے لوگوں سے شدید نفرت ہے۔“ اس نے بیف کا قلم اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ تم، شمعون کے لیے بالکل اجنبی ہو۔ اگر کوئی راز کی بات نہ ہو تو کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ شمعون، تمھارا میرزاں کیسے بنا؟“

”یہ بس کہانی ہے۔ کاش، میرے پاس اپنی جان اور زبان کے سوا کچھ اور ہوتا۔“ میں نے جوڑے اُتارتے ہوئے کہا۔ ”میں غریب الدیار ہوں جسے اجنبی شہر میں چھت کی پناہ بھی نصیب نہیں ہے۔“

”اپنے خدا کا شکر ادا کرو۔“ وہ بھڑائی ہوئی آواز میں بولی اور اُس کا چہرہ خزن و طلال میں ڈوب گیا۔ ”اگر تم میری طرح بد نصیب ہوتے تو تمھاری رُخ کو بھی کہیں چین نہ ملتا۔“

”ممل کے تضاد کا الٹ پھیر ہے، مارشا!“ میں، پتھون کی بیلٹ ڈھکی کر تاپا ہوا بولا تو مارشا ہونٹ سیکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں دیکھتی ہوں۔ شاید کوئی نائٹ ڈریس مل جائے۔“ وہ، کمروں میں گھوم چکر پانچ، سات منٹ بعد واپس آگئی...

”معاف کرنا، خرم! یہاں ایسا کوئی لباس نہیں ہے...“ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر وہ بولی۔ ”اگر تم ہر محسوس نہ کرو تو روشنی گل کر دوں؟“

”اگر تم اندھیرے میں سونے کی عادی ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ میں نے کاؤچر کی ایک گدسی اٹھا کر سر کے نیچے رکھ لی۔ ”تم روشنی گل کر کے، اُدھر کاؤچر پر اطمینان سے سو جاؤ۔“

سُوج بورڈ کی طرف بڑھتا ہوا، اُس کا ہاتھ زک گیا... پھر اُس نے چہرہ گھما کر میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ”تم مجھے آزمائش میں ڈال رہے ہو؟“ وہ دھیرے دھیرے چلتی میرے قریب آگئی۔ ”یا واقعی تم مجھے مسرور کر رہے ہو؟“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے خاتون!“ میں، اُس لڑکی کو اخلاقیات کا درس نہیں دینا چاہتا تھا جو ناک تک گناہوں کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھی... اور نہ ہی میں اُسے گناہ و ثواب کا فرق بتا سکتا تھا۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں ذہنی طور پر فی الحال ان عیاشیوں اور انعام کا متحمل نہیں ہوں۔“

”اوہ...“ وہ بھڑائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”گویا تم بھی میری طرح دوسروں کے مفاد کی جھینٹ چڑھے ہوئے ہو۔ مجھے اپنی زندگی کا... وہ

دُور دکھاؤ، خرم! ہم ایک دوسرے کے زخم سہلا سکتے ہیں۔“ تب میں نے پہلی بار دل کی گہرائیوں سے کسی لڑکی پر اعتبار کر لیا... اور گھر سے فرار سے لے کر یہاں تک ایک ایک زخم اُسے دکھایا۔ وہ ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرے کو ڈبکائے، بڑے انہماک سے میری داستانِ سمع خراش سن رہی تھی۔ میرے خاموش ہونے پر وہ بھر پور آواز میں بولی۔

”تم بالکل وی جی جی نوجوان ہو جس کے لیے بیکر کی بیٹی نیم دیوانی ہوئی چھپتی ہے... تم بھی تو اس لڑکی سے محبت کرتے ہو نا؟“ مارشا نے شاکی لہجے میں پوچھا۔ ”میں شکوہ نہیں کروں گی۔ مجھے ایسا ہی تو نہیں۔“ وہ، آنکھیں پھیلنے میں کامیاب ہو گئی۔ میں بہت دیر میں تم تک پہنچی ہوں جو پہلے آئے، اُس کا حق فائق ہوتا ہے۔ ہر بار شعور لڑکی، اپنا ایک آئیڈیل رکھتی ہے لیکن میں نے اس آئیڈیل کو منزل کی جھوٹا نام دے دکھایا۔ ممکن ہے، بیکر کی بیٹی نے بھی یہی دھوا کیا ہو، کچھ دوسری لڑکیاں بھی نہیں یقین دلاتی رہی ہوں۔ تم اس قابل ہو کہ قریب آنے والی ہر لڑکی خود کو تمھاری پرکشش ذات میں مگم کرنا چاہے گی۔ اگر یقین کرو تو میں بھی کہوں گی کہ مجھے جس منزل کی تلاش تھی، میں نے جس ساتھی کو جاگتی راتوں میں گھر گھر تلاش کیا ہے وہ تم ہی ہو۔“

”اس کے باوجود کہ میری زندگی کے شب و روز سے تم آگاہ ہو چکی ہو۔“ میں نے گٹن کو اپنے چہرے پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”منزل! اُس شے کا نام ہے جو اپنی جگہ قائم ہو، تھکے مارے مسافر کو اپنی آغوش میں لے سکے شکستہ دیوار کے سائے میں کوئی حق ہی بیٹھ سکتا ہے۔ میں بھی ایک شکستہ دیوار ہوں۔ ہاں، اگر کبھی زندگی کو استحقاق حاصل ہوا تو میں یقین کر لوں گا۔“

”مجھے پوری سچائی سے صرف یہ بتاؤ۔“ مارشا، میرے کندھے سے سر ہٹا کر بولی۔ ”تم کسی لڑکی کو چاہتے تو نہیں ہو؟“

”ایک لڑکی کی چاہت، دل کی زمین سے چھوٹ ہی رہی تھی کہ میں نے گھر چھوڑ دیا۔“ میری آواز بھڑانے لگی۔ ”دوسری کو چاہنے کی کڑی سزا میں ملے لگیں تو اُسے خود سے نوحہ کر دیا۔ میں تو اب اس شہر کی مانند ہوں، جسے شدید مہاری نے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ہو۔“

”بس خرم! میرے لیے یہی بہت ہے۔“ مارشا مسکراتے لگی۔ ”میں اس اُبڑے شہر کی تنہا شہری ہوں... اور میں اسے از سر نو آباد کرنے کا عزم رکھتی ہوں۔“

میں چپ چاپ اُسے دیکھتا رہا۔

”اب نہ گیا، یہ سوال۔“ وہ کھٹے بالوں کو ادا لے خاص سے جھٹک کر بولی۔ ”کہ ہم دوبارہ کہاں ملیں گے؟ زندگی کے سفر میں قدم قدم ساتھ کیسے چلیں گے؟ تو اس کا میرے پاس صرف ایک ہی جواب ہے۔ میں فی الحال

شمعون کی قیدی ہوں۔ جب تک وہ ہجرے کا دروازہ کھول کر مجھے آزاد... نہیں کر دیتا، میں باہر نہیں جاسکتی۔ کاش! اس قید سے نجات حاصل کرنا میرے اپنے اختیار میں ہوتا۔ بڑی مجبوری ہے۔ اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگ گئی اور وہ اٹھ کر اپنی کاؤچ کی طرف بڑھ گئی۔

"اگر کوئی راز نہ ہو تو اپنی مجبوری مجھے بتا دو، مارشا! ہو سکتا ہے کبھی میں تمہارے کسی درد کی دوا بن جاؤں۔"

"نہیں، خرم! اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ گو کہ مجھے یقین ہے چنگ چی، می جو، بیکرا اور شمعون جیسے خطرناک غنڈوں سے اپنی ذات کا قدموں والے شخص شمعون کے حلق میں انگلیاں ڈال سکتا ہے مگر میں اپنے محبوب کو کسی خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتی۔ اگر تم ہی نہ رہے تو میں آزادی کا کیا کروں گی؟ نہیں، خرم! بس تم زندہ رہو، سلامت رہو... میں کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی طور اس شکنجے سے نکل ہی آؤں گی۔ اب میرے سامنے ایک مقصد اور میری منزل ہے۔ میں آج ہی سے اس منزل کی طرف سفر شروع کر دوں گی... رہائی پا کر میں تمہارے بدن کی خوشبو پر تمہاری جانب سفر اختیار کروں گی۔ میں تمہیں ضرور تلاش کروں گی۔"

"اوہ... بہت خوب... میں نے ازراہ مذاق کہا۔" اچھا، خدا انکل شمعون کے بدن کی خوشبو کو محسوس کر کے بتاؤ کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟

"میں دیکھ نہیں سکتی۔ وہ اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ رب کریم نے مجھے یہ قوت عطا کی ہے۔ اگر تم، میری آزمائش کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ باہر چلو۔ میں فضا میں اس کی خوشبو کو سونگھ کر فاصلہ اور سمت بتا دوں گی۔ آؤ، میرے ساتھ۔"

"ارے نہیں، بیٹھو! میں نے ہنس کر ٹالنا چاہا۔ جہنم میں جانے مجھے اس سے کیا لینا؟ جہاں بھی ہو، صبح اچلنے لگا۔"

"میری اس قوت کو آزماؤ تو۔" اس نے میری آنکھوں میں بے یقینی پڑھ لی تھی۔ اگر کبھی زندگی ایک ساتھ بسر کرنی پڑی تو یہ دھال میں تھلے مفاد میں استعمال کر دوں گی۔"

"مجھے یقین ہے۔ میں نے جواب دیا۔ تم جیسی خوبصورت لڑکی کو خدا نے کوئی نہ کوئی انعام ضرور عطا کرنا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی ہر خوب صورت شے کو پسند فرماتا ہے۔ بیٹھو اور مجھے اپنے باسے میں بتاؤ۔"

"نہیں... اب میں باقی وقت عارضی موت کے حوالے کر دینا چاہیے۔ تاکہ ہمارے ساتھ تمام جنبہ اور خواہشیں بھی سوجائیں۔ تم نے بھی تو فیری میں نیند کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔" وہ اٹھی اور کشن لے کر تین پر لیٹ گئی۔

"بڑی صفائی سے تم نے میرا سوال گول کر دیا ہے۔ اب میری

نیند اچکی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ صبح قریب تھی اور میں کئی نیند میں جگانے جانے کی کوفت سے ہمیشہ گھبراتا ہوں۔ شمعون کسی نہ کسی داپس آکر مجھے جگا سکتا تھا۔ لہذا میں یہ وقت کروں بے نیلے کی بجائے مارشا سے باتوں میں مصروف کرنا چاہتا تھا۔

"اگر میں نے اپنی زندگی کی کتاب تمہارے سامنے کھول دی تو مجھے خدشہ ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گے۔"

وہ کشن بغل میں دبا کر روٹ کے بل لیٹ گئی۔ "لیکن یہ خطرہ بہر طور میرے ساتھ ہے گا۔ مستقبل میں کسی وقت بھی میری ذات پر سے پردہ اٹھ سکتا ہے۔ لہذا بہتر یہی ہوگا کہ پہلے ہی سنگ میل پر تم مجھے پہچان لو۔ میں یہودی النسل ہوں۔"

اس نے خاموش ہو کر میرے چہرے کا جائزہ لیا لیکن میرا چہرہ کسی قسم کے بھی تاثر سے عاری تھا۔ میرے نزدیک وہ صرف ایک عورت تھی، ہاں! اگر وہ خود کو مسلمان بتاتی تو مجھے یقیناً ڈکھ ہوتا۔

"میں جانتی ہوں کہ میری قوم سے تین الا قومی طور پر نفرت کی جاتی ہے اور اس میں تمہاری قوم سرفہرست ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اس کی وجوہ سیاسی ہیں یا ہم واقعی قابل نفرت ہیں لیکن میں اتنا جانتی ہوں... کہ اگر حکومتیں، جنگی دندنوں کی نسلیں برقرار رکھنے کے لیے بڑی بڑی کانفرنسیں کرتی ہیں تو ہم تو پھر انسان ہیں، ہمیں بھی جینے کا حق ملنا چاہیے۔ اگر ہم بحیثیت انسان زندہ رہیں گے تو بنیادی ضرورت کے طور پر ہمیں چار دیواری بھی درکار ہوگی... پھر کیوں سب مل کر ہمیں، سمندر میں دھکیل دینا چاہتے ہیں؟"

"اس لیے تمہاری قوم، کسی دوسری قوم کا وجود برداشت نہیں کرتی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا... لیکن اس کے باوجود میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔"

"شاید اس لیے کہ میں عورت ہوں۔ مارشا مسکرانے لگی۔ اور تم جیسا بہادر شخص عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔"

"پتہ نہیں لگایا وجہ؟ بس تم مجھے اچھی لگتی ہو۔" میری بات پر پہلی بار اس کے چہرے پر نسوانیت کا نور غمے بھر کے لیے ابھرا تھا۔ "کیا شمعون، تمہاری اصلیت سے آگاہ ہو کر تم سے انتقام لے رہا ہے؟"

"نہیں... مارشا تم لہجے میں بولی۔ وہ خود کفر یہودی ہے اور یہاں کی تنظیم کا سربراہ بھی ہے۔ میں پتہ نہیں کیوں آج اپنی قوم اور مذہب سے غداری کر رہی ہوں۔ شاید اس لیے کہ میں تمہیں اپنی منزل بنا چکی ہوں اور منزل کے سفر کے لیے دل میں خلوص ہونا چاہیے۔ میں نہیں چاہتی کہ جب میں آگ اور خون کے سمندر پار کر کے تم تک پہنچوں تو تم قابل نفرت جان کر مجھے ٹھکرا دو۔ اب فیصلہ کر لینا اچھا ہوگا۔ سنو، خرم چودھری! میرا شمار قوم

کی ان خوش نصیب لڑکیوں میں ہوتا ہے، جنہیں قومی خدمت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ ایسی لڑکیوں کو باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے اور پھر عیادوں پر روانہ کر دیا جاتا ہے۔ جب مجھے ایک اہم سیاسی لیڈر کے لیے چنا لیا تو مجھے اپنے آپ پر بڑا فخر محسوس ہوا تھا... لیکن اب مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو گئی ہے۔ چند دنوں ہی میں مجھے یہ احساس ہو گیا تھا کہ مذہب کے نام پر سیاست دان طبقہ، قوم کی عزت نیلام کر رہا ہے۔ میں نے اس غم کے خلاف آواز بلند کی تو سزا کے طور پر مجھے شمعون جیسے ظالم شخص کے حوالے کر دیا گیا کہ ابھی میری تربیت ناقص ہے۔"

"بس یہی مجبوری ہے۔" میری آواز میں نہ کوئی جوش تھا اور نہ کوئی تسخرانہ رنگ... پھر بھی وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

"اوہ... نہیں، یہ بات نہیں۔ دراصل میری آواز، اس کی قید میں ہے۔ چند ایسی باتیں میرے منہ سے نکل چکی ہیں جنہیں اگر اوپر والے سن لیں تو دوسرے روز ہی میرا کام تمام کر دیا جائے... لیکن میں مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے اپنی زندگی بے حد عزیز ہے۔ خصوصاً تم سے ملنے کے بعد تو زندگی اور بھی دل کش محسوس ہونے لگی ہے۔"

"کیا شمعون، وہ ٹیپ ہر وقت، اپنے پاس رکھتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں... مارشا کی آنکھوں میں ایک نئی چمک جاگ اٹھی۔ تم... تم میری مدد کرو گے، خرم؟ میں تمہیں اس کی ایک خفیہ پناہ گاہ کا پتہ بتا سکتی ہوں جہاں وہ ایسی چیزیں رکھتا ہے لیکن وہاں اس کی لائمی میں داخل ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ ایک خونخوار بلڈاگ کے ساتھ، دو پہرے دار ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ میں دو ماہ وہاں قید تنہائی کاٹ چکی ہوں۔" "وعدہ نہیں، مارشا! میں نے جواب دیا۔ ویسے اگر کوئی موقع ہاتھ آگیا تو میں ضرور کوشش کروں گا۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم ناکام نہیں رہو گے۔ ٹیپ نکل آئے تو میں ایک ٹھنڈے کیے بغیر تمہارے ساتھ چل پڑوں گی۔"

میں نے بوجھل ذہن کو بیدار رکھنے کے لیے سر کو جھٹکا دیا۔ شب بیداری اثر دکھانے لگی تھی۔

"آؤ، باہر کھلی ہوئی چلیں۔" مارشا اٹھتے ہوئے بولی: میں بھی لگانی اور ٹھنڈی سی محسوس کر رہی ہوں۔"

میں چپ چاپ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ سیریلیا اترنے ہی مارشا رک گئی اور چہرے کو دائیں بائیں گھما کر کچھ سُر جھننے لگی۔ اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گڑبڑ میں بولی: "شمعون، کچھ اور لوگوں کے ساتھ یہاں موجود ہے۔ میں تمہیں بوجھل کر رہی ہوں۔ میرے پیچھے چلے آؤ۔ اُسے یہاں نہیں ہونا

چاہیے تھا۔" یہ کہہ کر وہ دبے پاؤں آگے بڑھی اور سامنے والے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

راہداری سے مڑتے ہی سامنے ایک روشن کمرہ نظر آیا جس کی کھڑکیوں کے پردے بھی ہٹے ہوئے تھے۔ پہلی نظر میں شمعون ٹہکتا ہوا دکھائی دے گیا۔ ہم دونوں دبے پاؤں چلتے، کھڑکی کے قریب پہنچے اور اس کے دائیں اور بائیں جانب دیوار کے ساتھ کھڑے ہو گئے کیونکہ سامنے سے روشنی میں دیکھ لیتے تھے۔ میں نے سوچا اور ایک نوجوان کو بھی دیکھ لیا تھا جو پہلو پہلو سے پھوٹنے پر بیٹھے ہوئے تھے اور شمعون، ان کے سامنے ٹھہر رہا تھا۔

"تمہیں فیصلہ کرنے سے قبل مجھ سے مشورہ کر لینا چاہیے تھا۔ شمعون کی سرسراہٹ آواز آئی۔ "گو میں، تمہاری ہر خواہش کی تکمیل میں معاون ہوں لیکن قومی مفادات ہم سب پر حاوی ہیں۔" لیکن میں نے سوچا کہ اپنی ذات سے منسلک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے ڈیڈی! نوجوان نے قدرے احتجاجی لہجے میں کہا۔

میں نے جھانک کر دیکھا۔ شمعون ان کے سامنے کھڑا، پنچوں پر جھجھول رہا تھا اور سوچنا، صوفے کی پشت پر سر ہلے اپنے بالوں کو سلجھانے میں مصروف تھی۔

"مجھے افسوس ہے میرے بیٹے! شمعون نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا: میں سوچنا کو منسوب ہے خارج نہیں کروں گا۔ ہاں، اگر منسوب کامیاب ہو گیا تو فلپائن سے سونہ کو واپس لانا میری ذمہ داری ہے۔ وہ لڑکا بڑا اکٹھ رہے۔ اُسے تو سوچنا ہی قابو میں رکھ سکتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو، ڈیڈی! میں سوچنا کو کسی کے حوالے نہیں کر... سکنا میری ہونے والی بیوی کو صرف مجھ تک محدود رہنا چاہیے۔"

"میرے بچے! شمعون نرم مگر تڑپتی آواز میں بولا۔ تمہاری یہ سوچ اپنی قوم سے غداری کے مترادف ہے۔ ہمارا پروگرام اٹل ہے اور پھر منسوبے میں اتنی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی... کہ وہ لڑکا وقت نکال کر عیاشی کے لیے سوچ سکے جہاں میں..."

"میں جانتا ہوں، جہاں میں سوچنا کی جنت بیوی کی ہوگی اور اسے خرم کے کین میں رہنا ہوگا۔ نہیں، ڈیڈی! میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ تمہیں، مجھ پر بھی اعتماد نہیں ہے، بڑھ! سوچنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "اُسے استعمال کرنے کے بعد ہم فی الفور ضائع کر دیں گے۔ جو نہیں ہمارا مطلوبہ مال، جہاز سے لائیجیا نقل ہوا، ہم خرم کو گھیلیوں کے حوالے کر دیں گے۔ اس کے علاوہ منسوبے میں شامل تمام افراد کو ختم کرنا ہمارا اولین کام ہوگا۔ ورنہ کسی وقت بھی ان لوگوں کے ہمارے نام پہنچ

سکتے ہیں۔

"ٹھیک ہے، سوئی! برتھ نے نڈھال سے لہجے میں کہا۔ ایک تجربہ اور سہی۔"

"شکر یہ برتھ! شمعون نے بڑھ کر برتھ کے سر پر تھکی دی۔ قوی مفادات کی خاطر قربانی دینے کا جذبہ اپنے اندر زندہ رکھو۔ ہمارے سامنے بڑا مشکل اور عظیم مقصد ہے۔ تم ایک فنکار ہو اور انسانیت سے محبت کرتے ہو لیکن میں چاہوں گا کہ تم زہریلے سانپ سے محبت کرو مگر مسلمان اور عیسائی سے نفرت کرو۔ یہ دونوں ہمارے دشمن ہیں۔ اپنی تاریخ کا مطالعہ کرتے رہا کرو۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرے اندر سے نفرت و عقارت کی ایک نئی آہل کر حقی کی جانب آ رہی ہے۔ سونیا اصل روپ میں سامنے آئی تو میرے ذہن کو زبردست جھٹکا لگا۔ اس لڑکی نے بڑے بڑے دعوے کیے تھے، محبت جتنی تھی۔ جبکہ وہ جانتی تھی کہ جس سے پیار کی قسمیں کھا رہی ہے، اُسے سمندر میں دھکیل دیا جائے گا۔

جو منصوبہ شمعون نے یا کسی اور نے تیار کیا تھا، اُسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کی ذمہ داری سونیا نے قبول کی تھی اور ہر شخص کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری نباہے۔ لہذا میں نے سونیا کو نظر انداز کر دیا۔ میں مارشا کا مضمون تھا جس نے مجھے ایک خوفناک سڈش سے آگاہ ہونے میں مدد دی تھی۔ اگر وہ مجھے شمعون کی موجودگی سے باخبر نہ کرتی تو میں محض ہانگ کانگ کی بدبودار دلدل سے نکلنے کی خاطر سونیا کے جال ہی میں جکڑا رہتا۔

لہذا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اس نفرت کی تہ میں میری ذاتی دشمنی زخمی اگر سونیا شروع ہی سے مجھے شکار کرنا چاہتی تھی تو میں اس کی ذہانت کا قائل تھا کہ اس نے کمال ہوشیاری سے مجھے اپنے دام میں گرفتار کر لیا تھا۔ شکار تو شکار کو گلے، رگیں اور پھنسا کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ سونیا بلاشبہ اس فن میں یکتا تھی اور میں اس کی اس خوبی سے نفرت نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے تو شمعون کی باتوں نے چنکا دیا تھا میرا خون کھول اٹھا تھا میری غیرت چیخ اٹھی میرے سامنے صرف خرم چوہدری کا قاتل ہی نہ تھا بلکہ عالم اسلام کا خطرناک ترین دشمن بھی تھا اور بحیثیت مسلمان میرا فرض تھا کہ دشمن اسلام کا ناپاک بجز مرہو کر اس کی سناک آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے بتاؤں کہ یہ چراغ بڑے بڑے طوفانوں سے نبرد آزما ہو چکا ہے۔ اسے تیری چھوٹیں نہیں بچھا سکتیں یہ وہ سچا دین ہے جس کو دشمنی اللہ کی آخری کتاب سے مل رہی ہے اور اُس آسمانی کتاب کی حفاظت کا وعدہ اور ذمہ امریکہ یا روس کے سربراہ نے نہیں لیا بلکہ

رب کائنات اس کتاب کا خود محافظ ہے۔ جب تک قرآن سلامت ہے خدا کا پسندیدہ دین اسلام بھی زندہ رہے گا۔"

نکل چلو خرم! ہاتھ کے لمس سے میں نے چوٹ کھ کھینچا۔ مارشا سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔ بڑھ کی فیری یقیناً ادھر کھڑی ہو گی۔ شمعون کی غیر حاضری میں ہم قسمت آزمائی کر سکتے ہیں اگر ٹیپ مل گئی تو میں تمہارے ساتھ نکل چلوں گی۔

"اے باہر کون ہے؟" مارشا کی سرگوشی اندر سن لی گئی۔ دھواڑ کی آواز شمعون کی تھی اس سے قبل کہ میں کوئی جواب دیتا یا کوئی راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرتا۔ دھڑ سے کواڑ کھل گئے اور شمعون ان میں اسٹین گن تانے آ رہی تھیں سے گرجا۔ بولو کون ہے؟ ہم ہیں انکل! مارشا گود کو میرے سامنے آگئی۔ روشنی دیکھ کر ادھر آگئے ہیں۔

"اوہ... اچھا اچھا... شمعون سامنے آگیا۔" میرا خیال تھا کوئی چور نہ ہو۔ مارشا بولی: اندازہ کون ہے انکل؟

"برتھ اور سوئی تم واپس جاؤ! شمعون نے اسٹین گن سے اشارہ کیا۔

"میں مسٹر برتھ سے ملنا چاہتا ہوں انکل! میں نے ہاتھوں کی کھمبل اور دھان کی گرمی کو بھید مشکل کنٹرول کرتے ہوئے ملتی انداز میں کہا۔ مارشانے اس کی اتنی تعریفیں کر ڈالی ہیں کہ اب اس سے ملنے کو بے حد ہی چاہ رہا ہے۔ صرف پانچ منٹ کے لیے انکل۔

شمعون لحظہ بھر کے لیے کچھ سوچا اور پھر ہمارے قریب آگیا۔ "سنو لوکی! اس نے سرگوشیاں لہجے میں کہا: تم برتھ سے دور رہو! میں نہیں چاہتا کہ رقابت کی آگ یہاں کوئی مسئلہ کھڑا کر دے۔ سونیا اس معاملے میں بے حد بد بولی ہو رہی ہے۔ خصوصاً خرم چوہدری کے معاملے میں۔

"مارشا تم باہر ہی رہو! میں نے مارشا کے شلنے پر اشارہ کر دیا۔ تھکی دی۔ میں بس فارغ ہو کر ابھی آتا ہوں۔

"ہاں یہ زیادہ بہتر ہے۔ شمعون نے میری تائید کر دی۔ "تم بھی سونیا سے کوئی تعلق... میرا مطلب ہے... سمجھ گئے نا، تم؟" "ہاں انکل! میں نے قدم بڑھاتے ہوئے اثبات میں گردن ہلاتی۔ میں آپ کے لیے کوئی ایسا مسئلہ کھڑا نہیں کروں گا۔

"شکر یہ خوبصورت اور پیارے لڑکے! شمعون نے میری پشت تھپ تھپائی اور میں نیم واپٹ کھول کر جوں ہی اندر داخل ہوا سونیا نے بڑی طرح پہلو بدل کر مجھے گھورا تھا اس کی آنکھوں میں خوف

و حیرت کا سایہ لہراتا ہوا نکل گیا۔

میری آنکھیں آگے تھکیں لیکن میں دیکھ رہا تھا یہ دیکھنا ایک اندازہ ہی تھا کہ شمعون نے غیر محسوس انداز میں مجھے اسٹین گن سالور کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پرلے درجے کا گدھا ہی ہوتا یا خرم چوہدری کے ساتھ کردار سے ناواقف ہوتا۔ مگر یہ بات نہ تھی وہ کی اور چنگ چی سے نیٹر خنڈہ تھا۔ سونیا کے بقول جب شمعون کا غصہ اٹھ گیا تو اس کے گلے کو چوڑی میں بول رہا تھا تو اس وقت میں جو تمہارے ہوں میں ڈبے ہوئے تھے۔ ایسے شخص سے کوئی بات نہ کرنا کہت ہی تھی۔ اور میں حماقتوں کی مار کھاتے کھاتے محتاط ہو چکا تھا سونیا ریوالور بردار تھی لیکن ہاتھ اور ریوالور کے درمیان فاصلہ صفر تھا۔ برتھ میرے لیے جیسے کی بوری جیسا مارگٹ تھا لیکن اتنے آسان لڑکے پر ضرب لگانے سے قبل اسٹین گن کی موجودگی کو بے اثر کرنا میرا حد ضروری تھا۔

شمعون عقب میں تھا اور میں برتھ سے ہاتھ ملانے سے قبل پلٹ کر دیکھنے کی اگر غلطی کرتا تو یہ غیر فطری بات ہوتی۔ برتھ میرے چہرے پر کھڑی ہوتی دوستانہ روشنی دیکھ کر جوابی دوستانہ مسکراہٹ سے معاملے کے ہاتھ چڑھایا مگر خود تھا نہیں اس کی وجہ شاید یہی ہو کہ وہ ایک معروف ایکٹر تھا اور لوگوں نے اُس کو مغرور کر دیا تھا یا اچانک اور غیر متوقع ملاقات نے اُس وجہ مرد کو حواس باختہ کر دیا ہو وجہ کچھ بھی رہی ہو۔ میں نے جب تک کہ عقیدت مند انداز میں اُس کا ہاتھ دوڑوں ہاتھوں میں تھام لیا اور پلٹ کر شمعون کی جانب ہلکا وہ گن جھکائے بالکل میرے قریب تھا۔ میں فاصلہ اور پوزیشن کا محسوس کرنا چاہتا تھا۔

میں نے پیش کی طرح ایک لحظے میں فیصلہ کر لیا کہ تین ہدفوں میں سے کون خطرناک ہے اور کس کو بعد میں نشانہ بنانا چاہیے۔ حالانکہ جب وہ دل کی تواریخ میں دشمن کی دم توڑتی لاش بھی خطرناک ہوتی ہے دشمن کا ہر آدمی اتنا ہی اہم اور لائق توجہ ہوتا ہے جتنا کوئی کمزور ہو سکتا ہے لیکن میں تنہا تھا اور وہ ہاتھوں سے بیک وقت تین ہدفوں پر ضربیں نہیں لگا سکتا تھا مجھے ہر طور کسی ایک کو لو بھرنے کے لیے نظر انداز کرنا ہی تھا اور میری سوچی سمجھی برتھ کا قرعہ نکال تھا۔ میں نے سوچا جیسے مضبوط نوجوان پر سونیا جیسی سوبہ کی گویا کو ترجیح دیتی تھی کہ سونیا کے ساتھ میں خاصا ہنگامہ خیز وقت گزار چکا تھا۔

شمعون نے یقیناً میری نگاہوں کا مطلب یہی اندکھا مجھے تعارف کی ضرورت ہے وہ یہ دم ادا کرنے ایک قدم اور آگے بڑھا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا: برتھ... یہ خرم سلطان ہے یہ تو

اور ہنگاموں سے لبریز نوجوان۔

میں نے دائیں کہنی پوری قوت سے بوڑھے کے پیٹ میں ماری اور بائیں ٹانگ دائرہ بناتی ہوئی سونیا کی جانب لپک گئی۔ کچھ دونوں کی کرناک چیخوں سے گوج اٹھا۔ میرے پاس اتنی پیاری گوج سننے کے لیے وقت نہ تھا کیونکہ برتھ کو اچھلتے دیکھ رہا تھا شمعون کہنی کی ضرب کھا کر دھرا ہو رہا تھا اور سونیا صوفے سے لڑھک رہی تھی۔ میں نے اسٹین گن پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کرائے کی ضرب شمعون کی گردن پر آزمائی۔ جلدی میں کھڑی ہتھیلی کچھ زیادہ زور کی لگ گئی تھی یا ضرب کا انداز ہی ایسا رہا ہوگا۔ شمعون کی گردن کڑا کے سے ٹوٹ کر جھولنے لگی اور وہ اندھے مڑ میرے پاؤں میں گر گیا۔

"مارشا! اُسے اندر آتے دیکھ کر میں نے کہا: تم اس لڑکے کو سنبھالو! اور خود جھکائی دے کر برتھ کو ہاتھوں پر روکا۔ وہ اس لڑکی کی طرح لپٹ جانا چاہ رہا تھا۔ نہیں پیارے دوست! اسے برے اچھا کر میں نے پچکارا۔ اتنے خوبصورت لوگ خطرناک لڑائی میں حصہ نہیں لیا کرتے۔ یہ ڈرامے کی سلو مشن لڑائی نہیں ہے میں نہیں چاہتا تھا کہ چہرہ بگڑ جائے۔

"تم... تم نے... وہ ہنس گیا۔

"آرام سے ادھر بیٹھ جاؤ! میں نے پھر اُسے دھکا دیا اور وہ صوفے پر گرنا ہوا پیچھے لگا۔

"خاموش رہو برتھ! مارشانے سونیا کے سینے پر پاؤں رکھتے ہوئے اُسے مشورہ دیا: "ورنہ تمہیں بھی ان ہی کی طرح خاموش کرنا پڑے گا۔

"لیکن یہ سب کچھ کیا ہے؟ برتھ پھر اٹھنے کے لیے تڑپا لیکن میں نے اس کے گھٹنے پر بٹ مار دیا وہ کسی چوہے کی مانند کھپکھپ گیا تھا۔

"مارشا! میں نے جھپک کر شمعون کی کلائی اوپر اٹھاتے ہوئے

کہا: تمہاری جیل کی دیوار گر چکی ہے۔ اب تم آزاد ہو، اگر جانا چاہو تو نکل جاؤ۔

"اوہ! وہ اچھل پڑی: کیا یہ...؟

"ہاں! میں نے اثبات میں گردن ہلاتی اور سونیا کے تھوڑے تھوڑے پلوں کو دیکھنے لگا۔ وہ ہوش میں آ رہی تھی۔ برتھ اگر پسند کرے تو اسے بھی اپنے ساتھ ہی لے جاؤ۔ میرا خیال ہے یہ تمہیں پسند کرے گا۔

"نہیں! سونیا تڑپ کر بولی: برتھ اس فحاش کے ساتھ نہیں جلتے گا۔

"یہ فیصلہ بعد میں کریں گے! میں نے مارشا کا اٹھا ہوا ہاتھ روک

کر اسے پرے دھکیل دیا۔ سنو سنو نیا شمعون مرچکا ہے۔ ہم دونوں ابھی زندہ ہیں۔ مجھے منصوبے کی تمام جزویات درکار ہیں اور تمہیں اپنا یہ خوبصورت جسم اور جسم کی زندگی کے لیے روال خون کی خواہش ہے زندگی بہر حال تمام جذبول پر فوقیت رکھتی ہے زندگی ہے تو قوم اور مذہب ہے۔ اب یہ فیصلہ تم کرو گی پساری روکی؟

"کیا تم مجھے بھی قتل کر دو گے؟ بڑے ہی پرسکون لہجے میں اس نے سوال کیا اور اس کے انداز نے مجھے انہیں میں ڈال دیا تھا۔

"تم میری نظروں سے آگاہ ہو سونی؟ میں نے بھی اسی ٹھہرے انداز میں جواب دیا۔ مجھے دیواروں کی قید سے نفرت ہے۔ چاہے وہ دیوار تم جیسی حسین لڑکی کے روپ میں ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے جاننا ہے اور میں اپنے ساتھ سونیا کو نہیں بلکہ منصوبے کی تمام تر کردیاں لے جاؤں گا کیونکہ انکل شمعون کا اب میں دوسرا روپ ہوں۔

اس کے ہونٹ جو بچنے بچنے تھے یکدم کھلے جیسے موسم بہار کے جھونکے کی شرارت پر کوئی کل چٹک گئی ہو۔ بڑی ہی قاتل مسکراہٹ تھی اس کے ہونٹوں پر۔ "تو تم شمعون بن کر منصوبے کو ہینڈل کرو گے۔ مسکراتے لبوں سے سرسراقی آواز نکلی۔ "احق نوجوان شمعون کے اندر سونیا تھی جس طرح دس کے ہندسے سے ایک کا ہندسہ الگ کرنے سے دس کی حیثیت یکدم صفر پر جاتی ہے۔ اس طرح میرے بغیر منصوبے کی کیا حیثیت ہوگی ہاں اگر تم مجھے اپنی وفاداری کی ضمانت کا یقین دلاؤ گے تو دوسری بات ہے۔

"یعنی میں تم سے تعاون کروں؟

"ہاں۔ سونیا نے بدستور مسکراتے ہوئے گردن ہلاتی یہ تعاون تم اپنے آپ سے کر دو گے۔ تم یہاں دو بیڑیوں کے درمیان گھبرے ہوئے بھڑکے بچے ہو۔ میری اطلاع کے مطابق تمہاری زندگی کوئی نہ کوئی لڑکی بچاتی آئی ہے۔ اگر عابدہ نہ ہوتی تو امرتھری جو کو مجبور نہ کرتا۔ اڈٹانے اپنے باپ کے آڑے آکر تمہیں پناہ دلائی تھی اور میں تمہیں اوشن اور گوجی سے بچالائی ہوں تم خود صرف ایک مشین جو خرم ایسی مجبور مشین جو کسی نہ کسی انگلی کی محتاج ہوتی ہے۔ اگر تمہیں مارشل نے کوئی سبب باغ دکھایا ہے تو میری بات کا یقین کر لو۔ ایسی لڑکیاں شاید وفادار تو ہو سکتی ہیں لیکن نڈر اور جان پر کھینچنے والی نہیں ہوتیں۔ اس نے خاموش ہو کر حقارت بھری نگاہوں سے مارشا کو دیکھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے سونیا ڈارلنگ۔ میں شمس پڑا۔ میں عورت پر درجہ تو کر سکتا ہوں مگر اس کا سہارا نہیں لے سکتا۔ کمزور نے خود سہاروں کی محتاج ہوتی ہے۔ مارشا میری دریافت نہیں ہے اسے بطور چارہ استعمال کیا گیا ہے۔ جب یہ یہاں سے نکل جائے گی تو

میں اسے اسی طرح فراموش کر دوں گا جس طرح بازار سے گزرنے والے شخص شویس میں کسی گڑیا کو دیکھنے کے بعد دوسرے قدم پر بھول جاتا ہے۔ رہا سوال تم سے تعاون کا تو میں تمہیں مخلصانہ مشورہ دوں گا اگر برچھ واقعی تم سے محبت کرتا ہے تو بڑے لوگوں سے ناکا تو کر کر کے کی بانہوں میں خود کو محفوظ کر لو۔

"اس مشورے کا شکریہ دوست۔ برتھ گھٹنا سہلانا ہوا منہ لہجے میں بول پڑا۔ اگر تم سونی کو اس کے منصوبے کے جال سے نکال دو تو میں تازلیت تمہارا شمعون رہوں گا۔ مجھے دولت کی نہیں سونیا کی ضرورت ہے۔ دولت اور شہرت میرے پاس ہے۔ ہم مل کر بزنس فلیس بنائیں گے سونی۔

"مجھے تمہارے پیٹنے سے نفرت ہے برتھ۔ سونیا چیخ پڑی۔ ہر شے میں تصنع، جھوٹ، بناوٹ اور میک آپ، یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ میں بھرپور اور ہنگامہ خیز زندگی سے پیاد کرتی ہوں۔ تم عیشیت مرد مجھے پسند ہو، مگر عیشیت اداکار نہیں میں تمہارے فن سے نفرت کرتی ہوں۔ ہاں مارشا جیسی لڑکی۔

"جو اس بند کر دو۔ مارشا ملحق بھاڑ کر بول۔ خرم! تم اسے اتنی ڈھیل کیوں دے رہے ہو؟ اگر کچھ نہیں بتاتی تو روانہ کر دو اسے بھی۔ میں تمہیں ان لوگوں تک لے جاؤں گی۔ صرف دس منٹ۔ میں نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ ہاں سونیا ٹھٹھا ہو جاؤ۔ شمعون جہاز پر نہیں کب اور کیسے سوار کرتا، امن لوگوں سے رابطہ قائم کرتا؟

"کیا میں ہونٹ بند کروں؟ سونیا نے مذاق اڑانے والے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ مجھے اتنے خوبصورت ہونٹوں کو کھلوانے کے لیے جو کچھ کرنا ہوگا اس سے مجھے بہت دنوں تک افسوس رہے گا۔ میں نے گن کا بیٹ اس کے پاؤں پر مار دیا اور سونیا کی چیخ کمرے میں گردش کرتی ہوئی تو رگمٹی۔ یہ صرف نمونہ ہے۔ سونی۔

"تم... تم... وحشی... وہ پاؤں کو سہلاتے ہوئے رونے لگی۔ "نہیں جاننا! میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ریلو اور انداز ہی رہنے دو۔

مارشل نے میرے کندھے کے اوپر سے چھپٹا مارا اور ہاتھ اس کے گھٹے گریبان کے اندر ٹک لے گئی۔ جو اب سونیا نے اس کی ناک پر ہک مارا۔ مارشا! اوک! کی آواز نکلتی اسی جا پڑی۔

"تم لوگ تشدد پسند ہو۔ برتھ! آٹھ کھڑا ہوا۔ اور میں خندانہ لب

کا ملین ہوں۔ خصوصاً ایسے کمرے میں چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتا جس میں باپ کی لاش پڑی ہو اور محبوبہ زیر تشدد ہو، براہ کرم مجھے خواب گاہ میں جانے کی اجازت دو۔ وہ درخواست کر کے کسی درجہ چارہ کے ملازم کی طرح شکل بنائے میری جانب ملتی لگا ہوں سے دیکھنے لگا۔ "سونیا نے اسے قہر آلود نگاہوں سے گھورا لیکن برتھ ایسی نگاہوں کے مفہوم سے بے نیاز دکھائی دے رہا تھا۔ اس وقفے کے دوران میں نے اس کی درخواست پر غور کرتے ہوئے فیصلہ کر لیا۔ "مارشا! میں نے مارشا کی کلائی پر چھپکی دے کر کہا۔ تم مسٹر برتھ کو خواب گاہ تک چھوڑ آؤ۔ اگر وہاں سے فرار ہو گیا تو تمہیں جواب دینا ہوگا۔

"فکر نہ کرو۔ مارشا بولی۔ میں یہ ذمہ داری قبول کرتی ہوں اگر کوئی ایسا راستہ وہاں ہوا تو کیا میں مگرانی کروں؟

"بالکل جہیں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ وہ برتھ کے ساتھ جانے لگی۔ برتھ نے پلٹ کر باپ کی لاش کو دیکھا پھر بھڑائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگا۔ "کیا تم لوگ اسے کہیں لے جاؤ گے؟

"نہیں مسٹر برتھ۔ میں نے جواب دیا۔ یہ آخری فرض آپ کو ہی ادا کرنا ہوگا۔

"شکریہ۔ وہ طویل سانس لے کر واپس مڑا اور مارشا کے ساتھ ٹھکے ٹھکے قدم اٹھاتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ مارشا فوراً ہی واپس گئی اور برتھ واں جگہ بیٹھتے ہوئے بتانے لگی۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے، ایک کھڑکی ہے اس میں نوہے کی گول جڑی ہے۔ اگر راستہ ہوتا تو بھی برتھ جیسا کمزور دل انسان نہ بھاگتا۔ میں ذرا آنکھیں موند رہی ہوں سخت جین ہو رہی ہے تم اپنی کاروائی جاری رکھو۔ وہ صوفے پر پاؤں رکھ کر روٹ کے بل لیٹ گئی۔

سونیا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنسلے اکڑوں بیٹھی چھت کو گھور رہی تھی میں نے اس کی پینڈی پر اسٹین گن کا کچوک لگایا لیکن اس کی محویت نہ ٹوٹی۔ سنو لڑکی، صبح کی روشنی آترائی ہے اور مجھے واپس پار جانا ہے۔ مجھے پریشان نہ کرو، ورنہ برتھ کو باپ کے ساتھ ساتھ ہونے والی بیوی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

"اوہ۔ وہ چونک کر یکدم سیڑھی بیٹھ گئی۔ "تو تم باہر کھڑے ہاکی گنگو سن چکے ہو۔

"ہاں خوش قسمتی سے۔ میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"سنو خرم! وہ سنجیدگی سے بولی۔ یہ منصوبہ انکل کا تھا، وہ مرچکا ہے اگر تم جاؤ تو میں تمہیں اس شہر سے نکال دوں گی۔ منصوبے کو بھول

جاؤ، میں برتھ سے شادی کر لوں گی۔

"نہیں سونی! میں نے بری سے کہا۔ میں شہر سے گیدڑ کی طرح فرار نہیں ہونا چاہتا۔ میں اپنے ملک سے کچھ کمانے آیا ہوں شمعون کو میں نے مارا ہے اس لیے اب اس کا منصوبہ میرا ہے میں ہیرے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

"لیکن میں کیسے یقین کر لوں کہ تم مجھے زندہ چھوڑ دو گے۔ نہیں خرم تم اتنے احمق ہرگز نہیں ہو۔ کیا میری زندگی تمہارے لیے خطروں ہوگی؟

"میں خطرات سے کھیلنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ میں نے جواب دیا۔ اگر تم شریفانہ وعدہ کرو گی تو میں تمہیں زندگی دے کر چلا جاؤں گا۔

"دوسری صورت میں...؟

"شاید تشدد سہنہ سکوا اور مر جاؤ۔

"کوئی دوسرا راستہ، کوئی معاوضہ؟

"کیا دو گی؟

"میروں کی مالیت کا آدھا معاوضہ۔

"ادائیگی کب اور کیسے ہوگی؟ میں پچھل پڑا۔ دراصل منصوبے

سے مجھ اتنی دلچسپی بھی نہ تھی۔ مجھے تو دولت درکار تھی۔ اگر بغیر خطرے

میں پڑے مل نہ ہی تھی تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

"ابھی اور نقد۔ وہ مسکرائی اس کے زرد چہرے پر کھنڈی ہوئی

تمام زردی امید کی کن سے دور ہونے لگی۔ برتھ کی خواب گاہ تک جانے

دو بجے۔

"معاذ میں فرش سے اٹھا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ مارشا بتا چکی

تھی، باہر جانے کا صرف ایک ہی دروازہ ہے لہذا سونیا کا تنہا جاننا خطرہ

نہ تھا۔ جب وہ اندر چلی گئی تو یکدم مجھے تنہائی کا احساس ہوا۔ میں فوراً

دوڑ تک اپنی ذات میں اکیلا اور دیران تھا جوں ہی میری ذات نے

مجھے تنہا پایا یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس اتنے بڑی چھوٹی

مسجروں کے امام، اماں بی کی جھکی جھکی نگاہیں دھیمے سروں میں باتیں

کرنے کا انداز، آج کی گرجتی کرکیتی آواز کتابوں کے روشن الفاظ ڈار

کے ڈار مجھ میں آکر گئے۔

"رزق حلال میں عبادت، اللہ تعالیٰ نے ہزاروں کو کمانے کی

قوت عطا کی ہے۔ جب ان سے چھین لینے کا کام لوگ تو وہ شیطان

قوت ہوگی۔ چور اور ڈاکو کے گھر کبھی چراغ روشن نہیں ہوتا۔ خرم!

میرے بچے کسی مجبور کو کبھی پریشان نہ کرنا۔

قدموں کی چاپ میری سماعت سے جوں ہی مگرانی سارے

لوگ... جو نیکی کی علامت بن کر میرے ارد گرد جمع تھے یکدم غائب

ہو گئے۔ سونیا ایک ذہنی تھیلا اٹھائے آرہی تھی، خرم چودھری کی قیمت چکانے آرہی تھی۔ مارشانے بھی یہی کہا تھا۔۔۔ سونیلنے بھی ٹیٹ میں سرگوشیوں میں مجھ سے میری قیمت دریافت کی تھی، تب تو میں نہ بکا تھا لیکن انسان بڑا مجبور ہوتا ہے کسی نہ کسی جگہ بک ہی جاتا ہے۔ یہ تو خرم چودھری! اس نے ذہنی تھیلا میری رانوں پر رکھ دیا۔ چند دنوں کی رفاقت اور اپنی زندگی کے نام سے اتنی دولت تم شاید بھی نہ کما سکتے!

میں تھیلے کو ایسے سہلانے لگا جیسے ماس پے نو پیار کر رہی ہو۔ اس تھیلے میں وہی دولت تھی جس کے لیے میں نے دنیا کا بڑا بڑا جرم کیا تھا جس کی خاطر ماں جیسی مقدس بستی کا دل دکھایا تھا، زینت جیسی معصوم روکی کو آسودے کروطن جیسی نعمت کو ٹھکرا دیا تھا اور مانگ کانگ کی تمام غلامیوں اپنے اپنے دامن پرانڈیل لی تھیں۔ انسان سے درندہ بنا تھا۔ ہاتھوں اور دامن پر انسانیت کے خون کا قرض چڑھا لیا تھا کتنے لوگ میری زندگی کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ وہی دولت ایک زندگی کا معاوضہ بن کر مجھے یکدم مل گئی تھی۔ اب ایک اور احسان کرو سونی! دولت پاکر زندگی کی آرزو کچھ اور بڑھ گئی۔ دولت کو محفوظ رکھنے کی فکر کراحتی ہو گئی، جان کے ساتھ دولت کے تحفظ کا غم ستانے لگا تھا۔ برقعے کہو مجھے اپنی فیری میں پار چھوڑ آئے!

"میں ایسا ضرور کرتی بشرطیکہ مجھے تمھاری زندگی عزیز نہ ہوئی۔" سونیلنے پر سکون لہجے میں کہا۔ دولت کے نشے میں تم نے می جو اور جنگ جی کا خطرہ فراموش کر دیا ہے۔ دن کی روشنی میں پار جانا خود کشی کے مترادف ہوگا، گوجی نے پہلی فرصت میں می جو سے تمھیں مانگ لیا ہوگا اور جب میں اور تم فلیٹ میں نہ ملے ہوں گے تو می جو نے اپنی ساری فورس ہماری تلاش میں بکھیر دی ہوگی۔ میں اور شمعون تمھیں بتا چکے ہیں کہ می جو نے اپنے مفادات کی خاطر تمھیں فروخت کر دیا ہے۔ وہ ہر قیمت پر تمھیں تلاش کر کے گوجی کے حوالے کرنا چاہے گا۔ جہاں کل رات گیارہ بجے روانہ ہو رہا ہے اس سے قبل گوجی کو تم مطلوب ہو۔ ورنہ معاہدہ نسخ ہو جائے گا۔ کیا می جو یہ نقصان آسانی سے برداشت کر سکے گا؟

"پھر...؟" میں پریشان سا ہو گیا۔ ہم کب تک یہاں پھنسے رہیں گے؟

"کم از کم اندھیرا ہونے تک۔" سونیلنے جواب دیا آؤ اندر کچھ دیر آرام کریں!

میری ناک سے بے بسی کی ایک طویل سانس برآمد ہوئی آؤ! کچھ کر سونیا کے ساتھ چل پڑا۔

برقعہ ڈیل بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ سونیلنے لحاظ بھر کے لیے قریب جا کر کچھ سوچا پھر میری جانب معذرتی نگاہوں سے دیکھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ میں نے یکدم چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ چہرہ کھانا میرے حق میں سود مند ہی ہوا تھا یہ میرا ایمان ہے انسان جب لنگہ سے منہ پھیرتا ہے تو خبیکی کا فرشتہ خوش ہو جاتا ہے۔ میرا لنگہ فرشتہ یقیناً خوش ہوا تھا۔ اسی نے سرخ ٹیلی فون سیٹ مجھے دکھایا تھا جو فوم کے دو کھنوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ ٹیلی فون پر لنگہ پڑنے ہی میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی جس پوری طرح بیدار ہو گئی اور میں چھلانگ لگا کر سونیا کے سر پر جا پہنچا۔ تم نے کسے اطلاع دی ہے! میری گرج سن کر وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے!

"کچھ دیر آرام کرو خرم! وہ مضبوط آواز میں بولی۔" جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ برقعہ نے پولیس کو مطلع کر دیا ہے۔ جب اس نے مجھے بتایا تو پھر میں نے یہ سوچ کر مادام ٹری کو دپورٹ دے دی کہ اگر پولیس تم پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی تو کم از کم میں می جو کے عتاب سے بچ جاؤں گی۔ میں اذیت ناک موت نہیں منانا چاہتی خرم، میں نے خود کو بری الذمہ کر لیا ہے۔ شری کو بتا دیا ہے کہ میرا فلیٹ جنگ می کے آدمیوں کی نگرانی میں تھا۔ اس لیے خرم کو شمعون کی خفیہ پناہ گاہ میں لے آئی یہاں میرا کلینٹر خرم سے کچھ بیٹھا جس کے نتیجے میں انکل شمعون خرم کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا ہے!"

میرا ہاتھ بے اختیار نہ اٹھ گیا، جس کا مجھے آج بھی افسوس ہے، کیونکہ میں نے سونیا کی چیخ سنی تھی اور جب وہ میری ضرب سے اٹھ کر فرش پر گر گئی تھی اسی لمحے میری بیدار وحشاس سماعت سے مہیوں کی چڑچڑاہٹ نکلتی تھی، پھر میرے پاس اتنا وقت نہ رہا تھا کہ میں لگائی ہوئی ضرب کا جواب پڑھتا۔ خطرہ دستک دے چکا تھا اور میں جو بے کس بل میں بند تھا، جس کا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا، یہی وجہ رہی تھی کہ میں باہر جاتے وقت مارشاکو بھی نہ جگا سکا تھا۔ خطرہ میرا نام نکھو اکرا یا تھا، مارشاکو ذات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا، ایک ہاتھ میں تھیلا اور دوسرے میں اسٹین گن لیے جوں ہی میں شمعون کی لاش چھلانگ ہوا باہر نکلا پولیس کے باوردی آدمی کیا ونگڈ وال سے اندر آ رہے تھے، فاصلہ میں تیس قدم ہی رہا ہوگا درمیان... پھل دار درخت پھول دار۔ جھاڑیاں اور سونمگ پول تھا، اگر درختوں کی رکاوٹ نہ ہوتی تو میں برآمدے میں ہی دیکھ لیا جاتا۔

اجنبیت کے لحاظ سے ہم برابر ہی بے ہوش تھے، میری طرح وہ بھی پہلی بار شمعون کی قیام گاہ تک آئے ہوں گے مجھے یہ بھی معلوم

یہ تھا کہ پچھلی جانب کی دیوار قابل عبور بھی ہے یا نہیں، دیوار سے باہر میں نے یہاں توں کا سلسلہ ہے لیکن ٹھہر کر واقفیت حاصل کرنے کا موقع کہاں رہا تھا، برآمدے کے دائیں ہاتھ تنگ سی راہداری تھی میں اس میں دوڑنے لگا، راہداری سے نکل کر پہلی مشکل کچھ آسان دکھائی دی دیوار جیسی کوئی رکاوٹ دوسری طرف نہ تھی سبزی کے پلاٹ تھے جن میں پانی دیا جا رہا تھا، پلاٹوں کے درمیان ایک ایک فٹ چوڑی منڈیریں تھیں ایک منڈیر پر کوئی شخص بیٹھا پانی کا رخ موڑ رہا تھا، میں تیسرے پلاٹ کی فٹ پاتھ پر دوڑتا چلا گیا۔ معامیری نگاہ ایک ہلاک پر پڑی جو میرے متوازی دوڑ رہا تھا، پانی لگانے والا آدمی بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور کتے کو اجنبی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔

میں اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا، موت تعاقب میں تھی اس لیے ہانگیں زندگی کی باندی جیت لینے کی بھرپور کوشش میں مصروف تھیں لیکن دو اور چار کا مقابلہ تھا، کتا چارٹانگوں سے اپنی فاداری بچانے کی پوری کوشش کرتے ہوئے مجھ سے پہلے پلاٹ عبور کر گیا اور کچھ لگا کر میری راہ میں آگیا۔ دائیں بائیں زمین پانی کی وجہ سے ناقابل استعمال تھی، مجھے وہاں کی زمین کا تجربہ تھا کہ چکنی مٹی پانی لے کر دتل سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے، عقب میں موت یا غلامی تھی اور سامنے خوفناک شکل والا کتا منتظر تھا۔

اس کے باوجود میری رفتار میں کوئی فرق نہ آیا، میں نہ توڑک سکتا تھا نہ ہی پلٹ جانے کی حماقت کرنے کی جسارت تھی، کوئی شہری بابو ہوتا تو شاید کتے سے خوفزدہ ہو جاتا مگر میری پرورش دیہاتی ماحول میں ہوئی تھی جہاں کتا زندگی کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ جوں ہی میں کتے کے نزدیک گیا، کتا مجھے دوڑتے پا کر فطری طور پر الجھ گیا تھا، کتے تو ہمیشہ اپنے شکار کے تعاقب میں دوڑنے کے عادی ہوتے ہیں، جب کوئی شکار اس کی جانب دوڑ پڑے تو یہ کتے کے لیے خلاف توقع حرکت ہوتی ہے۔

حیرت کا وقفہ قلیل تھا، کتا غرائز اور سکڑنے لگا... میں نے تھیلا اور اسٹین گن چہرے کے سامنے کتے ہی خواہ کچھ گراویا، کتا اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا اور بدلتی اپنی جگہ سے پیچھے ہو گیا تھا، کتا میرے اوپر سے فضا میں تیرتا ہوا جوں ہی گزرا، میں نے پوری قوت سے اسٹین گن اس کے پیٹ پر ماری، ضرب زوردار تھی اور ڈسے نازک جتنے پر لگی تھی۔ کتے کے حلق سے کرب ناک جھاؤں کی آواز نکلی۔ وہ دھچ سے گر پڑا اور پھر اٹھ نہ سکا تھا۔

اس سے قبل کہ میں ایک دم کوشش دے کر پاؤں پر کھڑا ہوتا۔ گویاں ترتراتی ہوئی میرے اوپر سے گزرتیں، لمحہ بھر کے لیے تو

میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ گئے وہ لوگ مجھے مارنا نہیں بلکہ دھکا کر گھیرنا چاہتے تھے اور یہی بات مجھے بے بجائی تھی۔ کہتے ہیں ناکر اجنبی اور اندھا برابر ہوتا ہے، میں آنکھیں اور شعور رکھنے کے باوجود نہیں دیکھ سکا تھا کہ آگے کانٹے دار تاروں کا جال لگا ہوا ہے۔ یہ انکشاف اس وقت ہوا جب میں بے تحاشا دوڑتا ہوا درختوں کی آخری قطار سے باہر نکل گیا، اگر تاروں کی اونچائی میرے قدم کے برابر ہوتی تو ہائی جیب کی تربیت کام آجاتی لیکن اونچائی آٹھ فٹ سے کم نہ تھی میں نے رک کر کچھ دیکھا کتا لڑکھڑاتا ہوا دوڑا آ رہا تھا اور باج سپاہی کچی فٹ پاتھ پر دوڑتے دکھائی دیے، سوچنے و انجام پر غور کرنے کا سارا وقت خطرے کی علامت میں داخل ہو چکا تھا، میرے ذہن میں آرمی کا ماٹو گونجا بہ جملے میں پہل کر و ورنہ دشمن تمھیں نیست و نابود کر دے گا! میں نے پسینے میں بھری اسٹین گن کا رخ متحرک زندہ قطار کی جانب کر دیا، میرے ہاتھ میں متحرک اسٹین گن پیدا ہوئی اور کانوں سے نہیں گن کا قہقہہ نکلا، انکھیں جھپک گئی تھیں، دیکھا تو قطار ٹوٹ چکی تھی اور تین زندگیاں کچھو میں تڑپ رہی تھیں۔ باقی دو پیٹ کے بل پیٹے رنگ رہے تھے۔

میری انگلی کا دباؤ ایک بار پھر بڑھنے لگا، مگر صرف ترقی کی سرسراہٹ برآمد ہوئی۔ برسٹ ساری گولیاں لے گیا تھا، اب اسٹین گن ایک ڈنڈے کے سوا کچھ نہ تھی پھر بوجھ اٹھانے سے فائدہ بھی نہ تھا۔ میں نے اسٹین گن کو اچھال دیا اور رینگتے ہوئے سپاہی اسٹین گن کو زمین بوس دیکھ کر پیچھے رُکے پھر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر کھینچنے لگے۔

"دھاتھ اٹھا کر درختوں سے باہر نکل آؤ فارم پومیس کے گھیرے میں ہے! مکم شستہ اگر گریزی میں دیا جا رہا تھا، اگر تم نے خود کو ایک منٹ اُدھر رکھا تو ہم فائر کھول دیں گے!" درختوں کی اوٹ مجھے اُن کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھے ہوئے تھے لیکن صرف اُسی حالت میں کہ میں اپنی جگہ جم کر کھڑا رہتا میری حرکت سے میری پوزیشن ظاہر ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ایک درخت سے دوسرے درخت کی اوٹ تک مجھے چند قدم سامنے جانا پڑتا۔

میں نے شاخوں سے جھانک کر دیکھا دونوں اب دبے پاؤں آرہے تھے، درخت سے درخت کا درمیانی فاصلہ نگاہوں نگاہوں میں ناپ کر میں پھلانگ لگانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر درخت کے موٹے تنے پر جا پڑی، جس کی

نے ریوا اور لہریا، مجھے یقین تھا وہ محض دکھا دلے۔ ہوٹل کے آباد مال کو بد نظر رکھتے ہوئے قانون کا کوئی بھی مخالف کوئی چلانے کی حماقت نہیں کر سکتا، ہاں اس کی جگہ مجھ جیسا کوئی بڑا شخص ہوتا تو ضرور بدلت کی جانب گولی اچھال دیتا۔ کتنے ہی شہری میری پشت پرستھے، جو میری سلامتی کی باوثوق ضمانت بن گئے تھے میں ان کی آڑ میں تھا، میں چلنے فرس پر ایڑیوں کے بل بھری کی مانند گویا اسی لمحے لفٹ آپریٹر لفٹ کے پٹ کھول کر بڑے میاں کو اندر لے جا رہی تھی، میں نے طویل چھلانگ لگائی اور بڑے میاں سے ٹکراتا ہوا اندر چلا گیا، گزرتے ہوئے میں اس کم سن سہمی ہوئی لڑکی کو ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔ جب خود کار لفٹ کے پٹ مل گئے تو لڑکی بوڑھے کی ہانہوں میں دیکھی تھر تھراتی ہوئی آواز میں بولی: فل۔ فلور۔

”میں خطرے سے بچنا چاہتا ہوں۔ میں نے گہری گہری سانسوں کے درمیان کہا: تعاون کا منہ مانگا انعام یا معاوضہ دوں گا مجھے اوپرے جا کر کسی ایسی لفٹ سے نیچے لے آؤ جہاں سے میں باہر نکل سکوں۔“

”نت۔ تم نے لڑکی نے لرزیدہ انگلی سے ٹپن دیا، اس کا سارا جسم تھر تھرا ہٹوں کی زد میں تھا: اُسے قتل کر دیا ہے شاید۔ وہ ہاں۔“ میری آواز میں سفاکی عروج کر آئی: ”میں ہر اس شخص کو قتل کر دیتا ہوں جو میری راہ کا پتھر بن جاتا ہے، اگر تم نے بھی کوئی حماقت کی تو۔۔۔ بات ادھوری چھوڑ کر میں نے سائیڈ پائٹ سے ریوا اور نکال کر اُسے دکھایا، بوڑھا بالکل لاعلمی سا ٹیک لگائے کھڑا فرش کو گھور رہا تھا۔ شاید بہرہ رہا ہو۔

”میں کوئی غلطی نہیں کروں گی۔ اس نے تھوک نکل کر وعدہ کر لیا، لیکن مجھے یقین ہے انہوں نے مسٹر ہاک کو اوپر بتادیا ہوگا، ہاک ہوٹل کا نگران جاسوس ہے اور بڑا ظالم شخص ہے۔ اگر وہ ہمارے استقبال کے لیے موجود ہوا تو میں اپنی گردن بکالتے ہوئے شور مچا دوں گی، ورنہ مجھے تعاون کی پاداش میں زندہ جھکتی پڑے گی۔“

”تم بہت پیاری لڑکی ہو۔ میں نے اس کا خوف کم کرنے کے لیے اس کے شانے کو تھپ تھپایا، اگر ایسا خطہ ہوا تو تم پہلے ہی باہر چھٹ کر دیکھ لینا اور مجھے اشارہ کر دینا میں ٹٹ لوں گا۔“ تو پھر میں بڑے صاحب کو بھی اوپرے پلٹی ہوں۔ اس نے تجویز پیش کی: ”اگر ہاک آدھ ہوا تو میں ان کو باہر نکال کر لفٹ واپس کروں گی، تیسرے فلور پر فریجنگر گودام ہے بالکل

کاریدور کے آخر میں۔ تم کچھ وقت فریجنگر کی آڑ میں چھپ سکتے ہو۔“

”نہیں مس۔۔۔“

”ماریا۔“ اس نے نام بتایا: ”میں قییم لڑکی ہوں اور ماں کا واحد سہارا ہوں، مجھے زندگی سے کہیں زیادہ ملازمت کی ضرورت ہے، تم میری مجبوری سمجھ رہے ہو نا۔“

”ہاں ماریا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔“ میں گوشش کروں گا تمہیں کم سے کم ٹوٹ کروں۔“

”تیار رہو۔“ ماریا کا سرخ چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا، ”لفٹ آخری فلور پر رکنے والی ہے۔“

”کیا ہاک اس وقت آخری فلور پر ہے؟ میں نے ریوا اور پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے پوچھا۔“

”ہاں۔“ ماریا نے جواب دیا۔ سر ہلنے سے اس کی سنہری لٹ چہرے پر لہرانے لگی تھی۔ ماریا نے لٹ کو بالوں میں ملا لیا: ”دس منٹ قبل ایک مہمان نے اسے اوپر روم نمبر ٹریپ سیون میں کال کیا تھا۔“

میں نے اٹھتے ہوئے بوڑھے کو دیکھا اور ایک خیال بجلی کی طرح کوندا، بعض اوقات وہ شے ڈھال بن جاتی ہے جو کمزور ترین دکھائی دیتی ہے، ہتھیار وہی کارگر اور کارآمد ہوتا ہے جو وقت پر کام آجائے۔ ماریا۔ ہمیں نے سرگوشی میں پوچھا: ”یہ بڑے میاں کون ہیں، مہمان۔۔۔“

”ا وہ نہیں۔“ ماریا چونک کر بولی: ”تم۔ تم کیا سوچ رہے ہو، سنو ان کو کچھ نہ کہنا، یہ ہوٹل کے مالک ہیں، پہلے چھ ماہ سے فالج کی وجہ سے ہسپتال میں تھے آج ہی واپس آئے ہیں، فالج نے ان کو مکمل بہرہ کر دیا ہے۔“

”ا وہ بہت افسوس ہوا۔“ میرے یوں پر سر ہکا ہٹ ابھری: ”مس ماریا میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ راستے کے پتھر پر میں رحم کرنا نہیں جانتا۔ تم خود پر رحم کرو گی، ورنہ مجھے افسوس ہوگا۔ تمہاری ماں تنہا اور بے سہارا ہو جائے گی۔ میری بات سمجھ رہی ہونا؟“

”ہاں۔“ وہ رو پڑی: ”میں تم سے وعدہ کر چکی ہوں۔“

”بس ٹھیک ہے۔“ میں نے اس کے بالوں پر ہتھیلی کی ”میری راہ میں نہ آنا۔“ لفٹ ہلنے سے جھٹکے کا اشارہ دے رک گئی اور میرا دل پھٹ پھٹا کر پڑ سکون ہو گیا، پٹ واپس آئی سرکنے لگی، خلا آہستہ آہستہ وسیع ہونے لگی ماریا نے

سے تھوک نکل کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیری: ”باہر دیکھ کر پورٹ دو۔“ میری غراہٹ سن کر وہ ایک قدم لڑکھرائی اور پھر باہر دیکھنے لگی: ”مسٹر ہاک۔۔۔ اس کا منہ کھلا اور پھر وہ گھٹنوں کے بل گر گئی، وہ ناتواں بدن لڑکی خطرے کے تصور سے ہی بے ہوش ہو گئی۔“

”اے۔“ اپنے ہاتھ باہر نکالو: ”باہر سے گرج سنائی دی۔ پٹ ماریا کے جسم سے ٹکرا کر دیں رُک گئے تھے۔“

”میں باہر آ رہا ہوں مسٹر ہاک۔“ میں نے بلند آواز میں کہا: ”کوئی حماقت نہ کرنا میرے ساتھ معزز مسٹر ہاک ہیں۔“ میں نے بروکا کے مغلوج جسم کو سمیٹ کر ہانہوں میں بھرا اور وہ۔۔۔ ہانہوں کا سہارا پاتے۔۔۔ ہی شیشی انداز میں چل پڑا۔ دروازے میں ٹار یا اوندر سے منہ اُکڑوں انداز میں پڑی تھی اور مغلوج بروکا پاؤں ٹھسیٹ کر چل رہا تھا، اگر اس کا ذہن ماؤف نہیں تھا تو ماریا کے گرنے اور میری ریوا اور بردار موجودگی سے اس نے حالات کی سنگینی کو تسلیم کر لیا ہوگا، ورنہ وہ چپ چاپ نہ چل پڑتا۔ بروکا کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہوئے میرے سامنے دوڑا تے تھے، اسے ساتھ لیے ہاک کی رہنمائی میں لفٹ

ہلک جاتا یا ہاک کو ڈاج لے کر خود ہی اپنی راہ بناتا، ایک طریقہ مبرا زما اور طویل تھا کیونکہ بروکا کسی جیونیٹی کی چال سے قلم ذمہ سرک رہا تھا اور مجھے نیچے والے پولیس مین کا بھی خطرہ تھا، وہ ہال میں کیف افسوس ملتے گھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ دو مزارستہ مختصر ضرور تھا مگر اسی قدر مشکل اور غیر یقینی تھا، ہاک کوئی عام شخص نہ تھا بلکہ ایک تربیت یافتہ جاسوس تھا اُسے ڈاج دینا کوئی بچوں کا کھیل نہ تھا۔ پھر بھی میں نے وقت اور حالات کو پیش نگاہ رکھ کر مختصر راستے پر پڑائی کرنے کا فیصلہ کیا اور بروکا کا وزنی جسم اٹھا کر دروازے تک لے گیا، سامنے ہی ایک اسمارٹ اور طویل القامت نوجوان ریوا اور تانے کھڑا دکھائی دیا۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں اور ہاک نے بے بسی سے ہونٹ کاٹ لیا: ”مسٹر ہاک میں ایک معذور شخص کو تھامے ہوئے ہوں، براہ کرم اس لڑکی کو راستے سے ہٹاؤ۔“

ہاک کے صحت مند گالوں پر استہزائیہ مسکراہٹ کے گڑھے نمودار ہوئے، اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پڑکون آواز میں جواب دیا: ”اوپر سے گزر آؤ۔“ ہاک نے چشمہ ورنہ بھارت سے میرا پسلا وارنا کام کر دیا تو مجھے سوچنا پڑا کہ شاید ہاک جیسے مضبوط اور ذہین نوجوان سے مقابلہ بڑا زوردار

کرنے پڑے۔ بروکا کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر میں نے پہلے اس کو ماریا کے اوپر سے باہر کیا پھر خود ترچھا ہو کر نکل گیا، ہاک میری احتیاط پر بل کھانے لگا تھا، میں نے بروکا کو پوری طرح اپنے جسم کے سامنے پھیلا رکھا تھا، حتیٰ کہ میری ٹانگیں بھی آڑ میں تھیں۔

”مسٹر ہاک اگر تم اس کھیل کا انجام خون آلود نہیں کھینا چاہتے تو میری ہدایات کو نظر انداز نہ کرو، بروکا کا نقصان ایسا نہیں ہوگا کہ تم اپنی گردن بچاؤ، پھر میں ہوٹل کا مجرم نہیں ہوں، میرے جرم کا تعلق پولیس سے ہے، لہذا میری گرفت تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔“ میں نے بروکا کی بغل سے ہاتھ نکال کر اس کی نیچے گردن کے گرد ڈال دیا: ”اگر تم ریوا اور پھینک کر اُسے قدموں دس قدم نہیں تو میں جب بروکا کی گردن توڑوں گا تو آواز تم سن لوں گی ریوا اور میرے پاس بھی ہے اور میں بروکا کی آڑ سے تمہیں بھی نشانہ بنا سکتا ہوں۔“

ہاک ایک ذہین اور حاضر دماغ نوجوان ثابت ہوا۔

اس نے میری وارننگ کی نزاکت کا فوری احساس کرتے ہوئے ریوا اور نیچے پھینک دیا اور نیچے پھٹ چلا گیا: ”شکریہ دوست“ میں نے اُسے بڑھ کر اس کا ریوا اور اٹھا لیا: ”اب اسی شرافت سے لفٹ تک میری رہنمائی کرو۔“ لفٹ کے اندر جا کر میں بروکا کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔“

”کیا باہر کا راستہ تمہارے لیے صاف ہوگا۔“ ہاک نے قدم بڑھاتے کہا۔

”وہ میری ذمہ داری ہوگی۔“ میں بروکا کو قدم قدم آگے چلاتا ہاک کے پیچھے چلنے لگا۔

ہاک۔ بروکا کے حلق سے خرقہ آواز نکلی۔ دوسری کوشش میں اس نے قدرے ہاک کا نام صاف لیا تھا، ہاک لوہا پاج میں تھا، ہاک اور شانے پر سے چہرہ گھٹا کر دیکھنے لگا، اس شخص کا مطالبہ پورا کر دو، میں اب مزید ایک قدم بھی نہیں چل سکتا: بروکا نے خود کو برغمال سمجھ کر اپنے ملازم کو حکم دیا تھا، ہاک نے تعمیل کرنے کا اشارہ کیا، اور عین اسی لمحے جب میں بروکا کی بے جان ٹانگوں کو گھسیٹا ہوا ہاک کے قریب چلا گیا تھا، عقب سے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور ہاک نے مجھ پر چھلانگ لگا دی، یہ افس کی ایسی غلطی تھی جس نے اس کی ساری ذہانت کی تعلی کھول دی تھی، اگر وہ بیوقوف توقف کرتا تو میں اکیلے بروکا کو آگے اور پیچھے نہ رکھ سکتا تھا، میرے ایک طرف کی دیوار خالی ہوتی

کرنے پڑے۔ بروکا کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر میں نے پہلے اس کو ماریا کے اوپر سے باہر کیا پھر خود ترچھا ہو کر نکل گیا، ہاک میری احتیاط پر بل کھانے لگا تھا، میں نے بروکا کو پوری طرح اپنے جسم کے سامنے پھیلا رکھا تھا، حتیٰ کہ میری ٹانگیں بھی آڑ میں تھیں۔

”مسٹر ہاک اگر تم اس کھیل کا انجام خون آلود نہیں کھینا چاہتے تو میری ہدایات کو نظر انداز نہ کرو، بروکا کا نقصان ایسا نہیں ہوگا کہ تم اپنی گردن بچاؤ، پھر میں ہوٹل کا مجرم نہیں ہوں، میرے جرم کا تعلق پولیس سے ہے، لہذا میری گرفت تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔“ میں نے بروکا کی بغل سے ہاتھ نکال کر اس کی نیچے گردن کے گرد ڈال دیا: ”اگر تم ریوا اور پھینک کر اُسے قدموں دس قدم نہیں تو میں جب بروکا کی گردن توڑوں گا تو آواز تم سن لوں گی ریوا اور میرے پاس بھی ہے اور میں بروکا کی آڑ سے تمہیں بھی نشانہ بنا سکتا ہوں۔“

ہاک ایک ذہین اور حاضر دماغ نوجوان ثابت ہوا۔ اس نے میری وارننگ کی نزاکت کا فوری احساس کرتے ہوئے ریوا اور نیچے پھینک دیا اور نیچے پھٹ چلا گیا: ”شکریہ دوست“ میں نے اُسے بڑھ کر اس کا ریوا اور اٹھا لیا: ”اب اسی شرافت سے لفٹ تک میری رہنمائی کرو۔“ لفٹ کے اندر جا کر میں بروکا کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔“

”کیا باہر کا راستہ تمہارے لیے صاف ہوگا۔“ ہاک نے قدم بڑھاتے کہا۔

”وہ میری ذمہ داری ہوگی۔“ میں بروکا کو قدم قدم آگے چلاتا ہاک کے پیچھے چلنے لگا۔

ہاک۔ بروکا کے حلق سے خرقہ آواز نکلی۔ دوسری کوشش میں اس نے قدرے ہاک کا نام صاف لیا تھا، ہاک لوہا پاج میں تھا، ہاک اور شانے پر سے چہرہ گھٹا کر دیکھنے لگا، اس شخص کا مطالبہ پورا کر دو، میں اب مزید ایک قدم بھی نہیں چل سکتا: بروکا نے خود کو برغمال سمجھ کر اپنے ملازم کو حکم دیا تھا، ہاک نے تعمیل کرنے کا اشارہ کیا، اور عین اسی لمحے جب میں بروکا کی بے جان ٹانگوں کو گھسیٹا ہوا ہاک کے قریب چلا گیا تھا، عقب سے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور ہاک نے مجھ پر چھلانگ لگا دی، یہ افس کی ایسی غلطی تھی جس نے اس کی ساری ذہانت کی تعلی کھول دی تھی، اگر وہ بیوقوف توقف کرتا تو میں اکیلے بروکا کو آگے اور پیچھے نہ رکھ سکتا تھا، میرے ایک طرف کی دیوار خالی ہوتی

کرنے پڑے۔ بروکا کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر میں نے پہلے اس کو ماریا کے اوپر سے باہر کیا پھر خود ترچھا ہو کر نکل گیا، ہاک میری احتیاط پر بل کھانے لگا تھا، میں نے بروکا کو پوری طرح اپنے جسم کے سامنے پھیلا رکھا تھا، حتیٰ کہ میری ٹانگیں بھی آڑ میں تھیں۔

”مسٹر ہاک اگر تم اس کھیل کا انجام خون آلود نہیں کھینا چاہتے تو میری ہدایات کو نظر انداز نہ کرو، بروکا کا نقصان ایسا نہیں ہوگا کہ تم اپنی گردن بچاؤ، پھر میں ہوٹل کا مجرم نہیں ہوں، میرے جرم کا تعلق پولیس سے ہے، لہذا میری گرفت تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔“ میں نے بروکا کی بغل سے ہاتھ نکال کر اس کی نیچے گردن کے گرد ڈال دیا: ”اگر تم ریوا اور پھینک کر اُسے قدموں دس قدم نہیں تو میں جب بروکا کی گردن توڑوں گا تو آواز تم سن لوں گی ریوا اور میرے پاس بھی ہے اور میں بروکا کی آڑ سے تمہیں بھی نشانہ بنا سکتا ہوں۔“

ہاک ایک ذہین اور حاضر دماغ نوجوان ثابت ہوا۔ اس نے میری وارننگ کی نزاکت کا فوری احساس کرتے ہوئے ریوا اور نیچے پھینک دیا اور نیچے پھٹ چلا گیا: ”شکریہ دوست“ میں نے اُسے بڑھ کر اس کا ریوا اور اٹھا لیا: ”اب اسی شرافت سے لفٹ تک میری رہنمائی کرو۔“ لفٹ کے اندر جا کر میں بروکا کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔“

”کیا باہر کا راستہ تمہارے لیے صاف ہوگا۔“ ہاک نے قدم بڑھاتے کہا۔

میں نے اپنی تمام تر قوت صرف کرتے ہوئے برو کا کواچھال دیا۔ دونوں ہمارے اور اچھ کر میٹ پر ڈھیر ہو گئے۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کر کے ہاک کی کنٹی پر رپو اور کاٹ بجا یا اور دوسرے ہاتھ سے گھوم کر میٹر حیاں طے کر کے اوپر آنے والے پہلے پولیس مین پر فائر جھونک دیا، دوسرے جہاں تھے وہیں لیٹ گئے، جسے میں نے نشانہ بنایا تھا وہ بھی لیٹ گیا تھا۔ میں نے غور نہیں کیا کہ وقت تھا کہ وہ جنگی اصول کے تحت زمین پر دراز ہوا تھا یا گولی نے اسے چاٹ لیا تھا۔

میں بے تحاشہ تنگ اور طویل کاریڈور میں بھاگنے لگا۔ فائر کی آواز سن کر کروں کے دروازے کھلنے اور بند ہونے لگے۔ .. لوگ حیرت سے مجھے دیکھتے اور اندر سمجھ جاتے۔

میرے تعاقب میں سپاہی معزز رہے تھے اور تک جانے کی وارننگ دے رہے تھے، پھر جب موہن قدم دور تھا کہ برٹش میرے پاؤں کے قریب فرش پر لگا۔ میں آج بھی اس قلابازی کی توجہ نہیں کر سکتا کہ گولیوں نے مجھے اوپر اچھال دیا تھا کہ کوئی دوسری آن دیکھی طاقت تھی، قلابازی کے دوران چرخی تھیلے کا اسٹریپ آپ سے آپ میرے شانے سے نکل گیا اور جب میں پاؤں پر اٹھا تو تھیلہ مجھ سے کئی قدم آگے پڑا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے غور نہ کیا اور تھیلہ اچھلے ہوئے موڑ مڑ گیا۔ وہ مجھے جسم کی سیاہ فام عورت اچانک ہی دروازے سے نکل کر صرف مجھ سے بری طرح ٹکرانی بلکہ کسی چوہل کی طرح چٹ بھی گئی تھی۔ میں نے اس کی موٹی ناک پر ٹکر ماری کیونکہ میرے دونوں ہاتھوں میں رپو اور تھے۔ وہ ڈراتی ہوئی دور جا پڑی۔

ایک دوسری طویل سڑنگ نارادہاری میرے سامنے تھی اور میں نہیں جانتا تھا، لفٹ کہاں ہے، دور وہ کرے ایک جیسے ہی تھے کسی کی پیشانی پر "لفٹ" کندہ نہ تھا۔ دوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، ہر کرہ آہو تھا لیکن میرے لیے کسی کے دل میں جگہ تھی نہ کوئی ہمدردی تھی، سب اجنبی لوگ ایک مفرد شخص سے خوفزدہ ہو کر دروازے بند کر دیتے تھے، سامنے ایک طویل القامت شخص کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا، اس کی جسامت اور تیور دیکھ کر میں نے رپو اور کی نال سیدھی کر لی۔ اس نے دوستانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر مجھے روکا اور بولا: "اور تیرے دوڑنے میں تو پہلے ہی زندگی اور موت کے درمیان پوری طاقت سے دوڑ رہا تھا۔ میں ابھی چند قدم دور ہی تھا کہ اس نے دیوار پر لگے قطار در قطار بٹنوں میں سے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی، میری نگاہ دروازے پر پڑی۔ وہ شخص لفٹ کے دروازے پر کھڑا تھا جلدی اندر گھس جاؤ۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر مجھے ایسے تھام لیا جیسے مقابلے

کی دوڑ میں اقل آنے والے کو تھام رہا ہو۔

لفٹ کے پٹ بجے اپنی آغوش میں لے کر جب بند ہوئے تو مجھے یوں لگا جیسے ٹھوس ہوئے بچے کومال نے اپنی بانہوں میں پھینکا ہو میں دیوار سے لگ کر گہری گہری ہانپتی سانسوں کے درمیان اس فرشتہ رحمت کو دیکھ رہا تھا جو بڑی ملائم اور مسیحی نگاہوں سے میرے سر پر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی مونچھوں کے نیچے اس کے ہونٹ پھوٹک رہے تھے۔ "تم اب محفوظ ہو لو جوان" اس نے نرم آواز میں کہا۔ "اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرو، اور پھر مختصر الفاظ میں اپنی کہانی دہراؤ۔"

"بروقت امداد کا شکریہ جناب" میں نے منونیت سے جواب دیا۔ "میرے ساتھ کوئی کہانی نہیں ہے، اجنبی ہوں، کچھ لوگوں نے پولیس میرے پیچھے لگا دی ہے۔"

"ہوں" وہ مسکراتے لگا۔ "یہ لفٹ سب دسے تک جلنے گی، اس سے قبل کہ لفٹ گراؤنڈ پر پہنچے تم اپنا غلیہ بدل لو" اس نے اپنا دھاری دار کوٹ اتار کر میری جانب اچھال دیا۔ "جلدی بہت جلدی، تمھاری شکل کو بھی ستورہ اسٹیج وینا ضروری ہے" جب میں کوٹ پہن چکا تو اس نے اپنا فینٹ ہیٹ میرے سر پر جھانپا اور اسٹ کی جیب سے دو پچھلے نکال کر میری جانب بڑھائے۔ "دونوں نختوں میں فٹ کرو، تمھاری ناک پھول کر شکل بدل دے گی۔"

یہ تو سامنے کی بات تھی کہ وہ مرد ہمدرد بھی تھا اس کا تعلق کسی شریف سوسائٹی سے ہرگز نہ تھا، میک اپ کا ریڈی میڈ سامان عام آدمی اٹھائے نہیں پھرتے، لیکن میری پوزیشن ایسی ہی تھی جیسے تند و تیز بہروں میں بہتے انسان کی ہوتی ہے، وہ ہر تنگے کا سہارا لے لیتا ہے۔ "گڈ" جب میں ناک میں پچھلے فٹ کر چکا تو اس نے تعریفی اور تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لے کر کہا: "اب پہلی نگاہ میں کوئی نہیں پہچانے گا، میں بھی نیچے ہال میں موجود تھا، جب تم رپو کو لے کر لفٹ میں اور جا رہے تھے، میں نے اسی لمحے سوچ لیا تھا تم اوپر جا کر واپس آؤ گے لہذا میں اس لفٹ کو لے کر تمھارا منتظر تھا۔ میری طرف غور سے دیکھو، کیا ہم پہلے شناسا نہیں ہیں؟"

میں نے اس پر نظر سرائی، اس کا چہرہ جانا پہچانا تھا، آواز بھی مانوس ہی تھی لیکن میرے ذہن کے کسی خانے میں اس کا نام اور شکل محفوظ نہ تھی، لہذا میں نے معذرتی انداز میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "سوری میں نہیں پہچان سکا ہوں۔"

"ایڈنا کے حوالے سے سچا تو یہ ہو سکتا ہے، تب حیرت کا کونسا لپکتا ہوا میرے جسم میں سرسرا تا نکل گیا، میرے سامنے ایڈنا کا باپ بیک

کھڑا تھا، جسے میں نے افراغزی کے عالم میں دیکھا تھا، اس وقت وہ ڈھیلے ڈھالے نائٹ گاؤں میں پورٹھا اور لاغر دکھائی دیا تھا۔

"اوہ۔ مسٹر بیکر۔" میں نے خوشی کا اظہار کیا۔ "شکریہ اٹکل آپ نے بروقت مدد کر کے مجھے بچا لیا ہے۔"

"میرا خیال ہے" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا میرے قریب آگیا۔ "اگر میں حسن اتفاق سے یہاں نہ ہوتا تب بھی خرم ہو دھری ان چوہوں کی گرفت میں نہ آتا۔"

"اوہ نہیں اٹکل" میں نے انکار سے کہا۔ "میں بری طرح ٹھک رہا تھا، اگر آپ نہ ہوتے تو لفٹ کو میں نہ دیکھ پاتا، وہ لوگ مجھے ٹھیرتے یا کوئی برست مجھے پھینک کر دیتا۔"

"اگر یہ میرا کوئی بڑا کارنامہ ہے تو میں اپنی پیادری بیٹی ایڈنا سے

اس کا بہت اچھا معاوضہ وصول کروں گا۔ تمھیں میرے ساتھ دیکھ کر یقیناً اس پر شادی مرگ طاری ہو جائے گی۔ تم نہیں جانتے تھیں کہ کہے ہم کس قدر پریشان رہے ہیں۔ میں تو ہاتھی سے گتا پھیننے کا خطرہ بھی مول لے لیتا مگر تم پارے کی طرح تھرتھرتے پھرتے رہے ہو" لفٹ کا ہٹکا لگا تو بیکر یکدم تن سا گیا۔ ہم سب دسے سے سیدھے پارکنگ شیڈ تک جائیں گے، ہیٹ کو اوڑھنے کے لیے اس نے لفٹ کا دروازہ کھلے دیکھا تو مجھے ہاتھ کے اشارے سے رکنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر بھاگنے لگا۔ سب دسے کو صاف ہی ہے۔ میرے ساتھ ساتھ چلنا۔"

لفٹ سے نکل کر ہم مختصر سی گیلری سے گزرتے نیچے اتر گئے۔ بولل کا مغربی حصہ تھا، اسے تھوڑی باڈی میں گھرا لیوٹن بنا تا پھر بولل سامنے چلا گیا تھا، میں نے بڑے دروازے کی طرف وزیدہ لگا ہوں سے دیکھا اندر باہر لوگ کھڑے باتیں کر رہے تھے، یونیفارم میں لبوس تین سپاہی ہاتھ ہرا ہرا کر ان سے کچھ کہہ رہے تھے چونکہ ان کی پشت ہماری طرف اور تمام تر توجہ شور مچاتے ہجوم پر مرکوز تھی لہذا میں اور بیکر باڈی آڑ میں گزرتے پارکنگ شیڈ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

"اوہ میرے خدا" بیکر نے بے قراری سے اپنی ران پر ہاتھ ملا

"پولیس نے تمام گاڑیوں کو ناکارہ کر دیا ہے" میں ایک دین سے جیک لگائے چپ چاپ کھڑا رہا کیونکہ مجھے معلوم تھا۔ ابھی میری قسمت کا ستارہ گردش سے باہر نہیں نکل سکا ہے، ابھی کچھ کڑی آزمائشیں اور فیصلہ کن گھڑیاں باقی ہیں۔ تمام گاڑیوں کے پچھلے پیچھے ہٹے ہوئے تھے۔ لیکن جیران تھا پولیس اتنی جلدی یہاں آئیے گئی۔ آخر پیغام دینے اور نکلنے میں کچھ تو وقت صرف ہونا چاہیے تھا۔

"یہ میری کار ہے" بیکر نے سیاہ کار کا لاک کھولتے ہوئے بتایا۔ پچھلی سیٹ کے نیچے آرام دہ بیڈ ہے، تم اندر لیٹ جاؤ میرا خیال ہے پولیس، مین گیٹ پر ہوگی، یہ تمھاری بد قسمتی ہے کہ ہوٹل کی انتظار میں بیٹھ ہی پولیس بلا رہی تھی۔ ایک شخص نے اسٹیم تنور میں پھلنگ لگا کر خود کشی کر لی ہے، جب باہر جانے کی اجازت ملے گی تو میں پولیس آؤں گا۔" اس نے اندر جھٹک کر پچھلی سیٹ خود کار نظام سے اٹھائی اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "گھبرانا نہیں لو کہ، اگر تمھارے ہاتھ سے کوئی پولیس والا ہلاک نہیں ہوا تو وہ لوگ اپنی مرگری زیادہ دیر جاری نہیں رکھیں گے، مہر کیف میری واپسی تک آرام کرو۔" میں نے چرخی بیگ سر کی جانب رکھا اور گداز اور ہمتی قریب آکر کر لیٹ گیا، جگہ قریبی تھی مگر بڑی آرام دہ تھی۔ بیکر مجھے زندہ درگزر کرنے کے بعد دروازہ بند کر کے چلا گیا تھا۔ میں قبر کے عذاب میں مبتلا نہ جانے کب عارضی موت کے اندھیروں میں ڈوب گیا، وہ نیند تھی یا ایک نڈھال خاموشی تھی، ہاں انسان جب تھک جاتا ہے تو نیند اسے تھکیاں سے کر سکون کی وادی میں لے جاتی ہے اور روح جب نڈھال ہو جائے تو انسان پر غشی طاری ہو جاتی ہے، میں بھی شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔ میری آنکھ بے وجہی نہ کھلی تھی بلکہ کھٹ کھٹ کی مسلسل آواز تھی، کوئی تو اتر کے ساتھ کار کی باڈی بجا رہا تھا، مگر میں سیٹ اٹھانے پر قادر نہ تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ سیٹ اٹھانے کا میکانزم کہاں اور کیسا ہے؟ مگر میں طریقہ کار سے واقف بھی ہوتا تو خود کو ہلا کرنے کا خطرہ مول دیتا باہر کون تھا دوست یا پولیس مجھے کچھ علم نہ تھا۔

"خرم! بولو کہاں ہو خرم" مدد کسی آواز میری سماعت سے مٹ گئی، باہر مارا تھی۔ "مجھے یقین ہے تم میرے قریب موجود ہو، میں تمھاری خوشبو پر یہاں آتی ہوں" میں نے ہندسیکند میں جواب دینے کا فیصلہ کرتے ہی ہاتھ پیچھے کیا اور جواباً کار کی باڈی پر تین منٹے مار دیئے۔ "تم کہاں ہو" مار شانے پوچھا۔ "میں ڈی جیک کر چکی ہوں، بولو خرم" "پچھلی سیٹ کے نیچے" میں نے بلند آواز سے بتایا۔ اگر باہر غلطو نہیں تو لاک کھولنے کی کوشش کرو، یہ کار مسٹر بیکر کی ہے۔"

دوسرے لمحے میں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور پھر سیٹ

اوپر اٹھی چلی گئی، تب مجھے یاد آیا کہ مارا شام بیکر کی زندگی میں شامل رہ چکی ہے، یقیناً اس نے اس کار کا خفیہ نظام بھی معلوم کر رکھا ہو گا، میں اٹھ بیٹھا اور انگوٹھی لینے کے لیے مڑ کھولا اور ہاتھ اوپر کیے ہی تھے کہ مارا نے میرے ہاتھ تک کر سرگوشی میں بتایا کہ ایک سپاہی ادھر آ رہا ہے، میں جمادی اور انگوٹھی توڑتا ہوا واپس لیٹ گیا اور سیٹ نیچے گر گئی۔

”باہر جانے پر بدستور پابندی ہے، صرف پیدل لوگ جا سکتے ہیں یہ پابندی صرف ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو پہلے سے یہاں موجود تھے، نئے آنے والوں کی گاڑیاں گیٹ سے باہر روک دی جاتی ہیں، میں کرانے کی کارروائی ہوں اور مجھے آفیسر نے داخلے کی پرچی دی ہے۔“ میرے اوپر سیٹ پر بیٹھی مارشا بے لگان بولتی جا رہی تھی ”میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے، لیکن عمل تم کرو گے، میں میسج ڈراما کو ساتھ لاؤں گی، اسے بھی انٹری پاس مل جائے گا۔ تم میری باتیں سن رہے ہو نا؟“

”ہاں“ میں نے جواب دیا۔ اور منصوبہ بھی سمجھ گیا ہوں، اسے یہاں لے آؤ اور اگلی سیٹ پر بٹھا دیتا میں اسے سنبھال لوں گا۔“

”ٹھیک ہے“ وہ بولی۔ اب نکل آؤ سپاہی گزر گیا ہے، میں اسے کار کا گریٹ ٹھیک کرنے کے یہاں اندر بٹھاؤں گی۔“

تم آؤ دو ہونٹوں نے ونڈا سکرین کو دھندلا دیا تھا، اس لیے والیس آتی مارشا کے ساتھ جو ڈراما ہو رہا تھا اس کے خدوخال صاف نہ دیکھ سکا تھا۔ میں سوچ رہا تھا انٹری پاس اور ڈراما کے لباس کے باوجود صورت کا تضاد گیٹ کے نگران کو کیسے جوڑنا نہ دے مارشا نے ڈراما ٹنگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور میں یکدم سیٹ کے درمیان اونڈھے منہ ہو گیا۔ اس کا گریٹ مجھے ہمیشہ پریشان کرتا ہے۔ مارشا کی مترنم آواز ابھری۔ ”درا دیکھ لو اگر زیادہ گڑبڑ ہو تو درکشاپ تک لے چلو۔“ گاڑی کے پہنے سے میں نے اندازہ کر لیا کہ ڈراما فوڈزنی ہے۔ وہ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا، تب میرا چہرہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا، میں نے ریو اور کا استعمال مستور کر دیا تھا، ریو اور کی ضرب میں خون پھوٹنے کا خدشہ رہتا ہے، میں ڈراما کی وردی کو خون آلود نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے دائیں ہاتھ کی کھڑکی پر پھیلی کا آئینہ وار کیا اور ڈراما سٹیزنگ وکیل پر اونڈھا ہو گیا۔ میں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈالے، مارشا نے اسے نیچے سے اوپر اٹھایا، وہ بڑی آسانی سے دونوں سیٹوں کے درمیان آگیا۔ بیکر کا کوٹ اتارنے اور ڈراما کی بشرٹ پہننے میں دو منٹ سے زیادہ وقت صرف ہوا تھا۔ کوٹ اس پر ڈال دیا اور اس کی پی کیپ سر پر جما کر میں باہر نکل آیا۔

”گڈ“ مارشا میرے سر پر اپنا کدو دیکھ کر بولی۔ ”یہ انٹری پاس رکھ لو۔“ میرا بیگ، مارشا نے کندھے سے لٹکایا اور میرے ساتھ چل پڑی۔ گیٹ پر آنے جانے والوں کا غاصار مل رہا ہے۔ مارشا نے میرے قد سے مجھے میرے چہرے سے پڑھ لیا تھا۔ انٹری پاس کھول کر اسے دکھاتے ہوئے نکل جانا کٹے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

گیٹ پر واقعی... خاصا جھوم تھا، کچھ لوگ باہر جانے والوں کی ٹیڑھی قطار میں کھڑے تھے اور کچھ اندر آنے کے لیے انٹری پاس لے رہے تھے، صرف دو پولیس آفیسر ان کو کنٹرول کر رہے تھے۔ ایک باہر جانے والوں کو دیکھ رہا تھا اور دوسرا اندر جانے والوں کو جلدی جلدی رہا تھا۔ میں نے اپنی باری پر چٹ بڑھائی۔ آفیسر نے مجھے نہیں صرف چٹ کو ہی دیکھا تھا۔ جس مرحلے سے میں غور ہو رہا تھا۔ وہ بڑی آسانی سے طے کیا تو میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ مارشا میرے ساتھ ہی باہر آئی اور لاٹھیاں سی، فاصلہ رکھے چل رہی تھی۔ اس نے مجھے خبر بتایا اور میں بے ترتیب کھڑکی گاڑیوں کو دیکھتا ہوا مطلوبہ کار کے قریب جا رہا تھا۔

”اندرا بیٹھ جاؤ جانی آگنیش میں بیٹھی ہوئی ہے۔“ مارشا پھیلانے اور کھول کر بیٹھتے ہوئے حکمانہ لہجے میں بولی۔ ”فری پورٹ پر چلنا ہے، راستہ میں بتاتی جاؤں گی۔“

مارشا کی رہنمائی میں جب کار ذیلی سرک سے نکل کر فرار میں پر دوڑنے لگی تو وہ پھیلی سیٹ پھیلا ٹنگ کر فرنٹ سیٹ پر آگئی اور میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جذباتی اور پرجوش آواز میں بولنے لگی۔ ”تم اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک شخص ہو جتنا مجھے بتایا گیا تھا۔ میرے خدا پر فورس کو ادھر مکرنگل کوئی آسان کام نہیں تھا، وہ اپنے ساتھ دو لاشیں لے گئے ہیں۔ برتھ اور سونیا کو بھی شمعوں کی لاش کے ساتھ ہی لے گئے ہیں جہاڑیوں میں چھپی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جب سکون ہوا تو باہر نکل کر سب سے پہلے میں نے تجھیں تلاش کیا، تمھاری جسم کی خوشبو سے پتہ چلا تم زندہ ہو۔... گاڑی دائیں کرتے چلو، اگلے چوک سے میںیں دائیں مڑنا ہے۔... ہونٹ کے گیٹ پر مجھے پتہ چلا پولیس اور ایک مضرور مجرم کے درمیان خون ریز تصادم ہوا ہے اور پولیس مجرم کو ہونٹ میں تھام لیں رہی ہے، مجھے یقین تھا۔ وہ مجرم اور نامور شخص تھا اسے سو کوئی نہ ہوا۔ جب میں پارک سے گزر رہی تھی تو خوشبو نے بتایا خرم جو دھری ادھر ہے۔“

”اگر پورٹ پر بھی پہرہ ہوا تو؟“ میں نے دل کا خدشہ زبان پر لانے ہوئے پوچھا۔ کیا ادھر تھا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے؟

”ہے تو۔“ مارشا نے بتایا۔ ”مگر میرے خریداروں کی قیام گاہیں ہیں، میں اب کسی گتے سے اپنی ہستی کی تدبیل نہیں چاہتی، میرا اور تمھارا خدا بڑا مہربان ہے، میرا ایمان ہے، مجھ جیسی مجبور عورت کے ساتھ ٹھکانا ہو کو ضرور معاف کر دے گا۔ میں اب صرف ایک نام کی طلب کار ہوں میرے جسم کا روال روال تم سے نام ہو چکا ہے، اگر میں ادھر گئی تو وہ تجھیں پناہ دے کر مجھ سے معاوضہ طلب کریں گے، نہیں خرم مجھے معاف کر دو، میں اپنی اور تمھاری سلامتی کے نام پر بھی اپنی ہستی کا معاوضہ نہیں دے سکتی۔“

”میں تجھیں مجبور نہیں کروں گا ابھی روکی، میں نے اس کے ہاتھ پر پھینکی دی۔“ اچھے اور پیارے جذبے مرنے کے لیے نہیں ہوتے، مگر زندگی اور آزادی کی آرزو بھی ایک اتم جذبہ ہے، اسے بھی سلامت رہنا چاہیے، مجھے اگر وہ پکڑ کر لے گئے یا فرار کا تعاقب کرنے والی گولیوں نے ڈھیر کر دیا تو تمھارے سارے فیصلے، جذبے اور توبہ جوہ کی مانگ بن جائیں گے۔“

”ہاں“ مارشا سسک اٹھی۔ ”میں ایسی بیوہ بننا گوارا کر لوں گی۔ جس کا محبوب شوہر جنگ میں مارا گیا ہو، تمھارے نام کے ہمارے جی لوں گی۔“

میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا، مارشا نے بولنے اور بحث کی گنجائش ہی نہ چھوڑی تھی۔ اس روکی کے اندر شاید میرے دل میں کسی سوہنی کی روح علول کر گئی تھی۔

”تم مرد ہونا خرم، مرد پس اپنے حکم کی تعمیل چاہتے ہیں، شاید تجھیں میری باتوں نے مایوس کر دیا ہو، تجھیں کیسے بتاؤں، تمھاری جھڑپیں وہ لطف نہ تھا تو تجھیں پا کر تمھاری آنسو میں محسوس کرنے لگی ہوں چاہنے اور چاہت کو پانے کی آرزو بڑی خمار آلود ہوتی ہے خرم، ناش تم بھی مجھے چاہتے اور پانے کی آرزو تمھارے من میں بیدار ہو جاتی۔“

سرخ شے دیکھ کر میں نے کار کی رفتار کم کرنی شروع کی اور جب زیر اس پر گاڑی روکی تو میرے دائیں بائیں دو مشرخی کاریں بالکل ساتھ جو گئیں۔ ”کار کے حادثے میں مرنے کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے دوست؟“ دائیں طرف والے نے تھک کر سر گوشیاں لیجے میں پوچھا۔

”اوہ۔“ میں معذرتی انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”اگر مجھ سے کوئی ایسی کوٹاہی سرزد ہوتی ہے تو معافی چاہتا ہوں۔“

”مجم بھی نہیں چاہتے تم سے کوئی ایسی حماقت سرزد ہو جائے۔“ اس نے توانی مسکراہٹ دی۔ ”میری کار کے پیچھے پیچھے تجھیں چلنا ہو گا۔ دوہری کار تمھارے عقب میں ہوگی۔“

میرے جسم کو خطرے کا چاہا بک لگا اور میں نے چہرہ بائیں گھمایا، ڈراما ٹنگ سیٹ پر بیٹھا ہوا چینی نژاد نوجوان بھی مسکرا رہا تھا، اس نے آنکھوں پر مارشا کی جانب اشارہ کیا، پھر معا میری نظر سفید ہاتھوں پر پڑی، وہ مادام تری تال تھی اور اس کے خوب صورت چہرے پر شناسائی کی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، اس نے سر کو غم سے کر سلام و تعظیم دی۔... تری تال کی موجودگی اور تعاقب باعث حیرت نہ تھا، سونیا کی اطلاع پر وہ ہی ہوئی عدم موجودگی میں خود نکل آئی ہوگی اور ہونٹ کے ہنگامے کی اڑتی ہوئی خبر اسے ادھر لے گئی ہوگی، دو اور دوچار کا سیدھا سوال میں نے فوراً حل کر لیا اور قسمت کو روزنی سی گالی دیتا ہوا مشرخی کار کے

پیچھے چلنے لگا۔ چونکہ وہ لوگ بھی مجھے پورٹ تک ہی لے جانا چاہتے تھے اس لیے وہی راستہ اختیار کیا تھا، لہذا مارشا کو ذرا بھی شک نہ لڑا تھا لیکن اسے حالات سے لاعلم رکھنا بھی نامناسب ہی ہوتا، اگر اسے مجھ سے متعلق پہچان لیا جاتا تو میرے ساتھ اس کی گردن بھی پھنس سکتی تھی، میں تو تھا ہی بد قسمت، جدھر منہ کرتا تھا ادھر ہی مصیبت کھڑی دکھائی دیتی، مجھے یوں لگا تھا جیسے میں کنویں کا قیدی ہوں اور ہر چہرے مجھے بھرپور نظر آتا ہے۔

”مارشا! میں نے مددگار میں کہنا شروع کیا۔“ چند منٹ قبل تم نے کہا تھا کہ ہر حال میں تم اپنے آپ کو دوسروں سے دور رکھو گی، اب وہ وقت آگیا ہے اچھی روکی، جی ہو کے گرگوں نے ہماری کار کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔... نہیں تم پلٹ کر نہیں دیکھو گی۔ سامنے جاتی کار کو دیکھ لو، وہ لوگ مجھے پورٹ پر سنبھال لیں گے، اگر تم نے دانش مندی سے خود کو الگ نہ رکھا تو تجھیں بھی گروہ کے ماسٹر ٹنگ لے جایا جائے گا، وہ بہت ظالم سو رہے، تم صرف سواری ہو، پسے میں پورٹ تک لایا ہوں۔ میں بھی تمھارے بیان کی تائید کروں گا۔“

”آخر یہ لوگ کیوں تمھارے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہیں کیا تمھارے پاس ان کا کوئی اہم راز ہے خرم؟“ مارشا نے آگے تھک کر پوچھا۔ ”جو کچھ تمھارے پاس ہے دے دو ان کو۔“

”مجھے میرے گناہ کی مزا دی جا رہی ہے۔“ میں نے طویل سانس لے کہا۔ ”جنگ جی کو میں اس لیے مطلوب ہوں کہ اسے کسی جوتشی نے کہہ دیا ہے کہ خرم جو دھری تمھاری قسمت کا روشن ستارہ ہے، جی ہوئی شکست نے جوتشی کی پیش گوئی پر ہر بہت کر دی ہے اور می جو پہلے تو مجھے اس لیے ساتھ رکھنا چاہتا تھا کہ جنگ جی میری عدم موجودگی کا برا شگون لے کر مایوسیوں میں گھر جائے لیکن اب جی تو مجھے بطور معاوضہ یا جوارہ استعمال کرنا چاہتا ہے، ایک شخص کو میں مطلوب ہوں، اور اس شخص کے پاس می ہو کے فرار کا ذریعہ ہے، جی ہو میرے عوض وہ ذریعہ خرید رہا ہے۔“

”مجھے یاد رکھنا خرم، مارشا رو پڑی۔“ رب رحیم کی قسم میں زمین کے تیزی کنارے تک تھا کہ انعام کرتی آؤں گی، جب بھی تم سفر کرو گے تو اس یقین کے ساتھ چلنا کہ مارشا تمھاری خوشبو کے سہارے آ رہی ہے، میں خود کو تمھارے لیے وقف کر چکی ہوں۔ میں تمھارے پاس تم کو حاصل کرنے ضرور آؤں گی۔ مارشا کے لیے اپنے دل کا دروازہ کھلا رکھنا، وعدہ کرونا خرم۔“

”کس سے وعدہ لے رہی ہو اچھی روکی؟“ دکھ سے میری آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو چلنے لگے۔ پانی پر مکان کی بنیادیں نہیں رکھا کرتے، میرا ہر آنکھ کا قدم موت کی وادی میں پڑتا ہے، میں جنگ جی

اور جی جی غلامی کبھی تسلیم نہیں کر سکتا اور کوئی بھانگتا ہوا لمحہ میری موت بن جائے گا، ہاں اگر زندگی نے وفا کی تو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔

"بس میرے لیے یہی وعدہ میری زندگی ہے، مارشالوٹی میرا ٹیلی فون نمبر ذہن میں رکھ لو۔ شاید کبھی فرصت کا لحاظ مل جائے تمہیں تو کال کر لینا، اس نے نمبر بتایا اور میں نے ذہن کے حوالے کر دیا۔

"وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ میں نے سمندر کے پانی کو دیکھ کر کہا: اس تھیلے میں خاصی رقم ہے۔ جو میرے لیے رومی کا غدول سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، میرے گھر والوں کا پتہ لوٹ کر لو، میں اپنے خاندان کا مقروض ہوں لیکن بیٹم پر فرض نہ ہوگا، اگر تجاری زندگی سنور سکتی ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔ ساری دولت اپنے تصرف میں لے آنا۔ بصورت دیگر ڈرافٹ کی شکل میں مناسب اقساط میں بھیج دینا، شاید نے پرس سے نپل اور چھوٹی سی نوٹ بک نکال لی اور میں نے اسے گھر کا پتہ لکھوا دیا، اپنا نام نہ لکھنا، یہی طرف سے یہ لکھ دینا سب خیریت ہے اور ماں سے دعا کی درخواست کرنا، مجھ سے میری ماں ناراض ہے۔ یہی وجہ ہے مصیبت میری اڑیوں سے چٹ گئی ہے۔

"ٹھیک ہے، مارشالوٹی سسکی لی ہمیں یہ امانت حق وادوں تک پہنچا دوں گی۔

پارکنگ پلاٹ میں قطار در قطار گاڑیاں پارک تھیں، میرے پیش رو نے آخری قطار میں اپنی کار پارک کی اور آکر کبھی اشارے سے گاڑی ادھر لائے گا خاموش حکم دیا، میں تو پہلے ہی خود کو سپردگی کے لیے تیار کر چکا تھا کیونکہ میرے سامنے پولیس کی گرفت سے بچنے کا مسئلہ صرف ہرست تھا۔ قانون کی گرفت سے نکلنا اس قدر آسان نہ تھا۔ جس قدر کسی فنڈے کے سنبھلنے سے نکل بھاگنا میرے لیے آسان تھا کار پارک کر کے میں نے اسے ہاتھ کا اشارہ کیا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلاٹک نہ تھا۔ تب میں نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ مجھے ہتھ دیکھ کر وہ تیزی سے میرے قریب آگیا۔

"یہ لڑکی مجھے ٹیکسی ڈرائیور سمجھ کر آئی ہے، میں نے نرم لہجے میں بتایا۔

"اسے نکل جانے دو، ورنہ کوئی ناخوشگوار مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے، مارشالوٹی بھی باہر نکل کر ہمارے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

"ڈرائیور! وہ متانت سے بولی۔ مجھے آدھے گھنٹے بعد واپس جانا ہے، کرایہ واپسی پر لوگے یا۔۔۔"

"ٹھیک ہے مادام، میں نے ادب سے جواب دیا، میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

اس نے بیگ شلنے سے اٹکا یا اور دفاتر کی جانب چل پڑی۔ جب وہ ایک دفتر کی سیڑھیاں چڑھ گئی تو میں نے طویل سانس لے کر

کندھوں کا سارا بوجھ جھٹک دیا اور ادھر متوجہ ہو گیا، مادام ٹری کار کے اندر بیٹھی مجھے ٹھوکر دے رہی تھی، البتہ اس کا ڈرائیور آکر میری طرف اڑھا تھا۔

"مجھے مادام تک لے چلو، میں نے دوستانہ آواز میں کہا۔

"میں ماسٹر تک لے جاؤں گا، یہاں بیٹا چاہتا ہوں، اس نے میری بات اپنے ساتھی کے کان میں ڈالی اور پھر دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے ایک میری نگرانی کرتا رہا اور وہ مادام ٹری کے پاس لوٹ گیا۔

"یہ پولیس سے بھڑنے کا کیا معاملہ تھا؟" مگر ان نے پوچھا: کیا تم ماسٹر کی طرف سے ڈیوٹی پر تھے؟

"میں صرف مادام یا ماسٹر کو رپورٹ دوں گا، میرا انکا سا جواب سن کر اس کا چہرہ بگڑ گیا۔

مادام نے فوراً ہی مجھے طلب کر لیا تھا، میرا نگران میرے ساتھ ہی چل پڑا اور سرد آواز میں بولا: "مجھے آئندہ کسی قسم کی مشکل میں پڑنا نہ چاہو گے، ریلو اور کانسٹریکشن سے بچنے کی طرف رہے گا۔"

"تمہیں بکواس کی کچھ زیادہ ہی عادت ہے، میں نے چہرہ گھٹا کر کڑھت آواز میں جواب دیا: "مادام نے شاید تمہیں میرا تعارف نہیں کرایا۔ میں گستاخ لہجے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تم نے بھی یقیناً ونکرے کا نام نہیں سنا، اس نے غرور سے بتایا۔

"میں اٹنی کھال ادھیڑنے کا ماہر ہوں اور کھال کے توتے بھی بنا لیتا ہوں، ٹھیک سے ونکرے، میں نے شانے اچکا کر کہا: میں تمہاری کھال کے توتے پہننا پسند کروں گا، چونکہ ہم باتیں کرتے ہوئے مادام تک چلے گئے تھے اور مادام بنی نا اٹھوں سے براہ راست ہمیں ہی دیکھ رہی تھی، اس لیے ونکرے نے جواب کسی فارغ وقت: "تک منوی کر دیا ہوگا، گڈ مارٹنگ مادام، میں نے قدرے جھک کر سلام دیا۔

"میں مادام کو دو بار دیکھ کر خوش محسوس کر رہا ہوں۔"

مادام ٹری نے بغیر مسکرائے سر ہلا کر مجھے قریب ہونے کا اشارہ کیا: "مجھے بے حد افسوس ہے فوجوان... ٹری سربراہی آواز میں بولنے لگی: "جو کے احسانات کا یہی بدلہ ہے۔ اس نے تمہارے پر اس لیے تو نہیں آزاد اور سلامت رہنے دے کر تم اپنا الگ آسمان بنا لو۔"

"مادام! میری آواز میں اعتماد اور شہر اور تھا: "براہ کرم ان لوگوں کو دس قدم دور کر دو، میں ماسٹر کے مفادات کا وفادار ہوں اور ایک ایسی بات بتانا چاہتا ہوں، جو ماسٹر کے لیے بہت اہم ہے، میں نے ایک ریلو اور کار میں ہی لائنگ بوٹ میں اس لیا تھا اور دوسرا نکال کر مادام کی جانب بڑھا دیا: "اپنی وفاداری کے نام۔"

مادام نے ریلو اور لے کر دونوں کو ہٹ جانے کا اشارہ کر دیا۔

"ہاں اب بولو،"

"گستاخی معاف ریڈم، میں نے جھک کر کہنیاں کھڑکی پر رکھ لیں، میں سمجھتا ہوں ماسٹر کا ستارہ مکمل طور پر ڈوب گیا ہے۔ اس کے بازو اس سے الگ ہو چکے ہیں، اس کا سایہ بھی اس کے ساتھ نہیں رہا۔"

"اپنی بات کی وضاحت کرو، ماسٹر نے بے قراری سے پہلو بدل کر کہا۔

"اس لڑکی سوئیا کو ماسٹر نے میری خدمت پر مامور کیا تھا لیکن وہ ماسٹر کی دشمن ہے اور جنگ جی کی جاسوس ہے۔"

"اوہ نہیں، مادام! ٹری بھڑک اٹھی: "سوئیا کی وفاداری..."

"مجھے وضاحت کرنے دیجیے مادام، میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ دی: "وفا صرف اپنے اور باکر دار لوگوں کے دلوں میں زندہ رہا کرتی ہے مادام۔ سوئیا جیسی بدکردار لوکیاں وفاداریاں بدلتی رہتی ہیں اگر وہ وفادار ہوتی تو مجھے جنگ جی کے مرنے شمعون نامی بوزے کے پاس نہ لے جاتی۔ شمعون نے مجھے لالچ دے کر اس منصوبے کے بارے میں بتایا جو ماسٹر نے بنایا ہے، وہ میرے ذریعے ماسٹر کے وہ میرے اور منشیات اڈانا چاہتا تھا۔ جو یہاں سے اوشن کے جہاز میں قلیاؤں جا رہے ہیں۔"

"کیا۔ کیا تم پورے وثوق سے سوئیا پر الزام لگا رہے ہو؟"

"بالکل، میں نے پُر عزم انداز میں جواب دیا: "کیا ایسا منصوبہ موجود نہیں ہے؟"

"ہاں ہے، ٹری تاں کا زور دیکھ کر سرخ ہونے لگا: "ہاں اس کو جواب دہی کے لیے عذاب گھر تک جانا ہوگا۔"

"مادام جب میں نے شمعون کی پیش کش ٹھکرا دی تو راز فاش ہونے کے ڈر سے اس نے مجھے ختم کرنا چاہا اور انجام اس کے لیے موت لے آئی، میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے، پھر سوئیا نے ہرا ڈر کر کھیلا، پہلے پولیس کو رپورٹ دی اور پھر آپ کو بلا لیا، وہ ایک تیرے دو شکار کرنا چاہتی تھی۔ جب آپ مجھ پر ہاتھ ڈال چکی ہوئیں تو پولیس میرے ساتھ آپ کو بھی دھریلی، لیکن پولیس کی مستعدی اور میرے فرار نے اس کا منصوبہ بکھر دیا ہے۔"

"اب۔ اب وہ کہاں ہوگی؟ مادام نے ٹھنکیاں بھیج کر پوچھا۔

"میری اطلاع کے مطابق میرے ہاتھوں مرنے والے سپاہیوں کے ساتھ پولیس والے اسے اور اس کے منیجر تیرے ساتھ لے گئے ہیں۔"

"شکر یہ خرم جو دھری: "ٹری تاں دروازہ کھولنے لگی: "مجھے اس نے کچھ دوسری کہانی سنائی تھی، بہر کیف بہت اچھا ہوا، تمہیں بغاوت

کی مزاحمے کر مجھے بڑا دکھ ہوتا۔ جو یقیناً اپنے وفاداروں کو اچھا انعام دینے والا شخص ہے، آؤ گھر چل کر اسے نئی صورت حال سے آگاہ کریں گے۔"

میں نے اپنی چال کی کامیابی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے یقین نہ تھا مادام ٹری تاں اتنی آسانی سے میری صفائی کو تسلیم کرے گی۔

"ماسٹر اس وقت کہاں ہوں گے؟ مادام کے پہلو پہ پہلو چلتے ہوئے میں نے پوچھا: "سوئیا اگر پولیس بیڈ کو آرڈر سے آزاد ہو گئی تو وہ جنگ کو اپنی ناکامی کی رپورٹ دے گی اور وہ کوئی دوسرا متبادل راستہ تلاش کرے گا، لہذا جتنی جلدی ہو سکے ماسٹر کو مطلع کر دیجیے۔"

"میں کل صبح سے اسے کال کر رہی ہوں، مادام نے بتایا۔

"پتہ نہیں وہ کہاں اور کیا کر رہا ہے، ونکرے نے بتایا ہے کہ اوشن ہلاک ہو چکا ہے۔ شاید جو بھی کوئی متبادل انتظام کر رہا ہے، جب ہم ایک فری کے نزدیک پہنچے تو ایک فوجوان نے سینے پر ہاتھ رکھ کر مادام ٹری کو تعظیم دی۔ مادام نے وہاں کی معزز خواتین کے انداز میں سر ہلا کر جواب دیا اور رک کر پیچھے دیکھنے لگی۔ ونکرے چند قدم دور ہی تک گیا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی پارکنگ شیلڈ میں ہی رہ گیا تھا: "ونکرے! مادام نے سفیدگی سے کہا: "رپورٹ غلط تھی، خرم ہمارے وفاداروں میں اب بھی شامل ہے، تم ماسٹر کو ٹرولیس کرنے کی کوشش کرو۔ میں بھی گھر جاتے ہی اسے تلاش کروں گی۔"

"او۔ کے، مادام، ونکرے خمیدہ ہو کر بولا اور پھر اڑیوں کے بل گھوم کر واپس چل پڑا۔

تو بہت قلق ہوتا ہے۔ عورت کی تخلیق کا مقصد تو دوسرا تھا۔ بڑا پیارا، یہ دشمنیاں رقبائیں مرد کو صرف مرد تک محدود رکھنا اچھا لگتا ہے، عورت بے چاری کو خواہ مخواہ گھسیٹ لیا جاتا ہے۔ وہ میرے قریب ہی بیٹھ گئی اور ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ چند منٹ وہ اپنی مادری زبان میں کسی سے پر جوش بیچے میں باتیں کرتی رہی اور پھر ٹیلی فون لکھ کر میری جانب کھسک آئی۔

”می ٹوشہ سے باہر ہے۔۔۔ یعنی سمندر میں ہے۔“ اُس نے ہاتھ گھما کر میرے گرد ڈال دیا۔ میں نے ٹرانسیر پر رابطہ ملانے کا حکم دے دیا ہے، پھر بھی وہ رات گئے تک یہاں نہیں آئے گا۔ اچھا ہے، جب وہ آجاتا ہے تو مجھے ایک لمحہ بھی فرصت کا نہیں دیتا۔“ میڈم نے مسٹر بیکر کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اُس نے اپنی جان پر کھیل کر مجھے ہوٹل سے نکالا تھا۔

”کون بیکر؟“
”اوشن کی طرح اُس کے پاس بھی بھری جہازیں۔“
”اوہ۔ اچھا وہ بیکر۔“ مادام نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھاتے ہوئے کہا۔ لیکن تم اُسے موجودہ پوزیشن نہیں بتاؤ گے۔“ انڈیکس دیکھ کر ٹی نے جہازوں کی پینوں کا صفحہ کھولا اور بیکر کا ٹیلی فون نمبر بتاتے ہوئے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا لیکن میں بیکر کو فون نہیں کرنا چاہتا تھا، ابھی تو میں نے اپنی منزل کا انتخاب بھی نہ کیا تھا، مجھے یہ بھی علم تھا کہ بیکر ہوٹل کے ہال میں بیٹھالان صاف ہونے کا منتظر ہوگا۔

”کیا مجھے بیکر کا شکریہ ادا کرنا چاہیے مادام، ریسور اٹھائے بغیر میں ڈائل سے کھیلے ہوئے ہوں۔“
”کیوں؟ ٹی نے استفہامیہ لگا ہوں سے دیکھا۔ یہ تمہارا اخلاقی فرض ہے، تم نے وعدہ ہی تو کیا تھا۔“

”اوہ مادام، میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ لیکن ہمارے مددگار ایک ناخوشگوار حادثہ بھی ہے۔“
”وہ کیا؟“

”میں ٹیکسی ڈرائیور کو بے ہوش کر کے بیکر کی کار میں ڈال آیا ہوں۔“

میری بات پر ٹی نے کھل کر قہقہہ لگایا۔ ”تم۔۔۔ تم بہت عجیب ہو خرم۔ سوچنے کی شے ہو، تمہاری ذات تصادات، حیرتوں اور غموں کا بے حد الجھا ہوا مسئلہ ہے، تم نڈھال ہو اور بدل بھی تم سفاک قاتل بھی ہو اور خدا سے بھی ڈرتے ہو، تمہارے اندر احسانات کا احساس بھی زندہ ہے اور اپنے عمن کے گلے پر چھری بھی چلانے سے

دریغ نہیں کرتے، تم کیا شے ہو؟

”جس دن میں نے خود کو تلاش کر لیا۔“ میں نے کھوئے انداز میں جواب دیا۔ وہ دن میری آزمائش کا آخری دن ہوگا، وہ دن ان کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے۔“

”میں نے تمہیں تلاش کر لیا ہے۔“ ٹی یکدم جذباتی ہو گئی۔ ”تمہیں یاد ہوگا جب تم یہاں سے رخصت ہو رہے تھے تو جوڈ کی موجودگی میں میں نے کہا تھا، تمہاری میزبانی مجھ پر فرض رہے گی، اصل میں یہ کہنا چاہتی تھی تمہیں پانے کی آرزو مجھ پر فرض بن گئی ہے۔“ حقارت سے میں نے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور ناگوار آواز میں جوابا کہا۔ ”میں رات بھر دھلان میں پھینکے گئے پتھر کی مانند لڑھکتا رہا ہوں مادام۔ ایک لحظہ بھی مجھے سکون نہیں ملا، لہذا اس وقت میری شدید ترین طلب نیند ہے، وہ نیند جو سناہے سولی پر بھی آجایا کرتی ہے، ابھی دن پڑا ہوا ہے، مجھے دو تین گھنٹے سونے کی اجازت دیجیے، ورنہ آپ کو مجھ سے شکایت ہوگی۔“

”اوہ نہیں، نہیں پیارے۔ میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا تاکہ تم مجھ کو خوف محسوس نہ کرو اور چند لمحے پوری توجہ سے مجھے دو، مجھ کو مجھ ہی رپورٹ دے چکی ہوں، وہ خود یا اس کا پیغام کسی بھی وقت آسکتا ہے۔“

”لیکن مادام، میں بھلا گیا۔۔۔ وہ ہنس پڑی۔۔۔“

”اُس نے اٹھ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور میں کھڑا ہو گیا۔“
”اوہ پیارے خرم، ٹی کا چہرہ خوشی سے سرخ ہونے لگا۔ تم مجھے مادام نہیں پیاسی ہی کہا کرو۔“

میں نے لپک کر اس کے بال پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا اور گھٹنا اس کی کر کے درمیانی مہروں پر پوری قوت سے مارا، مگر کی بڑی ٹوٹنے اور ٹی کے حلق سے ابھرتی چیخ کی کرب ناک آواز آپس میں گڈ مڈ ہو گئی تھی۔ اس خطرے کے پیش نظر کر ٹی کا شعور اُس کے محافظ نہ سن لیں، میں نے دائیں ہاتھ کی کھڑی تھیلی اُس کی گردن پر بھی مار دی جب بال پھوڑ کر میں پیچھے ہٹا تو وہ ریت کی پوری بن کر میرے قدموں میں دبیر ہو گئی تھی۔ جو کچھ میں نہیں چاہتا تھا مجبوری نے وہ مجھ سے کروا دیا تھا پھر وہاں نہ کہنے کا خطرہ کوئی اتنی ہی لے سکتا تھا۔ میں نے دوڑ کر ریسور اٹھا لیا اور بیکر کے نمبر ڈائل کرنے لگا تیسری گھنٹی پر ادھر سے نسوانی آواز آئی۔

”کون ایڈنا؟ میں نے پوچھا۔“

”ہال ایڈنا تم کون ہو؟ ایڈنا کو فون پر موجود پا کر مجھے بڑا حوصلہ ہو گیا تھا۔“

”ایڈی سنو زیادہ سوال نہ کرنا، میں خرم چودھری ہوں، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے، میں نہیں جانتا میں کس سڑک اور کون سے علاقے میں ہوں، ٹیلی فون نمبر لوٹ کر لو اور پھر اس عمارت کا پتہ معلوم کرنا مشکل نہ ہوگا لیکن میں یہاں تک نہیں سکتا، یہاں سے جو سڑک نکلتی ہے۔ وہ سیدھی ریگل چوک تک جاتی ہے۔ میں اس سڑک کے کنارے کسی درخت یا جھاڑیوں کی اوٹ میں تمہارا انتظار کروں گا، تم اپنی کار کا رنگ نمبر مجھے بتا دو۔“ میں نے اُسے ٹی کا فون نمبر بتایا اور اس نے کوئی سوال کیے بغیر کار کا رنگ اور نمبر لوٹ کر دیا۔

”خرم! میں آ رہی ہوں، جلدی سے نکل کر سڑک پر آ جاؤ۔“ اُس نے یکدم سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریسور لکھ کر میں نے ادھر ادھر دیکھا، ٹی تال بے صبر حرکت پڑی ہوئی تھی، میں نے اس کا رولر اور اٹھا کر پاپ کاٹ میں اڑا لیا اور دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ جوں ہی ہینڈل گھما کر کھولے، فون میری رگوں میں اور سانس سینے میں جم گئی۔ سامنے دو بھڑکا ہوا جیم کتے سرخ زبانیں لٹکائے سرخ انگارہ لگا ہوں سے مجھے گھور رہے تھے۔

۱

بندر کے میں چند تانے بالکل مبہوت سا کواڑ گہری گہری سانسیں لیتا رہا، میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ٹی تال سے جن گونگے محافظوں کا ذکر کیا تھا، وہ خود بخود پھیرے ہوئے تھے، میرا ہاتھ فوری طور پر رولر کے دسے تک چلا گیا لیکن اتنی ہی سرعت سے میرے دل نے وہ فیصلہ مسترد کر دیا تھا۔ میں مزید فوری سی سچکا ہوا تھا۔ خصوصاً بے زبان زندگی کا خون کرنے کو مجھے نہیں پاہ رہا تھا لیکن سوال پانے اور نہ پانے کا نہ تھا۔ معاملہ اس جو ہے دان سے نکلنے کا تھا، پہلے کب میں نے تفریق کوئی قتل کیا تھا۔ ہر زندگی کا چراغ، میری مجبوری کی پھونک نے ہی بجھایا تھا۔ ہرگز نہ تا لحظہ مجھے احساس دلاتا ہوا گزر رہا تھا کہ خطرہ فاصلہ کم کرتا بڑھ رہا ہے، وہ خطرہ ہی جو تھا جسے ٹی تال نے میرے بارے میں مطلع کر دیا تھا، دوسرا خطرہ ایڈنا کی ذات کو تھا، اگر میں اُسے نہ ملتا تو وہ میری تلاش میں سیدھی بڑھتی ٹی تال کے کالج میں ہی داخل ہو سکتی تھی اور داخلے کے بعد کتے اُس کی بوتلیاں نوچ لیتے۔

لہذا مجھے اپنی زندگی کی ہر ایک سلاحتی کا بھی خوف دامن گیر ہو گیا تھا۔

رولر اور نہ استعمال کرنے کی راہ میں ایک قباحت اور بھی تھی، میں نے ٹی تال کے ساتھ اتنے وقت کا بیج سے باہر فارم میں چند مزدور دیکھے تھے جو کیا ریاں بنا رہے تھے، اور انہوں نے ٹی تال کو

ہاتھ اٹھا اٹھا کر سلام بھی کیا تھا، اگر کالج کی مالک ٹی تال یا می جو تھا تو فارم سے بھی اُن کا تعلق نہ رہتا، فائرننگ کی آواز سن کر وہ لوگ ادھر متوجہ ہو سکتے تھے اور پھر مجھے ایڈنا کے لیے اُسی سڑک سے باہر جانا تھا۔ کی ہوں سے آنکھ لگا کر باہر دیکھا۔ دوڑوں کتے زبانیں لٹکائے دروازے کو ہی دیکھ رہے تھے، کھڑکیاں بھی لگے رخ پر تھیں۔

معا میری نگاہ مینٹل پیس پر رکھے ایک چوکور ڈبے پر پڑی، کرم کش نہر کا ڈبہ تھا، ڈبے پر پھیروں اور مڈلین کی تصاویر چھپی ہوئی تھیں۔

میں نے دوڑ کر فریج کا پٹ کھولا، شراب کی بوتلوں کے ساتھ پلیٹ میں گوشت کا پارچہ رکھا ہوا تھا، سرخ میں ٹی تال کے رائٹنگ ٹیبل پر پہلے ہی دیکھ چکا تھا، گوشت کا کڑا کال کر پھر سے کاٹا اور سرخ میں زہر بھر کر دوڑوں کتوں میں انجکٹ کر دیا۔ جب کواڑوں میں باریک بھری پیدا ہوئی تو دوڑوں کتے غزائے ہوئے جھپٹے اور میں نے گوشت کا کڑا باہر اُتوڑ دیا جسے ایک کتے نے اگلی ٹانگیں اٹھ کر کھنا میں ہی دلوچ لیا تھا، میں نے اطمینان کی سانس لی مجھے خدشہ تھا۔۔۔ کہ

ترہیت یا نہ کتے ان حالات میں گوشت کے نزدیک نہ جانیں گے، مجھے محروم تانگ کر دوسرے کتے کی جانب پھینکنا چاہیے جو چند قدم دور کھڑا ہونٹ چاٹ رہا تھا لیکن میں نے اُسی زاویے پر دوڑوں کتوں بھی پھینک دیا جسے پہلے کتے نے اُچھل کر قابو کر لیا۔ غالباً دوسرا کتہ اُس سے ڈرتا تھا۔

اب زہر تو تھا مگر کھانے کی کوئی شے نہ تھی، یقیناً ایسی تمام چیزیں کچن میں رہی ہوں گی، غلطی ہو چکی تھی اور میرے پاس تلافی کے لیے کوئی متبادل انتظام تھا نہ ہاتھ ملنے کے لیے وقت تھا، مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔

میں نے دائیں کواڑ کا پٹ اندر سے لگا دیا اور بائیں کواڑ کو کھول کر یکدم سامنے ہو گیا، گوشت کھانے والا کتہ دائرے میں چکر رہا تھا اور دوسرا چونکا اور مجھ پر پھپٹا، میں فراخ بھری بناتے ہوئے کواڑ کی اوٹ میں ہو گیا پھر مجھ کو کتے کا جیم سینے تک اندر بٹھا، میں نے پوری قوت سے کواڑ دیا تا شروع کر دیا، کتا سینے تک پھنس گیا تھا۔

کتے کا چیرا بار بار کھٹک رہا تھا لیکن آواز کا تعلق سانسوں سے تھا اور سانس اُس کے سینے میں کھٹک گئی تھیں، وہ بے آواز تڑپ رہا تھا، پہلے اُس کی اُبل ہوئی آنکھوں سے خون بہہ نکلا، پھر ناک اور منہ سے بہنے لگا، وہ منظر اس قدر خوفناک تھا کہ میں نے چہرہ پھیر لیا تھا۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ کتا روخنی کی زندگی سے نکل کر نہ پھروں میں، اُتر چکا ہے تو میں نے کواڑ کھول دیا۔ مردہ کتے کا بھاری جیم دھپ

سے خوش پر گر پڑا، دکھ کا پھندا میرے حلق میں پھنس گیا تھا۔ میں نے دونوں کو قادیاری کے پہلے میں موت دے کر اچھا دیکھا تھا، ٹری تال کے جسم کو پھلانگتے وقت مجھے ایسا دکھ محسوس ہوا تھا کیونکہ میرے نزدیک وہ ان کتوں سے بدتر تھی، ٹری تال جیسے انسانوں اور کتوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ کتا بھی اپنے مالک سے بددیانتی نہیں کرتا کڑی تال اپنے مالک ہی جو بے بددیانتی کرنے پر تیار ہوگی تھی۔

باہر نکل کر میں نے مین گیٹ سے نکلنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے مغربی کھانا ڈال کا رخ کیا کیونکہ میرے خوف سے کوئی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، دیوار پر چاند کو دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا سڑک کے کنارے چلا گیا، سڑک چونکہ فرٹی تھی غالباً اسی کالج کے لیے بنائی گئی تھی اس لیے دریاں تھی۔ مزدور دروازے میں بیٹھے سڑک پر رہے تھے کوئی بھی میری جانب متوجہ نہ ہوا تھا۔

سڑک کے کنارے پہلی قطار بڑے درختوں کی تھی۔ دوسری قطار آتشیں جھاڑیوں کی تھی، میں جھاڑیوں کی آڑ میں چلنے لگا۔ فرلانگ جہاں جلا بٹوں کا کامی کے انجن کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں فوراً ایک جھاڑی کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا کیونکہ آگے دس بارہ جھاڑیوں کا قدر میرے قدم سے نیچے تھا۔ سڑک سے گزرنے والا مجھے دیکھ سکتا تھا۔ وہ میری جھٹی جس تھی یا دست غیبی نے مجھے تمام لیا تھا، اگر میں اس گھنی جھاڑی کی آڑ میں لیتا تو بڑھائی جو مجھے دیکھ لیتا، وہ کھلی سیٹ پر بیٹھا اسی رخ دیکھ رہا تھا، اس کی دین کے نیچے ایک سڑخ جیب بھی تھی جس میں تین گن بردار بیٹھے دکھائی دے رہے تھے، می جو فامی تیار یوں کے بعد میری جانب آیا تھا، اُسے آنا بھی چاہیے تھا، جن حالات سے وہ دوچار تھا اور جن حالات میں میری ذات اُس سے دور کر دی گئی تھی۔ اُس کا اتفاقاً یہی تھا کہ وہ کوئی رسک لیے بغیر میرے سامنے آتا۔

میں جس خطرے سے ڈر رہا تھا۔ وہ خطرہ میرے قریب سے گزر گیا تھا لیکن وہ ہوا یا بارش کا طوفان نہ تھا جو صرف آگے ہی بڑھتا ہے، ٹرک کرپٹنا نہیں، میں جانتا تھا یہ خطرہ جب کالج کی پڑھیاں چڑھ کر اُس پر پہنچے گا تو اس کی تندی میں ہزار گنا اضافہ ہو جائے گا اور اس انسان کے ساتھ وہ زخمی ناگ کی طرح پلٹ کودر استوں کا سینہ اُدھیر تاگر سے گا۔

جو کچھ میں بوجھا تھا اگر کائنات کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی جاتی تو ہانگ کانگ کا ذرہ ذرہ میرا دشمن بن کر میری تلاش شروع کر دیتا، کوئی پھت، کوئی سڑک اور کوئی گلی خرم سلطان جو دھری کے لیے محفوظ نہ رہتی۔ می جو اپنی تمام تر منتشر قوت آواز دے کر سیٹ لیتا اور ہر ایک کے ہاتھ میں میرا لیک وارنٹ دے کر کھیر دیتا، کسی بڑے ملک

کے وسیع و عریض رقبے میں کسی ایک فرد کو تلاش کر لینا مشکل ہوتا ہے مگر ہانگ کانگ جیسے چھوٹے ملک میں تلاش کرنے والوں کے سامنے یہ دشواری نہیں ہوتی، جبراً جیسے اجنبی اور تہی دست شخص کو کوئی آرا قبول کرنے پر تیار نہ تھی۔

مجھے زندہ رہنا تھا اور گناہوں کی گھڑی میں بے تحاشا اضافہ مقصود تھا۔ خرم کی ندیوں میں تیرا یا جانا تھا۔ آگ کے شعلوں کو میرے لیے بھڑکایا جا چکا تھا، اگر مجھے مار گرایا جاتا تو سب کچھ میرے ساتھ ہی ہی گڑ میں گل مڑ جاتا، نہ خرم سلطان جو دھری کا نام زندہ رہتا نہ یہ نام درندگی کی علامت بنتا، جو کچھ میرے نام اعمال کے لیے تیار کیا جا چکا تھا اُسے بہر طور میری ذات تک آنا تھا۔

یہی وجہ رہی تھی کہ ایڈٹا نے مجھے جھاڑیوں کی اوٹ میں بھاگتے دیکھ لیا تھا اور بارن د سے کہ مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا کیونکہ میں لی جو کی واپسی کے خوف سے اندھا دھند دوڑنے لگا تھا، میری تمام توجہ صرف تیز اور تیز دوڑنے تک محدود ہو گئی تھی، میں نے ناکی آید کو کبھی فراموش کر بیٹھا تھا۔ "عبدی واپس چلو" میں نے کار میں پھلانگ لگاتے ہی چیخ کر کہا۔ "وہ واپس آ رہا ہے"۔

ایڈٹا نے کوئی سوال کیا نہ ہی عام لوگوں کی طرح حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر میری جانب دیکھا، اس کی وجہ یہی رہی تھی کہ وہ عام قسم کی لڑکی نہ تھی۔ اُس کی تربیت بیکریے باپ اور فارگا بے جیسے باصلاحیت شخص کے ہاتھوں ہوئی تھی، وقت اور فاصلے کی اہمیت کا اُسے بخوبی احساس رہا ہو گا تب ہی اُس نے تنگ سڑک کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر کار کو خطرناک یوٹرن دیا تھا، مارا ایسے ہی چپے تھے جیسے کوئی کتا نیچے آگیا ہو۔ میں بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا۔ "ہاں اب بتاؤ کون آ رہا ہے؟" چند منٹ کی خطرناک ترین رفتار کے بعد اُس نے پوچھا، اگر شہر کی طرف جانے میں کوئی خطرہ ہو تو ساحل کی طرف نکل جائیں۔

"میرا خیال ہے خطرہ ابھی بہت دور ہے" میں نے رفتار کا سوئی کو دیکھتے ہوئے بتایا، البتہ سوئی خطرے کے نشان تک جا رہی ہے، اُس نے میری وارننگ کا فوری نوٹس لیا اور سوئی گونے لگی۔ "گوئی سوال آداب میزبانی کے منافی ہو گا" وہ عقب آئینا جھٹ کرتے ہوئے بولی، پھر اپنی ڈارک براؤن آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر پچھلا ہونٹ چبانے لگی۔ "دراصل چوک سے میرے گھر کا راستہ الگ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر تمہیں کہیں دوسری جگہ جانا ہے تو بتا دو" یہ سوال تم ایسے شخص سے کر رہی ہو ایڈی۔ میں نے اندر کا سا راکب آنکھوں میں سمیٹ کر جواب دیا۔ "جیسے تم اچھی طرح جانتی ہو، جس کا اس شہر میں کوئی گھر نہیں، کوئی ہائے پناہ نہیں اور کوئی

دوست نہیں ہے۔ تقدیر کے پاؤں میں پڑا ہوا کس کھانے والا شخص اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لے سکتا، موت ہے کہ مجھ سے کھیل رہی ہے، گرفت میں لیتی بھی نہیں اور تاقب تجھوڑتی بھی نہیں، جب سامنے آتی ہے تو مجھے کوئی ان دیکھا ہوا تھا اٹھ کر دور اچھال دیتا ہے، مگر تاتوں اور ابھی سمجھنے ہی نہیں پاتا تو موت کسی کو نے سے بھر تیغیے لگاتی سامنے آ جاتی ہے۔

"خرم۔" وہ بے حد پیار سے بولی۔ "پیارے اسی کا نام زندگی ہے۔ پھر پور زندگی، مردہ گھوڑے کا کوئی خریدار نہیں ہوتا ہے، کیا تم مردہ گھوڑا بننا پسند کر لو گے؟"

"شاید نہیں" میں نے پُر عزم انداز میں جواب دیا۔ "ہاں تم یقیناً نہیں پسند کر سکتے۔ یہ میرے ڈیڑی کی رائے ہے کہ خرم جو دھری جنگلی وحشی گھوڑا ہے جسے اچھے سوار سدا ہانا چاہتے ہیں مگر وہ دولتیاں جھاڑتا ہوا گھوڑا کسی ایک کے اصطبل میں بند ہونا نہیں چاہتا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ایڈٹا۔" میں نے کہا۔ "میں اسن اور شرافت کو پسند کرتا ہوں لیکن وہ لوگ مجھے جس کام کے لیے سدا ہانا چاہتے ہیں وہ نہ صرف میرے مذہب میں گناہ ہے بلکہ انسانیت کی ہر اچھی کتاب اُس کی نفی کرتی ہے، مجھے تم نوکری اٹھانے پر لگا دو، میں اُن نہیں کروں گا، مجھے کھیتوں میں اناج اگانے کے لیے کسی ہیل کے ساتھ جوت لوئیں انکار نہیں کروں گا۔ یہ گندے لوگ مجھے میو غنوں میں غلاما چاہتے ہیں۔ منشیات کی بدبو میری ذات میں بھرتے ہیں، میں غالی اور بے جس بیگ نہیں ہوں ایڈی، میرے اندر احترام انسانیت ہے، خدا کا خوف ہے، اخلاقی قدریں زندہ ہیں، میں کیسے گردن ڈال دوں، کوئی شریف سوار آئے تو یہی میں اپنی پشت بھولوں کی بیج بنا کر پیش کر دوں گا۔ دیکھو نام مجھے لے جا رہی ہو، مجھے یقین ہے تم اپنے گندے مفادات مجھ پر نہیں لا دو گی۔ اس لیے تمہیں دوتی نہیں مار سکتا۔"

"مجھے بھی تم نے معاف نہیں کیا تھا پیارے" ایڈٹا نے ہنس کر کہا۔ ہم نے تمہیں ایک محفوظ پناہ گاہ دی تھی اور تم غالباً ایک رات بھی وہاں نہ رہے تھے، تم اخلاق کی باتیں کرتے ہو، احترام انسانیت کا دعو بھی ہے لیکن جانے سے قبل تم نے اجازت لینا گوارہ نہ کی، تم چلے گئے اور میں ندامت اور دکھ کی آگ میں جلتی رہی میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتاؤں گی خرم کیونکہ یہ دکھ میرا اپنا تھا۔

میری نگاہیں ایڈٹا کے بائیں شانے کے اوپر سے سامنے سے آنے والی گاڑیوں پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ خیال اچانک ہی میرے

ذہن تک بیدار ہوا تھا کہ می جو صرف ایک لاغر سے بوڑھے کا ہی نام نہیں بلکہ ایک مضبوط ہاتھ اور گروہ می جو کی ذات سے وابستہ ہے وہ میرے تعاقب میں خود نہیں دوڑتا چلا آئے گا بلکہ اپنے بچے کچھے خفیہ آڈل میں دیکھے ہوئے غنڈوں کو میری تلاش پر لگا دے گا۔

یہی وجہ رہی تھی کہ میں نے بیکر کا سپنایا ہوا بیٹ چہرے پر جھکا لیا تھا اور جسم کو بھی سیکر کر دکھواتا کم کر لیا تھا کہ باہر سے کوئی آسانی کے ساتھ پہچان نہ سکتا تھا۔

"کیا تعاقب ہو رہا ہے؟" مجھے جھکا ہوا دیکھ کر ایڈٹا پر جوش آواز میں بولی۔

"نہیں" میں نے جواب دیا۔ "بس احتیاطاً چھا چھ بھونک بھونک کر رہا ہوں اور تمہارے شکوے کا جواب کسی فرصت کے لمحے دوں گا، اگر میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ خاموشی سے منہ چھپا کر کہیں نہ جاتا بلکہ واپس آ کر تم سے جواب طلب کرتا اور تمہارے ڈیڑی کی گردن توڑ دیتا لیکن مجھے تب بھی اور اب بھی یقین ہے کہ ہٹ میں جو کچھ پر گزری اُس کی ذمہ داری تم لوگوں کی طرف اشارہ نہیں کرتی تھی۔"

"اوہ" ایڈٹا نے چہنک کر پہلو بدلا۔ "تو کیا وہاں۔۔۔۔۔؟" "ہاں ایڈی، وہاں دو مسلح میزبان میرا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے" میں نے ایڈٹا کی بات کاٹ کر بتایا۔ "اگر۔ اگر۔ وہ غصے سے ہنسنے لگی۔" خدا کی قسم اگر اس میں ڈیڑی کا اشارہ ثابت ہو گیا تو میں اُن سے جواب طلب کروں گی۔"

"مجھے یقین ہے ایڈی" میں نے ہاتھ بڑھا کر ایڈٹا کی لمبی شفات گردن پر پھینک دی۔ "اچھی بیٹی کا باپ بھی اچھا ہے۔ میں جو اس وقت تمہارے ساتھ ہوں، اس میں بھی اُسی اچھے باپ کا احسان شامل ہے۔ میں اپنے محسنوں پر شک نہیں کرتا۔"

"پھر بھی میں پوچھوں گی" ایڈٹا تمنا سے مجھے میں بولی۔ آخر اُن لوگوں کو کسی نے تو اطلاع دی ہو گی۔"

"میرے کسی مہربان نے مجھے سڑ بیکر کی کار میں دیکھ لیا ہو گا" میں نے اُسے پُر سکون کرنے کی کوشش کی۔ "اور پھر میری منزل کا پتہ لگانا اُن کے لیے مشکل نہ رہا ہو گا۔"

جوں ہی ایڈٹا نے کار کو دائیں ٹرن دیا، سامنے گیٹ دیکھ کر میں نے سوا لنگاہوں سے عقب نما آئینے میں جڑے ہوئے ایڈٹا کے چہرے کو دیکھا، اُس ذہین لڑکی نے فوراً میری نگاہوں میں سے اچھا ہوا سوال پڑھ لیا اور منہم می مسکراہٹ کے درمیان بول پڑی۔ "یہ ہماری نئی رہائش گاہ ہے" میں نے پُر سکون طویل سانس

لی اور اترنے کی تیاری کرنے لگا۔

میں نے اتر کر دائیں بائیں دیکھا وہ پڑانے طرز کی دو منزلہ عمارت تھی جسے سرست کر کے رنگ و روغن سے سنوارنے کی کامیاب کوشش کی گئی تھی، بالائی منزل کی محراب دار بالکونیوں میں باریک گلابی پردے لکڑی سے لٹکے تھے، لان میں گھاس لگائی گئی تھی جو ابتدائی مراحل میں تھی البتہ باغ کو کاٹ چھانٹ کر خوب صورت بنادیا گیا تھا۔ مجبوری طور پر بانگ کانگ جیسے شہر میں پڑانے لوگوں کی طرح وہ پڑانی عمارت بھی نگاہوں کو سکون دینے والی تھی۔

گیراج کا شہر گرا کر ایدہ نائے تالا لگایا اور میری جانب سنجیدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی، اُس میں ہی ایک نمایاں تبدیلی محسوس کر رہا تھا کہ بروقت مسکرانے والی ایدہ نائے حد سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی جیسے کسی نے اُس کی مسکراہٹوں پر پابندی لگا دی تھی۔

”خرم!“ وہ ہنست چلا کر کچھ پریشان سے انداز میں بولی۔ ”میرے پاس صرف میرے بیدار روم کی چابی ہے، اگر تم بڑا نہ متاؤ تو ڈیڑی کی واپسی تک برآمد سے میں بیٹھ جائیں!“

میں نے مسکرا کر باتیں کر دین بلادی اور وہ ایک دم کھل اٹھی اور اپنے خوب صورت سراپا کی قیامت جگاتی میرے آگے آگے چل پڑی۔ میں نے نگاہوں کو ٹھیک کر اُس کی گول گلابی۔

ایڑیوں پر گرا دیا، میرے اندر اُس کا احترام کسی بکند پہاڑ کی طرح اُدھر اٹھ گیا تھا۔ وہ پہلی لڑکی تھی جس نے خرم سلطان کو صرف برابر کا ایک نوجوان سمجھا تھا اور اپنی خراب گاہ کو مسزہ جگر قرار دے دیا تھا، اگر مادام ٹری تال بھی مجھے اپنی خواہشوں کا غلام نہ سمجھتی تو وہ زندہ رہتی

اور میرے دامن پر اُس کا خون نہ گرتا، گھر سے نکل کر اس بدتماش شہر کی لڑکیوں کے بارے میں ہمیشہ میں نے کرب ناک انداز میں سوچا تھا کہ ہر لڑکی دوستی، مروت، مہر دہی اور مسکراہٹوں کو ایک ہی جذبے کا نام کیوں دیتی ہے، محبت کے جذبے کا میں کبھی باغی نہیں رہا،

محبت پر میرا ایمان ہے لیکن محبت کا انجام جب گناہ کی دلدل بن جاتا ہے تو مجھے اُس محبت سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔ میرے نزدیک محبت اُس جذبے کو کہتے ہیں جو کھلے ہوئے بھول کو دیکھ کر نگاہوں کو عجیب سا سکون اور طمانیت بخشتا ہے۔

ایدہ نادی لڑکی تھی جس نے فادر گاہے کی تربیت گاہ میں مجھے چاہنے کا دعویٰ کیا تھا اور جس نے اُس لمحے اپنے بستر میں میرے لیے جگہ بنا دی تھی جب قاتل آگ برساتے ہوئے میرے تعاقب میں دروازے تک آگئے تھے۔ وہی ایدہ نائہ تال اور شاندار موقع کے باوجود اپنی جابھوں اور احسانات کا معاونہ وصول کرنے سے گریز نہ کرتی تھی۔

ابھی ایدہ نادی تال لب و لہجے میں باہر بھاگنے کی دھمکی ہی کر رہی تھی کہ گاڑی کی آواز سن کر بد بھائی ہوئی اُٹھی پھر نہ جانے کی سوچ کر بیٹھ گئی۔ میں نے ستون کی آڑ سے جھانک کر دیکھا ستر بیکر گاڑی ہاتھ دوسے کے درمیان ہی روک کر اتر رہا تھا۔

میں اُس کا سامنا کرنے کا حوصلہ پہلے ہی سمیٹ چکا تھا۔۔۔ مجھے معلوم تھا سمندر میں اتر کر مگر مجھ سے ملاقات ضرور ہوگی۔ متوقع سوالات اور جوابات کے لیے بھی میں پوری طرح تیار تھا، مجھے یقین تھا اگر میری حرکت کا انجام غیر معمولی نہ ہو تو ستر بیکر میری مجبور یوں اور اور اقدام کو تسلیم کرے گا، ہاں اگر اُس بے ہوش شخص کی وجہ سے بیکر کی ذات کسی اٹھن سے دوچار ہوگی تو میرا کوئی جواز بھی اُسے ملے گا۔

ستر بیکر چڑھ کر چل رہی وہ اُپر آیا ایدہ نادی چہرے پر استقبال مسکراہٹ بکھیرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ مجھے بھی اُس کی تقلیدیں اٹھنا پڑا۔ بیکر والہانہ انداز سے عینی کی جانب دیکھ رہا تھا، میں چونکہ ستون کی اوٹ میں تھا اس لیے اُس کی نگاہوں کا مرکز ایدہ نادی ہی تھی۔

گڑی چھوڑ کر جب میں اُٹھا تو قدرتی طور پر اوٹ سے نکل آیا اور بیکر کے اُٹھے ہوئے قدم فرش سے چپک گئے۔ وہ میری جانب کچھ ایسی حیرت آمیز اور خوف آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا جیسے اُس کا کوئی دیرینہ دشمن آڑ سے نکل کر یکدم سامنے آ گیا ہو۔

”ڈیڈ!“ ایدہ نادی بھی باپ کا غیر متوقع رد عمل محسوس کر کے بے چین سی ہو کر بولی ”یہ خرم سلطان ہے۔“

خود گد مار رنگ۔ اُنکل! میں نے بھی میں احترام بجا کر کہا۔

”سورنگ!“ اُس کی ناک سے غڑاہٹ اُبھری اور بڑھ کر میرے قریب آ گیا، میں نے جھج کر دونوں ہاتھ مٹانے کے لیے بڑھائے، ایدہ نادی اُسی لمحے تیرہ گڑی لینے دیوار کی جانب مڑ گئی تھی ورنہ بیکر کی سرو مہری اور ہاتھ نہ ملانے کی حرکت ایدہ ناکو پریشان کر دیتی۔

”بیٹھ جاؤ نوجوان!“ بیکر ایدہ نادی کی گڑی پر ایسے گرا جیسے نہ حال ہو چکا ہو۔ ”ایدہ نادی! کافی لاؤ!“ ایدہ نادی بہتر ڈیڈی! کتنی بھلا جمل ہی اپنی جگہ سے بلی، بیکر نے بیشانی سستے ہوئے اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ ”نہیں ایدہ نادی ایک پیگ بنا لاؤ۔ کافی شاید مجھے پُر سکون نہ کر سکے گی!“

ایدہ نادی نے اپنے اپنی بوجھل ہلکوں کو تھکاتی باپ کو دیکھتی رہی بھر بال تیچھے کتنی ہوئی بلی پڑی، میں کنبیاں راتوں پر جاتے دونوں

بجیلیوں میں چہرہ لیے بیکر کی حالت کا جائزہ لے رہا تھا، جو مسلسل اپنی پیشانی کو ہٹا رہا تھا۔

پھر اُس نے اُنکلیوں کی جھریوں سے میری طرف دیکھا۔ ”میں تم سے خوف زدہ ہوں کہ اُس کی آواز میں خوف کی آمیزش تھی۔“ تم نے مجھے اندر سے توڑ چھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ وہ جھکا جھنجھیں یہاں پا کر لگا ہے بڑا سخت اور جان لیوا تھا۔ میں دل کا مریض ہوں، اگر تمہارے ساتھ ایدہ نادی نہ ہوتی تو میری حرکت قلب بند ہی ہو سکتی تھی!“ اُس نے جب ہاتھ نیچے گرایا تو میں اُس کا کام آلود چہرہ دیکھ کر چونک اُٹھا تھا، پسینے کے ٹپٹے ٹپٹے قطروں کا جال سا اُس کے چہرے پر پھیلا ہوا تھا۔

”مجھے افسوس ہے اُنکل!“ میں نے نادم انداز میں کہا۔ ”لیکن مجھے آپ کی ذات سے یہ بھی پوری اُمید ہے کہ جب آپ میری مجبوری سے آگاہ ہوں گے تو معاف کر دیں گے۔“

”چنگ جی کے گروہ میں تم خوبصورت شیطان کے نام سے مشہور ہو، بیکر گڑی پر خیم دروازہ ہو کر بولنے لگا۔ ”لیکن میں تمہیں شیطان نہیں کہوں گا، ہاں البتہ تم مافوق الفطرت قوتوں کے مالک ضرور ہو، میں نے ہمیشہ چنگ کا مذاق اُڑایا ہے، اُس نے گہری سانس لے کر خفک ہنست زبان سے ترکیے۔ ”لیکن آج مجھے قائل ہونا پڑا ہے کہ چنگ جی اگر تمہارا دیوانہ ہے تو وہ حق بجانب ہے، کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ بڑا چنگ تمہاری گم شدگی کی وجہ سے غم پاگل ہو چکا ہے اُس کی بیٹی نے تمام کاروباری مصروفیات ملتوی کر دی ہیں اور تمام اقدوں کو غشی سراسے کے ذریعے ایک حکم دیا گیا ہے کہ خرم سلطان جو دھری کو تلاش کیا جائے۔ اگر اُس کے لیے کچھ مجھ شمال کا سفر اختیار کرنا پڑے تب بھی دسیغ نہ کیا جائے، جوڑی کو لپٹے عظیم باپ کی خوشنودی درکار ہے اور چنگ جی بہر صورت خرم سلطان کو دیکھنا چاہتا ہے!“ ایدہ نادی کے قدموں کی چاپ سن کر وہ یکدم چپ ہو گیا۔

”ڈیڈ!“ ایدہ نادی نے پیار سے بتایا۔ ”ڈرائنگ روم میں ڈرنک کا سامان رکھ آئی ہوں!“

”شکر یہ ایدہ نادی!“ بیکر اُٹھتے ہوئے بولا ”تم میری گاڑی گیرج میں بند کر کے لیج تیار کرو، مادام ایلیا مجھ سے چھٹی لے گئی ہے، خرم سلطان لیج ہمارے ساتھ کھائیں گے۔“

”بہتر ڈیڈی!“ ایدہ نادی نے تشکر بھری آواز میں کہا۔ ”خرم تم کیا ہند کرو گے؟“

”سجوا آپ بکائیں گی، میں نے انکسار سے جواب دیا۔ ”سور کے گوشت کے علاوہ ہر شے۔“

ایدہ نادی سٹری اور بیکر سے چابیاں لے کر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

میں دونوں خاموشی سے اُٹھے اور ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔ ڈرائنگ روم ایک وسیع و عریض مستطیل کمرہ تھا جسے جدید فرنیچر نے خوب سجا رکھا تھا، بیٹنی شکل کی پتانی پر بوتل چھوٹے چھوٹے گلاس، پلٹری میں برت کے چوکور ٹکڑے رکھے ہوئے تھے دوسری طشتری میں ایک بڑا گلاس تھا جس میں ہلکے سرخ رنگ کا مشروب لب لب بھرا ہوا تھا۔ چونکہ بام وصلی سے میرا کوئی تعلق نہ تھا اس لیے میں ایک چھوٹے کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

بیکر نے پتانی کا جائزہ لیا اور پھر چہرہ کچا کر میری طرف دیکھنے لگا۔

”نوجوان آدمی!“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”ادھر آ کر بیٹھو ایدہ نادی!“ تمہاری عادات سے آگاہ ہے شاید اُس نے تمہارے لیے شربت تیار کیا ہے۔“

”خفک موسم کے حوالے سے شربت کوئی خوشگوار مشروب نہ تھا لیکن ایدہ نادی کے جذبات کو مد نظر رکھنا بھی لازمی تھا، وہ میزبان تھی اور میں زبردستی کا ہی نہیں لیکن مہمان تھا، لہذا میں نے نہ صرف شکریہ ادا کیا تھا بلکہ شربت کے خالق اور خوشبو کی تعریف کی تھی، مگر ستر بیکر نے سنجیدگی کا انکلیف دہ خول نہ اتارا تھا، وہ شراب ایسے ہی پی رہا تھا جیسے دنوں کا کوئی پیا سا مسافر پانی پی رہا ہو۔ چار پیگ حلق میں اُنڈیل کر اُس نے آئین سے ہنست پونچھے اور پانچواں پیگ لے کر کاؤچ میں دھنسا گیا۔

”ادھر میرے قریب بیٹھو لڑکے!“ اُس نے فانی جگہ پر تھپکی دے کر کہا۔ ”میں تقریباً ساری آبادی دنیا کو گھوم چکا ہوں، میں نے تمام قابل ذکر علوم کی کتابیں بھی پڑھی ہیں، ویسے بنیادی طور پر میں انبیات کا طالب علم ہوں، اس علم کے حوالے سے میں ہر چہرے کو پڑھ لیتا ہوں دنیا کے مذاہب اور عقائد پر مجھے عبور تو نہیں لیکن بہت کچھ جانتا ہوں، پھر تمہارے متعلق، چنگ نے مجھے ایک نئی اور حیرت انگیز بات بتائی، میں نے ستاروں کے علم کی ساری دستیاب کتب دیکھ ڈالیں، چند دن قبل ایک انڈین پروفیسر شکرداس کی کتاب مجھے ملی، اُس نے چنگ جی کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ستارے صرف آسمان پر ہی نہیں چمکتے بلکہ انسان کی پیشانی پر بھی اُبھرتے ہیں۔“ اُس نے اٹھ کر گلاس پتانی پر رکھا اور پھر میرے قریب آ کر روک گیا۔

”چہرہ اُپر کر لو لڑکے!“ وہ مجھ پر جھٹکتا گیا۔ ”میں چنگ اور شکرداس کے بیان کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔“

میں نے بلا توفیق چہرہ اوپر کر دیا کیونکہ بیکر کے ہاتھ میں کوئی خطرناک ہتھیار نہ تھا۔ وہ میری پیشانی پر تیشہ رکھ کر چند ثانیے تھکا رہا اور پھر اس کی ناک سے زگی ہوئی سانس جب خارج ہوئی تو میرے بال اڑنے لگے تھے۔

”میرے خدا۔ میرے خدا۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے بھی دیکھ لیا ہے۔

”اب آپ بتائیں گے انکل۔ میں اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ بڑھے جنگ نے کون سی نئی بات آپ سے کہ دی ہے؟“
”آہ۔“ وہ بے چین سی آوازیں بولا۔ ”تمھاری پیشانی کے مین درمیان بھوڑوں کے جوڑ میں ستارہ ہے۔“

”ستارہ۔“ میں چونک کر اٹھا۔ ”کیسا ستارہ انکل۔ وہی ستارہ تو نہیں جسے نصیب کی وہ تحریر کہا جاتا ہے جو۔۔۔“

”ہاں وہی۔“ میری بات کاٹ کر اس نے بتایا۔ ”لیکن وہ تحریر انسانی آنکھوں سے نہیں پڑھ سکتی، مگر ستارہ تمھاری پیشانی پر ہے اسے جنگ اور شکر داس جیسے انسانوں کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں۔ تم مقدور کے سکندر ہو کر کے۔ تم سنگ پارس ہو۔“

اس کی باتیں سن کر مجھے تو جاپا تھا کہ اتنے قہقہے لگاؤں کہ دو دیوار اڑنے لگیں لیکن وہ عمر اور ایذا کے باپ کے حوالے سے میرے نزدیک محترم شخص تھا اور بے حد سنجیدہ بھی تھا۔ میں نے اُبلتے ہوئے طنز پر قہقہے، حلق کے کواڑوں کو بند کر کے روک لیے تھے۔

”میں آپ کی چہرہ شناسی، شکر داس کے علم اور جنگ جی کی خوش فہمی کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ شکر داس کوئی عالم شخص رہا ہو گا اور بڑھا چنگ جی بھی دیدوار شخص ہے لیکن میں اپنے ستارے سے شاکي ہوں، کیسا مقدور کا سکندر مجھ جیسا شخص ہو سکتا ہے جو ایسے گیدڑ کی زندگی رکھتا ہے جسے شہر کا اُچھی اونچی دیواریں راستہ نہیں دیتیں، جسے شہر کی روشنیوں کی گھنٹہ عافیت میں بل بھر کے لیے سانس لینے کی بھی مہلت نہیں دے رہیں، ہاں میں سنگ پارس ہوں، ایسا سنگ جو دیوار سے ٹوٹ کر لوگوں کی ٹھوکروں میں گر پڑا ہے، میں جب سے اس شہر میں اُترا ہوں۔ انکل ایک پل بھی مجھے ایسا نہیں دیا کہ میں سنبھل کر سوچ سکوں۔ میں کون ہوں۔ مجھے کدھر رہنا تھا اور مجھے کس رخ پر ڈال دیا گیا ہے؟ اگر یہ ساری ذہنیات اسی ستارے کی روشنی نے دی ہیں تو میں ایسے منحوس ستارے کو اپنی پیشانی سے نوچ پھینکوں گا۔ مجھے صرف سکون چاہیے انکل، جو مجھ سے چھین لیا گیا ہے۔“

”میں صرف ستارے کی موجودگی پر یقین لایا ہوں۔“ بیکر بولا۔ ”اس ستارے کے اثرات انسانی زندگی پر کیا مرتب ہوتے ہیں اس پر مجھے بھی شک ہے۔ ہاں ایک بات میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ایک غیر معمولی نوجوان ہو، بااذب اور پرکشش شخصیت کے مالک، جس کے قریب سے گزر جاتا ہے وہ بہت دیر تک تنہا قریب کی ہلک محسوس کرتا رہتا ہے، جنگ میرا دیرینہ دوست ہے۔ میں اسے اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ چند ہیرے اور چند گرام ہیروں جیب میں رکھ کر اس شہر میں آیا تھا، اس نے اپنے ذہن اور قوت سے اپنا ایک مقام پیدا کیا، مگر جیونے ہلکا ہلکا ہستہ اسے رگیدنا شروع کر دیا تھا پھر اچانک اس نازک وقت تم اس سے جا ملے جب وہ سکڑ کر صرف ایک اڈے تک محدود ہو کر رہ گیا تھا، تمھیں یاد ہو گا وہ تمھاری ہی ذات تھی جس نے می جو اور جنگ جی کو ایک بار پھر آمنے سامنے کر دیا تھا، پھر جو ہوا اس کی توقع کسی کو بھی نہ تھی ہانگ کاٹک کا بے تاج بادشاہ، منشیات کے تمام اڈوں کا اجارہ دار اور فلاح می جو ہر محاذ سے پسپا ہوتا پلاگا اور نوٹا چوٹا جنگ جی مل کر ہونے لگا اور آج وہی می جو جس کا نام زیر زمین دنیا میں سورج کی طرح روشن تھا، تارکیوں میں مٹنے چھپاتے ہانگ کاٹک سے فرار کا راستہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ سوچ خرم سلطان۔ تم ہی جواب دو ایسا کیوں ہوا؟“

”کتا بوں میں یہی پڑھا ہے انکل۔“ میں نے جواب دیا۔

کہا، جنگ اور محبت میں ترازو کے پلڑے بھی کبھی غیر متوقع طور پر اٹھنا اور ٹھیک شروع کر دیتے ہیں، اس کھیل کو اگر جنگ نے میری ذات سے منسوب کر لیا ہے تو یہ اس کی خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں ستارہ میری پیشانی پر ہے اور کامیابیاں ایک بہرہ فطرت بہ معاش حاصل کر رہا ہے، یہ کیسا عجیب ستارہ ہے انکل؟“

”کیا تم کامیاب انسان نہیں خرم سلطان؟“ بیکر نے جنگ کو میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ”تم ایک اجنبی نوجوان بے مہر اور بدنام شہر میں آئے اور آج یہاں کچھ نام و رنگ تمھارے دیوانے ہیں، میں نے تمھارے جیسے آوارہ گردوں کو جھیک مانگتے دیکھا ہے میرے بیٹے، تم خوش بخت ہو اور تمھاری خوش فہمی کی بدولت سچائی اُٹھنا ہے۔ اس شہر کے ایک معزز شخص کی معزور ترین بیٹی تاج وہ شخص تمھیں یہاں دیکھ کر ہانسنے لگا تھا، جسے دیکھ کر سینکڑوں لوگ چرے کی طرح کونے کھدروں میں ڈبک جاتے ہیں جس کی سوسائٹی میں بڑی عزت ہے، اگر جنگ نے تمھاری مفلکت تسلیم کر لی ہے تو کچھ

میں نہیں، ورنہ وہ پھر باہر اڈو لوان کبھی نہ بنتا۔“
ایڈا نے پردہ اٹھا کر کار کی چابیاں اندر اچھال دیں اور اس نے ہاتھ اٹھا کر بیکر کی طرف جاتی ہوئی چابیوں کو روک لیا بیکر کو کھڑا ہونا۔

”میں ایک ضروری کال کر کے آتا ہوں۔“ تین قدم اٹھا کر رگ لگی پھر میری طرف ٹھوم کر ٹھوس آوازیں بولا۔ ”تم اس گھر اور ایڈا کے باپ پر بھروسہ رکھنا خرم سلطان۔ بیکر چھپے سے وار بنے کا عادی نہیں رہا۔“

”اوہ انکل۔“ میں تڑپ کر بولا۔ ”آپ نے ایسا کیوں سوچا، میں یہاں خود آیا ہوں لایا نہیں گیا۔ پھر میں نے جلدی جلدی مختصر ٹیلی فون اسے ہوٹل سے لکڑی تال کے کالج ٹنگ کی ہائی سٹادی۔“

”اب بھی تمھیں خود پر ناز نہیں میرے پیارے بیٹے؟“ وہ مزید بولے۔ ”جنگ کا طاقت ور اور وحشی شیر بھی جب تمھاری کچھند سے میں پھنس جاتا ہے تو اپنی تمام قوت اور رفتوں کے، پھندے سے نجات حاصل نہیں کر سکتا اور تم اتنے غیور پھندوں کو توڑ کر نکل آئے ہو، یہ سب کچھ تمھارے ستارے کے فضل ہوتا ہے۔ جب میں وہاں سے چلا تھا تو پولیس نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔“

دکھ اور نفرت کی شدت سے میرے عضلات تن سے گئے تھے، میں اس منحوس ستارے کو بوج یا دداشت سے مٹانا چاہتا تھا مگر بیکر تھا کہ کسی نہ کسی حوالے، جیلے بہانے سے پھر اس ستارے کو اچھیر دیتا، بوڑھے جنگ کی طرح وہ بھی نفسیاتی مرض میں گرفتار دکھائی دیتا تھا۔

دو پہر کا کھانا ہم تینوں نے خاموشی سے کھایا، غالباً خاموشی بیکر ذات کی وجہ سے طاری رہی تھی، میز پر ایڈا کا کوار، ایک بیکری بیٹی اور شوہر پرست، بیوی کا رہا تھا وہ میرے اور بیکر کے درمیان ڈھیش گھماتی رہی تھی اس نے خود بہت کم کھایا تھا اور ہمیں بہت کچھ کھانے کو دیا تھا۔

قیلولہ میری عادت میں کبھی شامل نہ رہا تھا، گو میرا مافی شاندار آرام دہ تھا مگر قیلولے کے وقت میں اسکول اور کالج میں ہوتا تھا، مجھے کے روز آبا جان آبا پیٹنے کی تعلیم دینے کھیتوں میں سے لاتے تھے لیکن اس دن میری آنکھوں میں نیند جیسے ٹھوں کے صاب سے بھری ہوئی تھی۔ نیند کی وجہ سے سارا بدن ٹوٹ رہا تھا اور سر بوجھل تھا، لہذا میں نے تمام خطرات اور احتیاط کو

بالائے طاق رکھ دیا اور ایڈا کو نیند کی شدت سے آگاہ کر دیا، سونا ناگزیری ہو گیا تھا ورنہ ایسے حالات میں سونے کی عیاشی کے بارے میں سوچنا بھی حماقت ہی تھی۔

”کچھ وقت میں بھی آرام کروں گا۔“ بیکر نے سونے سے ہنٹ مانت کرتے ہوئے بولا۔ ”ایڈی تم اپنا بیڈ روم خرم کو دے دو۔ اور شام تک کوئی دوسرا کمرہ اس کے لیے تیار کر دینا۔“

”میں اسٹڈی روم میں چلا جاتا ہوں۔“ ایڈا ناگوار بزدب میں دیکھ کر میں نے کہا، ایڈا ناچنے ہی اپنا بیڈ روم مجھ پر بند کر چکی تھی۔

”پہلے ان سے پوچھ لیجیے ڈیڈ۔“ ایڈا نابرتن اٹھاتے ہوئے بولی۔ ”ان کا پروگرام کوئی دوسرا بھی تو ہو سکتا ہے۔“

”میری خواہش ہے۔“ بیکر بولا۔ ”کم از کم ایک دن اسے یہاں قیام کرنا چاہیے، ہاں اگر اس کا کوئی اپنا پروگرام ہے تو روکنا فصول ہو گا، کیوں بیٹے؟“

”فی الحال میں سونا چاہتا ہوں انکل۔“ میں نے جلتی آنکھوں کو شبکی کھول کر جواب دیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو کمرہ دودھیا روشنی سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے کلائی کھل سے بائیں نکال کر وقت دیکھا، میں چار گھنٹے گہری نیند سوچکا تھا۔ ابھی میری آنکھوں کی ابتدائی مراحل سے ہی گزر رہی تھی کہ پردہ ہٹا کر ایڈا اندر آگئی، انگریزی درمیان میں توڑ کر میں نے اسے دیکھا اور ہم دونوں مسکرا دیے۔

”تمھاری چوٹی جس خاصی طاقت ور ہے۔“ ایڈا نادرانہ صبر رکھ کر چوٹی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”میں تمھیں جگانے ہی آتی تھی تمھاری کوئی دوست بڑی پریشان اور مضطرب دکھائی دیتی ہے۔ آؤ اس سے ملو ورنہ وہ روپے سے لگی۔“

بیدار ہونے کے بعد جو کسل مندی محسوس ہوتی ہے وہ یکدم ہی کافور ہوگئی، میرا ذہن فوری طور پر چاق و چوبند ہو گیا اور ذہن کی آکریں بددولت دیکھاں نمودار ہوئیں ایک سونیا جس کو فامی چوٹی دے کر میں ادھر پہنچا تھا اور دوسری یہودی لڑکی مارش جس نے مختصر وقت میں مجھ پر کچھ احسانات کر ڈائے تھے، اگر وہ مجھے شمعوں کی غیر متوقع موجودگی سے آگاہ نہ کرتی تو میں اس غلیظ یہودی کٹے پھانے ہوئے جال سے کبھی نہ نکل پاتا، پھر مارش نے ہی اس مشکل وقت میری مدد کی تھی جب میں کسی خرگوش کی طرح شکار لوں کے درمیان بیکر کی کاریں ڈبکا ہوا تھا، ایک ناگن تھی اور دوسری میری محسنہ تھی۔ بہر حال جو بھی تھی وہ محسن رواج یا تفریح نہ آتی تھی، یہ بات صرف میں ہی جان سکتا تھا کہ آنے والی کسی اہم مقصد کے ساتھ مجھے تلاش کر رہی ہوگی۔

”اُدھر اسٹریٹ روم میں ہے“ ایڈنا میا رُخ ڈرائنگ روم کی طرف دیکھ کر عقب سے بولی۔ ”ڈیڈی سے وہ ملنا نہیں چاہتی اس لیے اُدھر بیٹھی ہے۔“

”نیک کاٹی کی خواہش محسوس کرتا ہوں۔“ میں نے اُسے خود سے دُور رکھنے کے لیے کہا۔ ”دوبیلے فوراً!“

ایڈنا کوئی نادان بچی نہ تھی فوراً سمجھ گئی اور آنکھوں میں مسکراتی ہوئی کچن کی جانب پلٹ گئی۔ تو میں اپنی انصافاتی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اسٹریٹ میں داخل ہوا۔ وہ مار شاہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ تڑپ اُٹھی، دو قدم دوری پھر جانے لگا ایک کیوں نہ لگے، شاید میرے چہرے پر طاری گھبرائے اُس کو دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا، لفظ بھر ہم لگا ہوں کے بھرپور تصادم کے درمیان کھڑے رہے، میری نگاہوں میں سرد سوال تھا اور اُس کی نگاہیں معصوم بچی کی طرح بھی بھونکی تھیں۔

”تم ستم۔“ وہ تقریباً گھٹکیاتی آوازیں بول پڑی۔ ”یقیناً ناراض ہو گئے۔ مجھے بلا اجازت لیوں نہیں آنا چاہیے تھا لیکن میں خود کو نہ روک سکی۔ مگر سے میں ناٹ شفٹ بینک کے لیے نکل ساری رقم کے تین ڈرافٹ بنوائے اور امریکہ اپنے بھائی کو اس ہدایت کے ساتھ پوسٹ کر دیے کہ ایک ایک ماہ کے وقفے سے پاکستان بھیج دینا، وہاں سے نکل کر تو تھاری خوشبو مجھے اُدھر لے آئی۔“

”شکر۔ مار شاہی جاؤ۔“ میرا سارا تانڈو ٹوٹ گیا، وہ ایک اچھی خبر لے کر آئی تھی۔

”اوہ نہیں خرم!“ وہ بلبلائی ہوئی میرے قریب آگئی۔ ”مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں یہ بات قطعاً فراموش کر چکی تھی کہ خرم چودھری کون ہے اور کن حالات سے گزر رہا ہے، میں دراصل دوسری لائن کی لڑکی ہوں، مجھے تو اُس لمحے اپنی حماقت کا شدید احساس ہوا جب مجھے اپنے تعاقب کا یقین ہو گیا۔ ایک سفید کار بینک سے یہاں تک میرے تعاقب میں آئی ہے۔“

”کوئی بات نہیں مار شاہ!“ میں نے گہری سانس لے کر بظاہر پُرسکون انداز میں کہا۔ ”ایسا ہوتا آیا ہے، ہوتا رہے گا، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ بد نصیبی میرے ساتھ ساتھ جلتی ہے۔ تم نہ آتی تو کوئی دوسرا ذریعہ اُن کو یہاں سے آتا، تم صرف یہ بتاؤ کہ کار کو وہاں لگے کتنی دیر ہوئی ہے؟“

”غالباً دس بارہ منٹ!“ اُس نے گھڑی دیکھ کر جواب دیا۔ ”جب میں یہاں داخل ہو رہی تھی تو وہ اُس پارک گیا تھا، پھر میں نے گیٹ کی جھری سے دیکھا وہ بڑی تیزی سے کار موڑ

رہا تھا، اب کیا ہو گا خرم؟“ وہ رد ہانسی ہو گئی۔ ”خدا کی قسم اگر کبھی کوئی نقصان پہنچا تو میں خود کو تمام عمر معاف نہ کر سکوں گی!“

”لیکن میں تمہیں معاف کر چکا ہوں ابھی لڑکی!“ میں اُن کی قدموں پر پلٹ پڑا وہ میرے ساتھ تھی۔ اگر تم یہاں رہ سکو تو تمہاری سلامتی اسی میں ہے، دن کی روشنی تک یہاں ٹک جاؤ اگر جانا چاہتی ہو تو آنکھیں کھلی رکھنا، میں نہیں چاہتا میری جانب بڑھنے والے شعلے تمہیں گھیر لیں، میں سڑ بیکر کو اطلاع دیتے رہا ہوں، تم فی الحال کچن میں ایڈنا کے پاس چل جاؤ۔“

”اوہ۔ تو کیا؟ اُس کی آواز خوف سے جھرجھرائے لگی۔ مگر میرے پاس اب اتنا وقت نہ تھا کہ میں اُسے تفصیل سے بات کا مطلب سمجھاتا، میں اُس سے کٹ کر بیکر کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا وہ میز پر جھجکا کچھ لکھ رہا تھا۔

”بیٹھ جاؤ لڑکے!“ اُس نے چہرہ کھائے بغیر نرم اور مہربان آوازیں کہا اور میں حیران رہ گیا، انسان ہونے کے نام پر اُس کی آنکھیں اُس کے چہرے پر بقیں اور وہ آنکھیں پٹی پر جھکی ہوئی تھیں، مجھے اُس نے کُن آنکھوں سے مجھے دیکھ لیا تھا۔

”سوری انکل میں بیٹھنا تو درکنار ایک لفظ تک بھی نہیں سکتا۔“ میری بات سن کر اُس نے برق رفتاری سے چہرہ لٹکایا اور استفہامیہ انداز میں بولا ”مگر کیوں میرے بیٹے؟“ میں نے مختصر ترین الفاظ میں اُسے وجہ بتا دی اور اچھل کر نہ صرف اُٹھا بلکہ دور کر اُس نے الماری کا پٹ اُٹھا لیا، میں اُس وقت ایڈنا سوا لہ نشان بن کر دروازے سے نکل پڑی۔

”ایڈی۔!“ اُس لڑکی کو کسی محفوظ جگہ چھپا دو، یا اُسے محفوظ راستے سے گھر چھوڑ آنا۔“

”کیوں ڈیڈی!“ ایڈنا سراسیمہ دکھائی دے رہی تھی، ”میں نے اُسے بلایا، ایڈی ہمارا مہمان خطرے میں ہے۔“ بیکر نے اُسے ہناتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یقین ہے وہ اندر آنے کی جرأت نہیں کریں گے، پھر بھی تم محتاط رہنا۔“

جب میں بیکر کے پیچھے چلتا ہوا ایڈنا کے قریب سے گزرا تو اُس نے میرا ہاتھ تھام لیا، ”خدا حافظ خرم، مجھے ایڈنا وقت اس گھر کو نہیں مجھو لے گا کبھی نہ کبھی تم لوٹ آؤ گے۔“

ایڈنا کی سسکی میری سماعت سے گرم لوہے کی طرح چمٹ گئی تھی۔

بیکر کی تقلید میں جب میں بھجھوڑے کی قد آدم کپھاؤندہ دال بچانڈ کر دوسری طرف کیاری میں گرا تو گلاب کی شبنیوں کے بے شمار کانٹے پنڈھیروں میں خراشیں ڈال گئے، کیاری سے نکل کر ہم بزلان میں دوڑنے لگے پھر پورج میں کھڑی دو کاروں کے درمیان سے گزرتے، غم دار سڑکیاں چڑھتے، برآمدے میں دوڑنے لگے، بیکر کی نوجوان چیتے کی مانند چوکڑیاں بھرتا دوڑ رہا تھا۔

”مادام دروازہ کھولے!“ بند دروازے پر وزنی دنگ دے کر بیکر نے مضطرب آوازیں کہا، ”میں بیکر ہوں مادام شیلی!“ اور فوراً ہی سفید بالوں والی خوب رُو دروازہ قامت خاتون نے دونوں پٹ کھول دیے، بیکر تو اُس سے ہٹانا ہوا گڑ گیا تھا مگر میں تذبذب کا شکار ہو کر رہ گئی۔

”تم بھی لڑکے اندر چلو!“ خاتون نے سپاٹ، ہمیں مجھ سے کہا اور ایک طرف ہو گئی، جب میں ٹکڑ کر اندر داخل ہوا تو بیکر بلی فون پر منبر ڈائل کر رہا تھا اور میں بد کے ہوئے گھوڑے کی طرح باروں طرف دیکھتا ہوا بیکر کے قریب جا کھڑا ہوا۔

”ہیلو ایڈی میری ہدایات غور سے سنو، بڑے ٹیکے کو بھرا اور کوٹ پہناؤ اور کار کی پچھل سیٹ پر بچھا دو، سیٹ کا من ہنر کے ساتھ چپکا دینا اور کار شبر کی سڑکوں پر کم از کم دو گھنٹے ڈرائیو پھرو۔“

”نہیں انکل!“ میں نے جھپٹ کر ریسپور لے لیا۔ ”سناؤ ایڈنا! تمہارے ڈیڈی تمہیں بطور چارہ استعمال کرنا چاہتے ہیں، میں ان لوگوں کو جانتا ہوں، وہ کسی بھی جگہ تمہیں گھیر لیں گے، پھر تم اُن ڈرائے کا کوئی جواز پیش نہ کر سکو گی، اگر وہ لوگ باہر موجود ہیں تو کسے کوٹ کو دیکھ کر تمہارے تعاقب میں چل پڑیں گے تم کسی بھی سڑک پر کسی ڈرائیو کلینر کے پاس جا سکتی ہو، میری بات سناؤ ایڈی!“

”فکر نہ کرو خرم میں اُن کو ہٹا کر تمہیں یہاں سے نکلنے میں مدد دوں گی!“ ایڈنا نے جواب دیا اور میں نے ریسپور واپس بیکر کی طرف بڑھا دیا۔

”تم۔ تم بلاشبہ جالاک ہو لڑکے!“ وہ مردہ آوازیں بولا اور ریسپور کر بیڑل پر کھڑے ہوئے۔ ”واقعی ایڈی کسی مشکل میں پھنس سکتی تھی۔“ مادام آپ براہ کرم بالائی منزل پر جائیں اور ایڈی جب گاڑی لے کر نکلے تو دیکھیں اُس کے تعاقب میں کوئی جاتا

”ہے یا نہیں اور اپنی کار کی چابیاں دے جائیں!“

”کیا معاملہ ہے بیکر!“ مادام نے پُرتشیش آوازیں پوچھا۔ ”اگر کوئی گرو بڑ ہے تو میں پولیس بلالیتی ہوں۔“

”نہیں شیلی!“ بیکر پہلی بار سکرایا۔ ”یہ معاملہ ناقابل دست اندازی قانون ہے، میں ان بچوں کو دفاع کی تربیت دے رہا ہوں۔“

”یہ لڑکا؟“ مادام نے پوری آنکھیں کھول کر میرے سر پر پڑنگاہ ڈالی۔

”ایڈی کا دوست!“ بیکر نے بتایا۔

”اوہ!“ مادام مسکراتے لگی۔ ”ایڈی کا بہت پیارا انتخاب ہے۔“ اُس نے تکیہ اُٹھا کر چابیاں بیکر کو دکھائیں اور پھر سپر بہن کر باہر نکل گئی۔ بیکر نے صوفے پر پھٹکی دی اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود نیم دروازہ ہو گیا۔

بلی بھر فرست مل تو آنے والے خطرات کو بالائے طاق رکھ کر میں تجزیہ کرنے لگا کہ متوقع خطرہ کیسے اور کیوں میری راہ لگ گیا۔ یوں تو کوئی بھی غلطی اُن کو یہاں لا سکتی تھی، ایڈنا کے ساتھ مجھے کسی شناسا آنکھ نے دیکھ لیا ہو گا لیکن بظاہر اسکا فی وجہ مارشال ذات تھی، مادام ٹری تاں کے محافظوں نے اُسے دن کی روشنی میں میرے ساتھ دیکھا تھا، جب می جُڑنے از سر نو پوچھ گچھ کی تو کبھی وہ موضوع بحث آئی ہو گی اور پھر اس کی تلاش کا حکم بھی لازماً دیا ہو گا۔ سو نہا بھی تجدیدِ وفا کے لیے معافی مانگنے جا سکتی تھی اُس سے میں ایڈنا کا ذکر کر چکا تھا اور محض اتفاقاً مار شاہ اُن کی نگاہ میں بھی آ سکتی تھی، می جو جیسے شاطر شخص کے لیے کوئی بھی قدم مشکل نہ تھا، وجہ کوئی بھی رہی تھی میں دوبارہ دیکھا جا چکا تھا اور وہ لوگ پوری قوت سے باہر نکل آئے تھے۔

مادام شیلی پاؤں تھیسٹنی داخل ہوئی تو بیکر یکدم سیدھا ہو گیا، مادام خمیدہ سی چال سے قریب آکر سرگوشیاں آوازیں بولی۔ ”بیکر تمہاری بیٹی کے پیچھے دو کاریں دانیں بائیں سے نکل کر گئی ہیں ایک آگے نکل گئی ہے اور دوسری فاصلہ رکھ کر چلی تھی۔“

”شکر یہ شیلی!“ بیکر اچھل کر اُٹھا اور میرا شانہ تھپ تھپانے لگا۔ ”چلو میرے بچے۔“ میں نے اُٹھ کر مادام کو تعظیم دی جو اب اُس نے دایاں ہاتھ اُٹھا دیا تھا، اُس کے ہونٹوں پر پڑھوڑی مسکراہٹ ابھری اور فوراً معدوم ہو گئی تھی اگر فراغت ہوتی تو میں اُس باوقار خاتون کی سونہ ہوئی آنکھوں اور گھبرائی آدمی کی داستان ضرور سنتا لیکن میں تو نشیب میں گڑھکتا ہوا پتھر تھا۔ پتھر کی کسی اداں

خزاں رسیدہ جھاڑی سے ڈکھ کی کہانی کیسے سنتا۔

میں پچھلی نشست پر بکھرا ہوا چپ چاپ بیٹھا رہا۔ خاموشی کی وجہ یہ بھی رہی تھی کہ پیکر کے ہونٹ مقفل تھے اور میرے پاس کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں، بیکر نے پناہ کا یقین دلایا تھا اور جب تک وہ میری حفاظت کی ذمہ داری نبھاتا مجھے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ شہر کی روشنیاں دُور رہ گئی تھیں۔ بڑک روشن اور معروف تھی جس سے چہ چلتا تھا کہ آگے کوئی آبادی ہوگی، شہر سے کوئی دس پندرہ کلومیٹر دُور چھوٹے سے بازار کے عقب میں ایک ہلاک کے سامنے بیکر نے کار روک دی اور مجھے اشارہ کرتے ہوئے خود شیشے جڑھانے لگا اور گاڑی لاک کر کے سفری قیلا کندھے سے ٹھاکر چل پڑا، ہلاک کے اندر ہی گیٹ کو کھوکھو کر کے کھول کر وہ تنگ سے کار ڈیور میں داخل ہو گیا، اُس نے ایک بار بھی پلٹ کر مجھے نہ دیکھا تھا، غالباً پاؤں کی چاپ میری موجودگی کی گواہی دے رہی ہوگی۔

بھٹ کا سرخ جین آنکھ جھپکارتا تھا بھٹ واپس آ رہی تھی۔ بھٹ کے کواڑوں میں جھری منو دار ہوئی تو بیکر نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ بھٹ سے ایک جواڑوں ہی باہر آیا بیکر نے میرا ہاتھ چھو دیا اور نوجوان کے چوڑے سینے پر پتیلی رکھ دی۔ لڑکی کی نگاہوں میں سراپگی اُتر آئی تھی۔

”بے بی تم جاؤ“ بیکر نے لڑکی سے کہا۔ ”گوتم سے کچھ ضروری کام ہے۔“

”اُس کے پاس گاڑی نہیں ہے باس“ سیاہ رُودو گوتم منسایا۔ ”آپ اُوپر چل کر آرام فرمائیں میں اسے ڈراپ کرتا ہوں۔“ ”اوکے، لیکن تمہیں دس منٹ سے زیادہ نہیں دوں گا۔“ بیکر مجھے ساتھ لے کر بھٹ میں داخل ہو گیا۔

وہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا لیکن خالی تھا۔ کونے میں ایک پٹنگ، ساتھ ہی لوہے کی الماری تھی جس کا رنگ جگہ جگہ سے اُڑ چکا تھا، دو کرسیاں اور ایک پتائی، کمرے کی کل کائنات انہی چند اشیاء پر مشتمل تھی۔

”بیانے ہو یہ کون لڑکا ہے،“ بکری پر پیٹھ مار کر بیکر بولا۔ ”غالباً آپ کا ملازم“ میں نے اثبات میں گردن ہلا کر جواب دیا۔

”ہاں“ بیکر نے بتایا۔ ”مگر وہ ملازم کہلوانا پسند نہیں کرتا، اُسے تم وحشی سا نہ کہہ سکتے ہو جو میری دولت پر چل رہا ہے میرے

مخالفین اور مقروض اُسے پاگل مانتی کہتے ہیں، زندگی میں کسی نے متاثر کیا ہے تو گوتم اور خرم جودھری دونوں نے لڑکھوایا جاسکتا ہے، یہ اُس وقت مجھے ملا تھا جب غالباً یہ شہر واقف نہ ہوا ہوگا، اب گوتم ایک میٹرچی بن چکا ہے، وہ کہہ کر وہ اس منزل کو قبول کرتا ہے یا نہیں، بے حد اکترا اور غصہ لڑکا ہے۔“

”سینے اُنکل“ میں اُس کا مدعا جان گیا تھا۔ ”آپ اُنٹا وطبع سے واقف ہی نہیں بلکہ اعتراف بھی کر چکے ہیں۔“ موجودہ حالات میں کسی ایک بگ یا فرد سے وابستہ نہیں رہ سکتا کچھ حوالوں سے آپ کا ممنون ہوں اور بے حد احترام بھی کرتا ہوں ہمارے مابین جو ایک تعلق ہے اُسی کو برقرار رکھیں۔ گوتم کی جگہ خود کو کسی طرح بھی فٹ نہیں کر سکتا۔

”اوہ نہیں پیارے لڑکے“ بیکر میری ران تھپتہ ہو، ہنسنے لگا۔ ”میں نے وحشی مانتی کو تو سدھا لیا ہے مگر درندے کو اپنی ذات کے پنجرے میں بند نہیں کرنا چاہتا، صرف تمہاری سلامتی کی راہیں سمجھا کر رہا ہوں، جن لوگوں کو کرتے تم بکل آئے ہو، اُن کو ہم دونوں جانتے ہیں، اُن کے قوت اور لامحدود وسائل ہیں جب کہ تمہارے پاس انفرادی قوت اور ذہانت ہے، سوچو بھئی مل کر پیار کھو کھلا کر کئے مگر ایک شیر مہاڑوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، میں چاہتا ہوں کہ عرصہ اُن دہریے چربوں سے پوشیدہ رہ کر مستقبل کا کوئی راستہ بنا لیں گوتم شیر سے زیادہ قوی، ناگ سے بڑھ کر خطرناک اور کٹھن کہیں زیادہ وفادار ہے۔ اُس کا تعلق ریڈ انڈین قبائل سے ہے میں اُسے امریکہ سے بطور فاس لایا تھا۔“ ”ٹھیک ہے اُنکل“ میں شانے اچکا کر لاپرواہی سے ”اُسے اپنے لیے ہی مخصوص رکھیں۔“

”لیکن جب تک تم میری پناہ میں ہو، میں خود سے تمہاری نفی نہیں کر سکتا میرے بیٹے۔“

ایسے مہربان اور حساس شخص کو میں کیا جواب دیتا۔ میں نگاہوں کی زبان سے خاموش شکر ادا کر رہا تھا کہ دروازہ کھٹنے کی سرسراہٹ نے ہم دونوں کو اُدھر متوجہ کر لیا، گوتم جیک کی میسر میں ہاتھ مٹھوئے جگالی کے انداز میں منہ چلاتا ہوا داخل ہوا اور ٹھٹھاتا ہوا بالکل میرے سامنے دونوں ٹانگیں پھیلا کر روک گیا۔ میرے چہرے پر نہ تو دوستانہ مسکراہٹ تھی اور نہ ہی کبیدگی ظاہر تھی، البتہ گوتم گول گول سرد آنکھوں سے گھورنے لگا۔

”کیا یہ وہی مطلوبہ بٹلر ہے باس“ اُس نے میرا جائزہ لینے کے بعد پوچھا۔ ”جس کے لیے آپ نے اشتہار دیا تھا؟“ ”نہیں تم،“ بیکر سخت، ”مجھے میں بولا۔“ یہ خرم سلطان چوہدری ہے، میرا معزز مہمان۔“

”باس بیو،“ گوتم بولا۔ ”اتنا طویل نام سُن کر مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے، مجھے گولی مارنے کا فیصلہ اور نام بے حد پسند ہیں، اتنی دیر میں تو میں کم از کم پانچ گولیاں بدلت کے سینے میں اُتار سکتا ہوں میں نے اُس کا لیے حرکت کر کے لڑکے کو چونک کر پسندیدہ لگا ہوں سے دیکھا، جی داری کی باتیں مجھے اچھی لگی تھیں۔“

”تم مجھے خرم کہہ سکتے ہو گوتم“ میں بول پڑا۔ ”ہاں شکریہ“ وہ تھوکتا ہوا دو قدم بیکر کی جانب بڑھا۔ ”باس میرے لیے جو حکم ہے جلدی دے دو، مجھے ماریا کے ساتھ ڈر میں شامل ہونا ہے۔“

”ابھی تعارف نامکمل ہے تم،“ بیکر اُٹھ کر میرے قریب آگیا، میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولنے لگا۔ ”خرم اس حیرت انگیز اور عجیب نوجوان کا نام ہے جس نے مختصر مدت میں قوت و ذہانت کا مکمل اس شہر سے منوا لیا ہے۔ یہ وہ نوجوان ہے گوتم جس کی برتری ہانگ کانگ کے بے تاج بادشاہوں نے تسلیم کر لی ہے، جس کی صلاحیتوں سے تمہارا باس اس قدر متاثر ہے کہ اُسے دل و جان سے اپنا باس مان لیا ہے۔“

گوتم ناک اور آنکھوں میں ہنستا ہوا میرے گرد چکر لگانے لگا جیسے قصائی بکرا خریدنے سے قبل جائزہ لے رہا ہو، میری پشت پر بڑک کر معاً اُس نے گردن کے نیچے چپے پر ہاتھ مارا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے جھوڑے کی قریب لگائی گئی ہو، میں نے دانوں پر دانت جھاکر وہ زور دار ضرب سہلی، درگزر اور برداشت کی وجہ کوئی خوف یا بیکر کا احترام نہ تھا بلکہ وہ لڑکا مجھے پسند آ گیا تھا۔

”بھٹو۔۔۔“ اُس کی ناک سے چھنکار برآمد ہوئی۔ ”میں باس سے چربلا ہے اور میرا تجربہ ہے۔ چربلا مرد چھری تیرا نہیں ہو سکتا، خطرناک تو اثر دھما بھی ہوتا ہے مگر ناگ کی شان ہی دوسری ہوتی ہے۔“ ”میں بالکل دوستانہ ماحول میں یہ معاملہ طے کرنے آیا تھا۔“ بیکر بولا۔ ”لیکن تم باتوں سے نہیں بلکہ لالوں کی زبان بولتے اور جگتے ہو خرم پیارے کیا تم خود کو منوا کر میری تائید کر سکو گے؟“

میں نے پہلی بار چہرہ کھینچ کر گوتم کی جانب دیکھا وہ ابھی تک چہرہ جبار ہاتھ اور اُس کے کالے بھدے ہونٹوں پر سفاک

مسکراہٹ رکھتا تھا۔

میرے ڈھیلے چپے ٹکڑے ٹکڑے تھے۔

”مستقبل کی دوستیوں اور سچائیوں کے نام“ میں اُچھل کر اُٹھا اور گوتم گردن بڑھ کر مجھے طنزیہ نگاہوں سے گھورنے لگا۔

”گوتم کیا تم دوستانہ مقابلے کا فیصلہ قبول کر لو گے؟“ ”ہوں“ اُس نے ہونٹ سکیر کر اثبات میں گردن ہلائی۔ ”جب تم دوبارہ ہوش کی دُنیا میں لوٹو گے تو باس تمہیں میرے فیصلے سے آگاہ کر دے گا۔“

”تو پھر آگے بڑھو میرے بھائی“ میں نے کُرسی کو کھوکھو کر کے اُچھال دیا، بیکر نے بھی اپنی کُرسی دُور کر لی تھی اور گوتم نے جب زرد پٹی جیب سے نکال کر پیشانی پر باندھ لی تو مجھے خوف کے کہیں زیادہ خوش محسوس ہوئی، لڑکا کسی اچھے استاد کا نامور شاگرد تھا، ورنہ گنوار غنڈوں سے فحاش کرنے میں کوئی لطف نہیں آتا۔

گوتم کی جین مٹا آنکھیں یکدم اُبل سی پڑی تھیں اور رنگ جی سرخ ہو گیا تھا۔ وہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔ یہ علامتیں اُسے ایک ماہر فائر فٹا ہر کر رہی تھیں۔

اُس نے رقاصوں کی مانند صدمہ بھرا کیا اور بازوؤں کو ہلاتا ہوا بڑے ہی خوب صورت انداز میں میری جانب بڑھنے لگا۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی تھی کہ وہ پہلے کون سا داؤ استعمال کرنے کا فیصلہ

کر چکا ہے، وہ دونوں ہاتھ اڑائے سست رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا اور میں کو لھوں پر ہاتھ رکھے اُس کی سرخ انگار آنکھوں میں دیکھ رہا تھا کیونکہ مقابل فائر کا ہر ارادہ اُس کی آنکھوں کی پتیلیوں میں تیرتا رہتا ہے۔ جوں ہی اُس کے دونوں پاؤں زمین سے اُٹھے میں غوطے میں چلا گیا، گوتم حسب توقع تیرتا ہوا اوپر سے گزرتا جب دھماکے سے فرش پر گرا تو میں اُلٹی قلابازی کھا کر اُس کے اوپر پہنچ گیا لیکن گوتم بلاشبہ ایک پھر تیرا لڑکا ثابت ہوا تھا وہ بھی گرتے ہی رونگ کرتا تھا۔

دوسری بار بھی اگر وہ سابقہ حماقت کرتا تو مجھے ڈکھ ہوتا لیکن وہ دوسری حماقت سے بہت دُور تھا مجھے حماقت کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔

جب میں نے محسوس کر لیا کہ گوتم روک گیا ہے اور اب سنبھل کر میلا داؤ بچانا چاہتا ہے تو میں نے ہاتھوں کو روک کر زبان سے نفسیاتی حملہ کر دیا۔

”کیوں گوتم پہلا زخم ہی چلتے رہو گے۔ میں نے تو ابھی تمہیں

انگل بھی نہیں لگائی۔

”کواس نہیں وار کرو“ گوتم میری پہلی کوشش سے شعل ہو گیا تھا۔ ”ورنہ میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔“

”صرف لٹکا ہوں سے؟“ میں نے ہنس کر دوسرا حملہ کیا اور گوتم کسی باگل باغی کی مانند جھپٹ پڑا۔ پہلی جھلانگ سے اس نے فاصلہ کم کیا اور میں دائیں جانب جھک گیا۔ اسے میں یہ تاثر دینے میں کامیاب رہا تھا کہ میں متوقع حملے سے بچنے کی خاطر جھکا ہوں، دوسری جھلانگ میں وہ میرے سینے کی جانب راکٹ کی مساند سیدھا آیا اور میں نے اچھل کودوں سے بھیدیاں اس کے کانوں پر مار دیں۔ اس کے پھیلے ہوئے بازو غیر ارادی طور پر کانوں کی طرف اٹھ ہی رہے تھے کہ میں نے چتر زدن میں جھک لیے اور رانوں کے جڑ میں دائیں پاؤں کی نوک لگائی، اس کے حلق سے بڑی کڑبڑ دھڑکنا جھجک بھری۔ وہ جھکنا چاہتا تھا لیکن میری لڑائی کو طول دینے کے حق میں نہ تھا، مجھے تو اپنے آپ کو منوانا تھا اور بیکری باتوں پر تصدیق کی مہر ثبت کرنا تھی، پھر گوتم سے میری کوئی پر غاش بھی نہ تھی، وہ ایک جی دار لڑکا تھا اور میں ایسے لڑکے کو ناکارہ بنانے کا بھی کوئی رالودہ نہ رکھتا تھا۔ اس کے بازوؤں کو جھکنا دے کر اوپر کیا اور یکدم اپنا رخ بدلتے ہوئے گوتم کو پشت پر ڈال لیا اور دوسرے لمحے وہ میرے سامنے تھا، اس کے دونوں بازو میری گرفت میں تھے اور گوتم کی چوڑی پشت میری طرف... اب وہ میری پسندیدہ پوزیشن میں تھا، میں بڑی آسانی سے لات مار کر اس کی ریڑھ کی ہڈی کے مہر سے توڑ سکتا تھا۔

”گوتم۔ مستقبل کی دوستی کے نام پر تمہاری ریڑھ کی ہڈی سلامت چھوڑ رہا ہوں“ میں نے اپنا احسان جتا دیا اور اچھل کر اس کی دونوں رانوں پر دولتی ماری۔ وہ ڈکرتا ہوا پشت کے بل فرش پر چھپ سے گرا، تب میں نے دایاں پاؤں اس کے گلے میں نہر چھا دیا، وہ ہاتھ اور پاؤں فرش پر بری طرح مارنے لگا تھا۔

”فیصلہ کن دسے گا انگل؟“ میں نے چہرہ گھا کر بیکری جانب دیکھا۔ صرف چند سینکڑ دیتا ہوں پھر گوتم کے دانت اس کے حلق میں ہوں گے۔ اس سے قبل کہ بیکری قوت کو یابی دابک آتی گوتم نے ہاتھ اٹھا کر میری برتری تسلیم کر لی۔ شکست کا مخصوص اشارہ دیکھتے ہی میرا پاؤں اس کے منہ سے فوراً ہٹ گیا تھا۔ بیکر نے مانجے، مجھے میں کچھ کہا اور مجھ سے والہانہ چمٹ گیا، وافر عذبات

سے اس کے الفاظ بچکولے کھانے لگے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے کچھنے سے قاصر رہا تھا۔

چند منٹ گوتم جت پڑا گہری گہری سانس لیتا رہا پھر کروڑ بدل کر بیٹ کے بل اوندھا ہو گیا۔ ایک دو منٹ کینیوں پر بوجھ ڈالے وہ اٹھنے کی بھرپور کوشش کرتا دکھائی دیا پھر ایک طویل کراہ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ عجیب سی مسکراہٹ... اسے صرف میری آنکھوں نے ہی واضح طور پر محسوس کیا تھا۔ میں اس مسکراہٹ کو الفاظ کا بار نہیں پہنچا سکتا۔

”پیر ماسٹر؟“ وہ جھجک کر بولا۔ اس لمحے سے گوتم تمہارا اس قدر وفادار تابع دار اور طلب گار ہے جتنا کوئی کتا بھی اپنے مالک کا نہ ہوگا، تم خوب صورت دیوتا ہوا اور بے صد مہربان دشمن اور عظیم دوست ہو، گوتم کی گردن میں قبولیت کا پتہ ڈال دو۔ میں آگے بڑھا اور اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے اور پھر مجھے خود یاد نہیں وہ خود میری بائیں ہاتھوں کے حصا میں آگیا تھا۔ میں نے اسے اپنے سینے سے چھٹا لیا تھا۔

بیکر نے اسے اُدھیر کر مجھ سے الگ کیا تھا۔ ”اوہ گند سے لڑ کے“ بیکر میری جیکٹ پر خون دیکھ کر چیخا۔ ”تم نے خرم کا لباس خراب کر دیا ہے۔“ ”کوئی بات نہیں باس“ گوتم نے خوشدلی سے جواب دیا۔ ”ماسٹر کے لیے میں اپنی کھال کا جیکٹ تیار کر دوں گا۔“

”جاؤ پہلے اپنا چہرہ درست کرو۔“ بیکر ہنس پڑا۔ ”میں کافی کی طلب محسوس کر رہا ہوں اور مجھے واپس بھی جانا ہے، خرم اب یہاں رہے گا۔“

”اوہ گاڈ“ گوتم کے حلق سے نعرہ بلند ہوا۔ یہ خبر میری زندگی کی دل خوش کن خبر ہے۔ وہ دندنا رہا ہوا ہاتھ روم میں غصے گیا۔ بیکر بیٹھے بیٹھے اچھل سا پڑا جیسے کڑی کی سیٹ نے اسے کاٹ لیا تھا، پھر اس کے ہاتھ پھیلے سے اٹھ کھڑے، زپ کھول کر اس نے الیکٹرک ٹیل فون سیٹ نکال لیا، ایسا ہی سیٹ میں نے مادام جوزی کے... کمرے میں اُن دنوں دیکھا تھا جب فارم کا محافظ میرے دشمنوں سے خوفزدہ ہو گیا تھا اور اس نے مجھے مادام جوزی تک پہنچا دیا تھا۔

بیکر نے ہنر ڈال کر اٹھ لیا اور سیٹ کان سے لگا لیا۔ ”اس وقت کی اپنی پوزیشن بتاؤ ایڈی۔“ وہ ہنوں ہاں

کرنا ایڈی کا جواب منتار رہا۔

”اگر وہ تعاقب منقطع نہیں کر رہے تو تم واپس گھر چل جاؤ اور کھڑکیاں دروازے بند کر کے مجھ سے رابطہ قائم رکھنا، میں مادام شیلی کے آپارٹمنٹ کی جانب سے داخل ہوں گا۔“

”کیا وہ ابھی تک اس کے ساتھ چل رہے ہیں؟“ جوں ہی بیکر نے سیٹ کان سے ہٹایا میں نے بوجھ لیا۔

”ہاں“ بیکر نے متفکر انداز میں اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے مجھ سے سوال کر ڈالا۔ ”خرم کیا مارشال قابل بھروسہ لڑکی ہے؟“ ہو سکتا ہے کسی تشدد اور دباؤ کے تحت وہ اندر بھیجی گئی ہو اور اس نے الیکٹرک رابطے پر اُن کو تمہاری موجودگی سے آگاہ کر دیا ہو۔

”نہیں انگل“ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ”مارشال میرے لیے بالکل اجنبی ہے، مگر آپ کے اندازے کی ایک کڑی گم ہے، اگر مارشال اُن کو اطلاع کرتی تو وہ لوگ ایڈی نا کے پیچھے مارے مارے سڑکوں پر کیوں دوڑتے؟“

”بے شک تمہارا تجربہ اچھا ہے۔“ بیکر پر ستائش بھجے بولا۔ وہ ابھی تک اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اگر وہ چنگ کا گروہ ہے تو میں گھر جا کر اس سے رابطہ قائم کروں، البتہ می جیسے رابطہ مشکل ہے۔ بہت دنوں سے وہ زیر زمین رہ کر اپنی کشتی کا سواخ بند کرنے میں مصروف ہے۔

معاً میرے ذہن میں روشنی کا تیز جھماکا ہوا۔

”انگل آپ تھوڑی سی کوشش کر کے می جیسے ایک شاندار معاہدہ کر سکتے ہیں۔ اوشن اور گوچی کو آپ جانتے ہیں۔ ایک خونخوار میرے اوشن اور گوچی کے درمیان غلط فہمی چھوڑ چکا ہے۔ اوشن اپنی محبوبہ اور گوچی اپنی بیوی کا مجھے قاتل سمجھتا ہے۔ پہلے اوشن نے میرے عوض می جیسے کو یہاں سے فرار ہونے کی بجری سہولت پیش کی، پھر میرے سامنے اوشن اپنے پارٹنر گوچی کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ اوشن کی موت کے بعد وہی معاہدہ گوچی اور می جیسے کے درمیان... ابتدائی مراحل میں ہی تھا کہ سونیا اور شمعون مجھے لے آئے ماسی رات مارشال کے توسط سے مجھ پر شمعون کی سازش کا انکشاف ہوا۔ میں ایسے لوگوں کو کیسے معاف کر دیتا۔ مجھے یقین ہے می جیسے آج بھی ایک جہاز کا خراب ہش مند ہوگا۔ وہ اپنے ساتھ قیمتی پتھر اور فضیلت کا بھاری ذخیرہ فلپائن منتقل کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ اسے جہاز کی پیشکش کریں گے تو وہ خرم جو دھری کو فراموش کر کے فوراً یہ شہر چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔“

”اور تم خرم...“ بیکر نے سرسراہٹ ہوئی سرگوشی میں پوچھا۔ ”میرا کیا ہے انگل؟“ میں نے محسوس کیا میرے عقب میں کوئی گہری ٹہری سانسیں لے رہا ہے۔ وہ گوتم تھا جو نہ جانے کب دبے پاؤں واپس آ گیا تھا۔ میں چند دن گوتم کے ساتھ رہوں گا اور پھر کسی طرف نکل جاؤں گا میری منزل ہانگ کاٹنگ نہیں، میں وطن سے یونان کے لیے نکلتا تھا، آپ یقیناً میری مدد کریں گے، کوئی بھی تجارتی جہاز مجھے ملازم رکھ سکتا ہے۔“

”ہاں میں تمہاری مدد کروں گا۔“ بیکر خفیف اور کھوٹی کھوٹی آواز میں بولا۔ لیکن جیب وقت آگے گا۔ ”میں بلا تاخیر اس ظالم شہر سے نکل جانا چاہتا ہوں انگل۔“ ”اور اُن ظالموں کو کس خانے میں فٹ کر دو گے میرے پیچھے۔“

بیکر نے مضبوط آواز میں پوچھا۔ ”کوئی شہر عمارتوں کی وجہ سے ظالم نہیں ہوتا۔ اس شہر کو اس کے شہری ظالم بنا دیتے ہیں۔ کیا اُن کو معاف کر دو گے خرم جو دھری، جنہوں نے ایک معصوم نوجوان کو قاتل اور زندہ بنا دیا ہے۔ نہیں میرے بیٹے، اُن کا جرم ناقابل معافی ہے، شاید می جیسے شہر چھوڑنے کے ساتھ خرم جو دھری کو بھجول جائے گا لیکن وہ زردیطان چنگ قبر میں بھی تمہیں پکارے گا، تم اس کی نفسیاتی مجبوری بن چکے ہو۔ یہ بات صرف میں ہی ذوق سے کہہ سکتا ہوں کہ چنگ تمہاری گم شدگی کی وجہ سے ذہنی مریض بن گیا ہے وہ آباد نیلے چپے چپے پر تمہیں تلاش کرے گا۔“

جہاں دیدہ بیکر نے میری دکھتی رگ پر انگلی رکھ کر بلاشبہ میرے اندر سوتے ہوئے انتقام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں اُن شیطانوں کو کیسے معاف کر سکتا ہوں جنہوں نے میرے صاف ہاتھ خون آلود کر ڈیٹے تھے، جن کی وجہ سے میرا صاف ستھرا نامہ اعمال بے حد جھل اور گندا ہو گیا تھا۔

”باس“ گوتم کی غڑبھٹ کرے میں ابھری۔ مجھے بناؤ باس میرے ماسٹر کا دشمن کون ہے، صرف تم نام اور مقام بتاؤ، میں اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ کر دوں گا۔

”ایک نام اور مقام نہیں تم۔“ بیکر نے بتایا۔ اس کے دشمن دو طاقت ور گروہ ہیں۔

”اگر دو طاقت ور تک بھی ہوتے تو گوتم بھی فیصلہ کرتا، گوتم کی آواز میں بھیرے جیسی سفاکی عود کر آئی۔ ”اب میں بھی دو ہوں، باس... ماسٹر اور میں ساری دنیا فتح کر سکتے ہیں۔“ ”ہاں مجھے یقین ہے۔“ بیکر خرم انداز میں سر ہلاتے لگا۔

"لیکن میرے بچو! میرا تجربہ کا دھڑکن کچھ اور سوچ رہا ہے۔ ہم انتقام ضرور لیں گے لیکن ایسا انتقام جو صرف ذہن اور بہادر دشمن لیا کرتا ہے۔ کسی کو موت کی تاریکیوں میں دھکیل دینا دانشمندانہ اقدام نہیں ہوتا، جو جاتا ہے، وہ سارے جذبے، خواہشیں، منصوبے اور سوچیں اپنے ساتھ لے کر گہری نیند میں ڈوب جاتا ہے۔ اُسے اپنی ناکامی کا کوئی دکھ نہیں رہتا۔ کوئی بھی ذمی ہوش شخص اپنے دشمن کو سکون کی نیند سونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ دشمن سے اتفاقاً ایسا لو کہ وہ کھلی آنکھوں اور زندہ جسم کے ساتھ سب کچھ دیکھ سکے۔ محسوس کر سکے۔ اُسے ذہنی اور مالی چرکے لگاتے چلے جاؤ، جسم کو وہ خود کسی لمحے مار دے گا۔ انتقام گولی سے نہیں بلکہ ذہن سے لوداز سے نکلی ہوئی بے آواز گولی دشمن کو جواذیت دیتی ہے وہ کیسے کی گرم گولی نہیں دیا کرتی۔

"اوہ باس! گوتم بھتیجیاں رگڑتا ہوا بے قرار لمبے میں بولا۔
"تو پھر ہم کیوں نہ اُسی جہاز میں سفر کریں جس میں می جو کا مال جا رہا ہو۔"
"تم میرے ذہن میں مت جھانکا کرو، میں اُسی لائن پر سوچ رہا ہوں۔ لیکن میری اور تمہاری سوچ سے کچھ نہ ہوگا۔ ہم تو صرف سوچ سکتے ہیں عمل کرنے والے ہاتھ جب تک ہماری سوچ کی پشت پر نہ ہوں گے ہم کچھ نہیں ہیں۔"

"اور وہ ہاتھ! گوتم نے اکرڈوں بیٹھ کر میرے دونوں ہاتھ اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیے۔ "ہاں باس، طاقت اور عمل کی علامت یہ ہاتھ ہیں۔ لیکن یہ ہاتھ اب گوتم کے ہاتھ ہیں باس۔ کیوں ماسٹر؟"
"ہاں گوتم! میں نے ہاتھ کی ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا: میرے ہاتھوں کو جس طرح چاہو استعمال کر سکتے ہو۔"

"شکر! ماسٹر! گوتم نے اٹھتے اٹھتے میرے گھٹنے کو چوم لیا ٹھیک ہے باس تم معاہدہ طے کر لو۔"

"لیکن انکل! میں نے گوتم سے نگاہیں مچراتے ہوئے کہا: میں دوبارہ اُسی زلزل میں داخل نہیں ہونا چاہتا۔ می جو بھیل جانے کا اور جنگ جی بھی سامنے شہر کی بادشاہت کے نشے میں ڈوب جائے گا میرے لیے یہاں سے نکلنے کا یہی بہترین وقت ہے۔"

"میں تمہیں روکوں گا نہیں میرے بیٹے! بیکرزم اور شفیق آواز میں بولا: لیکن ایک تیرے دوست کارگیوں نہ کرو، جہاں بھی جاؤ گے زندہ لوگوں کے درمیان ہی رہو گے، ہرج مری جو اور جنگ ہوتے ہیں تمہاری خالی جیب پھر کسی می جو کو متوجہ کر لے گی۔ میں واضح کرتا ہوں کہ مجھے دولت کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ امریکا، برطانیہ اور سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں

میری دولت محفوظ ہے، جو کچھ تم اس مشن سے حاصل کرو گے تمہارا اپنا ہوگا۔ جب تمہارا ہاتھ خالی نہ ہوگا تو کوئی جنگ جی تمہیں کام اور دام کا جھانڈے کر چھینوا سکے۔ تم قیامت سے بھی اپنی مرضی کا راستہ جن سکتے ہو۔ لیکن می جو کسی اندھے بھکاری کا نام نہیں انکل! میں نے ٹکے کا سہارا لیا: وہ اتنے بڑے غزالے کو کسی دوسرے کے دم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ پانفس نفیس نگرانی کرے گا۔ اُس کی موجودگی میں خرم چودھری کے سامنے صرف دو ہی راستے کھل سکتے ہیں کسی بھی لمحے سامنے جا کر اُسے مارا جائے یا جہاز کے کہیں پر بھوکے چرے کی طرح زندگی بسر کی جائے وہ اور اس کے کارندے مجھے دیکھتے ہی جھپٹ پڑیں گے۔

"یہ باتیں بہت بعد کی ہیں: بیکر نے جواب دیا: میں اتنا بھی احمق نہیں ہوں کہ اپنے پیارے بیٹے کو کھلے سمندر میں دھکیل دوں۔ نہیں میرے بچے کبھی بیکر کا نام بھی جرم کی دنیا کا روشن ستارہ تھا جنگ جی میرا معاون رہ چکا ہے۔ میں جب فیصلہ کروں گا تو می جو کے دماغ سے ہی سوچوں گا بھی۔ ابھی تو می جو پر حال چھینکا ہے۔ اگر وہ جال میں آگیا تو ہم مل کر شنداز پلاننگ کریں گے۔ فی الحال تم ساری سوچوں سے نکل کر آرام کرو اور خود کو ایک دلچسپ بحری سفر کے لیے تیار کرو۔ اس نے بیگ سے الیکٹرانک ٹیلی فون سیٹ نکال کر تیانی پر رکھ دیا۔

"تم باہر نہیں نکلے گے تمہاری ضروریات کا گوتم خیال رکھے گا اور احتیاطاً یہ لاسکی سیٹ استعمال کرنا: اس نے اٹھ کر ہسپ پائلٹ کی زپ کھولی اور پرس نکال کر ہانگس کی جانب اچھال دیا۔ جسے گوتم نے شاندار ڈائیو لگا کر فضا میں ہی دبوچ لیا تھا۔ اس کی حیرت انگیز چھڑتی پر میرے چہرے پر ستاشی مسکراہٹ کھل اُٹھی تھی: میں گھر پہنچتے ہی تمہیں کال کروں گا! بیکر نے قدم بڑھاتے اٹھتے کہا چونکہ گوتم مؤدب سی چال چلتا ہوا اس کے ساتھ چل پڑا تھا اس لیے اخلافا مجھے بھی گریس چھوڑنی پڑی۔

لنٹ میں داخل ہونے سے قبل بیکر نے گوتم کا شانہ تھپ تھپایا اور میرے گال پر ہلکی سی چپٹ لگائی اور منہتا ہوا لنٹ میں داخل ہو گیا تھا۔

میں سفید دیوار پر مار کر سے کھٹے ہوئے ٹیلی فون نمبر پڑھنے لگا اور گوتم نے کیمڈن ہل پر ہاتھ رکھ دیا اور جھپٹی جھوٹی آواز میں بولا: "منہیں ماسٹر آپ ان نمبروں کو یاد نہ کریں کیونکہ یہ سارے نمبر میری محبوباؤں کے ہیں۔ جواب صرف مجھے فون کیا کریں گی مگر میں کسی کو گھاس نہیں ڈالوں گا۔ یہ سب تنہائی کی پیداوار تھیں: اُس نے تھیلی سے سارے نمبر رگڑ کر مٹا کر دیئے اور ہاتھ جھڑک کر چل پڑا۔

اندرا کریش لانگ بوٹ اُتارنے لگا تو گوتم سینے پر ہاتھ باندھ

کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ گردن ذرا سی طیرھی کر کے دیکھنے کا انداز دہی تھا جس نے مجھے متاثر کیا تھا۔
"بہت شاندار ہوا ماسٹر! وہ تمہاری آواز میں بول رہا تھا، اس آسمان سے اترے ہو؟

"کیوں میری بے بسی کا مذاق اڑاتے ہو گوتم! میں نے دکھ سے خوں سانس لی۔ آسمانی مخلوق کے ساتھ کوئی مجبوری اور بد نصیبی نہیں بتوا کرتی جبکہ میں..."

"ہاں دکھ! گوتم بڑبڑایا: یہ قدیم دونوں میں مشترک ہے۔ میں سمجھتا ہوں ماسٹر انسان کو اگر دکھ کا کوئی زہر بلا ناگ نہ ڈس لے تو انسان اپنے خول سے باہر نہیں نکلتا۔ اگر میں دکھی نہ ہوتا تو آج بیکر جیسے مہربان آقا اور آپ جیسے عظیم انسان سے بہت دور کھینچ باڑی کر رہا ہوتا۔ وہ دکھ کا زہر ہی تھا ماسٹر جس کی جلن نے مجھے کھیت اور وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ زہر کج بھی میری رگوں میں خون کے ساتھ دوڑ رہا ہے اور جب تک میری تلاش کو منزل نہیں ملے گی میں بے قرار بگولے کی مانند زمین کے سینے پر سرگرداں ہی رہوں گا۔"

"ایک دکھ پیٹ کا بھی ہمارے ساتھ ہے گوتم: میں نے خالی مودے کی جلن محسوس کرتے ہوئے گوتم کے دکھ کو پس پشت ڈالتے ہوئے کہا: پہلے کچھ کھانے کا انتظام کرو! پھر ہم احمیتان سے ایک دوسرے کے زخم دیکھیں گے۔"

"میں دیکھتا ہوں ماسٹر! گوتم دیوار گیر الماری کی طرف بڑھتے ہوئے بولا: دراصل یہاں کی لڑکیاں بہت اچھی مہمان ہیں، کوئی رکاوٹ یہاں آ جاتی ہے اور میری میزبانی کا شکریہ ادا کر کے واپس چلی جاتی ہیں۔"

"پیارے یہ لڑکیوں والی عادت ہمارے درمیان نہیں چل سکے گی: میں نے یقین سے بولے کہا اور گوتم نے حیرت سے چہرہ گھٹا کر مجھے دیکھا: "ہاں پیارے بھائی ہمارے بزرگوں کا قول ہے کہ مونچھ کی دوستی قابل اعتماد ہوتی ہے۔"

"اوہ ماسٹر! وہ الماری کا پٹ تھام کر بسکا: میں... میں مارا کو نہیں چھوڑ سکوں گا، بڑی دکھی اور دانا دار لڑکی ہے، صرف ایک لڑکی ماسٹر۔"

"ٹھیک ہے گوتم! میں نے مسکرا کر اس کا آئرا ہوا چہرہ بحال کر دیا: لیکن بسے یہاں نہیں لاؤ گے: اس نے کوئی جواب نہیں دیا، الماری سے بند ڈبے نکال کر کچن میں گھس گیا تھا اور میں یادوں کے گرداب میں منوطے لگانے لگا۔

ابھی میں اندر کے خرم چودھری کو رگڑ رگڑ کر اپنی راہ ہلانے میں مصروف ہی تھا کہ گوتم تڑپے کیے کچن سے باہر نکل آیا اور میں اندر کے ٹھال خرم کو چھوڑ کر گوتم کی جانب متوجہ ہو گیا۔

گوتم نے مختصر وقت میں ریڈی میٹر کھانا تیار کر لیا تھا، مٹر کے دانوں کے سوا اور کچھ میری سمجھ میں نہ آیا تھا۔ بہر طور سبز نیوں کا مغویہ لذیذ تھا۔ نرم اور گرم سلاش بھی مزے دار ہی تھے جب تک میں کھانا ختم کرتا اس نے کافی کے دوپ بھی تیار کر لیے تھے، تڑپے ایک طرف کر کے اس نے تڑپے مؤدب انداز میں مجھے کافی پیش کی اور دوسرا کپ لے کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ دو تین سپ لے کر میں نے مسیجی نگاہوں سے گوتم کی جانب دیکھا۔ وہ پیالے کے الحق سے میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ لحظہ بھر سکڑا کا تہا دل جاری رہا تھا: "ہاں پیارے! اب اپنا مکمل تعارف کرو: میں نے برادر زادے میں کہا: تم نے کسی دکھ کی بات کی تھی؟"

"پیشے آپ ماسٹر! وہ گری پر پھیل کر مسکرا دیا: آپ کی کہانی یقیناً شگامہ خیز ہوگی۔"

"ایسا نہیں ہے پیارے: میرے اندر سے طویل سانس اُبھری ہیں سے مختصر الفاظ میں اپنی روداد اسے سنا دی۔

"میری کہانی آپ کی کہانی سے خاصی مختلف ہے ماسٹر! وہ کافی کا بڑا گھونٹ حلق میں اندیل کر آئیں سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے بولا: "میرے خاندان کا آباؤ اجداد پیشہ زراعت ہے، ہم اتنا کمالتیے ہیں کہ ملازمت کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی۔"

"تو پھر تم بے وطن کیوں ہوئے گوتم؟
"باپ کی تلاش میں: وہ یکدم غمزدہ ہو گیا: اور ماں کی سرخروئی کے لیے۔"

"اوہ! میرے مٹھے سیٹی کی آواز نکلی: تمہارا باپ...
"میں جب زرعی انسٹی ٹیوٹ سے ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر گھر گیا تو میری ماں بیمار تھی۔ اُس نے مجھے قریب بٹھا کر کہا: گوتم اب وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ تم جیم نہیں ہو، اور نہ ہی میں حرام کار ہوں۔ میں خاندان بدر ہوئی۔ مجھ پر آوارگی کا الزام لگایا گیا میں خاموش رہی۔ تمہیں ناجائز قرار دے دیا گیا میرے لب بھر بھی بند رہے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ میرے بیج کا ثبوت تلاش کرنے والا میرا بیٹا کم سن تھا۔ اب تم اس قابل ہو، جاؤ اور آباد دنیا میں اس شخص کو تلاش کرو: ماں نے ایک تصویر میرے ہاتھ پر رکھ دی: یہ تمہارا جائز باپ ہے گوتم... میں نے جب تصویر پر نگاہ ڈالی تو خوشی سے میرا دل پھٹ گیا، میرا باپ سیاہ فام تھا۔ ماں نے سلسلہ کلام جاری رکھا: بتا کر اس کا نام سلیمان المہدی ہے اور ہماری ملاقات زرعی کالج

میں ہوئی تھی۔ وہاں ہی اُس نے مجھ سے اسلامی طریقے سے شادی کر لی تھی۔ چونکہ سلیمان اپنی گورنمنٹ کے خرچ پر تعلیم حاصل کرتا تھا تو اس لیے فارغ ہونے کے بعد معاہدے کی رو سے اُسے ایک بار واپس جانا تھا۔ وہ مجھے چھوڑ کر اپنے وطن ملائیشیا چلا گیا اور پھر کبھی اس نہ آیا۔ تب میں اُسی دن ماں کی دعا میں لے کر گھر سے نکل پڑا۔

"کیا تلاش ترک کر چکے ہو؟" میرا سوال سن کر وہ تڑپ اٹھا۔

"اوہ نہیں ماسٹر، میرا مشن باس نے سنبھال لیا ہے انھوں نے اپنے کارندوں کو تلاش پر لگا رکھا ہے۔"

میں اُسے یہ بات بتانا نہیں چاہتا تھا کہ تمھاری ماں اور تمھارا درو کوئی دوسرا محسوس نہیں کر سکتا۔ لیکن میں اُسے بیکر کے خلاف درغلانے کا جرم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عین ممکن تھا گوتم میری بات کی روح سمجھ لیتا اور فی الفور کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیتا۔ میں بھی گوتم کو اب ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ایک وفادار ساتھی کی ہمیشہ سے آرزو رہی تھی اور گوتم کی ذات میں مجھے اپنی آرزو کی تکمیل دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے جمہوری اور گوتم اٹھ کھڑا ہوا۔

میں چپ چاپ لٹا سہا پٹ چھت کو ہی گھورتا رہا تھا گوتم نے مجھے بتا دیا تھا کہ ہر انسان جاہ پسند ہے۔ واقعی اگر میرے اندر خود کو گوتم سے بہتر ثابت کرنے کی خواہش نہ ہوتی تو میں اپنے فن اور بازوؤں کی قوت کا مظاہرہ کبھی نہ کرتا۔ اس نے کرسیوں کے ذریعہ کش سر کے نیچے رکھے اور میرے جوتوں کے ساتھ لیٹ گیا پھر نہ وہ کچھ بولا اور نہ میرے اندر کچھ کہنے کی ہمت رہی تھی۔

نادر گاہے کی تربیت گاہ سے نکل کر وہ پہلی رات تھی جو بے خواب نہ تھی میں پرسکون یونینڈے کر جب بیدار ہوا تو مرغ کی اذان سن کر میں ہڑپڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے گھر سویا ہوں اگر انسان کی طرح مرغ بھی جغرافیائی فاصلوں سے متاثر ہوتے تو اس مرغ کی بولی مجھے ہرگز نہ تڑپاتی۔ وہ مرغ تو بالکل مائی علقو کے مرغ کی زبان بول رہا تھا۔

پتنگ کی چڑچڑاہٹ نے گوتم کو بھی بیدار کر دیا تھا۔ وہ اچھل کر گھٹنوں کے بل چڑھ گیا تھا۔ کیوں ماسٹر ابھی تو بہت سویرا ہے؟ اُس نے کر کے کا جائزہ لینے کے بعد پوچھا۔ "اوہ شاید آپ بیڈی کے عادی ہیں؟"

"نہیں پیارے۔ میں نے انگڑائی لے کر بتایا۔ مدت بعد پرسکون رات کی صبح صادق نصیب ہوئی ہے، میں چاہتا ہوں اپنے رب کا شکریہ ادا کروں۔"

"عبادت...؟"

"ہاں سلیمان الہدی کے بیٹے۔ میں نے پاؤں نیچے لٹکائے تو

گوتم نے اپنے سپر سیرس کر دیے۔ "گوتم تم بھی تو باپ کے حوالے سے سلم ہو اندر سب اونٹن باپ کی طرف سے..."

نیلی فون سیٹ کا بزرگ گنگنا نے لگا۔ میری آواز حلق سے چپک کر رہ گئی تھی۔ گوتم نے سیٹ اٹھا کر میری جانب بڑھا دیا۔

"صبح بخیر انکل۔ میں نے موڈب آواز میں کہا۔

"رات کسی رات میرے بیٹے۔ بیکر نے مخصوص لب لہجے میں پوچھا۔

"سناؤ..."

"میں نے اسی لیے تمھیں ڈسٹرب نہیں کیا۔ بیکر نے کہا۔ ایڈی اغوا کر لی گئی ہے۔"

"اوہ نہیں انکل۔ میرے حلق سے دھلاؤ اٹھری اور گوتم کے نکتے بھی بچھڑ پھڑانے لگے تھے۔ میں... میں آ رہا ہوں انکل۔"

"نہیں خرم۔ بیکر کی کڑھ آواز ابھری۔ تم نہیں حرکت کرو گے پہلے پوری بات سن لو۔"

"لیکن انکل میں کیسے...؟"

"میری بات تو سنو۔ بیکر نے میری آواز کو دوبارہ جھٹکا۔ بارہ بجے

بکٹاپس ڈائی تو میں نے جنگ سے رابطہ ملا یا وہ خود حیران ہو گیا پھر کسی کے توسط سے جی جی کے کچھ ٹھکانے معلوم ہوئے۔ میں تمام رات سڑکوں پر پڑتا رہا ہوں۔ اب سے چند منٹ قبل جی جی سے ملی فون پر بات ہوتی ہے۔

اُس نے جب تمھارا مطالبہ کیا تو میں نے صاف لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے یقین دلایا کہ میں صبح سات بجے گھر سے نکلا تھا اور گیارہ بجے آپس آیا تو ایڈنا غائب تھی اور تمھارے کسی کارندے نے مٹی فون پر پیغام ٹیپ

کر دیا تھا۔ پھر اُس نے خود ہی دوسرا مطالبہ کر دیا۔ وہی جس کا منصوبہ پہلے دلوں میں تھا۔ ایڈی نے اغوا ہو کر ہماری پہلی مشکل بہت آسان کر دی۔

"وہ ایڈی کو کب رہا کر رہا ہے؟ میں نے جھنکارنی آواز میں پوچھا۔

"ابھی نہیں۔ بیکر نے بتایا۔ ابھی تو ہمارے درمیان بانٹاؤ بات

ہوگی۔ وقت اور مقام وہ کسی وقت خود بتائے گا۔"

"اُسے نہیں رہنا چاہیے وہاں انکل۔ میں نے زوردار لہجے میں احتجاج کیا۔ بھڑیلوں کے سول میں اُسے نہیں چھوڑا جاسکتا۔ آپ کسی طرح مارشالے میرا رابطہ قائم کروائیں؟"

"وہ... وہ ابھی تک ایڈنا کے بیڈروم میں دبی رو رہی ہے۔ بیکر نے بتایا۔ بے حد خوف زدہ ہے۔"

"پہنچاؤ انکل اُسے جلا میں۔ جب میں خاموش ہوا تو گوتم نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"تم ایک ہم پر جانے کی تیاری کرو گوتم۔ میں نے اُس کے ساتھ سوالوں کا ایک ہی جواب دیا۔ ہمارے دشمن کی میٹھی اغوا کر لی گئی ہے

اور ہمیں اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ میرے خیال کے برعکس گوتم نے یہ ہونا ک خبر خاموشی اور سکون سے سنی تھی۔ یہ اس کی ایک اضافی فون میرے علم میں آئی تھی وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑبار اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ ذرا سا دباؤ پا کر پھٹ پڑنے والے لوگ عمل کے میدان میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ بہادر لوگوں میں ہی یہ وصف ہوتا ہے کہ وہ ہر ضرب خندہ پیشانی سے سہلے۔

رہسپور سے جوں ہی سانس کی پھنکار میری سماعت سے ٹکرائی میں نے اصول سے قطع نظر اُدھر کی آواز کا انتظار نہ کیا۔ سانسوں کی لڑکھڑاہٹ بتا رہی تھی کہ مارشالہ دوڑتی ہوئی آئی ہوگی۔

"مارشالہ خاموشی سے تم میری باتیں صرف سنو گی۔ مارشالہ دبی سی سسکی سنائی دی۔ رونا بند کرو۔"

"میں سن رہی ہوں خرم۔ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔

"میری ہدایت تم سن چکی ہو۔ میں نے سر دھجے میں کہا۔ اب توجہ سے سنو۔ ہم دونوں سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ مجھے سکتے

دامن کے ساتھ اس پُرسکون خاندان کے درمیان نہیں آنا چاہیے تھا اور تمھیں بھی میری طرف آنے کا جذبہ باقی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہماری خطاؤں کی سزا ان کو مل رہی ہے اور اب ہمارا فرض ہے

کہ ہم ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی لگائی ہوئی آگ بجھائیں۔ پہلے نذرین کی ادائیگی میں ہمارے ہاتھ جل جائیں۔ ہمیں بہر طور کفارہ ادا کرنا ہے

تمھارے ذمے صرف اتنا کام ہے۔ فوراً نکل جاؤ۔ ایڈنا کو تلاش کرو۔ کیا تم اس کی خوشبو پر چل سکو گی؟"

"ہاں۔ مارشالے پرجوش آواز میں بتایا۔ میں اس کا بستر استعمال کر چکی ہوں۔"

"گڈ۔ میری زبان سے بے ساختہ آواز نکلی۔ تم صرف ٹھکانہ تلاش کر کے مجھے قریب ترین مٹی فون بوتھ سے آگاہ کرو گی اور پھر تمھاری

ڈیول منجم ہو جائے گی۔ میں نے گوتم سے پوچھ کر اس کا فون نمبر اُسے نوٹ کر دیا۔ ابھی میں رہسپور کان سے شانے بھی نہ پایا تھا کہ بیکر

کی کھرجھرائی آواز اٹھری۔

"تم... تم کیا کرنے جا رہے ہو میرے خرم، سنو پیارے بچے،

مجھ بوڑھے پر بھروسہ رکھو، تم کوئی جذباتی قدم اٹھا کر میری زندگی خطرے میں ڈال دو گے۔ ایڈی میری بنیادی اور زندگی کی علامت ہے اُس کے سوا میرے پاس جینے کے لیے کچھ نہیں میرے بیٹے۔"

"میں جانتا ہوں پیارے انکل۔ اُس کی گریہ زاری نے میری آنکھیں فناک اور گھٹے میں پھندا سا ڈال دیا تھا۔ اپنے بیٹے پر بھروسہ

رکھیں۔ میں جو کبھی قدم اٹھاؤں گا یہ احساس میرے ساتھ رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے فوراً رہسپور کان سے دور کر لیا تھا۔ تاکہ بیکر میرے ارادوں اور حوصلوں کی دیواروں میں دراڑیں نہ ڈال دے۔

"میرے ساتھ آؤ۔ تم۔ میں نے سر کو جھٹک کر بیکر کی باتوں کے اثر کو زائل کرتے ہوئے کہا۔ آج ہم عبادت کریں گے۔ گوتم بلاشبہ تابعداری کی اعلیٰ ڈگری پر تھا۔ اُس نے میری طرف استغناء میں نگاہ بھی نہ اٹھائی تھی۔ چپ چاپ میرے ساتھ چل پڑا اور میری تقلید میں وضو کرنے لگا تھا۔

"آہ۔ وہ تو ایسے ہاتھ منہ خشک کر کے بولے۔ یہ تو بہت اچھی عبادت ہے ماسٹر۔ مختصر وقت میں جسم کے تمام ضروری اعضا دھل جاتے ہیں۔ وہ معصوم سانچو جوان شاید وضو کو ہی عبادت سمجھ رہا تھا۔

"ہاں بہت اچھی عبادت ہے۔ میں ہنس پڑا۔ اور ہم مسلمان دن میں پانچ مرتبہ ایسی عبادت کرتے ہیں۔ اب تم بتاؤ

کہ مغرب کی سمت کدھر ہے۔ وہ صرف بڑی عبادت کی چھوٹی سی ابتدائی عبادت تھی۔ اصل عبادت اب ہوگی۔ اُس نے سمت بتائی تو میں نے نماز سے متعلق چند ضروری باتیں سمجھا دیں اور وہ

میری تقلید میں نماز پڑھنے لگا۔

دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر میں نے صرف ایڈنا کی سلامتی مانگی اور

اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ نادر گاہے کی تربیت گاہ سے نکلنے کے بعد وہ پہلی صبح تھی جب میں نے کیوٹی سے نماز ادا کی تھی۔

"اوہ ماسٹر۔ گوتم سرشاری سے بولا۔ یہ تو اب معلوم ہوا تم عربی زبان بھی بول لیتے ہو؟"

"ہاں بھائی۔ میں نے مسکرا کر اُسے بتایا۔ اتنی عربی دنیا کے سارے مسلمان جانتے ہیں۔ آج سے تم بھی تمام مسلمانوں کے

بھائی بن گئے ہو۔ میں نے جواب دیا اور گوتم گہری سوج میں ڈوب گیا۔ کیا سوچنے لگے ہو تم؟"

"کچھ نہیں ماسٹر۔ وہ پھر وہ آواز میں بولا۔ ویسے ایک خیال آگیا تھا۔"

"اوہ۔ میں یکدم شرمندہ سا ہو گیا۔ کیا تم اس لیے پریشان ہوئے ہو کہ میں نے حکمتاً تمھیں مسلمان بنایا ہے۔ اس میں تمھاری

رضامندی شامل نہیں، اگر ایسا ہے تو بخدا تم آزاد ہو، خود مختار ہو۔ میرا مذہب جبر کا قائل نہیں ہے۔"

یہ بات نہیں ماسٹر۔ اس نے نگاہیں جڑاتے ہوئے کہا۔

"اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟ کیا مسلمان بھوٹے فریبی

اور بزدل ہوتے ہیں؟

”نہیں ہرگز نہیں“ میں نے تڑپ کر جواب دیا۔

”تو پھر میرے باپ سلیمان المہدی نے مسلمان ہو کر میری ماں کو تباہ کیوں کیا ہے؟ اس نے اپنی جھوٹی محبت سے اس کو کیوں جکڑا تھا۔ وہ بزدلوں کی طرح کیوں چھپتا پھرتا رہا ہے؟“ وہ ایک فرد کا ذاتی فعل اور کردار ہے گو تھم۔ میں نے جواب دیا۔ جس طرح ہر شہر ہر ملک اور ہر قوم میں بُرے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح ہر مذہب میں بُرے لوگ ملتے ہیں۔ وہاں سوال سلیمان نے ایسا کیوں کیا تو جب وہ ملے گا تو وہی اپنے فعل کا جواز بھی پیش کرے گا۔ عین ممکن ہے کوئی معاشرتی مجبوری اس کے آگے آتی ہو گو تھم پیارے ہم مذہب لوگ معاشرے کے مضبوط کھونٹے سے بندھے ہوئے رہتے ہیں۔ کوئی رستہ تو اجاتا ہے اور کوئی بے بس ہو کر رہیں ہانتارہ جاتا ہے؟

”ٹھیک ہے۔ میں اچھا مسلمان بنوں گا۔ گو تھم کے بیوں پر پیاری پیاری مسکراہٹ کی چاندنی چمک اٹھتی۔

ٹھیک بارہ بجے الیکٹرانک فون کا بزدل بیدار ہوا۔ میں اور گو تھم اندر کے اضطراب کو تماشے کے پتوں سے بہلانے میں مصروف تھے میرے کان اور ذہن ٹیلی فون کال کے منتظر تھے صرف آنکھیں اور ہاتھ پتے چلا رہے تھے۔

گو تھم نے اجازت طلب نہ کیا ہوں سے میری جانب دیکھا اور میں پتے پھینک کر خود فون کی طرف بڑھ گیا۔ ریسپور کان سے لگا کر ایک طویل سانس لے کر اضطرابی کیفیت دور کرنے لگا۔

”میں حاضر ہوں اٹل۔ میں نے سیکر کی ہر اطلاع کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا۔“ ایڈنا کی کوئی خبر؟

”میرا اور صرف صبر میرے بیٹے۔ بیکر کی مخصوص نرم اور گداز آواز اُبھری۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ بخیریت ہے۔ مگر اس جابی سے کوئی بڑی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ملاقات کا وقت نہیں دے رہا۔ مصروفیات کی آڑ میں ٹال مٹول کر رہا ہے۔ میرے اصرار پر اس نے ایڈی سے ٹیلی فون پر گفتگو کرائی ہے۔ ایڈی کے حوصلے نے مجھے بڑا سہارا دیا ہے۔ اس نے محتاط گفتگو کے دوران مجھے بتایا ہے کہ خرم چودھری ہمارے ہاں نہیں آیا۔ یہی بتانے تمہیں فون کیا ہے۔ اسے بہت آرام سے رکھا گیا ہے۔ دو عورتیں اس کی خدمت کے لیے مقرر ہیں۔“

”آپ مطمئن ہیں انکل؟“

”مجھ جیسے باپ سے ایسا سوال کیوں کرتے ہو پیارے۔“

بیکر کی آواز لڑکھڑانے لگی۔ بہر کیف وہ سلامت ہے یہی وجہ میرا سہارا بنی ہوئی ہے۔ میں اس بوڑھے بندر کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں اور یہ مقابلہ میرے پورا تم دونوں کرو گے۔

”ہم اس گولی کی مانند تیار ہیں انکل جو چیریں انگلی کے اشارے کی منتظر ہوتی ہے۔“

”گڈ۔“ سیکر چمکا۔ خود کو تیار رکھو اور اشارے کا انتظار کرو۔ اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

جب میں ریسپور دیکھ رہا تھا تو گو تھم چھلانگ لگا کر میرے قریب آ گیا۔

”کہیں جانا ہے ماسٹر؟ اس نے بڈ جو شس آواز میں پوچھا۔ عبادت کے لائق خدا کی قسم میں تیار ہوں۔“

”ابھی نہیں تھم۔۔۔ میں نے اس کے اٹھنے سے روک دیا۔

مارتے ہوئے کہا۔ ”خیر اپنی کھارے رات کے اندھیرے میں نکلا کرتے ہیں۔“

اس کا پھولا ہوا جسم یک دم سکڑا چلا گیا تھا۔

ایڈنا اب تک سلامت تھی۔ یہی احساس میرے اضطراب کی جھاگ کو لپٹنے سے روکے ہوئے تھا مگر پھر گہری کی ایک لمبی سیری سماعت پر

اولوں کی طرح برسنے لگی۔ گردن گھما کر کلاک کی جانب دیکھا۔ بونی کی نوک پر بیٹھی تھی ہی چڑیا چھٹک چھٹک کر چل رہی تھی۔ ہر چھلانگ ایک منٹ کا فاصلہ طے کر رہی تھی اور مجھے احساس دل رہی تھی کہ مارشا اب تک ناکام

اور خاموش ہے اور میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ یہ معلوم کر سکوں کہ اس نے مارشا کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے اور اب تک خاموش کیوں ہے۔

مجھے تو بہتر گو تھم تھا جو کسی معلوم پیچھے کی مانند تماشے کے پتوں سے کھیل رہا تھا۔ اس کا سیاہ چہرہ سکون کی روشنی سے نور تھا۔ اسے کوئی غم نہ تھا صرف میری انگلی کے اشارے کا منتظر تھا۔

جب اضطراب کی جھاگ ضبط کے بندھن توڑنے لگی اور کمرے کے طول و عرض میں ٹہل ٹہل کر میری ٹانگیں شل ہونے لگیں تو قدرت کو

بیشک کی طرح دم آ گیا تھا۔

گو تھم کے سرخ شیشی فون سیٹ کا قہقہہ اُبھرا اور میں نے دو طویل چھلانگوں میں فاصلہ طے کر کے ریسپور اٹھایا۔ دل کی دھڑکیں بے ترتیب ہو کر سینے کا پتھر توڑ رہی تھیں۔

”ہیلو۔۔۔“ میں نے اپنا نام ملحق میں ہی روک دیا۔

”خرم چودھری۔۔۔“ مارشا کی مترنم آواز سنائی دی۔

”ہاں ماری۔۔۔“

”شکر ہے خرم، تم ناراض تو نہیں نفی میں دپوسٹ دے کر تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

”بولتی رہو۔“ اسے خاموش پا کر میں نے کہا۔ ”جو کچھ بتانا چاہتی ہو بتا دو۔“

”صبح جب میں مشر بیکر کے گھر سے نکلی۔ اسی وقت ایڈنا کی خوشبو مجھ سے جدا ہو گئی تھی۔ میں سالانہ شہر کی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتی پھری۔

کسی طرف سے اس کا جم نہیں بول رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس شہر سے بہت دور جا چکی ہے۔ ٹھیک دو بجے میں ایک بار سے نکلی تو میری ناک سے

ایڈنا کی آشنا خوشبو نکلوا اور میں کالے کر دھڑکی۔ میں یہ بالکل بھول گئی تھی کہ اگر کوئی جسم ساؤنڈ پروف کمرے میں بند ہو تو اس کی بو میں نہیں

سُوکھ سکتی۔ یقیناً ایڈنا کسی ایسے ہی کمرے میں رکھی گئی ہے۔ اس نے غالباً اسے کھانا پینا یا جا رہا ہوگا۔ بار بار تو کا سلسلہ منقطع ہو جاتا تھا لیکن ایک

بار خوشبو نے مجھے سمیت بتادی تھی۔ میں پانچ بجھ منٹ میں اس عمارت کے قریب پہنچ گئی تھی لیکن جس فیصلے کی راہ میں پھر وہی رکاوٹ آچکی تھی لہذا

میں تین گھنٹے مزید اصرار میں گردش کرتی رہی۔ اب سے آدھ گھنٹہ قبل خوشبو پیغام لائی کہ ایڈنا اس عمارت میں ہے۔ پتھر کا دوسرا یونیورسٹی بندرہ کی

تیرہویں عمارت ہے۔ میں ٹیلی گراف ڈاؤن کے بلک ہو کر تھیں ہوں تھیں نام کے نیچے ہوں گی۔“

”ٹھیک ہے مارشا۔ میں آ رہا ہوں۔“ ریسپور دیکھ کے میں نے گو تھم کو دیکھا۔ وہ لاٹنگ ٹوڈ کی زپ چڑھا رہا تھا۔

”کیا تم تیار ہو تھم؟“ میں نے دیوالوں میں یگزین ڈالتے ہوئے پوچھا اور وہ اچھل کر میرے سامنے آ گیا۔

”یس ماسٹر۔ انگلی کا اشارہ میں نے دیکھ لیا ہے۔“ اس نے جیب سے عجیب ساخت کا خنجر نکال لیا اور دونوں ہتھیلیاں جوڑ کر خنجر میرے

سامنے کر دیا۔ اس کو چھو کر اجازت دو ماسٹر۔“

میں نے اس کی خواہش کے مطابق خنجر اٹھا کر دیکھا۔ خنجر کا چھلنگ لکڑی کا تھا اور تھیں دانت کا دست بھی سب سے خراش زدہ ہو رہا تھا۔

”یہ دو آتشیں اسلحہ کا ہے پیارے۔“ خنجر واپس کرتے ہوئے میں نے کہا۔ ”وہی تمہارا خنجر بہت اچھا ہے۔“

”بس یہی کچھ مجھے دہانے میں دلا ہے ماسٹر۔“ اس نے خنجر کو جھمک کر چھوڑنے کی ہتھیلی میں ڈال دیا۔ ”اصولاً یہ باپ کے ہاتھوں سے ہو کر مجھ تک آنا

چاہیے تھا مگر میرا باپ بزدل ثابت ہوا۔ اس لیے میرے دادا نے براہ راست یہ مقدس امانت مجھے سونپ دی تھی۔ بچاؤ دے دشمنوں کے

خون کا ذائقہ چکھ چکا ہے صرف پانچ باقی ہیں جس دن سو گئی کتنی پوری ہو جائے گی۔ یہ میرا فرض ہو گا کہ اس خنجر کو اپنے آبائی قبرستان میں دفن کر دوں۔“

”دعا کر دیجئے کتنی آج ہی پوری ہو جائے۔“ میں نے قیصر دیوالور

135

آستین کی خفیہ جیب میں سرکاتے ہوئے کہا۔ ”تب ہم اس مقدس خنجر کو بڑے اعزاز کے ساتھ بطور امانت ادھر ہی کسی قبرستان میں دفن کر دیں گے۔“

”آپ کی اجازت کے ساتھ میں یہ کتنی پوری کرنے کی کوشش کروں گا ماسٹر۔“ گو تھم نے رک رک کر غزاقی آواز میں کہا۔ ”سنگا پور کے لوگوں نے

میرا نام سیاہ بھیرا رکھ دیا تھا۔“ وہ فخریہ انداز میں بتلنے لگا۔ میں

زفرہ پھاڑنے میں بہت ماہر ہوں اور زرخ سے جب گرم گرم خون اُبل کر میرے ہاتھوں اور چہرے پر پڑے تو مجھے بڑی لذت محسوس ہوتی ہے۔“

اس نے مجھ کے بھیرے کی طرح ہونٹوں پر زبان پھیری اور سفید دانت نکال کر سفاک انداز میں سرکاتے لگا۔

مجھے ذاتی تجربات نے سکھایا تھا کہ بعض اوقات بالکل صبح اور درست نشانہ بھی ہدف سے کتر کر نکل جاتا ہے۔ کامیابی کی مٹنی سے اچانک

ناکامی نکل کر سامنے آ جاتی ہے پھر ایڈنا کے محافظ محفوظ چھت اور دیواروں کی آڑ میں تھے جب کہ میں سنگا سینے کے مضبوط مورچے کو توڑنے والا تھا۔

... افرا تفری اور خوف کے لمحات میں کوئی جی محافظ کوئی مہذبانی محنت کے ایڈنا کو انتقام کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ بس یہی خوف میرے ارادوں میں رکاوٹ بن رہا تھا۔

”ماسٹر۔۔۔“ ہوش سے نکل کر راہداری میں چلتے چلتے گو تھم بولا۔

”ہماری کلبلٹ پروف نہیں ہے۔“

”فکرو نہ تھم۔“ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ”ہم پرشینگ نہیں ہوگی۔ مجھے یقین ہے جو بھی فیصلہ ہوگا۔ کار سے دور ہو جائے گا۔

تم صرف کار کا انجن بیدار رکھو گے۔“

”اوہ۔۔۔“ گو تھم جو تک کر میرے شلنے کے برابر آ گیا۔ ”نہیں ماسٹر میں اس مقدس جنگ میں حصہ لوں گا۔“

”وہ تمہارا محسن ہے مگر میرا آقا میں ہے مجھے کس ثواب سے محروم نہ کرو ماسٹر۔“

”تم شریک رہو گے میری جان۔“ میں نے اس کی کمر پہلنے ہوئے

کہا۔ ”تمام سپاہی گولیاں نہیں چلایا کرتے۔ جنگ جیتنے میں مضبوط رابطے اور

تک ایہ کم کر دیا کرتی ہے۔ اگر ساری قوت بیک وقت ایک محاذ پر جھونک دی جائے تو پشت خالی ہو جاتی ہے۔ جس کی پشت پر کوئی اپنا ہاتھ نہ ہو

وہ میدان میں جھم کر نہیں لڑ سکتا۔ تم میرا رابطہ اور باوقوفی تک ہو گو تھم۔۔۔

جہاں ہی بھائی کے پشت پناہ ہو کر رہے ہیں۔ گو تھم نے گون آٹھا کر میرا چہرہ بڑھا اور پھر اڑیوں پر گھوم کر گرج کی طرف بڑھ گیا۔

نئی کار گو تھم ادھر کے دلی تعلق کی مظہر تھی۔ میرا اندازہ یہی تھا کہ بیکر نے بطور خاص شو روم سے نئی کار گو تھم کے لئے نکلائی تھی۔ میں نے سیٹ پر بچھتے ہوئے گو تھم کو منزل متعین بتائی اور پشت گاہ پر گردن ڈال

134

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہانگ کانگ کی سڑکیں ہیں ابھی تھیں لیکن گوتم بے حد مشتاق اور محتاط ڈرائیور ثابت ہوا تھا۔

"میں ٹاور کے نیچے ایک لڑکی دیکھ رہا ہوں ماسٹر۔ گوتم نے بڑے پیار سے انداز میں مجھے منزل کا نشان بنایا اور میں ہڑبڑاتا ہوا سیدھا ہو گیا۔ مرکزی لائینس میں مارشا کا چہرہ سیاہ اسکارف کے بلے میں دمک رہا تھا۔ وہ ٹاور کے نیچے آرائشی جھاریوں کے درمیان کسی سگی مجھے کی مانند بے حس و بے حرکت کھڑی تھی۔ میں اُس کے پُرسکون انداز پر حیران تھا۔ جوہنی میں نے دلیاں شیشہ نیچے کیا، ایک سیکنڈ میں وہ میری موجودگی سے آگاہ ہو گئی۔ شیشہ ٹکٹے ہی اُس کا منہ جہم متحرک ہو گیا تھا جیسے اُس کا جہم ریٹکٹ کٹرول کے زیر اثر رہا ہو۔

گوتم نے بہت سی کارڈل سے ہٹ کر اپنی کار پارک کی اور پھر پلٹ کر میری جانب دیکھنے لگا۔ میری توجہ مارشا پر مرکوز تھی جو ٹاور کے جھگٹے کو پھانڈ کر تیزی سے آرہی تھی۔

"گوتم! اجن بند کرنا وہ آرہی ہے اور میں ردانہ ہونا ہے۔ میں نے دروازہ کھولتے ہوئے جلدی جلدی گوتم کو ہدایت کی اور مارشل کیلے سیٹ پر جھپٹ کر چھوڑ کر دوسرے دروازے کی طرف سرک گیا۔ گوتم نے چہرہ مجھ کا کرادھر اُدھر دیکھا اور سیٹ پر بالکل نیچے کی طرح خوشی سے اُچھل کر چیخا۔

"آہ... میرے ماسٹر کی طرح مادام بھی شاذ ہے۔ ہم معاذ سے واپس پر ایسا ہی شاندار ڈرائیور لیں گے۔"

"وہ صرف گائیڈ ہے۔" میں نے گوتم کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے بتایا۔ "مادامک ہماری رہنما... چہرہ وہ اپنی دنیا کی طرف لوٹ چلے گی۔ بہر کیف ہم کامیابی کا ضرور جشن منائیں گے۔" اور پھر مارشا جوں ہی نزدیک آئی میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ بے جھجک اندر آ گئی۔ حالانکہ کار اندر سے تانیک تھی لیکن اُسے اپنی پہچان پر بھروسہ رہا ہو گا درجن دیکھے وہ اندر کبھی نہ آتی۔ گوتم نے پہلے ہی کار کا زادیہ ایسا رکھا تھا کہ بغیر کسی دقت کے وہ لوٹن لیتا ہوا دوسرے لمے ٹرنک میں شامل ہو جائے۔ وہ بے حد مہذب اور بادباز لڑکا تھا۔ اُس نے عقب میں آئینے کا زادیہ بدل کر میرے چہرے پر لپیٹ جھٹ کر لیا تھا تاکہ اُس کی نگاہ مارشا کے چہرے کو دیکھنے کی گستاخی کرنے سے محفوظ رہ جائے مجھے اس وحشی سے لڑکے کی ہنسی ادا ہے طرح متاثر کر رہی تھی۔

میں دانت پر دانت حملے آنے والے اُن لمحوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو دینر دھند میں ڈبے ہوئے تھے۔ مارشا کے لیے میں نے خاصی جگہ چھوڑی تھی لیکن وہ بالکل میرے ساتھ بھڑک رہی تھی یہی وجہ

رہی تھی کہ اُس کی اضطرابی کیفیت میرا جہم محسوس کر رہا تھا۔ وہ ایسے ہی بے کل تھی جیسے شدید درد سے کوئی زندہ وجود بے قرار ہو سکتا ہے۔ ایک دھڑکن چوڑا ہے پر گوتم نے ذرا سا چہرہ گھٹایا اور مودب انداز میں پوچھا۔ "مادام! کون سی سڑک؟" مارشا ایسے چونکی جیسے سو رہی تھی "ادھر ادھر دیکھنے لگی۔"

"یونیورسٹی بندہ۔" اُس نے سنجی بورڈ کی جانب اشارہ کیا۔ "کیونکہ جرح کے ایریا میں پیٹرک باؤس ہے، وہ ساری عمارتیں جرح کی ملکیت ہیں۔ تیرہ نمبر مکان ہماری منزل ہے۔" گوتم گول چوک کا چکر لے کر پندرہ نمبر سڑک پر گھوم گیا تھا۔ "بس ادھر پارکنگ پلاٹ میں گاڑی رکھ دو۔" مارشا نے بیس گز دور سے گوتم کو حکم دیا۔ سامنے جرح کا وسیع پارکنگ پلاٹ تھا جس میں چند گاڑیاں پارک تھیں۔

"شکریہ مارشا! گوتم نے جوں ہی اجن کا سوئچ آف کیا میں بول پڑا۔ "اب تم جا سکتی ہو۔"

"میں...؟" مارشا کی ہنسی سی جھجک تھی۔ "میں خرم میں نہیں ہوں گی۔ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ ہم خطا کار ہیں اور کفارہ ادا کریں گے۔ میں نے یہ رات جہنم کے عذاب میں بسر کی ہے۔"

"تم کفارہ ادا کر چکی ہو ابھی لڑکی۔" میں نے اُس کی کلائی تھپتھپائی۔ "تم لینے جتے کا کام جوہنی سرانجام دے چکی ہو اب جو کام باقی ہے میں کروں گا۔ تمہاری موجودگی میرے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔"

"ادہ... وہ سبک آگئی۔" تو کیا یہ ہماری آخری ملاقات ہے؟ "ہاں... میں نے چہرہ دوسری جانب پھیر کر کہا۔ "کم از کم اس شہر میں جب تک ہم ہیں۔ اگر آج ہم کامیاب ہو گئے تو وہ لوگ پھر تھیں بطور گائیڈ لائن استعمال کریں گے۔" تھوڑی ٹکرائی کی جائے گی۔ اگر تم نے مجھے ابط قائم کیا یا کسی رابطے کے دوران میرا نام لے لیا تو وہ پھر مجھ تک پہنچ جائیں گے۔"

"میں تمہاری خاطر محتاط رہوں گی۔" اُس نے دروازے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ احتیاط اور پابندی صرف اس شہر تک ہوگی۔ میں جا رہی ہوں اس یقین اور وعدے کے ساتھ کہ میں پھر تم سے ملوں گی۔ جوں ہی تم اس شہر سے نکلو گے، میں تمہاری تلاش میں چل پڑوں گی۔"

اُس نے ایک ہاتھ سے دروازہ کھولا اور دوسرا ہاتھ میری جانب بڑھایا میں نے اُس کا نرم دگلا ہاتھ نرمی سے ہی ہاتھ میں لیا اور نرم سا ہی دباؤ ڈال کر چھوڑ دیا۔ اُس کا ہاتھ اتنا نرم اور نازک تھا کہ گرم جوشی سپنے کے قابل نہ تھا۔ نیچے اُتر کر وہ آگے گئی۔ جھجک کر اُس نے گوتم سے بھی ہاتھ ملایا تھا۔ گوتم پر زلزلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اُس نے بوکھلاہٹوں کے درمیان ہی ادب ملحوظ رکھا تھا۔ بڑے ہی عقیدت مندانہ انداز میں اُس نے گردن جھکا کر دونوں ہاتھوں میں مارشا کا ہاتھ تھاما اور آنکھیں ہونٹوں پر

دونوں گالوں سے چوم کر ہاتھ واپس کر دیا تھا۔

مارشا نے کھڑکی سے جھجک کر اودانی نگاہیں مجھ پر ڈالیں اور مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھے میری بدتمیزی کا احساس دلا رہی ہو کیونکہ جس تعظیم و تکریم گوتم نے بھرپور مظاہرہ کیا تھا۔ وہ مارشا کی پسندیدہ تہذیب تھی لیکن میں نے گوتم جیسے مردوں کو حیناؤں کے کتوں کی تکریم بھی اُسی دالہانہ انداز میں کرتے دیکھا یہی قیاس مجھوں سب لپٹی کی کیا کرتا تھا۔

"اچھا گوتم مجھے اپنی بہترین دعاؤں کے ساتھ جانے کی اجازت دو۔" میں نے تینوں دیوالو رباری بادی چیک کرنے کے بعد کہا۔ اور تم صرف ایک گھنٹہ میرا انتظار کرو گے۔ کون سی سمت مجھے راستہ دے گی۔ میں قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کوئی دوسری صورت بھی مجھے رکھ سکتی ہے۔ بہر حال اگر میں زندہ اور آزاد رہا تو واپس آؤں گا یا ٹیلی فون پر تمہیں صحت حال کے بارے میں مطلع کر دوں گا۔ بخت اور جنگ میں ہر بات ممکن ہو کرکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے ماسٹر۔" گوتم جھجھکی آواز میں بولا۔ "ایک گھنٹے بعد میں کار سمیت سمندر میں چھلانگ لگانے ردانہ ہو جاؤں گا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو گوتم؟ میں نے چونک کر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔" اپنی بات کی وضاحت کر دو۔

"ابھی تم نے مجھے بھائی کہا تھا ماسٹر اور اپنی پشت کا محافظ قرار دیا تھا۔" گوتم نے ٹھوس بے میں جواب دیا۔ "محافظ واپس نہیں جایا کرتے۔"

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں گوتم۔" میں نے اُس کے چھوٹے چھوٹے کھڑے بالوں کو ہلاتے ہوئے کہا۔ "بھائی کو بھائی کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لیے زندہ رہنا چاہیے۔ اگر سارے بھائی بیک وقت دشمن کے تنور میں گرتے چلے جائیں تو دشمن سے حساب لینے والا کون ہو گا۔ تمہیں واپس لوٹ لے کے لے خود کو سنبھالنا ہو گا۔ اب بولو واپس جاؤ گے؟"

"سو رہی ماسٹر۔" گوتم نے نفی میں گردن ہلائی۔ "میں تمہارا یہ حکم نہیں مان سکتا۔ میں ٹھیک ساٹھ منٹ بعد ادھر آؤں گا اور دقت کے مطابق کارروائی کروں گا۔ میں تمہیں ساتھ لے کر واپس جاؤں گا بصورت دیگر تیرے دشمنوں کے خون سے اپنا لباس تر کر کے باس کے پاس چلا جاؤں گا۔"

"او۔ کے پیارے خدا حافظ۔" اُس کے گال پر آخری تھپکی سے کرکس اُتر گیا اور گوتم کی جانب دیکھے بغیر بڑے گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ گیٹ سے گزر کر میں نے قدموں کی رفتار میں توازن اور کمی پیدا کرتے ہوئے گرد و پیش کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔ مگر جاگھڑے سے کر تیرہویں عمارت تک ایک مندرمکانات کا سلسلہ میرے سامنے ڈبول کی طرح روشنیوں میں نہایا ہوا کھڑا تھا۔ ہر مکان کا اپنا الگ کمپاؤنڈ تھا اور آہنی گیٹ کے دائیں پائے کی پیشانی پر مکان کا نمبر درج تھا۔

میں اس امکان کو نظر انداز کر کے یہاں نہیں آیا تھا کہ مارشا ڈبول کی بھی کر سکتی ہے۔ صبح سے آٹھ بجے رات تک اُس کے پاس خاصا دقت تھا۔ میرے دشمن اس عرصے میں نیا جال تیار کر سکتے تھے اور میں بھولے بشیر کی طرح مارشا کے لمکے پر جال میں چھن سکتا تھا۔ لیکن میں سوچنے اور جال دیکھنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ خطرہ مول لینے کے سوا میرے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ لہذا اساری کشتیاں جلا کر ہی ردانہ ہونا تھا۔

کمپاؤنڈ وال کے اندر قدم اور گھنی جھاڑیوں کی باڑی واحد آڑ تھی۔ میں تیرہویں عمارت کو نظر انداز کرتا ہوا باڑی کی آڑ میں لاپرواہانہ انداز میں ٹپکتا ہوا بارہویں مکان کے سامنے سے گزرا۔ گید دسویں مکان کے گیٹ سے داخل ہو گیا۔ صحن سسنان تھا۔ لحظہ بھر رک کر دائیں بائیں دیکھا۔ کوئی ذی روح سامنے نہ تھا۔ چند قدم چل کر میں آدام سے بارہویں عمارت کے صحن میں آ کر گیا۔ البتہ یہ احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ باڑی کی جھاڑیاں مجھے اپنے پیچھے چھنے کی اجازت دیتی رہیں۔ میں اُن جھاڑیوں کی مدد سے ہی تیرہویں عمارت کے بلڈے تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

برآمدہ اس قدر روشن تھا کہ روشنی کے علاوہ کوئی آواز اور شخص نہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے مکین سرشام ہی سارے کام ناکار بستروں میں جا چکے ہوں۔ آباد گھروں سمبھیر خاموشی دل کی دھڑکن پر اثر انداز ہونے لگتی ہے اور میں نے پڑھا اور سنا تھا کہ گہرا سکوت کسی گھن گرج قسم کے طوفان کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔

گھنی جھاڑیوں کے ساتھ کھڑا میں اُل گہرے سکوت سے کچھ خوف محسوس کرنے لگا تھا۔ خاموشی کے پیچھے دو صورتیں ہوسکتی تھیں۔ وہ لوگ اس گھر کو محفوظ ترین سمجھ کر سکون سے اندر بیٹھے ہوئے تھے یا کچھ آنکھیں مسسل مجھے گھور رہی تھیں اور ماہر شکاریوں کی طرح وہ سامنے روکے شکار دار درجہ کو دیکھ رہے تھے... اگر خاموشی کی آڑ میں شکاری پھندا لگانے میرے چھنے کا دل خوش کن منظر دیکھنے کے لیے چھپے دیکھتے تھے تو بھی اس ان دیکھے چھندے کے خوف سے قدموں کا رخ پھیرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اگر وہ خاموشی سے لوٹ جاتا تو میں کسی

اقتدار کے سامنے جواب دہ بھی نہ تھا۔ بیکر سرے سے میری کارروائی سے ابھی تک ناواقف تھا۔ مارشا اور میرے درمیان شریفانہ معاہدے کا فاصلہ قائم ہو چکا تھا۔ رہا گوتم، تو مجھے یقین تھا وہ کوئی سوال کرنے کی گستاخی نہیں کر سکتا تھا۔

تقریباً تین چار منٹ میں دوسروں میں غوطے لگا آؤ بٹا ابھرتا رہا تھا۔ بالآخر فیصلہ مجھے ہی کرنا تھا اور میں گوتم کے فلیٹ میں ہی فیصلہ کر چکا تھا۔ لحظہ بھر کے لیے میرے قدم خدشوں اور قتل نے روک لیے تھے۔ میں نے ایک دیوالہ دائیں ہاتھ میں لے لیا اور باڑی کی آڑ میں پھول کے بل برائے کی جانب بڑھنے لگا جو کواڑ میرے قدم سے بھی اونچی تھی اس لیے جھکنے کی

ضرورت درپیش نہ تھی۔

باڑ باہر کے رخ کھٹے وال کھڑکی کے نیچے جا کر ختم ہو جاتی تھی اور برآمدے کی سیڑھیاں چند قدم دور روشنی میں تھیں۔ لہذا میں نے کھڑکی کو ہی بذریعہ ہتھکڑی کا فیصلہ کیا اور دوسرے لمحے میں سر دروازے سے مرک کر اندر داخل ہو گیا۔ برآمدے کی روشنی بند دروازے کی چھریوں سے اندر آ رہی تھی جس نے چھوٹے سے کمرے کو نیم روشن کر رکھا تھا۔

اُس کمرے کو عاتق کہتا تھا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر بند کواڑوں کو آرمایا اور کواڑ چرچلے گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لہذا پہلے میں نے دوایں چھری سے انھیں لگا کر باہر دیکھا۔ پھر چھری بتدیج فراخ کرنا گیا۔ حتیٰ کہ چہرہ باہر کر کے ادھر ادھر دیکھنے کے قابل ہو گیا تھا۔

ابھی میں اگلے قدم سے متعلق کوئی فیصلہ ہی نہ کر پایا تھا کہ میری سماعت سے دروازہ کھٹنے کی آواز سنائی۔ پھر وہاں کھانسی اور قدوں کی چاپ ستائی دی۔ میں نے نہایت ہی ہستکی سے چھری بند کر لی اور خود دیوار سے چپک گیا۔

قدوں کی چاپ تیزی سے قریب آئی سنائی دے رہی تھی۔ وہ کھیل جس کی ابتدا کرنے میں تیرہویں حرکت میں داخل ہوا تھا۔ شروع ہونے والا تھا۔ لہذا میں پردہ اٹھنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

میں دروازے کے دائیں جانب دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ بائیں طرف سوچ بول رہا تھا۔ قدرت نے مجھے بہتر پوزیشن خود ہی دے دی تھی۔ دروازہ چرچا رہا تھا اور ایک جسم گھٹنا تا گھٹنا ہوا نمودار ہوا دوسرے قدم پر وہ سوچ کی طرف گھٹتا اور ابھی اُس کا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ میرے حلق سے پھٹک نکلی اور دیوار اُس کی موٹی گردن پر رکھ دیا۔

آواز کا چابک کھارہ بڑی طرح اچھل پڑا تھا لیکن سونال اپنی گردن پر محسوس کر کے وہ ساکت ہو گیا۔ دوسری وارنگ کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے تھے۔

”ہم سوال و جواب میں وقت ضائع نہیں کریں گے دوست! میری آواز میں ہڈیاں پھٹھار دینے والی سولہ سوہر خود بخود دھڑکائی تھی۔ میں ادھر تقریباً نہیں آیا اور جو خطرناک ہتھیار تمہارے گردن کے ساتھ ہے۔ اسے کوئی بھی جذبات اثر نہیں کر سکتا۔ میں مختصر سوال کروں گا اور تم وہی جواب دو گے جو تمہارے ذہن میں محفوظ ہیں۔“

”بولو کیا چاہتے ہو؟“ اُس نے کھڑکی کی آواز میں پوچھا۔ اگر ڈاکو ہو تو مان لو غلط جگہ آئے ہو۔“

”جگہ کوئی بھی غلط نہیں ہوتی دوست! میں نے مضبوط سرگوشی میں کہا۔“ تم جیسے اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ تم مجھے بتاؤ گے اندر کھلائے کتنے ساتھی ہیں؟“

”دو...“

”زندگی کے بارے میں کیلکیتے ہو؟“

”ظاہر ہے جان بوجھ کر کون مرنا پسند کرے گا۔“

”میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ میں نے دیوار کا دیباؤ نرم کر کے کھینچا۔ کہا۔ اگر تمہارے بارے میں جواب درست ہوئے تو میں زندگی دے کر ادر بڑھ جاؤں گا۔“

”پھر جلدی پوچھو۔“ اُس نے بے قیاسی سے کہا۔ ”ورنہ ان میں سے کوئی دیر کی وجہ معلوم کرنے آسکتا ہے۔“

”دروازہ کس طرح کھلتا ہے؟“

”جس طرح کھٹے دروازے کھل جایا کرتے ہیں۔“

”آؤ میری رہنمائی کرو۔“ میں نے فزیشن بے ہوشے اُسے باہر نکلنے کا راستہ دیا۔ وہ بے چارے میرے حکم کی تعمیل میں چل پڑا تھا۔ باہر نکل کر روشنی میں وہ ڈک گیا اور چہرہ گھما کر میری طرف دیکھنے لگا۔

”اوہ... تم... میں... اُس کا پہاڑ نما جسم دیکھ کر اسکا گیا تھا۔“

”کیا میں...؟“

”اوہ نہیں خرم۔“ وہ چٹھری ہوئی دم آواز میں بول پڑا میں... میں

اب کسی حماقت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں پڑنے جوتے کی طرح ادھر نہایت ہی

”خائنوں سے اندر چلو۔“ میری عزائم میں کڑوہ بددلتا ہوا چلنے لگا تھا

جال دار پٹ کھیل کر اُس نے ٹھوس کواڑوں کو اندر دیا اور تشریف دے

کا سیلاب میرے جسم سے گزرتا چلا گیا۔ میں فوراً اس طویل و عریض جسم شخص کی اوٹ

میں ہو گیا تھا۔ مجھے یقین تھا اُس ذہنی چٹان کے نیچے میں اندر والوں کی

نگاہوں سے محفوظ رہوں گا۔ چنانچہ اندر جا کر میں نے پاؤں سے دروازہ بند

کیا اور موٹے دائیں شانے کے آفت سے ابھر کر دیکھا۔ بتائی کے گرد تین

گڑیاں تھیں۔ درمیانی گڑی خالی تھی جب کہ دائیں بائیں گڑیوں پر دو شخص

بیٹھے تاش کے پتوں میں مگن تھے۔

میں موٹے کو چلاتا ہوا بتائی ہنسلے جانا چاہتا تھا لیکن وہ بڑبڑ

ہاتھی حوصلہ مار بیٹھا تھا پلٹے پلٹے لڑکھارے جب رکا تو میں نے دیوار کے

دوازے اُسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا مگر وہ چٹان کی مانند جم گیا تھا۔

قدموں کی چاپ جوں ہی معدوم ہوئی دونوں نے چونک کر

بیک وقت چہرے گھمائے تھے اور مجھے اپنا چہرہ موٹے کے شانے سے نیچے

کے میں دیر ہو چکی تھی۔ دونوں نے ہی حیرت بھری نگاہوں سے اپنے ساتھی

کے شانے پر اپنی چہرہ دیکھ لیا تھا۔ میں نے دونوں کو اچھل کر اٹھتے بھی

دیکھا تھا۔

میں برقی لہری مانند ہرانا ہوا نیچے گرا تا کہ موٹے کی کپکپاتی ہانکوں کے

درمیان سے کسی ایک ہدف کو ناکارہ کر سکوں... لیکن ابھی میں اُس کے

کمرے پر ہی تھا کہ سماعت پاش دو دھماکے چند سیکنڈ کے وقفے سے ہوئے اور مٹاؤ اور درخت کی طرح کوڑکڑاتا ہوا میرے اوپر گر پڑا۔

اگر میں فائر کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے نیچے نہ جھکتا تو موٹے کی چربی پھرتی ہوئی دونوں گوبیاں میرے جسم میں جی دو گوراں بنا دیتیں۔ چلنے والے ہاتھ نے مجھے خود نیچے گرایا ہو گا۔

میں نے موٹے کے جسم کو پوری قوت سے ہاتھوں پر تولا اور سانسے کی جانب اچھال دیا۔ یہ عمل صرف دو تین سیکنڈ میں مکمل ہو گیا تھا۔ دوسری روشنی میں وہ صبح مارگٹ پر فائر کر سکتے تھے۔ موٹے کا جسم دائیں طرف کھڑے ہوا پڑ گیا تھا اور وہ اُسے سہارے میں بڑی طرح ناکارہ تھا۔ میں اُن کے روتے کا منظر دیکھنے کی فرصت میں نہ تھا کیونکہ تیسرا شخص مجھے دیکھ چکا تھا اور خوفناک سیاہ دیوار کا رخ بھی بدل چکا تھا۔

میں نے دیوار اور سیدھا کیا اور نشانے لیے بغیر رُک کر دبا دیا۔ اُس نے چپٹی چپٹی قابل دادی تھی۔ اُس کی گولی بھی عین اُس جگہ قانون میں پڑی ہوئی تھی جس جگہ لحظہ قبل میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں فائر کرنے کی سبب میں چلا گیا تھا اور میرے دیوار سے نکلی ہوئی گولی اپنے ہاتھ کی دائیں آنکھ میں سوراخ بناتی ہوئی نکل گئی... جب وہ پہلا ہوا اندر سے مڑتی بتائی پر گر پڑا تھا تو میں اچھل کر تیسرے اور آخری زندہ شخص کی پشت پر پہنچ گیا تھا۔

اُسے موٹے کی لاش ہٹانے میں خاموشی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا کیونکہ اُس کا لباس ہاتھ اور چہرہ خون میں لکھڑکھڑاتے تھے۔

”بس کھیل ختم ہو چکا ہے دوست! میں نے دیوار اُس کی کپٹی پر لکھ دیا۔“ اگر تم اپنے ساتھیوں کے ہم سفر بننا نہیں پسند کرتے تو دیوار اور دھڑکتی پر چپک دو۔“

اُس نے طویل سانس لے کر کندھے اچھکائے اور دیوار اور بتائی پر چپک دیا۔

”گڈ...“ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اُس کی جیبوں پر ہاتھ پھیرا۔ ”خاندانی کھوپڑی میں صحت مند دماغ ہے۔ اب پہل عقل مسندی پر قائم رہنا۔“ جیبوں کو بے ضرر پاکر میں اُسے دھیکٹا ہوا کھلی جگہ لے گیا تاکہ میں کیسے اپنے دیوار اور دوبارہ اٹھانے کا جذباتی فیصلہ نہ کر سکے۔ یہ یاد رکھو کہ پہل سے رخصت کرنا تھکادی ذمہ داری ہوگی جتنی دیر ہوگی۔ اتنی ہی لذت ہوگی۔“

”تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟“ اُس نے نہایت پرسکون آواز میں پوچھا۔ ”اس جسم کی ضرورت نہیں! میں نے جواب دیا۔“ میں اُس لڑکی کو

پھینکا ہوا جویاں ہے۔“ ”کون لڑکی...؟“ وہ چونک اٹھا۔ ”کس لڑکی کی بات کر رہے ہو یہاں تو کوئی لڑکی نہیں! ہم تینوں یہاں کرائے پر رہتے...“ میرا ہاتھ گھوم گیا۔

وہ کراہتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”میں چھری سوال دوسرے انداز میں کرتا ہوں۔“ میری آواز میں درندگی لوٹ آئی تھی۔ ”بتاؤ وہ لڑکی کہاں ہے جسے یہاں ہونا چاہیے تھا؟“ ”میرا جواب! میں نے باجھوں سے خون آستین سے پونچھتے ہوئے جواب دیا۔“ وہی ہے۔ یہاں کوئی لڑکی نہیں ہے۔“

”ہے...“ میں نے اٹھنا اٹھا اُسے بڑھا اور اُس کے پاؤں پر ایڑی مار دی۔ اُس کے حلق سے عجیب سی آواز خیزا رہی ہوئی ابھری اور پائوں باجھوں میں پکڑ کر ناپنے لگا۔ میں اُسے تھکائے حلق سے نکالوں گا۔“ ”تھوہو...“ مجھے آگے بڑھتے دیکھ کر وہ منمنایا۔ ”وہ... وہ اب یہاں نہیں ہے۔“

”اُسے یہاں ہی ہونا چاہیے۔“ میں نے بائیں آستین کی جیب سے چاقو نکال کر کھول لیا۔ میں آنکھیں ناک اور ہونٹ ڈک ڈک کر باری باری تم سے جدا کر دوں گا۔“

”تم مجھے گولی کیوں نہیں ماریتے۔“ وہ کپکپاتی آواز میں بولا۔ ”تم نے چھوڑ دیا تو چیف اذیت ناک موت کا حکم سنائے گا۔“

”تمہارا چیف فوراً حامی جو ہے نا؟ میں نے اُس کی ٹانگ انکھوں میں بھانک کر پوچھا اور وہ اچھل کر ایک دم سکے کی حالت میں آگیا تھا جیسے چاقو کی نوک اُس کے دل میں اتر گئی تھی۔ غصہ بھرہ چٹھی چٹھی نگاہوں سے مجھے گھومتا رہا۔ چھری کے ہونٹ پھٹ پھٹانے لگے تھے۔

”تت... تم...“ اُس کی خواب ناک آواز ابھری۔ ”خرم چھری ہو؟“ میں نے مسکرا کر اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

”مجھے... مجھے بیٹھنے کی اجازت دو۔“ وہ شکستہ لہجے میں بولا۔ ”میری ہانگیں اب تیرا بوجھ نہیں سہا سکتیں۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ میں نے ایک کڑی پاؤں پر اٹھا کر اُس کی جانب اچھال دی۔

وہ دھماکا جو میرے سر میں گڑی گھنے سے ہوا تھا۔ وہ آواز سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھا۔ کڑی اچھال کو میری توجہ موٹے کے پلٹے ہوئے پاؤں نے اپنی طرف کھینچ لی تھی اور میں یہ سمجھ گیا تھا کہ موٹے کا ایک ساتھی اور ہی جو ایک کارندہ کمرے میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہے۔ اُس نے اس موقع سے بہت اچھا فائدہ اٹھانے کا عملی فیصلہ کیا تھا۔

ضرب غیر متوقع اور اس قدر شدید تھی کہ میں اپنا توازن برقرار رکھنے میں ناکام رہا تھا۔

میں دائیں پہلو کے بل گر اور اُسے میں نے فضا میں اڑتا ہوا اپنی جانب آتے دیکھ لیا تھا۔ اگر میں اندھی پوزیشن میں فرش بوس ہوتا تو اُس کو دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔ یہ اُس کی بدبختی ہی رہی تھی کہ اُس نے دیوار کو نظر انداز کرتے ہوئے میرا رخ کیا تھا۔ اگر وہ دیوار حاصل کرنے کے لیے اتنی شاندار

چھلانگ لگا تو شاید سچویشن میرے حق میں خطرناک ہو جاتی۔ وہ آٹا تاجو اتول ہی میرے اوپر آیا۔ میں نے دونوں پاؤں جوڑ کر اٹھائے اور اس کے سینے پر مارے۔ وہ ڈکڑا ہوا پھر فضا میں اٹھ گیا تھا۔ میں اچھل کر اٹھا اور آنکھوں کے گوشوں سے در آنے والا خون سر کو جھٹک کر نکالنے کی کوشش کرتا ہوا گرنے والے کی جانب اٹھ گیا تھا۔ وہ چپٹ پڑا تاپ رہا تھا۔ پہلو میں جا کر جب اس کی پسلیوں پر گھٹ کی نوک ماری تو وہ پھیلنا ہوا اونڈھا ہو گیا۔

"نہیں... پاؤں روک لو۔" وہ گھٹنوں کے بل پیشانی قالین پر رگڑتے ہوئے چیخا۔ میں سب کچھ بتاؤں گا۔

میں نے اٹھا ہوا پاؤں ایک دم واپس کر لیا اور دو قدم ہٹ کر آنکھیں صاف کرنے لگا۔

"کیا میں اپنا سوال دہراؤں؟ رومال سے چہرہ اور آنکھیں صاف کرتے ہوئے تیں بولا۔

"نہیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ لڑکی شام آٹھ بجے تک یہاں تھی۔ پھر اسے ہیڈ کوارٹر میں طلب کر لیا گیا تھا۔

سچ اور جھوٹ کو پرکھنے والا بیانا استعمال کرتے ہوئے میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ایک منٹ ہماری آنکھیں روبرو رہی تھیں۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اگر وہ جھوٹ بول چکا ہوتا تو میری آنکھوں کی ہرگز تاب نہ رکھتا۔ اگر تھیں یقین نہیں تو میں اپنی بات کا کوئی ثبوت نہیں رکھتا۔ میری خاموشی اور سرد نگاہوں سے گھبرا کر وہ بولنے لگا۔ میں ہی چیف کا حکم لایا تھا۔ اس کے پاس ایک فلپانی تاجر آیا ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ کوئی سودا طے ہوا ہے۔ لڑکی کے تمام ضروری کاغذات تیار ہو چکے ہیں اور ڈکٹر میکاف نے میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی جاری کر دیلے۔ کل کسی وقت رہا ہو سکتا ہے آج ہی رات وہ بے ہوش مریض کے طور پر فلپائن روانہ کر دی جائے گی۔ پس مجھے جو کچھ معلوم تھا بتا دیلے۔ اس کے سوا میرے اندر کچھ نہیں۔

"شکریہ مشر۔"

"تاؤلی... اس نے اپنا نام بتا دیا۔ وہ... وہ میرا چھوٹا بھائی ماؤلی تھا۔ اس نے میری گولی سے جان بحق ہونے والے کی جانب اشارہ کیا۔ چند ماہ قبل میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ اس پیشے میں موت آگے پیاز سے بھی اندازا ہے۔ نہیں مانا اور آج... اس کی آواز شدت غم سے ڈوب گئی۔

"مجھے افسوس ہے تاؤلی۔" میں نے ہونٹ چپاتے ہوئے کہا۔ لیکن زیادہ کچھ مجھے اس لمحے ہو گا جب تم بھی اپنی کسی حماقت کے ہاتھوں بھائی کے ساتھ لاش بن کر گر دو گے۔ شاید کسی نے میرے نام کے ساتھ تھیں میری عادات کے بارے میں بھی آگاہ کیا ہو۔ اس نے تھوک نکل کر اثبات

میں سر ہلایا اور بولا۔

"میں تمہارے چہرے سنسٹا رہا ہوں۔"

"تو پھر میرے ساتھ چل رہے ہونا ماؤ؟" میں نے ایک ایک پر زور دے کر پوچھا۔

"لوہ... نن... نہیں۔" وہ ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ مجھے... مجھے... میں نے چلو خرم چوہدری۔

"تمہیں جانا ہو گا تاؤلی۔" میرا لہجہ کاٹ دار اور ہڑلویں کو ٹھٹھکے والا تھا۔ میں تلاش میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

"دہ... وہ مجھے دیکھتے ہی سلاٹر ہاؤس میں منتقل کرنے کا حکم کر دے گا۔" وہ تھر تھرائی آواز میں بتانے لگا۔ آواز کی تھر تھراہٹ کے ساتھ اس کا سارا جسم تھر تھراہٹوں کی زد میں تھا۔

"چیف غداروں اور بزدلوں کو صفائی پیش کرنے کی بھی مہلت نہیں دیا کرتا۔ ہر روز میری آنکھوں کے سامنے میرے ساتھی سلاٹر ہاؤس میں جاتے ہیں۔ سو خرم چوہدری، میں تمہیں نقشہ بناؤں گا۔ تم بغیر کسی دقت سے وہاں پہنچ جاؤ گے۔ مجھے یہ شہر چھوڑنے کا موقع دے دو۔"

"ہونہہ... میں ہنس پڑا۔ تاکہ تم اپنے جھوٹ سمیت یہاں سے جاؤ۔ نہیں پیارے میں اہمقوں کی جنت سے ادھر نہیں آیا۔ مجھے بزرگوں کی نصیحت کی تھی کہ سچے کا احترام کرو اور جھوٹ کے گھر تک جایا کرو۔"

"میں... میں نہیں جاؤں گا۔" وہ چہرہ پر ہوا شخص ایک دم تن کرنا نہیں جاؤں گا۔"

"نہیں جاؤ گے؟" میں غلٹا ہوا اس کی جانب بڑھا اور وہ اچھل کر قدم دوڑا اور پھر اس نے کراٹے کا پوز بنایا۔

"میں یہاں لڑکر باوقار اور آسان موت مرنا چاہتا ہوں۔" وہ آواز میں بولا۔ آؤ خرم چوہدری، آگے بڑھو۔ تمہارے ہاتھوں جو موت دلا گئی وہ سرد اور سست موت سے بدرجہا آسان ہوگی۔

اُسے لڑنے مرنے پر تیار دیکھ کر میرے اُٹھے ہوئے قدم اچھیں دلدل میں دھنس گئے تھے۔ اس حقیقت کا انکشاف اسی دن ہوا تھا کہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے لٹکاتے ہیں۔ موت اپنے پیچھے ہٹے ہوئے تھی۔ تاکہ اگر کئے نکل جاتی ہے۔ جب تک تاؤ موت سے بچتا تھا۔ میں اُسے موت کا جیسا کچھ دیکھا کراچی باقی منواتا رہا تھا اور پھر اس نے مجھ سے موت مانگی تو میری اگر فوں جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔

"تک کیوں گئے، سو خرم چوہدری؟" تاؤ نے قہقہہ لگایا۔ "آؤ ہونٹوں میں اپنی زندگی ہی میں بلکہ اپنے جان کا انتقام بھی لے لوں۔ تم اچھے فائر ہو۔ میں نے بھی زندگی کے چند برس اس فن پر صرف کیے ہیں۔" وہ ہاتھ کی قویں لہرا ہوا فاصلہ بتدین کم کرتا آ رہا تھا اور میں اچھیں کی دلدل

دھنستا ہی چلا جا رہا تھا۔

بغداد میں نہ تو تاؤلی سے خوف زدہ تھا اور نہ ہی کبھی موت کا خوف ہو پر مادی بھلا ہے۔ میں تو صرف یہ سوچ کر پتھر نر گیا تھا کہ اگر تاؤ میری کسی بات پر جواب کی تاب نہ لاسکا تو اس جیسے پڑے شہر میں مجھ جیسا اجنبی شخص ایک لڑکی کو کیسے تلاش کر سکے گا۔ مارشالک میری تھی جسے میں اندازے میں اپنے ہاتھوں ہی لڑکا آیا تھا۔ یہی جو کا کوئی ایک اڈہ تھا وہ جس اڈے پر موجود ہوتا تھا وہی اس کا ہیڈ کوارٹر بن جاتا تھا۔ تاؤلی نے بتایا

فکاری جو اڈہ تھا کہ بے ہوشی کی حالت میں فلپائن بھیجنے کے سارے انتظامات مکمل کر چکا ہے۔ ایسی سچویشن اندھی جاؤں اندازوں اور مفروضوں کی متقاضی ہرگز تھی۔ مجھے تو فی الفور ایڈ نامک پہنچنا اور یہی جو کے ناپاک منصوبوں کو خاک

پیرانا تھا۔ میری کامیابی اور حالات کا تقاضا صرف اور صرف تاؤلی کا تعاون تھا اور وہی واحد روشنی تاؤلی مجھ سے بچھین لینا چاہ رہا تھا۔

میں گم غم ہاتھ سینے پر باندھے اس دیوانے کو بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ ماؤہ سکڑا اور پھر دونوں ہاتھ سیدھے رکھ کر اڑ پڑا تھا۔ جس طرح آنکھوں پر لڑی طور پر اپنی حفاظت کے لیے جھپک اُٹھتی ہے بالکل اسی طرح میرا جسم بھی تاؤلی کی خبر سے بچنے کے لیے مجھ سے اجانتا لیے بغیر دائیں رخ

پلٹ کر فرار سے جھپک گیا تھا اور دائیں ہاتھ کی کھڑکی جھپکی بھی بغیر لڑی طور پر تاؤلی کی دائیں کلائی پر گھٹ سے لگ گئی تھی۔

بڑی چٹنے اور تاؤلی کی کرناک چیخ آپس میں گڈمڈ ہو کر میرے کانوں سے گزرتی تھی۔ وہ درد کی شدت سے دہرا ہو گیا تھا اور میں نے جوڑے اس کا ہاتھ جھپکنا ہوا دیکھ لیا تھا۔

ایسا کہ وہ سیدھا ہوا اور شاندار فلائنگ ریک کے لیے دوسری بار وہ اڑ پڑا تھا۔ چونکہ ہاتھ ناکارہ ہونے کے بعد اس کی کارروائی غیر متوقع تھی اس لیے میں دفاع کے لیے بالکل تیار نہ تھا لیکن ساکت نہ رہا۔ اپنی پٹ پٹال تڑولنے کی حماقت بھی نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ سے بچنے کا فوری طریقہ غلط یا سبب تھا۔ غوطے کی گنجائش نہ تھی لہذا میں سبب

میں چلا گیا۔

جب میں اس کی جانب قالین پر تیزی سے پھسلتا ہوا جا رہا تھا تو کلائی کا جسم سنسناتا ہوا میرے اوپر سے آڑا کر کے ٹکرا گیا تھا۔

دیکھتے بغیر کہ وہ کس پوزیشن میں ہے۔ میں سبب سے ہی اٹھی فلپازی میں چلا گیا۔ جب میں پاؤں پر کھڑا ہوا تھا تو تاؤ اپنا جسم بائیں چپٹیل پر لٹک کر اٹھنے کی کوشش میں تھا۔ تب ہی میں نے قی چوے کا ٹھیل ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور دوسرے لمحے میرے دونوں پاؤں اٹھی اگر وہ پشت سے گرائے اور وہ مڑ کے بل ڈکڑا ہوا گرا۔ اگر وہ ہاتھ سیدھا نہ رکھتا تو اس کا سر دیوار سے یقیناً ٹکراتا اور جو فیصلہ میں نہیں چاہتا تھا وہی ہو جاتا۔

اُس نے دیوار پر ہاتھ کا سہارا لے کر اپنا سر بچا لیا تھا۔

میں نے بڑے آرام سے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ سنو احمق... پاؤں کا دباؤ ڈال کر کہا۔ موت کا وقت مقرر ہو رہا ہے اور اسی جگہ اور اسی انداز میں وارڈ کی جاتی ہے۔ جیسا اوپر سے حکم ملتا ہے میری بات غور سے سنو۔ میں جب تمہارے چیف کے سامنے جاؤں گا تو میری حیثیت غالب کی نہیں بلکہ مغلوب کی ہوگی۔ تم غالی رہو اور سے مجھے کور کے اپنے چیف کے قدموں میں ڈالنے لے جاؤ گے۔ جب میں اس کے سپرد کر دیا جاؤں گا تو تمہاری ذمہ داری میں نہیں رہوں گا۔ پھر جو کچھ ہوگا۔ اس کے لیے صرف یہ خواہی ذات کو جواب دے گا۔ میری بات سمجھ رہے ہو تاؤ؟

"ہاں... اس کے ملحق سے خرخرات جھری اور میں نے پاؤں ہٹا لیا۔ وہ چند منٹ اسی حالت میں سہنے کے بعد گردن سہلانا ہوا اٹھ رہا ہو گیا تھا۔

"تم نے پہلے اگر ایسا سوچ لیا ہوتا تو میں ہاتھ سے مر رہا ہوتا۔ اپنے جھپکے ہاتھ کو سہارا دے کر بولا۔

"تم نے خرم سلطان چوہدری کو شکست دی ہے تاؤ۔" میں نے بتایا۔

"اور خرم چوہدری اتنا تروالہ نہیں ہے۔ یہ بات می جو بھی جانتا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ اس ڈرائے کے لیے بعد ضروری تھی۔"

"ہاں تم جھپک کہتے ہو۔" وہ تیانی کی جانب قدم بڑھتے ہوئے بڑبڑایا اور میں نے جھپٹ کر اس کا دیوانہ لٹکایا اور میگنٹین نکال کر لایا اور اس کی طرف اچھال دیا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے دیوانہ تھاما اور جیب میں ٹھونس کر میرے آگے سے چل پڑا۔

ہم ابھی دس قدم دور ہی تھے کہ گوتم نے بغن اشارت کر دیا اور کار کو کھٹا تا ہوا میرے قریب آ گیا۔ میں نے تاؤلی کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ حالانکہ ڈرائے میں اس کا کردار دوسرا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر غالب کو نہیں مغلوب کو بیٹھنا چاہیے تھا لیکن میں کوئی رسک لینے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اور نہ ہی یہ فراموش کر سکتا تھا کہ تاؤلی کا تعلق کس محکمہ سے ہے۔ پیچھے بیٹھا ہوا تاؤلی بڑی آسانی سے کراٹے کا ہاتھ میری گردن پر آڑنے کا کامیاب فیصلہ کر سکتا تھا۔

"گڈ ٹاٹ ماما۔" گوتم نے کار متحر کرتے ہوئے کہا۔ پھر اندر کی روشنی کا سورج دبا کر فوراً آف کر دیا۔ غلط جھری روشنی میں اس نے تاؤلی کی صورت دیکھ لی تھی۔ تب ہی اس کی رگ غلاف پھٹنے لگی ہوگی۔ "اے ماسٹر ان لوگوں نے ماما کی صنف بھی بدل ڈالی ہے۔ ماسٹر پلینر مجھے اجازت دیں۔ میں ادھر چلا جاؤں۔ میں لڑکی بننا چاہوں گا اور پھر تمہارے پاس واپس لوٹ آؤں گا۔ پھر تم سے شادی کی درخواست کر دوں گا۔ ایں ماسٹر

تھاری ہوئی ہونا کتنا بڑا اعزاز ہوگا۔

”آہ لوگے“ تاؤلی بول پڑا۔ ”اگرچہ موسم میں تم بڑے جلدی تو تھاری باتوں پر میں دل کھول کر ہنستا۔ سچی خوشی تم جیسے لوگوں سے ملتی ہے۔“

”اوہ تو تم واقعی مرد ہو“ پیدائشی مرد“ کو تم نے ہنسنے ہوئے کہا۔ پھر وہ کہاں ہے ماسٹر...؟

”وہ وہاں ہے جہاں ہم جا رہے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ تاؤلی لڑکے کی رہنمائی کر دیا۔

”فی الحال ضرورت نہیں۔“ تاؤ نے مختصر سا جواب دیا۔

وہ ضرورت ساحلی علاقے میں داخل ہوتے ہی محسوس ہوتی تھی۔ تاؤ نے گوتم کو دم دم سرسوں میں کچھ کہا تھا اور گوتم بڑی سرک جھوڑ کر

ذیلی ٹرک پر ہنگی تھا۔ بائیں ہاتھ، بلند عمارتوں کا طویل سلسلہ سمندر کی طرف بڑھ گیا تھا اور دائیں طرف کڑی کے بہت نما رنگین مکانات... اور

عازمی ٹرا لڑبے ترتیبی سے سمجھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ تاؤلی نے ایک چار منزلہ عمارت کے سامنے کلاؤ کیائی اور پلٹ کر

بولی۔ ”اس عمارت کے گراؤنڈ فلور پر دائیں جانب کا سارا حقہ چیف کے تصرف میں ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر تہ خانے میں ہے۔ کوہ نمبر کتا لیس

کافٹ میٹ، تہ خانے کا دروازہ ہے۔ دونوں پاؤں فٹ میٹ پر رکھ کر، اکتالیس کے دھاتی ہندسوں کو باری باری پیش کرنا پڑتا ہے پہلے

ایک کو پھر چار کو، ایک کا ہندسہ دہانے سے چیف کے سامنے رکھی ہوئی اسکرین روشن ہوجاتی ہے اور اس پر اس شخص کی تصویر آجاتی

ہے جو فٹ میٹ پر کھڑا ہوتا ہے۔ چیف تہ خانے کے دروازے کا لیور ریلیز کر دیتا ہے۔ اس طرح نمبر چار فعال ہوجاتا ہے اور فٹ میٹ اسے

نیچے لے جاتا ہے۔

”معلومات بہم پہنچانے کا شکریہ دوست!“ میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ ”لیکن یہ ساری کادر وانی تمہیں کرنا ہوگی۔“

”میرا کردار یہ لڑکا بھی نباہ سکتا ہے۔“ وہ بولا۔ ”مجھے نکل جانے دو۔ چیف کی نگاہیں ایکسپریس مشین کی خوبیل رکھتی ہیں۔ وہ دل میں

اُتر کر اندر کے انسان کو پہچان لیتی ہیں۔ مجھے نہ لے جاؤ۔“

”تمہیں کیسے نہ لے جاؤں، تاؤلی۔“ میں نے زوردار لہجے میں کہا۔ ”تم میرے لیے ایک انٹری پاس کی حیثیت رکھتے ہو۔ وہ جب

میٹ پر خرم چوہدری اور ایک اجنبی نوجوان کو دیکھے گا تو دروازے کا لیور ہرگز ریلیز نہیں کرے گا بلکہ وہ خرم چوہدری کو گھیرنے کا حکم دے گا۔ لہذا تم میری مجبوری ہو۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے ایک خویل سانس لی۔ ”پھر پہلے مجھے

اُترنے دو۔ میں تمہیں کور کوروں گا۔ کہیں نہ کہیں کوئی آنکھ ہمیں دیکھ رہی ہوگی۔“ اس نے دروازہ کھولنے کے لیے رخ بدلا اور میں نے بھی قور کور

کونے کے لیے تیار کر لیا۔ وہ باہر نکل کر کوئی بھی ناپسندیدہ حرکت کر دے تو میرے منصوبے کی دیواریں خطرے میں پڑ سکتی تھیں۔ اس لیے میں اس کے

ساتھ ہی باہر نکل گیا تھا۔

اس نے فوراً ہی خالی ریو اور میرے سینے پر رکھ دیا اور پھر مجھے دھکیلتا ہوا کار سے چند قدم دُور لے گیا تھا۔ میرے

دونوں ہاتھ گردن پر تھپے بندھے ہوئے تھے۔

”اب گھوم کر اسی پوزیشن میں پل پڑو۔“ اس نے سرگوشی سے مجھے میں حکم دیا۔

یہ اتفاق تھا یا لات گہری ہونے کی وجہ رہی تھی کہ میں نے

نیز روم تک کوئی شخص دکھائی نہ دیا تھا، بالائی منزل سے اترنے کی آوازیں موسیقی کے ساتھ مل رہی تھیں۔ جیسے بہت سے

لوگ ناچ گانے میں مشغول ہوں۔

”اور پوزیشنوں کی انجمن کا ہیڈ کوارٹر ہے۔“ تاؤلی نے شور کی وجہ از خود بتا دی تھی، میں نے جواب نہ دیا اور اللہ کا نام

ذیر لب لے کر دایاں پاؤں فٹ میٹ پر رکھ دیا۔

”ذرا آگے سرک جاؤ۔“ تاؤلی نے ہدایت دی۔

مجھے بھی رینج میں آنا ہوگا۔ ”میں سرک کر دروازے کے ساتھ لگ گیا اور میری ستواں ناک کو اڑوں سے ٹکرانے لگی تھی۔ تاؤلی نے اپنے

ٹوٹے ہوئے ہاتھ کے بار سے میں شاید پہلے نہ سوچا تھا۔ یہی وہ ہوگی کہ وہ میٹ پر چڑھ کر تہذیب کا شکار ہو گیا تھا۔ اگر وہ دیوار

جیب میں رکھ کر بائیں ہاتھ سے ہندسے پیش کرتا تو ڈرائے کا پلاٹ متاثر ہونے کا فخر تھا۔

”تم ہندسے دباؤ خرم سلطان۔“ اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”میں ایک ہاتھ سے تمہیں کور کیے رکھوں گا۔“

میں نے اس کی ہدایت کے مطابق باری باری ہندسے دہانے اور سانس روک کر نتیجے کا انتظار کرنے لگا، معاً میری سماعت سے کلک کی آواز ٹکرانی، میرے قریب کسی جگہ جیسے

کوئی بین آن ہوا تھا۔

”میں آخری سانس تک اپنے مفاد کا ہر موقع استعمال کروں گا۔“ تاؤلی بھی شاید کوئی زوردار مکالمہ بولتا، مگر اچانک

اسے پاؤں کے نیچے فٹ میٹ تھرکنے لگا اور پھر ہم آہستہ

بہ گہرائیوں میں گرتے چلے گئے تھے۔ اس لمحے مجھے نہ جانتے تھیں

وہ کہانی کیسے یاد آگئی تھی۔ جس میں ایک شہزادہ اپنی حلیہ شہزادی

تلاش میں کانے جادوگر کی جادوگری میں داخل ہوتے ہی گرفتار

ہو جاتا ہے اور اسے اُترن کھولے پر پٹھا کر کانے جادوگر کی

دائیں اُتار لیا تھا، میں سوچنے لگا تھا کہ کسی ذہن کی چھلانگ شاید

صدی کی دُھند سے اُدھر چلی گئی تھی، تب کے ذہنی تصورات

ان کھولے کو آج کا انسان اپنے لیے استعمال کر رہا ہے۔

فٹ میٹ کی چوکی جب فرش سے ٹکرانی تو دھمک سے

میں قدرے بے توازن ہو گیا تھا، کیونکہ میرا ذہن مجھے چھوڑ کر اُدھر

بے گھر چلا گیا تھا۔ وہ ایک وسیع و عریض ہال تھا جسے موٹے

بڑے ستونوں نے سہارا دے رکھا تھا، ستون قطاریں دُور

تک چلے گئے تھے، دیواروں پر فٹ بال نما گلوب روشن تھے

ایک ذی رُوح جم دُور دور تک دکھائی نہ دے رہا تھا۔

”ستونوں کی قطار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھو۔“ تاؤلی نے

میری پسیوں میں مارتے ہوئے کہا، چوٹ کھا کر غیر ارادی طور

پر ہٹکا میرے اندر سے اُبل کر حلق تک آگئی تھی جیسے میں نے

بند شکل نکل لیا تھا، تاؤلی بڑی شاندار اداکاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

تقریباً دس ستونوں کا قافلہ طے کرتے ہی وہ منظر یکدم

کی سامنے آگیا تھا، ایک دبیز اسکرین رینگ برسرِ تیزی سے

گت گئی تھی اور میں چلتے چلتے ٹھوکر کھا کر ٹھنک گیا تھا

وہ مندرجہ بالا اندر کے روائی اکھاڑے سے مشابہ تھا،

نیز چاندنی پر گاؤں تنکے لگے ہوئے تھے۔ نفیس قسم کی چھوٹی

ہولی چوبیسوں پر شراب کی بلوری صراحیوں اور شفات گلاس

کے ہوئے تھے اور کریمہ شکل می جُوراجہ اندر کی شان سے

شانمیں اُٹھ کے درمیان پُروقا رانداز میں نیم دراز اپنی بین نما

انکھوں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔

ان لڑکیوں میں وہ بھی شامل تھی جس کی تلاش میں میں رہا

نند کے عشرت کدے میں اُتر کر دخل اندازی کا سزاوار ہوا تھا۔

میرے بدن کا ڈروال ڈروال ایڈنا کو شیطان کے سپیوں

کیوں کسلاگ اُٹھا تھا، لیکن میری حیرت کی انتہا یہ تھی کہ ایڈنا

دیکھ رہی تھی مگر اس کا چہرہ ساٹ رہا تھا اور اس کی

آنکھوں میں ششاسانی خوف یا خورشکی کوئی بھی علامت موجود نہ تھی۔

مجھے یقین تھا اور میری خوف دامن گیر تھا کہ ایڈنا مجھے

دیکھتے ہی ایسے میری جانب چیخ کر دوڑے گی جیسے مغویہ معصوم

بچی اپنی مال کو سامنے پا کر دوڑتی ہے، لیکن وہ تو برت کی سلی بنی

می جُور کے سپیوں بیٹی اجنبی لگا ہوں سے میری جانب دیکھ

رہی تھی۔

”اوہ۔ کیا اس کی بینائی ختم کر دی گئی ہے؟“ میرے اندر

سے گرد گڑا تاہم سوال اُبھرا تھا۔

تاؤلی نے عجب سے پھر دھکا دیا اور میں لڑکھڑاتا ہوا

چند قدم آگے بڑھ گیا تھا۔

”عظیم می جُور کی خدمت میں حقیر تاؤلی کا نادر الوجود تحفہ۔“

تاؤلی نے میری گردن پر ریو اور کے دستے کی ہلکی ضرب لگاتے

ہوئے کہا۔ ”آگے بڑھو اور میرے چپٹ کی عظمت کا جھگ کر

اعتراف کرو۔“

میں نے ٹھوکر لنگل کر کن آنکھوں سے چہرہ تھوڑا سا لٹکا کر

دیکھا۔ تاؤلی میرے دائیں شانے سے دو فٹ کے فاصلے پر

کھڑا تھا۔ می جُور یکدم ہی ہنسی کا دورہ پڑ گیا، وہ ایسے ہنس رہا تھا

جیسے میں کھلکھلایاں کر رہی ہوں، ہنسنے سے اس کا سارا وجود

تھرکنے لگا تھا۔

”بہت بڑا کارنامہ۔ تاؤلی بہت عظیم کارنامہ۔“ اسے لڑکھو

مجھے تاؤلی کے کارنامے پر ہنسو۔ زندگی میں پہلی بار میں دیکھ رہا ہوں

گیدڑ شیر کو مغلوب کر لیا ہے۔ وہ پھر ہنسنے لگا۔ ”لو کیو۔“ ابھی تم نے

چیونٹی پر ہاتھی کو کسائی کرتے دیکھا ہے۔ نہیں دیکھا ہوگا لیکن میرے

نیچے تاؤلی کا دعوا ہے۔ تاؤلی! ان نادان لڑکیوں کو یقین دلاؤ۔ آگے

بڑھو اور اپنے شکار اپنے مغلوب کے مُڑ پر ٹھوکر دو۔“ میں سرتا

پاکپٹا گیا تھا اور میرے جسم کے ہر سام سے پھنکاریں راہ تلاش

کرنے لگی تھیں۔ ”میں دیکھ رہا ہوں میرے بہادر نیچے کا دایاں ہاتھ

کھلائی کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ درنہ میں دوسری فرمائش کرتا۔“

تاؤلی کے قدم کی سرسراہٹ میری سماعت سے جوں ہی

ٹکرانی میں نے چہرہ گھمایا اور وہ ساکت ہو گیا، اس کے چہرے پر

موت کی زردی اور آنکھوں میں زندگی کی آخری التجا پڑ رہی تھی۔

جسے میں نگاہوں کی زبان سے کہہ رہا ہوں، خرم سلطان۔! مجھے

یہ حکم بیا لانے کی اجازت دو، لیکن میں ایڈنا کی موجودگی میں چھوٹی

ہی ہوں یہ ذلت کیسے برداشت کرنے کے لیے خود کو راہنی کرتا، پھر

میں اس ڈرائے کو جاری کیوں رکھتا، میرا مقصد پُورا ہو چکا تھا، میں

تاؤلی کو ذریعہ بنا کر منزل پانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔
میں می جو کی قدم بوسی کرنے تو نہیں خزن کی ندیاں تیرتا
وہاں تک اترتا تھا، مجھے بالآخر اپنی آمد کا مقصد ظاہر کرنا تھا، پھر
خاصوخی اور ذلت برداشت کرنے کی مساعرتوں کو مزید مد نظر
کیوں رکھتا؟

میرے دونوں ہاتھ انگلیوں میں انگلیاں جھنسانے گردن
کے گرد بندھے ہوئے تھے، میں نے سانس روک کر انگلیوں کے
بل ڈھیلے کیے اور دوسرے لمحے میرا دایاں ہاتھ زخمی ناگ
کے زہریلے بچن کی مانند پھنکارتا ہوا تھیل سے بھٹی تک تاؤلی
کی پشت سے ٹکرایا اور تاؤلی اڑتا ہوا می جو کے پاؤں سے
دو تین فٹ دور مڑنے کے بل جاگتا تھا۔

”عظیم می جو کی خدمت میں خرم سلطان کا حقیر سا نذرانہ“
میں نے خرم آواز میں کہا اور آستین کی خفیہ جیب سے اشارہ
پاکر میرا وفادار ریلو اور میرے ہاتھ میں آگیا تھا۔

”تحفہ اور پیش کرنے کا انداز“ می جو تعین بھری آواز
میں بولا۔ ”دونوں مجھے پسند آئے، اٹھو تاؤلی اور اٹھو قدموں
واپس اپنی جگہ پر جا کر کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں ان سب کے سامنے
اپنے جینے بچنے کو انعام سے نواز دوں۔“

”نہیں۔ تاؤلی ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ ”رحم۔ رحم چیت“
م۔ مجھے مجبور کر دیا گیا تھا۔

”میرے حکم کی تعمیل میں دیر نہ کرو تاؤلی۔“ می جو کی آواز
میں سفاک خود کرائی۔ ”اٹھو۔“

”م۔ میرا بھائی ساؤلی اور جوش دونوں اُس کے ہاتھوں
ہلاک ہو چکے ہیں چیت۔ میں زندگی کے بدلے اسے یہاں لے
آیا تاکہ میرا عظیم چیت میری حفاظت کرے۔“

”وہ دونوں وفادار اور بہادر تھے۔“ می جو کی غڑاہٹ
میں اُن کے لیے عقیدت تھی۔ ابھی موت مڑے اور اچھی راہ پر
روانہ ہو گئے۔ چلو پیچھے ہٹو۔“

تاؤلی جھٹکے سے اٹھا اور تین قدم اٹھے اٹھانے کے بعد
اچانک وہ پٹا اور میرے قریب سے سنسناتا ہوا نکل گیا اور اسی
لمحے میری آنکھوں کے سامنے بجلی کا شکارہ کوئلا، وہ چاقو جو میرے
دائیں پہلو سے گزرا تھا اتنا ہی چمکدار تھا کہ روشنی میں بیل کے کوندے
کی مانند تاؤلی کے تعاقب میں پکٹنا دکھائی دیا تھا۔

تاؤلی کی چیخ بڑی دردناک تھی اور جب میں نے پٹک کر
دیکھا وہ گھٹنوں کے بل گر رہا تھا اور جاتو کا پھل دسے تک اُس

کی پیٹھ میں پیوست تھا۔

”کیا میں اس کا ردوائی کو اپنے لیے دھمکی سمجھوں گی جو
میں نے اُس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھ کر پوچھا۔

”اوہ نہیں لڑکے۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ تو ایک مرد
کا ردوائی تھی، میں جس طرح اپنے بہادر دشمنوں کی قدر کرتا ہوں
اسی طرح اپنے بے وفادار مجرب دل دوستوں سے نفرت بھی کرتا
ہوں۔ ہاں اب تم بولو۔“

”مجھے میرے ذرائع سے بتایا تھا کہ می جو نے نہایت
ہی غلیظ اور ادھی چال چلتے ہوئے بیکر کی جی کے بدلے خرم
سلطان کو طلب کیا ہے۔ مجھے جو پکارتے ہیں میں اُن سے
دور نہیں رہ سکتا۔“

”تم نے شاید اپنی اس شہر کی زندگی کا پہلا دانش مندانہ
فیصلہ کیا ہے۔“ می جو پھر خرم دروازہ ہو گیا اور اُس نے ایڈنا کو
جام بھرنے کا اشارہ کیا، ایڈنا نے بڑی نفاست سے جام بھر کر
اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔

”اور اب میں تمہارا فیصلہ سننے کا منتظر ہوں انکل جو۔“
میں نے سختی الامکان اپنی آواز کو نرم رکھا ہوا تھا۔

”ادھر آکر ہم میں شامل ہو جاؤ مندری بچے۔“ اُس نے
بڑا سا گھونٹ حلق سے اتار کر جاننی پر ہاتھ مارا۔ ”عذرا باقی فیصلے
دیر پا نہیں ہوا کرتے، مجھے تمہاری آرزو تھی تم آگے، میرے
عزبات وہی ہیں جو ایسے باپ کے ہوتے ہیں جس کا بیٹا اپنی جذباتی
خطائیں تسلیم کر کے واپس گھر لوٹ آتا ہے۔“

”نہیں انکل جو۔“ میں نے پاؤں اٹھا کر فرش پر مارا۔ ”تم
اس لڑکی کو میرے نام پر ادھر لائے ہو۔ پہلے میری پیشانی سے
داغ ڈھلے گا پھر دوسری بات ہوگی۔ میں اس قرن کا بو جھاٹھا
ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ ایڈنا کو میرے حوالے کر دو۔ میں
اس امانت کو گھر پہنچا کر کوئی فیصلہ کروں گا۔“

”خند نہیں خرم سلطان۔“ وہ غڑانے لگا۔ ”میں نے
چند منٹ قبل کہا تھا، گیدڑ اور شیر کا مقابلہ کوئی بھی تسلیم نہیں
کیا کرتا۔ بیکر کی جی قیدی نہیں بلکہ مہمان ہے۔ اب اس کا
تمہارے نام سے کوئی تعلق نہیں رہا، یہ میرا اور بیکر کا
ذاتی معاملہ ہے اور ہم اس سلسلے میں مذاکرات کر رہے ہیں ہاں
اگر کل شام تک کوئی معاملہ نہ ہو تو تم ہی میری طرف
سے اس لڑکی کو ادھر چھوڑنے جاؤ گے۔“

”لیکن میں چاہتا ہوں یہ فرض میں آج ہی رات ادا کروں۔“

”نہیں لڑکے۔“ می جو نے منہ میں سر ہلاتے ہوئے کہا
”آج نہیں، جاؤ لڑکی اسے اپنے ساتھ لے جاؤ، بہت
دنوں بعد واپس آیا ہے خوب خدمت کرو، خرم۔“ جاؤ میرے
بیٹے اندر زندگی کو لطف و کرم سے آشنا کرو۔“

”اگر میں انکار کر دوں تو؟“ میری آواز خود ہی مجھے
جھٹکا گئی تھی۔

”می جو بھی چونک کر سیدھا ہو کر مجھے گھورنے لگا۔
”تو بھی تم اندر جانے پر مجبور کر دیے جاؤ گے۔“ وہ
سردیہ میں بولا۔ ”لیکن ایسی صورت میں تمہاری زندگی
اڈیت ناک لمحوں سے آشنا ہوگی۔ تمہیں سلاٹر سیل میں پڑانی
لاشوں کے درمیان زندہ لاش بنا کر پھینک دیا جائے گا، لیکن
میں وہ فیصلہ نہیں کروں گا، تم میرے آئیڈیل ہو خرم۔“

”جھجھوت نہ بولو انکل جو۔“ میں نے استہزائیہ انداز میں
کہا۔ ”ہمارے ہاں لوگ سفید دھڑھی کا بے حد احترام کرتے
ہیں، تم بھی اپنا احترام کلاؤ، جھجھوت و قمار کو جلا ڈالتا ہے۔“
”اپنے ماضی قریب کو پٹ کر دیکھو لڑکے۔“ اُس نے
مرا می غماز سے گھونٹ لے کر کہا۔ ”میں کیسا رہا ہوں، تمہیں
کون سا مقام دیا تھا؟“

”کاش تم نے میرا مقام برقرار رکھا ہوتا۔“ میں نے دکھ
سے کہا۔ ”تم نے اپنے مفاد کی خاطر مجھے فروخت کرنے کا فیصلہ
کر کے مجھے اُس مقام سے گرا دیا تھا، تب ہی مجھے اپنی راہ
خود بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔“

”اوہ۔“ اُس نے دارھی کے بال نوچتے ہوئے پہلو
بل کر کہا۔ ”تو تم اُس راز سے بھی واقف ہو۔“

”ہاں انکل جو۔“ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”تمہیں
مادام ٹری تاں نے یقیناً بتا دیا تھا کہ خرم جو دھری نے تمہاری
بال سے آگاہ ہونے کے باوجود بھی تمہارے دشمنوں کی سازش
میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا۔“

”می جو ایک ایک بال نوچتے ہوئے چند ثانیے گہری
سوچ میں غوطہ زن رہنے کے بعد اُجھڑا تھا۔

”آؤ پیارے لڑکے۔“ اُس نے دونوں ہاتھیں پھیلا
دی۔ ”ہم دونوں اپنے دل سے اپنی اپنی خطاؤں کو تسلیم کر
لیں اور پھر تجدید وفا کریں۔ تم مجھے معاف کر دو اور میں
تمہاری تان کے قاتل کو معاف کر دوں گا یہ بالکل برابری کا سودا ہوگا۔“
”ٹھیک ہے انکل جو۔“ میں دو قدم بڑھتا ہوا بولا۔

”میں برابری کی سطح پر سودا کرنے کو تیار ہوں، ایڈنا مسٹر بیکر
کے حوالے کر دو اور مجھے اپنے پاس رکھ لو۔“
”مجھے منظور ہے۔“ اُس نے مسکرا کر گردن ہلائی۔ ”کل
کسی وقت اس معاہدے پر عمل ہو جائے گا، اب ریلو اور جیب
میں رکھ دو اور اندر چلے جاؤ۔“

”ابھی اور اسی وقت انکل جو۔“ میں پُر زور آواز میں
بولا۔ ”میں تمہیں دوسری حماقت کرنے کی مہلت نہیں دے
سکتا، ایڈنا اپنے گھر جانے کی اُن کاغذات کے ساتھ جو اس
کے نئے سفر۔۔۔“

”قاموش۔“ وہ اُچھل کر دھڑا۔ ”تم۔ تم اتنی گہرائیوں
میں اتر چکے ہو، اس کا مجھے اندازہ نہ تھا، تمہیں اب گہرائیوں
میں دفن رہنا ہوگا۔“ اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریموٹ کنٹرول انٹرڈنٹ
کا بن دیا دیا۔

ریلو اور بری میری گرفت اتنی سخت ہو گئی تھی کہ میری انگلیوں
کی پوری خون کے شدید دباؤ سے درد کرنے لگی تھیں، میں کسی
بھی شگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے ذہنی اور جسمانی
طور پر بالکل تیار تھا، صرف ایک لمحہ کا صد جوی جوڑنے کسی
طرف روانہ کر دیا تھا اُس کے جواب کا منتظر تھا۔

میں جھنجھلاہٹ کے زیر اثر کوئی اندھا قدم اٹھانا
نہیں چاہتا تھا ورنہ می جو کی وہ انگلی جو میں کی جانب بڑھی تھی میری
گولی کا بدلت بھی بن سکتی تھی۔

”پٹ کر دیکھو خرم سلطان۔“ می جو کی جانی پہچانی سرد
آواز ابھری۔ ”اور اپنی پوزیشن کا اندازہ کر لو۔“

میں نے چہرہ ٹھا کر بڑے ٹھہرے اور بے خوف انداز
میں دیکھا اور مہیتی بخونی سانس سینے میں ہی جھٹ کر رہ گئی، میرے
بالمقابل چار ستون تھے اور ہر ستون ستون میں سے ایک ایچ
قطر کا بیرل گول آنکھ سے مجھے گھور رہا تھا۔

اپنے قد اور گول آنکھ کی اونچائی کا اندازہ یہی لگایا تھا کہ
چار گولیاں بیک وقت میری چھاتی کو اُدھیر سکتی ہیں۔ جذباتی قدم
تو یہ تھا کہ می جو کی پیشانی میں سوراخ کر دوں اور جواباً چار روشن دان
اپنے جسم میں بنوا دوں، لیکن میں عقلی فیصلہ کرنے کی جانب جھک
گیا تھا۔

میں نے طویل سانس لے کر می جو کی جانب شکست خوردہ
لنگاہوں سے دیکھا اور ریلو اور جیب کی جیب میں لڑھکایا۔
”یہ بازی تم جیت چکے ہو انکل جو۔“ میں نے دونوں ہاتھ

اوپر اٹھاتے ہوئے اپنی شکست تسلیم کرنی۔ اب صرف درخواست کرنے کی پوزیشن میں ہوں، میرے ساتھ بیکر کی بیٹی بھیج دو۔ یہ میری مہمان ہے۔ اس نے ایڈنا کی جانب مسکرا کر دیکھا، ایڈنا کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور وہ خشمناک لگا ہوں سے مجھے گھور رہی تھی، می جوئی لگائی بیٹھے بھی میں نے آنکھ دبا کر ایڈنا کو اشارہ دے دیا اور وہ بیک دم پڑ سکون برقی چلی گئی تھی۔ میں اسے حکم نہیں دے سکتا، ہاں اگر جاننا پسند کرے تو میں اجازت دیتا ہوں۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں جناب۔ ایڈنا نے مزید آواز میں کہا اور کھڑی ہو گئی۔

”شکریہ ایڈی۔ میں نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس طرح شاید شکست کا دکھ کچھ کم ہو جائے۔“

رہائشی کمروں کی قطاری جڑکی پٹت پر تھی، ادھر سے ایڈنا اپنے قدم اٹھاتی میری جانب بڑھنے لگی اور ادھر سے میں متوازن قدم بڑھاتا فاصلہ کم کرنے لگا، ہم دونوں می جوئے عقب میں آئے سانسے ہوئے، می جو کو گردن موڑے ہمیں دیکھ رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں وہی انٹرمنٹ تھا جس کے بلاؤ سے پرتو نون نے ہیرل اگل کرنا بر کر دیے تھے اور مجھے یقین تھا دوسرے بلاؤ سے پر گرم گرم گولیاں بھی پک آئیں گی۔

ایڈنا میرے سامنے اگر بالکل مشرق کی کنواری بن گئی تھی، لگائی فرش پر جھکائے شرمائے شرمائے انداز میں وہ مجھے اپنی کزن زینت ہی دکھائی دے رہی تھی۔

میں نے ایک ہاتھ جیکٹ کی جیب میں رکھا اور دوسرا ایڈنا کی جانب بڑھایا، انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی محبوب اپنی محبوبہ کا ہاتھ تھام لینا چاہتا ہو۔

میرا ہاتھ کلائی سے ٹکرایا اور پھر برق رفتاری سے اوپر اٹھا، دوسرے لمحے میں ایڈنا کو بانہ کے شکنجے میں کتا ہوا فرش پر بیٹھ گیا تھا، ایڈنا کا گداز جسم میرے بازو کے تنگ حلقے میں بالکل ساکت و مسامت ہی ہو گیا تھا۔

ایڈنا میری آغوش سمٹ گئی تھی اور می جوئی آنکھیں حیرت سے ابل آئی تھیں، یہ ساری کارروائی ایک سیکنڈ میں مکمل ہوئی تھی۔ ”اٹھو نکل جو۔“ میں نے ریو اور کی نالی کا رخ اس کی پیشانی کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔ اب تمہارے سامنے دورا ہے، ہم دونوں کو ایک ساتھ چھلنی کر دو یا یہاں سے نکل جانے دو۔ فیصلہ کرنے سے قبل میرا وعدہ سن لو، میں ایڈنا کو گھر چھوڑ کر

تمہارے پاس لوٹ آؤں گا۔“

”نادان لڑکے۔“ می جوئی پڑ سکون آواز نے مجھے بھر پور الجھن میں ڈال دیا تھا۔ می جو اتنا بے بس نہیں، ابھی میری جیب کی کئی موثر شے ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں تم کتنی دیواروں کو توڑتے ہو۔“

”سناتو۔“ اس نے کسی کو آواز دی اور میں نے عقب سے دروازہ خیر خیر اٹھانے اور خیر خیر کی غڑاہٹوں کی آواز سنی، مگر میں چہرہ گھمائے کی پوزیشن میں نہ تھا۔

”ایڈی۔“ پیچھے دیکھو اور نگرانی کرو۔ میں نے ایڈنا کے کان میں سرگوشی کی۔

”اوہ۔“ ایڈنا کا جسم ہلکا ہوا اور اس کے منہ سے خوف زدہ چیخ ابھری، تب میں نے تیزی سے گردن موڑی اور وہ قدرت کا شاہکار دیکھا، جو بالکل بے پیر مگر کی شکل میں مشابہت اور مگر می کی طرح ہاتھ پاؤں کے بل پھدکھدک کر رہا تھا۔

وہ چھلانگیں لگاتا ہمارے قریب سے گزرتا می جوئے سامنے جا کر استادہ ہو گیا تھا، اس کے دونوں ہاتھ کلائیوں تک اندر کی جانب مڑے ہوئے تھے، اور دس تاخن بلائیں تھیں تیز دھار سمجھا لوں، نیزوں اور خنوروں پر مشتمل تھے، ہر تان کی لمبائی اور ساخت دوسرے سے قید ہی تھی۔

”سناتو۔“ می جوئے میری جانب اشارہ کیا۔ ”خون کا کنگ سانز کیپسول، تیری وفاداری اور قوتوں کا آگے بڑھا اور حیرتوں کے نتیجہ روں کا شاندار مظاہرہ دکھا۔“

سناتو نے چھپو پھوٹا لمبوتر اور باریک چہرہ اٹھا کر میری جانب دیکھا اور اس کے پیچھے ہوئے ہوئے کو پھارتے ہوئے دو دانت باہر نکل آئے۔

”ڈر کیولا۔“ ایڈنا کی سسکی ابھری۔ ”ختم۔“ ابوڑھے کی بات مان لو۔ میں تمہیں اجازت دیتی ہوں۔“

”نہیں۔“ میرے حلق سے غڑاہٹ برآمد ہوئی۔ ”مجھے بڑی دلی کی راہ نہ دکھاؤ۔ میں اس شیطان کا مقابلہ کروں گا۔“

میں نے اس کے تنگ سینے کا نشانہ لیا اور ابھی میری انگلی کا دباؤ سفر میں ہی تھا کہ سناتو ایسے ہی چھڑے اڑ گئی تھا جیسے چڑیا ہاتھ کی حرکت کو دیکھ کر بھدک جاتی ہے۔ دھماکا تو ہو گیا تھا، لیکن گولی نے سامنے دیوار کا پلاسٹری اٹھا ڈالا تھا۔ سناتو، تو میرے سر کے اوپر سے لہراتا ہوا جیٹ جہاز کی رفتار سے گزرا تھا اور چھٹا مارا

کر رہا تھا۔ یہی ریو اور سے غالی کر گئی تھا۔ اسی لمحے میری سماعت میں گرم دھماکے کی طرح می جو کا باریک قہقہہ بھی اترتا تھا، ایڈنا ٹرپ کر میری گرفت سے نکل گئی تھی اور سناتو دس خطرناک ہتھیاروں کو مٹانے زلزلہ برپا کرتا ہوا میری جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

ہمیں اپنی زندگی کی بدترین پوزیشن سے دوچار ہو چکا تھا۔ ایسی خطرناک گھڑی وہ بھی نہ تھی جب میں ہونٹ کی دیواری میں چاروں اطراف سے ناچتی اور قہقہے لگاتی موت کے درمیان نکل جانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ میں نے خود کو اس لمحے ہی اس قدر بے بس نہ سمجھا تھا جب عاید کی گئی میں غندوں کے ترغے میں چپس گیا تھا۔

ایک ریو اور سناتو کسی چیل کی مانند چھپا مار کر چھین لے گیا تھا۔ دوسرے ریو اور تیلوں کی بپ پاکٹ میں میرے ہاتھوں سے دوڑتا تھا۔ وہیں اٹھ کر بگڑے کا کوئی دفاعی حربہ استعمال کر سکتا تھا نہ کر لے کا فن اپنی سلامتی کیلئے بھروسہ قرار کام میں لانے کی پوزیشن میں تھا۔ کھڑے ہونے میں جو خطرہ تو نون سے جھانک رہا تھا، اسے میں نظر انداز کیسے کرتا۔ میں بالکل نشانے کی زد میں تھا۔ دمی جو میری مجبور یوں سے بخون کاہ تھا۔ کھڑے ہوتے ہی الیکٹرک اشارہ بچے چھپنی کر دیتا۔

میری حالت اس ممد و شخص سے مختلف نہ تھی جس کا پیلا دھڑ منور کر دیا گیا ہو میرے پاس صرف ہاتھ ہی تھے خالی ہاتھ اور سناتو کی موت میں جو خطرہ تیزی سے رینگتا ہوا میری جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اسے میں اقول سے ہی روکنے کی ناکام کوشش کر سکتا تھا۔

دفعاً ایڈنا کے منہ سے خوف زدہ چیخ ابھری۔ اس نے پیسے ہاتھوں میں چہرہ چھپایا پھر چیختی ہوئی اٹھی، مگر اور قلابازی کھاتی ہوئی می جوئے قریب چل گئی۔

”روکو... روکو... خدا را اسے روک و انکل۔“ دمی جو کا شانہ قہام کر گزرتے ہی تھی۔ ”م... میں نہیں جاؤں گی خیم سلطان کو پالوانکل...“

ی جوئے ہاتھ اٹھا کر اس کے ہاتھ کو قہقہہ چھپایا اور ہنسنے لگا جیسے خالی میں میں نکریاں گر رہی ہوں۔

”تماشا دیکھو لو کی۔ زندگی کا دہشت ناک تماشا... ایسے تماشے روٹن دنیا میں نہیں دکھائے جلتے۔“

سناتو مکر سے کی چال چلتا ہوا جوں ہی میری لات کی زوئی آیا۔ اس نے رک کر اپنے مڑے ہوئے ہاتھ فرش سے اٹھالے۔ اس کی انگلیاں بے قیوی سے آگ کی زبان کی مانند حرکت کر رہی تھیں، اس کے انداز سے میں نے ہانپا تھا کہ اب وہ حملہ کرنے والا ہے۔ میں نے ہاتھوں کو دفاع کے لیے تیار کر دیا تھا۔ اس سے قبل کہ ہاتھ ذہن کے حکم کی تعمیل میں اٹھتے ذہن نے سب سے حکم واپس لینے کی اطلاع دیے بغیر وہی حکم پاؤں کی طرف بھیج

دیا اور میں بیک دم پیچھے گرا اور دونوں پاؤں جوڑ کر سناتو کی جانب اچھال دیے سناتو چونک کر ذہنی ہدف نہ تھا اس لیے ضرب کی دھمک بھی سنائی نہ دی تھی اور نہ ہی مجھے محسوس ہوا تھا کہ میرے پاؤں کسی شے سے ٹکرائے ہیں لیکن ضرب سناتو کو گئی تھی جس کے نتیجے میں وہ تینس کی بیٹی گیند کی حیرت اور اٹھتا چلا گیا تھا، اوپر جانے کی رفتار سے میں نے ہی سوچا تھا کہ سناتو کا بچکانہ جسم چھت سے ٹکرا کر جڑماتا ہوا فرش پر گرے گا۔

لیکن حیرت سے میرا منہ کھل گیا اور آنکھیں چھڑکتیں۔ جب میں نے کھلی آنکھوں سے وہ ناقابل یقین منظر دیکھا۔ سناتو کسی کاغذ کے پرزے کی مانند لہراتا ہوا چھت سے ٹکرایا اور پھر چھپکلی کی مانند چپک گیا تھا۔ بھج وہ چپکا ہوا ساکت رہا اور پھر سپاٹ چھت پر رینگتا ہوا دیوار تک گیا اور پھینکا ہوا فرش پر گیا تھا۔ میں آج بھی اعتراف کرتا ہوں کہ سناتو کی مافوق الفطرت ذات نے مجھے خوف زدہ ہی نہیں بلکہ میں نے دھڑکتے حیرت میں ڈوب کر وہ وقفہ سکتے کے عالم میں ضائع کر دیا تھا جو سناتو اور فیصلے نے مجھے دیا تھا۔ میں نے اسے فیڈا اٹھاتے ہوئے کر وٹ کے بل نشانے کی زد سے نکل سکتا تھا اور بیک پاکٹ سے ریو اور بھی نکال سکتا تھا لیکن میں سناتو کے سحر میں جکڑا اسی حالت میں رہا تھا۔

پھر جب سناتو نے مینڈک کی طرح پہلی چھلانگ لگائی، میرا ہاتھ غریختی کی طور پر ریو اور نکالنے پیچھے دوڑا اور اسی وقت گہرا سکوت می جوئی کوخت آواز کی تنہا دھار سے بھر بھرتا ہوا چھت گیا اور میرا ہاتھ منورج سا ہو کر رہ گیا تھا۔

”نہیں لڑکے! ریو اور استعمال نہیں کرو گے۔ وہ ہتھیار نہیں کر دو۔ اگر تم نے کوئی بھتیجا استعمال کیا تو ایڈنا کی گردن توڑ دی جائے گی۔“ ابوڑھے کی مچی اس قدر موثر تھی کہ میں ہاتھ واپس لے آیا اور ٹرپ کر گھٹنوں کے بل خیم استادہ ہو گیا تھا اور سناتو نے دائیں بازو کا قوس بنایا اور منہ سے خوشی کی آواز نکالنے لگا۔ اس کے چھوٹے سے چہرے پر کرب کے نمایاں آثار ابھر آئے تھے۔ میں سمجھ نہ سکا تھا کہ وہ دوسرے رو رہا تھا یا شکار کی بے بسی پر نہیں رہا تھا۔

غیشوں کے درمیان اس کے دانت بالکل کتے کے دانتوں سے ملتے جلتے تھے اگر نسل آدم سے تعلق نہ رکھتا تھا تو یقیناً کتے کا خون اس میں شامل رہا ہو گا کیونکہ جسم چہرے اور ہاتھ پاؤں کی ساخت کتے سے مشابہت تھی۔ می جو نے سچ ہی کہا تھا۔ سناتو قدرت کا عجیب شاہکار تھا۔ اس کی مختصر سی ذات انسان نکتے پرندے اور چھپکلی کا مجموعہ دکھائی دیتی تھی۔

اس دفعہ وہ چند قدم دور ہی رگ گیا تھا اور مکر سے کی گولی گول چمکتی آنکھوں سے ایک تک مجھے گھورتے لگا تھا۔ تب میں نے ایک خطرناک فیصلہ کرتے ہوئے خود کو اچھلنے کی پوزیشن اختیار کر لی۔ میں نے سناتو پر چھٹے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ شیر اور بزرگ کر شکار کو بھاگنے اور اڑنے کی مہلت نہ دے کر غالب رہا کرتے ہیں۔ میں می جو کے لیے تماشہ

بنا ہوا تھا، ایسا کہ اندر جس خرم سلطان کا تاترقا تم تھا وہ خرم سلطان ایک مدرسے کے سامنے بس دکھائی دے رہا تھا مجھے اپنے جسم اور ذات کا بھرم برقرار رکھنا تھا چنانچہ میں نے ہاتھ فرش پر میک کر جسم ٹولا اور اس میں بچوں اور جھیلوں پر آخری دباؤ ڈال ہی رہا تھا کہ ساتھ چھرے سے اُٹسا اور اس کا انداز لڑا کا طیارے ہی جیسا تھا۔ اوپر اٹھ کر وہ غوطے میں اُڑا تھا۔ ادھر میں بھی خود کو اوپر اُچھال چکا تھا، سناٹو شاید جھپٹ کر پھینکے فن سے عاری رہا ہوگا ورنہ مجھے اوپر اُٹھتے دیکھ کر وہ پلٹ جاتا۔ میں جھپٹ کر پلٹ بھی سکتا تھا۔ یہی وجہ رہی تھی کہ میں نے بھی خود کو پلٹ کر اوپر اُٹھنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ سناٹو غوطے میں ایک بلندی رکھے آ رہا تھا اور میں سیدھا اوپر اُٹھ گیا تھا۔ وہ میرے سینے سے ٹکرایا مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی ننھا سا بچہ ٹکرایا ہو۔ ٹکراتے ہی اس نے دونوں ہاتھ میرے چہرے کی جانب موڑے مگر اس سے قبل کہ اس کے تیز دھار اور لوہے کی ناخن میرے چہرے تک آتے، میں نے دایاں بازو اس کی دونوں کہنیوں کے جوڑوں پر مارا اور اس کی تپلی کمر بائیں ہاتھ میں دبوچ لی۔ اس وقت ہم دونوں دایں فرش پر اچکے تھے۔ میں پاؤں کے بل گر تھا اور سناٹو میرے ہاتھ کی گرفت میں جکڑا اُٹھ کچھوے کی طرح تڑپ رہا تھا۔ دائیں ہاتھ سے اس کی تپلی تپتی تھکن ٹانگوں کو میٹھا میرے لیے کوئی مشکل نہ تھا تاہیں گرفت میں لے کر میں نے اس کی کمر چھوڑ دی تھی۔

اور پھر میں سناٹو کے جسم کو یوں گھماتے لگا جیسے ہمیر تھرو کا کھلاڑی دائرے میں چکر مارے۔ میں کھلاڑی ننھا کہ دائرے کی پابندی کرتا۔ میں سناٹو کو ہمیر کی طرح گھما کر چھوڑنے کا بھی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں نے ایک بار لگ لگا کر اسے چھت کی طرف اُچھال کر بیجو دیکھ لیا تھا۔ اگر میں اسے دیوار کی جانب اُچھال دیتا تو وہ پھر کاغذ کے پرزے کی طرح دیوار کو چوم سکتا تھا۔

چکروں کے دوران ہی میں نشلنے کی زد سے دایں جانب چلا گیا تھا۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ سناٹو کی پوزیشن سے گھبرا کر لوہا شیطان ستونوں کو آگ اُٹھنے کا اشارہ دے دیتا۔ یہ خطرہ میرے پیش نظر ہی تھا یہی وجہ رہی تھی کہ پہلے ہی چکر میں خود کو میں نے خطرے کی زد سے دور کر لیا تھا۔ سناٹو کے لیے جو فیصلہ میں کر چکا تھا۔ اس کی تکمیل کے لیے مجھے ستون یا دیوار کا قرب درکار تھا۔ ستون میں جو کی جانب تھے۔ فاصلہ بھی زیادہ تھا۔ البتہ دیوار تک سائی حاصل کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اگر وہ کوئی عام انسان ہوتا تو اتنے چکروں میں ہی خون کا دباؤ اسے ہلاک کر سکتا تھا مگر سناٹو ممکن انسان تھا ہی نہیں۔ وہ انسان اور حیوان کے درمیان کوئی مخلوق تھی۔ بچوں ہی دیوار قریب آئی، میں نے پوری قوت سے سناٹو کو دیوار پر مار دیا۔ اس کی کھوپڑی ایسی ہی آواز سے بھری تھی جیسے

میرے ہاتھوں سے ان بریک ایل گلاس فرش پر گر کر دیرہ دیرہ ہو گیا تھا۔ سیال مادے کے بے شمار جھینٹے میرے چہرے سے ہاتھوں اور لباس پر آن پڑے تھے۔ جب میں نے اس کا بقایا جسم جھٹک کر فرش پر پڑا تو دھڑ پر گردن موجود نہ تھی۔ گردن چھوٹی چھوٹی کر جیوں میں بٹ کر پھٹ گئی تھی۔ "تھار ایک پتا۔" میں نے پلٹ کر ہانپتی آواز میں کہا۔ "پلٹ کر آئے ہو۔" انکل بھو دوسرا پتا پھینکا۔

"ہاں دوسرا پتا۔" میں جو کھر کھاتی آواز میں غزایا اور حسب عادت دایں کے بال نوچنے لگا۔ "ٹھیک ہے لڑکے، میں آخری پتے تک لگاؤں گا۔ جس طرح ہارنا ہوا جواری آخری سکتے تک نا اُمید نہیں ہو کر آتا۔" اس نے چہرہ گھما کر دونوں لڑکیوں کی جانب دیکھا۔ "لیزی، روم نمبر چودہ کا دروازہ کھول دو۔" جیکٹ کی جیب سے جانی نکال کر لڑکی کی طرف اُچھال کر اس نے ایڈنا سے کچھ کہا اور ایڈنا نے صراحی سے شراب انڈیل کر گلاس کیل کے ہاتھ میں بھرا دیا۔ "میں تمہیں زندہ رکھنا چاہتا تھا خرم سلطان۔" اس نے ایک گھونٹ میں آدھا گلاس حق میں انڈیل کر کہا۔ "کبھی نہ کبھی تو تم مر ہی جاتے لیکن تم نادان اور خدکی ہو۔ مجھے تمہاری موت کا فیصلہ کر کے دکھانے کے لیے حد تک لڑکے۔"

"اب بھی دقت ہے انکل۔" میں نے آستین سے چہرہ صاف کیا۔ "ہوئے جواب دیا۔" تم اپنا فیصلہ بدل دو۔ میں ایڈنا کے ساتھ یہاں سے لے کر جذبات سے کر نکل جاؤں گا اور میری دایں کے امکانات روشن رہیں گے۔" "ہاں دقت ہے۔" اس نے لڑکی کو دیکھتے ہوئے سرشات میں ہلایا۔ "لیزی، ٹھیک رہاؤ۔" ہاں لڑکے، میں اپنا فیصلہ بدل سکتا ہوں بشرطیکہ تم ایڈنا کے ساتھ ایک رات یہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لو۔ لیکن کرو خرم سلطان بلاشبہ یہ لڑکی تمہارے نام پر یہاں منگوائی گئی تھی لیکن اس کے باپ نے درمیان میں آکر پہلا مقصد ختم کر دیا ہے۔ اب بیکر کی بیٹی میری سلامتی اور مفادات کی باوثوق ضمانت بن چکی ہے۔ میری کاروباری ضرورت اس قدر شدید ہے کہ میں اس لڑکی پر گرفت مضبوط رکھنے پر مجبور ہوں۔ ورنہ میں تمہیں ناراض نہ کرتا۔ بیکر سے سودا طے ہوتے ہی یہ میرے لیے بے کار ہو جائے گی اور میں وعدہ کرتا ہوں لڑکی میں صرف تمہارے بیوہ ہی کروں گی۔ اٹھو ایڈنا اپنے سر پھرے دوست کو میری مجبور یوں کے آ پر ہنی کرو۔"

"سناٹو انکل جو۔" میں دیرے دیرے قدم اُٹھاتا ہوا بولا۔ میں سودے کی نوعیت سے بخوبی آگاہ ہوں، اگر میں کان اور آنکھیں کھلی رکھتا تو تم اوشن کے پار سفر گوجی سے معاملہ طے کر لیتے۔ میری وجہ سے تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تو اتفاق سے وہ لڑکی تمہارے قبضے میں آگئی جس کا باپ بھی گوجی کی طرح جہازداں کمپنی کا مالک ہے۔ اب تم اس سے

سودا نہیں بلکہ اس کو بلیک میل کرنا چاہتے ہو اور میری پیش کش ہے کہ ایک سیلنگ کا اُلجھا ہوا راستہ اختیار نہ کرو۔ میں بیکر اور تمہارا معاملہ طے کرانوں کا پیش اسے بیٹی دے کر اس احسان کے بدلے اس سے جہاز مانگ لوں گا کیونکہ میں خود بھی اس ظالم شہر سے فرار ہونا چاہتا ہوں۔"

میں جو چند ثانیے خالی گلاس کو ہاتھ میں گردش دیتا اور چھت کو گھومتا رہا۔ اضطراب اس کے انگ انگ سے ٹھوٹ رہا تھا۔ "ہونہ۔" اس کی غزیت بے پناہ سرد تھی۔ "انفسوس پیارے لڑکے اب تمہاری خاموشی ناگزیر ہو گئی ہے۔ میں ساری جہاز زندگی کی پونجی داؤ پر لگانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ لیزی، موت کا راستہ کھول دو۔"

لیزی نے ٹھوک لٹک کر میری جانب حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور مورخ میں لگی جانی کو بل دے کر لٹو گھمایا اور دد رتی ہوئی می جو کے پس ملی گئی تھی۔

میں جو کی تمام تر توجہ مجھ پر مرکوز تھی ایڈنا بھی سر دی اس کے پہلو میں ڈرے ہوئے چوڑے کی طرح ڈبکی ہوئی تھی اور میں حیران تھا۔ وہ ایڈنا کہاں ہے جس نے فادہ گاہے کی تربیت کا۔ میں اپنی جہانی ساخت اور قوتوں سے مجھے متاثر کیا تھا جو بد مقابل بر برق کی طرح کونڈا کرتی تھی لڑکیوں نے جسے گلابی شیریں کا خطاب دے رکھا تھا، وہی گلابی شیریں بھیجی آتی دکھائی دے رہی تھی۔

منا میری ایشی ہی حیران نگاہ ریوٹ کنٹرول اسٹرومنٹ پر پڑی جو ایڈنا نے بڑی صفائی سے می جو کی جیب سے نکال لیا تھا۔

اسی لمحے دروازہ دھمکے سے کھلا اور اندر سے جو جسم باہر آتا دکھائی دیا۔ اسے پہلی نظر میں انسانی جسم قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ حسب کی زبان میں ۳x۳ مربع فٹ تھا مگر اس کے چہرے اور عریاں باہنوں پر بال ہوتے تو اسے گوریل کہا جاسکتا تھا لیکن اس کا تہنہ جیسا بدن بالوں سے خالی تھا۔ جینوں سے بالوں سے بے نیاز تھیں۔ اس کے جسم پر جرمی جیکٹ اور گھیرے دار اسکرٹ ہٹا کوئی لباس تھا۔ باہر آ کر اس نے دایں بائیں دیکھے بغیر سینے پر ہاتھ باندھے اور می جو کو جھٹک کر تعظیم دی۔ اس سے میں نے اتنا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کم از کم جشی نہیں۔ مہذب لوگ ہی عزت و تکریم کا خیال رکھ کر تے ہیں۔

"سناٹو کے بھائی سناٹو" می جو کی باریک آواز ابھری۔ "بائیں طرف دیکھ۔" میرے بھائی سناٹو کا قاتل اور تیرے آقا کا دشمن کھڑا ہے۔ ہڈیاں توڑ اور ایسے شاندار انداز سے توڑ کہ سناٹو کی روح تمہیں دھامیں دیتی اپنے سفر پر رواں ہو جائے۔" میں جو نے ہاتھ جھٹک کر دیوار نکال لیا اور پھر میری جانب دیکھنے لگا۔ "خرم سلطان، تم کوئی اختیار استعمال نہیں کرو گے۔ ورنہ۔" اس نے دیوار کی جھٹک دکھائی۔

سناٹو نے چہرہ گھما کر مجھے گھورا اور پھر می جو کے سامنے جھک گیا۔ جب اوپر اُٹھا تو اس کے پاؤں کھل گئے تھے اور چٹان پر ناچم رقص کے خوبصورت انداز میں قوسیں اور زاویے بناتا ہوا میری جانب بڑھنے لگا تھا۔ انداز بتا رہے تھے کہ وہ کسی اچھے استاد کا قابل فخر شاگرد رہا ہوگا۔ میرے جسم کے خوابیدہ بل آپ سے آپ ہی کھٹے پلے جا رہے تھے۔ میں نے خود کو ایک خوں ریز شاندار فائٹ کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار کر لیا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ مانگنے کے انداز میں بڑھائے۔ میں نے ناخنوں کو دیکھا صرف دائیں انگوٹھے کا ناخن تین انچ کے برابر بڑھا ہوا تھا۔ وہ بتدریج فاصلہ کم کر رہا تھا اور میں ہاتھ سینے پر باندھے اس کی خوبصورت عبوری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔ چلتے چلتے وہ اچانک اُچھلا۔ انداز فلاننگ بیک کا ہی تھا۔ لہذا میں یک دم سلیپ میں گرنا چلا گیا تھا لیکن مجھ سے انداز کو سمجھنے میں بی خطرناک غلطی ہوئی تھی۔ وہ اُچھل کر دایں اسی جگہ پاؤں کے بل کھڑا ہو گیا تھا اور میں سلیپ کرتا ہوا بالکل اس کے پاؤں میں چپت لیا۔ چپتی چپتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دکھ اور نا کامی کا جلتا ہوا گولہ میرے حلق میں پھنس گیا۔ اگر میرا انداز مجھے دھوکا نہ دے جاتا تو میں سلیپ میں ہوتا اور سناٹو میرے اوپر سے اُڑتا ہوا دیوار سے جا ٹکراتا اور میں قلابازی لے کر جہنم زون میں اُسے جا لیتا لیکن پہلا ہی وار اسے مجھ پر مادی کر گیا تھا۔ وہ نہایت آسانی سے اُچھل کر دونوں پاؤں میرے جسم کے نازک حصے پر مار کر مجھے ناکارہ بنانے کی پوزیشن میں تھا۔ میرے دونوں پاؤں اس کے بوتلوں کی لوگوں سے ٹکرا رہے تھے۔ میرے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ میں الٹی قلابازی میں خود کو دھڑکوں لیکن وہ بھی ایک خطرناک رسک ہی تھا۔ وہ آسانی سے دقتی مار کر میرا دھرا ہوتا ہوا جہنم توڑ سکتا تھا۔

اس کا دایاں ہاتھ ہلایا اور جب سامنے کی جانب اوپر اُٹھا تو میری سانسیں سینے میں ہی گھٹ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ہلال نما خنجر تھا۔ "نہیں سناٹو۔" ایڈنا کی چیخ سنائی دی۔ "وہ خالی ہاتھ ہے۔ تم بدبھدی کر رہے ہو۔" سناٹو نے جیسے احتجاجی چیخ سنائی ہی نہ تھی۔ انکل اسے روکوا۔ "سناٹو کا اٹھا ہوا خنجر بردار ہاتھ برق رفتاری سے جھٹک رہا تھا۔ سوچنے کی گنجائش سارے فاصلے سمیٹ کر چلی گئی تھی۔ خنجر میرے سینے کی طرف موجو سفر تھا اور مجھے ہی کچھ کرنا تھا۔ میں تڑپا اور دونوں ہاتھ چلا گیا۔ یہ ایک غیر ارادی حرکت تھی۔ فرش پر گر پڑا لیکن سناٹو ایک پھر تیلے خنجر کی زد سے کس قدر دُور ہو سکتا تھا۔ بس ایک ڈھبے شخص کے لیے تنکے کا ہی سہارا تھا ورنہ بچ نکلنے کی کوئی اُمید میرے اندر زندہ نہ رہی تھی۔

جب میرے جسم کا روال روال خنجر کی قاتل ضرب سے بچنے کیلئے
سر توڑ کوشش میں مصروف تھا۔ ساری تدبیریں اور تمام ترداؤں کو پسوں
کی تاریکیوں میں ڈوب رہے تھے تو دفعتاً خانہ توڑا ہٹوں کی گونج
سے تھر تھرا اٹھا تھا۔ میرا متحرک جسم خود بخود منہج سا ہو گیا تھا۔ میں نے
بہی بھجا تھا۔ میری گولیاں میرے جسم میں
آماردی ہیں لیکن چند ثانیے گزر گئے۔ درد کی متوقع لہر نہ محسوس ہوئی تو
میں نے چہرہ گھما کر میز کی جانب دیکھا تب فہر و انبساط سے میرا دل بھر
گیا۔ ایڈن نے فادہ گاہے کی تربیت کو شرمندہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ وہ
ناگ اندام سی لڑکی ہانگ کانگ کے شیطان کو ہر پور چوٹ دینے میں کامیاب
ہو گئی تھی۔ اُس نے نہایت جرات اور سرعت سے یکے بعد دیگرے دو
کارروائیاں کی تھیں۔ پہلی کارروائی کی صرف میں آواز ہی سن سکا تھا لیکن
جب اُس نے میز کے روال اور بردار ہٹ پر چھٹا مارا تو فضا میں بلند ہوتا
روال اور میں دیکھ رہا تھا۔ یہ اتفاق ہی رہا تھا کہ روال اور اوپر جا کر جبہ زمین کی
طرف آیا تو فاصلہ میرے حق میں تھا۔ میں نے کہنیوں اور پاؤں پر دباؤ ڈالا اور
اوپر اٹھیں کر روال اور لیتا ہوا پاؤں کے بل اڑوں بیٹھ گیا تھا اور میرے دائیں ہاتھ
پر چٹان مناسنا جو خون میں لت پت ادھڑا ہوا اوندھے منہ پڑا تھا۔ ایڈن
نے ریکوٹ کنٹرول پر قبضہ کرتے ہی اُس وقت بن بدلنے کا فیصلہ کیا ہوگا
جب سنا جو اُس کی احتجاجی چیخ کو پس پشت ڈال کر خنجر میرے جسم میں اُٹانے
کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اُس نے بروقت ایک دانش مندانہ فیصلہ کر کے میری موت کو
پلٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔
میں جو خلاف توقع صدمت حال سے بدحواس سا ہو کر بدبختانا
ہوا اُٹھنے لگا تو ایڈن نے میٹھے میٹھے اُس کی پسلیوں پر شاندار کنگ لگائی
اور جس کی زخمی کتے کی آواز ملنے سے نکالنا ہوا پہلو کے بل گر گیا۔
"بس ختم کر دے اچھل کود۔" میں روال اور تان کر اُس کے سر پر جا کھڑا
ہوا۔ انکل جو! تمہارے سارے پتے پتے چکے ہیں۔ اُٹھو اور اپنی ذات سے
تعاون کرو۔ ہمارے درمیان کوئی دشمنی نہیں۔ لہذا میں تمہیں قتل نہیں کرنا
چاہتا۔ وہ لٹھ لٹھ لیٹے مجھے گھورتا رہا اور پھر گہری سانس لے کر کھڑا
ہو گیا۔

"ٹھیک ہے لڑکے۔" وہ گردن انبات میں ہلا کر ٹھہرے انداز
میں بولا۔ "میں کھلے دل سے تسلیم کر رہا ہوں کہ وقت کے تم فاتح ہو۔ مجتہد
اور جنگ میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ پلٹے پلٹے اُٹھو اور اُپر اُٹھتے رہتے ہیں۔ اب
بولو کیا چاہتے ہو؟"
"میں اوپر کھلے آسمان کے نیچے تک لے چلو۔" میں نے غما نہ لہجے
میں کہا۔ "مجھے انفس بے انکل میں تمہیں روال اور کی زد پر رکھوں گا۔ بقول

تمہارے مجتہد اور جنگ کا کچھ پتہ نہیں کب کون کیا کر بیٹھے۔"
"بڑی مدت بعد ایسا میرے مقابل آیا ہے۔" وہ سر جھکا کر
پڑا۔ اگر پولین اپنے کسی کیپٹن سے بار جاتا تو اُس کی کیفیت مجھ سے
مختلف نہ ہوتی۔ وہ ستونوں کی قطار کے ساتھ ساتھ کندھے جھکاتے ہوئے
آہستہ پلٹے لگا تھا۔ میں اُس سے دو قدم کا فاصلہ رکھے چل رہا تھا اور اس
شانے سے لگی ایڈن کی فوج جرنیل کی طرح گردن تانے چل رہی تھی۔
نے لیزا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔
میں بھی کچھ کم خوش رہا تھا۔ میرا قد فتح کی خوشی میں جیسے بڑھ گیا
فخر اور خوشی بے جا بھی نہ تھی۔ میں نے آج خود کو عمل کے میدان میں
آزمایا تھا۔ وقت کی کسوٹی سے رگڑ کھا کر خود کو منوالیا تھا اور جنگ میں
میں جو کدورت آمیز شکست سے دوچار کر دیا تھا۔ یہی وہ احساس برتری
تھا جس نے مجھے سرشار کر دیا تھا۔

اس وقت ہم آدھا سفر طے کر چکے تھے صرف تین ستون کا سفر باقی
تھا کہ معامیرے سر کے پچھلے حصے پر زور دار چھٹا کا ہوا۔ میں نے غم کھائے
ناگ جیسی پھنکار کے ساتھ بائیں جانب چہرہ گھمایا۔ ایک گلابی اور گلابی کلائی
ستون کی آڑ میں جا رہی تھی۔ چہرے جھک چکا سا لگتا تھا اور چاروں طرف سے
تاریکیاں دائرہ تنگ کرتی میرے ذہن کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ جب میں
تاریک غار میں گر رہا تھا اُس لمحے میری دُوبتی سماعت سے ماؤس سی
دھاڑ ٹکرانی تھی۔ وہ آواز گوتم کی تھی۔

بغاہر وہ میری کوتاہی شکر کی گئی تھی۔ میں ایک ایسی خطا کر بیٹھا تھا
جس کی سزا ناگزیر ہو گئی تھی۔ اُسے حماقت ہی کہا جا سکتا تھا کہ میں لیزا
کی ساتھی دوسری لڑکی کو نظر انداز کر گیا تھا۔ وہ لڑکیاں جوائڈن کی حفاظت
پر مامور کی گئی تھیں۔ میں جو کے خفیہ ٹھکانے پر اُس کے ساتھ موجود تھیں۔
وہ عام ماڈل قسم کی لڑکیاں ہرگز نہ رہی ہوں گی۔ بیٹریوں کے غول میں بھڑ
بکریاں نہیں رہ سکتیں۔ مجھے می جو کے ساتھ ان لڑکیوں پر بھی نگاہ کا پہرہ
بٹھانا چاہیے تھا لیکن میں سب کچھ بھول گیا تھا۔

جب ہوش کی روشنی میری بند آنکھوں میں دوبارہ اتری تو میں
نے دیکھا۔ دو چہرے مجھ پر جھمکے ہوئے تھے۔ ایک چہرہ گلاب رنگ تھا اور
دوسرا سیاہ تھا۔

میں اُٹھ کر بیٹھا تو دوزخ چہرے اور بھی دکھائی دیے۔ دونوں
کے ہاتھ لیزا کے اس کاف میں جکڑے ہوئے تھے۔ دونوں گھٹنوں کے بل
آٹنے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ایڈن کہاں ہے؟" وہ کی میں کو دانتوں تلے کچل کر میں نے پچھا
گوتم نے چونک کر دونوں لڑکیوں کی جانب دیکھا۔ پھر غرا ہوا اجنبی لڑکی
بھیٹ پڑا۔

"تم... تم نے کہا تھا ان میں ایک ایڈن ہے۔"
"لیکن... میں... میں بھی تو ایڈن سے ناواقف ہوں۔" لڑکی ہم
کر میرے ساتھ لگ کر بولی۔ اس لڑکی نے اپنی طرف آنکھوں کا اشارہ
دیا تھا۔
"اوہ حق... میں تڑپ کر چھا۔" وہ شیطان اُسے لے کر نکل گیا ہے۔
"لیکن ماسٹر... گوتم بولا۔" جب تم گرے تھے تو اس لڑکی کے
پاؤں کوئی نہ تھا۔ پھر جب میں قریب آیا تو یہ اُدھر چھپی کھڑی تھی۔
"بتاؤ میں کتنی دیر رہے ہوش رہا ہوں؟ میں نے اُس لڑکی کو کھوئے
ہے جس نے صراحی میرے سر پر ماری تھی۔

"قابا ہار پانچ منٹ ماسٹر گوتم نے بتایا۔ میں نے ہوش میں آنے
کا دوا تھیں سو گھٹائی تھی۔"

"اوہ میرے خدا۔" میں نے پیشانی پر تھیل ماری۔ "میری ساری
اتنتی میں مل گئی ہے۔ تمہیں باہر ہی رہنا چاہیے تھا گوتم۔"
"اس لڑکی کی حرکتیں مشکوک تھیں۔ گوتم بتلے لگا۔" میں نے سوچا
ہم کے لیے خطرہ بن جانے۔ اس لیے اس کے ساتھ اندر آ گیا۔ اگر میں
ناٹا تو بے ہوشی سے کوئی دوسرا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔
"ان کے ہاتھ کھول دو گوتم۔" میں نے سر کے گھر کو سہلا تے ہوئے
کہا۔ "میں ان سے چند سوال کروں گا۔"

"ٹھیک ہے ماسٹر۔" گوتم ہونٹ سکڑ کر ناگوار لہجے میں بولا۔ "سوال
تم کرو گے اور جواب میں ان کے اندر سے دھول کروں گا۔"
"ہاں ٹھیک ہے۔" میں نے اُسے اجازت دے دی۔ "اگر جواب
میں ایک جملے تو تمہیں اجازت ہوگی۔ پہلا سوال تم سے ہے۔ انگلی کا
بندہ لیزا کی جانب تھا۔ کیا ایڈن نے مزاحمت نہ کی تھی؟

"نہیں... لیزا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔" چیف
نے اُسے ہلکتی ہی نہ کی تھی۔ اُدھر تم گرے اور اُدھر چیف نے ایڈن کی
لکڑی پر انگلی کی ہلکے مار کر اُسے بھی بے ہوش کر دیا تھا اور ستونوں
کا آڑ میں اُسے لے گیا تھا۔

"اُس کا دوسرا ہاتھ کانا؟" میرا سوال سن کر لیزا نے خوف زدہ لگا ہوا
سے گوتم کی جانب دیکھا جو اُسے کڑی نگاہوں سے گھورتا رہا تھا۔ پھر تھوک
بل کر اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ گوتم کا اٹا ہاتھ اٹھا اور لیزا بلبلائی ہوئی
اُدھر جا گری۔

"نہیں... نہیں۔" اُدھ کی قسم میں نہیں جانتی۔ گوتم کو بڑھتے دیکھ کر
وہ لکڑی لے گئی تھی۔ ہم باقاعدہ گروہ میں شامل نہیں ہیں۔ بوقت ضرورت
مدد ملے پر ہماری خدمت خرید لی جاتی ہے۔"
"چلو گوتم۔" میں نے سچائی کی روشنی دیکھ کر کہا۔ "ان سے کچھ

پتہ نہیں ملے گا۔"
"اور اس سے... گوتم نے نوادر لڑکی کے شانے پر ہاتھ مارتے
ہوئے کہا۔ یہ بھی تو نہ خانے میں ہی آ رہی تھی۔"
"میرا اشارہ بھی معاذے پر کام کرنے والوں میں ہوتا ہے۔" وہ گوتم کا
ہاتھ جھٹک کر بولی۔ "مجھے فون پر حکم ملا تھا کہ فی الفور چیف کو رپورٹ کرو۔"
"کیا یہ بھی سچ کہہ رہی ہے ماسٹر؟" گوتم نے معصومیت سے پوچھا
اور میں نے انبات میں سر ہلایا۔
"آؤ دیکھیں باہر جانے کا راستہ کیا کتنا ہے۔" میں چلا تو میرے پیچھے
وہ سارے چل پڑے تھے۔

خفیہ لفٹ کے نیچے رک کر میں نے اوپر دیکھا۔ چوکور چھت جیسے
میز پر چڑا رہا تھا۔ میں نے لیور کے لیے دیوار کو دیکھا۔ کچھ بھی دکھائی نہ
دے رہا تھا۔

"گوتم... میں نے اپنے شانے پر چھکی دے کر کہا۔" تم اوپر آ جاؤ
اور پچھتے کو نیچے کھینچو۔"

"نہیں ماسٹر۔" لیزا آگے بڑھ کر بول پڑی۔ "مجھے واپس جانے کی
اجازت دیں لیور اُدھر ہے۔"

"تم اس لڑکی کے ساتھ جاؤ۔" میں نے گوتم سے کہا۔ خیال رکھنا
یہ ایک چیف ماسٹر کا خفیہ اڈہ ہے۔"

"فکر نہ کرو ماسٹر۔" گوتم کی غراہٹ سنائی دی۔ "اگر اُس نے کوئی
کرتب دکھانے کی حماقت کی تو میں اس کی آنکھیں پھیل پر رکھ کر تمہیں پیش
کر دوں گا۔" مجھے جکڑ محسوس ہو رہے تھے۔ لیزا اور گوتم جب چلے تو میں
دیوار سے ٹیک لگا کر فرش پر بیٹھ گیا۔ گوتم میری حالت دیکھ کر رگڑ گیا تھا
لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے رکنے سے منع کر دیا۔

"تم جاؤ۔" گوتم کے ساتھ آنے والی لڑکی گھٹنوں کے بل میرے
سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اب ہم سب دوست ہیں۔ ہاں ماسٹر کی تھکاری
کیا مدد کر سکتی ہیں؟"

"میں جو تک جانے کا راستہ اگر بتا سکوں تو تمہارا ممنون رہوں گا۔" میں
نے دونوں ہاتھ میرے شانوں پر ٹیکے اور آگے جھک کر میری نیم دا آنکھوں
میں جھانکنے لگی۔ اُس کا گول بھرا ہوا گلابی چہرہ اتنا قریب ہو گیا تھا کہ اُس
کی معطر سانس کی پھول میرے چہرے پر پڑ رہی تھی اور میرا سارا وجود عجیب
سی کیف انگیز سرسراہٹوں کی زد میں آ گیا تھا۔ میں نے نہایت ہی آہستگی
کے ساتھ اُس کی کلائیوں پر گزریں اور اُسے پیچھے دھکیل دیا۔

"میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔" وہ سرگوشیاں انداز میں بولی۔ "اگر میرا
قیاس مجھے دھوکا نہیں دے رہا تو تم خرم سلطان ہو۔ وہی اکھر اور وحشی
نوجوان جس نے سونیا جیسی ساحرہ کے طلسمی جال کو توڑ دیا ہے۔"

میں چونک کر اچھلا اور اسے شانوں سے بچڑایا۔ وہ پہلے مکرانی پھر کھل کھلا کر ہنسنے لگی۔

"پھر تم یقیناً مارشا کو بھی جانتی ہو گی۔ وہ لڑکی جو سونیا کے منگتہ برتھ کی دوست ہے۔" میری آواز میں اضطرابی گونج تھی۔ "اچھی لڑکی ابھی تم نے مدد کی پیش کش کی تھی مجھے مارشا کا پتہ بتا دو۔"

وہ چند ثانیہ گہری سوچ میں ڈوبی رہی پھر جب ابھری تو اس کی سیاہ آنکھوں میں دُور دُور تک سکرابٹ کی چاندنی چمکی ہوئی تھی۔ "شاید میں اس یہودی لڑکی کو بھی جانتی ہوں، سونیا کے انکل شمعون کی کزنی، لیکن سوئی مشرق خرم۔" لڑکی نے نفی میں سر ہلایا تو اس کے بال بکھر کر اس کے چہرے پر آگئے۔ "میں تمہیں برتھ تک لے جاسکتی ہوں۔ وہ ہوٹل کی ہے کچھتی منزل پر رہتا ہے۔ اگر واقعی مارشا اس کی دوست ہے تو اس سے پوچھ لیں گے۔"

"شکر یہ پیاری لڑکی۔" میں نے اخبار تشرکے کے لیے اس کے ہاتھ پر تھپکی دی۔ "میرا نام امیری ہے، امیری اسکاٹ۔" اس نے میرا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا: "بحیثیت ایکسٹرنل میں کبھی کبھی برتھ کے ساتھ کام کرتی رہتی ہوں۔ وہ لڑکیوں کا اچھا شکاری ہے۔" وہ تہقیر مار کر اپنی صفائی میں بولی۔ "لیکن اتفاق سے میں اس کے حال میں نہیں آتی۔ شاید مارشا بھی فلموں میں چانس کی خواہشمند ہوگی۔ وہ ایسی ہی لڑکیوں کو آسانی سے پھانس لیتا ہے۔"

دفعۃً گرگولہاٹ کی آواز آئی۔ میں نے فوراً اُپر دیکھا چوکر بھٹکا آہستہ آہستہ نیچے آ رہا تھا۔ سائڈ کی دیوار سے ایک بیچہ نما ہاتھ نکل آیا تھا۔ اسی ہاتھ کی جھیلی پٹنے کو نیچے لاری تھی۔ لفٹ کا انوکھا نظام غالباً ہی جو کے دماغ کی ہی اختراع رہی ہوگی۔ ہم تینوں نیچے سے ہٹ کر کٹائے کھڑے ہو گئے تھے۔ ہاتھ نے پچھتہ فرس پر رکھ دیا تھا لیکن لیزا اور گوتم واپس نہ آئے تھے۔

"آجائیں گے۔" امیری کھنک کر بولی۔ "جب نوجوان جوڑے کو تنہائی نصیب ہوتی ہے تو وقت کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔" میں نے اسے ابھی جواب دینے ہی جا رہا تھا کہ وہ دونوں ایک سکون کی آڑ سے نکل کر سلمے آگئے۔

"جلدی کرو، گوتم دُور سے ہی چنچا۔ لفٹ صرف ایک منٹ رُکے گی۔" امیری اور لیزا کی ساتھی لڑکی اچھل کر فٹ میٹ پر چڑھ گئیں۔ میں اس وقت سو رہا تھا جب گوتم اور لیزا چڑھ چکے تھے۔ عمارت کے سب دسے پر میں نے لیزا اور گوتم کی لڑکی کو جلنے کی اجازت دے دی کیونکہ کاریں اتنی گنجانش نہ تھیں اور وہ لڑکیاں میرے

پلے ناکارہ ہی تھیں۔ ان کی حیثیت ی جوجر دباؤ ڈالنے کے قابل ہی نہ تھی۔ گوتم اور امیری کار کے دائیں بائیں کھڑے میری جانب دیکھ رہے تھے۔ "کاریں اس کی جگہ تو تھی ماسٹر۔" گوتم نے مسکراتے ہوئے کہا: "میں اس سے پتھر کی معافی مانگ لیتا۔"

"یہ فرض میں ادا کرنا ہوں دوست۔" میں نے پچھلا دروازہ کھولے ہوئے کہا: "امیری اسکاٹ تم میرے ساتھ بیٹھو گی۔" دوسرا دروازہ کھول کر وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ پھر دروازہ لاک کر کے بولی۔ "میری خدمات بالکل بے لوث اور پُر غلوں ہیں خرم سلطان۔" لیکن اس شہر کی فضا پُر غلوں نہیں ہے امیری اسکاٹ۔ میں نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔ یہاں اعتماد کا سینہ قدم قدم پر مجروح رہتا ہے۔ سیرے میں تمہاری خدمت کا شکریہ ضرور ادا کر دوں گا۔

"کب...؟" سر کے ہونے اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ رات تو جگ دوڑ میں ہی گزر جائے شائد۔

"جب میں ہم جدا ہوں گے۔" میں نے اس کی بات کا مدعا دُور رنگ میں پیش کرتے ہوئے کہا: "اچھے جذبات کے اخبار کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔" امیری نے گھور کر دیکھا اور میں نے چہرہ دوسری طرف کر لیا اور بھاگتی روشتیاں دیکھنے لگا۔ پھر ہمارے درمیان صرف انجن کی آواز زندہ رہی تھی۔

سی دے ہوٹل کی سات منزلہ عمارت روشتیوں میں نہانی۔ عید دیدہ زیب نظر آرہی تھی۔ پارکنگ ٹیڈ میں قطار در قطار بے شمار گاڑیاں پارک تھیں۔ پارکنگ ٹیڈ کا گارڈ چھوٹے سے کین میں بیٹھا ہوا تھا۔ گوتم نے کار گھما کر آخری قطار میں لگائی اور انجن بند کر کے نیچے آ رہا۔

"کیا مادم کو چھوڑنے آپ جائیں گے ماسٹر؟" میں ایک دوست سے ملنے اُپر جاؤں گا پیارے۔ میں نے کہا: "ہوئے بتایا۔" تم اور امیری اگر پسند کرو تو مال میں جا کر کچھ کھائی کتے ہو۔

"نہیں خرم سلطان۔" امیری گھوم کر میرے قریب آ گئی۔ "میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ برتھ صرف میری آواز نہ بچان کر دروازہ کھولے گا۔ بد کردار لوگ بڑل ہوا کرتے ہیں۔"

"شکر یہ امیری آؤ چلیں۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا: "ہم پیارے تم کچھ کھائی لو۔"

"میں بھی ماسٹر۔" وہ لاڈلے انداز میں تھنک کر بولا۔ "انتظار کی اذیت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ جب تم چلے جاتے ہو تو ڈراؤنے خیالات میرا خون پیٹنے لگ جاتے ہیں۔"

"چلو شاید برتھ اچھا میزبان ثابت ہو۔" میں نے کہا اور امیری ہاتھ پھڑا کر رہنمائی کرنے لگی۔

ہوٹل کے استقبال کمر کے خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا۔ حالانکہ رات چھل چکی تھی لیکن وہ سفید یونیفارم میں جاق و چوبند دکھائی دے رہا تھا۔ بائیں جانب وسیع و عریض ہال تھا۔ چند میزوں کے سوا سادی میز پر غالی تھیں۔ حاضرین میں تقریباً سب ہی بوڑھے تھے۔ کچھ ٹیبلوں سے نوشی میں مشغول تھے اور کچھ فارغ ہو کر نشے کی پیٹنگ میں لکڑے کھا رہے تھے۔ دائیں جانب کاؤنٹر تھا۔ لینڈی کمرک کا چہرہ کاؤنٹر کے آف پر یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے کاؤنٹر کے ٹاپ پر پلاسٹک کا مصنوعی چہرہ رکھا ہوا ہے۔ وہ ایک ٹمک میرا جائزہ لے رہی تھی۔ ایک بوڑھا نہایت ہی ناگوار انداز میں گلاس چمکا رہا تھا۔

"تم لفٹ کے پاس میرا انتظار کرو۔" امیری پلٹے پلٹے یک دم کٹ کر بولی۔ "میں برتھ کو فون پر اطلاع کر دوں۔"

اس نے لینڈی کمرک سے کچھ کہا اور دونوں ہنسنے لگیں پھر امیری نے سرفرائل کیا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر باتیں کرنے لگی۔ میں اور گوتم جوں ہی لفٹ کے قریب گئے۔ لفٹ اُپر سیرنے آٹھ کر تعظیم دی۔ امیری بھی دوڑتی ہوئی آئی اور لفٹ میں داخل ہو گئی۔ "برتھ ابھی ابھی واپس آیا ہے۔ ہاتھ دم میں ہے۔ اس کے ہاڈی گارڈ سے بات ہوئی ہے۔" باتیں کرتے کرتے اس نے خود بھی منزل کا بٹن پیش کر دیا۔ "جب سے انی کے بوسے فرنیڈ نے برتھ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ برتھ محتاط ہو گیا ہے۔ ہر وقت اپنے ساتھ ہاڈی گارڈ لگائے رکھتا ہے۔ اگر اس نے اپنی روش نہ بدلی تو کسی لڑکی کے خاندان یا دوست کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ مردانہ وجاہت ہی سب کچھ نہیں۔ مرد کو خرم سلطان جیسا پھر تیل اور جرات مند بھی ہونا چاہیئے۔ میں نے بہت کم وجہ مردوں کو جرات مند دیکھا ہے۔ ان میں تم حیرت انگیز مرد ہو۔ دل کی دھڑکنیں متاثر کرنے والے خوبصورت اور ہارڈول میں ٹنگن ڈالنے والے مرد۔ اسکاٹ بھی مکمل مرد ہے مگر خوبصورت نہیں ہے۔ مجھے صرف اسی لیے پسند ہے کہ وہ بھر پور مرد ہے۔" اس کے خوبصورت ہونٹوں سے الفاظ ایسے نکل رہے تھے جیسے تھرلیر کے دہانے سے دانے گر رہے ہوں۔ گوتم لفٹ کی محرک دیوار سے ٹیک لگائے بڑی پسندیدہ نگاہوں سے امیری کے ہلنے ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا لیکن میرا ذہن لفٹ سے باہر برتھ کی طرف تھا۔ میں اس کے ہاڈی گارڈ کے بارے پر سوچ رہا تھا کہ وہ میری خواہش اور برتھ کی ہٹ دھرمی کے درمیان کس قہم کا کردار ادا کرے گا کیونکہ میں بہر صورت برتھ کو مارشا تک جلنے کا ذریعہ بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اب صرف مارشا ہی مجھے ایڈ نائٹک ہنچو سکتی تھی۔

سوچنے اور منصوبہ بندی کی مہلت ختم ہو چکی تھی۔ ایڈ نائک بازیابی صرف گزرتی رات سے مشروط تھی۔ تاؤلی کے مطابق اسے فلپائن بھیجا جا رہا تھا۔ عین ممکن تھا کہ امیری جو میرے تعاقب کے خطرے کو پیش نظر رکھ کر اسے راتوں رات بحری راستے سے روانہ کر دیتا۔ لہذا مجھے برق رفتاری سے کارروائی کرنا تھی۔ لفٹ سے نکل کر امیری ٹنگ سی راہداری میں ہمارے آگے چل پڑی تھی۔ چونکہ گوتم آنے والے لمحات سے بے خبر تھا۔ اسے کسی نے کسی دوست کا حوالہ دیا تھا۔ وہ مطمئن انداز میں کمرک کے نمبر پڑھا چل رہا تھا۔ ریلو اور تو میری جیب میں بھی موجود تھا لیکن نکالنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی کیونکہ برتھ ایک نازک اندام قسم کا ایکسٹرا تھا۔ پھر میرا آرمیا ہوا تھا۔ امیری ایک حسین سفارشی کارڈ کی صورت میں میرے ہاتھ میں تھی۔ ایک فی صد بھی کسی ناخوش گوار سگراؤ کی اُمید نہ تھی۔

وہ دروازہ نیم دا تھا۔ امیری نے انگلی کی ہک سے تین بار دروازہ بجایا۔ ہاڈی گارڈ غالباً دروازے کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔ ایک پٹ کھل کر اس نے چہرہ باہر نکالا۔ وہ چمٹی ناک والا بری نوجوان تھا۔ اس کا دایاں کان مڑا تھا، ہوا تھا اور ٹھوڑی سے کپٹنی تک پرانے زخم کی گہری لکیر تھی۔ وہ یقیناً پیشہ ور قسم کا ہاڈی گارڈ تھا۔ جب مانی ساخت سے اچھا فائٹر تھا ہر ہموار تھا۔ گڈ نائٹ میڈم۔ اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر امیری کو تعظیم دی۔ "تشریف لائیں ماسٹر برتھ شٹل کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کی آمد سے ان کو مطلع کر دیا ہے۔" "کوئی بات نہیں ہم اندر انتظار کر لیں گے۔" امیری نے ایک طرف ہٹ کر میری جانب دیکھا۔ یہ خرم سلطان ہیں۔ برتھ کے دیرینہ دوست چلے خرم۔ میں اور گوتم یکے بعد دیگرے اندر داخل ہو گئے۔ نل سے پانی رگرنے کی آواز آرہی تھی۔ کمرے میں آرائشی سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایک پینٹنگ دو کرسیاں ایک تپائی دیوار کے ساتھ میڈیم سائز فریزر تھا اور فریزر پر سرخ تیلی فون سیٹ پڑا ہوا تھا۔

"ہاتھ اُپر اٹھاؤ خرم سلطان۔" آواز کا چابک میری روح پر لگا لیکن گھوم کر دیکھنے کا وقت گزر چکا تھا۔ سرد نال میری گڈی پر ٹپک چکی تھی۔ ساتھ ہی ایک ہاتھ نے میری بیک پاکٹ سے ریلو اور بھی کھینچ لیا تھا۔ براہ کرم کوئی حرکت نہ کرنا۔ ہم چیف کے حکم تک نہیں خواش تک نہ آنے دیں گے۔

"ٹھیک ہے دوست۔" میں نے ہاتھ اُپر لے جلتے ہوئے پُرسکون آواز میں کہا۔ "چیف سے بات کر لو۔" میں چیف کا ذکر سن کر خطرناک سچو لیشن کو کھیر بھول گیا تھا۔

میں تو گیا ہی اس مقصد کے لیے تھا۔ وہ مقصد برتھ کے ذریعے حاصل ہوتا یا بری لوجوان مجھے ہی جو کہ موجودہ فڈیشن بتاتا۔
"شکر ہے... وہ بولا۔" امیری کرسیاں معزز مہمانوں کے لیے بار کے ساتھ لگا دو۔

میری سماعتی آنکھیں دیکھ رہی تھیں امیری کرسیاں گھسیٹتی ہوئی سے جا رہی تھی۔ میں نے ذرا سا چہرہ کھٹکا کر دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ گوتم تھکے مارے گدے کی طرح سر جھکانے کھڑا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ بھی اٹھے ہوئے تھے۔ امیری نے اُسے نکتے سے ریوالور سے کور کیا ہوا تھا۔

"کڑی تک چلو مشر خرم... بری نے ناں پر دباؤ ڈالتے ہوئے حکم دیا۔ جب میں کڑی کی طرف بڑھنے لگا تو امیری گوتم کی پشت پر کھڑی دکھائی دی۔ کرسیوں کا درمیان حاصل چار پارچہ فٹ ہی رہا ہو گا۔ مجھے کسی پر جھکا کر بری آئے قدموں فریڈ کی جانب سرسے لگا اور امیری گوتم کو دھکیلتی ہوئی لار ہی تھی۔ گوتم دھم سے کڑی پر گر اور بھڑائی ہوئی آواز میں مینا تے ہوئے بولا۔

"میری تلالی لے لو میں زیادہ دیر ہاتھ اوپر نہیں رکھ سکتا۔" زیادہ وقت نہیں لگے گا کالے بچے۔" امیری مسخرانہ لہجے میں بولی۔ پھر میری جانب دیکھ کر مسکرائی۔ "کیوں خرم سلطان... کیسی رہی...؟"

"شاندار... میں نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔ می جو کے ساتھیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔"

"اگر تم مارشا کا حوالہ نہ دیتے تو میں وہاں ہی تم سے بچھڑ جاتی۔" امیری نے بتایا۔ میں سونیا کی جگہ لانی گئی ہوں۔"

"کیا تمہیں کسی نے بتایا نہیں تمہاری پیش روکس کے ہاتھوں ڈوبی ہے؟ میں نے مسکرا کر پوچھا اور امیری نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں اس کے لیے ہی تمہاری معذرتی ممنون ہوں۔" پھر ڈو پوریشن سے اوپر تمہاری وجہ سے آئی ہوں۔"

"میدم... گوتم روٹا نسی آوازیں بولا۔" کیا قیدیوں کو پانی دیا جاسکتا ہے۔ میرا حلق سوکھ رہا ہے۔"

"اوہ کیوں نہیں؟" امیری ہنس کر بولی۔ "اگر چاہو تو بہترین شرب بھی مل جائے گی۔ کیوں کیاؤ؟"

کیاؤ نے غیر ڈائل کرتے ہوئے اثبات میں گردن ہلانی اور ٹیل فون سیٹ اٹھا کر دیوار گیر پچھے پر رکھ دیا اور فریڈ سے بوتل نکال کر اُس نے لماری سے گلاس نکالا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا پہلے گوتم کی بڑھا پھر یک دم بوتل اور گلاس تپائی پر رکھ کر اُسے قدموں

واپس جاتے ہوئے بولا۔ اپنی مدد آپ کرو دوست۔" گوتم اچھل کر اٹھا۔ امیری نے بیک کر ریوالور اُس کی کمر سے لگا دیا۔

"تمہاری اجازت کے ساتھ میں ہاتھ نیچے کر رہا ہوں میڈم۔" اُس نے ہاتھ گرائیے اور جھک کر دائیں ہاتھ سے گلاس اور دوسرے

سے بوتل اٹھا لیا اور پلٹ کر واپس کڑی کی جانب آگیا۔ امیری نے جانے کیا سوچ کر تپائی پر اکڑ کر بٹھ گئی تھی، شاید وہ ایک ریوالور سے دونوں کو کور کر کے کیاؤ کو رابطہ برقرار رکھنے کی ہولت دینا چاہتی ہوگی کیونکہ کیاؤ مجھ پر نگاہ رکھتے ہوئے محض انگلیوں کے انداز سے غیر ڈائل کرتا رہا تھا۔

"آہ... گوتم کی چپک بڑی معصوم اور بچکانہ بی تھی۔ وہ گلاس کو آنکھوں کے سامنے انگلیوں پر گھماتے لگا تھا۔ کتنا شاندار ہے ماشر، میں نے آج تک ایسا شفاف اور پھوس کا بچ نہیں دیکھا۔" کیاؤ نے اچھٹی سی نگاہ اُس پر ڈالی اور پھر ڈائل کی طرف ترجھا ہو کر جھک گیا۔ وہ امیری کی بہتر پوزیشن سے قدرے مطمئن ہو کر بار بار کر میڈل پر پھیلی مانتے ہوئے کوئی دوسرا نمبر آزمائے لگا تھا۔ غائبانی جو کے تمام اڈوں کو باری باری کال کر رہا تھا۔

"اوہ سوری ماشر... گوتم میں میڈم کی اجازت کے بغیر تمہیں اس خوبصورت گلاس کا معائنہ نہیں کر سکتا۔" ہاں تمہیں اگر پیاس ہو تو... دفعہ گلاس اُس کی انگلیوں سے گولی کی رفتار سے نکلا اور آٹھ چھکے سے قبل زوردار چھٹا کے سے کیاؤ کی کپنتی پر لگا۔ اسی گلاس کا چھٹا کامیری سماعت سے ٹکرایا، ہی تھا کہ دوسرا دمکا سانسی دیا۔ بوتل امیری کے پیٹ سے ٹکرا کر فرش پر گر گئی اور کرسیوں میں تبدیل ہو گئی۔ گوتم کی کارردانی نے مجھے ٹو جھکے لیے بالکل پتھر کی سی بنا دیا تھا۔ وہ حیرت انگیز ہی نہیں بلکہ ناقابل یقین کارردانی تھی۔ میں نے آج تک بڑے سے بڑے لڑاکے کو بیک وقت دونوں ہاتھوں سے مختلف ہدف پر کاری ضرب لگاتے نہیں دیکھا۔ اُس سیاہ فام لڑکے نے کمال چھڑنے سے لاری ہوئی بازی جیت لی تھی۔

کیاؤ اور اندھے منہ کرتے ہی بے حس و حرکت ہو گیا تھا لیکن امیری دونوں ہاتھوں سے پیٹ ختم کر گھٹنوں کے بل جھک گئی تھی۔ اور گوتم آرتا ہوا فلائنگ بک کی پوزیشن میں اُس سے ٹکرایا تھا۔ امیری کے حلق سے چھنی چھنی چیخ ابھری تھی۔ گوتم پھر کتا ہوا ایسے دکھائی دے رہا تھا جیسے پارے کی کٹی فرش پر گر کر پڑی ہو۔ پھر کتا ہوا، وہ کیاؤ کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا۔

میں نے اٹھ کر بڑے آرام سے امیری کا ریوالور فرش سے اٹھا لیا اور اُس کی پسلیوں پر جوتے کی لوک مادی۔ امیری جوت کھائی کتیا

کی طرح چیخی اور سیٹی ہو گئی۔ میں نے اُس کی پھیلی ہوئی پھتیلی پر ایڑی کی ہلکی سی ضرب لگائی۔ تب وہ بلبلی ہوئی بیٹھ گئی۔ بیب... بس کرو... گھٹنوں پر سر ڈال کر وہ گردن لٹانے لگی۔ میں... میں تمہیں جیف کا فون نمبر بتا سکتی ہوں۔"

"اوہ ماشر... گوتم کی آوازیں کڑیوں نے چونک کر دیکھا۔ اُس نے کیاؤ کا ٹخن اُٹھو چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ خون کے پیلے اُس کی ناک سے نکل کر تیزی سے پھوٹ رہے تھے۔ یہ... یہ میرا ہے۔"

"اتنی زوردار ضرب سے باقی بھی مر سکتا ہے پیلے۔" میں نے عین بھری نگاہوں سے گوتم کو دیکھ کر کہا۔ ادھر آؤ۔ کام کی شے ابھی زندہ ہے۔" وہ کیاؤ کے لباس سے ہاتھ صاف کرنے لگا اور پھر اٹھ کر امیری کے گرد چکر لگاتا ہوا میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ امیری یقیناً شدید اذیت کا شکار تھی اور پیٹ کو دبائے بل کھا رہی تھی۔ "براہِ رخصت... گوتم کی پینڈلی کو تھپ تھپاتے ہوئے میں نے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔ "یہ لڑکی جو کی دست راست ہے، اس سے کچھو وہ کہاں بل سکتا ہے۔ میں وہاں بیٹھ کر تماشا دیکھوں گا۔" میں اٹھ کر کڑی پر بیٹھ گیا اور گوتم نے جھک کر امیری کے سنہرے بال متھی میں جڑے اور جھکا دے کر اُس کا چہرہ اوپر اٹھالیا۔ درد کی شدت سے امیری کا پھول سا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ اُس خوش رو لڑکی کو کرب میں دیکھ کر میرا دل دکھ رہا تھا کاش وہ مجرم کی تارکیوں میں بھٹکی ہوئی بدکردار لڑکی نہ ہوتی۔ وہ کسی بھی مرد کے دل پر حکمرانی کرنے کی اہل تھی۔ اُس کی بھی چھوٹی سی جنت ہوتی۔ اُس کی ذات سے نکتے نکتے خوش رنگ پھول پھوٹے۔ ایک گھر ایک پورا نالمان رنگ و بو سے آشنا ہو جاتا۔

"تمہرو... اُس نے ہاتھ اٹھا کر درد بھری آوازیں کہا۔ "خرم سلطان! یقین کرو میں اپنی جان کے بدلے سگ باب کو ذبح ہوتے دیکھ سکتی ہوں۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ جیف مل سکتا ہے تو میں خود کو عذاب سے ضرور بچا لیتی لیکن میں جانتی ہوں جب خطہ اُس کے تعاقب میں ہو تو وہ کسی بھی جگہ نہیں ٹھہرتا۔ پورے ہانگ کانگ میں اُس کے اڈے پھیلے ہوئے ہیں۔" "مشر بہترین کولون کے اندر اور مصافحات میں۔ کہاں کہاں تلاش کرتے پھر دے ہو سکتا ہے وہ تم سے خوف زدہ ہو کر کسی آب دوز میں چلا گیا ہو۔" "میں پاتال تک اُس کا تعاقب کر دوں گا امیری۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ تم ایک ایک اڈے کی نشان دہی کر دو۔"

"سوز خرم سلطان... اُس نے گوتم کی متھی سے ہل چھڑا کر کہا۔ "تم اس شکاری کو تلاش کرو صرف وہی تمہاری مدد کر سکتی ہے میں اُسے جانتی ہوں۔ اگر وہ بل جائے تو میں جیف کی جیکٹ اُسے دے دوں گا۔ مجھے یقین ہے وہ ہو سکتی اُس تک جا پہنچے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گوتم کو ہٹ جلنے کا اشارہ کیا۔ مارشا تک تمہی لے جاسکتی ہو۔"

"ہاں... وہ بال پین میں پھنسے ہوئے بولی۔" مارشا بلو فلموں کی معروف اداکارہ ہے۔ برتھ اُس کا پارٹنر ہوتا ہے۔ میں تمہیں بلو فلموں کے پروڈیوسر مشریانگین کا پتہ بتا دوں گی۔ وہ یقیناً برتھ اور مارشا کے ٹھکانوں سے واقف ہوگا۔"

"ٹھیک ہے یا نگین کا پتہ بتاؤ۔" میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ بات میں بھی جانتا تھا کہ صرف مارشا ہی میری مدد کر سکتی تھی۔ وہ اندازوں کے رخ پر نہیں چلتی تھی۔ وہ تو بونکی بہر دہل پر براہِ راست منزل مقصود تک جا سکتی تھی۔

"لیکن ایک شرط... وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ پھر شاید دردنے اُسے دہرا کر دیا تھا۔" اوہ میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکی ہوں تم لاہر جاتے ہوئے مجھے کسی میسڈیکل سینٹر میں آد جاؤ گے۔"

"غیر مشروط بات کرو امیری۔" میں نے پھنکائے ہوئے کہا۔ "تھدا جرم میرے نزدیک ناقابل معافی ہے۔ بہر کیف میں تمہیں زندگی سے محروم نہیں کروں گا۔ بولو میرے پاس شرائط طے کرنے کا وقت نہیں ہے۔" اُس نے رگ رگ کر یا نگین کے فلیٹ کا نقشہ الفاظ کی لکیروں سے بنایا اور میں ہر بیکر ذہن کی سکین پر محفوظ کرنا گیا۔ گوتم سینے پر ہاتھ باندھے کیاؤ کی لاش کو گھور رہا تھا۔

"شوکیہ امیری... میں نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "سانس کی ڈوری نہ توڑنے کا میں وعدہ کر چکا ہوں مگر تم کون ہو، یہ میں فراموش نہیں کروں گا۔ تم نے ایک بار دھوکا دے کر مجھے بیدار کر دیا ہے۔ اُسے خاص دوستی اور دشمنی کا قابل ہوں۔ میں خالص دوستی کے نام پر اس زندگی داؤ پر لگا سکتا ہوں اور خالص دشمن کو معاف کرنے کی جرات نہیں رکھتا لیکن ان دونوں جذبوں کے درمیان جو جذبہ ہوتا ہے سے نزدیک قابل نفرت ہے۔ دوستی کے نام پر پیٹھ میں چھڑا گا۔"

ہاتھوں کو معاف نہیں کیا جاسکتا اور تم سے یہ قابل نفرت ہے، میں مدد دو۔ چکا ہے۔" میں پھر اٹھکا اور میری کھڑی پھتیلی امیری کی دا کھٹ سے لگی۔ بڑی ٹوٹنے کی آواز امیری کی کرب ناک جھڑپ میں سمیٹ کر رہ گئی تھی۔ ابھی اُس کی چیخ ٹوٹی بھی نہ تھی کہ دوسری

توڑ کر اوپر اٹھ آئی تھی۔ امیری گرم ریت پر پڑی پھتیلی میں رہتا ہے۔" کلانیان توڑنے کا فیصلہ محض انتقامی کارروائی ہی سانس لہراتی کوئی دوسرا سزا بھی دی جاسکتی تھی لیکن اگر وہ ناکارہ نہ پھوڑا رہ گیا تھا۔ رستے کا پتھر بن سکتی تھی۔ اپنے گروں کو فون پر اطلاع سے کہا۔

بھی جاسکتا تھا۔ یا نگین بھی دوسرا کیاؤ ہو سکتا تھا۔ ہاں دس مربع فٹ

پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے ناخوش گوار فیصلہ کیا تھا۔

"مال غنیمت سمیٹنے کی اجازت ہے ناماشر؟ گوتم نے ایمری کا پرس کھولتے ہوئے پوچھا۔" ہائے ماسٹر یہ دیکھو..."

گوتم نے کارڈ سائز عریاں تصویر میری جانب بڑھائی۔

"واپس رکھ دو تم۔ میں نے کارڈ اس کی طرف اچھال دیا۔ ہم فی الحال ان عیاشیوں کے متحمل نہیں ہیں۔"

"تھبو ماسٹر، وہ چھلانگ میں جاتے ہوئے بولا۔" کیا ڈو کی لاش دیکھ لوں؟ اُس نے جلدی جلدی کیا ڈو کی ساری جیبوں کو کھنگال ڈالا۔

سڑکوں پر برائے نام ٹریفک تھی۔ گودی کے مزدور البتہ دو دو تین تین کی ٹولپوں میں فٹ پاتھوں پر آتے جلتے دکھائی دے رہے تھے۔ گوتم ہر جگہ پر تھوڑا رک کر رہنما نقشہ دیکھتا اور پھر چل پڑتا تھا۔

میں چونکہ ناواقف شہر تھا۔ اس لیے آنکھیں موندے پچھلی سیٹ پر نیم دراز ماضی حال اور مستقبل کی تکنوں کے درمیان بھٹک رہا تھا۔ حال دیکھ کر ماضی کے اندھیروں میں لڑھکھکا دیتا۔ ماضی کے اندھیروں سے گھر اگر میں حال کی روشنی میں وہیں آتا اور حال کی روشنی لگ مگر مستقبل

اچھا۔ دھند کی جانب اچھال دیتی۔ میری حالت اُس پتے جیسی تھی جسے کسی عام ہاتھ نے نکھری بہار کے موسم میں پیڑ سے نوح کر چور ہے پر پھینک دیا ہو۔

میں وقت کی بے مہربان کے بے رحم پیچیدوں کی زد میں تھا۔ ہر ٹھوکر میل رخ بدل دیتی تھی۔ میری ذات کی ناک میں جو نیکی تھی اُس کی باگ آن دیکھ

ہاتھ میں تھی۔ وہ اُن دیکھا ہاتھ چدر اشارہ کر دیتا مجھے مجبور اپنی ذات کا رخ اُدھر ہی موڑنا پڑتا تھا۔ یہ وہی ہاتھ تھا جس نے مجھ سے مال کی

ایمری کو مہربان آغوش باپ کی باوثوق شفقت، زینت کی دالہانہ چاہت اُن کی ہمتی فضاؤں سے چھین لیا تھا۔ اگر میری تقدیر کا ہاتھ تھا تو

ڈوئی سن تقدیر کی کلانیاں ایمری کی کلانیوں کی طرح توڑنے سے قاصر تھا۔

"نازم ہارن کلب کے گیٹ سے ایک فرلانگ آگے کلپ ہاؤس سے اوپر تھا۔ گوتم کی کونٹری مجھے اذیت ناک سوچوں سے نکال لائی

"میڈم۔ ہاؤس سے چند عمارتیں گن کر ہمیں ساتویں چارمنٹر عمارت دیا جاسکتا ہے۔ ایمری نے جو کچھ بتایا تھا مجھے یاد ہے۔"

"اوہ کیولرٹ کا بہترین شاہکار اور مشربکر کا حسین انتخاب ہوگوتم؟" بھی مل جائے گی۔ ڈوئی آواز میں کہا۔ میں تم جیسا انمول تحفہ اور پیارا بھائی

کیا ڈوئی شکل بیکر کلب سے صد شکر گزار ہوں۔"

میں فون سیٹ پر تم جیسا ماسٹر اور محبت کرنے والا بھائی پاکر بے حد

کچھ کہاں سے چل کر لیلے۔"

"شکریہ برادر عزیز... میں نے آگے بھٹک کر گوتم کے سخت اور جھوٹے چھوٹے کھڑے بالوں کو تھپ تھپایا۔ اب یاگن میں سے ملاقات کی تیاری کرو۔ وہ ہمارا استقبال کیا ڈو بن کر بھی کر سکتا ہے۔"

"ہاں... گوتم نے فٹ پاتھ کے ساتھ کارڈ دے ہوئے جواب دیا۔ اور کیا ڈو کی طرح لاش میں بھی بدل سکتا تھا۔"

گوتم ماسٹر پیپ ریڈر کی طرح بالکل صحیح مقام پر پہنچ گیا تھا۔ ہم شانہ بہ شانہ چلتے ہوئے بغیر کسی دقت کے دوسری منزل کے مطلوبہ فلیٹ کے سامنے جا کر کھڑے تھے۔ ہم نے اوپر جانے کے لیے میٹریاں استعمال کی تھیں

کیونکہ فلیٹ کا دروازہ بند تھا اور سارے مین آف تھے۔ میرا اشارہ پاکر گوتم نے کال بل پر انگلی رکھ دی۔ اندر کہیں دھڑکنی بھی تھی۔ غالباً عام رواج کے مطابق کچن میں گھنٹی لگی ہوئی تھی تیسری گھنٹی پر دروازے کی جھبیراں

روشن ہوئی تھیں۔ ہم دونوں دروازے کے دائیں بائیں دایاں ہاتھ جیب میں رکھے دیوالوں کے دستے پر کھٹکے کھڑے تھے۔

فصل میں چابی گھومنے کی آواز ابھری اور پھر دروازہ کھول کر ایک طویل قامت ادھیر عمر شخص نمایاں آنکھیں زرد اور پچکے ہوئے چہرے پر لیے سامنے آگیا۔

تجربے سے ہی میرا تہا ہوا جہم ڈھیلا اور پُرسکون ہوا چلا گیا تھا۔ کوئی بھی مجرم ذہن رکھنے والا بے دھڑک دروازہ کھولنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

"ناوقت عمل ہونے کی معافی چاہتا ہوں جناب۔" میں نے نام آوازیں کہا۔ ہمیں ایمری اسکاٹ نے بھیجا ہے۔"

"انڈر آجاؤ۔" اُس نے راستہ چھوڑتے ہوئے نرم آوازیں کہا۔

"دیے میں کسی ایمری اسکاٹ کو نہیں جانتا۔" پہلے میں اندر داخل ہوا۔ پھر بہتر پوزیشن نے کر میں نے گوتم کو بھی اندر بلا لیا تھا۔ وہ ہمارے آگے آگے چل پڑا تھا۔ پہلا کمرہ بالکل خالی ہی تھا۔ بغلی دروازے پر گرن

ریشی پردہ لٹک رہا تھا۔ پردہ اٹھا کر ہم دوسرے کمرے میں داخل ہوئے تو میں بوکھلا کر وہیں رُک گیا تھا۔

قدرتی لباس میں ایک سفید نام لڑکی ٹریپ کر کبل میں غروب ہوگئی تھی۔

"کبل کے کمرے ڈرینگ روم میں چل جاؤ لیاگن۔" مرد نے ہمیں موٹے پریشانی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ لوگ کسی ایمری اسکاٹ کا پیغام لائے ہیں۔ لڑکی کبل میں ملفوف دہاں سے چل پڑی تھی۔

"ہاں دوستو! اگر تم خفیہ پولیس ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتے ہو تو مجھے افسوس ہے تمہیں اتنی رات گئے آنا پڑا ہے۔ یہاں کچھ بھی ہوتا اور وہاں

لوگ کبھی پہنچ ہی نہیں پاتے۔" وہ ہاتھ رگڑتے ہوئے مٹھے اور بغیر کسی ثبوت کے تم لوگ بھی اپنے پیش رفتوں کی طرح کچھ خدمت کے کردار میں چلے جاؤ گے۔"

میں کسی دوسرے انداز میں یاگن میں کو مطمئن کرنے جا رہا تھا

گوتم قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ یاگن تو اجنبی اور شوک تھا۔ میں گوتم کے بے جواز ہنسی پر ہنسنے سا ہو کر اُسے دیکھنے لگا تھا۔

ہاں آنکھیں بند کیے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ کتنا مزے دار لطف ہو گیا ہے ماسٹر۔ وہ لوٹ لوٹ ہوتے ہوئے بولا۔ پولیس کے معذوروں پر پولیس

کاشیہ کیا جا رہے ہیں۔

"... لیکن نوجوان دوستو! یاگن کچھ اُلجھ کر بولا۔ تمہیں کسی

ایمری اسکاٹ نے غلط آدمی کے پاس بھیج دیا ہے۔ میں دوسرے قسم کا پرس کرتا ہوں۔ میرے ہاں معذور مجرموں کو پناہ دینے کا کوئی

نہی نہیں ہے۔ یہ کام میں نہیں کرتا۔"

مجھے گوتم کے زرخیز ذہن کی داد دینا پڑی تھی جس نے بڑی کارگر

نہی سوچ لی تھی۔ میں تو دناحتوں میں بھی شاید وقت ضائع کر دیتا۔ لہذا میں نے گوتم کے سفید جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے کوئی مفاتیح پیش

نہیں کی تھی۔ میں کیسے یقین کر لوں کہ تم پولیس کے آدمی نہیں ہو؟

مجھے خاموش پاکر یاگن بول پڑا۔ کوئی ثبوت؟

"سوری مشر یاگن۔" میں نے مہذبت خانانہ انداز میں کہا۔ کوئی

ثبوت نہیں اور میرے نزدیک ثبوت کی چنداں ضرورت بھی نہیں۔ ہمیں

آپ کی ذات سے صرف رہنمائی حاصل کرنی ہے۔ ہم اپنے ایک دیرینہ

دوست مشر برتھ کا پتہ معلوم کرنے آئے ہیں۔ گزشتہ دنوں اُن دونوں

سے ہماری دوستی چھوٹی ہے۔ اُس نے آپ کا حوالہ دیا تھا اور ہم نے آپ

کا پتہ ایمری اسکاٹ سے حاصل کیلے۔"

"اس کے باوجود تم خود کو..."

گردن ہلائی۔ وہ گوتم کی جانب دیکھنے لگا۔ گوتم کے شہانہ کا انداز بڑا ہی مضحکہ خیز تھا۔

"نہیں... ناقابل یقین۔" وہ بڑبڑایا۔ برتھ اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں مار سکتا۔ جسے تم بل جاؤ۔ اس نے انگلی کا اشارہ...

میری جانب کیا۔ اُسے برتھ جیسے غلی غلنے کی ضرورت نہیں رہ سکتی۔ کوئی دوسرا چکر ہے لڑکو۔"

"آنے کا مقصد تم سن چکے ہو مشر یاگن۔" میں نے سرد آوازیں

کہا۔ کیونکہ سیدی انگلی سے گھی اوپر آ کر گرنا جا رہا تھا۔ مجھے ٹیڑھی انگلی سے ہی گھی نہکانا پڑتا تو دریغ نہ کرتا۔ ہم اس وقت برتھ سے ملنا چاہتے

ہیں۔ پلاٹشہ ہم ذریعہ معاش کے متلاشی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ذریعہ تم ہی ہو۔ برتھ کوئی دوسرا انتظام بھی کر سکتا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے نوجوان۔" یاگن کے تیر بھی کٹے ہوئے تھے۔ میں کسی برتھ سے واقف نہیں ہوں۔"

"اور مارشلے... میرے حق سے عزت ابھری۔ یاگن بڑی

طرح چونکا اور اچھل کر اٹھنا ہی چاہ رہا تھا کہ گوتم کی تنی ہوئی انگلیوں

کی پسلیوں سے ٹکرائیں اور وہ کراہتا ہوا لڑھک گیا۔ مشر یاگن ہم اتنی

رات ڈھلے تقریباً نہیں گئے۔ کوئی اہم مقصد ہی نہیں سڑکوں پر نکال لایا

ہے۔ ہم جلتے ہیں برتھ اور مارشا یہاں کیوں آتے ہیں اور تم کون سا

بزنس کرتے ہو مگر ہمیں اُس سے کوئی سروکار نہیں۔ کیونچھوٹی سی

بات کی خاطر اپنی ذات کو اذیت میں ڈالتے ہو۔ برتھ یا مارشا کا پتہ بتادو

ہم دوسرے منٹ یہاں نہیں ہوں گے۔"

"نہیں... میں اُن کو نہیں جانتا۔" وہ خوف زدہ نگاہوں سے

گوتم کو دیکھتے ہوئے گھٹیا کر بولا اور میرا ہاتھ پھینکارتا ہوا اٹھا اور یاگن

کر چکا تھا۔ اس کی روم میٹ نے آخری کال کا جواب دیتے ہوئے بتایا تھا کہ مارشا عاضی طور پر کسی ہوٹل میں منتقل ہو گئی ہے۔ اس نے شوک لنگل کر باجیس آستین سے صاف کیں اور پھر بولنے لگا: "لیکن مجھے یقین ہے وہ برتو کے پاس ہوگی۔ برتو یہاں سے لوٹنے والا ہو تو اسے کسی روٹی کی کال موصول ہوئی تھی۔ وہ مارشا ہی تھی۔ اسے وہ لے گیا ہوگا۔ میں جانتا ہوں مارشا کی مالی حالت ہوٹل کی تحمل نہیں ہو سکتی۔"

"اب براہ کرم برتو کا نمبر ڈائل کرو۔" میں نے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر اس کی ران پر رکھ دیا۔

"لیکن وہ اس کی موجودگی ظاہر نہیں کرے گا؟ یا نگ نے رزائل منگلی سے ڈائل کھاتے ہوئے کہا۔ وہ ریسور کاں سے لگائے گھنٹی کی آواز سناتا رہا تھا۔

"ہلو بولے... ہاں یا نگ ہوں... ہلو ہلو... یا نگ نے ریسور کال سے لگاتے ہوئے میری جانب دیکھا: "کچھ گڑبڑ ہے اس کے ساتھ۔ اس نے فوراً سلسلہ منقطع کر دیا ہے۔"

"ہم دیکھ لیں گے۔" میں سمجھتے ہوئے بولا اور میرا اشارہ پلٹے ہی گوتم نے یا نگ کی کپٹی بجائی اور دوسرے ہاتھ سے ٹیلی فون سیٹ فرش پر بچ دیا اور ہاتھ جھارتا ہوا میرے ساتھ چل پڑا تھا۔

"باس! بائسری اور بائسری نواز تینوں گئے۔ وہ خوش دلی سے چہکا: "کیل پوش حسین بد دعائیں دے گی۔"

"شاید دعائیں دے۔" میں نے کہا: "یا نگ یں آنا کفلام نہیں ہے۔" اگر بیوی ہوتی تو؟ گوتم نے دروازہ کھولتے ہوئے سفید دانتوں کی نمائش کی۔

"پھر بھی کچھ نہیں ہو گا یار۔" میری آواز میں جھلہٹ نمایاں تھی۔

"ایسے بد بختوں کی بیویاں شوہر پرست نہیں ہوتیں۔"

گوتم نے یقیناً میری جھلہٹ محسوس کر لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہونٹ پیچ کر ڈرائیونگ کرنے لگا تھا۔

"کولون ماسٹر...؟ گوتم نے گہری سنجیدگی سے پوچھا اور میں نے اس کے شانے پر تھکی دی۔ اس نے چہرہ پھیر کر دیکھا۔ میرے چہرے پر سیاسی مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی۔ میں اندر سے دھاریں مار کر رو رہا تھا لیکن گوتم کی خاطر بظاہر ہنس رہا تھا۔ یہی تو انسان کے ساتھ مجبوری ہوتی ہے۔ وہ بعض اوقات اپنے لیے نہ روکتا ہے اور نہ ٹھک کر ہٹتا ہے۔

"تم کبھی اس طرف گئے ہو پیارے؟ میری نرم اور گداز آواز نے گوتم کی زندہ دلی بیلہ کر دی تھی۔

"اں ماسٹر ایک لڑکی اُدھر لے گئی تھی۔ اس نے شرط لے ہوئے بتایا: "لیکن میں کولون کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ دراصل ماسٹر جب

کوئی خوش رو لڑکی میرے پہنچیں ہوتی ہے تو میں کچھ اور دیکھ ہی نہیں سکتا۔ بس دہی لٹکا ہوں میں سمائی رہتی ہے۔"

"میری دوستی پھر تمہیں مہنگی پڑے گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"لیکن میں کوشش کروں گا پیارے، لڑکی اور تمہارے درمیان حاملہ ہو سکتی۔"

"اوہ نہیں ماسٹر... وہ ٹرپ سا گیا۔ تمہاری ذات اور تمہارا ساتھ ہر جذبے اور خواہش سے مجھے پیارا ہے۔ تمہاری خاطر میں دنیا کی تمام خوبصورت لڑکیوں کے چہرے بگاڑ سکتا ہوں۔" میں اس کی باتوں سے اتنا متاثر ہو گیا تھا کہ کوئی جواب ہی نہ سوچ رہا تھا اور میں اس کی چوڑی پشت کو ایسے ہی آہستہ آہستہ تھپ تھپانے لگا جیسے ماں بچے کو تھپ رہی ہو۔

کار سائل علاقے میں داخل ہوئی تو زندگی کے آثار بھی دکھائی دینے لگے تھے۔ ٹرائیاں سامان سے لدی جا رہی تھیں، ایک ٹرائی پر چینی بکریاں کی طرح بھڑے ہوئے دکھائی دیے۔ شاید شفت بدل ہو گئی۔ پارکنگ پلاٹ میں تیل دھونے کی جگہ نہ تھی۔ گاڑیاں قطاروں میں پارک تھیں۔ صرف تین آدمی ٹھل رہے تھے۔ ایک محافظ نے رائفل سے ایک ٹینک کی جانب اشارہ کیا اور گوتم کو ٹرین میں کار اُدھر ہی بڑھلے گیا تھا جب ہم باہر نکلے تو اسی محافظ نے پتیل کا گول ٹوکن گوتم کی پٹیلی پر رکھ دیا اور مار کر سے دندان شکن پر ٹوکن نمبر لکھ کر جب گھوما تو گوتم نے کچھ سے اس کو تھام لیا۔

"کیا فیڑی مل جلے گی؟ میں نے پوچھا۔ محافظ نے ہاتھ کا اشارہ سے کچھ بتایا۔ غالباً چینی زبان تھی۔ میں کچھ سمجھا نہ گوتم۔ البتہ ہم نے دائرے میں بیٹھے چار آدمی دیکھ لیے تھے جو آگ تاپ رہے تھے۔ غالباً چینی نے اُن کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"گڈ مائٹ دوستو... چاروں نے بیک وقت چہرے گھمکے۔

"ہم پار جانا چاہتے ہیں۔"

"باس! آمارو اور کوڈ جاؤ۔" ایک نوجوان نے متحزانہ لہجے میں کہا۔

"اگر شنار ہو تو صبح تک پار آ کر جاؤ گے۔"

"لیکن ہم صبح کا تلف ادھر آٹھانا پسند کریں گے۔ گوتم بول پڑا۔

"تم میں سے جو ہماری مدد کرے گا اس کی جیب میں دو پونڈ جاسکتی ہیں۔"

"سُور کو...؟ دوسرا آدمی گرم ہاتھ چہرے پر پھیرتا ہوا بولا۔

"آج شام چار بجے سے پچھری ٹرائی ہوٹل جا رہی ہے۔ دیکھو ہم کشتیاں چھوڑ کر آگ تاپ رہے ہیں۔ کوئی بھی تمہیں نہیں اُٹھائے گا۔ وہاں کھڑا ہوا اور انٹرائی لے کر ٹولی سے الگ ہو گیا۔ شب بخیر سا فقیرا مجھے نیند پریشان کرنے لگی ہے۔ اگر تم آنا تو اسے فیڑی میں بھیج دینا۔"

میں نے معنی خیز نگاہوں سے گوتم کی جانب دیکھا۔ اس نے آنکھیں سے آنید کر دی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ میرے منصوبے سے پوری طرح آگاہ اور متفق تھا۔

ہم چند قدموں کا فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے ٹپنے کے انداز میں چل پڑے تھے۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ شاید منہ نے اس کے سارے نظام کو محفل کر رکھا تھا۔

"اسے انکل...؟ میں نے اسے آواز دی اور وہ کنارے کی فیڑی پر چھلانگ لگاتے لگاتے رُک گیا۔ براہ کرم ہماری مدد کرو۔ ہم ٹیکسی بھی چھوڑ بیٹھے ہیں، مسرد ساحل پر رات کیسے کٹے گی۔ وہ چل بھر کچھ سوچتا رہا تھا اور پھر کندھے اُچکاتے ہوئے فیڑی کے پاس دیاں پر چلا گیا۔

"ہم شب بستی کا معقول معاوضہ دیں گے انکل۔" میں نے چہرے پر التجا کی مسکینیت طاری کر لی تھی۔ ہم کسی کونے میں پڑے دیں گے۔

"دیکھو لڑکو... وہ خوش دلی سے سچاتے ہوئے بولا۔ "فارغ رات ہم سیڑیوں کو کبھی کبھی نصیب ہوتی ہے اور ہم ایسی رات سے جب بھر کر انتقام لیتے ہیں۔ ہمارا ایک ساتھی ہم عورتوں کا انتقام کر لے گیا ہو ہے۔ وہ عورت جو میری طرف بھیجی جائے گی تین بیڑیوں کو دیکھ کر واپس پٹ جائے گی۔ لہذا مجھے افسوس ہے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے۔ گوتم نے کہا: "اسے پانچ عورتیں نہ ملیں اور تم تنہا ہی رہ جاؤ۔"

"ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔" اس نے کان کھلتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اندر چلو لیکن ایک شرط..."

"منظور ہے انکل؟ گوتم کوڈ گیا۔ "ہم آپ کی عیاشی میں خلل نہیں ہوں گے۔ وہ آئے گی اور ہم ملے جائیں گے۔"

جب میں اس مرد معقول کے ساتھ اندر گیا تو گوتم گداز برتو پر بالکل بٹول کے انداز سے بیٹھے بیٹھے اچھل رہا تھا۔ "انکل دروازہ بند کرو۔ وہ جہکا۔ بے حاد رام دہ برتو ہیں۔ تمہا کا وٹ اور منید کا احساس اس برتو پر لپٹے ہی شدید ہو جا رہا ہے۔"

"انکل...؟ میں اس کے سامنے پاؤں پھیلا کر کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

"فارغ ابال ہو لینے ہیں؟"

"اوہ...؟ وہ ہنس پڑا۔ "شاید تم مجھے بچوں کا حوالہ دے کر کوئی نصیحت کرنے جا رہے ہو۔"

"ہاں۔ انکل۔" میں نے مضبوط آواز میں جواب دیا۔ "خاندان اپنے مرنے والے لڑکے لے کر الے بن کر خود کو محسوس کرنے لگتا ہے جیسے بے چیت دیواریں لوٹاؤں سے گھرائی۔ یہی ہیں میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟ میں تمہیں یہ انداز کرنے کی کوشش کر رہا ہوں انکل، اگر تم نے احمقانہ حید کی تو مجبوراً ہم

تمہیں سربراہی سے موقوف کر دیں گے۔"

"اوہ...؟ وہ طویل سانس لے کر بولا: "تو تم وہ نہیں ہو۔"

"نہیں انکل پیارے ہم وہی ہیں۔" میں نے مدھم آواز سے بتایا۔

یہی حاجت مند... ہمیں بہر صورت پار آ کر نا ہے۔ ہم بہر حال ختم ہونے تک نہیں رُک سکتے۔ جو حاجت مند اپنی حاجت روائی کے لیے آخری حد تک جانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں اُن کی ضرورت کو نگزیر ہی سمجھا جانا چاہیے۔

"تم مجھے دھونس میں لے جانا چاہتے ہو۔" وہ گھوٹا ہوا غراہٹ اپنے پہلے دانت گن لو۔

"ہمارے دانت کئی بار ٹوٹ چکے ہیں انکل۔" میں نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے سرد آوازیں کہا: "دھونس تو ہمارا پہلا قدم ہے۔ ہم بہت آگے تک جانے کا فیصلہ کر کے اُدھر لے ہیں۔ چلو اب بن مٹا کر دو۔"

اس نے جوں ہی دونوں ہتھیلیاں پیچھے کیں۔ میں نہ صرف دفاعی پوزیشن میں ہو گیا تھا بلکہ کچھ جوانی کا روائی کے لیے بھی تیار تھا۔ گوتم غیر متعلق سا نیم دراز ہو کر پیسے ڈراے کی ریسرسل دیکھ رہا تھا۔

میری توقع کے عین مطابق ہی وہ دولتی مارنے اُپر اُٹھا تھا۔ ہاں بالکل تیار تھا۔ لہذا ہوا ایک طرف کودتے لے میری دائیں ٹانگ نیچے پڑا کر قی اس کی پنڈلیوں کے نچلے حصے سے ٹکراتی جب اُپر اُٹھی تو وہ فضا میں ہی اُلٹی قلابازی میں چلا گیا تھا۔ اس کا تارہ اچھا ہی تھا۔ وہ سر کے بل گداز برتو پر گر کر آقا گریزی کے فرش پر گرنا تو بولٹ اس کے سر کی مزاج پُرسی کے لیے سر اُٹھانے کھڑا تھا۔ گرنے اور اچھل کود نے چھوٹی سی فیڑی کو بے لوازن کر دیا تھا۔ میں نے دیوار کا سہارا لے کر اپنا توازن درست کر رکھا تھا۔

"سُور محترم؟" میں نے مصالحتی لہجے میں کہا: "اچھل کود کا نتیجہ ٹوٹ پھوٹ کے علاوہ وہی ہو گا جو ہم چاہتے ہیں۔ بہتری ضرورت کو محسوس کرو..."

دفعہ گوتم اُڑتا ہوا ہمارے درمیان حائل ہو گیا تھا۔

"ماسٹر... کچھ خدمت کا موقع مجھے بھی ملنا چاہیے۔" اس نے بازو دائرے میں لہراتے ہوئے کہا اور جب اس کا ہاتھ رُکا تو میں نے چم چاتا خنجر دیکھا۔ غالباً آستین سے خنجر لٹک آیا تھا۔ انکل! میں تمہارا چھوٹا بیٹھیا ہوں تم جلتے ہو گے چھوٹے ذرا خدائی ہوتے ہیں۔ وہ کوڈ کر اس کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ چابیاں میرے حوالے کر دیو پیارے انکل! میں ناؤ پلہ لگا دوں گا۔ لاڈ چاہیں... گوتم نے غراتے ہوئے جھٹک کر خنجر ٹوک اس کے دائیں گال پر رکھ دی۔

"سُور... سُور...؟ وہ گدازراتے ہوئے بولا: "مجھے یونین والے سزا دیں گے میرا لائسنس معطل کر دیں گے۔ تم... مجھے اُٹھا کر باہر کی پھینک دو۔" اس نے چابیاں نکال کر گوتم کے حوالے کر دیں۔ "میرے بچوں پر رحم کرو۔"

"ماسٹر...؟ گوتم مجھے ہٹا ہوا بولا۔ تم ذرا اس بوڑھے بچے کو بھلاؤ۔ میں دیکھتا ہوں انجن کیا کہتا ہے۔"

مک نے ریوا لورن کال کر ٹوڑھنے بچے کو جھک دکھائی۔ وہ ایسے ہی ایک دم پرسکون ہو گیا جیسے روتے بچے کو باؤ کہہ کر سہا دیا گیا ہو۔ گوتم جھک کر انجن کی جانب ریگ گیا تھا اور کس سلسلے والی میٹ پر اکڑوں بیٹھ کر ریوا لور سے دل بھلانے لگ گیا تھا۔

ایک منٹ سے بھی کم وقت میں میری منظر سماعت سے انجن کی دل خوش کن گھر گھر اٹھ کرانی میرے حیرت انگیز دوست نے انجن بیدار کر لیا تھا۔ جب فیری قریب کھڑی کشتیوں کے درمیان سے لہرائی کھلے پانی میں ہموار رفتار سے بڑھتے گی تو میں نے طہنیت بھری نگاہوں سے اپنے بد مقابل کو مسکراہٹ دی۔

"جو ہونا تھا ہو چکا ہے انکل۔ میں نے نہیں برتھ پر لائے ہوئے ماحول کو خوش گوار بنانا چاہا تھا۔ اب ہمارا ساتھ کچھ وقت کلبے۔ ہم آپ کو اتنا معاوضہ دیں گے کہ یونین کا جرم ادا کر کے بھی آپ فائدے میں رہیں گے۔"

"ہاں... وہ سداۓ بھرتے ہوئے بولا۔ بشرطیکہ صبح پولیس قاتلوں کو تعاون دینے کے جرم میں دھرنے لے۔ تم یقیناً اچھے لوگ نہیں ہو سکتے۔"

"نہیں انکل۔ میں نے باوثوق انداز میں کہا۔ ہم اپنے ایک دوست سے ملنے جا رہے ہیں جو صبح پہلی فلائٹ سے فلپائن جا رہے ہیں ملاقات ہے۔"

"کیا میں یقین کر لوں؟ وہ آگے جھک کر بولا۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو میں تمیں واپس بھی لے آؤں گا۔ بولو معاوضہ کیا دو گے؟"

"مُنہ مانگا انکل... میں نے جیب سے کرارے نوٹوں کی گڈی نکال کر برتھ پر اچھال دی۔ لیکن واپسی پر..."

فیری روک کر گوتم جب اندھا یا تو میں نے گڈی سے چند نوٹ الگ کر کے فیری کے مالک کی جانب اچھال دیے۔ نوٹ بھر کر اُس کے اوپر ہی گرے تھے۔

"اگر انتظار کرنا چاہو تو اُدھر جا کر تم پر پھر نوٹوں کی بارش ہوگی۔ میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔"

"میں دو گھنٹے انتظار کروں گا۔ اس نے نوٹ چھتے ہوئے کہا۔ لیکن وعدہ نہیں کر سکتا۔ اُدھر ان لوگوں کو پتہ چل چکا ہوگا۔ اگر کوئی خلاف فیزی کی وجہ دریافت کرنے آگیا تو میں مجبور ہو جاؤں گا۔"

"چلو ماسٹر... گوتم دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔ میں نے فیری پورٹ سے ہٹ کر گائی ہے۔ ہیں گاڑی کے لیے اُدھر تک پیدل چلنا ہوگا۔"

فیری واقعی دیوانہ و سنان کنارے پر لگی تھی۔ دائیں جانب

روشنی کا سیلاب دُور سے دکھائی دے رہا تھا کنارے پر اتر کر کم کھلے کنارے دو شینوں کی جانب چلنے لگے تھے۔ میں تقریباً دوڑی رہا تھا۔ کیونکہ میرے کانوں نے مرغ کی اذان سن لی تھی۔ بھری کا وقت ہو چکا تھا اور صبح کی روشنی تیزی سے رات کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا تھا اُس کے لیے صرف رات کی چادر ہی مبادل ہو رہی تھی۔

روشنی کے دائرے میں تھے ہی میں نے اپنی رفتار کم کر لی تھی۔ سبازہ رفتار دیکھنے والی ہر آنکھ کو کھٹک سکتی تھی۔ میں نے قدم روک کر گوتم کو پہنچو میں اُنے دیا اور ہم تھکے ہارے مزدوروں کی چال چلتے پارنگ لائٹ میں داخل ہو گئے۔ دُور سے کنارے کی طرح اس کنارے کا پارک بھی آباد تھا۔

"کیا یہ لوگ چلانے کی کوشش کر رہے ہیں؟" گوتم نے پیل کانڈن ہتھیلی پر رکھ کر پوچھا۔

"نہیں پیارے۔ میں نے سرگوشیانہ آواز میں اُسے روک دیا۔ ہو سکتا ہے اُدھر کوئی دُوسرا طریقہ کار ہو اور ہم پہلے ہی قدم پر پڑے جائیں۔ کیا تم تار سے انکیشن کا نظام کھول لو گے؟"

"شاید کامیاب ہو جاؤں۔ گوتم چابیوں کے رنگ کی تار کھولتے ہوئے بڑبڑایا۔ دُوسرے لمبے رنگ میٹر بھی تیرھی تار میں بدل چکا تھا۔ "آڈرائی کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔"

تینوں گارڈ پیٹیوں پر بیٹھے مے نوشی میں مشغول تھے۔ ہم بیٹھتے دُور سے کنارے چاہنے پر ایک مرزا کا انتخاب کر کے گوتم لاک کھولنے میں جُٹ گیا اور میں نگرانی کرنے لگا تھا۔

"رُک جاؤ دوست۔ میں نے ایک ٹولہ قامت شخص کو کہیں سے نکلے دیکھ لیا جو کہیں کا دروازہ لاک کر کے ہلدی جانب آ رہا تھا۔ گوتم سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

وہ شخص ہم سے تقریباً رُک کھڑا ہوا گزرا اور مرزا سے میرے نمبر پر کھڑی کار کا دروازہ کھولنے لگا۔

"ایک منٹ سر... میں نے بلند آواز میں کہا۔ اُس نے چہرہ موڑ کر دیکھا اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ہم چابیاں کھونٹھے ہیں۔ سربراہ کم جیونگ کارپوریشن تک لفٹ دیں۔"

"مجھے شپ یا ڈک کی جانب جانا ہے دوستو۔ اُس نے معذرتی لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے سر۔ میں نے گوتم کو چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے مژدن آواز میں کہا۔ کچھ تو فاصلہ کم ہو جانے کا۔ حالانکہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ شپ یا ڈک کہاں ہے۔ جیونگ کارپوریشن کا بورڈ میں نے اُس صبح بھاگتے بھاگتے دیکھ لیا تھا۔

"سنو رکو... وہ کڑے تیور سے گھورتا ہوا بولا۔ یہاں بے مثل

کاریں کھڑی ہیں۔ کوئی اپنے لیے جُن لو۔ دھوکا دینے کی پہلے صلاحیت پیدا کرو۔" دروازہ کھولنے کے لیے وہ پھر جھک گیا۔ فاصلہ تو کم ہو ہی چکا تھا اور وہ نہ صرف مشک ہو گیا تھا بلکہ یقین کے کر جانے والا تھا۔ لوگ دیتے وقت وہ گارڈ کو اپنا یقین منتقل کر جاتا تو میری تنگ و دُور ناک میں مل جاتی لہذا میں ایک ہی جہت میں نہ صرف اُس سے نگرانی بلکہ اس کے منہ پر ہتھیلی جاکر زمین پر چلا گیا تھا۔ اُس کے لیے میرا حوالہ غیر متوقع ہی رہا ہو گا۔ وہ میرے نیچے تھا اور میں اُس کے سینے پر سوار ہو گیا تھا۔ وہ رگ فاد گالے نے ہی بتائی تھی جسے ماہرانہ انداز میں مل کر دھکی کو بھی ہوش سے بے گار کیا جاسکتا ہے۔ وہ میرے بوجھ تلے بڑی طرح ٹرپ رہا تھا لیکن میری ہتھیلی اس کے منہ پر اثر ٹائٹ ڈھکن کی مانند جمی ہوئی تھی۔ دائیں ہاتھ کی انگلیا گردن پر رگ کو مسل رہی تھیں۔ وہ چند ثانیوں میں ہی بے حرکت ہو کر جب پرسکون ہو گیا تو میں بایاں ہاتھ زمین پر رکھتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اے اندر رکھ دو تم۔ میں نے لاک میں گی چابیاں نکلے تے ہوئے کہا اور گوتم نے اُسے اُٹھالیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر پچھلے دروازے کا لاک اوپر کیا اور گوتم کے لیے دروازہ کھول دیا۔ اس کی جیب سے لوگن بھی نکال لو۔"

گوتم نے لوگن کے ساتھ لاکٹ سائز کا پھولا ہوا پرس بھی میری جانب بڑھا دیا تھا۔

"نہیں پیارے... میں نے لوگن لیے ہوئے کہا۔ ہم چور نہیں ہیں۔ پرس واپس رکھ دو۔"

گوتم نے ہونٹ سکڑ کر پرس واپس اُس کی جیب میں ٹھونس دیا۔ تب میں نے انجن اشارت کیا اور کار کو سیٹ گیر میں ڈالتا ہوا قطار سے باہر آیا۔ انجن کی آواز میں کر ایک گارڈ دوڑتا آ رہا تھا۔ میں نے کار کی رفتار بے حد کم رکھی ہوئی تھی۔ گارڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے لوگن اور ایک نوٹ اُس کی جانب اچھال دیا۔ لوگن فرش پر جا پڑا تھا لیکن نوٹ اُس نے فضا میں ہی روک لیا تھا۔ ابھی وہ نوٹ کی مالیت کا اندازہ ہی کرنے میں مصروف تھا کہ میں ایکسیلر پر دباؤ ڈالتا ہوا ٹھیک لگ گیا تھا۔

"بہتے شاندار ماسٹر... گوتم نے تعریفی لہجے میں میری گردن دکھائی۔

تیلے ہوش کرنے کا خاموش فن مجھے بھی بتانا۔"

"میرا سب کچھ تمہارا ہے برادر۔ میں نے اُس کا ہاتھ نرمی سے پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔ زبان سے تعریف کرو۔ مجھے گڈی سے بڑی چڑ ہے۔"

"مے... گوتم جیسے کراہنے لگا۔ میں نے سمجھا شاید اُدھے بنا کر میں نے زیادتی کی ہے۔ یہ گڈی بھی عجیبے ہوتی ہے پیارے ماسٹر، پیارے کی بھی انداز کو برداشت نہیں کرتی۔ ماریا کو بھی گڈی سے چڑ ہے۔ جانتے ہو ماسٹر مجھے مایا سے پہلے اپنی موٹھوں سے بڑا پیار تھا۔ میں نے عقب

سینے میں استغنا میرے نگاہوں سے گوتم کو مخاطب چہرے کی جانب دیکھا۔

"ہاں ماسٹر... وہ گہری سانس لے کر بولنے لگا۔ میں نے ماریا کی محبت سے قبل بڑی بڑی موٹھیں پال رکھی تھیں۔ اُس خال سے پیار ہوا تو موٹھیں جلد نہیں۔ میں موٹھوں سے بے وفائی کر چکا ہوں۔ ماریا کو تو موٹھوں سے گڈی ہوئے تھیں تھی۔ وہ ہنستے ہنستے بڑھال ہو جاتی تھی۔"

"اب موٹھوں کو واپس گھر لے آؤ پیارے۔ میں نے مکراتے ہوئے کہا۔ میں تمہاری موٹھوں سے محبت کر رہا ہوں۔ گڈی کا کیونکہ ہمارے دیوانہ دُور کی قسم کا پیار ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ماسٹر۔ گوتم باتوں باتوں میں بخیدہ بلکہ رغبت سا ہو گیا تھا۔ لیکن پھر کوئی ماریا کو اُدھے گی۔"

"یہ فیصلہ تو بہر حال تمیں ہی کرنا ہوگا پیارے۔ میں نے ایک چوبیس پر دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کہا۔ کوئی ماریا عزیز ہے یا خرم سلطان کی پسند۔ گوتم ٹرپ کر آگے جھک آیا اور میرے شانے پر ہاتھ مار کر چیخا۔

"اُدھ نہیں ماسٹر۔ میں دنیا کی ہر ماریا کو تیرے جوتے کی لوک پر مار سکتا ہوں لیکن اب موٹھیں نہیں رکھ سکتا۔ جس سے بے وفائی ہو جائے پھر تجدید وفا بھی وہ تیار نگ نہیں لاتی۔ بس اب میری موٹھیں میری محبت میرا دین سب کچھ تم ہی ہو ماسٹر..."

وہ ذیلی نیم نچتے سرک اچانک ہی سلسے آگنی تھی جس کے آغاز پر دائیں بائیں دو قد آور درخت چوکس دربانوں کی طرح کھڑے تھے۔ سمعون اور مارشا کے ساتھ اُدھرتے ہوئے میں نے بطور خاص ان درختوں کو تعریفی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اگر درخت نہ ہوتے تو شاید میں راستہ تلاش کرنے میں وقت محسوس کرتا۔ سرک پر مڑنے سے قبل ہی ہیڈ لائٹس بجھا دی گئی تھیں۔ یا نگ میں نے تھوڑی دیر قبل برتھ کو کال کیا تھا اور اُس نے جواب بھی دیا تھا لہذا امتیاز کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ گیٹ سے دس سذرہ قدم دور خود روڑ و جھاڑیوں کے درمیان کار روک کر ہم اندھیرے میں اتر گئے۔

"اگر وہ جاگ رہے تو گولی کا خطرہ..."

"اُدھ نہیں... میں نے گوتم کی بات کاٹ کر بتایا۔ برتھ نہ غنڈہ ہے نہ مکمل مرد... مجھے دیکھتے ہی اُس کی روج پرواز کر سکتی ہے مگر وہ مقابلہ نہیں کرے گا۔ میں اُسے آواز چکا ہوں۔"

اس کے باوجود گوتم کے خدشے کو میں نے پس پشت نہیں ڈالا تھا۔ دشمن بہر حال دشمن ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ رہی تھی کہ ہم گیٹ کو چھوڑ کر جھاڑیوں کی آڑ میں دیوار بچاند گئے تھے۔ تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود ہمارے پاؤں تلے آنے والے خشک پتے خاموشی چھاڑتے چلے جا رہے تھے حالانکہ ہم دبے پاؤں نہایت ہی کُست رفتار سے قدم قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ کالج پر گھر اس کو ت اور

اندھیرا اچھایا ہوا تھا۔ کوئی کھڑکی، روشن دان روشن نہ تھا۔ برائے میں جا کر میں نے ایک لمحہ سوچا اور پھر اُس کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ "تم اندر جانے کی ضد نہیں کرو گے؟ میں نے گوتم کے کان میں کہا۔" بگڑتے حالات کو سنبھالنے کے لیے یہیں کھڑا ہو کر۔ میں نے نہایت ہی آہستگی کے ساتھ اٹھی انگلی سے دستک دی برتھ یقیناً جاگ رہا ہوگا۔ دستک کی آواز کے ساتھ ہی اندر روشنی پھیل گئی تھی۔ کی ہول سے آنکھ لگا کر اندر دیکھا۔ برتھ کے سفید پاؤں سیلپھون رہے تھے۔ پھر وہ اٹھا اور دروازے کی جانب آنا دکھائی دیا۔ "مشر برتھ دروازہ کھولو۔" میں نے حتی الامکان اپنی آواز بدل کر کہا۔ "یانگ بین کا پیغام لایا ہوں۔" "دروازہ نہیں کھلے گا دوست۔" برتھ کی جھرجھرائی آواز سنا دی۔ "اگر پیغام تحریری ہے تو لفافہ دروازے کی پھل جھری سے اندر پھینک دو۔" اگر زبانی کچھ کہنا ہے تو تمہاری آواز سن رہی ہوں۔" مایوسی کا چہرہ اُمید کی روشنی سے چمک اٹھا تھا۔ مارشا اُس کے ساتھ تھی۔ میں نے برتھ کی باتوں سے ہی اندازہ لگایا تھا۔ درنہ یانگ بین کا حوالہ دروازہ ضرور کھلوا دیتا۔ "سُمو مشر برتھ... میں نے اپنی قدرتی آواز میں کہا تاکہ مارشا میری آواز سے سمجھے پہچان لے۔" اگر مارشا اندر ہے تو اُسے بتا دو خرم سلطان آیا ہے؟ "اوہ... نن... نہیں۔" برتھ میرا نام سن کر میاں لگا۔ "یقین کر دو وہ یہاں نہیں ہے۔ میں تنہا ہوں۔" تب مجھے وہ فیصلہ کرنا پڑا جو ناگزیر ہو گیا تھا۔ میں نے دیوار نکال کر لاک پر نال رکھ دی۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا۔ مشر برتھ میں دروازہ کھول رہا ہوں، دیوار کے ساتھ ہو جاؤ۔" خاموشی کا سینہ جھکے سے پاش پاش ہو گیا تھا۔ میں نے کون کونھو کمری اور دیوار تان کر اندر داخل ہو گیا۔ برتھ دیوار کے ساتھ ٹھہرے ہوئے گدھے کی مانند کھڑا لوز رہا تھا۔ "دیکھ... دیکھ لو..." وہ گھٹکی لگا۔ "وہ... وہ یہاں نہیں ہے۔" "کوئی بات نہیں دوست۔" میں نے مہربان آواز میں اُسے پچکارا۔ "آؤ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" وہ سمجھے ہوئے بچے کی مانند پلنگ کی پٹی پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ میں نے کڑی اٹھائی اور اُس کے سلسلے بیٹھ کر دیوار جیب میں ڈال دیا۔ "وہ سب سے لاپتہ ہے۔" برتھ پر دیوار کی روپوشی نے خوشخوار اثر ڈالا تھا۔ "میرا خیال تھا تم نے اُسے تلاش کر لیا ہوگا۔" میں نے مسکراہٹ کے درمیان کہا۔ "مجھے مشر یانگ نے بتایا تھا کہ تم اُس کی تلاش میں ہو۔" "اُن فون پر تین بچے یانگ سے بات ہوئی تھی۔" برتھ بولنے لگا۔ "میں نے خود یانگ کو فون کیا تھا۔ میں مارشا کی وجہ سے پریشان تھا۔ اگر

ہر حال نہ ہوتی تو میں ضرور اُدھر جا کر اُسے تلاش کرتا۔" "تو تم اٹھ بچے یانگ سے نہیں ملے؟ میں نے چونک کر پوچھا۔ "نہیں..." برتھ نے نفی میں گون بولائی۔ "میں کئی دنوں سے اُس سے نہیں ملا۔ اگر مارشا کا معاملہ نہ ہوتا تو میں یانگ کو فون بھی نہ کرتا۔ وہ ذیل میں پریشان کرنے لگا ہے۔" "بلیک میل..." میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ "ہاں..." برتھ نے نگاہیں جھکائیں۔ "مارشا بھی میرے ساتھ قوت ہو گئی ہے۔" "فکر کرو برتھ..." میں نے عرض اُس کا خوف دُور کرنے کی خاطر کہہ دیا تھا۔ "میں اُس ذیل کو دیکھ لوں گا۔" "شکریہ جناب۔" برتھ مہزون کی آواز میں بولا۔ "وہ مجھے نہیں مارشا کو پریشان کر رہا ہے۔ وہ صاف تھری لڑکی اُس غلیظ انسان کے ساتھ رات بسر کیے کر سکتی ہے۔ بس یہی وجہ ہے جناب..." "ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا دوست۔" میں نے عزم کر کہا۔ "مارشا اب تنہا نہیں رہے گی لیکن مشر برتھ اُسے تلاش کرو۔ وہ خطبے میں ہے۔" "ہاں میں جانتا ہوں۔" برتھ نے جواب دیا۔ "یری نے مجھے بتایا ہے۔ وہ اُس کی رُوم میٹ ہے۔ اُس کی رپورٹ ہے کہ نو بے مارشا چند جوڑے بیگ میں رکھ کر نکل گئی تھی۔ اگر وہ کسی خطرے سے ڈر کر فرار ہوئی ہے تو کسی مصروف ہوٹل میں قیام نہیں کرے گی۔ وہ اپنے کسی دوست کے ہاں ہی منتقل ہو سکتی ہے۔" "اچھا دوست..." میں نے اٹھ جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا کیونکہ برتھ سچ کہہ رہا تھا۔ مارشا میرے ہی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے روپوش ہو گئی تھی۔ اگر مارشا تم سے رابطہ قائم کرے تو اُسے سیریل پیغام پہنچا دینا۔ مشر بیگر سے فوری رابطہ قائم کرے۔" "مٹائیں نے برتھ کی آنکھوں میں خوف اور حیرت کی پرچھائیاں بھرتی دیکھ لیں۔ اُس کی نگاہوں کے تعاقب میں جب میرا چہرہ گھوما تو میں ایسے ہی اچھل پڑا تھا جیسے کڑی کے طاقت ور اسپرنگ نے اوپر اُچھال دیا ہو۔ بغلی دروازے کی چوکھٹ میں سونیا سراپا مسکراہٹ بنی ایسے کھڑی تھی جیسے قد آدم فریم میں مصور کا شہ پارہ زندگی کی تمام تر عنایتوں سمیت باذوق نگاہوں کی داد کا منتظر ہو۔ "تم..." میری آواز میں پچھے ہوئے دھول کی سی جھرجھراہٹ تھی۔ "تم یہاں..." "ہاں خرم..." اُس کی مسکراہٹ کچھ اور روشن ہو گئی۔ وہ بڑھے لگی اور میں پتھرائی نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔ سابقہ دوستی اور موجودہ

دشمنی کے نام پر ہاتھ نہیں ملاؤ گے چوہدری۔" اُس نے اپنا خوبصورت ہاتھ بڑھایا۔ میں نے جبر قوت کے بوجھ کو سر جھٹک کر لایا اور دھم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ "بیٹھ جاؤ سونیا..." میں بمشکل تمام اُسے ترتیب سانسوں پر قیام رکھا تھا۔ سونیا نے غیر متوقع حالات کے اندھیرے آفت سے طلوع ہو کر مجھے ہلکا کر رکھ دیا تھا۔ "مجھے مارشا کے بخت پر رشک آتا ہے خرم..." وہ مومن پر بیٹھے ہی بولی۔ "جن کے لیے تم جیسا شخص بے قرار ہو اُسے اپنی قسمت پر ناز کرنا پلینے لیکن چوہدری میں حیران ہوں۔ بے شک وہ لڑکی یہاں اسی کمرے میں ناخوش گوارے تم سے بچھ گئی تھی مگر وہ کوئی سکے یا انگریزی تو نہیں کر جہاں گری تھی وہیں تلاش کرنے چلے آئے ہو۔" "تمہارے خوبصورت سوال کا میں بد صورت جواب نہیں دوں گا سونیا۔ میں مسکرا اٹھا تھا۔ "میں موجودہ دشمنی کو بالکل فراموش کر چکا ہوں۔ میرے اندر صرف سابقہ دوستی زندہ ہے۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی فہرست کے تحت حق بجانب تھے۔ میں مارشا کے لیے بے قرار ضرور ہوں مگر اس بے قراری کی تہہ میں خرم چوہدری کی چاہت کا فرما نہیں ہے۔ میں تم سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا۔ ایڈنا میری ایک بہترین دوست اور میرے عمن کی بیٹی میری وجہ سے می جو کی گرفت میں ہے۔ مارشا ہی وہ واحد لڑکی ہے جو مجھے ایڈنا تک لے جاسکتی ہے۔" "اس اعتماد اور فراموشی کا بہت بہت شکریہ چوہدری۔" سونیا گنہیزت سے بولی۔ "برتھ اٹھو جو ہدی کے لیے کوئی خوش ذائقہ مشروب لاؤ۔" "نہیں دوست..." میں نے ہاتھ اٹھا کر برتھ کو روک دیا۔ "میرا حلق بالکل بند ہے۔ میں آگ اور خون کے سات سمندر تیرتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔" "میں تمہارے ایک ایک ٹپ سے آگاہ رہی ہوں خرم۔" سونیا کھاتے ہوئے بتاتے لگی۔ "ایک وقتی غلط فہمی نے میں پھاڑ کر دُور کر دیا تھا۔ اگر یقین کر سکو تو میں صفائی پیش کر دں کہ انکس شمعون نے محض برتھ کو مطمئن کرنے کی خاطر تمہارے قتل کا منصوبہ گھڑ لیا تھا اور سب سے ہمارے منصوبے میں ایسی کوئی شق موجود نہ تھی۔ تمہارے ضائع کرنے سے میں فائدہ بھی تو کچھ نہ تھا مگر تم جھک کر اُٹھتے تو ہم برتھ کو دوسرے کمرے میں بھیج کر تھیں مل بات بتا دیتے۔ خیر جو ہونا ہوتا ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا۔ جو ہو گیا۔ وہ ماضی کا تاریک قصہ بن گیا ہے اور ہم دونوں اب بھی زندہ ہیں۔" اُس نے خاموش ہو کر برتھ کی جانب دیکھا۔ "پیارے برتھ، تم آرام کرو۔ کمزور دل بچے ہم جیسے سفاک بڑوں کی باتیں نہیں سنا کرتے۔"

"نہیں سونیا..." میں نے کھل کر برتھ کو اٹھنے سے روک دیا۔ برتھ پہلے ہی اندر جا کر حماقت کر چکا ہے۔ میں دوبارہ وہی حماقت نہ ہونے دلوں گا۔" "ٹھیک ہے برتھ بیٹھے رہو مگر کان بند کرو۔ تعیل باتیں تمہارا معدہ متاثر کر سکتی ہیں۔" ہاں تو خرم سلطان! میں کہہ رہی تھی کہ ہم ابھی زندہ ہیں اور ہمارا پلان بھی قابل عمل ہے۔ میں تمہیں بتا دوں گی جو نے میرا چہرہ دیکھ کر مجھے دوسری پوزیشن نہیں دی تھی۔ مجھ میں کچھ تھا۔ گردہ جو پھر رہا تھا اُسے میں نے سمیٹ رکھا تھا۔ تمہاری وجہ سے میں معصوب ہو کر خاموش نہیں رہی۔ گردہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو می جو کی غلامی ناپسند کرتے تھے۔ وہی لوگ اب میرے کٹرول میں مصروف مل ہیں۔ یوں کہہ لوں گی نے می جو کے گردہ کو توڑ پھوڑ کر مطلب کے لوگ جن لیے ہیں۔ وہی لوگ تمہاری نگرانی کرتے رہے ہیں۔ ان ہی کے ذریعے میں شہر کے ہنگاموں سے باخبر ہوں۔ مثلاً تم یوں نے نو بے چرچ کے پارکنگ شیڈ سے ایک شخص کے ساتھ می جو کے ہیڈ کوارٹر کی جانب جاتے دیکھے گئے تھے۔ ہیڈ کوارٹر سے تم تین لڑکیوں کے ساتھ باہر آنے اور پھر ایری کو لے کر سی دے ہوٹل میں داخل ہوئے اور..." "یہ نگرانی کس سلسلے کی کڑی تھی؟" میں نے اکتا ہٹ بھرے لہجے میں پوچھا۔ "کڑی..." سونیا نے گہری سانس لے کر برتھ کی جانب دیکھا۔ "برتھ کی موجودگی میں میرے لیے جواب دینا مشکل ہے چوہدری۔ اُس کڑی کے علاوہ بھی نگرانی کا ایک مقصد تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ تم پھر می جو کے ساتھ مل جاؤ۔ اگر میرے ذرائع ناممکن ہوتے تو میں تمہیں می جو کے ہیڈ کوارٹر میں داخل نہ ہونے دیتی مگر مجھے جھاک دوڑ کا مقصد معلوم ہو چکا تھا۔ گردہ کے اندر سے خبر دی گئی تھی کہ خرم چوہدری کو گھیرنے کے لیے ایڈنا نامی لڑکی کو بطور چارہ استعمال کیا جا رہا ہے۔" "اوہ سونیا..." میں ایک بار پھر مایوسی کی گھٹاؤں سے لپک کر باہر نکل آیا تھا۔ پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو چکا کہ اب ایڈنا کہاں ہے۔ اگر تمہیں اطلاع نہیں دی گئی تو براہ کرم اپنے ذرائع استعمال کرو۔" "کاش..." اُس نے سسکی بھر کر کہا۔ "میں کچھ کر سکتی۔ سنو خرم سلطان مجھے تھدی آمد سے دس پندرہ منٹ قبل اطلاع دی گئی تھی کہ می جو ایڈنا کے ساتھ اپنی موٹر روٹ پر بیٹھ کر ساحل چھوڑ چکا ہے۔ اُس کے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا۔ میرا اپنا اندازہ ہے می جو اس کا گرو شپ کو کھلے سمندر میں پکڑنا چاہتا ہے جو آٹھ بجے فلیپ ان کے لیے رانا ہوا ہے۔ میرا مشورہ ہے پیارے فی الحال ایڈنا کو محفوظ جاؤ۔ وہ ہماری تحویل سے دُور کر دی گئی ہے۔ میں یہ بھی یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ایڈنا کی روانگی کے پیچھے می جو کا وہی مقصد کارفرما ہو گا جس کے لیے اوٹن

اور گوجی کا حصول نام کام ہو گیا تھا کیونکہ ایدنا کے باپ کی بھی وہی حیثیت تھی۔
 "ہاں تمہارا اندازہ بالکل درست ہے سوئی۔ مجھ پر یہیم یاد ہے اور تمہا کوٹ طاری ہو گئی تھی تمام کوششیں اور منگامہ زناں۔ شرمندہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ سوئی میں ب جاؤں۔"

"میری درخواست پر غور کرو چوہدری۔ وہ جرمانہ ہوئی ہوئی۔ میں تنہا ہی اس کھوکھلے پہاڑ سے ٹکرانے کا عمل کرتی ہوں مگر میری دلی آرزو ہے خرم، تم میرے شانہ بشانہ چلتے رہو۔ تم ساتھ رہو گے تو مجھے کامیابی کے تحفظ کا بھرپور احساس رہے گا میں آخر ایک عورت ہوں اور ہر عورت چاہے اپنی ذات میں محنت کیوں نہ ہو پھر بھی اسے مرد کے سہارے کی خواہش ہوتی ہے۔ میں اب حکم دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ صرف درخواست کر رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے سوئی۔ میں نے نیم رضا مندانہ انداز میں کہا۔ اس وقت میرا ذہن مافوق ہورہا ہے۔ میں سوچوں گا۔ ابھی بہت سی باتیں غور طلب ہیں۔ ہم سابقہ پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تب ہم کی جو کوئی کراس کرنے جا رہے تھے جب کہ اب ایسا محتمل نہیں رہا۔ جو اپنی زندگی کا اثبات یوں ہی پیشوں میں بند کر کے روانہ نہیں کرے گا۔ وہ خود یا اس کا کوئی خاص آدمی نگرانی پر مامور ہو گا۔ ایسی صورت میں ہم دونوں کھلے چہروں کے ساتھ اس جہاز میں کارروائی تو درکنار سفر بھی نہ کر سکیں گے۔" کیا میں اتنی ہی بے وقوف رہی ہوں؟ سوئی زور پے میں بولی۔
 "نہیں چوہدری، میں بھی ان ہی خطوط پر سوچتی ہوں۔ تم صرف حامی بھر لو۔ بقایا امور مجھ پر چھوڑ دو۔ ہم صرف جہاز کے اثاثوں پر ہی قبضہ نہ کریں گے بلکہ میرے پاس اس آگے کا نقشہ بھی محفوظ ہے جو گزشتہ دس برس سے مغربی ممالک کو منشیات سپلائی کر رہا ہے۔ یہ جوئے، محض جنگ جی کی وجہ سے فلپائن منتقل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔ یہ تو ایک بہانہ اُسے مل گیا ہے۔ وہ تو گزشتہ کئی برس سے فلپائن میں اپنے قدم چلانے میں مصروف ہے۔ اب تو کھرچن ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔"

"وعدہ نہیں سوئی۔ میں نے قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔ لیکن میں غور ضرور کروں گا۔ اگر ممکن ہو تو رابطہ۔"

"اوہ خرم سلطان۔ وہ دورتی ہوئی میرے قریب آگئی۔ رابطہ رہے گا۔ میں تم سے دور نہیں ہوں۔ تم جب جاؤ تو مجھ کے فون پر بات کر لینا۔ برتنہ میری کال تہ خانے سے ملا دیتا ہے۔ میں زیر زمین ہوتی ہوں۔ اس نے دوبار فون غبر دہرایا اور میں اس کے برہے ہوئے ہاتھ پر تھپکی دے کر نکل گیا تھا۔ اس نے جھانک کر یقیناً دیکھا اور گوتم کو دیکھ کر کچھ سوچتی رہ گئی ہوگی لیکن اندھیرے کی چادر درمیان میں تھی۔ گوتم کی صورت نہ دیکھ سکی تھی۔ یہی میرا مقصد تھا۔ گوتم کسی اڑے

وقت کے لیے میں محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

میں نے اندھیرے میں قدم بڑھاتے ہوئے خود سے سوال کیا تھا۔ خرم سلطان، تم کس مقصد کے تحت انسان سے خوشخوار درندے بن گئے ہو۔ یہ ہنگامے یہ خوں ریزیاں یہ سازشیں یہ خوں رنگ منصوبے یہ سب کچھ کیا ہے اور کیوں ہے۔ تم کیوں نہیں اس دلدل سے نکل جاتے؟ ابھی میرے اندر کے انسان کو باہر کے خرم سلطان سے کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر شعلہ دیکھ کر میں ٹھٹھک گیا تھا۔ کوئی سگریٹ پی رہا تھا۔

تپتے آؤ دوستو! کار کے اندر سے آواز دی گئی تھی۔ کیا میں ہاتھ اٹھا کر باہر نکل آؤں؟

"نہیں جناب۔۔۔ میں نے پرسکون آواز میں جواب دیا۔ ہیں آپ پر بھروسہ ہے۔"

"سوئی انکل۔۔۔ گوتم کی زبان چل پڑی۔ اگر ہیں یقیناً ہوتا کہ آپ کی نیند اتنی کچھ ہے تو ہم چابیاں آپ کی بھینٹیں پر رکھ جاتے ہواؤں۔ آپ کو انتظار کی زحمت ہوئی ہے۔"

"بیٹھ جاؤ زندہ دل بچو۔ وہ خوش دلی سے ہنسا۔ میں چاہوں گا انتظار نہیں کر رہا تھا۔ زندگی بہر طور چابیوں سے عزیز ہوتی ہے جب میں نے اپنا جرم اور پرس محفوظ پلٹے تو انتظار کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے یقین تھا کسی ناگزیر ضرورت نے پچھلے سے جارحانہ کارروائی کر دانی ہے۔" جی ہاں جناب۔۔۔ میں پچھلی سیٹ پر گر کر بولے بولا مزہ اسی ہی تھی۔

"اب کہاں کا ارادہ ہے؟ مجھے سے چابیاں لے کر اس نے پوچھا۔ جہاں سے چلے تھے۔ گوتم نے جواب دیا۔

سب دسے سے نکل کر جب کار اٹنی دسے کے فراخ اور غیر مصروف سینے پر تیرنے لگی تو ہمارے ڈرائیور نے عقب نما آئینے کا زاویہ مجھ پر ایڈجسٹ کیا اور بڑی بڑی روشن آنکھوں سے میرے سر پرے کو گھورنے لگا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار نہ تھے بلکہ مسکراہٹ کی نرمابینش صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے باوجود اس کی نگاہیں میری حساس جلد کو متاثر کر رہی تھیں۔ مجھے کول محسوس ہوتا تھا جیسے میرے لباس کے اندر چیونٹیاں رنگ رہی ہوں۔ میں نے چاہا تھا کہ سرک کر اس کی نگاہوں کے نوکس سے نکل جاؤں مگر گوتم میرے ساتھ چپکا ہوا تھا اور اسے دھکیل کر جگہ بنانے کا کوئی جواز بھی نہ تھا۔

"بُچھنے کی نہ ضرورت ہے نہ ہی کوئی حق ہے۔ وہ ٹھہرے بیٹھے میں بولا۔ لیکن انسانی فطرت میں یہی سکھاتی ہے۔ ایک دوسرے

کو جانا جائے اور کچھ سکھ میں ساتھ دیا جائے۔ میں انجن میکنک ہوں۔ اگر ممکن جالو تو بتا دو کیا معاملہ تھا؟

"جوانی اور معاملات کا مسئلہ تھا انکل۔ گوتم نے شہانے کی بہترین اداکاری کی تھی اور میں کچھ کے انگاروں کے درمیان میں اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہ پاسکا تھا۔ میری گرل فرینڈ کے ساتھ کچھ ٹوڑ بٹ ہو گئی تھی۔"

"اب ٹھیک ہے نا؟ وہ بھی ہنسنے لگا تھا۔ کوئی دوسرا کوڈ بڑا ہو گا۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے نا۔ حق ناحق کی تمیز نہیں کرتی۔"

باتوں میں وقت اور فاصلے کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ روشنیوں دیکھ کر میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پولیس دیکھ کر ڈھیلے اور مدھالے اعصاب یک دم تن گئے تھے۔ گوتم کی کیفیت میں مجھ سے کم نہ تھی۔ اس نے میری رائے پر اشارتی تھپکی دی۔ بس انکل روک دو۔ میں نے ایک ہاتھ دروازے کے لاک پر رکھا۔ ہیں آتار دیں اسی جگہ۔۔۔

اس نے قہقہہ لگایا اور گوتم نے چہرے سے ریوا اور نکال کر اس کی گردن پر رکھ دیا تھا۔

"ناگزیر مجبوری پھر سامنے ہے انکل۔ گوتم کی سرد اور خشک آواز ابھری۔ جب ایسی مجبوری سامنے ہو تو ہم جارحانہ کارروائی سے دریغ نہیں کرتے۔"

"فکر نہ کرو لڑکو۔ اس نے کار دائیں موڑتے ہوئے کہا۔ مجھے شپاڑ ہلا ہے۔ ادھر کسی محفوظ جگہ ڈراپ کر دوں گا۔"

میں نے گوتم کو پرسکون رہنے کا اشارہ کیا کیونکہ کار ادھر ہی جاری تھی جس طرف فیری کھڑی تھی۔ گوتم نے بہت کم آمیتھی کی فیری وال موجود ہو گئی۔

وہ کوئی مرد شریف ہی تھا۔ پولیس کا خطرہ دور ہوتے ہی اس نے آتار دیا تھا اور ہم فیری کی جانب بڑھ گئے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کچھ ساتتین منوں ہوتی ہیں سونا بھی مٹی بن جاتا ہے۔ کوئی قدم کامران نہیں اٹھتا لیکن اپنی تمام تر ناکامیوں کے ساتھ ساتھ کامرانیاں بھی چل رہی تھیں۔ صرف بنیادی مقصد ہاتھ سے نکل گیا تھا ورنہ میں کسی بھی جگہ ناکام نہ رہتا تھا۔ فیری منس کی شان سے گردن اٹھائے وہیں کھڑی تھی۔ واپسی پر وہ ہمیں خود بخود جیسی سے کئی فرلانگ بائیں لے گیا تھا۔ اُسے ہی اپنی گردن اور معاوضہ عزیز تھا۔ پھر کنارے پر کودنے سے قبل میں نے حسب وعدہ اس پر نوٹوں کی بارش برساتی تھی۔ وہ بے حد شکر گزار تھا اور دعائیں دے رہا تھا۔ دعاؤں کی چھاؤں میں ہم باری باری کود گئے تھے۔

جب ہم کار گیراج میں بند کر کے بیٹھیاں چڑھ رہے تھے باری

کی مدد قوت برقی روشنی اور بھی پھینکی ہو رہی تھی اور مشرقی افق کسی حین کے عارض کی طرح گلابی ہو رہا تھا۔ چڑیاں چھپانے لگی تھیں اور کوؤں کی ڈار مغرب کی جانب جا رہی تھی۔ یہ وہ صبح تھی جس کی رات ہم پر بڑی بھاری گزری تھی۔

تھکاوٹ اور نیند نے ایک ساتھ ہی مجھ پر مل بول دیا تھا اور میں تو پیٹے ہی ٹوٹا ہوا تھا۔ مزاحمت کا حوصلہ بھی نہ تھا۔ اندر جاتے ہی پلنگ پر گرتے گرتے خود کو بمشکل سنبھالا اور فون سیٹ اٹھا کر بیکر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال بے حد ضروری تھی۔ میں نیند اور سکون میں ڈوب جانا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا بیکر میری نیند اور سکون میں مغل ہو کر رہے گا۔ فون پر زانی کرے گا۔ پھر ددڑتا ہوا خود چڑھ آئے گا۔ اس لیے حالت بیداری میں اس موقع خطرے کو روکنا ضروری تھا۔

"ہیلو ایس بیکر بول رہا ہوں۔ اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھی گڈ مارنگ انکل۔۔۔ مؤدب انداز میں بولا اور بیکر میری آواز سن کر یقیناً لڑکھڑکیا ہو گا۔ اس کی بیٹی آواز سے ہی اندازہ ہوا تھا۔

"اوہ لڑکے تم کہاں تھے۔ میں بے حد پریشان ہوں۔" کوئی نئی خبر انکل! میں نے پوچھا۔ ہم تقریب کرتے رہے۔ بہت بڑی اور بڑی خبر ہے۔ وہ جیسے رو پڑا تھا۔ ایڈی فلپائن روانہ کر دی گئی ہے اور وہ حرامی بلیک میلنگ پر آتر آیا ہے۔"

"بہت رعایت کر رہا ہے انکل۔ میں نے نرم آواز میں کہا۔ وہ ہمیں ناک رگڑنے کا بھی حکم دینے کی پوزیشن میں ہے۔"

"تم... تم... تم... بیکر ہٹلاتے ہوئے بولا۔ تم بھی یہی کہہ رہے ہو خرم۔"

"نہیں انکل کہنے کو اب ہمارے پاس کچھ نہیں بچا۔ اب جو وہ کہے گا۔ ہمیں سننا ہو گا۔ بغیر سوچے بلیک میل ہو جائیں انکل۔" اچھا... وہ سسک کر بولا۔ ٹھیک ہے لیکن میں اُسے معاف نہیں کروں گا۔ میں گینجلی بدل رہا ہوں۔ ایڈی جب میرے گھر آئی تھی میں نے باپ بن کر وہ دنیا چھوڑ دی تھی۔ اب وہ گئی ہے تو ایک محافظ بن کر اسی دنیا میں لوٹ رہا ہوں۔ اب بولو تم ادھر آؤ گے یا میں آؤں۔ جوانی ضرب ضروری ہے اور میرے ہاتھ تم ہو۔ صرف تم۔۔۔"

"آپ اس سے وقت ملے کریں۔ میں نے جواباً بتایا فی الحال میں بالکل ناکارہ ہرگز ہوں۔ نیند اور تھکاوٹ کے نیچے دبائواؤں۔

بارہ بجے پھر رابطہ قائم کر دیا گیا۔

"ہاں طویل سفر اور کٹھن منزل کے لیے آرام ضروری ہے تم سو جاؤ۔ میں ایک بجے آؤں گا۔ خدا حافظ۔" سلسلہ منقطع ہوتے ہی میں نے بنگ پر بیٹھ کر جوتے نوچے اور کمبل اوپر لیت بوالبت گیا۔ گوتم تو آتے ہی فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

موت اور نیند عموماً آہستہ آہستہ اپنے شکار کو گرفت میں لیتی ہیں مگر کوئی حادثہ جس طرح زندگی کو آٹھ چھکے کی بھی مہلت نہیں دیا کرتا۔ اسی طرح تھکن کی شدت انسان پر نیند کی گرفت برق رفتاری سے ممکن کر دیتی ہے۔ بیٹھے ہی مجھے بس ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرا جسم دھوپ کا تھا یا جھاگ کا جھڑکا تھا، بھر بھر ریت کا کوئی گھر دندا تھا۔ کمبل کے نیچے میں بچتا ہوا تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

آٹھ کال بیل کی سُر ملی گنگناہٹ سے ہی کھلی تھی۔ میں نے کمبل ابھی پوری طرح بٹایا بھی تھا کہ گوتم دروازے کی جانب لپکتا دکھائی دیا تھا۔ میں نے کلائی مردود گرفت دیکھا۔ ایک بجے میں چالیس منٹ تھے۔ گوتم نے کی ہول سے آنکھ لگائی اور پھر لاک ریمو لٹو گھاتے ہوئے ایک طرف ہو گیا۔ دروازہ کھٹکا اور میں اچھل پڑا تھا۔ بیکر کے پہلو سے جس چہرے نے جھانکا تھا۔ اسی نے میرے جسم کو جھٹکا دیا تھا۔ وہ مارشا تھی۔ میں سوچنے لگا۔ وقت کیسے کیسے کتب دکھاتا ہے جب مجھے مارشا کی ضرورت تھی۔ اُسے وقت نے غائب کر دیا تھا اور جب مجھے وہ یاد بھی نہ تھی تو نہ جانے کہاں سے نمودار ہو گئی تھی۔

بیکر نے تین بجے آٹھ کھٹے تھے۔ اُس کا چہرہ صاف ایک رات اور دن نے بیس سال بوڑھا کر دیا تھا۔ اُس کی جاگتی اور روتی ہوئی آنکھیں موزم تھیں۔

"ہیلو جی ہیری..." مارشا اٹھ اٹھا کر بولی اور کڑی پریک گئی میری خاموشی بدتمیزی پر ہی محمول ہوئی ہو گئی لیکن میں اُس باپ کی ابتر حالت دیکھ کر گنگ سا ہو گیا تھا جس کی زندگی کا تمام تر سرمایہ ایڈنا کی صورت میں اُس سے چھین لیا گیا تھا۔ یہ بات اُس نے خود بتائی تھی۔ اگر نہ بھی بتاتا تو اکلوتی بیٹی کے کروٹ ہی باپ کا دکھ محسوس کرنا کوئی مشکل نہ تھا۔

"اٹھو خرم..." بیکر نے شفقت بھری آوازیں کہا: کھانا کھالیں پھر باتیں ہوں گی۔ مارشا ایک ابھی خبر لائی ہے۔

مارشا اور میری نگاہیں چلتی ہوئیں۔ اُس کے گلابی ہونٹ بندلی کی مانند چٹکنے کے لیے لرزے ہی تھے کہ بیکر نے اٹھ اٹھا کر کہا: "نہیں مارشا ابھی نہیں پہلے میرے۔" بچوں کو کھانا کھانے دو۔

میں نے ہاتھ روم میں جا کر آئینے میں اپنا آپ دیکھا۔ بچوں میری

گردن پر جما ہوا تھا۔ چہرہ بھی گرد آلود ہی تھا۔ لیکن سارا بدن دکھ سارا تھا۔ غسل کرنے کا وقت تھا۔ نہ جی چاہ رہا تھا۔ نہ کھول کر گردن تک چڑھ لائے سیدھے چھینٹے مارے اور باہر نکل آیا۔ گوتم غالباً ہاتھ پھونک کر کھٹکے کا عادی رہا ہو گا یا اُس نے کسی وقت اٹھ کر غسل کر دیا تھا۔

"بسم اللہ کریں انکل..." میں نے پلاٹک کی تیج اٹھاتے ہوئے کہا۔ تینوں نے چونک کر استغیا میں نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ "میرا مطلب ہے اللہ کے نام سے شروع کریں۔"

"اوہ اچھا اچھا..." بیکر ہنس پڑا۔ پھر میں نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا۔ گوتم نے ایک ایک کمر میری آواز کو دہرایا اور سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔ گوتم کے کھانے کا انداز کم از کم میرے نزدیک منیدول جیسا غیر مہذب ہی تھا۔ وہ ہاتھ سے چادروں کا گولایا کر چہرہ اٹھاتا، پورا منہ کھولتا اور گولہ حلق میں ٹھونس رہا تھا۔ بیکر ایک مہذب شخص تھا۔ میں اُس کی تقلید کر رہا تھا۔ مارشا کا انداز بڑا ہی نفاستہ لیے ہوئے تھا۔ وہ بڑے خوبصورت انداز میں منہ بند کر کے لڑائے چلاتی تھی ابھی لگ رہی تھی۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی گوتم ڈبے اٹھا کر کچن میں چلا گیا۔ اور ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میری کسل مندی میں خاصی کمی ہو گئی تھی۔ نیند پوری لے لی تھی اور جھوک کی نقاہت کھانے نے دور کر دی تھی میں خود کو پھر فٹ اور چاق و چوبند محسوس کرنے لگا تھا۔

"ہاں مرس مارشا..." میں نے توجہ صوفے پر اچھال کر کہا: "اب میں ہر قسم کی خبر سننے کو تیار ہوں۔ پہلے تم بتاؤ گی، اپنا فلیٹ چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئی تھیں؟ وہ لحظہ بھر کڑی نگاہوں سے گھورتی رہی۔

"بہت ظالم ہو خرم۔ مارکے ہوا اور اُس کو دیکھ کر انجان بن کر دھبہ بھی پونچھتے ہو۔"

"لیکن میں نے تمہیں گھر چھوڑنے کے لیے تو نہیں کہا تھا؟" میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"ہاں... وہ دھیر سے بولی: "میں اُن لوگوں سے خوف زدہ تھی۔ میرا خیال تھا۔ وہ میرا ٹھکانہ بھی معلوم کر چکے ہوں گے۔ اس لیے میں نکل بھاگی تھی۔"

"اصل موضوع کی طرف آؤ مارشا۔ بیکر نے بے قراری سے پیلو بدل کر کہا: "ہیں کچھ فیصلہ بھی کرنا ہے۔"

"ادھر ہی جا رہی ہوں جناب..." مارشانے کہا: "پہلے میرا ارادہ تھا کہ کسی ہوٹل میں ڈبک جاؤں لیکن ہوٹل کے اخراجات سوچ کر اپنی دوست کے ہاں جا پڑا۔ وہ پبل اسکوائر کے گیارہویں بلاک میں رہتی ہے۔ آج صبح جب میری دوست نے دودھ کی بوتل لینے کے لیے مجھے

باہر بھیجا تو میں ایک حیرت انگیز اتفاق سے سڑک لگی تھی۔ دو شخص میل ٹریوں کی یونیفارم میں ملبوس تھے اور وہ اسٹریچر پر کمری مریض کو اندر لا رہے تھے۔ جب وہ میرے قریب سے گزرنے لگے تو میں ایڈنا کی خوشبو میں جیسے ڈوب گئی تھی۔

"میں تمہیں جھٹلاؤں گا نہیں مارشا..." میں نے مضبوط آوازیں کہا۔ "تمہاری اُس حس پر میرا غصہ ایمان ہے۔ جی جوتے میں جکڑ دینے کے لیے موٹر بوٹ کا ڈرم دریا میں ہے۔ ایڈنا یہاں رکھ کر وہ فلپائن کے حوالے سے انکل پر دباؤ ڈالنا چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے انکل آپ فی الحال اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں۔"

"لیکن... لیکن... بیکر ہونٹ چبا کر بولتے بولتے ڈوب سا گیا تھا۔ "اوہ نہیں انکل..." میں نے اُسے سہارا دیا: "مجھے یقین ہے وہ ایڈنا کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"کیا ہم اُسے رہا نہیں کر سکتے؟ وہ ملتی آوازیں بولتا: "میں اپنے ذرائع استعمال کروں گا۔"

"آپ صرف می جوتے گفت دشمن اور ہمارے لیے دعائیں کرتے رہیں..." میں نے کہا: "ہم انشا اللہ آج رات کسی وقت اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مارشا رہنمائی کرے گی اور..."

"مجھے بھی... ہاں بیٹھے مجھے بھی اپنے میں شامل رکھو..." بیکر دہانی آوازیں بولتا تھا۔

"کیا آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں انکل؟" میں نے اُس کے ہاتھوں کو تھام کر پوچھا: "میں وعدہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کیونکہ مستقبل کا آنے والا اگلا لحظہ بھی ہماری گرفت میں نہیں ہوتا لیکن آپ کو یقین کرنا ہو گا ہم ایڈنا کا بال بھی بیکار نہ ہونے دیں گے۔"

"یقین اور تمہاری ذات میرے نزدیک الگ الگ نہیں..." بیکر نے انکل آنکھوں کو میرے ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے جذباتی آوازیں بولا۔ "اگر ایڈی کا کوئی بھائی ہوتا تو بھی میں پرامتید نہ ہوتا۔ میں صرف ایڈی کے لیے پریشان نہیں بیٹھے۔ میری پریشانی میں تم بھی شامل ہو۔ میں ایڈی کی خاطر تمہیں اُس شیطان کے پھندے میں پھنسانا نہیں چاہتا۔ ہم ملتے ہیں ایڈی کو وہ بطور چارہ استعمال کر رہا ہے۔ ہم دونوں اُسے مطلوب ہیں۔ مجھ سے جو کچھ وہ طلب کر رہا ہے اُس میں صرف مالی نقصان ہے مگر تمہارا معاملہ دوسرا ہے۔ تم اُس کی مجبور کے قائل ہو۔ تم نے اُس کے مفادات پر ضرب لگائی ہے۔ میں اُسے بہت قریب سے جانتا ہوں۔ وہ کینز پرورد آؤنٹ ہے۔ معاف کرنا اُس کی شرمندگی شامل نہیں۔ جو اُس کے گردہ سے کٹ جاتا ہے۔ وہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہذا میرے بیٹے میں مالی نقصان کا تو سودا تو کر سکتا ہوں مگر تمہاری زندگی داؤ پر

نہیں لگا سکتا۔"

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا تھا۔ بیکر صرف مادام تری تال کا ذکر کر رہا تھا۔ اگر میں اُسے گزری رات کی خوں ریز داستان سناتے ہوئے بتا دیتا کہ میرے حساب میں تری تال کے ساتھ می جوتے کے چھ گڑگے بھی شامل ہو چکے ہیں تو وہ یقیناً اس فلیٹ کے گرد پہرہ بٹھا دیتا اور میرا ہر قدم رکھنا بھی اُسے گولانہ ہوتا۔

"میں تصادم کا راستہ اختیار کرنے سے حتی الامکان اجتناب برتنوں کا انکل..." اُسے مطمئن کر لے کر صوفے پر بٹھایا تھا وہ مجھ پر کوئی سخت پابندی بھی عائد کر سکتا تھا: "ہم خاموشی سے جائیں گے۔"

"لیکن میں ساتھ کیوں نہ رہوں؟" وہ پُر زور انداز میں بولا۔ "میرے ساتھ خبرات کی روشنی ہے جبکہ تم جو جان بچے ہو نا جذباتی فیصلے کر بیٹھے ہو۔"

"اس موضوع پر پھر بات کریں گے..." میں نے اُسے ملتے ہوئے کہا: "آپ مجھے می جوتے گفتگو سے آگاہ کریں۔ وہ کیا کہہ رہا ہے؟" وہ چاہتا ہے کہ تمام ضروری کارروائیوں کے بعد جہاز اُس کے سپرد کر دیا جائے۔ علم وہ اپنا دے گا۔ جب جہاز فلپائن کی بندرگاہ سے لگ جائے گا تو دوبارہ میرے علم کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"آپ نے کیا جواب دیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں تم سے مشورے کے بغیر کیسے جواب دے دیتا..." بیکر نے بتایا: "میں نے ایک دن کی مہلت مانگ لی تھی۔"

"بہت اچھا کیا آپ نے..." میں نے مارشا کی جانب دیکھا جو برتنوں کی آواز سن کر کچن کی جانب جا رہی تھی۔

"میں جوانی کا رعب ضرب لگانے کا فیصلہ کر چکا ہوں..." مارشا کی عدم موجودگی میں بیکر سرگوشیوں میں بتانے لگا: "میں اُس احسان فرموش بومر کو معاف نہیں کر سکتا۔ میں بھی کچھ تھا۔ یہ بات می جوتے بھی جانتا ہے۔ میں نے خود کو پالتو شہد کی مکھی بنا کر ایڈی کی ذات کے چھتے تک محدود کر رکھا تھا۔ می جوتے چھتے پر پتھر نہیں جوتا مار دیا ہے۔ اب میں اپنا سارا زہر می جوتے کے جسم میں آنا کر دوا پس آؤں گا۔ مارشا قہوے کے برتن رٹے میں رکھے کچن سے باہر آئی تو بیکر خاموش ہو گیا تھا۔ یقیناً وہ کسی غیر متعلقہ شخص کے سامنے اس نازک موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا ہو گا۔" تم دونوں کچھ وقت کچن میں لگاؤ..." مارشانے رٹے رکھی تو بیکر نے کہا: "ہم لڑکے کے سامنے اہم گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔" جہاں نیند بیکر نے نہایت عقل مندی سے مارشا کے احساسات کو خراش سے بچا لیا تھا۔

"جی ہاں جناب..." مارشانے پیالیوں کی جانب اشارہ کیا: "اُس

لڑنے کا بھی یہی خیال ہے۔ اسی لیے وہ پیالیاں لائی ہوئیں۔
میں چونک اٹھا۔ گوتم نے دوسری مرتبہ کسی دوسرے ذہن کے خیالات پر ٹھہرے تھے۔ پہلی بار میرے ذہن میں وہ جھانکا تھا اور اب دوسرے شخص کے ذہن کی اسکرین دیکھ رہی تھی۔

میں نے اپنی پیالیاں لیتے ہوئے مارشا کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ والہانہ سی مسکراتی نگاہ ڈالتی ہوئی واپس جا رہی تھی اور میں اُس کے دلکش سراپا کو نگاہوں میں بھلنے لگا تھا۔

"غصے اور دکھ کے شدید دباؤ میں شاید ایک حماقت مجھ سے سرزد ہوگئی ہے ختم..." بیکری کی آواز نے خوش رنگ چہرہ کو دھچکوں سے ہٹا دیا تھا۔ میں نے ہڑبڑا کر دیکھا۔ وہ پیالیاں کے آفت سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں نے جنگ سے ذکر کر دیا ہے۔ کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا میرے بیٹے؟

"یقیناً نہیں انکل۔" میں نے قدرے تیز آواز میں جواب دید۔ "میں جو اور جنگ ہی دونوں پاگل سمجھتا ہوں۔ اگر آپ ان کو کھنسنے لے آئے تو اس خوفناک تصادم میں ایڈنا کچلی جاسکتی ہے۔ مخالف سمتوں سے آنے والی گولیاں اندھی ہوئی ہیں انکل۔ ان کی آنکھوں میں اپنے پرانے کی پہچان نہیں ہوتی۔ اچھے سے اچھا جرنیل بھی پسپا ہوتے ہوئے اپنے اثاثوں اور مال غنیمت کا بوجھ کندھوں پر رکھنا پسند نہیں کیا کرتا۔"

"ہاں ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔" بیکری نے توصیفی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ "تم اپنی عمر سے بیس گنا بڑھ کر باتیں کرتے ہو۔ میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتا ہوں میرے بچے لیکن میں نے اپنی عمر گھاس کھودتے نہیں گزاری۔ میرے ساتھ بھی دنیا کے تجربات ہیں۔ میں تصادم کا راستہ اُسے اختیار نہیں کرنے دوں گا۔ ہمارے درمیان کاروباری معاہدہ ہو چکا ہے۔ اُسے قوت کرنے کی وجہ میری کچھ سماجی اور کاروباری مجبوریوں میں۔ میں خود منظر پر آ کر ایک غنڈے سے کھلی جنگ نہیں کر سکتا۔ اس شہر سے باہر تک میری ساکھ ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ناگ سے ناگ ہی ٹکرائے۔ جنگ فیصلہ میں ہے۔ اُس کے پاس ذرائع ہیں۔ پھر وہ اُس کا حریف ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ہم سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔"

"منصوب کیا ہے؟" میں نے قبوے کا سپلے کر پوچھا۔ "جنگ اس ڈرامے میں کیا کردار ادا کرنا چاہتا ہے؟"

"ابھی ابتدائی بات ہوئی ہے۔" بیکری نے بتایا۔ "میں پہلے تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ دیے میرا ارادہ ہے کہ میں جو کے سامنے سر ڈال دوں۔ اُس کی ہر بات ماننا چلا جاؤں اور جنگ کھلے سمندر میں اُس جہاز کو چھاپ لے۔"

"میں اس طرح معاہدے کی خلاف ورزی کا جواز بنا کر وہ ایڈنا کو روک لے گا۔" میں نے اعتراض کیا۔
"اوہ نہیں..." بیکری مسکرایا۔ "معاہدے کی رو سے ادھر میں جہاز اُس کے حوالے کر دیں گا اور ادھر میرے نمائندے کو وہ ایڈنا کا باقیہ نقل دے گا۔ میں ایڈنا اور نمائندے سے فون پر اوکے رپورٹ لے کر جہاز کو بندرگاہ چھوڑنے کی اجازت دوں گا۔"

"معاذ کرنا انکل۔" میں طنز پر لہجے میں بولا۔ "آپ پندرہویں سو لہویں صدی میں سفر نہیں کر رہے۔ سامانسی دور میں آپ بھول بیٹیں نہ کریں۔ ایڈنا اور نمائندے کی باتیں کوئی باہر فوجی ضمانت نہیں بن سکتی۔ وہ لوگ ان کی گزرتی پر اپنی مرضی ٹھونس سکتے ہیں۔ خلیج کی لوگ بہت کچھ کر داسکتی ہے۔"

"اوہ..." بیکری نے پیشانی پر رگڑتے ہوئے کہا۔ "پھر... پھر میں کیا کروں۔ میری رہنمائی کر دو ختم سلطان..."

"میں تجھ سے رابطہ قائم رکھیں اور حتمی فیصلہ نہ کریں۔" میں نے تجویز پیش کی۔ "لیکن جنگ سے معذرت کر لیں۔ وہ اگر درمیان میں کود پڑا تو یہ جنگ طویل بھی ہو سکتی ہے۔ ان کے اپنے مفادات ہیں انکل اور ہمارا واحد مقصد ایڈنا کی سلامتی اور بازیابی ہے۔ ہاں اس راہ پر کھنسل گیا تو وہ ایک اضافی کرڈیٹ ہوگا۔"

"اور کے بولے۔" پیالی رکھ کر بیکری اٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے اب جانا چاہیے۔ میں جو کال کر سکتا ہے۔ شام کسی وقت جنگ سے میں ملاقات کروں گا۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔ جنگ میرا قابل اعتماد دوست ہے۔ میں نے اُس وقت اس شہر میں اُسے محفوظ فرما کر کیا تھا جب وہ میرے دربار کا غنڈہ تھا۔ اب وہ اس شہر کا بے تاج بادشاہ ہے لیکن مجھے گریئہ ماسر ہی کہتا ہے۔" اُس نے نوٹوں کی گڈی جیب سے نکالی اور میں انکار کرنے ہی لگا تھا کہ وہ بول پڑا۔ "یہ گوتم کا خرچہ ہے۔"

میں نے نوٹوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بیکری کو دروازے تک چھوڑنے اُس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ دروازے کی دہلیز پر رک کر وہ پٹا اور میرے بالوں اور کالوں پر اپنی شفقتیں بھرا کر کے باہر نکل گیا تھا اور میں بند ہوتے کواڑوں کے قریب کھڑا سوچنے لگا تھا۔ انکلاؤں میں بھی پھول کھل اٹھتے ہیں اور پھولوں کے غنچے بھی انکلاؤں کی مانند دیکھنے لگتے ہیں۔ میں جو اور جنگ سے میری کوئی بدی عداوت تھی نہ بیکری، ایڈنا، مارشا اور گوتم جیسے لوگوں سے میرا خونی رشتہ تھا لیکن وہ دونوں میرے خون کے پیلے تھے اور یہ چاروں میری خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ ایک ہی شہر کے پرانے لوگ میرے دشمن بھی تھے اور جاننا بھی۔

گوتم پہلے باہر آیا اور میدان صاف دیکھ کر اُس نے مارشا کو بھی بلایا تھا۔ مارشا نے مدھکی تھکی اور پڑمردہ دکھائی دے رہی تھی۔ دو روز قبل والی تروتازہ اور چمکتی ہوئی مارشا خاصی بدل چکی تھی۔ داناؤں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ غم انسان پر جلد بڑھاپا طاری کر دیتا ہے جتنے لمبے جیل چکا تھا اور جس قدر پریشانیوں میرے ساتھ تھیں اگر میری جگہ مارشا جیسی کوئی گدازدل و بدن لڑکی ہوتی تو اُس کا چہرہ بچہ لویں کا جال بن چکا ہوتا اور بالوں پر برف باری کا موسم اپنی تمام تر شدتوں سے اتر پڑتا۔ میں مرد ہونے کے حوالے سے سخت دل تھا۔ ہر پریشانی کی آنکھوں میں آنکھیں بال کر پریشانی کو پریشان کر کے دوسری طرف کو دھکتا تھا۔ یہی وجہ رہی تھی کہ میرے حوصلے لمحہ بہ لمحہ جوان ہوتے چلے جاتے تھے اور توڑوں میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ حادثے میری خوراک بن گئے تھے۔

"ماسر..." گوتم پیالیاں اُڑے میں رکھتے ہوئے بولا۔ "کیا مسلم فرمت کے اوقات میں عبادت کیا کرتے ہیں؟"

"نہیں..." میں نے استغابا مہ انداز میں جواب دیا۔ "یہ خیال تھیں کیسے آیا تم؟"

"دیے ہی..." وہ مسکراتے لگا تھا۔ "بس ایک سوال تھا۔ جواب مل گیا تھا۔"

"نہیں برادر..." میں نے ہاتھ اٹھا کر اُس کا اٹھا ہوا قدم روک لیا۔ "سوال کے پیچھے کوئی تحریک تو ہوگی۔"

"ہاں..." وہ دھیرے سے بولا۔ "تم نے کل فجر کی نماز ادا کی تھی۔ پھر مصروفیت کے دوران وقت ہی نہیں ملا۔"

پہلی بار مجھے ایک سٹھ امر سنگھ نے جوتا مارا تھا اور مجھے احساس دلایا تھا کہ خرم سلطان تم مسلمان ہو اور دوسری بار ایک نو مسلم نوجوان گوتم نے تھنچوڑ کر جگایا تھا۔ ندامت سے میرا سر جھک گیا تھا۔ اُس نے کتنے خوبصورت انداز میں مجھے میری بد بختی اور کوتاہی کا احساس دلایا تھا۔ وہ حرمیک دن کا مسلمان تھا اور میں جسے ماں نے مسلمان ہی جانا تھا۔ پیدا ہوتے ہی میرے کانوں میں کہہ دیا گیا تھا کہ خدا عظیم ہے۔ گواہی دی گئی تھی۔ خدا ہی معبود ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی جانب چلنے کی تلقین کی گئی تھی۔ بتایا گیا تھا کہ نماز نیند اور غفلت سے بہتر ہے۔ اس روشن ہدایت کے باوجود خرم سلطان گواہی کے اندھیروں کا آوارہ گرد بن گیا تھا۔ نماز پڑھنا اور ذاتی جذبات کو فوقیت دے بیٹھا تھا۔ مجھے اپنی بد بختی پر رونا آ رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں بلادرعزیز..." ندامت سے میری آواز میں ہنسنے لگا۔ "اگلی تھی..." اس کوتاہی کو میں اپنی بد نصیبی کہوں گا۔ عبادت لازم ہے اور دنیا کی کوئی مصروفیت مجبوری اور پابندی اُسے نہیں سکتی۔

پانچ نمازیں فرض ہیں۔ ادھر سب کو جانا ہے۔ اپنے رب کے سامنے حاضری ضروری ہے اور رب عظیم پہلا سوال نماز کے ہی بارے میں پوچھیں گے۔ میں تھلا مسنون ہوں پیارے اور یقین رکھتا ہوں۔ تم اسی طرح مجھے پاک مائے رہو گے۔ مجھے یاد دلایا کر دے کہ میں ایک اہم فرض بھی ادا کرنا ہے۔ پیالیاں رکھ دو۔ آؤ پہلے نماز ادا کر لیں۔"

"میں نے..." پیالیاں رکھ کر وہ نگاہیں جھک کر بولا۔ "ماسر..." فجر کی نماز ادا کی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوگا کہ نماز نیند سے بہتر ہے تو تھیں ضرور جگا دیتا حالانکہ مجھے تمہاری رہنمائی کی ضرورت تھی۔ میں نے وہ بات بات ہی غلط کیا تھا۔ ترتیب یاد نہیں رہی تھی۔ پتہ نہیں شاید گناہ ہی ہو رہا ہوگا۔"

"تم مجھ سے بہتر انسان اور اچھے مسلم ہو پیارے بھائی۔ ہمارا خدا نیت تولتا اور جانتا ہے۔ چلو وضو کر لیں۔"

دعا کے لیے ہاتھ اٹھتے تو رقت کی کیفیت ہنوز میرے جسم پر طاری تھی۔ میرے ہاتھوں پر جیسے رشتہ سرایت کر گیا تھا۔ آنسوؤں میں بھیگے ہوئے الفاظ نامم اور روندے ہوئے انسان کی طرح لڑکھڑکتے ہوئے بارگاہ الہی کی جانب جا رہے تھے لیکن اس یقین محکم کے ساتھ کہ لڑکھڑاتوں کو سہارا دینے والا رب رحیم بھی ہے اور قادر کریم بھی۔ جو بھی ندامتوں کا بوجھ اٹھائے غمزدان کساری سے روتا ہوا اور دنیا کی تھکلاؤں سے لڑکھڑاتا ہوا بارگاہ اعلیٰ کی جانب جاتا ہے اُس پر درجہ قبولیت کھول دیے جاتے ہیں۔

"خرم سلطان؟" مارشا کی آواز میری سماعت سے ٹکرانی بنیادی طور پر میں بھی بھارے رب کو ماننے والی ہوں۔ دعا میں میرا ذکر بھی کر دینا۔ اثبات میں سر ہلا کر میں نے اُسے بتایا کہ دعا میں اسے ضرور شامل کروں گا۔

"اے رب کائنات..." گوتم کی دعا کے الفاظ سنائی دینے لگے۔ "تو ماسر جیسے عظیم بندے سے لے کر ناکامیوں کے حقیر کیڑے کا خدا ہے۔ تیری رحمت ایوانوں سے لے کر چھوٹی کے بل تک یکساں لہریں مارتی ہے۔ تیرا کرم ان پر بھی جاری رہتا ہے۔ جو تیرے وجود سے بھی نادانقت ہیں۔ اے میرے رحیم خدا اس لڑکی پر رحم فرما اور اس کے دل میں ڈال کہ سیاہ چہرے اور جسم میں خون کا رنگ سیاہ ہوتا ہے نہ سفید۔ خون کا رنگ دل کی دھڑکیں اور جذبے گورے کالوں کے یکساں ہوتے ہیں۔" میں نے دعا کے اختتام پر مسکرا کر گوتم کی جانب دیکھا اور اُس نے ہنر بڑا کر ہاتھ نیچے گرا دیے۔ "او ماسر خدا میری گستاخی پر ناراض تو نہیں ہو گیا؟"

"نہیں پیدا ہے..." میں نے اُس کے کالے ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے

کہا: "خدا تیرے جیسے معصوم بچوں سے کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے تیری دعا قبول کر لی گئی ہوگی۔"

"سچ ماسٹر... وہ خوشی سے جبک اٹھا۔ پھر اُس نے کنکھوں سے مارشا کی جانب دیکھا جیسے دعا کی قبولیت کا رد عمل دیکھ رہا ہو۔

مارشا بڑے پیارے انداز میں مسکرا رہی تھی: "ہاں ماسٹر واقعی میری دعا قبول ہو چکی ہے۔ اُدھر اندر یہ لڑکی بس بسورتی رہی تھی۔ حالانکہ میں نے ایک لفظ بھی سنایا تھا۔"

"ابھا اب اس خوشی میں دوڑتے ہوئے مارکیٹ چلے جاؤ۔ میں نے نو ماہ سے آگے نہیں دیکھا۔ آج رات کا کھانا مارشا تیار کرے گی۔"

"نہیں خرم... مارشانے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "آج ذریں دلوں گی۔"

"نہیں مارشی... میں نے محبت آمیز آوازیں کہا: "تم اور میں جہاں ہیں۔ گوتم ہمارا میرزا بن ہوگا۔"

"ہاں میں مارشا... گوتم سرتاپا یا الجھان کر بولا: "میں اپنے مہربان آقا کی طرف سے یہ شرف حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ پیارے گوتم... مارشا معدت خواہاں لیجے میں بولی: "مجھے شرمندہ نہ کرو۔ اگر تمہارے مہربان آقا نے مجھے اپنی ذات کے دائرے میں رہنے کی اجازت دی تو میں تمہیں پریشان کرنے بار بار آتی رہوں گی۔ ابھی تو ہمارے سفر کا پہلا قدم ہے اور میں بہت سے کام نمٹانے ہیں۔ خرم تم تو مجھے سمجھو رہے ہو گے۔"

"ہاں... میں نے آنکھوں سے اشات کا اشارہ دیا: "ٹھیک ہے خرم! آج ہم مارشا کے ساتھ ڈنر کھائیں گے۔"

"اوہ شکریہ لہجے دوستو... مارشا مودب انداز میں بولی: "تو پھر مجھے اجازت دو۔ میں کسی دے میں میزبانی کروں گا۔ ایدہاں میں بونگ کے بغیر ہر کون جو نہیں ملے گی۔"

"کیا اس شہر کے لوگ مذہم ہو چکے ہیں مارشی؟ میرے سوال پر مارشا چونک کر اچھل پڑی: "یہاں ہمارے مہربان ہیں۔"

"سودی خرم سلطان، دیری سودی... وہ ہونٹ چلانے لگی۔

"میں شاید تمہارا قبیلہ پاکر سب کچھ فراموش کر بیٹھی ہوں۔"

"ایسے لوگ بڑے مہربان ہیں کہ بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا کرتے ہیں۔"

میں نے تہذیبی انداز میں کہا: "اگر میری زندگی کے سنگلاخ دائرے میں رہنا چاہتی ہو تو خود کو ہر لمحے بیدار رکھا کرو۔ ہم رات کا کھانا تمہارے ساتھ تمہاری دوست کے دسترخوان پر کھائیں گے۔ اُسے تم میرا حوالہ دیے بغیر اطلاع کرو۔"

"لیکن وہ تو سات بجے ڈیوٹی سے فارغ ہوگی۔ مارشانے بتایا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں نے مسکرا کر اُس کی کینڈی کو دھوکہ دے دیا۔

"ہوئے کہا: "ہم نوبتے وہاں جائیں گے۔"

"کوئی راستہ قدم... مارشانے میری آنکھوں میں جھانک کر سوال کیا: "تمہارے اندر جیسے مجھے بتا دو۔"

"آداب وہ باتیں کر رہی ہیں... میں اُٹھ کر پلنگ پر کودنے کی تیاری کیا۔ مارشا بھی اُٹھ کر میری چھوڑی ہوئی کرسی گھسیٹتی میرے قریب ہو گئی تھی۔

"تمہاری وہ دوست تمہارے ساتھ کہاں تک جا سکتی ہے۔ کیا وہ ہمیں تیاری اور مقابلے کے لیے اپنا گھر استعمال کرنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو یہ بھی بتا دیجو۔ ہدف اور تمہاری دوست کے گھر کا درمیانی فاصلہ کتنا ہے۔"

"میں جواب نفی میں ہے چوہدری... مارشانے بتایا: "چاؤشی ایک کمزور دل لڑکی ہے۔ تمہیں کوئی دوسرا راستہ دیکھنا ہوگا۔"

"اگر میں کہوں کہ دوسرا راستہ نہیں تو...؟" میرا جواب سن کر لفظ بھر وہ شفاف تیرپول جیسے آنکھ لگا کر ہونٹ کاٹی رہی تھی۔

"تو... تو میں چاؤشی کی شرک پر خنجر کی نوک رکھ دوں گی۔ اُسے تمہارا پسندیدہ راستہ دینا پڑے گا۔"

"شکریہ اچھی لڑکی... میں نے سانس نہ لگا ہوں سے دیکھا میری زندگی کے اندھیروں کو تم جیسے روشن اور قابل اعتماد چراغوں کی ضرورت ہے۔ ایک چراغ وہ ہے... میں نے گوتم کی جانب اشارہ کیا جو ایسے مشتاق بچے کی پرستش میں نگاہوں سے مارشا کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

جیسے وہ شکریں میں بھی چینی کا خوبصورت کھلونا ہو۔ جس نے میری زندگی کے بہت سے تاریک گوشے روشن کر دیے ہیں... اب میں نے دلے ان لحاظ پر گفتگو کر لینی چاہیے۔ وہ لمحے اندھے اور گھٹن ہوں گے مجھے یقین ہے ایدہاں کی بازیابی آسان نہ ہوگی کیونکہ اُس کی ذات میں جو کہ مفادات سے وابستہ ہو چکی ہے۔ وہ اب میری جو کی سلامتی کی چابی ہے۔ وہ اس قیمتی چابی کی حفاظت سے غافل نہیں ہوگا۔ لیکن میں ہر طور اُسے حاصل کرنا ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں جو صرف ایک مطلب تک محدود رہے گا تو میں خاموش ہو کر کسی طرف نکل جاتا مگر میں جو کی فطرت سے واقف ہوں۔ کوئی بھی پینٹ و پیمین بیک میرا ایک جرم کر کے ہاتھ نہیں روکتا۔ ہر مطلب سے دوسرا مطالبہ جنم لیتا چلا جاتا ہے۔ اُس کا دوسرا مطالبہ خرم چوہدری بھی ہو سکتا ہے۔ میں بیکر جیسے مہربان محسن کو مطالبات کی گرم دلدل میں چلنے نہیں دوں گا۔ اس دلدل میں جو ایک بار گر جاتا ہے۔ وہ نکلنے کی ہر کوشش میں دھنسا چلا جاتا ہے۔ میں یہ گناہ جاریہ خود پر مستہ نہیں

رکھ سکتا۔

"اگر تم میری جو کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے ماسٹر... گوتم نے بیچم سی آواز میں پوچھا: "میرے سوال کو نفسیات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرو۔ جس طرح روشنی کی انہماکیاں ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح انسان جب بہت زیادہ محتاط ہوتا ہے تو اُس سے ایک ایسی غلطی سرزد ہو جاتی ہے کہ احتیاط دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔"

"ہاں ایسا بھی ہوتا ہے... میں نے تائید کرتے ہوئے کہا: "اگر میں اُس کی جگہ ہوتا تو ایدہاں کو خاموشی سے کسی رشتہ بہم کے حوالے کر دیتا اور اپنا اساتذہ مقرر کرتا۔"

"بس تو یقین کر لو ماسٹر... گوتم باوثوق لہجے میں بولا: "ایدہاں کے گرد کوئی مضبوط حصار نہیں ہوگا۔"

"پھر بھی تیاری ہم پر لازم ہے... مارشانے کہا: "میں نے دو آدمی دیکھے تھے۔"

"تم ایک کام کرو مارشی: ایک نیا کتہ سوچ کر میں نے کہا: "اپنی دست سے پوچھ لو۔ میرا خیال ہے۔ وہ فلیٹ بھی ی جو کے گڑگوں کا ایک ٹکڑا ہوگا۔ اگر وہ مستقل رہائش ہوئے تو چاؤشی اُن کے بارے میں ضرور معلومات رکھتی ہوگی۔"

"لیکن معلومات حاصل کرنے کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے... مارشا اُلکھ کی گئی تھی: "میں اُسے کیا بتاؤں گی؟"

"جو کوئی بھی بات گھڑی جا سکتی ہے... میں نے ہنس کر کہا: "مثلاً اُن دووں میں سے کسی نے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا تھا؟"

"اوہ... مارشا اچھل پڑی: "گدو، تمہارا ذہن واقعی بے حد زرخیز ہے۔ وہ اُٹھی اور گوتم نے ٹیل فون سیٹ اٹھا کر سامٹھیل پر کھینچ دیا۔ مارشانے پریں سے چھوٹی سی دائری نکال کر سامنے رکھ لی اور ہر ڈائل کرنے لگی۔ گوتم گھٹنوں کے بل فرش پر قریب ہی بیٹھ گیا تھا اور مارشا کی محرومی انگلیوں کی حرکت پر اُس کی نگاہیں مرکوز تھیں۔

"ہیلوشی... میں مارشا ہوں۔ ہاں نیچے فون بولتے ہیں ہوں سوڈیئر میں دوسری چابی کہیں کھو بیٹھی ہوں۔ غالباً صبح میں نے ٹیل سے اُٹھائی تھی۔ میں ساڑھے سات بجے تک آوارہ گوی نہیں کر سکتی چاؤشی۔ تم لوگ کرو۔ فلیٹ نمبر ڈبل فور والوں کو کہہ دو لیکن پہلے مجھے بتاؤ ہاں کون رہتا ہے۔ اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ پھر دونوں شریف ہیں تو میں تمہاری واپس تک اُن کے ساتھ وقت گزار لوں گی۔ میں یہاں سے مارکیٹ تک جاؤں گی اور تمہارے لیے بہترین کھانا تیار رکھوں گی۔ ہاں ایک گھنٹے تک اُن کو زحمت دوں گی، شکریہ... مارشا کا گلاب رنگ چہرہ کامیابی کی خوشی سے سرخ لگا رہا تھا۔ اُس نے ریسور روکر کر جان دار

قہقہہ لگایا تھا۔

"چاؤشی تمہاری گہری اور زرخیز دوست ہے یا بے حد سیدھی سادی لڑکی ہے... میں نے مارشا کو ہاتھوں پر روک کر کہا: "کیونکہ وہ قہقہے لگاتی مجھ پر گرتی چلی آ رہی تھی... بڑی آسانی سے مجھ پر بندے کی طرح ہال میں لگتی ہے۔"

"ہاں کچھ وہ مجھ پر ہے اور کچھ ہال میں زمین رنگ تھا۔ مارشا میرے گریز سے کھیلتے ہوئے بولی: "ویسے سارے لوگ تمہاری طرح پتھر بھی نہیں ہوتے۔ تمہیں تو کوئی جذبہ متاثر ہی نہیں کرتا۔ کیوں گوتم تمہارا ماسٹر ایسا ہی ہے نا، بے مروت اور خشک منی کا بنا ہوا دیدہ زیب مجسٹرو..."

"میری رائے بالکل برعکس ہے میڈم... گوتم نے جواب دیا: "میں نے جذبے کی جیب آنکھ اس پر کھلی تو میں نے اسے مہربان اور گداز ہی پایا تھا۔ شاید ہمارے جذبے رنگ اور تپش کے لحاظ سے جدا ہوں گے۔ اگر تمہارے جذبوں میں متاثر کرنے کی قوت ہوتی تو تمہیں بھی وہی کچھ محسوس ہوتا جو میں محسوس کر کے سرشار رہتا ہوں۔"

"اے لڑکے... مارشا کھل کھلا کر ہنس پڑی: "تم تو بہت گہری باتیں کرتے ہو۔ ٹھیک ہے۔ میں اپنے جذبے تمہارے سکول میں داخل کرتی ہوں۔ ان کو وہی زبان اور رنگ دے دو جو تیرے ماسٹر میں گدازیت تلاش کر سکیں۔"

"کیوں ماسٹر کرکوں دہل؟ گوتم نے شرارت سے ایک آنکھ دبا کر پوچھا۔

"گنجائش کی بات ہے پیارے... میں نے ہنستے ہوئے کہا: "میں سفارش نہیں کروں گا۔ سفارش کے سہارے دہل ہونے والے بچے امتحان میں پاس نہیں ہوا کرتے۔"

"گنجائش تو بہت ہے... گوتم یک دم جلنے کیوں بخیہ ہو گیا تھا: "لیکن تمہاری اجازت ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے... میں نے بھی سنجیدگی سے کہہ دیا تھا: "کچھ لو نام اُس کا..."

"شکریہ ماسٹر... گوتم ممنون آواز میں بولا: "شاید میرے خالی سکول کو ایسے ہی بچے کا انتظار تھا۔"

مارشا بھی یقیناً مذاق ہی مذاق میں زندگی کے ایک اہم اور سنجیدہ فیصلے کی تہ تک جا پہنچی تھی۔ اُس نے پریشان سی نگاہوں سے باری باری دونوں کی جانب دیکھا اور پھر گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے... مجھے... وہ کچھ رومانسی سی ہو رہی تھی... اب جانا چاہیے۔ تم وقت بتا دو۔ کل دلی جگہ میں آ جاؤں گی۔ ویسے اگر چاہو تو ٹیل کو انور

بھی آسکتے ہو۔ نیچے ٹیلی فون بٹن سے فون کر لیتا۔

میں نے دیکھا۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر لیٹاں تھیں۔ گوتم نہ صرف پریشان تھا بلکہ بہا ہوا بھی تھا۔ جیسے بچہ کوئی قیمتی برتن توڑ کر پریشان اور خوف زدہ ہو گیا ہو لیکن مارشا کی پریشانی میں خوف شامل نہ تھا۔ اس کے چہرے پر غصے کی متمہاٹ نمایاں تھی۔ میں دونوں کے درمیان عجیب تذبذب اور الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ مجھے دونوں ہی عزیز تھے۔ ایک بڑی مصونیت سے کچھ مانگ بیٹھا تھا اور دوسرا طلب کے قدموں کی چاپ سُن کر ہزار کا راستہ تلاش کرنے لگا تھا۔ میں جانتا تھا کہ طلب کی رُوح بھی حق بجانب ہے اور رسد بھی موجود ہے مگر مجبوراً اس قدر تھا کہ نہ تو طلب کا دست دراز جھٹکتا تھا اور نہ ہی رسد کو طالب کی جانب جھکنے کا حکم دینے کی پوزیشن۔ میں تھا جیست بھی تھی کہ دونوں کا تعلق مغرب سے تھا۔ اگر گوتم نے کسی جذبے سے مجبور ہو کر طلب کا ہاتھ بڑھا دیا تھا تو مارشا گریزاں کیوں تھی۔ اسے گوتم کی درخواست پر یوں سیخ پائیں ہوتا چاہیے تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ معذرت کر دیتی اور بات ختم ہو جاتی۔ یوں بھر پور اور بھانگنے کی رسم مشرق میں تو جائز اور پسندیدہ تو ہو سکتی تھی لیکن مغرب کی روایت میں یہ بات کچھ عجیب ہی لگتی تھی۔

"ادھر آؤ مس مارشا۔ میری گیمیر آواز پر مارشا کا سنا ہوا آہم جھول سا گیا تھا۔ ادھر میرے قریب..."

وہ لمحہ بھر مناک آنکھیں کھولے ایک لمحہ مجھے گھورتی رہی تھی اور پھر طویل روئی ہوئی سانس لے کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی میرے قریب آکر بیٹنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔

"گوتم..." میں نے نازک گھڑی کا احساس کرتے ہوئے کہا۔ "تم بیاباں اندر لے جاؤ۔"

"مہ... ماسٹر... گوتم کلویگر آواز میں میایا... میں... میں اپنے الفاظ..."

"نہیں ابھی نہیں۔ جاؤ۔" میں اس کی بات کاٹ کر سختی سے کہا۔ "فیصل مجھے کرنا ہے۔"

اس نے چہرہ دوسری طرف گھما کر جیکٹ کی آستین سے آنکھیں صاف کیں اور پیالیاں لے کر تھکے تھکے قدم اٹھاتا کچن کی جانب چل پڑا تھا جب اس نے کچن کا دروازہ بند کر دیا تو میں نے مارشا کی کلائی پر ہاتھ رکھا اور وہ چھوٹ پڑی۔ جیسے کلائی ہی وہ بند تھا جسے میرے لمس نے توڑ دیا تھا۔

"سناؤ اچھی لڑکی..." میں نے اس کی کلائی پہلاتے ہوئے کہا۔ "باغ میں ہزاروں پھول کھلتے ہیں اور ہر پھول کی آرزو ہوتی ہے کہ کوئی آنکھ کھلے اور دیکھے پسند کرے لیکن ہر پھول کی قسمت میں چلبے جانے کی

گھڑی نہیں آیا کرتی۔ بے شمار پھول اسی آرزو کے ساتھ خاک میں مل جاتے ہیں لیکن تم وہ خوش نصیب پھول ہو جسے ایک آنکھ نے دیکھا ہی ہے اور پانے کی تمنا بھی کی ہے۔ گوتم کا رنگ اپنے ماحول اور فطرت کے حوالے سے سیاہ ضرور ہے مگر وہ اندر سے گلاب رنگ نوجوان ہے۔ اگر اس نے اپنی چاہت کا اظہار کر دیا ہے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ جذبہ جب دل کی زمین کا سینہ پھاڑ کر پھوٹتا ہے تو آواز بن کر زبان سے ظاہر ہو جایا کرتا ہے۔ گوتم میرا چھوٹا بھائی ہے بے حد پیارا بھائی اور تم بھی مجھے عزیز ہو... بے حد عزیز۔ بہر حال میں دونوں پر جبر نہیں کروں گا۔ وہ فیصلہ کر چکا ہے اور تمہیں فیصلہ کرنا ہے۔" میں بھی فیصلہ کر چکی ہوں خرم سلطان۔ "اس نے میل لاقہ اٹھا کر برستی آنکھوں سے لگا لیا۔ یاد کرو چوبدری، انکل سمحون کے فیث میں جب شیطان مجھ پر غالب ہو چکا تھا۔ میں لڑکھاتی ہوئی تمہاری ذات کے قدموں میں گر پڑی تھی اور تم نے مجھے یہ دھتکا راتھا اور نہ ہی اٹھا کر سینے سے لگایا تھا۔ اسی لمحے میں نے اپنا فیصلہ تمہیں سنا دیا تھا۔"

"مجھے یاد ہے مارشا..." میں نے نہایت ہی آرام سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ "جواب میں کچھ میں نے بھی کہا تھا۔ اپنی بے پناہ مجبوریوں کا ذکر کیا تھا۔ میں اب بھی ان ہی مجبوریوں کا قیدی ہوں۔ سناؤ مارشا! میں وہ پتا ہوں جسے تجربے سے سوچ لیا گیا ہے۔ رد ہوا ٹھوکروں کی زد میں آوارہ گرد پتا۔"

"اور میں نے بھی وعدہ کیا تھا خرم..." وہ بولی۔ "میں بھی ہوائے رُخ پر تمہارے ساتھ ساتھ ٹھوکریں کھاتی چلتی رہوں گی۔ کبھی نہ کبھی تو کوئی پرسکون گوشہ تمہیں ملے گا۔ تب میں تمہیں اٹھا کر اپنی مانگ کا ستارا بناؤں گی۔"

اس کے جواب نے اصولی طور پر مجھے لا جواب کر دیا تھا ایک خوب رد لڑکی کی زبان سے اظہار محبت کسی بھی مرد کو پاگل کر سکتا ہے۔ اس کی والہانہ چاہت نے بلاشبہ مجھے متاثر کر دیا تھا لیکن دوسرے پڑے پر کوئی لوبے کا باٹ نہ تھا۔ ادھر گوتم تھا، میرا وفادار دوست میرا سنا بولا بھائی اور مارشا کا طالب تھا۔ میں خود غرضی کا کھوٹ لے پڑے پر نہیں رکھ سکتا تھا۔ پھر مارشا پہلی لڑکی نہ تھی جس نے مجھے ٹوٹ کر چلنے کا انکشاف کیا تھا۔ میرے دل کے صحن میں ایسی لڑکیوں کی طویل نظر گھڑی تھی میں کس کس کا ہاتھ پکڑتا کیسے اپنی محبت کا یقین دلانا اور کیسے مانگیں کرتا۔ زندگی کا سفر جاری تھا۔ نہ جانے مجھے کیوں یقین تھا ابھی کچھ اور خوش رنگ چہرے اس قطار میں شامل ہوں گے۔

"میں تمہارا بے حد ممنون ہوں مارشا پیاری..." میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں بھرتے ہوئے کہا۔ "تم نے ایک حقیر ذرے کو ستارے کا مقدر دے دیا ہے لیکن میں ایسا مسافر ہوں جس کی منزل گم ہو چکی ہے جس کی کشتی جلا دی گئی ہے۔ جس کے نقاب میں موت شکاری کتے کی طرح چلی آ رہی ہے جس کے لیے ہر رات نیا ہنگامہ ملے کر اترتی ہے جس کا ہر قدم قدم موت کے چندے میں جا چکنا ہے۔ میں مارشی، ہرگز نہیں۔ میں تم جیسی پیاری اور زندگی سے بھرپور لڑکی کو اپنے ساتھ ٹھون اور آگ کے سمندر میں نہیں لے جا سکتا۔ گوتم ایک معصوم نوجوان ہے۔ تم اس کا ہاتھ تھام لو۔ میں تم دونوں کو اتنی دولت اور دُعا میں دے کر یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا کہ آنے والی زندگی بہار بن کر اترے گی۔ چلبے والے شہر اور دولت کی فراوانی کے ساتھ تم خرم چوبدری کو بھول جاؤ گی۔ میری جان زندگی کی گاڑی صرف محبت کے تیل سے ہی نہیں چلتی۔ میں ان جذلوں سے اعزاز نہیں کروں گا لیکن زندگی کے حقائق بھی میری لگا ہوں سے اوجھل نہیں ہیں۔ زندگی کی پچی خوش فدا کی عبادت اور وفادار ساتھی کی خدمت میں مصغر ہوتی ہے۔ گوتم جیسا وفادار ساتھی شاید اس شہر میں نہ ہو گا۔ دوست ایک دوسرے کو تحائف دیا کرتے ہیں۔ میں تمہیں گوتم جیسا انمول تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ اگر تم اس کی اندھی وفاداری کا امتحان لینا چاہتی ہو تو اس پر آزمائش وار کروں گا اور تم اسے بچاؤ گی۔"

"تم بے محابہ اور غلط زبان میں متاثر کن تحریر کر لیتے ہو۔ میں بہت ساری باتیں سمجھنے کے باوجود تمہارا مافی الضمیر سمجھ گئی ہوں۔ تمہیں وہ لڑکا کسی بھی حوالے سے بے حد عزیز ہے۔ بالکل فطری عمل کے تحت اس کی ہر خواہش اور ہر ادا تمہیں عزیز ہے۔ میں تمہارے اس جذبے کا قدر کرتی ہوں خرم سلطان۔" مارشل نے الیکٹرک ٹیلی فون سیٹ کا نازک سارے سیور زور سے میری ران پر مارا۔ "لیکن تم اپنے دوست کی دکالت کرتے وقت عورت کی انفیات اور فطرت نظر انداز کر گئے ہو۔ میں نے داناؤں کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ عورت زندگی میں صرف ایک بار ایک مرد سے ٹوٹ کر پیلا کرتی ہے۔ اگر محبوب اسے نہ بٹے تو زندگی بھر وہ دوسرے مردوں سے منافقت کرتی ہے اور اپنی ناکام محبت کا انتقام لیتی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ مارشا کسی اور کی بن کر اس سے انتقام لے تو مجھے حکم دو خرم چوبدری! میں انکار نہیں کروں گی۔ اپنے پیارے دوست کو اس آگ سے دبا کر دو۔"

"تم... تم... میری آواز دھکے سے جھجھکنے لگی تھی۔ "مارشا! نادان لڑکی بڑے گھٹاٹے کا سودا کر بیٹھی ہو۔ اگر تمہاری پہلی محبت اور وہ پہلا مرد میں ہوں تو جان لو کہ تم نے خواب دیکھا ہے۔ تم ایک خوش رنگ

سراسر کے پیچھے چل رہی ہو۔ میں تمہاری محبت اور وفاداری پر شک نہیں کرتا لیکن تمہیں خوابوں اور سرابوں کے گوداب میں گرے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم میرے حالات سے واقف ہو۔ تم جانتی ہو خرم چوبدری اپنے قدموں پر نہ خود اپنی مرضی سے ٹھہرتے ہو۔ نہ ہی اپنی خواہش پر قدم بڑھاتا ہے۔ حالات کے آن دیکھے بخولے مجھے ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ تم ہی بتاؤ میں تم جیسی کالنج بدن گرد باکو کیسے ان گردابوں میں ساتھ رکھ سکتا ہوں۔ تمہارا وجود اس قدر نازک اور نرم و گلدازبے کہ ایک ٹھوکر اسے کڑی کڑی کر دے گی۔ نہیں خوبصورت لڑکی ہرگز نہیں ہیں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھ میں کڑیوں کی آواز سننے کا حوصلہ ہے۔ نہ کہ جلال چھنے کا دقت ہے۔ یقین سلامت رہنا ہو گا مارشا۔ اپنے لیے اور چلبے والے کسی مرد کی خاطر، چاہے وہ مرد گوتم نہ بھی ہو۔ مجھے اس کی پروا نہ ہوگی۔ میں گوتم کو کوئی دوسرا کھلونا دے کر بہلاؤں گا۔ مگر تمہیں صانع نہیں ہونے دوں گا۔"

"کیوں خرم! کیوں...؟" مارشا دھکی آوازیں بولی۔ "آخر کیوں مجھے سمجھنے اور صانع نہیں ہونے دیتے۔ جب کہ تم مجھے چلبے تھے نہیں میری چاہتوں کو قبول بھی نہیں کرتے تو میں تمہاری کون ہیں جس کے لیے تم اپنے دل میں ایسے گہرے اور درد بھرے جذبے رکھتے ہو۔ جواب دو خرم..." اس نے مجھے چادر طرف سے گھیر لیا تھا۔ میرے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ میرے اندر وہ تھی۔ ایک بے نام سا احساس زندہ تھا۔ میں اس تڑپ اس احساس کو محبت کا نام دے کر ماضی کی تمام چاہتوں اور لڑکیوں کی نفی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر عورت ایک بار ایک مرد سے محبت کرتی ہے تو اصولی طور پر مرد کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ آخر میرے اندر ایک دل تھا۔ کوئی وارڈ نہ تھا کہ محبت کی ہر مریضہ عمل کر لی جاتی مجھے مارشا کی ذات اور چاہت سے انسیت کا اقرار کرتے مگر محسوس ہوتی تھی۔ میں زبان سے زینت اور عابدہ سے ایسا اقرار کر چکا تھا۔ وہ میری جذباتی بکواس تھی یا مارشل جس قسم کا اس پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ایک شکاری مرد کی چال تھی۔ میں کوئی فیصلہ بھی نہ کر پایا تھا کہ الیکٹرک فون کی گھنٹی نے میری لالچ رکھ لی تھی۔

مارشل نے سیٹ میرے سینے پر رکھ دیا تھا۔

"سین انکل..." میں بیچم کے اکھڑے ہوئے سانسوں کی آواز ریسور سے بخوبی سن رہا تھا۔

"ادھ بولے..." وہ بے قراری سے بولا۔ "میرا نقاب ہو رہا ہے۔ شاید نکلے ہی ان لوگوں نے نقاب شروع کر دیا تھا مجھے چند منٹ قبل ہی احساس ہوا ہے۔ وہ تین ہیں اور سیاہ ڈاٹس ہیں..."

کیونکہ خطرے کی گھنٹیاں میرے اندر بھی بجنے لگی تھیں۔ کوئی پارٹی میری جانب ہی تھی اسکی قیاسی اور میں فلیٹ کے اندر چھپے کی مانند گھبرانا پسند نہیں کرتا تھا۔

"میں ساحلی علاقے میں مشرکوں پر آوارہ گردی کر رہا ہوں۔ تمہیں اطلاع اس لیے دے رہا ہوں، تمہارا فلیٹ بھی خطرے کی زد میں ہو سکتا ہے۔ گوتم کے ساتھ ہلاک کے عقبی دروازے سے نکل جاؤ۔ میں اس کار کو کچھ دقت مصروف رکھوں گا۔"

"اگر آپ خطرہ محسوس کر رہے ہوں انکل تو میں ان کو ابھلنے آ سکتا ہوں۔"

"اوہ نہیں بولنے۔ بیکر نے کہا۔ مجھے کوئی خطرہ نہیں تم اپنا خیال رکھو۔ ہاں ایک اور بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔ وہ لڑکی میری نگاہوں میں مشکوک ہو گئی ہے۔ وہ ڈیل کراس کا نہیں تو نہیں کھیل رہی؟"

"نہیں انکل۔۔۔ میں نے بیکر کے شک کی تردید کر دی۔ میرا خیال ہے ہی جو معمول کی کارروائی کے تحت آپ کی نگرانی کر رہا ہے۔ کیونکہ اس کا حریف چنگ جی آپ کا دیرینہ حریف ہے۔ اسے خطرہ رہا ہو گا کہ اس کے دشمن سے آپ رابطہ قائم کر لیں گے۔ پھر بھی احتیاطاً ہم یہ پیچھے چھوڑ رہے ہیں۔ میں جی فون سیٹ ساتھ رکھوں گا۔"

"او۔ کے۔ وہ بولا۔ کارٹیزی سے فاصلہ کم کرتی آدی ہے۔۔۔ خدا حافظ۔"

میں نے بیکر کے شک کی تردید تو کر دی تھی لیکن میرا اپنا دل کھٹک سا گیا تھا۔ مارشا مجھ سے جن حالات میں نگرانی تھی جس قسم کی وہ زندگی بسر کر رہی تھی جن لوگوں سے ماضی میں اس کی راہ ور تھی۔ اگر سب کچھ صبح کے جواب نکالا جاتا تو بیکر کا شک بجایا دکھائی دیتا تھا۔ وہ اجنبی لڑکی اجنبی لوگوں کے توسط سے میری نزدیک آئی تھی۔ میں نے اس کو اسی کی باتوں کے آئینے میں دیکھا تھا۔ وہ جھوٹ جی بول سکتی تھی۔ وہ جو کچھ دکھائی دیتی تھی، وہ ایک دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔

"کیا مشرک بیکر کا تعاقب کیا جا رہا ہے؟ مارشا نے میرے ہاتھ سے فون سیٹ لیتے ہوئے سپاٹ آواز میں پوچھا۔ اگر ایسا ہے تو یقیناً مجھ ہی سے کو تاہی سرزد ہو چکی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ میں اٹھتے ہوئے سرد آواز میں بولا۔ اس کا تعاقب ہو رہا ہے اور یہ دوسرا چانس ہے۔ پہلا اتفاق بھی ہو سکتا تھا لیکن دوسری بار وہ لوگ تمہارے نقش پا پر چلتے یہاں تک پہنچے۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ کیا کہنا چاہتے ہو خرم سلطان؟ مارشا نے چیخ کر میرا گریبان پکڑ لیا تھا۔ کیا میں۔۔۔ میں غدار ہوں؟"

"حالات تو یہی بتا رہے ہیں۔ میں نے نرمی سے گریبان چھڑاتے

ہوئے جواب دیا۔ لیکن میری ذاتی رائے ابھی متاثر نہیں ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں تم مشرک ہی سے ان کی نگاہ میں رہی ہو اور وہ برا بھلا نگرانی کر رہے ہیں۔ تمہارے تعاقب کے دوران اگر ان کی نگاہ مجھ پر یا بیکر پر جا پڑتی ہے تو یہ اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔ بہر کیف فی الحال تم میرے نزدیک صرف اچھی لڑکی ہو۔"

"شکریہ۔۔۔ وہ دہلانی سی ہلکے میرے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ مجھ پر بھروسہ رکھنا خرم۔ میں بڑی ہوں بہت بڑی لیکن میرے اندر ایک عورت بھی زندہ ہے اور وہ عورت تم ازم اپنے مجرب سے قدرتی نہیں کرے گی۔"

"ہاں مجھے یقین ہے۔ میں نے اس کے بالوں پر ہتھی دی۔"

"جاؤ گوتم کو باہر لے آؤ۔ ہمیں فی الفور ریجنگ چھوڑنا ہوگی۔"

وہ دوڑتی ہوئی کچن کی جانب گئی اور میں اپنے ریلو اور کایونگ چیک کرتا ہوا ہاتھ روم میں داخل ہو گیا تھا۔ گوتم ہی کورینہا کی عزت دی گئی تھی کیونکہ اس شہر میں انھیں رکھنے کے باوجود میں اندھا ہی تھا۔ وہ ایک محتاط رہنما کی طرح ہلاک کے عقبی دروازوں کو استعمال کرتا ہوں ہائی دے تھکے لیا تھا اور میں نے نقل کر لی تھی کہ اگر کوئی ہماری نگرانی مانور بھی ہوا ہو گا تو وہ ہمیں نہ دیکھ سکا تھا۔

فٹ پاتھ پر چلتے چلتے میں نے گوتم کو ٹیکسی روکنے اور مارشا کو الگ ہونے کی ہدایت کر دی تھی۔ اسے کہہ دیا گیا تھا کہ انھیں کھل رکھے۔ اگر تعاقب کیا جائے تو اسے پھل اسکاڑے دور تعاقب کرنے والوں کو چھڑ دیتی رہے یا واپس اپنے فلیٹ کی جانب نکل جائے۔

"تم آنے سے قبل چاؤنی کے نمبر پر مجھے فون ضرور کر لینا۔"

نے کہا۔ اگر وہاں حالات خراب ہوئے تو کوئی دوسرا لائحہ عمل تیار کرنا پڑے گا۔ پونے آٹھ تک وہ واپس آتی ہے۔"

میں اثبات میں گردن ہلا کر گوتم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس نے ٹیکسی روک لی تھی۔

گوتم فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا اور ڈرائیور کو ہاتھوں اور ٹوٹی پھوٹی فرنیچ زبان میں راستہ سمجھا رہا تھا۔ میں دنیا کا چہ چہ گوتم جکا ہوں لیکن ہانگ کانگ جیسا مجرم ماحول اور زبان کے حوالے سے کچھ بڑی نا شہر کوئی دوسرا نہیں دیکھا وہاں ہر تیسرا شخص قومیت اور زبان الگ رکھتا تھا۔

"میں فرانس سے ایک ماہ قبل آیا ہوں۔ ڈرائیور نے قدرے صاف انگریزی میں بتایا۔"

"یار اس سے انگریزی زبان میں بات کیوں نہیں کرتے۔ گوتم سے میں نے پوچھا اور وہ ہنس پڑا۔

"میں فرنیچ سیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر ہم اسی طرح انگریزی ہی بولتے رہتے رہے تو یہاں کی آدمی آبادی ہمارے لیے گونگی بہری ثابت ہو جی۔ لہذا جس ملک کا آدمی بولے۔ اسی کی زبان بولا کرو۔"

میں نے پہلے عقب نما آئینے سے بھوڑے کا جائزہ لیا۔ ٹریفک ریڈروال تھا۔ اس ریڈروال میں مشکوک گاڑی کو پہچان لینا ناممکن ہی تھا۔ خرم بھی بار بار دائیں بائیں سے گزرتی گاڑیوں کو چیک کر رہا تھا۔

"پیارے کسی کم سڑت یا دیوان مشرک کی طرف نکل چلو۔ میں نے بار بار گوتم نے میری بات ڈرائیور کی جانب لڑھکادی تھی۔ معروف

لوگوں پر ہم اپنے کسی کرم فرما کو نہیں پہچان سکیں گے۔"

چند کاوشیں تک ڈرائیور ٹریفک کے اردھام سے دائیں بائیں کی کوکشن کرتا رہا تھا کیونکہ وہ بالکل وسطی قطار میں چل رہا تھا۔

دل چوک پر جب سرخ تھی نے ٹریفک کے سیلاب کو روکا تو ڈرائیور اہل ہمارت سے ریجنگا ہوا بائیں ہاتھ سے ایک تنگ گلی میں داخل ہو گیا تھا۔ پر پیچ گلی پھر دوسری مشرک پر جانکلی تھی لیکن وہ مشرک ظاہر

تبع غیر معروف تھی۔

"اب کہہ رہیوں جناب۔ ڈرائیور نے موباد آواز سے پوچھا۔

مشرک آگے چل کر کسی دے سے چل جاتی ہے۔"

"سٹو مشر۔۔۔ میں نے کہا۔ ہمیں کسی مخصوص جگہ نہیں جانا۔ ہم

نرمنا سفر کر رہے ہیں۔ شور شراب سے بچ کر گھومتے رہو۔"

"پورٹ پر آج بڑی رونق ہے جناب۔ ڈرائیور نے بتایا کہ کسی

شیرادی اپنی بوٹ پر آرہی ہے۔ شہر کے سارے منچلے ادھر لادور رہے ہیں۔ شہر کا سن بکھا ہو رہا ہے۔"

"اجازت دے دو ماسٹر۔ گوتم کی لال ٹپک پڑی۔ بالکل

حریت طاری ہے۔"

میں نے لحظہ بھر کے لیے تانچ پر عجز کیا اور گوتم کی درخواست پر بوجھ لگا۔ میں تمہاری انگلی پکڑ کر چل رہا ہوں پیارے۔ میں نے

لوگوں کو کہا۔ جہاں چاہو بولے چلو۔"

واقعی پورٹ ایریا پر رونق ہی تھا۔ یوں دکھائی دے رہا

قلبیے شہر کے سارے نوجوان ادھر جمع ہو گئے تھے۔ پولیس کی بھاری

بست طوفانی انداز میں انتظامی امور میں مصروف تھی۔ دکتی مایکروفون

دریسٹیوں کا بے پناہ شور برپا تھا۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں تند و تیز

بول کی مانند بار بار ممنوعیتی عبور کر جاتے تھے۔ شاید یہی وجہ

ہو کہ کوئی پولیس کو ہاتھ چارچ کرنا پڑتا تھا۔ ان کے پاس اگر لاشیاں

نہیں تو لاشی چارچ کے دوران بے شمار لوگ زخمی ہو جاتے مگر ہاتھ

باز رہتے ضروری ثابت ہو رہا تھا۔ تب مجھے اپنی پولیس اور لاشی

بہت یاد آتی تھی

گوتم بھی اس بدتمیزی میں شامل ہونا چاہتا تھا لیکن میری وجہ سے مجبور تھا۔ میں پارکنگ پلاٹ سے باہر ایک پولیس وین کے ہڈ پر جم گیا تھا۔ وہاں سے بھڑے ہوئے نوجوانوں کا نظارہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ایک سیکرٹا آؤں ماسٹر نے گوتم نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔ گداڑ اور میکے جموں سے مالش ہو جانے لگی۔"

میں نے ناٹوار اور کڑی نگاہوں سے دیکھا اور وہ ہم کمر سسک رہا تھا۔

"سٹو ختم۔۔۔ میرا اوجہ بے حد کڑوا تھا۔ تمہاری یہ عادت مجھے قطعی پسند نہیں۔ عورت کے قرب کی خواہش مرد کو ناکارہ اور احمق بنادیتی ہے۔ میں چاہوں گا تم خود کو بدل ڈالو اور عورت کی خواہش بس اسی قدر بوجھ گزرتے گزرتے خوش رنگ فیل کو دیکھ لے۔ کی قدرتی خواہش ابھر آتی ہے۔ عورت کو خود پر مادی کرفٹے تو کسی بھی چور بے رحم عورت کی طرف اور میں دوسری طرف نکل جاتوں گا۔"

"میں کوکشن تو بہت کرتا ہوں ماسٹر۔ وہ ردوبد ملے پیچ میں بولا۔ لیکن خوب عورت چہرے میرے اندر زلزلے کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ میں بے مل اور بے بس سا ہونے لگتا ہوں۔"

"ہاں میں سمجھتا ہوں۔ میں نے نرم آواز میں اسے سہلا دیا۔

"میرے پیارے بھائی اور بے بسی مرد کے جوہر کو متاثر کرتی ہے۔ تم نے اگر دنیا کی بڑیوں، تباہیوں کی تاریخ پڑھی ہو تو ان چیزوں سے خوف کھلنے لگے۔ ان بربادیوں میں تناؤ نے فی صدہ کسی نہ کسی خوب عورت کا ہی رہا ہے۔ بڑے بڑے عاقل اور جاہل بادشاہوں سے عورتوں نے غلط اور تباہ کن فیصلے صلہ کر لئے ہیں۔ ان سے دور رہ کر ختم۔"

"کوکشن تو کرتا ہوں ماسٹر۔ وہ بھی ایک کربڈ کے اوپر اٹھا۔

"لیکن ان چیزوں میں یقیناً مقناطیس شامل ہوتا ہے۔ چونکہ مرد کے جسم میں لوہے کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ بس یہی قدرتی مجبوری ہے۔ وہ سلنے آتی ہیں اور جسم چٹخنے لگتا ہے۔ لہذا اپنی فطرت کے مطابق مقناطیس کی جانب ہٹنے لگتا ہے۔"

"گڈ ایوننگ مشر خرم۔۔۔ عقب سے مجھے آواز کا جھلک میری پیٹھ پر لگا اور میں نے تڑپ کر دیکھا۔ پیچھے ماسٹر چنگ جی کا ایک گڑھا دین سے ٹپک لگنے گول گول آنکھوں میں مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔

اس کا نام میرے حافظے سے مٹ چکا تھا لیکن چہرہ محفوظ تھا۔ اس کا تعلق اس قاتل پارٹی سے تھا جس نے مجھے عابدہ کی گلی میں گھیر لیا تھا۔

"دیرینہ دوستوں کو تم بالکل فراموش کر چکے ہو شاید۔"

"ایسی کوئی بات نہیں دوست۔ میں نے کہنی مار کر گوتم کو

خطرے کا اشارہ دیا۔ بس کچھ ذاتی مصروفیات ایسی رہی ہیں، چیف کو سلام کرنے کا ماحول ہو سکا۔ اگر یہاں چیف موجود ہوں تو مجھے ملو۔ یہاں نہیں مگر خرم یہ وہ قدرے دوستانہ لہجہ میں بولا۔ اگر تمیں کچھ فرصت ہو تو میرے ساتھ چلو۔ چیف تم سے ملنا چاہتا ہے۔ کل شام ہی بخاری تلاش کا حکم نامہ جاری ہوا ہے۔

"اوہ... میں مسکرایا۔ تو تم میرا تعاقب کرتے یہاں آئے ہو۔" "نہیں... اس نے نفی میں سر ہلادیا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا۔ ہم کولون کی طرف جانے والے تھے لیکن پولیس نے جی بند کر رکھی ہے۔" "مجھے چیف سے رابطہ کا نمبر بتا دو۔" میں نے بھی دوستانہ انداز میں کہا۔ "میں کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔"

"ابھی کیوں نہیں؟" "میرا پاس انڈر کیا ہوا ہے۔" میں نے جواب پیش کیا۔ "ان لوگوں میں میرے بیکر کا بادی گارڈ ہوں۔" "یہ لڑکا بھی؟ اس نے گوتم کی جانب اشارہ کیا۔"

"ہاں..." "تو چہرہ مشربز کو پیغام پہنچا دے گا کہ خرم کوچنگ نے طلب کر لیا ہے۔"

"کیا یہ طریقہ مناسب ہوگا دوست؟ میں نے کن آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ میں معلوم کرتا چاہتا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں۔" میرا پاس شاید یہ طریقہ پسند نہ کرے۔ "جنگ کا نام بڑی طاقت و رسدافش ہے خرم سلطان۔ وہ میری آنکھوں میں جھانک کر خندہ زنی سے بولا۔

"جھپک ہے اپنے ساتھیوں کو لے آؤ۔" میں نے بے بسی غماہر کرتے ہوئے کہا۔ "میں بھی چیف کی ناراضگی مول لینا پسند نہیں کروں گا۔ دوست تم باس کو بتا دینا۔"

"میرے ساتھی تفریح کے موڈ میں ہیں۔ اس نے بتایا۔ میں دین سے کیمرو لینے آیا تھا۔"

"گوتم سیمی کی پیاری سی مہن بجاتا ہوا پولیس دین کے عقبی حصے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ میں اس ناگہانی مصیبت سے چھٹکارا تو حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن بھرے میلے میں کوئی بھی کارروائی خطرناک ہی ہوتی لہذا میں نے خود کو حالات کے حوالے کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا تھا۔

پولیس دین کے دائیں بائیں بھی اسی سائز کی گاڑیاں پارک تھیں۔ جن کی وجہ سے چھوٹے قد کی گاڑیاں اوجھل ہو گئی تھیں۔ چونکہ ہم دونوں فرنٹ میں کھڑے تھے اور سلسلے ساحل کے

کنارے تک کھلی جگہ تھی اور بے شمار لوگ جل پھر رہے تھے۔ اس لیے میں نے ہاتھ کمرڈوں میں دبا رکھے تھے حالانکہ میری جھیلیاں جلتے جلتے تھیں لیکن میں احتیاط کے دامن کو بھار کر کوئی نئی مصیبت بلا ناہیں چاہتا تھا۔

"ماسٹر... دونوں گاڑیوں کے درمیان تنگ گلی میں ٹرک کو گھر نے مجھے پکارا۔ چابیاں اور کیش میرے حوالے کر دو۔" واپس پر باس نے اشارہ رکھتا ہے۔

"اوہ... میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔" میں تو بالکل بھول ہی گیا تھا۔ "ٹھہرو خرم سلطان۔ وہ حکم آمیز لہجے میں گرجا۔ تم کوئی چالاک دکھانے کی حماقت نہیں کرو گے۔ چابیاں اور پکس میرے حوالے کرو۔ میں اس لڑکے کو دوں گا۔"

جب اس کی بات ختم ہوئی تو میں پہلو کے بل سرکنا ہوا گاڑی کے درمیان جا چکا تھا۔ پھر میں نے اپنا پرس نکال لیا۔ سنو دوست جب میں جملے پر رصاصہ ہوں تو چالاک کی گنجائش کیسی۔ یہ تو تم ہی اسے دے دو۔"

وہ دوڑتا ہوا نزدیک آگیا۔ یقیناً وہ جھولا ہوا پرس دیکھ کر بدینیت ہو چکا تھا اور یہی بدینتی اس کی جان کا عذاب بن گئی تھی۔ میں نے پرس بائیں ہاتھ سے بڑھایا اور دائیں ہاتھ کو اللہ کا نام اور اس آرٹ کے انداز میں تیاری کا حکم دیا۔

اس نے حریفوں سے ہاتھ پیرس کی جانب بڑھایا۔ اس کی تمام تر توجہ چھوٹے ہوئے پرس پر ہی مرکوز ہو گئی تھی۔

میرا ہاتھ لہراتا ہوا اٹھا اور دوسرے لمحے وہ حریف شخص ایسے ہی میرے پاؤں پر گرا تھا جیسے اس کی ڈھیل بوری کمزور مریض کی ہڈی سے سرک گئی ہو۔ ایک ہی ہاتھ نے اسے ہوش سے بگاڑ کر دیا تھا۔

"یہ میرا شکار تھا ماسٹر... گوتم نے اسے اٹھاتے ہوئے شکوہ کیا۔" میں اور تم ایک ہی ہولڈر میں ہیں۔ اس کی ٹانگوں کو میٹ کر پکڑا اور الارا دے کر پولیس کے کھلے ٹرک میں پھینک دیا۔

"چلو اب کھسک چلیں۔" میں نے کہا اور گوتم بھی میرے ساتھ نکل آیا تھا۔

چند منٹ بعد ہم پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھے واپس شہر کی جانب بڑھ رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا۔ خدا سحر خیزے کو شکوہ دیتا ہے مگر خرم چوہدری کو قدم قدم پر حادثے کیوں دے رہا ہے۔

ٹیکسی ساحل کے متوازی ایک ناہموار نیم مچنے مارک پر چڑھنے لگا تھا تو ڈر رہی تھی۔ شاید گوتم نے ہی ڈرائیور کو ایسا راستہ دکھایا ہوگا ورنہ سی وے کی ہموار سڑک چھوڑ کر ٹیکسی کو وہ کبھی ایسی سڑک پر نہ چڑھاتا۔

"بس روک لو۔" سکرپس کے ڈھیروں کے قریب جا کر گوتم نے ٹیکسی روکوائی تھی اور کرایہ ادا کر کے نیچے اتر کر اس نے پرسکون سی گروائی لی اور میرا ہاتھ تھام کر سکرپس کی جانب بڑھنے لگا۔

"ہم کچھ وقت ان بے جان ڈھانچوں کے درمیان بیٹھ کر زندگی "ماسٹر... فلسفے پر غور و فکر کریں گے۔ گوتم بولا۔" کبھی یہ ڈھانچے بھی ہماری طرح جان بھاری طرح زندگی بسر کیا کرتے ہوں گے۔"

"ہاں ہماری طرح۔" میں نے ایک کٹے پھنے فوم کے گدے پر بٹھے ہوئے کہا۔ یہ اب پھر آگ میں پچھلے جانیں گے اور نئی زندگی باہم لے کر واپس ہمارے درمیان لوٹ آئیں گے۔"

"اوہ ماسٹر۔ گوتم بھی گدے پر نیم دراز ہو گیا۔ تم بھی زندگی بدولت پر یقین رکھتے ہو۔"

"ہاں... میں نے اثبات میں جواب دیا۔ لیکن ہمارا یقین اور ایمان مفروضوں اور سائنسی کرشموں کا مرکب نہیں ہمارا عقیدہ ہنس و ٹوکوں سے قطعاً مختلف ہے۔" میں نے کہا اور شام تک گوتم سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا رہا۔

نماز سے فارغ ہو کر میں گوتم کو اسلام کے بنیادی اور موٹے موٹے اصول اور قوانین بتاتا رہا اور پھر گھڑی پر روانگی کا وقت دیکھ کر وہاں سے نکل پڑے تھے۔ پورٹ کا سارا علاقہ بقیہ نوڑتا ہوا تھا۔ شاید کوئی ہمارا روانہ نہ ہوا تھا۔ لوگ واپس جا رہے تھے۔

سی وے کی روشن اور فراخ سڑک تک ہم لے خاموشی سے حاصل لے گیا اور پھر حسب سابق ہاتھ اٹھاتے اور ہرگز رتی ٹیکسی کو روکنے کی اذداری گوتم نے سنبھال لی تھی لیکن بندر گاہ کی جانب سے آنے والی کوئی ٹیکسی خالی نہ تھی۔

"گول چوک تک پیدل ہی جانا پڑے گا۔" گوتم نے یائوس ہو کر کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔

"اگر مارا بھی دھرتی گئی... تو ہمارے لیے مشکلات بڑھ جائیں گی۔" میں نے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے اندیشہ زبان سے ظاہر کر دیا۔

"گوتم بات میرے اصول کے منافی ہے مگر مجبوری ہے پیارے۔ پہلے حالات کا چہرہ دیکھنے تم ہی دہاں جاؤ گے۔"

"اندر تک نا...؟" گوتم نے پوچھا۔

"نہیں... میں نے جواب دیا۔ میں بہت سارے عزیزوں کو بندے میں چننا کرتا رہا ہوں انہیں چاہتا۔ تم صرف حالات کا جائزہ لو گے اور پھر مجھے رپورٹ دو گے۔"

"مجھے کسوٹی سے ایک رگڑ تو کھلنے دو ماسٹر۔ وہ ملتی انداز میں بولا۔" کھڑا ہوا تو منہ چھپا کر کسی طرف نکل جاؤں گا۔ کھوٹے سکے سوائے

شہر زندگی کے کچھ نہیں دیتے ماسٹر... "میری کسوٹی پر تم نے خود کو منوالیا ہے تم۔" میں نے بازو پھیلا کر اسے پہلو میں میٹ لیا۔ مجھے اپنی کسوٹی پر ہی بھر دوسرے ہیں دوسرے کی کسوٹی پر ایک ہی اکول ضائع کر دیں۔" "جنت کی کسوٹی دوسری ہوتی ہے ماسٹر۔ دشمن کی کسوٹی پر مجھے آزماؤ۔"

"تم زیادہ جذباتی باتیں نہ کیا کرو۔ دیکھو وہ ٹیکسی خالی ہے۔ وہ میرے بازو کے حصار سے ٹپ کر نکل گیا اور ہاتھ اٹھاتے ہی زور سے چیخا۔

"ٹیکسی... ڈرائیور نے دیکھ تو لیا تھا لیکن رفتار زیادہ ہونے کی وجہ سے بہت آگے جا کر روک سکا تھا۔

"بیک کرو۔" گوتم نے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا لیکن ڈرائیور نے چہرہ باہر نکال کر ہمیں آنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

ٹپل اسکوٹر ڈشیزوں میں نہایا ہوا ہمارے ہاں کے ماڈل ماڈن جیسا خوب صورت اور بلند بالا کوٹھیوں کا علاقہ تھا۔ فرق صرف اتنا ہی تھا کہ ہمارے ہاں کوٹھیاں دو چار منزلہ ہوتی ہیں مگر وہاں چھ سے دس منزلہ کوٹھیاں وسیع و عریض رقبے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ غالباً کسی نئی تعمیراتی کمپنی کے تحت وہ جگہ آباد کی گئی تھی کیونکہ ہر دوسری تیسری کوٹھی کے بعد کوئی کوٹھی زیر تعمیر دکھائی دے رہی تھی

مدرائے کے بلکے ہوئے پتے پر گوتم کو روانہ کر کے میں ایک زیر تعمیر کوٹھی کے سلسلے ریت بھری کے ڈھیر پر بیٹھ گیا تھا۔ ٹھنڈی اور گرم آلود ریت نے میرے ہاتھ ہوئے اعصاب کو بڑا ہی سکون دیا تھا۔ میں بیٹھے بیٹھے نیم دراز ہوتا چلا گیا تھا۔

منہ پر کے چہرے کا غمازہ آہستہ آہستہ ماند پڑتا جا رہا تھا اور آسمان کے دھندلے دھندلے ستاروں کی روشنی تیز ہونے لگی تھی۔ ایک طیارہ اتر پورٹ کی جانب ایسے جھپکا جا رہا تھا جیسے کوئی تھکا ہوا پرندہ اپنے گھونسلے کی طرف لوٹ آیا ہو۔

گوتم دس پندرہ منٹ کے بعد جب تیز تیز قدم اٹھاتا واپس آیا تو میں ریت پر چرتیشاریت سے کھیل رہا تھا۔

"کچھ پتہ نہیں چل سکتا ماسٹر۔" اس نے میرے قریب گرے ہوئے بتایا۔ لافند فلور ایک سرے سے دوسرے تک مارکیٹ ہے گاؤں اور تمام زمین نوجوانوں کا بلے پناہ شہر ہے۔ مطلوبہ فیلڈ کے نیچے بار ہے۔ سوناماسٹر بے یقینی اور آن دیکھے شکار کے لیے اچھے شکاری چلے گا۔ آرمودہ طریقہ استعمال کیا کرتے ہیں۔ دیکھو کچھ حاصل کرنے کے لیے کچھ خرچ بھی کرنا ہوتا ہے۔ مطلوبہ شے شوکیں سے بول دیکھنے اور سوچنے

"اپنا سوال دہراؤ ماسٹر۔ گوتم کی آواز میں ہلکی سفاکی تھی۔
 "نہیں... یقین کرو۔" جھٹکے خون ٹھوک کر کہہ "ہم تو
 مادام شیک کی تیمارداری پر مامور ہیں۔ چیغے اُسے ڈیوڈ زنگ بوم
 سے یہاں منتقل کرنے کا حکم دیا تھا۔ زنگ بوم کا ڈاکٹر صبح شام نمکشن
 لگاتا ہے۔"

"ڈاکٹر کا نام...؟" میں نے پوچھا۔

"ڈاکٹر خان... جھٹکے بتایا۔ مادام شدید مجبوظ الحواس ہے۔ اس
 لیے اُسے نیم بے ہوش رکھا رہا ہے۔"
 "شکریہ جھٹ۔" میں نے اُس کی پشت پر تھپکی دی اور کھڑا ہو گیا۔
 "گوتم جھٹ اب بہار دوست ہے، تم خیال رکھو گے۔"
 "اوہ کے ماسٹر، گوتم اڑیاں بجا کر بولا۔ اگر وہ لڑکی مداخلت کرے
 تو...؟"

"بچی کو پیار سے ایک آدھ ٹانی دے کر خاموش کر دینا۔" میں نے
 مخصوص نرم میں اُسے سمجھایا اور مارشال کو لے کر چل پڑا تھا۔
 "دوست...؟" جھٹ کی آواز سن کر میں نے چہرہ گھا کر دائیں کندھے
 کے آفت سے دیکھا۔ گرانٹو دروازہ نہیں کھولے گا۔ پہلے دوسری بات تھی۔
 اب اصولاً اُسے میری آواز ہی مطمئن کر سکتی ہے۔"

"بہت اچھے جھٹ... میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ "تم نے خود
 کو اچھے انعام کا مستحق بنا لیا ہے۔ آؤ تعاون اور دوستی کو اور بھی مضبوط کرو۔"
 وہ کراہ کر اٹھا اور پھر جھٹ کو بیٹھ گیا تھا۔
 "آہ... میں شاید اندر سے ٹوٹ پھوٹ گیا ہوں۔" وہ کہہ رہے لگا۔
 "مجھے وہاں تک سہارا دو۔"

میں نے اُسے سنبھال کر باہنوں میں بھر کر اٹھایا اور وہ قدم قدم
 چلتے لگا۔ درد سے مسلسل سسکیاں لے رہا تھا۔
 "اپنی آواز کو سنبھا لو دوست۔" دروازے کے قریب جا کر میں نے
 اُس کے کان میں کہا۔ "درد وہ کھٹک جائے گا۔"
 "بہت سنبھال رہا ہوں۔" وہ پاپ کر بولا۔ "لیکن درد کی بہریں
 ناقابل برداشت ہو رہی ہیں۔"

"دروازہ کھولو گرانٹو۔" جھٹ نے مشکل آواز کو میٹ کر کہا۔ "وہ دونوں
 واپس چلے گئے ہیں۔"

چابی گھومنے اور پھر لٹو کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی۔ میں نے جھٹ
 کی کمر پر گرفت مضبوط کر لی اور جوں ہی دروازہ کھلا۔ یہ دیکھ کر گرانٹو
 کوئی مضحکہ خیز یا گراؤنڈ لہجہ ہی نہیں تھی۔ میں نے دائیں پاؤں کی ٹھوک زخمی
 کواڑ کو ماری اور جھٹ کو گرانٹو پر اچھال دیا۔

جب میں اور مارشال اچھل کر اندر داخل ہوئے تو گرانٹو جھٹ کے جسم کو

گرانٹو کو میزبانی کا شرف دو یا اپنی لاش چھوڑ جاؤ یا اگر انٹو کی لاش
 ہلاک کر مطلوبہ شے نکال لے جاؤ۔"

"میں تمہاری لاش بچھلانگے والی تجویز پسند کرتا ہوں۔" میں نے
 بھون بھون برقرار رکھا ہوا تھا۔ ایسے لمحے جب درد حریف آنے سے
 نہیں پرہیز کرتا تھا۔ ہوں تو سکون کا نفسیاتی ہتھیار بد مقابل کو اٹھا
 کرتا ہے۔ میرے سکون اور سکراہٹ نے گرانٹو کو بھی متاثر کر دیا تھا۔ اُس
 نے جبر کے سفاکی پریشانی میں بدل گئی تھی اور آنکھوں میں بہریں ماری
 گئی تھیں۔

"کوئی دوسری شرط؟" اُس نے فرار کے لیے پہلی بار راستہ تلاش
 کوئی مطالبہ...؟
 "میں ساری کشتیاں جلا کر ادھر سودا کرنے نہیں آتا۔ لاش میری ہو
 گا۔" اُس نے چہرہ ذرا سا گھرا کر اپنی غلطی کی تلافی کا جائزہ لیا لیکن ہلواور
 اس سے دودھ اور میں صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ پھر بھی مجھے بالوں
 کا اٹھا کر وہ پیچھے سرکنے لگا تھا۔

"نہیں احمق دوست..." میں نے طنز پر لبے میں کہا اور زمین سے
 اٹھ کر گرانٹو کے پہلو سے خطا ہونے والے تیر کی رفتار سے اُس کے عقب
 میں جا کر اٹھا۔

یہ کارروائی اتنی تیز اور غیر متوقع رہی تھی کہ گرانٹو جیسے تجربہ کار لڑاکا
 کی ہونٹ چبا کر رہ گیا ہوگا۔ جب وہ میری کارروائی کو سمجھ کر ہٹا تو راستہ منقطع
 ہو چکا تھا۔ گرانٹو وہ لحظہ کھو چکا تھا جو اُسے میں نے سنبھلنے کے لیے دیا تھا۔
 مارشال آتش دان کے قریب کرسی پر بیٹھی جیسے ٹی وی اسکرین پر
 نمودار رہی تھی۔

"بھاری کام ختم کرو ختم کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔" مارشال نے ایسے
 ہماری انداز میں کہا جیسے ہم گھاس کھونے میں مصروف تھے۔ میری توجہ
 مارشال کے لیے مارشال کی آواز نے بانٹ دی تھی اور اسی قلیل وقفے میں گرانٹو
 نے گیس کی ابتدائی آواز کی تھی۔ میں نے جب چونک کر دیکھا وہ فضا میں بند ہو
 چکا تھا۔ اُس کا انداز بالکل ویسا ہی تھا جس سے میرا سابقہ جھٹکے ترخانے
 میں پڑ چکا تھا۔ سناؤ بھی اسی طرح فضا میں تیرتا میرے اوپر سے گزر گیا تھا۔

لیکن گرانٹو نے اوپر جا کر شاہین کا انداز اختیار کرتے ہوئے میری
 جانب غور کیا تھا۔ میں نے تو سب کی پوزیشن میں تھانہ ہی جھکائی دے
 سنا تھا۔ اندازہ یہی تھا کہ وہ سیدھی خنجر بردار انگلیاں میری آنکھوں میں
 گونپنے کا ارادہ رکھتا ہے یا نیچے جھک کر سائڈ کک مارتا ہو اجماع میں گہر
 اور بارش کاغذ ڈال دے گا۔ اُس کا کوئی ناخن میری گردن کی رگ جس پھاڑ
 لگتا تھا۔

میرے لیے صرف ایک ہی داؤ تھا۔ وہ بھی اندھا اور غیر یقینی۔ میں
 انٹی قلابازی میں جا کر اپنے جوتے یا زیادہ سے زیادہ پنڈلیوں کو جھینٹ
 چڑھا دیتا۔ سیکنڈ سے بھی کم وقت میں سونچا اُبھری اور فیصلے پر عمل بھی
 ہو گیا تھا۔ میں پشت کے بل اُٹھا اور ابھی میرا جھم اُفتی حالت کے درمیان
 مرے گزر رہا تھا کہ گرانٹو کی ٹکڑ میرے پیٹ پر فزنی پھری طرح لگی۔
 مجھے یوں لگا جیسے جسم ٹوٹ کر دو مادی حصوں میں بٹ گیا ہو۔ اوپر
 کی سانس کہیں اوپر ہی کھٹ گئی تھی اور پچھلا دھڑکن ہو گیا تھا۔

اصولاً اُسے میرے ساتھ ہی میرے پیٹ پر گرنا چاہیے تھا لیکن
 جب میں پشت کے بل فزنی پر گر کر گرانٹو دائیں جانب کھڑا مل رہا تھا۔
 "اُٹھو چوہری..." اُس کی آواز میرا سینہ چیر گئی تھی۔ یہ تمہاری
 اُس شائستگی کا صدمہ ہے جو تم نے چند منٹ مجھے سنبھلے کا موقع دے کر متاثر
 کیا تھا۔ گرانٹو نے مال کا دودھ پی لیا ہے۔ میں نے منہ سے کہہ دیا کہ تم
 ساتھ قوت اور مردت کے جوہر رکھتے ہو۔ یقیناً آج کی فائٹ باڈگار
 اور مثالی ہوگی۔"

مجھے بھی گرانٹو نے متاثر کیا تھا میری پوزیشن بے حد نازک ہی ہو
 گئی تھی۔

"اُٹھو دوست اور اچھی فائٹ دو۔" اُس نے دوسرا جوتا مارا۔
 وہ کچھ بھی تھا لیکن میرا حریف تھا اور میری بے بسی کا مذاق اُڑاتا تھا۔ اُس
 نے خود کو برتری کے نشے میں ڈبو دیا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ فزنی پر مارے۔ انداز بے بسی کے انہار کا
 ہی تھا لیکن میں نے اُس کی توجہ کو توڑ لیا تھا۔ وہ مجھے ہاتھ پاؤں مارتے
 دیکھ کر مارشال کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ ہاتھوں پر جسم تول کر میں نے برق رفتاری
 سے جسم کا زاویہ درست کیا اور پھر تباہی جگمگ کسی خیرے کی طرح سنسناتا
 ہوا اوپر اٹھ کر گرانٹو کی جانب گیا تھا اور جب دونوں پاؤں اُس کی
 ٹانگوں کے جوڑ پر لگے تو اُس کے حلق سے بڑی کرب ناک دھاڑ اُبھری
 تھی۔ وہ اگر دل ہو کر کئی قدم لڑ کھڑا تو اُصوفے پر جا پڑا تھا۔

"اب میں یقین ایک اور موقع دے رہا ہوں گرانٹو، اُٹھو۔"
 وہ جھول کر اٹھا اور آہستہ آہستہ سیدھا ہو گیا۔ پھر اُس نے اچھل
 کر پاؤں پھیلانے اور بازوؤں کو قوس کی شکل میں لے گیا۔

فاصلہ تین سو کم ہو رہا تھا اور میں اُس کے داؤ کو سمجھنے کی کوشش
 کرنے لگا تھا۔ اچانک اُس لات گھومی اور میری گردن پر دھماکا ہوا۔
 میں چوٹ کھا کر دائیں جھک ہی رہا تھا کہ دوسری لات کی ضرب چہرے
 پر لگی۔ میں سر جھٹکتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

تیسری بار وہ فلائنگ کک مارنا چاہتا تھا۔ اگر میں جھکائی رہے
 کر دے نہ نکل جاتا تو تیسری چوٹ مجھے ناکارہ ہی کر دیتی۔

مناد ہما کا گونجا اور گولی میرے دایں شانے کی کھال میں اگل لگاں
چھت سے نکلے گلوب سے ٹکرائی اور چھک کے ساتھ ہی کمرہ تاریکی میں
ڈوب گیا تھا۔

جنونی کیفیت جھگ کی مانند چٹ گئی تھی اور میں نے خود کو
ذرا فرش پر گر دیا تھا۔ لڑھکے لڑھکے گرائیوں اور کی جانب چلا گیا تھا۔
یقیناً اس نے لڑھکے کا عذاب منزل مقصود کی خاطر ہی برداشت کیا تھا۔
"مارشا! اندھیرے میں چیخ کر میں نے ہدایت دی" زمین پر کسی
آڑ کا سہارا لے لو۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کدوٹ بدل کر اپنی پوزیشن
بھی بدلی تھی۔ عین اسی وقت گرائیوں نے آواز پر فائر جھونک دیا تھا۔ اگر میں
کروٹیں نہ لیتا تو گولی میرے منہ میں بھی اتر سکتی تھی۔

میں نے بھی اپنا ریلو اور نکال دیا تھا اور صوفے کی آڑ سے چہرہ باہر
نکال کر گرائیوں کی پوزیشن آہٹ سے معلوم کرنے لگا تھا۔

بغلی دروازے کی بھریاں روشنی کی کرنیں باہر بھیج رہی تھیں۔ اندر
والا کمرہ روشن تھا۔ میں نے تمام تر توجہ روشن بھریوں پر مرکوز کر دی
تھی مگر گرائیوں کی حرکت کرتا ہوا اپنی جگہ بدلنے کی کوشش کرتا تو اسے کسی وقت
کسی بھری کے سامنے آنا چاہیے تھا۔

مارشا کے وجود کا بھی خطرہ تھا۔ وہ بھی بھری کے سامنے آ سکتی تھی۔
اور میری اندھی گولی اسے بھی نہ پہچان سکتی تھی لیکن اندھیرے میں اندھا
کیس شروع ہو چکا تھا اور میں مجبور تھا۔

دل کی دھڑکنوں کے حساب سے کئی منٹ گزر گئے تھے۔ ہر شے
ساکن اور خاموش تھی۔ حالانکہ کمرے میں تین دن دھڑک رہے تھے۔ میں نے
جوتا اتارا اور بغلی دروازے پر دے مارا۔ گرائیوں نے دھائی سے فائر کر
دیا اور میں نے ریلو کے منڈے سے نکلنے والے شعلے کو کمزماں کر ایک فٹ
دائیں ان دیکھے ہدف کا نشانہ لیا اور ٹرائیگر دبا دیا۔ شعلہ اچھلا اور جیٹیک
چیخ اندھیرے کو چھاڑتی ہوئی ڈوب گئی تھی۔ وہ گرائیوں کی چال بھی ہو
سکتی تھی پھر دوسرا نشانہ آواز کا لگایا۔ دوسری مرتبہ بھی ڈکرنے کی آواز
اُبھری تھی۔

تب میں نے اندھا رسک لینے کا فیصلہ کیا اور ریٹنگا ہوا بغلی دروازے
تک گیا۔ لیٹ کر ندر سے دو تکی کواڑوں پر ماری۔ کواڑ چڑھتے ہوئے نکل
گئے اور روشنی کا سیلاب اندھیرے کو کھاتا ہوا اندر آ گیا تھا۔

میں سائنڈ ٹیبل کی آڑ میں تھا اور مارشا آتش دان کی دیوار کے
ساتھ اکر دی ہوئی دکھائی دی۔ میں نے ٹیبل کے نیچے سے جھانک کر
دیکھا۔ خون کی چوڑی پیکر سے نئے فرش پر اپنی حوالت بڑھاتی جا رہی تھیں
اور گرائیوں نے منڈے گھنٹوں کے بل پڑا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹ
کے نیچے دبے ہوئے تھے۔

میرے اندر سے کھک کی جیتی ہوئی سانس نکلی۔ میرے ہاتھوں
ایک اور انسان مڑ گیا تھا جس کی میرے غاندان سے کبھی کوئی دشمنی نہ تھی
جو پیٹ کی خاطر میری طرح کسی دوسرے کے مفادات کی جھینٹ چڑھ
گیا تھا اور انسانی خون کا دھبہ میری کتاب میں درج ہو گیا تھا۔

میں نے اٹھ کر اسے سنبھال کر سیدھا کیا۔ اس پر نریخ طاری تھی
اور ناک سے خون کے بلبلے جھوٹ جھوٹ کر میں رہے تھے۔ ایک گولی
دائیں پہلو میں پوسٹ تھی اور دوسری گردن پھاڑ کر دوسری طرف چڑھ
گھاؤ بناتی نکل گئی تھی۔

"یہ مر رہے مارشا..." میں نے دکھ سے بتایا۔ میں ایڈنا کو اپنے
اندھار ہاتھوں، تم باہر کا خیال رکھنا۔ اگر مانا چاہتی ہو تو جاکر تیار ہو جاؤ۔
اس نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ جب میں اندھار ہاتھ لگا تو وہ
چپ چاپ کھڑی تھی۔

دوسرا کمرہ غالباً اسٹور روم تھا، جسے عارضی طور پر صاف کر دیا تھا۔
کوئی چار اینٹوں کے پلٹے تھے اور ان پر اسٹر بچر رکھا ہوا تھا۔ پانی
پر پانی سے بھرا ہوا جگ اور ایک گلاس تھا۔ ایڈنا کمبل کے نیچے بے حس
بے حرکت لیٹی ہوئی تھی۔ میرے پاؤں تک کمبل میں مدفون تھی۔

میں نے پہلے گلاس بھر کر پانی مقل میں اندھیل اور پھر گھنٹوں کے
بل بچھ کر نہایت ہی احتیاط سے کمبل کا کونا پکڑا اور ایڈنا کا چہرہ نکال
کر دیا۔

"اوه... نہیں..." بے اختیار نہ چیخ میرے منڈے سے نکل گئی تھی۔
"دھوکا... چال..." میرا سارا جسم غم اور غصے سے دھک اٹھا تھا۔ وہ ایڈنا
نہ تھی۔ میرے سامنے جو بد صورت بھریوں میں آنا سیاہ چہرہ تھا وہ میری
پسندیدہ اور ہانگ کا ٹنگ کی حسن ترین ایڈنا کا ہرگز نہ تھا۔

"مارشا... مارشا... بد کردار مارشا..." میں مٹھیاں جھینچ کر غرا گیا تھا۔
جواب دینا ہو گا۔

میں دھڑکنا ہوا باہر نکلا اور دیکھ کر میرا گھونٹا ہوا جسم جھک سے
اڑ گیا تھا۔ باہر مارشا نہ تھی۔ وہ مجھے جال میں پھنسا کر خود صاف نکل گئی تھی۔
میں گرائیوں کی لاش کو ٹھوکر لگا ہوا ابھی دد قدم ہی بڑھا تھا کہ
باہر سے بے شمار قدموں کی دھمک سنائی دی۔ جیسے پوری پلاٹون دشمن
کو گھیرنے کا انداز کی رہنمائی میں بڑھ رہی ہو۔ اب سوچنا اور فخر ہونے کا کیا
سکند بھی میرے پاس نہ رہا تھا۔ ناگن اپنا سارا زہر میری رگوں میں اندر
کی میں دایں پلکی گئی تھی جس موت کے خوف سے میں چھپتا بھڑک رہا تھا۔
وہ لڑکی مجھ تک لے آئے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ موت کے پاؤں کی دھمک
لوہ لٹو بڑھ رہی تھی اور میں کمرے کے وسط میں پتھر بنا کھڑا تھا۔

جھون جوں قدموں کی دھمک کسی وزنی ہونے

کی ضربوں کی طرح ذہن اور روح کے کواڑوں پر
لگ رہی تھی، میرے جسم کا خون جیسے معمول کی گردش بھول کر میرے
چہرے اور کچھ پڑی میں ہی لہریں مارنے لگا تھا۔ کپشیاں اس شدت سے
پھٹنے لگی تھیں جیسے خون کھال پھاڑ رہا ہو، دل بھی سینے کے پیچ پر پکے
دار رہا تھا۔ موت اور ناکامی کا دھوکہ لکھی جاندار جیسا اپنی جگہ تو تھا ہی... لیکن
نامقابل برداشت غصہ اس چوٹ پر تھا جو مارشا نے بغل میں بیٹھ کر لگائی
تھی۔ مجھ میں ایک بری عادت بڑی متکبر رہی ہے۔ میں نے متعدد بار دشمن
کو معاف کر دیا ہے۔ عین اس لمحے رحم کے جنبے میرے قدموں... اور
ہاتھوں کا رخ پھیر لینے کا فیصلہ کرتے رہے ہیں جب دشمن اور اس کی
موت کا فاصلہ ایک بالشت سے بھی کم ہوتا تھا... لیکن میں نے آج
تک اپنے دوست نما دشمن سنا فتنہ غدار اور پکا دشمن کو کبھی معاف
نہیں کیا۔ ایسے لوگ میرے نزدیک کسی رعایت اور رحم کے مستحق نہیں
ہوتے۔ غالباً ہر ملک کے قانون میں بھی ان کے لیے رعایت کی گنجائش
نہیں رکھی جاتی۔ میں نے بھی اپنے اندر قانون اور اصول بنا رکھے ہیں اور
جب کبھی فیصلہ کرنے کی قہمت میسر ہوتی ہے تو میں ان ہی قوانین اور
امور کی روشنی میں فیصلے کرتا ہوں۔

مارشا دوسری لڑکی تھی جس نے خلوص، پیار اور خوب روی کے
نام پر مجھے دس لیا تھا۔ پہلی بار سوئیڈا نے چوٹ دی تھی لیکن اس کی
غدارئی کا تعلق براہ راست میری ذات سے نہ تھا۔ وہ اپنے پاس می جوگو
ڈبل کر اس کرتے ہوئے مجھے بطور چارہ استعمال کرنا چاہتی تھی۔ شاید یہی وجہ
تھی کہ میں نے اسے سزا موت نہیں سنائی تھی بلکہ اس سے بھاری جرمانہ
وصول کر لیا تھا۔

آنے والے لمحے کی منتھی میں کیا دبا ہوا تھا، اس کا علم صرف...
اللہ تعالیٰ کو جوتا ہے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ آنے والے کون ہیں
کہتے ہیں۔ وہ آتے ہی میرا جسم پھینکی کر دیں گے یا گرفت کرنے کا حکم نامہ لے
کر آئے ہیں۔ میرے اندر تو صرف ایک آگ بھڑک رہی تھی۔ میں مرنے
یا ان کی گرفت میں آنے سے قبل مارشا کو بھیا تک سزا دینا چاہتا تھا۔ اس
غیر یقینی لمحے میرے دل میں بس ایک ہی شدید خواہش تھی۔

معاذ دوزخ سے ہونے قدموں کا شور، گہرے سناٹے میں ڈوب گیا۔
یا میری سماعت میرا ساتھ چھوڑ گئی۔ شور اور خوف سے کہیں زیادہ، مجھ پر
خاموشی اخصاب شکن ثابت ہو رہی تھی۔ میرے اکڑے ہوئے پیٹھے خود بخود
لنگرتے چلے گئے تھے اور ریلو اور کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ جب سکوت
کا بھوت میرے حواس پر طاری ہونے لگا تو میں نے باہر جانے کا فیصلہ
کر لیا۔ یہ فیصلہ بھی انسانی فطرت کے عین مطابق ہی تھا۔ پیچھے جس چیز سے
خوف زدہ ہوتا ہے، چلا جاتا ہوا، اسی کی جانب پیک جلیا کر رہے۔

میں بھی خوف کے زیر اثر ہی باہر نکل رہا تھا کہ مارشا دروازے
میں مجھے ٹکرائی۔ میں اسے اپنے سامنے اندر قریب پا کر ہونٹ ساہو
گیا۔ حالانکہ میری شدید خواہش تھی کہ اسے دیکھتے ہی چھٹ کر اس کی
نازک سی گردن مر ڈر دوں گا لیکن جب وہ اچانک سامنے آئی تو میں
برف کی بل بن گیا۔ اچھا ہی ہوا۔ قدرت نے مجھے ایک صدمے اور
پھٹکانے سے بال بال بچا لیا تھا۔ اگر میں اپنی اس خواہش کی تکمیل کر
لیتا تو نہ جانے کب تک بچتا ہوں کے بچھو، مجھے قہر سے رہتے۔

"ادھر بڑی خطرناک گزرتی ہو گئی تھی۔ مارشا کی آواز میری سماعت
سے ٹکرائی۔" چاؤشی نے نہ جانے کیسے پولیس کو کال کر لیا تھا۔ دراصل جب
تم لوگ بھٹ پر تشدد کر رہے تھے تو وہ بھی کہ غصے اندر گھس آئے ہیں
قدموں کی وزنی چاپ سے میں نے فوراً جان لیا کہ ادھر گزرتی ہو چکی ہے۔
اب سب ٹھیک ہے۔ میں نے بروقت مداخلت کر کے چاؤشی کو خاموش
کرتے ہوئے بھٹ کی طرف ان کا رخ پھیر دیا تھا۔ بھٹ نے بھی میرے بیان
کی تردید نہیں کی۔ وہ گوتم کا شکریہ ادا کر کے بھٹ کو اپنے ساتھ لے گئے۔
میری ناک سے ایک طویل سانس نکلی اور میں نے خدا کا شکر ادا
کیا جس نے غلط فہمی کے اندھیروں میں اٹھنے والا میرا ایک غلط... اور
خطرناک قدم روک کر مجھے ایک گناہ سے بچا لیا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" میں نے پلٹ کر چلے ہوئے کہا۔ ادھر بھی
خاصی پر زور گزرتی ہے۔

"اوه..." وہ لپک کر میرے پہلو میں آگئی۔ کیا وہ لڑکی
اندھ نہیں ہے؟

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے لیے ہوئے سیدھا اندر چلا
گیا۔ کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جن کے جواب، زبان اور کانوں کی سمجھ
سے بالاتر ہوتے ہیں۔ مارشا کے سوال کا تعلق بھی ایسے ہی مشکل سوالوں
سے تھا۔ اس لیے میں اسے جواب دیکھنا چاہتا تھا۔

میں نے جھک کر مرہض کے چہرے سے پردہ اٹھا دیا۔ میری طرح
مارشا بھی حیرت سے اچھل پڑی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ میں دھاڑا تھا
اور مارشا کی چیخ اُبھری تھی۔

"اب تم جواب دو گی مارشا! میں نے سزا آواز میں کہا۔ یہ میری
مطلوبہ لڑکی نہیں ہے۔ آخر کیوں اور کس کے کہنے پر تم مجھے یہاں لائی ہو؟
ایک منٹ خرم پلیر! میرا اٹھا ہوا ہاتھ دیکھ کر وہ دو قدم
پیچھے ہٹ گئی۔ رت عظیم کی قسم خوشبو، ایڈنا کے جسم کی ہے۔ میری
جس مجھ سے جھوٹ نہیں ہوتی۔" اس نے مجھے قدرے تذبذب کی
حالت میں دیکھ کر کمبل کا کونا پکڑا اور فرش پر چھینک دیا۔ کمبل پٹتے
ہی حیرت کا دوسرا جھٹکا میرے وجود کو لگا تھا۔ وہ جسم دھاتھ اور پاؤں

کسی بڑھیا کے ہرگز نہ تھے۔ گداڑ و ملائم۔ گورے گورے ہاتھ، بھری بھری گول کھانیاں اور ٹیک لگائی پاؤں... ایک ایک عضو زبان سے پکار رہا تھا کہ بوزرے بد صورت چہرے والی عورت ایک لاثانی اور پر شباب جسم رکھتی ہے۔ یہ ایڈنا ہے خرم چوہدری! مارشال نے کہا اور میں نے جھجک کر اپنا دایاں ہاتھ اس کے کچھری بالوں میں داخل کیا اور جب ہاتھ اٹھایا تو وگ کے ساتھ مصنوعی چہرے کی جھلی بھی اٹھرتی چلی آئی تھی۔ اب جو چہرہ تھا وہ بلاشبہ ایڈنا ہی کا تھا۔ وہ بے ہوش تھی اور اس عالم میں اس کا حس بچہ اور بھی بکھرا بکھرا دکھائی دے رہا تھا۔

میں خود واقعی خطرناک غنڈہ تھا۔ وہ اپنی چھوٹی سی کھوپڑی میں ذہین اور شاطر دماغ رکھتا تھا۔ اس نے ایڈنا کو چھپانے کا بہترین طریقہ اپنا لیا تھا۔ اگر مارشال میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں منزل آشنا ہو کر بھی اپنی بوٹیاں لوجہتا ہوا، ناکامی کا یوجہ اٹھائے واپس چلا جاتا۔

ایڈنا اگر اپنے سہارے چلنے کے قابل ہوتی تو کوئی پریشانی نہ تھی لیکن وہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یقیناً اسے کسی طاقت ور دوا کے زیر اثر لگا گیا تھا۔ مقصد ہی رہا ہو گا کہ وہ میٹھوں پر بھی خود کو ظاہر نہ کر سکے... لیکن دشمن کے گھر میں ایک لاش کے قریب بیٹھ کر پریشانی کا حل سوچنے کی کوشش کوئی حق ہی کر سکتا تھا۔ مجھے ایڈنا کو کسے کر بلا تاخیر لکھنا تھا۔

ہم جن حالات کے تحت فلیٹ سے نکل کر بھاگے تھے ان حالات

میں اپنی کار استعمال نہ کر سکتے تھے۔ مارشال بھی ہماری وجہ سے خانہ بدوشی سے دوچار تھی۔ چاروشی بدلن ہو چکی تھی۔ وہ ہم جیسے بد معاشوں کو اپنی کار استعمال کرنے کی اجازت ہرگز نہ دیتی۔

بہر کیف کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ ہمارا واسطہ ایک خطرناک مجرم گروہ سے تھا۔ لہذا راست قدم اور سیدھی انگلی کے علاوہ دوسرا کوئی بھی راستہ بنانا ضروری تھا۔

لفٹ تک اسٹریچر میں اور مارشالے گئے تھے۔ گوتم چاؤنشی کے کھلے دروازے ہی میں کھڑا تھا۔ میں نے اشارہ کیا تو وہ دوڑا ہوا آگیا۔

مارشال تم نیچے جا کر ٹیکسی کا انتظام کرو۔ میں نے کہا۔ اسے بتانا کہ ایک مریض کو ڈیوڈ زرننگ ہم تک لے جانا ہے۔ مارشال انجان تھی۔ اسے میں نے منصوبہ نہیں بتایا تھا۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا مگر میری گہری سنجیدگی نے اس کی زبان بند کر دی تھی۔

میڈم کو بھی نیچے چلیں، ماسٹر! گوتم نے رائے دی۔ پارکنگ میں ٹیکسیاں ہوں گی۔

”نہیں، گوتم! میں نے کھردری آواز میں کہا۔ نیچے مارکیٹ ہے،“

یہ جو کا کوئی گرگا بھی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ ہم کتنے کا خطرہ مول لینے کی۔ بوزیشن میں نہیں ہیں۔

پانچ سات منٹ بعد لفٹ سے مارشال نکل اور ہم اسٹریچر اٹھا کر اندر داخل ہو گئے۔ مارشال دوسری لائن کی لڑکی تھی لیکن حالات نے اسے محتاط اور وقت شناس بنا دیا تھا۔ اس نے ٹیکسی سٹریچروں کے ساتھ لگوائی تھی۔ چونکہ سٹریچیاں وسیع گیلری میں تھیں اس لیے ہم کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر ایڈنا کو ٹیکسی میں منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

”زرننگ ہوم تک کتنا وقت لگے گا؟“

”دس پندرہ منٹ، منجاب!“ ڈیوڈ نے جواب دیا۔ میں نے گھڑی دیکھی اور ٹھیک پانچ منٹ بعد گوتم سے سرگوشی کی۔ اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بولا۔ ”براہ مہربانی، مجھے یہاں اتار دیں۔“

ڈیوڈ زرننگ ہوم ہمارے ہاں کے کسی بڑے اسپتال سے کہیں زیادہ بڑے سقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ ڈیوڈ نے ٹیکسی سب وے سے گزار کر ایمر جنسی گیٹ پر روک دی۔

”پلیز، ہماری مدد کرو۔“ مارشال نے لجاجت سے کہا اور ڈیوڈ نے آترکر اسٹریچر لگوانے میں میری مدد کی۔

مارشال نے کمرایہ ادا کیا اور میں نے ڈیوڈ کو شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے جلنے کی اجازت دے دی۔

اسٹریچر دیکھ کر دو دروازے مستعدی سے ہلکے لیکن میں نے ہاتھ اٹھا کر انھیں روک دیا۔ ”اس کا بھائی آرہا ہے۔“ میں نے ایڈنا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم اسے آفس سے لائے ہیں۔ یہ فیصلہ وہی کر سکتا ہے کہ بہن کا کہاں اور کس ڈاکٹر سے علاج کرانے کا۔“

دونوں لڑکے کندھے اچکاتے اور مارشال پر حیرانہ نگاہیں ڈالتے ہوئے واپس چلے گئے۔

”تم کیا کرنا چاہتے ہو خرم؟“ مارشال نے پوچھا۔ ”اسے یہاں داخل کروانا چاہتے ہو؟“

”نہیں...“ میں نے مختصر سا جواب دیا۔ کیونکہ ایک ٹیکسی ریبے پر فوڈار ہوئی تھی اور میں نے اس میں گوتم کو دیکھ لیا تھا۔

یہ طویل اور پیچیدہ طریقہ کار اختیار کرنے کے پیچھے وہ خوف تھا جو میرے تعاقب میں کسی کینڈر پر دروازے کی طرح لگا ہوا تھا... ایڈنا

میں نے اسے لیے جو اہمیت اختیار کر چکی تھی اسے پیش نظر رکھتے ہوئے ہی میں نے یہ الجھا ہوا راستہ اختیار کیا تھا۔ می جو تفتیش کا آغاز یقیناً ٹیبل اسکوائر ہی سے کرتا۔ اگر اس ٹیکسی کا مستقل اڈہ وہی پارکنگ لاسٹ

قاتل جو کے شکار رہے، تو سوچتے ہوئے اس تک پہنچ سکتے تھے۔ اگر میں ایڈنا کو براہ راست گوتم کے فلیٹ میں لے جاتا تو جیسی ڈرائیور ان کو لے آتا اور وہ بورھا شیطان دو جمع دو کا جواب مسٹر بیکر نکال لیتا۔ جب کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ بیکر کی پوزیشن مشکوک اور کمزور ہو جائے نہ ہی ایسی فضا، اس منصوبے کے مفاد میں جاتی تھی جو جوابی جوت کے لیے ہمارے زیر غور تھا۔

مارشال کو میں اپنے قریب نہیں لکھنا چاہتا تھا لیکن ایڈنا کی بیمار داری اور دیکھ بھال کے لیے مارشال کی ضرورت ناگزیر تھی۔ میں ایڈنا کو اس کے باپ کے پاس بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ پہلی وجہ اس کی حفاظت کا مسئلہ تھا۔ بورھا باپ ایک مجرم گروہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں اور گوتم بھی منظر عام پر نہیں آنا چاہتے تھے۔ دوسری وجہ بیکر اور می جو کے درمیان گفت و شنید تھی۔ ایڈنا کو ہاتھ سے گنوا کر می جو کی پوزیشن بے حد نازک اور کمزور ہو چکی تھی۔ وہ من مانی شہر الٹ پر معاہدہ کرنے کے لیے بیکر پر دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا۔ دوسری طرف بیکر... بیٹی کی بازیابی اور اپنی... پوزیشن کی برتری کے مطابق آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر می جو سے بات کرتا اور ساتھ ہی ایڈنا کی واپسی کے لیے اس سے باوثوق ضمانت بھی طلب کرتا۔

ٹیکسی جب زرننگ ہوم کے بڑے گیٹ سے نکلی تو گوتم نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔ ”ہمارا فلیٹ ان کی نگاہوں میں آچکا ہے... ماسٹر! ہمیں میڈم کو کسی دوسرے محفوظ ٹھکانے پر لے جانا چاہیے۔“

”کیا کوئی اور ٹھکانہ ہے؟“

”ہاں...“ گوتم نے بتایا۔ ”شہر میں ایک فلیٹ ہے اور ساحلی علاقے میں ایک ہٹ بھی ہے۔“

”ہاں، میں وہاں جا چکا ہوں... لیکن چابیاں...“

”میری جیب میں دونوں جگہوں کی چابیاں موجود ہیں۔“ گوتم نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

”شہر کے اندر ہم زیادہ محفوظ رہیں گے۔“

پھر کسی نے کوئی بات نہ کی۔ ٹیکسی بتائے ہوئے راستے پر دوڑتی رہی اور میں آنکھیں موندے، گوتم کے کندھے سے سر ڈاکر آنے والے لمحات کی دھند میں کھو گیا۔ کیونکہ مستقبل کے خرم چوہدری کو بد کے ہوئے گھوڑے کی مانند دولتیاں بھاڑتے ہوئے حالات کے صحراؤں میں بھٹکنا نہیں تھا بلکہ ایک خود مختار کمانڈر کی طرح اپنے لیے محاذ تلاش کرنا تھا اور ایک طاقت ور فوج سے لڑنا تھا۔ میں ماضی قریب کے روندے ہوئے خرم سلطان کی کھال آمار پھینکنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اس فلیٹ میں ضروریات زندگی کی ہر چیز موجود تھی لیکن پلنگ

وہاں ایک ہی تھا۔ غالباً بیکر نے صرف اپنی ذات ہی کے لیے... خفیہ قیام گاہیں خرید رکھی تھیں۔ ایڈنا کی موجودگی اور نازک رشتے کے حوالے سے وہ فطری ضروریات اپنی اصل رہائش گاہ پر پوری نہیں کر سکتا تھا۔ باپ کے احساسات کے حوالے سے وہ قابل قدر شخص تھا اس نے جوان بیٹی کے رشتے کو برقرار رکھا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایڈنا کھاتے پیتے باپ کی اکھوتی بیٹی ہونے کے باوجود صاف ذہن کی مالک تھی۔ مارشال اور گوتم، دونوں ایڈنا کو دوسرے کمرے میں لے گئے تھے اور میں نے تنہائی کے اس وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاسکی ٹیلی فون پر بیکر کو کال کیا۔ تقریباً دو منٹ بعد بیکر کی دبی دبی آواز سنائی دی۔

”گرین ہلز ہوٹل کے ہاتھ روم سے بول رہا ہوں۔ وہ تینوں ہال میں موجود ہیں۔“

”آپ اپنے گھر چلے جائیں، انکل!“ میں نے کہا۔ ”وہ صرف آپ کی مصروفیات کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔“

”نہیں...“ میرا خیال اوبہ۔ وہ مجھے اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ میں دومرتبہ ان کا گھیر اتور کر یہاں پہنچا ہوں۔“

”ہوں...“ میرے منہ سے غراہٹ نکل گئی۔ ”ٹھیک ہے، انکل! آپ وہیں بیٹھیں۔“ میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ بیکر وہی پرانی ہدایت دے گا لیکن اب میں ہدایات اور احتیاط کی گرفت سے نکل چکا تھا۔ بیکر کو آزاد رہ کر معاہدہ کرنا چاہیے تھا۔ وہ تشدد کے ذریعے میری اب تک کی کوششوں پر پانی پھیر سکتا تھا۔ لہذا میں نے بیکر کو ان کے نرغے سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

گوتم جب باہر آیا تو خوشی اس کے انگ انگ سے چھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ ایڈنا کی رہائی اور میری کامیابی پر خوش نہیں تھا بلکہ اس کی خوشی مارشال کی موجودگی سے وابستہ تھی۔ گوتم اپنی محبت کا قریب پا کر سارے جذبے جیسے فراموش کر بیٹھا تھا۔

لیکن میں نے برا نہیں لیا کیونکہ اس مرض کے جراثیم میرے اندر بھی تھے۔ میں بھی محبت کا مریض رہ چکا تھا۔ زینت اور عابدہ کی محبت اور قربتیں مجھ سے بھی محبت کے سوا ساری سوچیں پھین لیا کرتی تھیں اس درد سے میں خود آشنا تھا تو گوتم کے درد سے کیسے بے خبر رہتا۔

”آج تم بہت خوش ہو، گوتم!“

”ہاں، ماسٹر! بہت ہی خوش ہوں۔“ وہ چپک کر بولا۔ ”میڈم بل گئیں اور مارشال یہاں ہے۔ زندگی بڑی خوبصورت ہونے لگی ہے، ماسٹر! مجھے مارشال نے بھیجا ہے۔ میڈم کے لیے ڈاکٹر کو کال کریں... طویل بے ہوشی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔“

"نارشاہ کہہ دو، اگر اس کا کوئی قابل اعتماد ڈاکٹر ہے تو کال کرے ورنہ میری واپسی تک انتظار کرو۔"

"پھر کہیں جا رہے ہو؟"

"ہاں، ہم اچھے بھارے لباس نے طلب کیا ہے۔ میں نے مارشا کا اسکارف اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے بتاؤ، گرین بلز ہوٹل کہاں واقع ہے؟" ساحلی علاقے میں، ملاخوں کی سستی کے عقب میں، ادھر ہی..."

باس کا ہٹ بھی ہے۔

"تم ادھر لڑکیوں کا خیال رکھو گے، ہم اگر ایڈنا ہوش میں آئے تو مارشا کی وجہ سے زیادہ پریشان نہیں ہوگی۔"

ابھی میں نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ مجھے اس جھلی کا خیال آگیا جو ایڈنا کے چہرے سے اُتار کر میں نے غیر ارادی طور پر جیب میں رکھ لی تھی۔

میں نے جھلی نکالی اور قد آدم آئینے کی جانب بڑھ گیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کی دروازے سے قہقہہ نکال کر، وگ کے بال اپنے بالوں کے مطابق تراش دیے اور وگ سمیت جھلی اپنے چہرے پر چڑھالی۔ آئینے میں اپنی بدلی ہوئی کریہ صورت دیکھ کر بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔

ٹیکسی نے جب مجھے پارکنگ سٹینڈ میں اتار تو پولیس کی پڑونگ کار، سائرن بجاتی ہوئی گیٹ کی جانب جا رہی تھی۔ میں نے باہر نکل کر نچیف آواز میں کراہید دریافت کیا اور لڑزما ہاتھ سے ایک براؤٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"اگر انتظار کرو تو واپسی پر اور ٹپ دوں گا۔"

"یہ نوٹ مجھے صبح تک انتظار کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔" ڈرائیور نے ہنس کر نوٹ جیب میں رکھ لیا اور میں ندھال انداز میں چلتا ہوا... میری جیبوں کی جانب بڑھ گیا۔

میرا چہرہ مضحکہ خیز حد تک بدل گیا تھا۔ مصنوعی چہرے کی جات کی ساخت، معرورت کے چہرے کے مطابق تھی۔ اس لیے دیکھنے والے حیران ہو سکتے تھے کہ زمانہ خدوخال رکھنے والا بوڑھا، کس دنیا سے آیا ہے۔

شیشے کے دروازے پر استقبالیہ لڑکے نے مسکراتی ہوئی لگا ہوں سے میرا استقبال کیا تھا۔ اس کی نگاہ میرے چہرے پر نہیں پڑی تھی... لباس کے لحاظ سے... کوئی رنگین مزاج بوڑھا سمجھا جاتا۔

چند قدم اندر جا کر میں نے جھول کر اپنا توازن درست کیا... اور چندھیائی ہوئی نگاہوں سے ہال کا جائزہ لیا۔ ہال میں تل وصرنے کی بھی گنجائش نہ تھی۔ ہر رنگ اور نسل کے چہرے تھے۔ ہر کوئی اپنی کھال میں مست تھا۔

بیکر دیمیانی قطار میں بالکل تنہا بیٹھا، سگار چبا رہا تھا۔ اس کے

سامنے بٹل اور گلاس تھا۔ مجلس میں سرخ سیال موجود تھا۔ میں قطاروں کے درمیان سے گزرتا ہوا، بیکر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے دھوئیں کی دھند میں چہرہ اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر بڑا سا منہ بنا کر گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

"میں بیٹھنا چاہتا ہوں، جناب!" میں نے جھک کر اپنی اصل آواز میں کہا۔

بیکر میری آواز سن کر بری طرح چونک پڑا اور گلاس سے شراب چھلک کر اس کے ہاتھوں پر گر گئی۔

"اوہ... تم... خیر، بیٹھ جاؤ، خدیجی بچے!" وہ طویل سانس لے کر ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔

اس سینر کے گرد کوئی اور گری نہ تھی اس لیے میں، میز کے کونے ہی پر ٹپک گیا۔ اسی وقت ایک سرورس گرل میرے عقب میں نمودار ہوئی اور بڑے جارحانہ انداز میں مجھے دھکا دے کر فرش پر گرادیا۔

"گوجی... وہ جینی... اس پامل ٹوڑھے کو جگہ دو یا باہر چھوڑاؤ۔" میں نے اٹھ کر کھیلانے انداز میں ادھر ادھر دیکھا بے شمار نگاہیں مفت کا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ اس سے قبل کہ ارنے بھینے جیسا شخص گوجی میری طرف بڑھتا، بیکر نے گرت دار آواز میں اسے روک دیا۔

"رگ جاؤ، غلیظ لڑکچہ! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ جاؤ، اپنے میز پر کو یہاں بلاؤ۔ میں اس جیسے درجنوں ہونٹ خرید سکتا ہوں اور تم جیسے بدتمیز ملازمین کی کھالوں کے جوتے بنوا سکتا ہوں۔ جاؤ، میز پر کھو، بیکر نے تمھیں بلایا ہے۔"

بیکر کی گرت دار آواز اور دھکی کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا... گوجی اٹھے قدموں واپس ہو گیا اور سرورس گرل کہیں سے ایک گری گھسیٹ لائی تھی۔

"سو می، سرا... وہ گری رکھ کر موڈ بے لمحے میں بولی... مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ کوئی مفوک الحال بوڑھا، آپ کو پریشان کر رہا ہے۔"

"میں جو چاہتا تھا، ہو گیا ہے۔" میں نے گری پر بیٹھے ہی آگے جھک کر کہا۔ "لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانا ضروری تھا۔ اب نکل چلیے۔ وہ ہال میں... کچھ نہیں کریں گے۔"

بیکر نے اشارے سے سرورس گرل کو بلایا اور خالی پلیٹ میں بیل کی رقم رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ، جناب! لڑکی لجاجت سے بولی۔ میں، آپ کے معزز جہان کے لیے ڈرنک تیار کرنے کا آرڈر دے چکی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" بیکر نے اس کا ہاتھ تھپ تھپایا۔ "رقم بل سے کافی زائد ہے۔ میری طرف سے تم ڈرنک لے سکتی ہو۔" وہ میرے شانے

پر ہاتھ رکھ کر چل پڑا... اور پھر میرے کان کے قریب منہ کر کے بولا۔ "اُن میں سے ایک نے مخماری چھوڑ دی ہے، شاید ہمارا راستہ روکے گا۔"

"چلتے رہیے، انکل! میں نے پلٹے بغیر کہا۔" وہ ہال میں ایسی کوئی احمقانہ حرکت نہیں کریں گے۔"

لیکن ابھی ہم بڑے دروازے سے چند قدم دور ہی تھے... کہ وہ احمقانہ حرکت کرنے کے لیے ہمارے سامنے آگیا۔ گروہ میں اس کی پوزیشن جو بھی رہی ہوگی لیکن میرے نزدیک وہ اناڑی، جلد باز اور احمق نوجوان تھا۔ مجھے سو فی صد یقین تھا کہ اگر انکل بیکر کا انداز درست ہے اور وہ لوگ اسے اغوا کرنا چاہتے ہیں تو پھر بڑے ہال اور چکا چوند روشنیوں میں ایسی کوئی کوشش ہرگز نہیں کریں گے۔ اُن کا شکار ایک بوڑھے شخص کے ساتھ باہر جا رہا تھا۔ اگر اُن کی کھوپڑیوں میں ذرا بھی عقل نام کی کوئی شے ہوتی تو وہ راستے میں کسی ویران جگہ بھر پور کارروائی کرتے۔

بہر کیف، اس سے جلد بازی میں حماقت سرزد ہو چکی تھی اور وہ میرے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

میں نے گہری نگاہوں سے اس کے سراپا کا بغور جائزہ لیا۔ جہانی اعتبار سے وہ پچیس تیس برس کا ایک توموند نوجوان دکھائی دے رہا تھا۔ سفید چہرے پر پرانی گہری خراشوں کا جال صاف دکھائی دے رہا تھا، جیسے کسی لڑکا عورت نے ناخونوں سے کبھی اس کا چہرہ خوب نچا ہو۔

"مسٹر بیکر! وہ غزنی آواز میں بولا۔ "ہم، آپ سے درخواست کرتے ہیں، کچھ وقت ہمارے ساتھ تشریف رکھیں۔ میرے ساتھی، آپ سے کسی کاروباری معاملے پر بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"سو می، ہر خوردار! میں نے لقاہت زدہ آواز میں کہا... "تاش کے باون پتے، ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم دو چار کی حفاظت باون دوستوں کو مایوس نہیں کر سکتے۔ یہ کاروبار کا وقت نہیں ہے۔"

"بڑے میاں... اس نے میری چھاتی پر اُٹا ہاتھ مارا۔ "تم اپنا غلیظ چہرہ لے جاؤ، مسٹر بیکر نہیں جائیں گے۔"

"میں جاؤں گا۔" بیکر تندہی میں بولا۔ "تم کون ہوتے ہو، مجھے روکنے والے۔ ہٹ جاؤ۔"

"میں... وہ مسکرایا اور جیکٹ کی جیب سے ہاتھ ذرا سا باہر نکال کر دیو الوور کی ایک جھلک دکھائی۔ "مسٹر بیکر! میں موت کا ہکا بھکا ہوں۔ تمھاری زندگی میری انگلی کے نیچے دبی ہوئی ہے۔"

نچا جاتے ہوئے بھی مصنوعی چہرے کے نیچے چھپا ہوا خرم چہرہ دیویدار ہو گیا تھا اور منہ سے نکلنے والی پھنکار نے اسے لفظ بھر کے لیے بھونپکا سا کر دیا تھا۔ حالانکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ گلے میں پڑے ہوئے اس معمول پر تھاپ لگاؤں۔ میں ویران اور کھلی سڑک پر اُن سے

نکلنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن وہ خود ہی ناوقت اُلجھ بیٹھے تھے۔

ایک بار ہوٹل کے ہال میں پھرتے جانے کا تجربہ میں کر چکا تھا۔

یہ بھی اتفاق ہی رہا تھا کہ اس تجربے کا چشم دید گواہ بیکر میرے ساتھ تھا۔

میں اس خطرے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا کہ پولیس کی پڑول کاریں اس علاقے میں گشت کر رہی ہوں گی اور ہوٹل میں ہنگامہ ہوتے ہی انتظامیہ پولیس سے مدد طلب کرے گی۔

میں نے چہرہ گھما کر زردیدہ نظروں سے دیکھا کہ اس پاس اس کا کوئی اور ساتھی تو نہیں ہے... مگر سب لوگ کھانے پینے میں مصروف تھے۔

"مسٹر بیکر... وہی نوجوان بولا۔ "آپ کو روکنے پر ہم مجبور ہیں۔"

ہمارا لباس کچھ ہی دیر میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ بڑے میاں! تم جا کر اپنے باون دوستوں سے دل بہلاؤ، شاباش! وہ پکارتا ہوا میری طرف بڑھا۔

جونی وہ میرے قریب آیا، میرے دائیں بائیں جھگڑتے ہوئے ہاتھ اٹھے اور دونوں کانوں پر تھیلیاں لگیں۔ میں نے اس کا منہ کھلتے تو دیکھا تھا لیکن آواز کہیں گھٹ گئی تھی۔ وہ بے توازن ہو کر تھول ہی رہا تھا کہ میرا دایاں گھٹنا، اس کی ناف پر پڑا اور بائیں ہاتھ کی کھڑکی، پتھلی، ہتھوڑے کی مانند، اس کی گردن پر جا بیٹھی۔ ناف کی چوٹ نے اسے اوپر اُچھال دیا تھا پھر گردن پر ضرب کھا کر وہ ترچھا ہو گیا۔

جب میں نے اچھل کر اسے گرنے کی جگہ دی تو میری کمر سے ذرا اوپر بازوؤں کے جوڑ پر کوئی وزنی شے اتنی زور سے مگی کہ میں بیکر کو ساتھ لیتا ہوا کئی قدم تک لڑکھڑاتا چلا گیا۔ بیکر تو اس زوردار ٹکراؤ سے زمین بوس ہو گیا لیکن میں نہ صرف منبھل گیا بلکہ پھنکارتا ہوا ضارب کی طرف پلٹنے میں کامیاب بھی ہو گیا۔

چند قدم کے فاصلے پر پھر میرے بدن کا مالک ایک طویل القامت شخص کھڑا کینڈ توڑ نظروں سے مجھے گھور رہا تھا اور دوسرا شخص ہاتھ میں بوتل لیے بائیں رخ سے دے قدموں میری طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک بالکل میرے سامنے فلائنگ بالک لگانے کی پوزیشن بنائے کھڑا تھا اور دوسرا بائیں جانب سے فاصلہ کم کر رہا تھا۔ میرے لیے دونوں پر بیک وقت نظر رکھنا دشوار ہو گیا تھا۔

مارشل آرٹ کی فائنٹ میں میرا یہ اصول رہا تھا کہ میں مد مقابل کو پہل کرے اور نزدیک آنے پر مجبور ہو دیتا تھا اور پھر اس کے وار کے دوران ہی بیک وقت اپنا دفاع اور حملہ کر کے اپنی پوزیشن بہتر کر لیا کرتا تھا لیکن انھوں نے مجھے دو اطراف سے گھیر کر ایک مشکل فیصلے سے دوچار کر دیا تھا۔

دونوں حملہ کرنے کے لیے پرتوں ہی رہے تھے کہ میں نے اس

طرح بھکائی دی جیسے بوتل کی توقع ضرب سے خود کو بچا رہا ہوں۔ یہ ایک آزمودہ داؤ تھا۔ دونوں نے اپنے ہدف کو متحرک دیکھ کر کارروائی کو عمل میں دھکیل دیا تھا۔ ایک نے زمین چھوڑی اور دوسرے نے بوتل میری جانب گھمادی۔ میں نے بھلے کا اشارہ دے کر اپنے جسم کو زمین کے متوازی کر لیا اور کئی میٹر گزریں کو اپنے ساتھ گرتا ہوا ہال کے وسط میں جا کھڑا ہوا۔

ہال ایک دم ہی گہرے سکوت میں ڈوب گیا تھا۔ حتیٰ کہ چھری، کانٹوں کی آوازیں بھی معدوم ہو گئی تھیں۔ پہلے تو لوگوں کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ ایک ایک کیا ہو گیا ہے۔۔۔ پھر جو بھی ان کی نگاہوں میں خون آلود چہرہ بھرا، لوگوں کی چیخوں اور شور سے ہال گونجنے لگا۔۔۔ لوگ بدحواس ہو کر میزوں، کرسیوں سے ٹکراتے، کونے کی جانب دوڑنے لگے۔

وہ شخص جس نے فضا میں اُٹنے کا شاندار مظاہرہ کیا تھا اور میرے جسم پر سے گزرتا ہوا، سر کے بل کاؤنٹر سے جا ٹکرایا تھا، اُس کے سر میں خاصی جوت آئی تھی۔ اُس نے جب سر کو جھٹکا دیا تو خون کے چھینٹے، کاؤنٹر ٹھکر کے سفید لباس کو رنگ دار بنا گئے۔

اُس نے آنکھوں سے خون صاف کیا اور دیواروں کا رنگ لٹکتے ہوئے میری جانب دیکھا۔

”نہیں ریمینڈ...“ بوتل پھٹنے والے نے چیخ کر کہا۔ ”ریو اور... جب میں رکھ لو۔ ہم کسی بڑی مصیبت میں پھنسا نہیں چاہتے۔ تمہاری احتیاط کو شش کسی شہری کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے، تم خود کو سنبھالو۔“

اگر بیکر، عمر رفتہ کو یاد نہ کرتا تو ریمینڈ شاید اپنے ساتھی کا مخلصانہ مشورہ مان ہی لیتا اور تیزی سے ضائع ہونے والے خون کو روکنے کی طرف دھیان دیتا مگر بیکر کی بوڑھے زخمی چپٹے کی مانند دھاڑا ہوا، اُس پر جھپٹ پڑا تھا۔ کاش وقت مجھے چند لمحوں کی ہمت دیتا اور میں ماضی کے ایک نامور غنڈے کے لڑنے کا انداز دیکھتا جو طویل خاموشی کے خول سے نکل آیا تھا۔

میں صرف یہی دیکھ سکا تھا کہ بیکر نے لات گھمائی تھی اور ریمینڈ گھومتی لات کی زد میں آکر زمین کی جانب ترچھا جھٹکا چلا گیا تھا پھر میں نے اپنی تمام تر توجہ اپنے شکاری پر مرکوز کر دی تھی جو کرائے کا ایک دلکش انداز اپنائے میری جانب بڑھتا رہا تھا۔۔۔ پھر وہ ایک طویل پھلانگ لگا کر میرے قریب پہنچ گیا اور ڈک کر میری آنکھوں میں جھانکنے لگا جیسے میری آنکھوں میں میرے ارادے کی تحریر پڑھنا چاہتا ہو میری پرسکون حالت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ اپنے دو ساتھیوں کا حشر دیکھ چکا تھا۔ دونوں نے بہل کی تھی... اور دونوں ہی مات کھا گئے تھے۔

وہ اچھلا اور فاصلہ مزید گھٹ گیا۔ اُس نے دونوں ہتھیلیاں سیدھی کر لی تھیں اور نیزے کی آئی جیسے ناخن تہی ہوئی انگلیوں کی

نوکوں پر ایسے ہی بے چین دکھائی دے رہے تھے جیسے تیر، کمالوں کی ڈوریوں پر ہدف کی جانب جانے کے لیے بے قرار ہوں۔

اُس نے کلائیوں تک بازوؤں کا کراس بنایا۔ اس داؤ کو فائدہ گاہے میسر رکھ کہا کرتا تھا۔ یہ داؤ مد مقابل کو ایسے ہی چیر بھڑاتا ہے جیسے قینچی پکڑے کو کاٹ ڈالتی ہے۔ وہ پھرتی سے آگے جھکا اور قینچی کے پھل میری گردن کو گزرتے میں لینے کے لیے لپکے لیکن میرے دونوں ہاتھوں کا جڑا ہوا اُٹاٹا، اُس کی ٹھوڑی کے نیچے لگا اور اس کے ساتھ ہی میں نے ایک انٹی بوئی میز، پاؤں کی ٹھوک سے اس پر اچھال دی جو اُس کی کہنیوں سے ٹکرائی۔ دونوں ضربوں کا درمیانی وقفہ بے حد قلیل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ میرے پاؤں سے اپنا سینہ محفوظ نہ کر سکا اور اونٹ کی طرح بلبلا تا ہوا پشت کے بل گر پڑا۔

اندازہ مجھے بھی دھوکا دے گیا۔ اتنی زبردست چوٹیں اگر باہمی کو لگتیں تو چند لمحوں کے لیے وہ بھی بدحواس ہو جاتا لیکن وہ باہمی سے بھی بڑھ کر سخت جان تھا۔ اُس نے اپنے اوپر پڑی وزنی میز، پاؤں پر رکھ کر میری جانب اچھال دی۔ اس کی شفاف ٹاپ، میرے پیٹ سے پیشانی تک کسی زناتے دار تھپڑ کی طرح لگی اور میرے حواس، فرشتوں کے ساتھ ہی کوچ گئے۔

میں بے توازن ہو کر پشت کے بل گر پڑا چلا گیا۔ ستم ہلائے ستم یہ کہ گرتے وقت پچھلی میز سے میرے سر کا عقبی حصہ ٹکرایا تھا یعنی میری دونوں چوٹوں کا جواب، دو کاری چوٹوں سے ملا تھا۔

میز تو میں نے بھی اچھال دی تھی لیکن ہدف کی طرف نہیں... کیونکہ میری آنکھوں کے آگے اندھیرے کی چادر تن گئی تھی۔ درد کی شدید ترین لہر پورے جسم میں گرم سیال مادے کی طرح پھیل گئی تھی اور سانس لینے میں خاصی دشواری محسوس ہونے لگی تھی لیکن میرے اندر کی قوت مدافعت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اسی نے میرے ذہن کو تباہیوں میں ڈوبنے سے بچا رکھا تھا۔

میں نے سر کو جھٹک کر آنکھوں کے آگے آئی ہوئی تاریکی کو دھڑ کیا تو میں نے دیکھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی گری کا بازو تھا اور اُس کا وہ ہاتھ فضا میں بلند ہو چکا تھا۔ اگر ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو وہ گزرتی شخص اس ڈنڈے سے میری ہڈیاں گرجیوں میں تبدیل کر دیتا۔ پھر جوں ہی فاصلہ مٹا۔ میں نے پھرتی سے دایاں پاؤں اٹھا دیا۔ ڈنڈا تراز سے میرے جوتے کے تلوے پر پڑا اور درد کی ٹیس پودے جسم میں لہرائی ہوئی میری کھوپڑی سے نکل گئی۔

اپنے وار کو بغیر ٹوٹر ہوتا دیکھ کر وہ دھاڑا اور دونوں پاؤں جوڑ کر اُڑتا ہوا میری طرف آیا لیکن میں نے نہ صرف کروٹ بدل لی بلکہ پھلٹا

ہوا، اُس کے عقب میں پہنچ گیا۔ معاً میرا ہاتھ ایک بڑی سائز کی بوتل پر پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ میری گرفت میں تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ ابھی اُٹھ ہی رہا تھا کہ میں نے ہاتھ گھما دیا اور صراحی نما بوتل لہرائی ہوئی، اُس کی پسلیوں پر پڑی۔ وہ ڈکرایا اور دھرا ہو گیا۔ میں نے جست لگائی۔ ابھی میں فضا ہی میں تھا کہ دھمکے کے ساتھ ایک انگارہ سا میری پنڈلی کو جھلٹا ہوا نکل گیا۔

شدید ترین جلن کے باوجود، میں اپنے مد مقابل کی مکر پر زور دار ہلک لگتا ہوا، بائیں جانب گرا اور قلابازی کھا کر پھر سیدھا ہو گیا۔۔۔ اب سوچنا اور دھردھ دیکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ دشمن نے آتشیں اسلحے کا استعمال کرتے ہوئے، صورت حال کو مزید نازک بنا دیا تھا۔ میں بلا تاخیر اپنے شکار پر فیصلہ کن وار کر کے دوسرے محاذ پر جانا چاہتا تھا۔ اُدھر میرا محسن اور میری ایڈنا کا بوڑھا باپ تنہا مصروف جنگ تھا... اُسے ملک کی ضرورت تھی۔

غصے کی شدت نے مجھے تمام اصول اور احتیاطیں چھین لی تھیں۔ میں چھٹکارا ہوا، اُس کی طرف بڑھا تو وہ دفاعی انداز میں پیچھے ہٹنے لگا۔ میں تھیر کی طرح اُس سے جا ٹکرایا۔ اور اُس کی انگلیوں کے چاندناخن، انٹیوں کی ’نند‘ میرے سینے کے گوشت میں کھٹ گئے... دوسرا ہاتھ، اُس نے میری آنکھوں کی طرف بڑھایا تھا جسے میری کھڑی ہتھیلی کی ضرب نے راستے ہی میں کلائی کے جوڑے الگ کر دیا۔ پھر میں نے اُسے تیسری کوشش کا موقع نہیں دیا... اور اُسے سر سے اوپر اٹھا کر چکر دیتے ہوئے، ستون کے ساتھ دے مارا۔ اُس کی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز، عورتوں کی چیخوں میں مدغم ہو کر رہ گئی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ بیکر ٹکھڑا ہوا، میری جانب آ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ اور لباس خون سے لٹھڑا ہوا تھا۔ میں نے دو ڈکرائے سنبھالا اور پہلو سے لگا لیا۔

”آپ زیادہ زخمی تو نہیں ہیں انکل؟“ میں نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ ادھر بیٹھ جائیں۔ میں دوسرے کو بھی دیکھتا ہوں۔“

”اوہ، نہیں... بہادر بیٹے!“ بیکر میرا شانہ تھپ تھپا کر بولا... ”شیر بوڑھا بھی ہو جائے تو گیدڑوں پر بھاری ہوتا ہے۔ وہ مانگوں سے خرم ہو چکا ہے۔ آؤ، اب نکل چلیں۔“

میں نے ہال کے کونے میں ڈبکے ہوئے، ڈسے سہمے لوگوں پر غائر نظر ڈالی پھر بولا۔ ”خواتین و حضرات! یہ تین بد معاشوں کی شرارت تھی۔ آپ لوگ معمول کے مطابق کھائیں، پیئیں۔ اب یہ کوئی شرارت نہیں کر سکیں گے۔“

”چلو...“ بیکر نے مجھے دھکا دیا۔ لیڈر بننے کی کوشش نہ کرو۔ پولیس پہنچ گئی تو کچھ الجھنیں اور بڑھ جائیں گی۔“

ہال میں گہرا سکوت طاری تھا۔ جب ہم وہاں سے چلے تو کسی نے ہمارا راستہ نہیں روکا تھا۔

جب ہماری کار گیٹ سے نکل کر ساحل کی جانب جانے والی مٹرک پر پڑی تو ہم نے پٹرول کاروں کے سائرفون کی آوازیں سنیں۔ چند لمحوں بعد ہی تین پولیس کاریں، سرخ ٹھوسٹی ہوئی روشنیوں کے بھاکے ہماری کار پر ڈالتی ہوئی، ہول کی جانب نکل گئیں۔

میرے زخم ٹھنڈے ہو کر لمحہ بے لمحہ درد کا احساس بڑھا رہے تھے۔ لیکن مجھے اپنے زخموں اور چوٹوں کی پروا نہیں تھی۔ میں تو اس بوڑھے شخص کے لیے بے کل تھا جو محض میری ذات سے ہمدردی رکھنے کے جرم میں اپنی تمام تر آسائشوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔

اگر میں، مادام ڈی تال کے بنجرے سے ایڈنا کو نہ پکارتا... تو بیکر اپنی پیاری بیٹی کے ساتھ، اس وقت اپنی انرکنڈیشنڈ خواب گاہ میں آرام کی نیند سو رہا ہوتا۔ میری سیلہ بختی کی پٹیٹ میں آکر نہ جانے کتنے معصوم لوگ، پرسکون زندگی سے محروم ہو گئے تھے۔

میں نے پھلا ہونٹ، دانتوں میں دبا کر دکھ اور شرمندگی سے بیکر کو دیکھا۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے، رومال سے اپنا خون آلود چہرہ صاف کر رہا تھا۔

”خون تیزی سے ضائع ہو رہا ہے، ختم!“ وہ بولا۔ ”اگر مجھے طبی امداد فوراً نہ ملی تو خون کی کمی نقصان دہ ثابت ہوگی۔ سٹائیسوس شاہراہ کی... طرف چلو۔ وہاں میرا فیملی ڈاکٹر ناؤ جان رہا ہے۔ غالباً تم بھی زخمی ہو؟“ ”ہاں، انکل! لیکن میں، آپ کے لیے پریشان ہوں... آپ، میری راجہائی کر رہے ہیں۔“

پھر ڈاکٹر ناؤ جان کی وسیع و عریض کوٹھی کے مین گیٹ تک ہمارے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ گیٹ پر نیم پلیٹ کے ساتھ ہی کال بیل کا بٹن تھا۔ ابھی میں نے بٹن سے انگلی ہٹائی ہی تھی کہ پول سے ایک شیریں اور مترنم آواز ابھری۔

”براہ کرم اپنا تعارف اور ملاقاتی نمبر بتائیں۔“ ”گڈنائٹ، میں جین!“ بیکر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”میں بیکر ہوں۔ ایڈنا کا والد... ڈاکٹر تنگ میرا پیغام پہنچا دو... مجھے فوری طبی امداد چاہیے۔“

”تشریف لائیے، انکل!“ جین کی آواز کے ساتھ ہی آہنی گیٹ کھلتا چلا گیا۔

میں نے بیکر کو سہارا دے کر اندر جانے میں مدد دی۔ حالانکہ

میری پٹلی خود سہارے کی محتاج تھی اور سینے میں بھی جیسے انگارے دھک رہے تھے لیکن بیکری کی حالت بے حد خدشہ تھی۔ جب میں نے محسوس کیا کہ بیکری قدم اٹھانے نہیں رہا بلکہ میرے سہارے گھسٹ رہا ہے تو میں نے اسے کندھے پر اٹھالیا اور سب دے پر بڑھنے لگا۔

بائیں طرف ایک وسیع گراسی پلاٹ تھا اور دائیں طرف کلینک تھا۔ سامنے کا کچھ حصہ ابھی زیر تعمیر تھا۔ میں، بیکری کی ہدایت پر دائیں جانب مڑا ہی تھا کہ ایک آواز سنائی دی۔

"بوجھ میرے حوالے کر دو، نوجوان! پھر مڑی ہوئی ناک دلا ایک گینڈا نما شخص میرے سامنے آگیا۔

"شکریہ جناب! میں نے اسے ڈاکٹر کا کوئی ملازم ہی سمجھتے ہوئے کہا۔" آپ صرف یہ بتائیں کہ اس وقت ڈاکٹر، مرلیض کو کہاں دیکھنا پسند کریں گے؟

"سنو، نوجوان..." اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اسی لیے بھیجا گیا ہے کہ مرلیض کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے واپس لے آؤں۔ میرا خیال تھا، تم اسے گھر لے جا رہے ہو ورنہ تمہیں یہاں آنے کی زحمت نہ ہوتی۔"

"راستہ چھوڑ دو۔" میرے حلق سے غراہٹ نکلی۔ "ڈاکٹر جان! ان کا فیملی ڈاکٹر ہے اور وہی انہیں دیکھے گا۔"

"تم ہی خرم چوہدری ہو، نا؟ پہلے میں صرف تمہارے نام سے واقف تھا۔ آج ہوٹل میں تمہارا کام بھی دیکھ لیا۔ نام کی شہرت کے ساتھ انسان اگر کام بھی مہارت سے کرے تو بھئی داد کے قابل ہوتا ہے۔ گوکہ فاسٹ زیادہ زور دار نہ تھی لیکن اس میں زیادہ قصور، میرے نااہل ساتھیوں کا تھا۔ اگر وہ جم کر لڑتے تو مجھے تمہاری مایہ ناز صلاحیتوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع مل جاتا۔ بہر حال، تم اپنی عمر اور تجربوں کے حوالے سے خوب بڑے ہو۔ میں اچھے فائٹر کو دل کھول کر داد دینے کا قائل ہوں۔ یہ تو سچی... تمہارے فن کی تعریف۔ اب ہم بزنس کی بات کریں گے۔ مشربیکر کو ادھر سنگی بیچ پر آرام سے بٹا دو۔"

"میرے بزرگ دوست! تمہاری کوئی بات بھی میرے پتے نہیں پڑی۔ میں نے سمجھتے ہوئے کہا۔ "مشربیکر کا خون خالص ہو رہا ہے۔ پہلے ایک زندگی کی سلامتی... پھر دوسری باتیں..."

"میں زیادہ وقت خالص نہیں کر دوں گا۔" وہ پھر میرے سامنے آگیا۔ "سیدھی سی بات ہے کہ میرے حریف کے کچھ مفادات، مشربیکر سے وابستہ ہیں اور اسے خطرہ ہے کہ اس کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے، اس کا کوئی حریف مشربیکر کو منظر سے غائب کر دے گا۔ لہذا اس نے چار ماتحتوں کو اس کام پر لگا دیا ہے۔ تین کو تم ناکارہ کر کے ہو، چوتھا میں ہوں۔"

میں اس سہ رکنی ٹولے کا پاس ہوں، چیف مجھ سے جواب طلب کرے گا۔ مجھے بطور خاص تم سے بچ کر کام کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔ سننا ہے، تم گروہ اور چیف کے باغی ہو، میں، تم جیسے، حال کے اچھے فائٹر اور مستقبل کے بڑے لیڈر کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میں دوست بن کر تمہارے تعاقب میں آیا ہوں۔ اگر میں چاہتا تو راستے ہی میں روک لیتا مگر میں دوست بن کر واپس جانا چاہتا ہوں۔ اگر بیکر سے تمہارا کوئی مالی مفاد وابستہ ہے تو میں سودا کروں گا، بولو۔"

"کیا تم اپنی بات مجھ تک پہنچا چکے ہو؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"بس مجھے ہی کہنا تھا۔"

"میرا جواب یہی ہے کہ راستہ چھوڑ دو۔" میں نے اس کے چہرے پر پاؤں مارا۔ "ہاں، سودا ہو سکتا ہے اپنے چیف کو لے آؤ اور بیکر لے جاؤ۔"

"کاش! میں ایسا کرنے کا مجاز ہوتا۔" وہ پاؤں کی ضرب کا ٹوٹس لیے بغیر بولا۔ "بھند نہ کرو، پیارے! اپنی جوانی اور مستقبل کے نام پر میری بات مان لو۔ گروہ بننے اور ٹوٹنے رہتے ہیں۔ اسی طرح گروہ کے سرخند بھی بدلتے رہتے ہیں۔ کل میرے سر پر سرداری کا سایہ آ سکتا ہے تم بھی ماسٹر ہو سکتے ہو۔ آج اگر ہم دوسروں کی سرداری قائم رکھتے ہوئے مر گئے تو نہ ہمارا جنازہ اٹھے گا، نہ کہیں مزار بنے گا۔ سوچو، ملز کے ہماری زندگی اور موت کس قدر نفرت انگیز ہے۔"

میں نے دو قدم پیچھے ہٹ کر، بیکر کو نیچے آ مارا۔ وہ لہراتا ہوا زمین پر لیٹ گیا۔ اس پر غشی طاری ہو چکی تھی۔

جنازے اور مزار کے حوالے نے میری ساری تن تنابٹ ڈوڑ کر رکھ دی تھی۔ یہ بات نہیں تھی کہ جنازے اور مزار کا نام سن کر مجھ پر موت کا خوف طاری ہو گیا تھا بلکہ میرے اندر ایک بالکل نئی سوچ اور روشنی چھوٹ پڑی تھی۔

"ایک بات گروہ میں باندھ لو، دوست! میں نے کندھے جھٹ کر کہا۔ "مشربیکر سے میرا مفاد نہ تو مالی ہے، نہ معاشرتی۔ یہ میرا محسن ہے اور میں بحالت ہوش و حواس اسے خود سے جدا نہیں کروں گا... لیکن میں اپنے اجنبی دوست کا نام اور وطن ضرور پوچھوں گا۔"

"نہیں، لڑکے! اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "فرض اور جذبے کو گڈ نہ کرو۔ ہم دونوں جذبات میں بہہ جائیں گے اور فرائض کی تکمیل رک جائے گی۔ بس یہی کافی ہے کہ تم جس جہنم سے فرار حاصل کر چکے ہو، میں اس کا ایک محافظ ہوں۔"

"سنو..." میں نے اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔ "اگر

تم مسلمان ہو تو واپس چلے جاؤ۔ میرے ماتحتوں کو خون بہانے کا چسکا پڑ چکا ہے لیکن ابھی تک ان ماتحتوں پر میرے کسی بھائی کے خون کا قطرہ نہیں پڑا... چلے جاؤ، خدا را چلے جاؤ۔"

"تم نے خوش کر دیا، خرم سلطان!" اس نے دونوں بازو پھیلا دیے اور میں و فور جذبات سے مغلوب ہو کر اس کی ہاتھوں کے حصار میں داخل ہو گیا۔

اس نے مجھے اپنے سے لگا کر بازوؤں کا حلقہ تنگ کر دیا۔ سانس کی آمد و رفت تک تو میں بھائی چارے کے جذبے میں سرشار رہے جس و حرکت رہا لیکن جب اس کے بازو، میرے گرد اڑدے کی گرفت بن گئے تو میں چونکا مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا جسم بیٹنے کے درمیان پھنس گیا ہو۔ حلقہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جا رہا تھا اور میری ہڈیاں کڑکڑانے لگی تھیں۔

دوبتی سوچوں میں صرف ایک احساس تھا کہ خرم چوہدری رہزن اور رہبر کی پہچان نہیں رکھتا۔ میرا منہ دم توڑتی چڑیا کی مانند کھل اور بند ہو رہا تھا، آنکھیں حلقوں سے اُبلتی جا رہی تھیں اور اس گینڈے کی بدبو دار سانس، میری ناک سے ٹکرا رہی تھی۔

"پیاری ماں!" یہ میری پچھڑی راتی روح کی خاموش فریاد تھی۔ "اپنے بڑے بیٹے کو معاف کر دینا۔"

معاشری اُبلتی آنکھوں نے اپنے بالکل قریب ایک دھندلا سا بہرہ دیکھا... مجھ سمجھے آج بھی وہ عالم نزع کا لمحہ یاد ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے سر کو اپنے ارادے سے نہ تو پیچھے کیا تھا اور نہ ہی آگے گرا یا تھا۔ وہ آن دیکھا ہاتھ کس کا تھا؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے تو خوف اتنا یاد ہے کہ میری پیشانی کسی نرم شے سے ٹکرائی تھی اور پھر میں اُٹھا ہوا، نام آؤ گھاس پر جا گرا تھا۔

میں اپنے حواسوں میں نہ تھا لیکن گیلی گلی گھاس اور خشک ہوا کے ٹھوکروں نے مسیحائی کی تھی میں گرتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ دھندلائی ہوئی بینائی قدرے صاف ہو گئی تھی۔ وہ شخص مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر ناک پر دونوں ہاتھ رکھے، جھکا کھڑا تھا۔ اس کی انگلیوں کے درمیان سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ میں اگر چاہتا تو اس کی پیشانی پر ٹھوکرا کر، اس کا بھیجا نکال دیتا... لیکن بے خبری میں دشمن پر حملہ کرنا مجھے کبھی پسند نہیں رہا۔

"سنجھو، مٹھارہ لڑکا! میرے حلق سے دبی دبی غراہٹ نکلی۔ اس نے آہستہ سے اپنا چہرہ اٹھایا اور خون آلود ہاتھ نیچے گرا تا ہوا چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ غالباً فاصلے کی رعایت سے وہ کچھ وقت لینا چاہتا تھا۔ اس کا چہرہ ایسے ہی لگ رہا تھا جیسے سرخ نقاب جگہ جگہ سے پھٹ گئی ہو۔

"کچھ وقت نہ دو گے، اچھے لڑکے؟" اس سے بازو موڑ کر اپنے چہرے پر بھیسرتے ہوئے کہا۔ "خون حلق میں بھی گر رہا ہے۔"

"کتنا وقت...؟" میں نے پوچھا۔ "اگر تم واپس جانا چاہتے ہو تو میں تمہاری راہ نہیں روکوں گا چلے جاؤ۔"

"نہیں، لڑکے!" وہ بدلی ہوئی آواز میں غرایا۔ "مارنا یا لڑتے ہوئے مرنا بڑی بات نہیں... مگر میدان چھوڑ کر بھاگنا، مردانگی کی توہین ہے۔ آؤ، فیصلے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" اچانک ہی اس نے مجھ پر پھلانگ لگا دی۔

میں اچھل کر اس کی زد سے نکل گیا... لیکن یہ دیکھ کر میسر ہی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ مجھے ہٹتے دیکھ کر وہ فضا ہی میں پینتر بدل کر پھر اوپر اُٹھ گیا تھا۔ میرے نزدیک کم از کم ایک اس قدر بھاری جسمات کے مالک شخص کے لیے فضا ہی میں تعقیب کر پلٹنا ناممکن عمل تھا۔

جب وہ دوبارہ چھپتا تو اپنا رخ بھی بدل چکا تھا اور میں، اس کی زد میں آ گیا۔ مجھ کا پیٹ کے باوجود اس کے پاؤں کی ٹوک، میری ران پر ستم ڈھانے میں کامیاب رہی تھی۔ میرے منہ سے سسکاری نکل گئی۔ اور وہ فضا میں بلند ہوتا دکھائی دیا۔ میرے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا کہ میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دوں۔

ابھی وہ بلندی کے مدارج طے کر رہی رہا تھا کہ میں نے زمین چھوڑ دی اور جب وہ مطلوبہ بلندی چھو کر واپس گرا تا ہوا میرے قریب سے گزرا تو میری لات فضا ہی میں گھوم گئی۔ کپکپی پر ضرب اتنی خطرناک ثابت ہوئی کہ وہ ریت کی بوری کی مانند زمین پر جا لگا۔ ابھی وہ سنبھلنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکا تھا کہ میں دونوں ہاتھ اس کے پیٹ پر مارتا ہوا پھر اوپر اُٹھ گیا... لیکن وہ کر دیش لیتا ہوا سنگی ایزی چیئر کے ساتھ ہو گیا۔ اب اگر میں، اسے چوٹ لگانے کے لیے گرتا تو گری سے ٹکراتا... پھر بھی میں نے کوشش کی تھی کہ پاؤں کے بل اس شخص سے دوڑ گروں۔ میری یہ کوشش کامیاب رہی لیکن جوتنی میرے پیر زمین سے ٹکرائے، اس کا جسم زنائے کی آواز سے میرے ساتھ ٹکرایا اور ہم دونوں لڑھکتے ہوئے کسی قدم دوڑ چلے گئے۔

میں نے گروں موڑ کر دیکھا۔ وہ مجھ سے چند فٹ دور کھڑا تھا۔ اس کی پچھڑی واقعی قابلِ دلالت تھی۔

"شاباش، لڑکے! اٹھو... بڑا مزہ آ رہا ہے۔ اچھی ماں اور اچھے استاد کے پروردہ دکھائی دیتے ہو۔" میں اچھل کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ کسی باکسر کی طرح دائیں بائیں آگے پیچھے کود رہا تھا۔ "آؤ، آؤ... آگے بڑھو، لڑکے! میں تمہیں اچھی ضرر میں لگانے کا موقع فراہم کر دوں گا۔"

میں نے جست لگائی، وہ چشم زدن میں پشت کے بل لیٹ گیا۔

اور میں تیرا ہوا، دوسری طرف جا پڑا... لیکن خود ہی اٹھ کھڑا ہوا۔
 "بہت خوب پیارے!" اس نے تہقہ لگاتے ہوئے کہا۔ "تھیں
 بیروں پر کھڑا دیکھ کر خوشی ہوئی۔ لیکن اگر تم میری کسی ضرب سے مر گئے تو
 مجھے بہت افسوس ہوگا۔"

پھر میری توقع کے عین مطابق ہی اس نے دونوں پاؤں اٹھائے
 اور میں نے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دونوں ہاتھوں کو آگے کر دیا۔
 وہ ہدف کے قدام اندازہ لگا کر اٹھا تھا جبکہ میں نیچے ہو گیا تھا۔ جونہی وہ
 میرے ہاتھوں کی زد میں آیا۔ میں نے پوری قوت سے اٹھ تلی ہوئی
 انگلیاں اس کی رانوں کے جوڑ میں ماریں۔ اس کے حلق سے پہلی بار
 کریناک دھڑا اُبھری۔ وہ میرے دائیں شانے سے ٹکراتا ہوا منہ کے
 بل گرا اور دونوں ہاتھ رانوں میں دے کر بری طرح ترپنے لگا۔ میری
 انگلیوں نے اس کے جسم کے نازک ترین حصے کو چھید ڈالا تھا۔
 وہ گھٹنوں کے بل اوندھا پڑا ہوا تھا۔ میں چھلانگ لگا کر اس
 پر سوار ہو گیا۔ اب جنگ کو مزید طول دینا حماقت ہی تھی۔ لہذا میں نے
 اس کے بال مٹھی میں جکڑے اور اس کا چہرہ، قریب ترین سنگی ایزی چیر
 پر جمے مارا۔ ہر ضرب پر وہ، اونٹ کی طرح بلبلایا تھا۔ چوٹی ضرب کھاتے
 ہی اس نے ہاتھ پاؤں ڈال دیے۔

اس کے جسم سے اتر کر میں نے اس کے پہلوئیں ٹھوکر ماری اور
 وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ تیز روشنی میں اس کا چہرہ، گوشت اور ہڈیوں
 کا ملغوبہ دکھائی دے رہا تھا۔

میرے جسم کا جوڑ جوڑ بل گیا تھا۔ میں نے جیکٹ کی آستین سے
 رگڑ کر اپنا چہرہ صاف کیا اور بیکری طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ایزی چیر کی
 پشت گاہ پر سر ڈلے مسکرا رہا تھا۔

سنگ مرم کی خمیدہ پٹریاں چڑھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا

کہ لان میں ہماری خون ریز اچھل کود پر ڈاکٹر چان نے کوئی نوٹس
 کیوں نہیں لیا۔ حالانکہ وہاں قہقہے بھی اُبلے تھے اور دھانڑیں بھی گونجی
 تھیں... لیکن پڑھنے رابداری کے سفر سے مطمئن ہو گیا۔ پچاس، ساٹھ
 گز چکرانی رابداری کے اختتام پر مجھے دو کمروں میں روشنی دکھائی دی
 تھی۔ اگر لان پر فوجیں بھی لڑ رہی تھیں تو ڈاکٹر بے خبر ہی رہتا۔

روشن کھڑکی سے گزر کر ابھی ہم دروازے پر دستک دینا ہی
 چاہتے تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک سر و قد نوجوان لڑکی ریشمی گاؤں کی
 ڈوریاں باندھتی ہوئی باہر نکل آئی۔ وہ برہنہ پا تھی اور سیاہ بال اس کے
 شانوں پر اس طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے اس نے سیاہ شال اوڑھ رکھی
 ہو۔ ہمیں دیکھ کر وہ ہٹک گئی۔

"اوہ، انکل!" وہ ہماری حیرت کڈانی دیکھ کر سہم گئی۔ "کیا

ہوا، آپ کو؟"

"گھبراؤ نہیں بے بی! بیکم نے اُسے تسلی دی۔ ہماری گاڑی
 پول سے ٹکرا گئی تھی!"

"چلیے..." اس نے میرے سراپے پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے
 بیکر کو میری بانہوں سے نکال لیا۔ "مسٹر! تم اُدھر ویننگ روم میں بیٹھو"
 "مجھے بھی میسائی کی ضرورت ہے، بس!" میں نے مسکراتے
 ہوئے کہا۔ "میں بھی انکل کے ساتھ تھا۔"

"ہاں، بے بی! اسے بھی چیک کرلو۔" اس نے سفارش کی۔ میرا
 خیال ہے، اسے مجھ سے زیادہ چوٹیں آئی ہیں۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی پلٹ کر میری جانب دیکھا۔
 میری زندگی میں آنے والی وہ پہلی لڑکی تھی جس نے میری مردانہ وجاہت کو
 نظر انداز کر دیا تھا۔

دوسرے کمرے میں داخل ہو کر اس نے بیکر کو ٹرائی میں پھینکا۔ وہ

ٹرائی اس ٹرائی سے ملتی جلتی تھی جو ریوے لائن مہمت کرنے والا عمل
 استعمال کرتا ہے۔ اس کمرے میں ریوے لائن جیسی ایک چھوٹی سی پٹری
 بھی پڑی ہوئی تھی۔

اس نے سوچ ڈاکٹر انجن اسٹارٹ کیا اور ٹرائی پانچ چھیل کی
 رفتار سے پٹری پر دوڑتی ہوئی عقبی دروازے سے نکل گئی۔ تب لڑکی
 نے گھوم کر سپاٹ لگا ہوں سے میری جانب دیکھا۔

"پیدل چل سکو گے یا ٹرائی واپس منگواؤں؟"

"تم ساتھ ہوگی؟" میں نے اس کی روشن آنکھوں میں جھانکتے
 ہوئے پوچھا... اور اس کے لب غیر محسوس انداز میں مسکرا کر بند گئے...

"آؤ، چلیں۔" اس نے دھیرے سے کہا اور میرے آگے آگے چل پڑی۔

اگر وہ مجھے تھوڑی سی لفٹ دیتی اور اس قدر خشک اور مغرور
 نہ ہوتی تو میں اس سے ضرور پوچھتا کہ اسے چشمہ آہو! اس تضاد کی کچھ وجہ
 تو بتا، تیرا چہرہ مغربی، بال بنگالی اور آنکھیں پاکستانی کیوں ہیں؟ لیکن
 اس کے نقوش اور اداؤں نے میرے دل میں پچانسی سی توڑ دی تھی۔ یہی
 وجہ تھی کہ پہلی فرصت میں بیکر سے میں نے وہی کھلاتا ہوا سوال کر ڈالا۔

جین، ڈاکٹر چان کی محبوبہ، دست راست، پرائیویٹ سیکرٹری
 اور ہونے والی بیوی تھی۔ جین کا وطن مالوف مین تھا اور ڈاکٹر چان
 تھائی لینڈ کا باشندہ تھا۔ امریکہ کے کسی مرکز میں دونوں کی آنکھیں لڑکائی
 تھیں... پھر دونوں ہی نے ایک دوسرے پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔

پٹری کے ساتھ ساتھ چلتے، جب ہم وسیع ہال میں داخل ہوئے تو
 شفاف شیشے کے بار، ڈریسنگ ٹیبل پر بیکر چیت لیٹا ہوا نظر آیا اور ڈاکٹر
 کوئی مشین ایڈجسٹ کر رہا تھا۔ جین نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بیٹھنے

کہا اور خود گاؤں اتارنے لگی۔

اُدھے گھٹنے بعد مجھے بلایا گیا۔ بیکر ہم پٹی سے فارغ ہو کر سُرپی
 رہا تھا۔ "میرا دلٹ ٹھیک ہے۔" بیکر نے مجھے بتایا۔ "کندھے کی ہڈی اپنی
 جگہ سے فدا سرک گئی تھی۔ پھر وہ، ڈاکٹر سے مخاطب ہوا۔ "ڈاکٹر! یہ میرا بیٹا،
 میرا دوست اور... اور سب کچھ ہے۔"

ڈاکٹر چان نے بڑھ کر خندہ پیشانی سے مجھ سے مصافحہ کیا اور میرا
 کندھا تھپ تھپانے لگا۔

"ختم! ڈاکٹر کو اپنی چوٹیں دکھاؤ۔"

"خاتون..." میں نے جین کی جانب دیکھ کر کہا۔ "براہ کرم، آپ
 باہر تشریف لے جائیں۔"

"یہ کلینک ہے... اور جین اس وقت خاتون نہیں ڈاکٹر ہے،
 دوست!" ڈاکٹر چان نے میری جیکٹ کے من کھولتے ہوئے کہا۔ "تم

بے تکلف بے لباس بھی ہو سکتے ہو۔" میں کھول کر اس نے سینے کی
 زپ جو خیمہ نیچے کی، میرے سینے کے گہرے زخم دیکھ کر اس کے ہونٹ
 دائرے کی شکل میں سکڑ گئے۔

"جین!" اس نے اجنبی زبان میں کچھ کہا اور جب جین نے
 سامنے آ کر میرے سینے کی طرف دیکھا تو ہلکی سی چیخ مار کر دو قدم پیچھے ہٹ
 گئی اور حیرت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"تم میرے تجربے میں ایک حیرت ناک اضافہ ہو، دوست!
 ڈاکٹر نے جہاں پہنچے میں کہا۔ "جین! اسے آپریشن تھیر میں لے چلو۔"

"اوہ... تو کیا...؟" بیکر بے قرار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے انکل!" جین نے بیکر کو سنبھال کر
 بٹھاتے ہوئے کہا۔ "معمولی زخم ہیں۔ ہم دو چار ٹانکے لگانا چاہتے ہیں۔"
 "کیا مجھے بے ہوش کیا جائے گا، ڈاکٹر؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں..." ڈاکٹر چان نے اثبات میں گردن ہلاتی۔ "زخم عین دل کے
 مقام پر گہرا دکھائی دیتا ہے۔ بہر طور ہمیں دل کی حالت چیک کرنی ہوگی...
 لیکن خطرے کی کوئی علامت نہیں ہے۔"

"ایک منٹ..." میں پلٹ کر بیکر کے قریب پہنچ گیا اور آہستہ
 سے کہا۔ "انکل! یہ لوگ مجھے اندر لے جا رہے ہیں۔ میں، آپ کو بتانا ضروری
 سمجھتا ہوں کہ ایڈنا کو میں نے آزاد کرالیا ہے لیکن وہ نشا اور دوا کے زیر اثر
 ہے۔ وہ اس وقت شہرولے فلیٹ میں مارشا اور گوتم کی نگرانی میں ہے۔
 اسے بھی ڈاکٹر چان کی ضرورت ہے۔"

"شکریہ پیارے... بہت بہت شکریہ!" وہ میرا ہاتھ سہلاتے ہوئے
 بولا۔ "پہلے تم، بعد میں ایڈنا... جاؤ، میں تمہارے ساتھ ہی اُدھر جاؤں گا۔"

جب میرے تا ایک ذہن کے افق پر ہوش کی سُرخی چھوٹی تو میری

سماعت سے باتوں کی مبہم سی بھنبھناہٹ ٹکرائی۔ پہلے تو میں نے خود کو
 حالت خواب ہی میں سمجھا لیکن جب آوازوں میں سے مارشا کی سُرپی اور
 شیریں آواز پہنچنے کا شعور بیدار ہوا تو میں نے بوچھل چکیں اٹھانے کی
 کوشش کی۔

شعور جب اندھیروں میں ڈوب رہا تھا تو آخری چہرہ جو میری
 نگاہوں میں تھر تھرتا ہوا منجمد ہو گیا تھا، وہ میری ماں کا نورانی چہرہ تھا...
 اور جب شعور دوبارہ تاریکیوں سے ابھرا تو پہلا چہرہ جو مجھ پر چھکا ہوا تھا،
 وہ ایڈنا کا زرد مسکراتا چہرہ تھا۔

"مم... میں... ایڈنا کے لب کپکپا گئے۔" نئی زندگی پر تھیں دلی
 مہار کا پیش کرتی ہوں۔

میں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اٹھایا اور ایڈنا نے میرے ہاتھ کو
 دونوں ہاتھوں میں بھٹام لیا۔

"میں، رب عظیم کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔" مارشا نے میرے
 بکھرے ہوئے بالوں کو انگلیوں سے سلجھاتے ہوئے کہا۔ "ہماری دعائیں
 بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوئیں۔"

میں نے چہرہ گھما کر اس طرف دیکھا، جدھر سے سسکنے کی آوازیں
 آرہی تھیں۔ گوتم، پٹنگ کی پٹی پر اٹھا ٹیکے رو رہا تھا۔ "پیارے بھائی..."

میں نے گوتم کے بالوں پر تھپکی دی۔ "یہ لڑکیاں کل تمہاری مردانگی کا مذاق
 اُڑا رہی تھیں۔" اس نے چہرہ اُپر اٹھایا اور میرا ہاتھ بچھ کر بے تحاشا چومنے لگا۔

"مم... میں... مرد نہیں ہوں۔" وہ ہڑکتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں صرف تمہارا بھائی ہوں۔ مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ بھائی
 کی محبت کیسی ہوتی ہے۔ یہ احساس تم نے دیا ہے۔ میں، رات بھر روتا رہا
 ہوں، مارشا! ڈاکٹر چان نے کہا تھا کہ دل کا ایک حصہ متاثر ہو رہا ہے۔"

اس کی محبت بھری باتوں اور آنسوؤں نے میرے حلق میں فخر
 اور انبساط کا پھندسا لگا دیا۔ میں اس کا کون تھا؟ نہ ماں جابا، نہ خون
 اور ہڈی کو سناجھتی تھی۔ اگر میرا سگا بھائی کرم سلطان بھی ہوتا تو وہ یوں میرے
 لیے نہ رہتا۔ گوتم غیر تھا لیکن اپنائیت کے جذبوں نے اسے میرے دکھ درد
 میں شریک کر دیا تھا۔

ایڈنا نے بھی کئی بار چاہتوں کے رنگ دکھائے تھے۔ لطیف جذبوں
 کا داشگاف دعا بھی کیا تھا... شمعوں کے گھر، جذبوں کی پیش سے گھلتی
 مارشا نے بھی مجھے اپنی واہانہ چاہت کا یقین دلایا تھا لیکن میری محبت
 میں صرف وہ وحشی النسل، سیاہ زول کا تڑپ رہا تھا جس نے صرف وفاداری
 کا ہمد کیا تھا۔

"دل میں تکلیف محسوس تو نہیں ہو رہی، مارشا؟" گوتم نے میرے
 چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں پیارے! میں نے خواب دیا۔ وہ دلد نہیں ہے، جو زخم دیتے ہیں۔ ہاں، وہ میٹھا میٹھا کیف آگیاں درد و محسوس کر رہا ہوں۔ جو صرف کسی کی سچی محبت کے یقین سے پیدا ہوتا ہے۔ جس دل میں اتنے پیارے پیارے اپنے بس رہے ہوں، اس دل پر کوئی زخم کیسے اثر انداز ہو سکتا ہے۔ میرے دل میں صرف تم لوگوں کی محبت ہے۔"

"اوہ، شاندار..." بیکرنے دروازے میں رُک کر ہانک لگائی۔

"سب چہرے کھلے ہوئے ہیں۔ اندر چلے آؤ، ڈاکٹر! دیکھو، تمہارے دونوں مریض بالکل ٹھیک ہیں۔"

بیکرنے عقب میں ڈاکٹر چان کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ دونوں سیدھے ہماری جانب ہی آئے تھے۔ "ہیلو، نیگ بوائے! تمہاری طویل نیند نے ہم سب کو ہراساں کر دیا تھا۔"

"آپ نے جگایا ہی نہیں، انکل! میں نے خندہ پیشانی سے کہا۔ ورنہ میں اتنی طویل نیند نہ سوتا۔"

"تم دونوں اندر جاؤ۔ میں خرم کا تفصیلی معائنہ کروں گا۔ ڈاکٹر نے لڑکیوں سے کہا۔"

"جلدی سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر دکھاؤ، لڑکے! بیکر چپک کر بولا۔ دیکھو، حادثے میں مجھے بھی چوٹیں آئی تھیں لیکن میں فٹ ہوں۔ مرد اور گھوڑا بیمار اچھے نہیں لگتے۔ وہ اسی قسم کی گہری گہری باتیں کرتا رہا اور ڈاکٹر میرا معائنہ کرتا رہا۔"

معلنے کے بعد، ڈاکٹر چان نے انجکشن لگانے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔ "میرا پہلا تجربہ غلط تھا۔ دوسری فلم نے میرا خدشہ دور کر دیا ہے صرف جھٹی پڑھوئی سی خراش آئی ہے۔ تین چار روز بعد، میری طرف سے اسے ہوائی جہاز سے کودنے کی بھی اجازت ہوگی۔"

"اوہ، نہیں، چان! بیکر ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ اسے جلدی فٹ کر دے کل پرسوں تک اسے بہ طور اکن روڈ ہونا چاہیے۔"

"میں کوشش تو کر رہا ہوں، مسٹر بیکر! ویسے نابل زندگی کی حد تک یہ کل بھی فٹ ہے۔ مجھے صرف زخموں کے ٹانگوں کا خیال ہے۔"

"شکریہ، ڈاکٹر..." بیکر ایک دم پرسکون ہو گیا۔ "میں اس بات کا خیال رکھوں گا۔"

جونہی بیکر، ڈاکٹر کو دروازے تک چھوڑنے گیا، ایڈنا اور مارشا، دوڑتی ہوئی نکل آئیں۔

"سنا، آپ نے میڈم! گوتم چپک کر بولا۔ "ماسٹر کا دل بالکل ٹھیک ہے۔ اب خطرے کی کوئی بات نہیں رہی۔ دو چار روز بعد ماسٹر، ہمارے ساتھ چل پھر سکے گا۔"

"اب بچہ پارٹی اپنے اپنے کمروں میں۔ بیکرنے آتے ہی ہاتھ اٹھا

کر اعلان کیا۔ "نہیں کچھ اہم مسائل پر بات کرنی ہے۔"

"اوہ، نہیں، ڈیڈ! مارشا احتجاجی انداز میں بولی۔ "خرم کوئی الحاح مکمل آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔"

"ہاں، بیکر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہم کوئی بینک لُٹنے کا منصوبہ نہیں بنائیں گے، ایڈی! جاؤ..."

میں نے دیکھا، ایڈنا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا لیکن وہ ہونٹ چباتی ہوئی مارشل کے ساتھ چل پڑی۔ البتہ گوتم وہیں کھڑا رہا۔ بیکرنے سر اٹھا کر اسے دیکھا مگر اس کی موجودگی پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔

"بابر کی دنیا کی کیا خبر ہے، انکل؟" میں نے کروٹ بدلتے ہوئے پوچھا۔ "ڈاکٹر چان، ہمارے شرکار کی وجہ سے کسی پریشانی میں مبتلا... تو نہیں ہوئے؟"

"نہیں، صبح ہونے سے قبل ہی گوتم نے لاش وہاں سے ہٹا دی تھی۔"

"می جو کا تو مل...؟"

"اپنی بوٹیاں نوج رہا ہے۔ بیکرنے ہنس کر بتایا۔ "میک آپ کی وجہ سے تم ہوٹل میں پہچانے نہیں گئے تھے۔ می جو، مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ وہ حیرت انگیز بوڑھا کون تھا جس نے میرے بہترین لڑاکوں کو ہمیشہ کے لیے ناکارہ کر دیا ہے؟"

"ایڈی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟" میں نے شرارت سے پوچھا تو بیکرنے قہقہہ لگایا۔

"ابھی تک یہی ظاہر کر رہا ہے کہ ایڈنا، اُسی کے پاس ہے۔ اگر تم ہوٹل میں میرے ساتھ دیکھے جلتے تو یقیناً وہ مشکوک ہو جاتا۔"

"ٹھیک ہے، انکل! میں نے پرجوش آواز میں کہا۔ "اب وہ جو ہا خود اپنے ہی جال میں پھنس گیا ہے۔ آپ، ایڈنا کی واپسی کا اتفاقاً، پُر زور انداز میں جاری رکھیں اور اپنی شرائط پر معاہدے کریں کیونکہ اب وہ پہلی سی اکڑ کے ساتھ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ ہم اس کا جوتا، اُسی کے منہ پر ماریں گے۔"

بیکرنے میری تجویز کی حمایت میں سر ہلایا اور گوتم کو ٹیلی فون سیٹ اٹھالانے کا اشارہ کیا۔

"نہیں، انکل! میں جلدی سے بولا۔ "ٹیلی فون نمبر سے می جو، ہمارے ٹھکانے کا پتہ چلائے گا۔"

"میں، چنگ سے بات کروں گا۔ وہ چاہتا ہے، کھلے سندر میں جنگ کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ پسائی اختیار کر کے، دشمن کو خشکی کے محاذ ہی پر گھیر لیا جائے۔"

"آپ اپنی بات کی وضاحت کریں، انکل! پھر میں ایک نئی

تجویز پیش کروں گا۔"

"چنگ سے آج میری ملاقات ہوئی ہے۔ اُس نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ اُس کے طاقت ور حریف اور اس شہر کے بے تلج... بادشاہ کو ایک مشرقی نوجوان نے قیل مدت میں جڑوں سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ اب می جو، زخمی درندے کی مانند تنہا کسی کھوہ میں بیٹھا اپنے زخم چاٹ رہا ہے۔ چنگ تمہاری بے حد تعریف کرتے ہوئے خواہش مند ہے کہ تم، اُس کے گروہ میں چلے آؤ۔ تمہیں دوسری پوزیشن دی جائے گی۔ ان دونوں دوسری پوزیشن پر اُس کی بیٹی جو زینا فائن تعینات ہے... لیکن یہ اُس کی خواہش اور درخواست ہے بیٹے۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ اگر تمہیں، اسی شہر میں رہنا ہے تو میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اب تم کسی جگہ بھی وہ کام نہیں کر سکو گے جسے شریف لوگ ذریعہ معاش کہتے ہیں۔ تمہیں اپنے ماضی کے بوسے ہوئے کو بہر حال کاٹنا پڑے گا۔ خود کاٹو یا کسی گروہ کے ساتھ مل کر، فیصلہ بہر حال تمہیں ہی کرنا ہے۔"

"فیصلے کی گھڑی ابھی نہیں آئی، انکل! میں نے لاپرواہی سے کہا۔ "فی الحال، چنگ جی ہمارا موضوع نہیں پہلے ہی جو کی بات کریں۔ ویسے آپ، چنگ کے ساتھ مل کر کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں، اُس سے معاہدہ کر دوں گا۔ جہاز میرا ہو گا جب وہ جہاز پر سامان منتقل کر چکے گا تو تم اور چنگ جی مل کر جہاز پر قبضہ کر لو گے اور سامان لے کر نکل جاؤ گے۔"

"آپ کے خیال میں می جو اتنا ہی احمق ہے؟"

"کیا مطلب...؟"

"نہیں، انکل... می جو، زندگی کا آخری قیمتی اثاثہ یوں ہی آپ کے جہاز میں نہیں رکھ دے گا۔ پہلے وہ حفاظت اور ضمانت کا مکمل انتظام کرے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ اُسے یہاں نہ پھیر جائے اور نہ ہی چنگ اس معاملے میں اپنی ٹانگ اٹائے۔ وہ، می جو سے بھی بڑا شیطان ہے۔ ہم اُس کے چنگل میں ہرگز نہیں پھنسیں گے۔"

"اب تم اس مخالفت کی وضاحت کرو گے۔"

"سنئے، انکل! میں نے ٹکلیے کے سہارے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر می جو، ایڈنا کو اغوا کرنے کی کینگی نہ کرتا تو بخدا میں اُسے اُس کی تمام خاستوں سمیت معاف کر کے یہاں سے کسی طرف خاموشی سے نکل جاتا۔ اُس نے خود مجھے پھیرا ہے۔ اب اگر میں انتقامی کارروائی کا فیصلہ کر چکا ہوں تو میں، اُسے صرف پتوں سے محروم نہیں کروں گا، میں، اُس کا وہ پورا درخت جڑ سے کاٹ دوں گا جو اُسے پھل دے رہا ہے۔ یقین کریں، آپ کے توسط سے وہ، اُس مال کا تیسرا بے جانا چاہتا ہے جو وہ پہلے ہی فلپائن منتقل کر چکا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے، میرے دوست! میں صرف اُس سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ میرے اشارے پر چنگ کے گروہ، اُسے تہس تہس کر دیں گے۔ بیکر کبھی آواز میں بولا۔"

"اور وہ مال غنیمت بھی ہرپ کر جائیں گے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مال کی پروا نہ کرو، پیارے لڑکے! اُس نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر ایک طویل سانس لی۔ "میں اب زندگی سے ریٹائر ہونے کے قریب ہوں۔ اگر تم پسند کرو تو ایڈی کے شانہ بشانہ میری جگہ آ سکتے ہو۔ میرے چھتے میں اتنا شہد موجود ہے کہ آنے والی تین چار نسلیں اُس سے مستفید ہو سکتی ہیں۔"

"شکریہ، پیارے انکل! یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے وطن سے مال کمانے ہی روانہ ہوا تھا لیکن میرے ذہن میں مال کمانے کے ذرائع یہ ہرگز نہ تھے۔ آپ کے اس مجرم تجربے نے مجھ سے اللہ کی ساری توانائی اور نیت کی پاکیزگی چھین لی ہے... میں انتقام لینا چاہتا ہوں، اپنی ذات کی تباہی کا انتقام... می جو کو اگر یہاں لوٹ لیا گیا تو وہ زخمی درندہ بن کر کسی دوسری بستی پر ٹوٹ پڑے گا۔ میں، اُسے اس طرح تباہ کرنا چاہتا ہوں جس طرح کسی تباہ کن بم کو محراب میں گرایا جاتا ہے تاکہ کسی جان دار کا نقصان نہ ہو۔ میرے باوقوف ذرائع کی خبر ہے کہ می جو، فلپائن میں بھر پور انداز میں اپنے جرائم کا آغاز کرنا چاہتا ہے۔ منشیات کا بہت بڑا ذخیرہ، وہ وہاں... منتقل کر چکا ہے۔ آپ نے غالباً می جو کی دست راست سونیا کا نام سنا ہو گا۔ وہ، میری وجہ سے گروہ سے کٹ کر زیر زمین چلی گئی ہے۔ اُس کے پاس ایسی معلومات ہیں جو می جو کو جہنم رسید کر سکتی ہیں۔"

"ہوں... تو تم، اس لڑکی کی معلومات کی روشنی میں کوئی منصوبہ بنانا چاہتے ہو؟"

"ہاں، انکل! میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اُس کے پاس نقشہ ہے۔ غالباً می جو نے ذخیرہ کسی دیران مقام پر چھپا رکھا ہے، ہم وہاں جا کر آسانی سے تمام مال پر قابض ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ پرسوج انداز میں بولا۔ "پھر تو چنگ کو الگ ہی رکھنا پڑے گا۔ تم منصوبہ ترتیب دو۔ میں، می جو سے بات کروں گا۔"

"آپ، اُس سے حتمی فیصلے کا وقت اور جگہ مقرر کر لیں... میں سونیا کو یہاں بلاؤں گا۔ آج رات ہی ہم مل کر منصوبے کو آخری شکل دے ڈالیں گے۔ کل آپ، می جو سے معاہدہ کر لیں۔"

بیکر چند لمبے خاموشی میں ڈوبا، گال سہلٹا رہا پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میرے لیے کیا حکم ہے، باس؟" اچانک گوتم نے اینٹنشن ہو کر پوچھا۔

"تم، خرم چوہدری کے چاروں میں ہو۔" بیکر نے سپٹ آواز میں کہا۔
"ان لڑکیوں کا خیال لکھنا خرم کو زیادہ پریشان نہ کریں۔ اسے اچھی خود رک اور آرام دو۔ میں جا رہا ہوں۔"

بیکر کے نکلنے ہی مارشا اور ایڈنا مکے میں پہنچ گئیں۔
"معزز خواتین! گوتم نے مؤدب انداز میں جھک کر اعلان کیا۔
"باس کا حکم ہے کہ ماسٹر کو خوب کھلایا پایا جائے اور آرام کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔"

"میں جا رہی ہوں، حاسد نو جوان! مارشل نے اُس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "میری بات نوٹ کر لو، ایک نہ ایک دن کوئی لڑکی تمہارے ماسٹر کو لے آئے گی۔"
"کون...؟" گوتم چمکا رہا۔ "میں کسی لڑکی کا سایہ ماسٹر پر نہیں پڑنے دوں گا۔"

"سُن رہی ہو، ایڈی! مارشل نے ہنستے ہوئے ایڈنا سے کہا۔ یہ لڑکا کیا کہہ رہا ہے؟"

"ہاں..." ایڈنا نے حسبِ عادت ڈھیمی آواز میں کہا۔ "لیکن میرا خیال بھول رہا ہے کہ پڑوانے کو کوئی نہیں روک سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ خالی پیٹ، ایسی باتوں سے نہیں بھرتا۔ میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "میرا پیٹ کچھ کھانے کو مانگ رہا ہے۔"
"کچھ ہے، ختم؟" ایڈنا نے پوچھا۔ "اگر نہیں ہے تو مارکیٹ سے لے آؤ۔"

"جانا ہی پڑے گا۔ آپ مینو بنائیں، میڈم! میں لے آتا ہوں۔"
"کیا پسند کرو گے، خرم؟" ایڈنا نے جھک کر بڑے ہی پیار سے اور مہربان انداز میں پوچھا۔

میراچی چاہا کہ اُسے بتاؤں: "مجھے صرف تمہارا قرب اور یہ بھول سا دھکا چہرہ پسند ہے۔ تم قریب بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھتا رہوں۔ باقی تمام ضروریات زندگی اور وقت کا احساس مٹ جائے۔ لیکن مارشا اور گوتم میری آرزو میں حائل تھے اور کچھ میری فطری کمزوری... میں اُسے دیکھتا ہی رہا۔"

"اوہ، ختم! مارشا بولی۔ "یہ دونوں تو ڈوب گئے... آؤ، ہم مارکیٹ چلیں۔"

"اوہ... تن... نہیں..." ایڈنا ہڑکڑا کر میری نگاہوں کے ہتھار سے نکل گئی۔ "میں تو خرم کی پسندیدہ ڈش پوچھ رہی تھی۔"

"اور اُس نے لگا ہوں کی زبانی اپنی پسندیدہ ڈش بتادی، مارشا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیوں، ختم؟ تم نے آواز سنی ہے نا؟"

"پتہ نہیں، مِس! میں تو اپنی پسندیدہ ڈش کو دیکھ رہا تھا۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔ ایڈنا چپ چاپ کھڑی رہی۔ کیونکہ اُسے گوتم کی پسند ہی معلوم نہ تھی۔ البتہ مارشل نے لڑکی نگاہوں سے گوتم کو گھورا تھا۔

"مجھے اجازت دو، خرم! مارشل نے رُخ پھیر کر کہا۔ "چاؤشی! میرے لیے پریشان ہوگی۔ ہم نے اُسے خوش گوار حالات میں نہیں بھجوا تھا۔"
"وہاں نہ جانا، مارشی! میں نے کہا۔ "ہم آدھرا ایک لاش چھوڑ کر آئے ہیں۔ اگر وہ لاش اٹھوائی نہیں ہے تو قانون، چاؤشی! تک ضرور پہنچ چکا ہوگا۔ ابھی ایڈی کو بھی تمہاری رفاقت کی ضرورت ہے۔ باہر صرف گوتم جاسکتا ہے۔"

"لیکن میں، تم لوگوں پر بوجھ..."
"بس، آگے کچھ نہ کہنا۔" میں نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے سرزنش آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم سب، ایڈی کے مہمان ہیں اور ایڈی، اس شہر کے امیر ترین معزز باپ کی فیاض اور مہربان بیٹی ہے۔"

"مہمان، نہیں... خاندان کچھ، خرم! ایڈنا نے مارشا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ "پچھوٹا سا خوش و خرم خاندان۔ تم لوگوں نے میری زندگی کی تمام ادا سیاں دور کر دی ہیں۔ اتنا سکون اور خوشی، مجھے کب ملی تھی؟"

ایڈنا کی ہمتی باتوں نے ماحول کو مزید خوش گوار بنا دیا تھا۔ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میرا اشارہ پا کر گوتم نے ریسپونڈ اٹھا دیا اور صرف ہیلو کہہ کر ٹیلی فون سمیت میری جانب چل پڑا۔ "باس کی آپ کے لیے کال ہے۔"

میں نے گوتم کے ہاتھ سے ریسپونڈ کر کان کے قریب کر لیا۔ "ہیلو... یس، انکل! کوئی اچھی خبر...؟"

"ایڈی کہاں ہے؟" بیکر نے پوچھا۔ "بچہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر بولتا چلا گیا۔" اگر وہ، تمہارے قریب ہے تو صرف کان استعمال کرو۔ کھیل، ہماری توقعات سے کہیں زیادہ تیزی سے آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ میری نئی کوٹھی، شعلوں میں گھری ہوئی ہے۔"

"اوہ... کس نے...؟"

"خرم چوہدری..." بیکر کی دھار سنائی دی۔ "صرف سنو! میں نہیں چاہتا کہ ایڈی تک یہ خبر پہنچے۔ وہ لڑکی ہے، ہم مرد ہیں، بڑی سے بڑی چوٹ برداشت کر لیتے ہیں۔ میں ایک فرلانگ دور ہوں۔ فائر فائڈ کا عمل، اپنے کام میں مصروف ہے۔ یہ کمینگی اگر می جوتے کی ہے تو مجھے کوئی تعجب نہیں۔ کمینڈو سٹن اور مہاراجا اکتا ہی ایسی حرکت کر سکتا ہے وہ احمق سمجھتا ہوگا کہ خرم اور ایڈنا، کوٹھی میں موجود ہیں یا پھر وہ مجھے اس طرح ہر سال کے کچھ مطالبے منوانا چاہتا ہوگا۔ تمہیں صرف یہ بتانا

مقصود تھا کہ کھیل میں شدت پیدا کر دی گئی ہے۔ یہ جس کی بھی پلاننگ ہے، اُس کا مقصد بیکر کو اُس کے خول سے نکالنا ہے۔ اگر تمہاری معذوری پیش نظر نہ ہوتی تو میں آج ہی جوابی کارروائی کا آغاز کر دیتا۔ خیر کوئی بات نہیں چند روز بعد سہی... میں، می جوتے سے رابطہ قائم کر رہا ہوں۔ اگر کامیاب ہو گیا تو تمہارے پاس نہ آسکوں گا۔ یقیناً وہ، میرے پیچھے اپنے گتے لگا دے گا۔ گھبرانا نہیں، تمہارے انکل کے پاس درجنوں ایسی کوٹھیاں ہیں۔ بس خوش رہو اور جلدی سے فٹ ہو جاؤ، خدا حافظ!"

سلسلہ منقطع ہو جانے کے باوجود، میں دیر تک ریسپونڈ کان سے لگے رہا اور اندر ہی اندر کھولتا رہا مجھے دکھ تو صرف یہ تھا کہ ماضی کا ایک بُرا شخص، حال کی روشنی سے نکل کر پھر ماضی کے اندھیروں کی جانب جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ وہ کون تھا جس نے ایک معزز... اور شریف شخص کو اٹھا کر ماضی میں پھینک دیا تھا...؟ میں، خرم سلطان چوہدری جس کا پردادا باشم خان چوہدری ستمیائیاں اور روشنیاں پھیلانے کے لیے دس برس تک ہندوستان کے چپے چپے میں پھرتا رہا تھا۔ جس کے دادا نے چھوٹا سا تیاگ کر ایک ویران مسجد کو آباد کیا تھا۔ انہی روشنی کے میدانوں کی ایک کرن، خرم سلطان چوہدری، بڑائیوں کے گڑے مڑے اُگھاڑا پھر رہا تھا۔

"کیا بات ہے، خرم؟" مجھے کھویا ہوا دیکھ کر ایڈنا نے میرے ہاتھ سے ریسپونڈ لیتے ہوئے پوچھا۔ "ایڈی تو ٹھیک ہیں نا؟"
"ہاں..." میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "سب کچھ ٹھیک ہے، ایڈی! صرف میں خراب ہوں۔"

"ہاں، تم بیمار ہو، ایڈنا بولی۔ "اور میں جانتی ہوں یہ زخم تمہیں میں نے دیے ہیں۔"

"اور تمہیں کس نے مصیبت سے آشنا کیا ہے، ایڈی؟" میں نے دکھ سے پوچھا۔ "تم دل کی بات زبان پر کیوں نہیں لاتیں؟ مجھے اُٹھا کر باہر کیوں نہیں پھینک دیتیں؟"

"اس لیے کہ تم ہماری سانسوں اور دھڑکنوں میں شامل ہو چکے ہو، ہمارے اپنے ہو۔ ایڈنا نے میرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اوہ... وہ دونوں کہاں ہیں؟ میں نے چونک کر کمرے میں ادھر ادھر دیکھا۔

"یہاں صرف ہم دونوں ہیں۔ ایڈنا بولی۔ تب میں نے آنکھیں موند لیں اور ایڈنا کے چہرے کے سم میں کھو گیا۔

چند لمحوں بعد برتنوں کی کھڑکھڑاہٹ ابھری اور ہم دونوں ہی چونک پڑے۔ ایڈنا، مجھ سے نظریں چراتی ہوئی صوفے پر جا بیٹھی۔

شام سات بجے، ڈاکٹر جان اور اُس کی چھٹی محبوبہ جین مکرے میں داخل ہوئے تو میں چپل قدمی کر رہا تھا۔ ایڈنا، کمرے ہی میں تھی... مارشا اور گوتم، کچن میں تھے۔
"اوہ، مسٹر خرم! ڈاکٹر جان چیخا۔ "تمہیں ابھی نہیں اٹھنا چاہیے تھا۔ چلو، لیٹ جاؤ۔"

"شکریہ، مہربان ڈاکٹر! آپ کی دواؤں اور اپنوں کی دعاؤں سے میں خود کو پیٹے سے بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔"

ڈاکٹر نے مجھے تھام کر بستر پر لٹا دیا اور میرا گریبان کھولتا ہوا بولا۔
"پلازیم، تم بہادر ہو... لیکن دواؤں اور دعاؤں کے ساتھ احتیاط کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ وہ، میرے زخموں کا جائزہ لینے لگا۔ "مجھے لیبارٹری ٹیسٹ لینا پڑے گا۔"

"کیا میں بیچہ جاؤں، ڈاکٹر؟" میں نے پوچھا۔
ڈاکٹر، اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "گو تمہارے زخم بظاہر ٹھیک دکھائی دیتے ہیں مگر میرا مشورہ ہے کہ دو دن اور آرام کر لو... ہو سکتا ہے اندر دوسری حالت ہو۔"

اس دوران میں مارشا اُن کے لیے بیئر لے آئی تھی۔ چاروں نے ایک ایک گلاس نوش کیا۔ ایڈنا نے جین کو بتایا کہ خرم سلطان، مذہب کے حوالے سے اس نعمت سے دور رہتا ہے۔

"ڈاکٹر جان..." ایڈنا نے گلاس رکھ کر ہونٹ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ "اب آپ کی شادی میں کون سی شرط شامل ہے؟"

ڈاکٹر جان نے مسکراتے ہوئے جین کی طرف دیکھا۔ "ایڈی کے اس مشکل سوال کا جواب دو، جین!"

"جان کے والد فی الحال راضی نہیں ہیں... اور میں، جان سے اتنی بڑی قربانی نہیں چاہتی۔" جین نے بتایا۔ "گو جان کو آبائی جائداد کی پروا نہیں۔ ہم دونوں مل کر بہت کچھ بنالیں گے... مگر اصل نقصان خاندان کی ناراضگی ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گی کہ جان صرف میری خاطر اپنے خاندان سے نکال دیا جائے۔"

"اگر اجازت نہ ملی تو؟" ایڈنا نے پوچھا۔
"تب بھی ہم انتظار کرتے رہیں گے۔ ہمارے سامنے زندگی کا ایک مقصد ہے، وہ ہے دکھی انسانیت کی خدمت۔ شادی تو ایک اضافی مسئلہ ہے۔ شادی نہ ہوئی تو کیا نقصان ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ میں، جان کے بچوں کی ماں نہیں بن سکوں گی اور یہ کوئی ایسا نقصان نہیں کہ ہم خاندان سے بغاوت کر دیں۔"

میں نے دل ہی دل میں جین کے خیالات اور جذبات کو سراہا۔ دس منٹ بعد وہ دونوں چلے گئے تو میں نے اُٹھ کر برقعہ کا نمبر

ڈال کیا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی لیکن ریسپور اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ میں سلسلہ توڑنے جا ہی رہا تھا کہ ریسپور اٹھانے کی آواز نے میرا ہاتھ روک دیا۔

"مسٹر فونچر بول رہی ہوں۔" بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔۔۔

مسٹر فونچر موجود نہیں ہیں۔ اس نے آواز اور لہجہ بدلنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے آواز پہچان لی تھی۔ "سنو، اگر تمہارے نام کا پہلا حرف 'اے' ہے تو میرے نام کا پہلا حرف 'کے' ہے۔"

"اوہ، غرم، وہ چیخی۔" کہاں ہو، میرے پاس تمہارے لیے بہت بڑی بڑی خبریں ہیں، جلدی ہو۔"

"میرا خیال ہے، تم اب اپنی کھوے ہوئے نکل آؤ۔۔۔ اگر گاڑی کا مسئلہ ہے تو تیار رہو، میرا دوست تمہیں لینے آ رہا ہے۔ اس کی پہچان اس کا سیاہ چہرہ ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تیار ہوں، اسے بھیج دو۔" اس نے کہا۔ "تین بار ڈک ڈک کر بل بجائے گا۔"

"او۔ کے۔۔۔ ہاں، اگر پسند کرو تو چند جوڑے کپڑے ساتھ لیتی آنا۔۔۔ ادھر بہت محفوظ جگہ ہے۔" میں نے ریسپور رکھ کر گوتم کو آواز دی۔

چند لمحوں بعد اس نے ایئر لیں بجاکر اپنی آمد کا اعلان کیا۔ گوتم: فی الفور کو لون جاؤ اور برتھ کے کراچ سے سونیا کو لے آؤ۔ میں نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔ "تمہیں تین دفعہ وقفہ وقفہ سے کال میں بجانا ہوگی۔"

"یس سر۔۔۔" اس نے سر کو خم دیا اور ادھر ادھر دیکھے بغیر ہانکل گیا۔۔۔ اور میں سوچ میں ڈوب گیا۔

مارشا اور ایڈنا کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے سوئے چلی گئیں لیکن میں جاگ رہا تھا۔ میں گوتم اور سونیا کی دھڑکنے پریشان تھا۔ سونیا ایک ایسے شخص کا منہ توچ چکی تھی جس کی خصلت، ناگ، اونٹ۔۔۔ اور پھیرے کی خصلتوں کا مجموعہ تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ سونیا اگر میری ٹوکے کسی گڑھے کی لگا ہوں میں انہی تو ٹوکڑاؤں کا زہر پھو جائے گا اور گوتم وہ شخص تھا جو صرف اپنی لاش سے گزر کر کسی کو سونیا تک جانے کی اجازت دے سکتا تھا۔

خود کار دروازہ جوڑی ہلکی چرچاہٹ سے نیم ہوا میں اچھل کر ستر سے نیچے آگیا۔۔۔ لیکن کواڑوں کی غلامی میں نمودار ہونے والا چہرہ بیکر کا تھا۔ میں ایک طویل سانس لے کر دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ بیکر کے عقب میں ایک اور چہرہ تھا۔

اجنبی، قد اور چہرے کے لحاظ سے پندرہ، سولہ برس کا برفان زدہ لڑکا دکھائی دیا لیکن چہرے کی نمایاں جھریوں اور کنپٹیوں کے سفید

بال، اسے معترض شخص ظاہر کر رہے تھے۔ بیکر نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے کر دیا۔

"اس سے ہلو، پیارے لڑکے،" بیکر بولا۔ اسے اپنا نام یاد نہیں لیکن لوگ اسے کاشی بہرو پیتے کہتے ہیں۔ روپ بدلنے میں اس کا ثانی کم از کم اس شہر میں کوئی نہیں۔

کاشی نے سر جھکا کر مجھے تعظیم دی اور اپنے میل خوردہ اور پیلے دانت نکوس کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا مسٹر کاشی، اس وقت بھی بہروپ میں ہیں؟" میں نے پوچھا تو کاشی نے کان کے قریب سے، چپکی میں پکڑ کر ایک جھلی آمار لی۔

جھلی کے نیچے سے واقعی ایک نوجوان چہرہ برآمد ہوا تھا۔ کاشی۔۔۔ بیکر نے اسے مخاطب کیا۔ "کڑی لے کر تم، اس کو نے میں چلے جاؤ۔" کاشی نے حکم کی تعمیل کرنے میں دیر نہیں لگائی، وہ، کمرے کے انتہائی کونے میں دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔

بیکر اپنی کڑی گھسیٹ کر میرے سر ہانے لے آیا اور پھر سرگوشیاں انداز میں بولا۔ "میں اس بوڑھے شیطان سے مل کر رہا ہوں۔ آگ کی ذمہ داری، اس نے قبول نہیں کی ہے۔ میں نے بھی زیادہ زور نہیں دیا۔ اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ، تم سے بے حد خوف زدہ ہے۔ اس نے اپنی تباہی اور پسپائی کا نوے فی صد ذمہ دار تمہیں قرار دیا ہے۔ اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ جنگ چھی برسوں سے اس کے خلاف جنگ کرتا رہا ہے لیکن اب تک وہ صرف دس فی صد نقصان پہنچا سکا ہے۔"

"بہر حال میں اس سے منٹ ٹوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ اصل موضوع کی طرف آئیں۔"

"معاملہ میری توقع کے برعکس طے ہو گیا ہے۔۔۔ میں تو ذہنی طور پر بہت سی رعایتیں دینے پر تیار تھا لیکن چونکہ اس کے پاؤں اکھڑے ہوئے تھے اس لیے وہ ہم کو کوئی بات نہ منوا سکا۔ بہر حال دو گھنٹے کے مذاکرات کا پتہ یہ ہے کہ وہ، میرا جہاز کرایے پر حاصل کرے گا۔۔۔ مال کھلے سمندر میں ایک سو گھو میٹر دور، جہاز پر منتقل کیا جائے گا۔ جہاز کے ٹیلے میں کیپٹن، ڈاکٹر اور چیف انجینیئر میرے ہوں گے، باقی عملہ وہ لے گا۔ نگرانی کے اسٹاف میں دو آدمی اس کے اور دو میرے ہوں گے۔

مال جس لاکر میں لکھا جائے گا، اس کی نگرانی پر ہر وقت، ہم دونوں کا ایک ایک آدمی مقرر رہے گا۔ اسی طرح فلیپان کی بندرگاہ سے پچاس کلومیٹر دور، ایک آب دوز، چادوں کی موجودگی میں مال چیک کر کے وصول کرے گی۔"

"ہوں۔۔۔ طریقہ کار تو بڑی ذہانت سے تیار کیا گیا ہے۔ کیا جہاز

پر ملے اور نگرانوں کے علاوہ مسافر بھی ہوں گے؟

"ہاں۔۔۔ لیکن زیادہ سے زیادہ پندرہ مسافروں کا کرایہ، می جو کے کھاتے میں جمع کرنا ہوگا۔"

"روانگی کب ہے؟"

"میرا جہاز، چار روز بعد، انڈونیشیا سے آ رہا ہے۔" بیکر نے بتایا۔ "کل سے مسافروں کی بکنگ شروع ہو جائے گی۔"

"آپ نے اپنے دو نگرانوں کا انتخاب کر لیا ہے، انگل؟"

"تم۔۔۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" بیکر نے بددلتی آواز میں پوچھا۔ "کیا تم نے ارادہ بدل دیا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں، انگل! دراصل دو آدمیوں کی ضرورت لگا کر، اس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ میں، گوتم کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اگر گوتم ساتھ گیا تو ایک اہم کلوز یہاں رہ جائے گی۔ میرے منصوبے کی زنجیر، اسی کڑی سے مربوط ہے۔"

"کیا مدشا۔۔۔؟" بیکر لگا ہی پڑا کر بولا۔

"اوہ، نہیں۔۔۔ انگل! اس کہانی میں مارشا کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں، سونیا کی بابت سوچ رہا ہوں۔ وہ، می جو کے قریب رہ چکی ہے۔ وہ ایک ذہین اور جی دار لڑکی ہے اور پھر صرف جہاز ہی میں نہیں، بلکہ فلیپان، پہنچ کر میں اس کی مدد سے می جو کے تباوت میں آخری کیل ٹھونک سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، جسے تم پسند کرو گے، وہی چلے گا۔ اسے یہاں بلاؤ، تاکہ کاشی، تمہارے چہروں کی مرمت کر سکے۔ می جو، کل کسی بھی وقت میری طرف سے جانے والے دونوں نگرانوں سے ملے گا۔ وہ، انھیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے، تم اور سونیا، اپنی اصلی صورتوں کے ساتھ وہاں نہیں جا سکتے۔ اس لیے میں نے کاشی کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ اس کا دعوام ہے کہ یہ جس کا چہرہ بدل دے، اسے اس کی ماں بھی نہیں پہچان سکتی۔"

"چہرے کے قدر وخال بدل سکتے ہیں مگر آواز کسی روپ میں نہیں چھپ سکتی۔" میں نے متوقع خطرے کے پیش نظر کہا۔ "وہ، میری اور سونیا کی آواز، قیامت کے شور میں بھی پہچان لے گا۔"

"اس خطرے کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، میرے بچے! بیکر نے بتایا۔ "ڈاکٹر ایون آواز بھی بدل دے گا۔ کاشی، آؤ، ذرا چہرہ دیکھ لو، ہمیں کل شام تک کام مکمل کرنا ہوگا۔"

کاشی، میرے قریب آیا اور پتی پر دونوں ہاتھ ٹیک کر میرے چہرے کو گھونٹنے لگا۔

"آہ، ماسٹر! وہ سسکی نما آواز میں بولا۔ "اتنا شاندار چہرہ بگاڑتے

ہوئے، مجھے پہلی بار دکھ ہوگا۔۔۔ ہاں، تیرا دوست، ایک سا چہرہ پسند کر دے۔" ایسا چہرہ جسے دیکھ کر لڑکیاں ڈرجائیں۔ میں نے جواب دیا اور بیکر ہنسنے لگا۔

"ہاں، لڑکے، ہیبت ناک چہرہ بنا دو۔ شفاک اور سرد چہرہ۔"

"افریقہ چہرہ ٹھیک رہے گا۔" کاشی نے کہا۔ "رنگوں کے سوا کوئی خاص کانسٹ چھانت بھی نہ ہوگی۔"

"مجھے ایسا چہرہ دو، کاشی، جو ہر جگہ اپنا بھرم رکھ سکے۔ جھلی بردار چہرے پائدار نہیں ہوتے۔"

کاشی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ٹھوس آواز میں کہا۔ "میں چھ ماہ کی گارنٹی دوں گا۔"

عین اس وقت جب کاشی اپنا کام شروع کرنے والا تھا، دروازہ کھلا اور گوتم ایک طرف مؤدب کھڑا دکھائی دیا۔ دوسرے ہی لمحے سیاہ لباس میں ملبوس، سونیا اندر داخل ہوئی۔

"گڈ نائٹ، معزز حضرات! اس نے قدرے جھجک کر سلام کیا۔

"انگل، ایہ میری بہترین دوست مس سونیا ہیں۔" میں نے تعارف کرایا اور سونیا یہ۔۔۔

"ہاں، میں جانتی ہوں، یہ انگل بیکر ہیں۔ وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔ "ایڈنا کو بھی یہاں پہنچا چلے تھا۔"

"وہ سونے کے لیے جا چکی ہے۔۔۔ بیٹھو، کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟"

"بالکل نہیں، ماسٹر! گوتم بول پڑا۔

"کاشی، تم کل صبح اپنے کام کا آغاز کرنا۔" میں نے کہا پھر بیکر سے مخاطب ہوا۔ "انگل، میرا خیال ہے کہ سونیا سے بھی بات کر لی جائے۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ کیوں، کاشی، صبح آسکتے ہو؟"

"سوری، سر۔۔۔" وہ عقیدت خواہانہ انداز میں بولا۔ "کل میں نے ایڈنا پر تھیراپی کی کچنی والوں کو وقت دے رکھا ہے۔ کل وہ لوگ، تین شو کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ویسے آج رات میں انتظار کر سکتا ہوں۔ آپ لوگ آرام سے صلح مشورہ کر لیں۔" وہ مڑا اور واپس اپنی جگہ جا بیٹھا۔

میں نے گوتم کو اپنے لیے کافی اور دوسروں کے لیے ان کے من پسند مشروب لانے کا حکم دیا۔۔۔ مشروبات آنے تک، میں اور بیکر، سونیا کو ماضی قریب کے حالات سے آگاہ کرتے رہے۔

"اہم سوال ہے، آبدوز کا۔" سونیا نے پیگ سے سہلے لیتے ہوئے کہا۔ "جہاز پر کنٹرول حاصل کرنا کوئی مشکل مرحلہ نہ ہوگا۔ بالفرض ممال، ہم آبدوز پر قبضہ کر بھی لیں تو کنارے کے حالات سے ہم قطعی بے خبر ہوں گے۔"

"تھار سوال بلاشبہ اس ہے۔" بیکر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 "لیکن میرے خیال میں یہ اتنا پریشان کن مسئلہ نہیں ہے۔ سمندر جس قدر وسیع ہے، اس کا کنارہ بھی اسی قدر طویل ہے۔ آبدوز اپنی مرضی سے ساحل تلاش نہیں کرے گی۔ تم لوگ دائیں، بائیں بھی نکل سکتے ہو۔"
 "اوہ، نہیں... انکل! سونیا پاتھ اٹھا کر بولی۔ "می جو، آبدوز کرایے پر حاصل نہیں کرے گا، اس کی ذاتی آبدوز ہے جو ریوٹ کنٹرول سسٹم کی حامل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آبدوز کا عملہ محض مٹی کے بتوں کی طرح ہوگا۔ منتخب جگہ پر مقرر آدمی، کنارے سے آبدوز کو کنٹرول کرے گا میں ذاتی طور پر مشاہدہ کر چکی ہوں۔"
 "اگر تمھاری بات مان لی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنی محفوظ آبدوز کی موجودگی میں می جو اپنا مال بذریعہ جہاز کیوں لے جانا چاہتا ہے؟" بیکر نے کہا۔
 "اس لیے کہ آبدوز میں راڈار نصب نہیں ہے۔" سونیا نے بتایا۔ "وہ کسی بھی جہاز یا چٹان سے ٹکرا سکتی ہے۔"
 "اوہ... پھر تو واقعی یہ ایک قابلِ توجہ مسئلہ ہے۔" بیکر بڑبڑانے لگا۔ "کوئی تجویز..."

"صرف ایک ہی راستہ ہے۔" سونیا بولی۔ "راستے میں ہم... می جو کے جہاز پر قبضہ کر لیں اور پھر اپنی مرضی کا ساحل تلاش کریں۔"
 "جہاز میں مسافر بھی ہوں گے پیادہ لڑکی! بیکر نے اس کی تجویز رد کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا مقابلہ صرف می جو سے ہے۔ ہم بے گناہ مسافروں کو پریشان نہیں کر سکتے۔ اس میں میری ساکھ بھی متاثر ہوگی اور پریس کو میرے خلاف واویلا کرنے کا سبب موقع پاتھ آجائے گا۔ کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو۔"

سونیا بالوں میں انگلیاں الجھا کر سوچنے لگی۔ میں تو شروع ہی سے غیر متعلق سا چپ چاپ ان کی باتیں سنتا رہا تھا۔
 "دوسرا راستہ..." سونیا چند لمحے بعد بولی۔ "کیا آپ آبدوز کا انتظام کر سکتے ہیں؟"

"کوشش تو کی جاسکتی ہے۔" بیکر سوچتے ہوئے بولا۔ "ہاں... یہی بہترین راستہ ہے کہ ہم چلے مقررہ سے دس بیس کلومیٹر پیچھے ہی مال اتار لیں لیکن ایک قباحت ہے۔" بیکر نے میری جانب دیکھا۔ "جیسے میرا بیٹا خرم پسند نہیں کرتا۔ آبدوز کے لیے جنگ جی کی مددنا گریہ ہے۔" اسے شامل کرنا پڑے گا۔"

"کیوں خرم؟" سونیا نے مجھ سے پوچھا۔ "تمھیں جنگ جی کو شامل کرنا کیوں پسند نہیں ہے؟"
 "محض اس لیے کہ میں آسمان سے گر کر کھجور میں اٹنا نہیں چاہتا۔"

میں نے جواب دیا۔

"میں ایسا نہیں سمجھتی۔" سونیا وثوق سے بولی۔ "جو شخص می جو جیسے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر سکتا ہے، اس کے سامنے جنگ جی کوئی دیوار کھڑی نہیں کر سکتا۔ ہم جنگ جی کے سینے میں بھی شگاف ڈال کر دوسری طرف نکل جائیں گے۔"

"شگاف ڈالنا، اتنا سہل نہیں ہوتا، سونی! میں نے تمنا کی... آواز میں کہا۔ "می جو جیسے پہاڑ کے درمیان تنگ سارا سہ بنانے کے لیے جو کچھ ہوا ہے، تم اس کی گواہ ہو۔"

"بس، یہ آخری معرکہ ہوگا۔ میں نے ہمت کے سامنے تم سے وعدہ نہیں کیا تھا لیکن اب وعدہ کرتی ہوں کہ می جو کا خزانہ لوٹنے کے بعد، ہم اپنا اپنا حصہ لے کر نئی دنیا کی جانب نکل جائیں گے۔"

"کاشی... بیکر نے پوچھنا شروع کیا۔ "تم، ان دونوں پر اپنا کام شروع کر دو۔ میں تمھارے فن کار ہاتھوں کو مایوس نہیں کر دوں گا۔ اپنی ساری ہمارت صرف کر دو... صبح ڈاکٹر ایلیون، ان کی آواز میں اپنی پیشہ ومانہ ہمارت شامل کر دے گا... سنو، پچو! میں، جنگ جی سے ملنے جا رہا ہوں۔"

کاشی نے مجھے اسٹور روم میں لے کر گھر پر پہلا کوٹ کیا۔ سونیا کو اس نے کچھ دیر غنڈہ لینے کی اجازت دے دی تھی۔ گوتم کسی ماہر سرجن کے معاون کی طرح، اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ وہ مجھ پر سیاہ رنگ ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ کاشی تقریباً دو گھنٹے تک مصروف رہا تھا۔ پھر وہ مجھے ہدایات دے کر سونیا کا میک اپ کرنے چلا گیا... چونکہ سونیا نے اپنا رنگ تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، اس لیے صرف اس کے بالوں اور رخ و خال کو تبدیل کیا جانا تھا۔

... پھر جب میں قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا ہوا تو اپنی صورت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ صرف ایک احساس تھا کہ میں خرم سلطان ہوں ورنہ میں یکسر بدل گیا تھا۔ کاشی واقعی ماہر میک اپ میں تھا۔ میرے چہرے پر اس نے برس کے بے ترتیب نشان بنائے تھے۔ بحیثیت مجبوری میں ایک برس زندہ جتنی نوجوان تھا۔

جب سونیا کچن سے نکل کر آئی تو اس کا سانولہ حسن کچھ اور بھی قاتل ہو گیا تھا۔ کاشی نے اسے ساحرۂ رنگال کا روپ دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس روپ میں می جو اور ہمت، اسے ہرگز نہیں پہچان سکیں گے۔ اگلی صبح، میں اپنے کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ ایڈنا اچانک سامنے آگئی۔ میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی اور غرا کر بولی۔ "کون ہو، تم؟"

"آپ کا بندو بے دام، خرم سلطان! میں نے سینے پر ہاتھ رکھ

کر جواب دیا۔

"اوہ، میرے خدا... تمھارا یہ چہرہ... پھر وہ کھل کھل کر ہنس پڑی۔ "مارشا! ذرا جلدی باہر آؤ۔ تمھیں ایک عجوبہ دکھاؤں۔"

مارشا نائٹ گارڈ سنبھالتی ہوئی دھڑاڑے سے نمودار ہوئی اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "دیکھو، مارشا! خرم کا دوسرا جنم..."

"اوہ... میرے خدا... مارشا کے حلق سے طویل سانس نکل گئی۔ "میں تو ڈر ہی گئی تھی۔"

شور سن کر گوتم اور سونیا بھی بیدار ہو گئے۔ سونیا کی نگاہیں مارشا پر جم کر رہ گئی تھیں۔

"اس خاتون کو پہچانو، مارشا! میں نے سونیا کی طرف اشارہ کیا۔ یہ تمھاری دیرینہ دوست سونیا ہے۔"

"اوہ... نہیں... مارشا کی چیخ نکل گئی۔ "لیکن... شاید یہ بھی ایک آپ میں ہے، مگر کیوں، خرم؟"

"اس لیے کہ ہم چوروں کی طرح زیادہ دیریل میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ میں نے کہا۔ "ہم نئی صورتوں کے ساتھ باہر جائیں گے۔"

ایڈنا نے بھی سونیا سے مصافحہ کیا۔ چونکہ اس کی نقاہت ابھی پوری طرح دور نہیں ہوئی تھی، اس لیے وہ اپنا ناشتہ لے کر ہم سے معذرت کرتی ہوئی، ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اپنے بیدار روم میں چلی گئی... اور ہم لوگ ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی میں اصل موضوع کی طرف آ گیا... "سونی! اب تم مجھے یہ بتاؤ گی کہ اگر ہم کامیابی کے ساتھ، اُدھر ساحل پر اتر گئے تو می جو کے ذخائر تک پہنچنے کے لیے ہمیں کس قدر افرادی قوت... درکار ہوگی؟"

"سوری..." اس نے معذرت خواہانہ انداز میں سر ہلایا۔ "یہ تو وہاں جا کر ہی معلوم ہوگا۔"

"تمھارا نقشہ کیا کہتا ہے؟ ذخائر آبادی میں ہیں یا کسی ویران مقام پر..."

سونیا نے فوراً کوئی جواب نہ دیا تھا بلکہ وہ، میرے سوال سے کچھ پریشان ہو گئی تھی۔ "نقشہ، اب میرے پاس نہیں ہے، خرم! اس نے ہونٹ چبالتے ہوئے، میری سماعت پر دھماکا کیا۔"

"کیا مطلب...؟" میں نے دہکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میری پوری بات سن لو، خرم؟ وہ بوکھلا کر بولی۔ "میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ تمھاری وجہ سے جب میں، انکل شمعون کے سہارے اور می جو کے اعتماد سے محروم ہو گئی تو میں نے یاگا کا سہارا لیا۔ وہ میرا ایک

ساتھی اور می جو کا باپنی تھا۔ تمھارے بعد وہ واحد شخص تھا جو مجھے می جو کے درندوں سے بچا سکتا تھا۔ میں نے اس سے بات کی۔ وہ راضی ہو گیا۔ تب اس نے نقشے کو محفوظ کرنے اور مطالعہ کرنے کے بہانے مجھ سے لے لیا لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ وہ، میرا قابلِ اعتماد دوست ہے۔ ہم اسے بھی اپنے منصوبے میں شامل کر لیں گے۔"

"اوہ... نہیں سونی! میں نے زوردار لہجے میں کہا۔ "منصوبے کی عمارت مکمل ہو چکی ہے۔ اب اس میں کسی اینٹ کی گنجائش نہیں۔ جاؤ، سونیا! اس سے نقشہ واپس لے آؤ۔ ورنہ ہمارے منصوبے کی عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔"

"نہیں..." سونیا دو ٹوک لہجے میں بولی۔ "یاگا کسی احمق نوجوان کا نام نہیں ہے۔ وہ، می جو کی ٹھکانا شخص ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ، گردہ میں فٹ نہ رہ سکا۔ اگر اُسے ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ نقشہ لے کر تنہا فلپائن پہنچ جائے گا۔ خرم، پلیز... اس کی گنجائش پیدا کرو۔"

"ناممکن..." میں نے کہا۔ "تم کسی حیلے بہانے سے کوشش تو کرو۔" "میں اگر ادھر گئی تو کسی محکوم کی طرح پھنس جاؤں گی... وہ بھوکا بھڑیا، میرے جسم کا شیدائی ہے۔ نہیں، خرم، اب میں اس درندے کی کھوہ میں نہیں داخل ہو سکتی۔"

"ہوں..." میں پھنکارا۔ "تم وہاں نہیں جاؤ گی اور وہ نقشہ نہیں دے گا... لیکن اُسے دینا پڑے گا۔ میں، اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر نقشہ حاصل کروں گا۔ تم ساتھ ہو گی... لیکن صرف خاموش تماشائی کی طرح..."

وہ چند لمحوں تک سوچتی رہی۔ میرا خیال تھا کہ وہ، یاگا سے ٹکراؤ سے گریز کرتے ہوئے کوئی متبادل طریقہ بتائے گی لیکن جب میں نے اسے مسکراتے دیکھا تو استغفامیہ لگا ہوں سے اسے دیکھنے لگا... پھر وہ ایک دم قہقہہ لگا کر بولی۔ "تم واقعی درندے ہو، ٹھیک ہے، بہت دن ہو گئے، میں نے بھی کوئی خون ریز منگنا نہیں دیکھا۔ بلاشبہ یاگا بھی تم ہی جیسا ایک سفاک درندہ ہے، رحم اور مروت سے نا آشنا... لیکن میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔"

"میں، تمھاری جڑاتوں کا گواہ ہوں سونی! مجھے اعتراف ہے کہ تم دشمن کے لیے وہ ناگن ہو، جس کا دسپانی بھی نہیں مانگتا... لیکن میں تمھیں وہاں نہیں چلنے دوں گا۔ ہم ساتھی ہیں۔ ہمارا سفر، محاذ، نفع اور نقصان مشترک ہے۔ لہذا ہم دونوں، یاگا کے پاس جائیں گے۔"

"اوہ..." وہ آنکھیں بند کر کے سر شاہی کے عالم میں بولی۔ "تم کتنی خوبصورت باتیں کرتے ہو۔"

دس بجے، مارشانے باہر چلنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ وہ مارکیٹ سے

کچھ سودا سلف لانا چاہتی تھی۔ گو تھم بار بار میری طرف ملتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کی ان نگاہوں کا مطلب اچھی طرح سمجھتا تھا لہذا میں نے پُر سوچ انداز میں مارشلے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ تمہارا تنہا جانا مناسب نہیں ہے۔ گو تھم کو بطور محافظ ساتھ لے لو۔“

”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“ اس نے شانے اچکائے۔ اور سونیا پر تنقیدی نظروں والی ہوئی کمر سے نکل گئی۔ گو تھم نے حسب سابق ایریاں بجا کر سیلوٹ کیا اور دانت نکالتا ہوا، مارشلے کے پیچھے لپک پڑا۔

”بس، بہت ہو چکی۔“ تھوڑی دیر بعد سونیا دیکتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔ اس بیہودی گتیا کو تم لوگوں نے بہت سرچر مچا رکھا ہے۔“ اس نے نفرت سے ہونٹ سکیرے۔ ”پتہ نہیں تھیں، اس کی کون سی اداسند آگئی ہے؟“

”پسند کی بات نہیں سونی، صرف مروت... اس نے ایذا کی بازیابی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔“

”وہ خطرناک لڑکی ہے۔ اگر تم نے مروت جاری رکھی تو دیکھ لینا وہ اس خاندان کو بھی دس لے گی۔ اس کی گتھی میں سازش اور منافقت شامل ہے۔ اس نے برقع اور شمعون کو لڑا دیا تھا۔“

”بس، چند دنوں کی بات ہے پھر ہم دونوں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور سب کچھ ماضی کے اندھیروں میں گم ہو جائے گا۔“

”یہ تو سچ ہے کہ ہم واپس ادھر نہیں آئیں گے۔ سونیا پر عزم لہجے میں بولی۔ ”وہاں میں تمہارے ساتھ، تمہارے وطن جاسکتی ہوں۔ میں نے چونک کر سونیا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جلنے چلنے لگے تھے۔ ... اچانک میں نے کلائی کی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ”اوہ“ میرے خدا، مجھے تو اس وقت اسکاٹلینڈ کے آفس میں ہونا چاہیے تھا۔ انکل بیکر، میری وجہ سے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ جلدی کرو، سونی! میں نے بستر سے چھلانگ لگائی اور کمر آنکھوں سے سونیا کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں میں دبائے ہوئے تھی۔ ... پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”مادام ژری تاں کے ساتھ، میں نے وہ نیون سائن دیکھا تھا...“

مجھے صرف بورڈ کی عبارت کے حلی حروف ہی یاد رہ گئے تھے۔ ورنہ مجھے یہ تک نہیں معلوم تھا کہ اسکاٹلینڈ کے آسمانوں کی سیر کراتے ہیں... یا تابوت تیار کرتے ہیں۔ میرا مقصد سونیا کو باہر کھلی فضا میں لانا تھا۔ ہم نے سڑکوں، ہوٹلوں، ڈیپارٹمنٹل اسٹوروں میں گھوم پھر کر اپنے نئے چہروں کی آزمائش بھی کر لی تھی۔

ہم نے ایک ریسٹوران کے ڈائننگ ہال میں می جو کے دو گروگوں کو بھی دیکھا جو کسی شکار کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے

جان بوجھ کر، ان سے قریب ترین نشست سنبھالی تھی لیکن وہ ہمیں پہچان نہ سکے تھے۔

مجمود آیا مروت سونیا نے جو کچھ خرید تھا، اس کی ادائیگی بھی مجھے ہی کرنا پڑی تھی۔ پھر میں، سونیا کو ٹیکسی ہی میں بیٹھا چھوڑ کر اسکاٹلینڈ کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ وہ ٹریولنگ ایجنٹس تھے۔ میں نوڈرڈ لڑکیوں سے معلومات حاصل کر کے واپس آ گیا۔

چونکہ پروگرام کے چارٹ میں میری کوئی مصروفیت نہیں تھی اور بڑی مدت بعد آزادی سے گھومتے پھرنے کی مہلت ملی تھی۔ اس لیے خوب جی بھر کر ادارہ گروی کر ڈالی۔

شاندار شاپنگ اور پریلطف تفریح نے سونیا کا مود بھی بحال کر دیا تھا۔ وہ میرے پہلو پر پہلو قبضہ لگاتی چل رہی تھی۔

شام سات بجے، جب ہم ڈبوں اور لفافوں کو سنبھالے اندر داخل ہوئے تو سارا خاندان، ڈائننگ ٹیبل پر جمع تھا اور مارشا ڈبوں میں سے کوئی چل نکال نکال کر سب کی پلیٹوں میں ڈال رہی تھی۔

”اے...“ مارشلے ہانک لگائی۔ ”اگر کچھ کھانے پینے کی چیز لائے ہو تو یہاں رکھ دو۔“

”سوری، بس...“ میں واقعی شرمندہ ہو گیا۔ ”کچھ نہیں لایا۔ شاید میں بھی ایک اچھا باپ نہ بن سکوں گا۔ بچے، ٹانگوں سے لپٹ کر مایوس ہو جایا کریں گے۔“ میری اس بات پر صرف انکل نے قہقہہ لگایا تھا۔

جبر سے ایڈنا نے اپنی کرسی کے ساتھ دوسری کرسی گھسیٹ کر جگہ بنائی تھی۔ سونیا، بیکر کے پہلو میں اسٹول پر بیٹھ گئی تھی۔ بیکر صرف فروٹ کے ذائقے پر تبصرہ کر رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی چائے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ فطری طور پر اسے میکس پرانی رائے کا اخبار کرنا چاہیے تھا۔ میرے سلسلے میں نے جو بیٹ رکھی تھی اس میں بیضوی شکل کے موٹے موٹے دانے تھے۔ ترش اور شیریں فروٹ تھا۔ میرے لیے وہ نیا فروٹ تھا لیکن میں نے نام کسی سے نہیں پوچھا۔

”غوطہ لگنے والی کشتی کا انتظام ہو گیا ہے۔“ چکن سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے بیکر نے بتایا۔ دس فی صد کمیشن طے ہو رہا ہے۔ مال کی حیثیت کا تعین کرنے کے لیے اس کا نمائندہ بھی جہاز اور ساحل پر موجود ہو گا۔ جب کسی طرف سے کوئی آواز نہ آئی تو بیکر نے میری جانب جھک کر دیکھا۔ ”کسی بچے کو کوئی اعتراض؟“

میں نے نفی میں سر کو جھٹک دیا لیکن سونیا بول پڑی اور صرف

اس مال کا دس فی صد جو آمدوز میں جائے گا۔“

”ہاں...“ بیکر نے بتایا تو ساحل کے ادھر اس کا کوئی حق نہیں ہو گا۔“

”مناسب معاہدہ ہے۔“ وہ بولی۔ ”میری تجویز ہے آپ کا کوئی نمائندہ پیسے وہاں چلا جائے جو ہمارے لیے رہائش اور حفاظت کا انتظام کرے۔“

”ایسا کیا جا چکا ہے۔ بی بی“ بیکر نے غریب لہجے میں جواب دیا۔ ”میرا جسم ضرور بوڑھا ہو گیا ہے لیکن ذہن اور تجربہ جوان ہے۔ لوگوں کو بہترین رہائش گاہ اور پروٹیکشن دی جائے گی۔“

”تعارفی تقریب کب ہو گی؟“ میں نے پوچھا۔

”آج ہی۔“ بیکر کرسی کھسکا کر اٹھتے ہوئے بولا۔ ”تم دونوں برے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔“

میں اٹھ کر سونیا کے برابر کھڑا ہو گیا اور بیکر نے عینک تبدیل کر کے بغور ہمارے چہروں کو دیکھا۔ ”ٹھیک ہے اب ہم چل سکتے ہیں۔“

”خوف و خطر اس کا سامنا کریں گے۔“

”ڈیڈی...“ ایڈنا نے ناخن کریدتے ہوئے مودب آواز دی بولی۔ ”میں گھر جانا چاہتی ہوں یہاں بڑی وقت ہے۔“

”چلیں گے ضرور چلیں گے میری جان۔“ اس نے بڑھ کر اسے ہٹے سے لگا کر بال چوم لیے۔ ”بس ایک دو روز صبر کرو۔ میں جانتا ہوں یہاں بے مروتسانی کی کیفیت ہے، گو تھم سے ضروریات زندگی ملوایا کرو۔“

میں نے سونیا کے ہاتھ سے چھوٹا سا آئینہ لے لیا جو اس نے پرس سے نکال کر اپنے چہرے کا میک اپ دیکھا تھا۔ کاشی کے ہر انریشن نے جو چتر کاری کی تھی وہ اسی طرح قائم تھا۔

وہ یقیناً کوئی سرے ہی تھی۔ مروت اور گودی پر کام کرنے کے بعد جاکش سوڈانی قطار در قطار بھی چا پائیوں پر بے سندھ استے ہوئے تھے۔ لان سے گزر کر سامنے یوٹا پ چھوٹے چھوٹے رہنما گھرے تھے۔ ان ہی کمروں میں ہانک کا ہنگ کا خطرناک انداز

دو ایک گھردری چارپائی پر آتی پالتی مارے بیٹھا ہوا دستی حقہ پی رہا تھا۔ گھرے میں اس کا کوئی ساتھی نہ کوئی باڈی گارڈ دکھائی دے

”ما تھا۔ تب ہی مجھے تاریخ ہندوستان کا وہ باب یاد آیا جب بادشاہ کا ستارہ گردش میں تھا اور ہر محاذ سے ذلت ہمیشہ شکست لاتا ہوا وہ ایک غار میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔ بالکل اسی طرح ہانک کا ہنگ کا بے تاج بادشاہ می جو ایک گنہگار اور غنیہ رائے میں اپنی جان چھپانے پر مجبور کر دیا گیا تھا، وقت کی چکی گوشت

میں رہتی ہے اور کسی کو معاف نہیں کرتی وہی سورج جب طلوع ہوتا ہے تو زندگی انگڑائیاں لیتی بیدار ہو جاتی ہے اور پھر وہی سورج جب غروب ہو جاتا ہے تو ہر شے اندھیروں اور اداسیوں کی لہجے میں گم ہو جاتی ہے۔

سرے میں داخل ہونے سے قبل بیکر نے ایک ایک چوہنگ ہمیں دیا تھا۔ ”بچاتے رہو اور جب منہ میں گھل جائے تو نہایت آہستہ آہستہ نکل لینا۔“ میں نے اس کی ہدایت پر ہی عمل کیا تھا اور مجھے بوے بغیر محسوس ہونے لگا تھا کہ چوہنگ کا میلہ حلق سے نیچے نہیں اتر بلکہ حلق کی دیواروں کے ساتھ پلاسٹک مانند جم گیا ہے۔

”گڈ نائٹ مجھ...“ بیکر نے اندر داخل ہو کر ذرا جھجک کر اسے تعظیم دی۔ ”ان سے ملو۔“ اس نے پلٹ کر ہماری جانب انگلی سے اشارہ کیا۔ ”مشر سلطان جمال اور افسر سلطان، دونوں کا تعلق میرے انتظامی شعبہ سے ہے۔ قابل اعتماد ساتھی ہیں۔“

”اوں...“ می جھٹکتے چند سیانے ہوئی آنکھوں کو پٹکل کھل کر اوپر دیکھا۔ ”نزدیک آؤ۔“ میرا دل دھڑ دھڑانے لگا تھا۔ میں صرف ایک قدم آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ڈیل ڈول سے تو دونوں بالکل فٹ ہیں۔ کیا ہاتھ پاؤں چلانے کے فن سے بھی واقف ہیں؟

”ہاں دوست...“ بیکر نے میرے شانے پر زور سے ہاتھ مارا۔ ”دونوں تنگ ای کے تربیت یافتہ ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ کش کر دھواں ناک سے اگلے ہوئے بولا۔ ”ان کو ساتھیوں سے بھی ملادو۔“ اس نے دیوار پر دستک دی اور دوسرے لمحے عقب سے پاؤں کی چاپ سن کر میں نے پلٹ کر دیکھا اندر آنے والے دو فوجوان تھے اور دونوں ہی صورت آشنا تھے۔ گروہ میں ان کا شمار مارشل آرٹ کے بہترین فائیلروں میں تھا۔ ایک جاپانی خزانہ کو موتھا، میرا دیرینہ دوست اور قادر گائے کا فرزند، دوسرا بیاہ زد میکا تھا تھا۔ دونوں نے گٹھنوں کے بل جھجک کر اپنے چیف کو تعظیم دی۔

”میرے بچو۔“ می جھٹکتے میں تقریباً پھوڑ تھا، اس کی آواز کی کھنک مفقود تھی۔ ”تمہیں ان دونوں کے ساتھ ایک طویل سفر پر روانہ ہونا ہے... دوستوں کی طرح...“

دونوں نے چہرے گھما کر باری باری ہمیں دیکھا اور پھر جھجکتے۔ ”تم...“ اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ”میرے دوست بیکر کے وفادار ہو... اور یہ لوگ میرے جانشین ہیں۔ غداری کی سزا ہم پہلے ہی مقرر کر چکے ہیں۔ بس اپنے اپنے آقا کے ننگ کا حق ادا کرنا۔ ہم دونوں بہترین انعام دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔“

”کیا نام ہے لڑکے تمہارا...؟“ اس نے اچانک مجھ سے پوچھ لیا اور میں نے گھٹکیانے کی اداکاری کرتے ہوئے آواز کو لوکھڑا ہٹ دی ”اس... سلطان الناصر جمال...“ تب میری اپنی آواز نے مجھے حیرت زدہ کر دیا تھا، میری آواز بالکل کی بوٹے کی آواز میں بدل گئی تھی۔

”اور تمہارا...؟“ اس نے سونیا کی جانب اشارہ کیا۔
”مم... میرا...؟“ وہ بھی ہلکا کر لولی تھی ”اصل نام سعدیہ ہے جناب!“

اس کی آواز بھی معکم خیز حد تک بدل گئی تھی جیسے بتی تمام رات روتی رہی ہو۔ اس کی کھڑکھرائی آواز سن کر بے اختیار میرے حلق سے قہقہہ ابل پڑا تھا لیکن فوراً میں نے منہ کے کواڑ بند کر لیے تھے۔
”بس میں ہی ضمانت دیکھنا چاہتا تھا...“ می ٹھونکنے لے آواز سختے کا کش لے کر جیسے ملاقات ختم کرنے کا اشارہ دیا اور دانگی سے ایک دن قبل عینے کو دیکھ میں گئے میں نے اوٹن اور گوجی کے سبکدوش ملازمین کا انتخاب کر لیا ہے تم محسوس نہ کرنا دوست یہ طریقہ کار اعتماد کا توازن برقرار رکھنے کے لیے ضروری تھا۔ پڑے برابر ہوں تو تاجر اور خریدار دونوں مطمئن رہتے ہیں میں ان ہی اصولوں پر تمام سودے کرنے کا عادی ہوں۔“

”میں بھی گھاس نہیں کھو دو تا میٹر جو...“ بیکر نے ٹھوس لہجے میں کہا ”بزنس کے اصول مجھے بھی عزیز ہیں لیکن ایک بار پھر میں وقیح کر دینا پسند کروں گا، میری ذمہ داری اور ان لوگوں کی نگرانی صرف جہاز تک محدود ہوگی سال جوں ہی تمہاری مقرر کردہ آمدورز منتقل ہوگا۔ ہم سب بری الذمہ ہو جائیں گے“ می ٹھونکنے دھواں آہستہ آہستہ ناک اور منہ سے خارج کرتے ہوئے انبات میں سر کو جنبش دی اور جلا ہوا تبا کو انٹرمل کر کھڑا ہو گیا۔ کو مواد میکاتہ مستعدی سے اس کے دائیں بائیں ہو گئے اور می ٹھونکنے میں جانے کی اجازت مانگتے دی تھی۔

کار میں بیٹھتے ہی میں نے ہچکولے کھائی آواز سے بیکر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہنس کر سونیا کی جانب دیکھا جو روٹھی ہوئی بیوی کی طرح منہ پھلائے بیٹھی ہوئی تھی میری ہنسی نے جیسے آگ پر تیل چھڑک دیا تھا ”وہ بھڑکتی آواز میں بولی۔“
”بھڑ بیکر...! یہ آپ نے میری آواز کو کیا کر دیا ہے مجھے کھڑکرائی آواز سے نفرت ہونے لگی ہے۔“

”ضروری تھا بے بی“ بیکر نے پرسکون انداز میں بتایا ”آواز اور آنکھیں پہچان کی بنیاد ہوتی ہیں میں نے ڈاکٹر ایون سے پوچھا

تھا، یہ تبدیلی بالکل عارضی ہے، لیکن گرم پانی کے چند غداروں سے حلق صاف ہو جائے گا۔“
”یہ اچانک آپ کو اتنا خوبصورت نام کیسے سوچ گیا انکل“ میں نے پوچھا ”پر کمال یہ ہے کہ سلطان میرے اصل نام کا ایک حصہ بھی ہے۔“

”اوہ نہیں مائی سن“ بیکر ہنس پڑا ”اچانک نہیں میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ ہاں البتہ اچانک داد میں سونیا کو دی جا سکتی ہے اس نے اچانک سوال کا بڑا اچھا جواب دیا تھا۔“

”میں نے جب سنا کہ خرم سلطان، سلطان الناصر بن گیا ہے تو مجھے بھی مسلم نام ہی بتانا تھا۔“ ادھر تل ایبب میں میری گلاس نیلو کا نام سعدیہ طرانی تھا۔ بس مجھے وہ یاد آگئی تھی۔“

نیون نام و اج کمپنی کا نیون سائن بورڈ رنگ برنگی روشنی کے نقش میں مصروف تھا۔ حروف عجیب ترتیب سے روشن ہوئے تھے ہر حرف دور نگوں میں ظاہر ہو کر اگلے سا قسقی کو روشنی پاس کر رہا تھا۔ نگوں کے کھیل سے میری نگاہیں محفوظ ہو رہی تھیں کہ سونیا نے میری ران پر انگلی کی نوک مار کر ”یا گا کو دیکھ لینا چاہیے۔“

نیون ٹائم کے بالمقابل گریشیا سینک بار کا بورڈ دعوتِ لذت دے رہا تھا۔ میں نے جب سونیا کی جانب دیکھا تو اس کے پس منظر میں سینک بار دکھائی دیا تھا۔

”انکل...؟“ میں نے کہا ”یہیں یہاں آمار دیں گریشیا سینک بار میں کچھ کھانی لیں گے اور پھر ایک چھوٹے مشن پر کام کریں گے آپ کسی بھی میس فون بوتھ سے گوتم کو گریشیا سینک بار میں پہنچنے کا پیغام دیں گے۔“

”مجھے نہیں بتاؤ گے“ بیکر نے کارکنارے لگاتے ہوئے کہا۔
”بوڑھا سی لیکن شاید کام آسکوں۔“

”دبی کوئی بات نہیں انکل“ میں نے کہا ”سونیا اپنے ایک دوست سے ملنا چاہتی ہے۔ کچھ لین دین کا معاملہ ہے۔ ممکن ہے کچھ اچھل کود بھی ہو جائے اور میں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق فی الحال احتیاط کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا۔“

بیکر نے کوئی سوال نہیں کیا چونکہ آگے چوک میں ایستادہ پول مٹرخ آٹھکھ سے گھوڑا تھا اس لیے ٹریفک نے یہیں سڑک عبور کرنے کے جاں گسل مرحلے سے بچا لیا تھا۔ جب میں سینک بار میں داخل ہونے لگا تو میری نگاہ اچانک ہی پتھر لگی تھی اور اٹھا ہوا قدم ٹھٹک کر جام ہو گیا تھا اور جسم ٹھنڈے ٹھنڈے پینے کی خشکی محسوس کرنے لگا تھا۔

کاؤنٹر پر کھینیاں ٹیکے مادام جوزی کھڑی سروں گرل سے کچھ پیک کر واری تھی۔ اس کے پیچھے ایک پہچان گھڑا تھا۔ وہ برے بیٹے اجنبی ہی تھا لیکن مجھے یقین تھا وہ مادام کا باڈی گارڈ ہی تھا۔ لستے بڑے باپ کی اتنی اہم بیٹی یوں تنہا باہر نہیں نکل سکتی تھی۔

پیکٹ تیار کر کے سروں گرل نے مسکراتے ہوئے کچھ پوچھا ”اس کے جواب میں مادام جوزی نے نفی میں سر ہلایا تھا پھر اس نے چہرہ موڑ کر محافظ کو اشارہ کیا۔ اس نے بڑھکر بڑا پیکٹ کاؤنٹر سے اٹھالیا۔“

مادام جوزی کی چال میں وہی وقار اور تکنت تھی جو کسی ہڑلوی کو بھی روکنے میں مل کرکتی ہے۔ میں بالکل دروازے کے میان گم گم کھڑا تھا۔ مجھے راہ میں حائل پاکر شفاف پیشانی پر ڈاری کی سلوٹ نمایاں ہو کر فوراً مٹ گئی تھی۔ اس نے ایک رٹ ہو کر اپنے محافظ کو آگے نکلنے کا راستہ دے دیا تھا۔

”اوہ سوری میڈم...“ میں جیسے سہانے خواب سے بیدار ہو گیا تھا کیونکہ خوابناک کی صورت کا نتیجہ بھی میں جانتا تھا اور میں راہ خواہ اور پھر مادام جوزی کے محافظ سے ٹکراؤ بھی نہ چاہتا تھا۔
”بھار سوز...“ اس کے محافظ نے مجھے ایک کونے میں سمٹ جانے کے باوجود معاف نہیں کیا تھا ”اگر مہذب شہر میں رہنا ہے تو مہذب لوگوں کے طور طریقے بھی سیکھو۔“

”بہت اچھا جناب“ میں نے تھوک نکل کر کہا ”میں... میں لک کر اپنے لیے خالی نشست دیکھ رہا تھا۔“

”رائف...!“ جوزی کی نقرئی آواز ابھری ”بس نکل چلو۔“
جب وہ اپنے محکمے بدن کی خوشبو میں میرے حواس پر بھڑکائی نشے کے گھوٹے دروازے سے نکل رہی تھی تو میں نے دیکھا تھا اس کے بائیں ہاتھ کی انگشت شہادت ناخن کی جڑ سے کٹی ہوئی تھی لالاکر میں نے پہلی ملاقات کے دوران اس کی دسوں انگلیاں لامنت و بیکھی تھیں۔

”اوہ خرم...!“ اس کے نکلنے ہی پہلو سے نکل کر سونیا کی غیر زدہ سرگوشی ابھری ”جانتے ہو یہ لڑکی کون ہے؟“
”ہاں...“ میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا ”اس شہر کے ایک بڑے شیطان کی بیٹی۔“

”ہمارا میک آپ کتنا کامیاب ہے“ سونیا نے کہا ”کوئی بی نہیں پہچان سکتا۔“

جانتے جانتے میری نگاہ کاؤنٹر پر رکھے ٹیلی فون سیٹ پر پڑی۔ میں نے جھجک کر بوٹے بار میڈر کو کاؤنٹر پر انگلی بجا کر متوجہ کیا۔ اس نے صاف گلاس آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھا۔
”فرمائیے شیخ...!“

”لوکل کال کی اجازت...!“ میں نے بتایا۔ اس نے اٹھ کر مجھ سے نمبر پوچھا اور جب رابطہ مل گیا تو ریسورس مجھے تھا کر پٹ گیا۔ دوسری طرف ایڈنا تھی۔ میں نے باتوں باتوں میں پہلے اپنی شناخت کرائی اور پھر گوتم سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کر دی۔ گوتم شاید کچن میں رہا ہوگا۔ ہانتی آواز میں آکر بولا ”ایس ماسٹر، کیا حکم ہے؟“

”ایک دوست سے کچھ معاملات طے کرنے ہیں۔“ میں نے بتایا۔
”تم پوری تیار کی کے ساتھ فی الفور جرح ٹاؤ کے نیچے پہنچو۔ وہی جگہ جہاں سے ہم نے اس رات مارشا کو اٹھایا تھا، کوئی وضاحت؟“
”ماسٹر کے حکم کے بعد وضاحت کی گستاخی میرے نزدیک گناہ ہے۔ میں آتا ہوں۔“ گوتم نے کہا۔

”مارشا کی جدائی تمہیں محسوس تو ہوگی؟“ میں نے ہنس کر کہا۔
”اوہ نہیں نہیں ماسٹر...“ وہ ٹوپ اٹھا ”گوتم کو آنناش میں ڈال کر تو دیکھو اگر حکم دو تو میں اپنے ساتھ اس کی گردن بھی لا سکتا ہوں۔“
”شکریہ پیارے“ میں نے کہا ”وگر دن نہیں اس کا چہرہ اپنی نگاہوں میں بند کر کے چل پڑو۔“

ریسیور دکھ کر جب میں نے کال کی اجازت دینا چاہی تو بوٹے نے نوٹ واپس کر دیا۔

گوتم حسب توقع ٹاؤ کے نیچے کسی پتھر کے بہت کی مانند ایستادہ تھا۔ جب ہم ٹیکسی سے اترے تو اس کا سکتہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور سونیا کو نظر انداز کرتا ہوا میرے پاس آگیا۔ میں ڈرائیور کو انگریزی اور جاپانی زبان کی کچڑی سے کم کرایہ وصول کرنے پر راضی کر رہا تھا کیونکہ میٹر اس نے آن نہیں کیا تھا۔

”اگر آگے...“ یہ ٹیکسی نہ چھوڑو ماسٹر گوتم نے بتایا۔
”میں اپنی گاڑی نہیں لایا مادام کو کہیں جانا تھا۔“
”لیکن یہ کچھ جگہ تو کم کا آدمی ہے۔“ میں نے بتایا ”کرایہ زیادہ طلب کر رہا ہے۔“

”چلیے ادھر جا کر فٹ لول گا اس سے بھی“ وہی زبان میں بولا میں نے سونیا کو آگے کا اشارہ کیا اور گوتم فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سونیا نے بیٹھتے ہوئے ڈرائیور کو جاپانی میں کچھ ہدایات دی

تھیں۔ پھر جب ڈرائیور نے شہر کے مشرقی کنارے واقع ایک رستوں کے ملنے جھکی روکی تو سونیا نے اسے ہاتھ کے اشارے سے کچھ بھائی اور پھر میری جانب دیکھ کر بولی: "وہ حرمی نہ جانے کہاں ہو گا۔ اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہے۔ مریٹر بیکر کی حیثیت کا بزنس من ہے لیکن اصل میں بین الاقوامی قسم کا اسمگلر ہے۔ پولیس والوں کے ساتھ بڑا گہرا رشتہ مضبوط رکھتا ہے۔ اس کا دوواڑہ بریٹو ہے۔ بیک بزنس کا وہی بیخبر ہے اگر سب ٹول گیا تو کیا کامیک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔"

وہ بلند بالا بولے درختوں کے جھنڈ میں گھری ہوئی منزل بدروس مگوویس ورتوفس حالت قحطی کی گیسٹ سے دور رہی کھڑکی کے ہم تینوں اتر گئے تھے سونیا نے ایک بڑا لوٹ ڈرائیور کو بطور ضمانت دیا تھا تاکہ وہ رات بھر ہمارا انتظار کرنے پر مجبور ہو جائے۔

تنگ و تارک فلام گروٹوں سے گزرتے جب ہم قدرے روشن تھے میں گئے تو کچھ زندگی اور آبادی کے آثار دکھائی دیتے ورنہ مجھے تو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے ہم صدیوں پہلے قریب کی چار دیواری میں داخل ہو گئے ہیں۔ ساتی ہی وحشت ناک خاموشی اور تاریکی ماحول پر طاری تھی۔

اور پھر خاموشی کی ساکن سطح پر وہ خمیدہ مکر بوڑھا اچانک ہی ایک ستون کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا تھا اس کے ہاتھ میں میٹرنگی لکڑی کی لاشی تھی جسے ٹیک کر وہ بیدار ہوا تھا۔

وہ خالص چینی تھا اس لیے کسی دوسری زبان سے اس طرح پرہیز کرنا تھا جیسے میں شراب اور سوز کے گوشت سے کرتا ہوں اگر سونیا نہ ہوتی تو شاید زبان پارمن ترکی وین ترکی فی دامن والا معاملہ ہو جاتا۔ ابھی وہ دونوں ہی چوں کتے چو نہیں لڑا ہی ہے تھے کہ میری نگاہ ایک بوٹی کتے پر پڑی جس کی باچھیں تنک رہی تھیں اور نکل تھکی چال سے آتا تھا میں نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ کتا بھی بوڑھے چینی کی طرح اپنی ٹرکی بہادری سے بہت آگے آچکا ہے۔ اس نے قریب آکر بوجھل پوٹوں کو پیشکش جنبش سے کرنا نہیں کھول کر جاری طرف دیکھا اور پھر بوڑھے کے پاؤں میں بیٹھ گیا۔

"مادام یہ بوڑھا کتا کیوں زور سے بھونک رہا ہے؟ جب بوڑھا ہاتھ کو دائرے میں لاکر بند آواز میں بولنے لگا تو گوتم نے پوچھا "اگر اس کے حق میں کوئی بات پھنسی ہوئی ہے تو مجھے بتا دو۔"

"اس سے پوچھو یا گا کہاں ملے گا۔" سونیا دو قدم پیچھے ہٹتی ہوئی بولی "پچھلے کتا، انتظار کرو اب کہہ رہا ہے وہ جاپان کے فوڈ پر سے حالانکہ پرسوں تک وہ یہاں تھا اور اس کا کوئی بڑا

نہیں تھا۔"

"کس زبان میں سلام؟" گوتم سرمہ راقی آواز میں بولتا ہوا بوڑھے کے مقابل جاگھڑا ہوا چینی زبان مجھے نہیں آتی۔"

"یہ... یہ انٹرنیشنل قسم کا آدمی ہے۔" سونیا نے بتایا۔

لیکن باتیں صرف اپنی زبان میں پسند کرتے تھے۔

"دیباے انکل...! گوتم نے انکل کی ٹیک بریٹو کی ناک پر ماری۔" میرے ہاتھ بہت کھڑے ہیں اور تمہارا جسم بالکل چمڑا ہوا ہے مجھے بتا دو یا گا کہاں ملے گا؟"

"وہ... وہ... بریٹو ناک مسئلے سے بھر پوری آواز میں بولا۔ یہاں نہیں ہے اگر تم نے دوسری بار ہاتھ بڑھایا تو..."

گوتم کی لات گھوم گئی اور بریٹو نے کتے پر جا کر، بریٹو اور کتے کی احتجاجی چیخیں گڑبڑ ہو کر ابھری تھیں، گوتم نے جھک کر بریٹو کا گلاب پکڑا اور اسے جھٹکا دے کر پاؤں پر کھڑا کر دیا۔ "میرا سوال ابھی برقرار ہے انکل اور تمہارا جسم بھی سلامت ہے۔ بولو وہ کہاں ملے گا؟"

"نہیں... میں نہیں جانتا۔" بریٹو پیچھے کھٹکے لگا اور پھر میری آنکھیں حیرت سے پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ بریٹو نے اچھل کر چوڑا

کا ایک ایسا داؤد آزمایا تھا جس کا تو بے خبر گوتم کے پاس نہ تھا یا بوڑھے نے مہلت ہی نہ دی تھی۔ یہ کس کو اُمید تھی کہ ایک خمیدہ مکر لاشی کے سہارے جھول جھول کر قدم اٹھانے والا بوڑھا ایسی حرکت کر گزرنے کا اہل ہو گا۔

گوتم کے جڑے پر پڑنے والی دھماکہ دھڑبڑ نے اس سے زمین چین لی تھی۔ وہ ایسے ہی ترچھا گرا تھا جیسے سب میں گیا تھا اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بریٹو نے اپنی لاشی کی جانب ہلکے لگائی تھی جو گوتم کی پہلی ضرب نے اس سے چین لی تھی۔ میں اگر جانتا تو بریٹو کو لاشی حاصل کرنے سے روکتا تھا لیکن اصولاً ابھی ان دونوں کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا۔

گوتم نے گرتے ہی لوٹ لگاٹ اور قلابازی کھاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ بریٹو لاشی سے کرا بھی بیدار ہوا تھا کہ گوتم نے زمین چھوڑ دی تھی لیکن بریٹو کی حیرت انگیز ہمدلی کے سحر سے ابھی میں پوری طرح نکل بھی نہ سکا تھا کہ بریٹو کے لاس اور مکر کتے نے دھیرا جھٹکا دے دیا تھا۔ کتا بریٹو اور گوتم کے درمیان کھڑا تھا جب گوتم نے پیرواز میں کتے کے اوپر سے گزرنے لگا تو کتا معاً پھلی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہوا اوپر جاتا دکھائی دیا تھا اور اس نے اگلی ٹانگوں کی

شاندار پہنچی گوتم کی گردن میں ڈال لی تھی۔ دونوں ہی زوردار جھلکے سے مکر لے اور زمین پر دوپٹے سے گرے اور بریٹو کی میٹرنگی لاشی فٹامیں دائرہ بنائی ہوئی جب برق رفتاری سے نیچے جھک رہی تھی تو میں نے انجام کے خوف سے آنکھیں بند کر لی تھیں، حالانکہ اچھی کو... فراموش کر کے میں نے مداخلت کا فیصلہ بھی کر لیا تھا مگر فیصلہ میرے حق میں نہ تھا اگر میں کو دھبی جاتا تو گوتم انکل لاشی کی ضرب سے گوتم کو نہ بچا سکتا تھا۔

میری آنکھیں جھپک گئی تھیں۔ میں نے نہیں دیکھا گوتم نے کون سا داؤ استعمال کیا تھا۔ میری آنکھیں تو کتے کے حق سے ابھرنے والی کرناک آواز پر ہی کھلی تھیں۔

تب میں نے دیکھا گوتم کے دونوں پاؤں بریٹو کے گھٹنوں پر گئے تھے اور کتا غراتا ہوا پلٹیاں کھاتا اٹھنے کی کوشش میں مصروف تھا اور بعد میں مجھے سونیا نے بتایا تھا کہ گوتم نیچے لٹنے آنے قلابازی میں چلا گیا تھا اس طرح کتے کی گرفت سے بھی نکل گیا تھا اور سب لیتا ہوا بریٹو کے دونوں گھٹنوں کے جوڑ بھی الگ کرنے میں کامیاب رہا تھا۔

مارشل آرٹ کی فائبرٹ میں لڑنے والے گھٹنوں پر سامنے سے بیدار ضرب سے ہمیشہ نیچے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ سامنے سے گتے والی ہٹ گھٹنوں کو توڑنے میں بے حد کارآمد ہوتی ہے کیونکہ گھٹنے ضرب کھا کر دبنے کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں۔

بریٹو فرش پر آوندھے منہ گرا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیل گئے تھے "بولو...! گوتم دھاڑ کر اس پر چھپاؤ بریٹو کا چہرہ پاؤں کی ٹھوک سے اوپر اٹھ کر زور سے فرش پر لگا۔" بتاؤ یا گا کہاں ہے۔"

"نہیں... نہیں...! بریٹو نے خون آلود چہرہ فرش پر گر گئے ہونے کہا۔" نہیں بتاؤں گا۔ اب میرے پاس بچانے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا ہے جاؤ کتو... میں زبان بند کر رہا ہوں۔"

"گوتم...! سونیا چینی "پیچھے دیکھو۔" گوتم نے پلٹ کر دیکھے بغیر چھلانگ لگائی اور بریٹو کے اوپر سے گزرتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ کتا بھی اس کے تعاقب میں ہی اُڑتا ہوا اس سے جا لگایا تھا۔

گوتم یکدم گھٹنوں کے بیچ ہوا اوتکتے کا جڑاؤ بوج کر اس نے پہلے دائیں پھر بائیں کتے کے جسم کو بچکولے دیے پھر جب کتے کا جسم زمین پر گرا تو گوتم نے دایاں پاؤں اس کی گردن پر رکھا اور

دوسرے لمحے جب اس نے جڑاؤ حلق تک پہنچا دیا تو سونیا کی چیخ نکل گئی تھی۔

"اوہ۔ نہیں بے رحم لڑکے...! سونیا نے احتجاج کیا تھا مگر گوتم بڑے آرام سے خون آلود ہاتھوں کو بریٹو کے لباس سے صاف کرنے لگا تھا۔

"ڈیڈی...! غلام گروٹوں سے چکراتی ہوئی سرٹل آواز آئی "یہ کیسی آواز تھی؟" میں نے آواز کی سمت نگاہیں جمائیں تھیں پھر وہ میلانے قد کی لڑکی آخری موڑ سے سامنے آئی۔ میں دیکھ کر لحظہ بھر کے لیے ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔ چونکہ ہم بستر روشن کھڑے تھے کھلے ہوئے دروازے سے آنے والی روشنی میں بریٹو کا جسم پڑا ہوا تھا۔

"اوہ... ڈیڈی... نن... نہیں... یہ... سب...! آواز ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی چیخ میں ڈھل گئی۔

"خاموش رہو لڑکی۔" گوتم نے پیک کر لڑکی کے بالوں کو پکڑ کر جھجھک کر سرد آواز میں کہا۔ اگر تمہارے منہ سے دوسری آواز نکلی تو تمہیں بھی اس کے پہلو میں ڈال دیا جائے گا۔"

"نہیں... نہیں...! وہ کھٹے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے لرزنے لگی۔ "تم نے... اوہ بتاؤ تم نے میرے باپ کو کیوں قتل کر دیا ہے؟"

"لی جیا...! بریٹو نے چہرہ اٹھا کر کہا "میں زندہ ہوں، تم لوگ چل جاؤ۔ یہ ہمارا کاروباری معاملہ ہے۔"

"مجھے... مجھے... وہ ہلک کر سونیا کی جانب بڑھی "تم سفاکش کرو تمہارا بھی کوئی باپ ہو گا پلےز مجھے ڈیڈی کو سنبھالنے کی اجازت دے دو۔"

"ایک شرط پر دوست،" سونیا نے اس کا ہاتھ تھام کر دستانہ لہجے میں کہا "دیکھو ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ انکل ویسے ہی ضد کر بیٹھے ہیں پھر وہ اسے تھکیاں دیتی ہوئی ایک طرف لے گئی۔

"نہیں لی چائیں۔" بریٹو حلق پھاڑ کر دھاڑا "واپس جاؤ۔ اے...! گوتم نے کوڈ کر اس کے چہرے پر دائیں جوتے کا پنجہ مارا اور پھر اسے نیچے دبا کر پورا پنجہ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ بریٹو پاؤں کے بوجھ سے بڑی طرح ترپنے لگا لیکن گوتم کا دباؤ بڑھتا گیا تھا۔

"پاؤں ہٹاؤ حق...! بریٹو کی جدوجہد کو دم توڑتے دیکھ کر میں نے گوتم کو دھکاماتے ہوئے کہا "لے مارنا چاہتے ہو؟"

"ہاں، مٹر...! گوتم نے دم آواز میں اقرار کیا "لیے اب مچانا چاہیے زندگی ٹانگوں کے بغیر کتا توں کا بستر ہوتی ہے۔"

نہیں... میں نے گھٹنوں کے بیٹھ کر بیٹھ کر کشت کے بل ٹاڈا تاکہ سانس کی مدد و رفت بحال ہو جائے۔ اگر یہ مری گیا تو یا گا تک جانے والے سارے رستے بند ہو جائیں گے۔

معاذے عقاب میں گرنے کی آواز سن کر میں نے چہرہ موڑ کر دیکھا سونیا بیٹ پر ماتہ رکھ کر جھک رہی تھی اور بوڑھے کی بیٹی لی چا فرش پر روٹنگ کرتی تنگ گیدی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ غالباً اس نے سونیا پر غلامنگ لگائی تھی یا مگر مار کر خود بھیجے جاگ رہی تھی۔ ابھی میں صورت حال سمجھنے کے دوڑا ہے یہی کھڑا تھا کہ ل چا فرنٹ روٹنگ کی پوزیشن سے اچانک چڑیا کی مانند بھدک کر اٹھی اور چشم زدن میں گیدی کی تاریکی میں داخل ہو کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ تب میں نے اس کے تعاقب کا فیصلہ کیا مگر مجھے دیر ہو چکی تھی۔ میں نے دوڑتے دوڑتے دیکھا تھا سونیا اندھی ہو گئی تھی۔ تم اسے سمجھاؤ۔ گوتم کو میں نے ہدایت دی اور راہداری میں داخل ہو گیا لیکن گھوٹی راہداری میں اندھیرا تھا اور میرا اندازہ بھی اجنبی کی مانند اندھا ہی تھا۔ میرے آگے جانے والی لڑکی کے لیے بھی بے شک اندھیرا ہی تھا لیکن اس کا اپنا گھر تھا جس طرح ہم اپنے اندھیرے گھر میں محض اندازوں کے سہارے سوچ بورد یا کسی مطلوبیہ سے ٹک چلے جاتے ہیں اسی طرح وہ لڑکی بھی تاریک راستوں سے مانوس تھی جب کہ میں ہر موڑ پر اپنی رفتار کم کرنے اور پھر آگے بڑھنے پر مجبور تھا۔

دوڑتے دوڑتے میں ان میٹر میںوں تک چلا گیا تھا جو سب سے پر اترتی تھیں میٹر میںوں پر رگ کر میں نے دائیں بائیں دیکھا میرے چاروں اطراف سکوت اور اندھیرے کے بجوت میری ناکامی پر خندہ زن تھے تب میں نے خود کو ایسا شکاری بنا محسوس کیا جو کھنٹی جھاڑیوں کے جنگل میں خرگوش گوا کر جھاڑیوں کو سونگھنے لگا ہو مجھے یاد آ گیا کہ شکار کے دوران جب میرا چتر خرگوش کو نگاہوں سے اوجھل کر کے ہانتا ہوا میرے پاس واپس آیا کرتا تھا تو اس کی نگاہوں میں شرمندگی نمایاں ہوا کرتی تھی اور میں اس کی مجبوری اور شجاعت کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے غصے سے جھڑپے مارا کرتا تھا۔

میں بھی اپنا شکار کھو بیٹھا تھا میری نگاہوں میں ہی نہیں بلکہ روح میں بھی شرمندگی اور ناکامی کا درد لہریں مارنے لگا تھا وہ عمارت اتنی وسیع تھی کہ ایک وجود کو میں کیا ہم تینوں مل کر بھی صبح تک تلاش نہ کر سکتے تھے۔ اس دشواری کے احساس کے باوجود پلے چترے کی مانند ہنپنا ہوا واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ مجھ میں اور چترے میں جو فرق تھا اسے میں نظر انداز کیے کرتا۔ چترامعدرت شرمندگی اور دوچار

لاٹیں کھا کر پھر لٹکا لگانے والوں کی طرف متوجہ ہو جا یا کرتا تھا اسے اسے یقین ہوتا تھا کہ ایک خرگوش اگر بچ کر نکل گیا ہے تو کوئی دوسرا خرگوش جھاڑیاں ٹٹولنے والے سامنے کر دیں گے مگر میری پوزیشن چترے سے مختلف تھی مجھے اس خرگوش کو بہر طور شکار کرنا تھا۔

میں پلٹا اور بند کواٹ میری ٹھوکوں سے دھڑ دھڑاتے پھر چراتے ہوئے کھنٹے لگے۔ اندر داخل ہو کر میں دائیں بائیں دیوار پر ماتہ مارتا اور سوچ بورد کے سوچ آن کرنے شروع کر دیتا صرف تین گھروں میں روشنی جاگتی تھی باقی تمام کمرے اندھے ہی تھے۔

”کہاں ہو ماسٹر؟“ باہر سے گوتم نے پکارا۔ جلدی باہر آؤ مادام کو طبی مدد کی ضرورت ہے۔ اس وقت میں مغربی کنارے والے اسٹور روم کی چیزوں کو ٹاٹ رہا تھا۔

میں دوڑتا ہوا گرد آلود اسٹور روم سے جب باہر آیا تو گوتم میٹر میںوں پر کھڑا تھا اور اس کے کندھے پر بونیا لڑی ہوئی تھی۔

”بڑی شرمناک چوٹ ہو گئی ہے پیارے۔“ میں نے چہرے سے گرد صاف کرتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکی غالباً باہر نکل گئی ہے۔

”مجھے اتار دو۔“ سونیل نے کہتے ہوئے کہا۔ میں باقاعدہ روم استعمال کرنا چاہتی ہوں۔

”ادھر اندر چلی جاؤ۔“ میں نے کہا۔ یہ سب باقاعدہ روم ہی ہیں خالی اور گر دسے آئے ہوئے۔

وہ پیٹ دبانے قریب ترین کمرے میں داخل ہو گئی۔

”میں اس بوڑھے کو آٹھا لاؤں ماسٹر۔“ گوتم نے پوچھا۔ ادھر چل کر اس کے دانت گن لیں گے۔

”ہاں اس کی حیثیت کلیدی ہے۔“ میں نے اسے اجازت دے دی اور وہ دوڑتا ہوا واپس چلا گیا۔

پھر میں اس وقت میری سماعت سے پولیس کار کے سائرن کی آواز نہ سنی جب سونیا باہر نکل رہی تھی۔ وہ آواز نہایت ہی مختصر تھی جیسے بولنے والے کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ ہونٹ بند کر لیتا ہے۔ اسی طرح سائرن کی آواز یکدم ڈوب گئی تھی۔

مجھے آج بھی یقین ہے وہ آواز خرم سلطان کے لیے غیبی آواز تھی ان دیکھے ہاتھ نے سائرن کا بٹن دبا دیا ہوگا ورنہ پولیس والے اتنے حق نہ دیتے کہ ڈاکوؤں کو اپنی آمد کی اطلاع کر دیتے۔ میں نے میرے مقدر نے ہی یاوری کی تھی اور ڈاکو کا ہاتھ سائرن کے بٹن سے چھو گیا ہوگا۔

”جلدی۔ جلدی کر دینی۔“ میں نے جھپٹ کر سونیا کو باہر لے لیا۔

بھرا اور دوڑنے لگا۔ اس لڑکی نے پولیس کو مطلع کر دیا ہے اور پولیس بھی گھر سے تیزی سے بڑھتی آرہی ہے۔

”میں... میں...“ سونیا میری بانہوں میں ٹپک کر بولی۔ اب تدریس بہتر ہوں مجھے اتار دو۔ لیکن میں نے اسے اتارنے کے لیے رکنا بھی مناسب نہ سمجھا تھا اس گل بدن لڑکی کا وزن ہی کتنا تھا۔

”اوہ ماسٹر...“ گوتم مجھے دیکھتے ہی چپخا تھا۔ پولیس آ رہی ہے۔ تم بریو کو لے کر عقی دیوار کی طرف چلو۔ میں نے تھوڑا رگ کر سونیا کو کندھے پر ڈال لیا۔ تم میری پروا نہ کرنا گوتم بس نکل چلو۔

اچانک ہی دیواروں کے اوپر سے روشنیاں پھوٹ پڑی تھیں۔ تب میں نے گوتم کو ستون کی آڑ سے نکل کر بوڑھے کے ڈرم میں غروب ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اپنے ساتھ بریو کو بھی لے ڈوبا تھا۔

”خردار!“ مائیگر و فون کی گرج دار آواز درختوں اور دیواروں سے مگر آتی ہوئی ابھری۔ تم لوگ گھر سے میں تو جہاں ہو کھڑے رہو۔

اچھے اچھے درختوں اور غلام گردنوں کے بے شمار موٹے موٹے ستونوں نے مروج لائیس کو روک رکھا تھا ورنہ ہم روشنیوں میں نہا جاتے۔ وہ لوگ محض اندازے سے ہی وارننگ دے رہے تھے۔

”گیٹ کی طرف نکل آؤ۔“ دوسری وارننگ دی گئی۔ ”صرف دو منٹ، تیسرے منٹ پر ہم دہلی بم چاروں طرف پھینک دیں گے۔“

روشنیاں ناق ری تھیں اور میں سونیل کے ساتھ ستون کی اوٹ میں کھڑا رگ وپے میں سرایت کرتی ہجانی کیفیت کو دور کرنے کے لیے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

اگر صرف مجھے گھیر لیا جاتا اور مجھے اپنی ذات کو پہچانا ہوتا تو پریشانی کی کوئی بات نہ ہوتی۔ میں اپنے لیے کوئی نہ کوئی روزن تلاش کر کے نکل جاتا مگر میری ذمہ داری کے ساتھ سونیا جیسی اہم اور خوبصورت جونک... چپٹی ہوئی تھی۔

اب روشنیاں متحرک ہو کر آگے بڑھنے لگی تھیں اور درختوں کے خشک پتے میری بے بسی پر تھپتھپے لگانے لگے تھے اور میں چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ سن رہا تھا اور خطرے کو پہچان بھی رہا تھا لیکن چاروں اطراف سے روشنیاں گھیرا تنگ کرتی آرہی تھیں۔

”کیا واقعی سر بام کند ٹوٹ جانے والی ہے؟“ میں نے خود سے سوال کیا۔

”نہیں خرم جو دھری... نہیں۔“ میرے اندر سے گڑ گڑاتی ہوئی آواز ابھری۔ آخری گولی اور آخری سانس کا کھیل ہی شیوہ مہمانگی رہا ہے۔

”کیا تم چل سکو گی؟“ میں نے سونیا سے پوچھا۔

”ہاں...“ وہ پر غم آواز میں بولی۔ تمھارے ساتھ میں دنیا کے آخری کنارے تک چل سکتی ہوں۔

میں نے اسے اُٹا کر دائیں بائیں اور پھر پیچھے دیکھا۔ تیسرے ستون کے سامنے مجھے ایک میٹر سی دکھائی دی۔ میں ایک دم زمین پر بیٹ گیا۔ سونیا بھی میرے ساتھ ہی پیٹ کے بل فرش پر لیٹ گئی تھی۔ ہم دونوں پہلو پہلو ہونے لگے۔ ایسے بوڑھے کی مانند دیکھنے لگے تھے جن کے تعاقب میں ظالم پیرا میں بجاتا ہوا آ رہا ہو۔

جب ہم نے آخری میٹر پر رگ کر نیچے دیکھا تو پولیس درختوں سے نکل کر دائیں بائیں پھیل رہی تھی۔ میں نے چھت پر کھڑے ہو کر دیکھا اور ستارے مکر رہے تھے اور نیچے شہر کی روشنیاں زندگی کی جانب ہلارہی تھیں اور عمارت کے چاروں طرف قانون کے محافظ بکھرے ہوئے تھے۔

سونیا میٹر میں چڑھنے کے بجائے ٹپک رہی تھی۔ یاپیٹ کی تکلیف اسے پریشان کر رہی تھی۔

میرے پاس فاضل وقت تھا۔ ہی ریم دنیا بھانے کی پوزیشن میں تھا۔ خطرہ محو یہ لمحہ نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ وہ لوگ بھڑ بکریوں کے بازے سے نکل کر نہیں آئے تھے۔ وہ تربیت یافتہ قانون کے محافظ تھے۔ ان کو یقیناً آڑوں میں چھپے ہوئے مجرموں کو کھوجنے کی تربیت دی گئی ہوگی۔

انھوں نے یقیناً ٹیکسی گھڑی دیکھی ہوگی اور ڈیٹا فورس سے معلومات حاصل کی ہوں گی... ان ہی معلومات کی روشنی میں وہ یقین لے کر ہی اندر آئے تھے لہذا اگر میں چھت پر چڑھ کر خود کو محفوظ سمجھ لیتا تو یہ سوچ حماقت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ مجھے میرے ایک لے ایس آئی دوست نے بتایا تھا کہ تربیت کے دوران عملی مشقوں میں کچھ ساتھی مجرم بن کر روپوش ہو جاتے ہیں اور دوسری پارٹی ان کو تلاش کرتی ہے اور ایک اچھے پولیس آفیسر کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ مجرم کا تعاقب کرتے ہوئے اُسی انداز اور اُسی ذہن سے سوچے جس سے ایک مجرم سوچتا ہے۔ وہ خود کو مجرم کی جگہ رکھ کر سوچتا ہے کہ اگر میں مجرم ہوتا اور پولیس میرے تعاقب میں ہوتی تو میں بچنے اور چھپنے کی کن کن ترکیب اور راہوں کا انتخاب کرتا۔

اگر خرم جو دھری چھت پر چڑھنے کی سوچ سکتا ہے تو کوئی دوسرا بھی اس رنج پر دھیان دے سکتا تھا۔ یہی وجہ رہی تھی کہ میں نے چھت پر رگ کر سدا دل اور شہر کی روشنیاں کے خوش رنگ مناظر سے لطف اندوز ہونے میں کوئی لحاظ ضائع نہیں کیا تھا۔

میری حالت اس چوہ بلی جیسی تھی جس نے برتن گرا کر مینوں کو بیدار کر دیا ہو اور بند کمرے میں قدموں کی چاپ سن کر فرار کے لیے کمرے میں چپکرائی پھر رہی ہو۔ میں دوڑتا ہوا پھوٹے کی جانب گیا۔ گھپ اندھیرے کے خلا میں دھت اور جھاڑیاں میرا منہ چرلانے لگے تھے۔

دشواری بھی مٹی کر وہ عمارت کسی گنجان مٹی میں نہ مٹی بالکل الگ تھلگ واقع مٹی در نہ چھتوں ہی چھتوں پر ہم نکل جاتے۔ اگر تنگ گلی کے پار کوئی چھت ہوتی تو چھلانگ لگانے کا ریسک بھی لیا جاسکتا تھا لیکن تم یہ تھا کہ عمارت کے نزدیک کوئی مکان نہ تھا۔

"مجھے یہاں بسنے دو خرم، سونیا دیوار سے نیک لگا کر دبی آواز میں بولی۔ میں کوئی بھی کہانی سننا کر جان بچاؤں گی۔ یہ لوگ میری شناخت کے لیے یا گسے رابطہ قائم کریں گے اور وہ مجھے رہا کر دالے گا۔ تم نکل جاؤ۔"

"ظہور میں دیکھا ہوں۔ شاید تیسری منزل کی چھت ہمارے کام آسکے۔" میں سیرھیوں کی جانب بڑھ گیا مگر ناکامی دہاں بھی موجود تھی۔ سیرھیاں شاید کبھی رہی ہوں گی لیکن اب میں دی گئی تھیں۔

میں دے قدموں تیزی سے واپس آیا تاکہ کوئی فیصلہ کرنے سے قبل سونیا کو چند ضروری ہدایت مے کر خود نکل جانے کی آخری کوشش کروں۔

ابھی میں نے بات کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ نیچے سے لے والی سیرھیوں پر پولوں کی کھٹ کھٹ اُبھری۔ کوئی اوپر آ رہا تھا روشنی اوپر آخری سیرھی کے چہرے پر پھرنے لگی تھی۔

"سنو...؟" آواز میں حکم کی گرج شامل تھی۔ "تم لوگ ایک بار پھر بچاؤ کر دوں کو دیکھ لو۔ میں اوپر دیکھتا ہوں۔"

میں نے گہری سانس لی کیونکہ فیصلے کی گھڑی قریب آرہی تھی۔ سونیا کو یک دم میں نے اپنی آڑ میں کر لیا اور خود سیرھی کے پلے سے چمٹ گیا۔ قدموں کی چاپ سیرھی سیرھی اوپر آرہی تھی اور مارچ کی روشنی اب دوسری منزل کی دیواروں پر رقصاں تھی۔ میں سانس سینے میں روکے کھڑا تھا۔ جوں ہی اُس کا پہلا قدم چھت پر آیا۔ میں نے جم کو تھوڑا سا جھکا کر متوازن کیا اور دوسرا قدم ابھی چھت اور آخری سیرھی کے درمیان ہی تھا کہ میں اپنی جگہ سے اچھلا دوسرے لمحے بھاڑی بھر کم جسم میرے ٹھنوں تلے چل رہا تھا۔ میں نے دائیں ہتھیلی اُس کے منہ پر جمادی تھی۔

"سنو، میری بات سنو۔" میں نے سرد لیکن سرگوشیا نہ بچے میں کہا۔ "اگر ملازمت سے زیادہ زندگی تمہیں عزیز ہے تو اچھل کوؤ بند کر کے میری دوستانہ پیش کش سن لو۔ مجھے یہ کیف یہاں سے نکلنا ہے۔ اب یہ فیصلہ تم کرو گے کہ اپنی لاش کے اوپر سے راستہ دو گے یا زندگی کا سودا کر لو گے۔" اُس نے پھر کنا بند کر دیا اور اثبات میں سر ہلانے لگا۔ "مارچ ابھی تک روشن تھی اور اُس کی روشنی میں سیاہ سرورس ریوا اور دکھانی دے رہا تھا جسے سونیا نے پک کر

اٹھالیا تھا۔ "مارچ بچھاؤ۔" میں نے کہا۔ "میری جیب سے چاقو نکالو اور کھول کر مجھے دے دو۔" سونیا نے بیٹھ کر میری ہدایت پر عمل ممکن کیا اور میں نے چاقو کی نوک، سارجنٹ کی شرنگ پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور اُس کا منہ آزاد کر دیا۔

"چاقو... چاقو..." وہ غیر متوازن پیچھے میں بولا۔ "میں لوں تعاون کا وعدہ کرتا ہوں۔"

"سوچ کر فیصلہ کرو سارجنٹ۔" میں نے چاقو کا دباؤ کم کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا غلط فیصلہ..."

"نہیں..." وہ بول پڑا۔ "قانون بھی ایسی پوزیشن میں مجھے جان بچانے کا حق دیتا ہے۔"

"پھر اٹھو اور ساتھیوں کو سیرھیوں کے ساتھ والے کمرے میں جمع ہونے کا حکم دو۔ لیکن یہ یاد رکھنا، تمہاری حماقت تمہیں دوسرا سانس لینے کی ہمت نہ دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا اور میں نے اُس کی آٹھ کر چاقو کی نوک اُس کی پشت پر رکھ دی۔ "اے... میری آواز سنو..."

وہ جھک کر چیخا۔ "ریٹیک، ایفل کہاں ہو تم لوگ...؟"

"کیا بات ہے سارجنٹ...؟" نیچے سے کسی نے چیخ کر پوچھا۔

"تم لوگ مس لی چاکے کمرے میں بیٹھو۔ اب یہاں کوئی نہیں۔ اُسے کہو، ہمارے لیے ڈنک تیار کرے۔ میں اوپر دوسری چھتوں کو ایک نظر دیکھ کر آ رہا ہوں۔ کچھ دیر آرام کرو۔ پھر واپس چلیں گے۔"

"اوہ ٹھیک یو سارجنٹ، اُس نے جواب دیا۔" میں ایفل کو بھی بلایا ہوا چند ثانیے خاموش رہ کر میں نے سارجنٹ کے شانے پر دستار چھکی دی۔ "شکریہ سارجنٹ۔"

"وہ اندر جا رہے ہیں۔ تم لوگ میرے ساتھ نیچے چلو۔" سارجنٹ نے مشورہ دیا۔ "میں گیٹ تک تمہارے چاقو کی زدیں رہنا پسند کروں گا۔"

"ابھی نہیں دوست۔" میں نے نرم اور ممنون انداز میں اُس کا مشورہ مسترد کرتے ہوئے کہا۔ "ہوسکتا ہے۔ تمہارا ساتھی تم سے کچھ پوچھ بیٹھے۔"

"ہاں... ٹھیک ہے۔" اُس نے گہری سانس لے کر کندھے اچکائے۔ "وومنٹ انتظار کر لو۔"

جب نیچے سے مکمل خاموشی طاری ہو گئی اور میں نے اندازے سے ہی اطمینان کر لیا کہ سارجنٹ کے ساتھی لی چاکے حسین چہرے کی نگاہوں ہی نگاہوں میں بلا میں لینے میں مصروف ہو چکے ہوں گے تو میں نے سارجنٹ کی یونیفارم کا گداز کار پکڑا اور دائیں ہاتھ کی کھڑی ہتھیلی کا آزمودہ کٹ اُس کی موٹی پٹری گردن پر مار دیا۔

اگر میں نے اُس کا کارنہ پکڑ رکھا ہوتا تو وہ ترچھا ہی گرنا شروع میں بیک وقت دو چیزیں اُسے نہیں دینا چاہتا تھا۔ گرنے سے اُس کا سر بھی پھٹ سکتا تھا جب کہ میں اُسے کچھ دیر کے لیے بے ہوش رکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

میں نے اُس کا بو جھل جسم سنبھال کر دیوار کے ساتھ اکڑوں بٹھا دیا۔ اُس کا سر ڈھلک کر اُس کے گھٹنوں پر ٹپک گیا تھا۔

وہ خیال اچانک ہی میرے ذہن میں گود آیا تھا حالانکہ کوئی جواز نہ تھا۔ ضرورت تھی نہ تھی لیکن میں اچانک چونچ مار کر بیدار کرنے والے خیال کو قدرت کا عطیہ جان کر ہیشہ قبول کرتا رہا ہوں۔ صرف ایک منٹ میں سارجنٹ کی یونیفارم اُس کے جسم سے الگ ہو گئی تھی اور آدھے منٹ سے کم وقت میں میں نے اپنے جسم پر چڑھانے میں صرف کیا تھا۔

کیپ سر پر جاکر تانی کی گرہ لگاتا ہوا میں چل پڑا تھا۔

"خرم..." سونیا کی سرگوشی اُبھری۔ "یہ ریوا اور لے لو۔" میں نے ہاتھ بڑھایا اور سونیا نے ریوا اور میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"نیچے چل کر تم پس پردہ رہو گے۔" میں نے سرگوشی میں بتایا۔

آخری سیرھی پر رُک کر میں نے آواز کا سہارا تلاش کیا کیونکہ مجھے معلوم نہ تھا کہ لی چاکس کمرے میں ہے۔ جلد ہی کسی مرد کا قبضہ چکرا ہوا میری سماعت سے ٹکرایا اور میں چل پڑا۔ وہ کسی بات پر قبضے اچھال رہے تھے۔

میں روشنی کے دائرے سے بچتا ہوا دیوار کے ساتھ ساتھ اچانک دروازے میں چلا گیا۔

لڑکی تپانی پر چھکی ہوئی جام بھر رہی تھی اور پہلو پہلو بیٹھے ہوئے تینوں پولیس مین شاید لی چاکے ہاتھ کو ہی دیکھ رہے تھے۔

"جہاں اور جس حالت میں ہو، مت ہلنا۔" میں نے پھنکارتی آواز میں وارننگ دی۔ لی چاکھل کر گھومی اور بوتل اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ایک احمق نے ہولسٹر کی جانب ہاتھ موڑ لیا تھا۔ دھماکا ہوا اور وہ چیخ کر اُلٹ گیا تھا۔ اور کون احمق ہے؟ میری آواز میں بلا کی سفاکی اور مذہبیاں تھپڑانے والی سردی تھی۔ باقی دونوں بولنے سے ہو کر مجھے گھورتے رہ گئے تھے۔

"ہاتھ اوپر کر کے دیوار تک باری باری جاؤ۔ اٹھو اے گدھے کے کان والے۔ تم اٹھو۔" وہ بچکولے کھاتا ہوا ہوا کھڑا ہو گیا اور ہاتھ اوپر کرتا ہوا چل پڑا تھا۔ "اب تم بند۔" دوسرا بھی اُسی انداز میں پلٹنے ساتھی کے ساتھ جا رہا تھا۔ "سنہری مٹی۔"

میں نے لی چاکو مخاطب کیا۔ ورزش کا اہتمام کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ براہ کرم تم بھی قطار میں لگ جاؤ۔"

اگر میں نے اُس کا کارنہ پکڑ رکھا ہوتا تو وہ ترچھا ہی گرنا شروع میں بیک وقت دو چیزیں اُسے نہیں دینا چاہتا تھا۔ گرنے سے اُس کا سر بھی پھٹ سکتا تھا جب کہ میں اُسے کچھ دیر کے لیے بے ہوش رکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

میں نے اُس کا بو جھل جسم سنبھال کر دیوار کے ساتھ اکڑوں بٹھا دیا۔ اُس کا سر ڈھلک کر اُس کے گھٹنوں پر ٹپک گیا تھا۔

وہ خیال اچانک ہی میرے ذہن میں گود آیا تھا حالانکہ کوئی جواز نہ تھا۔ ضرورت تھی نہ تھی لیکن میں اچانک چونچ مار کر بیدار کرنے والے خیال کو قدرت کا عطیہ جان کر ہیشہ قبول کرتا رہا ہوں۔ صرف ایک منٹ میں سارجنٹ کی یونیفارم اُس کے جسم سے الگ ہو گئی تھی اور آدھے منٹ سے کم وقت میں میں نے اپنے جسم پر چڑھانے میں صرف کیا تھا۔

کیپ سر پر جاکر تانی کی گرہ لگاتا ہوا میں چل پڑا تھا۔

"خرم..." سونیا کی سرگوشی اُبھری۔ "یہ ریوا اور لے لو۔" میں نے ہاتھ بڑھایا اور سونیا نے ریوا اور میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"نیچے چل کر تم پس پردہ رہو گے۔" میں نے سرگوشی میں بتایا۔

اُس نے کچھ بولنا چاہا مگر تھوک نکل کر رہ گئی تھی۔

"تمہیں بولنے کا وقت دیا جائے گا مگر ٹوٹری۔" میں نے اندر قدم بڑھاتے ہوئے کہا اور پھر پولیس والوں کے ہوسٹر خالی کر کے میں اُلٹے قدموں جب واپس ہوا تو میرا بایاں ہاتھ لی چاکے ہاتھوں کو جکڑے ہوئے تھا اور وہ کسکاراں لیتی ہوئی میرے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اپنی اپنی ٹائی کھول کر نیچے پھینک دو۔" میں نے لی چاکو جھٹک کر سپاہیوں کو حکم دیا۔

اٹھوں نے بے چین و چراٹائیاں اتار کر نیچے پھینک دی تھیں۔

"اب تم تھوڑی مدد کرو گی مس لی چاک۔" میں نے اُس کے بال چھوڑتے ہوئے کہا۔ "ان کے ہاتھ نیچے کر کے بازو دو۔ چالاک لکھانے کی کوشش میں میری رعایت سے محروم ہو جاؤ گی۔"

"میں... میں..." وہ ہٹکاتی ہوئی بولی۔ "اپنی پہلی حماقت پر پھٹا رہی ہوں۔ میرا خیال تھا تم لوگ تیسرے درجے کے اٹھائی گیر ہو گے۔" اُس نے خوب کس کر اُن کے ہاتھ بازو کر میری جانب دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے صوفے پر پہلو کے بل گرے ہوئے سپاہی کی جانب دیکھا اور لی چاکو ساتھ چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے چل پڑا۔

باہر نکل کر میں نے کندی لگائی اور لی چاک نے چابی سوراخ میں ڈال کر کھٹائی اور پھر میرے ہاتھ پر رکھ دی۔

"اب سوچو سے نکل آؤ پیاسے۔" ڈرم کی جانب دیکھ کر میں نے کہا اور گونج کر ڈرم سے باہر آ گیا۔ "مستر ریوا کو بھی احتیاط سے نکال کر دیکھ لو۔"

گو ختم نے اُسے باہر نکال کر پہلے لباس جھاڑا۔ پھر نبض دیکھ کر بولا۔ "ٹھیک ہے ماسٹر بس ذرا آرام کر رہا ہے۔"

"اٹھالو..." میں نے کہا اور لی چاک کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ یقیناً تجربہ کار لڑکی تھی۔ اُس نے ذرا بھی مزاحمت نہ کی کیونکہ کھیل ہارنے کی وہ چشم دید گواہ تھی اور اچھے کھلاڑی کی طرح اُس نے شکست ذہنی طور پر قبول کر لی تھی۔

نگیٹ سے باہر نکلتے ہی ایک اور پریشانی نے راستہ روک لیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور غالباً پولیس ریڈ سے خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا تھا اور گئی رات، ویران علاقہ قبرستان کی طرح آجڑا اور خاموش تھا اور میرے ساتھ پوری پلاٹون تھی۔ اگر ہم سب دوست ہوتے اور کسی کے کندھوں پر برہنہ کا جسم لدا ہوا نہ ہوتا تو پیدل چل پڑتے لیکن لی چاک اور برٹیو کا ساتھ ہمارے لیے قدم قدم خطرے کا دھڑکا تھا۔

لہذا بے حد مجبوری کے تحت میں نے بہت بڑا اور خطرناک نیک لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ فیصلہ کروانے میں پولیس کار کی موجودگی کا بھی

ہاتھ رہا تھا۔ جب میں نے اپنے فیصلے کا اعلان کیا تو صرف لی جانے
تائید کی تھی اور اس کی تائید کی تھی۔ میں اس کی خوش بھی ہوئی تھی اسے
میں جانا تھا۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ پولیس کا کسی مصروف شاہراہ پر
چڑھتے ہی مشکوک ہو جائے گی۔

مجھے بھی اس خطرے کا احساس تھا لیکن اس کے سوا کوئی
اور مل بھی تو نہ تھا۔ ہم ایک زخمی اور دوسری قیدی لڑکی کو روٹن
سڑکوں پر ساتھ لے کر کیسے چل سکتے تھے۔

حفظ مقدم کے طور پر پہلے میں ہی کار کا جائزہ لینے گیا تھا۔
چونکہ کار اندھیرے میں کھڑی تھی اس لیے سچویشن میرے ہی حق
میں جاتی تھی۔ اگر وہاں کوئی موجود ہوتا تو اندھیرے کی وجہ سے
مجھے پہچان نہ سکتا تھا کیونکہ میرے جسم پر سرجنٹ کی یونیفارم تھی۔

لیکن حسن اتفاق سے کار میں کوئی شخص نہ تھا۔ میں نے
سب کو آگے بڑھنے کی اجازت دے دی۔ بریٹو اور لی جا
کو گوتھم نے پھیل نشست پر سنبھال لیا تھا اور سونیا میرے
ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ میں راستوں سے نا آشنا تھا۔ رہنمائی کے
غرض سونیا ادا کر رہی تھی۔

جول ہی کار دیویں شاہراہ کے چوک سے دائیں طرف مڑی،
ڈیش بورڈ میں لگی ہوئی پلیٹ پر سرخ روشنی کے نکتے جلتے لگتے تھے۔
"ہیلو اسکاؤڈ ٹائن... ہیلو اسکاؤڈ ٹائن ہینڈ کارڈز کا لنگ یو۔"
ٹرائسٹر سے آواز کی زہریلی مکھیاں جھنجھاتی ہوئی میرے حواس کو
ڈنک مارنے لگیں۔

"یس ہینڈ کارڈز اسکاؤڈ ٹائن ریسونگ یو۔" میں نے جھک کر
بھڑائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"اپنی پوزیشن بتاؤ۔" ادھر سے پوچھا گیا۔ ہارڈنگ روڈ کے
پندرہویں مائیل اسٹون کے قریب اسکاؤڈ ٹھہری کو تھاری فوری مدد
درکار ہے۔"

"او۔ کے۔" میں مختصر سا جواب دے کر ٹرائسٹر کے سائے
میں دبانا چلا گیا تھا اور ایکسپریس پر پاؤں کا دباؤ بند ہیج بڑھانا
شروع کر دیا تھا۔

منزل سے چھ ہلاک ڈور مارکیٹ کے پار لنگ لاٹ میں
کارڈوں کے درمیان کار روک کر ہمارا قافلہ اتر پڑا تھا۔ کار کی ریڈیم
ڈائل ٹھہری پر بدھ بجنے والے تھے۔

"کیا ہم ادھر نہیں جائیں گے؟" گوتھم نے پوچھا۔ وہ... وہ
پریشان ہوں گی۔"

"نہیں تم۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ہمارے لیے

کوئی پریشان نہیں ہوگا۔ تین عورتیں پریشان ہو کر قی ہیں۔ ماں
بیوی اور بہن... ادھر اُن میں ایسی کوئی عورت نہیں ہے۔ میں تجھے
حکم تو نہیں دوں گا بھائی لیکن رولارڈ مشورہ دوں گا، عورت سے
پرہیز کیا کرو۔ اگر یہ تمہاری کوئی نفسیاتی مجبوری ہے تو اس کی
جیتیت ڈیولوشن پیس سے نہ بڑھنے دو۔

"آہستہ بولو ماسٹر... گوتھم نے کہا۔" لڑکیوں نے تھلا فلسفہ
سن لیا تو انھیں دکھ ہوگا۔ یہ لڑکیاں جو ہوتی ہیں نا ماسٹر... یقین کرو۔
یہ ہر وقت اپنی تعریف سننا پسند کرتی ہیں۔ جو مرد اس گرسے ناہلہ
ہوتا ہے وہ اس معاملے میں بد نصیب رہتا ہے۔"

"میری طرح..." میں نے ہنس کر کہا۔ گوتھم پیارے عورت کی
بہی خواہش اور غوک سی مجبوری خطرناک ہوتی ہے۔ اس گرو کو دانا
لوگ چالوئی کا نام دیتے ہیں اور گیدڑ میں یہ گرو ہوتا ہے۔ اپنے اندر
شیر کی خصلتیں پیدا کرو۔ لڑکیاں چونکہ آگے چل رہی تھیں اس لیے
میری آواز اُن تک نہیں جاسکتی تھی۔ ایک موٹر پوسٹیل نے پلٹ کر دیکھا۔
وہ تین شاخہ سڑک تھی۔ سیدھی چلتی رہو۔ میں نے کہا۔ ہمیں ایک
ہلاک چھوڑ کر اگلے ہلاک میں جانا ہے۔"

گوتھم نے پلٹے فلیٹ کا انتخاب سوچ کر کیا تھا۔ میں نہیں
چاہتا تھا کہ بریٹو اور لی جا ہمدی موجودہ رہائش اور ایڈنا کی صورت سے
واقف ہوں۔ ایڈنا کو یہاں ہی رہنا تھا اور لی چلنے سونیا جیسی زہریلی
ناگن کو چوٹ دے کر اپنی اہمیت اُجاگر کر دی تھی۔ وہ کسی بھی وقت
ایڈنا کے لیے مسکرن سکتی تھی۔

فلیٹ کا خود کار نظام معطل کر دیا گیا تھا۔ تار لکڑا ہوا اندر پڑا
تھا۔ کچھ چیزیں بھی الٹ پلٹ تھیں۔ یقیناً جس خطرے کے تحت ہم نے
فلیٹ چھوڑ دیا تھا، وہ خطرہ ہماری عدم موجودگی میں فلیٹ کی خیریت
دریافت کر گیا تھا۔ بعض اوقات انسان کے اندر لگا ہوا قدرتی اللہ جسے
چھٹی جس کا نام دیا گیا ہے انسان کو قبل از وقت خطرے سے آگاہ کر
دیتی ہے۔ اگر ہماری چھٹی حس بیدار ہو کہ ہمیں نہ چونکا کی تو صورت حال
جھلنے کیا ہوتی۔

لوٹھا بریٹو کچھ زیادہ ہی بے خبر ہو گیا تھا۔ میں نے بیدار جھک
کر اس کے پوٹے پر انگلی کی ٹپ ماری اور اس کے ساکت جسم میں ہلکی
سی غیر محسوس حرکت کی ہر جاگ کر میٹ گئی تھی۔

میں لی جا... میں نے سرد آواز میں کہا۔ ہمارے پاس جو وقت
تھا، وہ تمہاری وجہ سے ضائع ہو چکا ہے۔ اب ہم مزید انتظار نہیں کر
سکتے۔ میں صرف ایک سوال کر دوں گا اور تم ایک جواب دو گی۔ یہ تم پر منحصر
ہے۔ جواب نفی میں یا اثبات میں دو۔ دوسری آواز گولی کی ہوگی جو تمہاری

دائیں ٹانگ پر لگے گی۔ پھر میں دوسری بار وہی سوال دہرائوں گا۔ کیا
تم ذہنی طور پر تیار ہو؟

"لیکن میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔" لی جانے لڑکیوں
آواز میں جواب دے کر مجھے اُنھن میں ڈال دیا تھا۔

کوئی ایسی قوت اس کے اندر ضرور تھی جو اسے سہارا دے
رہی تھی ورنہ باپ کی حالت اور سابقہ کارروائی کے باوجود ایک لڑکی
دم ختم کو برقرار نہیں رکھ سکتی تھی۔ کچھ نہ کچھ ضرور تھا۔ ورنہ اس کا چہرہ
اس قدر پرسکون دکھائی نہ دیتا لیکن مجھے بھی کبھی ہر طور کا لانا تھا۔
اس کے لیے اگر ٹھیکر ہی انگلی ناکام رہتی تو میں چاقو کو بھی استعمال کرنے
سے دریغ نہ کرتا۔

"میں تجھیں اپنے نام کے حوالے سے اپنی اہمیت بتانا نہیں چاہتا۔"
میں نے آواز میں مزید کڑھکی سموتے ہوئے کہا۔ لیکن تم مجھے احمق دکھائی
نہیں دیتی۔ جو شخص یا گا جیسے بھیڑیے کے تعاقب میں ہے اور جس
نے بدترین سچویشن کا آہنی جال توڑ دیا ہے، جو تم لوگوں کو پولیس کار
میں یہاں لے آیا ہے۔ وہ کوئی سمجھ نہیں ہو سکتا۔ کوئی بڑی اہم
ضرورت ہی اسے وہاں سے یہاں لائی ہے۔ انسان ضرورت کا پہلے
غلام بنتا ہے۔ پھر ضرورت کو مغلوب کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی
ایجاد کر لیتا ہے۔ میں بھی اُن ہی لوگوں میں سے ہوں جو کوئی نہ
کوئی راہ ضرور دریافت کر لیتے ہیں۔ مجھے یا گا کی ضرورت ہے اور
میری ساتھی لڑکی کا بیان ہے کہ یا گا کی ذات کی چابی تم لوگوں کی تھی
میں ہے۔ مجھے وہ چابی درکار ہے۔ اس کے لیے میں بہت آگے
نک جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ پہلے تمہاری دونوں ٹانگوں میں
سوراخ کروں گا۔ پھر تجھیں اپنے دوست کے حوالے کر دیا جائے گا جو
بڈیاں چٹنی نے میں شہرت یافتہ ہے۔"

میں نے بریٹو کو بریٹو کے دونوں پاؤں جوڑے اور موٹر کو
اس کے سینے پر رکھ دیا۔ بریٹو کے حلق سے زخمی ہونے والے
شیر کی طرح دھاڑ اُٹھ رہی تھی۔ میں جان چکا تھا کہ وہ ہوش میں ہے اور
مصلحتاً بے ہوش طاری کیے ہوئے ہے۔ دیکھ لو یہ میرے دوست
کی مہارت کا زندہ ثبوت ہے۔ لی جانے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر
تھے اور اس کا بدن بید مجنوں کی مانند لرز سٹوں کی زد میں تھا۔ جلدی
فیصلہ کرو لڑکی۔"

"وہ... وہ... کل..."

"نہیں... لی جانیں... نہیں... بریٹو حلق پھاڑ کر چیخا۔
"اپنی زبان بند رکھو گویوں کے زخم بھر جاتے ہیں لیکن غلاری اور
نمک حرامیت کے زخم ساری عمر سے اور درد کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ

تمہارے غافل اور میرے محسن یا گا کے دشمن ہیں۔ تم ناہنگیں، پکڑ پھر
کس کے لیے زندہ رہنا چاہو گی؟

لوٹھے کی باتوں نے مجھے بے حد متاثر کر دیا تھا۔ اگر اس
شہر بے مہربانے وفا کی آب و ہوا نے میرے خون اور سوچے کے انداز
پہلے ہی متاثر نہ کر دیے ہوتے تو میں ایسے با اصول اور وفادار شخص
کو معاف کر دیتا۔

"تم بہت جاؤ ماسٹر،" گوتھم نے شاید میرے ذہن میں اُٹھنے
والے طوفان کو محسوس کر لیا تھا۔ گولیاں ضائع نہیں کریں گے بس
تلتے جاؤ پہل کہاں سے کروں؟

"بھڑو... لی جاننا تھا اٹھا کر بولی۔ وہ کل صبح کی فلائٹ سے
فلیپان کے لیے روانہ ہو رہا ہے۔"

"اوہ... وہ کتنا... سونیا بھوکے پی کی آواز میں غرائی۔ وہ مجھے
پہنچ مار کر نہیں جاسکتا۔"

"شکر ہے لی جا،" میں نے اس کا سر ہاتھ تھام لیا۔ پلنر اسے
روک لو۔ ہم ایک منصوبے پر کام کر رہے تھے۔ اب وہ تنہا ڈال جانا
چاہتا ہے۔ اگر وہ چلا گیا تو وہاں چوٹی کی طرح مسل دیا جائے گا۔
سنوئی چا، اس کا نہ جانا ہی ہم سب کے مفاد میں ہے۔ دونوں میں
غلط فہمیاں ہوتی رہتی ہیں۔ تم اگر اسے چانا چاہتی ہو تو مجھ سے ملاقات
کر دو۔ میں اس کی غلط فہمی دور کر دوں گا۔ ہم پھر دوستوں کی طرح
ہاتھ سے ہاتھ اور قدم سے قدم ملا کر معرکہ سر کرنے جائیں گے۔"

"کیا میں تم پر بھروسہ کر لوں؟" وہ تذبذب میں ابھرنے ڈوبنے
لگی تھی۔ وہ اس دقت گلین بلازم کے ہلاک تین کے چھٹے فلیٹ میں
ہے۔ اگر تم یقین دلاؤ تو میں اسے فون پر تمہارے بارے میں اطلاع
کر دوں۔ وہ ان دنوں چنگ چ کی لیے کام کر رہا ہے اور فلیٹ میں
اسی نے دیا ہے۔"

"تم پہلے ہی اسے مطلع کر چکی ہو گئی۔" سونیا ترختی آواز میں
بولی اور لی جا کے چہرے پر ایک سایہ سالہر آتا ہوا گزر گیا۔ لیکن مجھے
اس کی کوئی پروا نہیں۔ میں اسے دنیا کے آخری کنارے سے بھی براہد
کر لوں گی۔ آؤ چلیں اور تم لڑکے اس کا خیال رکھنا۔ ویسے عتا طرہ کر تھیں
عیش کی بھی اجازت ہے۔"

"نہیں... میری غزابت ابھری اور گوتھم کسی شرمندہ کتے کی
طرح سکڑ سا گیا تھا۔ تم صرف نگرانی کرو گے۔"

"مم... مجھے بھی... لی جا مجھے کیا کرنا ہو گی کیونکہ سونیا
نے اپنا ایک اچھل کر اسے بھر پور تعقیب مار دیا تھا۔"

"ہم تمہارے بغیر بھی اس حرامی انٹل کتے کو تلاش کریں گے۔"

سونیا چنیتی ہوئی چل پڑی تھی۔

بابر جاگر گاڑی کا منہ پھر دپیش اگیا تھا۔ میں نے ساجنٹ کی وردی اتار دی تھی۔ اگر نہ جی اتارتا تو جی دوسری بار وہ کار استعمال کرنا خود کو موت کے منہ میں گرلے کے مترادف ہوتا۔ ساجنٹ ہوش میں آکر ساتھیوں کو آزاد کر کے حادثے کی رپورٹ دے سکتا تھا۔

ہم نے مجبوراً کار چڑھانے کا ہی فیصلہ کیا تھا اور بارکنگ لاٹ میں بے شمار کاریں کھڑی تھیں۔ دونوں نے بیک وقت مطلوبہ کاری کی جدوجہد شروع کر دی۔ پھر سونیائے ہی ایک نئی لیوژن تلاش کرنی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک بوڑھا اسٹریٹنگ وہیل پر سرفارے دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔ شاید زیادہ چڑھا کر بمشکل سیٹ تک دونوں نے اسے اٹھا کر پھلی سیٹ پر لٹا دیا اور اسٹریٹنگ میں نے سنبھال لیا تھا۔ چامیاں انگنیشن میں ہی تھیں اور بوڑھے کو ہم بوقت ضرورت بطور ڈھال بھی استعمال کر سکتے تھے۔ وہ نشے میں ڈھست تھا اور اسے فوری طبی امداد کی ضرورت ایک معقول حوالہ تھا۔

نگین ہلاڑے جانے والی سڑک سائی سڑک کے بالکل متوازی جاری تھی۔ سڑک کسی سہاگن کی مانگ کی طرح سیدھی اور روشن تھی۔ اکاؤنٹ گاڑیاں بھی آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ فٹ پاتھ پر پھیرول کی ٹولیاں ٹڑکیوں میں جال رکھے جلتے دکھائی دے رہی تھیں۔ ہیڈ لے کلب کے دائیں ہاتھ ایک تنگ ذیلی سڑک پر کار چڑھا کر کلب کے پچھواڑے سونیائے کا رخ کرنے کا اشارہ کیا۔

کار سے اتر کر میں نے انگریز لی اور کھلی فضا میں چند گہری گہری سانس لے کر چل پڑا کیونکہ سونیا مجھ سے دس پندرہ قدم دور جا چکی تھی۔ مجھے اس کی یہ حرکت کچھ اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ بعض اوقات خود کو برتر سمجھتی تھی لیکن نے ناگواری کو جھجک دیا تھا۔ یہی وقت اور حالات کا تقاضا تھا۔

قطار در قطار فلیٹس کے دروازوں کی پشائیاں روشن تھیں۔ سفید پلاسٹک کے نمبر دوسرے دکھائی دے رہے تھے سونیا مطلوبہ دروازے پر جا کر رکی اور پھر میری جانب دیکھ کر بولی "ختم چوہدری! وہ شاید ابھی باہر ہے۔"

"کیا یہ سنبھال موقع نہیں سونی۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے اس نے کہیں اندر ہی چھپا رکھا ہو۔"

"اوہ ہاں..." سونیائے جھک کر تالے کی ساخت دیکھی اور پھر پریس سے ماسٹر چابیوں کا گچھا نکال کر چامیاں آزمانے لگی تیسری چابی کی گردش کامیاب رہی تھی۔ ہم دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ وہ افتادہ اچانک ہی ٹوٹ پڑی تھی۔ سونیا مجھ سے دو قدم

اگے تھی۔ میری سماعت سے سرسراہٹ اور دھماکا ٹکرایا اور ساتھ ہی کمرہ روشن ہو گیا تھا۔

سونیا فرنٹ پر لڑھک رہی تھی اور ایک طویل قامت نوجوان سوچ بورڈ کے پاس کھڑا آنکھوں اور ریلواری کی ایک آنکھ سے مجھے گھور رہا تھا۔ وہ میرا دشمن ہی نہیں لیکن مردانہ وجاہت کے حوالے سے میں نے اسے تودل سے پسند کیا تھا۔ اگر لی چابیوں کی لڑکی اسے بچانا چاہتی تھی تو وہ شخص زندگی کا حق دار تھا۔

سونیا جب اٹھی تو پوزیشن کچھ یوں تھی کہ میرے اور اس کے درمیان نائے قد کا جاپانی لڑکا ریلواری تانے کھڑا تھا۔ شاید اس نے اندھیرے کے باوجود سونیا پر کوئی داؤد آزمایا تھا۔

میں کسی بے جان مجسمے کی مانند بے حس دبے حرکت کھڑا رہ گیا تھا۔ میرے پاس سولے خاموشی اور دو کھجری افسوس ناک گہری گہری سانسوں کے سوا کچھ بھی تو نہ تھا۔ دور ریلواری بردار ہاتھ لٹھے ہوئے تھے۔ ریلواری میری بیک پکٹ میں تھا اور دوسرا ریلواری سونیا کے پرس میں تھا۔ ہم چاروں مزاج شکل میں خاصے فیصلے پر کھڑے تھے صورت حال اتنی خطرناک اور نازک ہو گئی تھی کہ ہم نہ تو افزادی کو شش کرنے کی پوزیشن میں تھے اور نہ ہی ایک دوسرے کی مدد کر سکتے تھے۔

مجھے تو یوں ہی محسوس ہوا تھا جیسے خاموشی صدیوں پر محیط ہو گئی تھی۔ کوئی بھی نہیں بول رہا تھا۔ بس آنکھیں آنکھوں سے ہم کلام تھیں۔

میں نے نہایت ہی سست رفتاری سے چہرہ گھمایا۔ ہر چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی حالانکہ گیند اچھل کر یاگا کے کورٹ میں پیل گئی تھی۔ وہ اپنی پسند کی ہٹ لگانے کی پوزیشن میں تھا لیکن اس کا چہرہ بھی مایوسی کی چٹ میں ڈوبا ہوا تھا۔ یاگا مجھے گھور رہا تھا اور کوتاہ قدر لڑکا سونیا کو ریلواری کی زندگی بے بالکل مستعد کھڑا تھا۔ میرے اور سونیائے کے درمیان فاصلہ اور ایک زندہ شخص تھا۔ یہی دیکھ کر میرے منہ سے طویل سانس نکل گئی تھی اور میں نے ذہنی طور پر ان کی برتری تسلیم کر لی تھی۔ میری کوئی بھی کوشش حماقت کے سوا کوئی فائدہ نہ دے سکتی تھی۔

"پھنکار دل سے مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو لڑکے!" طویل خاموشی کو یاگا کی سرسراہٹ آواز نے توڑا۔ "چند منٹ قبل تک میرا خیال تھا میرے کوئی ذاتی ملازمین ہوں گے جن کے ذہن کی رگ شرارت پھڑک اٹھی ہوگی۔ اگر لی چاہتا رہی بدلی ہوئی شکلوں سے دھوکا نہ کھا جاتی تو میں تمہارے مستقبل کا شایان شان انتظام کرتا۔ باہر جب اس ذیل لڑکی نے تمہارا نام لے کر پکارا تو مجھے خوشی ہوئی آج ہی جو اور چنگ کے پسندیدہ نوجوان سے ملنے کا شرف حاصل ہوگا میں تمہیں

ابھی طرح جانتا ہوں خرم سلطان۔ میں ہی نہیں مجرم کی دنیا کا ہر بڑا چھوٹا شخص تمہیں جانتا ہے۔ میں تمہاری شہرت کی قدر ضرور کرتا ہوں مگر کوئی رعایت نہیں دوں گا۔ چونکہ میں بنیادی طور پر ایک ٹرینر ہوں، جسٹی درندوں کو ہتھکڑیاں لگا کر تھامتا رہتا ہوں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ زندہ کو کس طرح مغلوب کیا جاتا ہے۔"

"ہم بڑے اچھے دوست رہے ہیں یاگا۔" سونیائے سنہری آنکھوں کا جال پھینکا۔ "ادھر جو کچھ ہوا وہ مشربو کی جلد بازی اور لی چاکر غلطی کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں تو بالکل دوستانہ تعلقات کے لیے تم سے رابطہ قائم کرنے آئی تھی۔ یہ نوجوان جسے تم جانتے ہو جس کی برتری اور جراتوں کی تعریف اس وقت کے دونوں بڑے کرچکے ہیں۔ ہمارے مشن میں شامل ہونے پر رضامند ہو گیا ہے۔ یہ ہمارے لیے بڑا اعزاز ہے یاگا۔ آگے بڑھو اور خرم چوہدری سے دوستی کا ہاتھ ملاؤ۔"

"تم سُن رہے ہو خرم چوہدری..." یاگا طنزیہ ہنس کے درمیان بوللا۔ "گرگٹ کے رنگ کی طرح اپنی وفاداریاں بدلنے والی یہ لڑکی کیا بھروسہ کر رہی ہے۔ سنو خوب صورت کتیا! یاگا اتنے بے خبر ہوتا تو غیر کے ایک ادنیٰ ملازم سے ترقی کرتا ہوا آج ایک صفت کار نہ ہوتا۔ میں جانتا ہوں تم آج کل کس کی بغل میں ہو۔"

"اگر جانتے ہو تو..." سونیائے بھی رنگ بدلتا دیکھ کر اپنی آواز کی پیال بدل لی۔ "تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے۔ میں بلا واسطہ جس کیلے کام کر رہی ہوں وہ کون ہے؟"

"ہاں..." یاگا بوللا۔ "یہی جان کر میں نے اپنی چال میں تبدیلی کا فیصلہ کیا ہے۔ چونکہ تم کسی کو کچھ بتانے کے لیے زندہ نہیں رہو گی اس لیے سُن لو۔ میں چنگ می کے تعاون سے قبل از وقت دیاں جا کر می جو کے اڈے پر دھاوا اول ڈول گا۔"

"تم... تم ایسا نہیں کر سکو گے یاگا۔" سونیا سرد آوازیں بولی۔ "میں می جو کے سامنے اعتراف کر چکی ہوں کہ نقشہ کس کے ہاتھوں میں ہے۔ اس نے مجھے آج رات کی مہلت دی ہے۔ کل وہ خود میدان میں نکل آئے گا۔ تم اسے جانتے ہو۔ وہ تمہیں پتال سے بھی پھینچ لائے گا۔ احمق نہ بنو۔ ساتھ پر دگام کو بی جاری رکھو۔ ہم بالکل ایمان دادی سے مال آپس میں تقسیم کر لیں گے۔"

میں دل ہی دل میں سونیائے کی ذہانت اور حاضر دماغی کو پہچاننے لگا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں آدمی بازی اپنے حق میں کر لی تھی۔ یاگا کی جڑیں پٹنے لگی تھیں اور سونیا لمحہ بہ لمحہ بہتر پوزیشن میں جا رہی تھی۔ می جو کے حوالے سے اسے تذبذب کی دلدلی زمین میں داخل کر دیا تھا۔ "ماروے..." یاگا کی آوازیں کوبرے جیسی پھینک رہی تھیں۔ اس

لڑکی کو بتا دو کہ می جو ہمارے نزدیک مجسب بھری ڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ایسا اعتبار ہے جو جو جگہ سے پھٹ چکا ہے۔ وہ مردہ کتا ہے۔ میں نے کبھی مردہ کتے کو لات نہیں ماری۔ اس نے می جو کا حوالہ دے کر اپنی زندگی بچائی ہے۔ میں اسے اس لیے زندگی دے رہا ہوں کہ یہ می جو کو رپورٹ دے سکے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ بالکل پھٹ جلتے۔ لہذا تمہارا ہدف بدل دیا گیا ہے۔ کھوپڑی نہیں بلکہ ٹانگیں..." دونوں ٹانگیں..."

"ادھ نہیں یاگا..." سونیائے ہی چنیتی تھی جیسے سر راہ لیٹی کتیا کی دم پر کسی راہگیر کا پاؤں آگیا ہو۔ "نہیں تم یہ ظلم نہیں کر سکتے مجھے..." مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے۔ مانا ہی ہے تو ہدف نہ بدلو۔"

"لیکن میری خواہش ہے۔" یاگا مسکراتا ہوا دو قدم چل کر رُک گیا۔ اس نے لحظہ بھر کا بھی مجھے موقع نہ دیا تھا۔ وہ باتیں سونیا سے کرتا رہا تھا لیکن نگاہوں کا زادی میری جانب تھا۔ تم زندہ رہو۔ اپنے غصہ بالائی دھڑکے ساتھ اور میں تمہیں کسی دن وحیل چیر پر بھیجی ہوئی دیکھوں اور تم سرکول پر جھیک مانگ رہی ہو۔"

"نہیں یاگا نہیں..." سونیا تن کر بولی "ایک دن بھی میں ایسی زندگی کا ساتھ نہیں دوں گی۔"

"آج فیصلہ میں کر دل گا سونی۔" وہ بوللا۔ "کل تم آزاد ہو گی جو چاہے فیصلہ کر لینا۔ ماروے! پہلے خرم چوہدری کی تلاش لے لو۔ میں لڑکی کو کور رکھوں گا۔ میں اس نوجوان سے کوئی فیصلہ کرنے سے قبل باتیں کرنا پسند کر دل گا۔"

معا سونیا لڑکھرائی اور پھر کراہتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"مشربو یاگا..." میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "تمہاری بیوی لی جانے سونیا کے پیٹ میں زوردار شکر ماری تھی۔ ادھر آتے ہوئے ہم ڈاکٹر سے دوا لائے تھے۔ براہ کرم انسانیت کے نام پر سونیا کو دوا کھانے کی اجازت دو۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" یاگا نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔ "سونیا پرس سے گولی نکال کر نگل لو۔" میں نے کہا۔ "اور تم مشربو ماروے اس دھنپے میں میری تلاش لے لو۔"

میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھادیے اور ماروے میری جانب بڑھ گیا۔ میری نگاہ سونیائے کے ہاتھوں پر مرکوز تھی چورس کی زب کھولنے کی ناکام کوشش کی شاندار اداکاری کر رہی تھی۔

میں بظاہر تلاشی لینے والے سے بھرپور تعاون کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ نگاہیں سامنے بیٹھی سونیا پر لگی ہوئی تھیں لیکن میری تمام تر توجہ اس لحظہ پر مرکوز تھی جو مطلوب تھا اور نگاہوں کا زادی بھی درمیان

سے رُخ بدل کر قیسم ہو گیا تھا میری ایک آنکھ سونیا کو دیکھ رہی تھی اور دوسری آنکھ قہرے ترچھی ہو کر یاگا پر لگی ہوئی تھی۔

"آہ باس...! ہمارے میرا کوٹ، ریلواری نکال کر خوشی سے لغو بلند کیا۔" بہترین اور نایاب شے...

یاگا کی توجہ غیر ارادی طور پر اٹھ گئی تھی اور یہی وہ لمحہ تھا جسے ہم دونوں نے بڑی پھرتی اور ذہانت سے استمال کر لیا تھا۔ اُس کی نگاہ میں ابھی میرے اور سونیا کے درمیان ہی بادھریا توڑ کا فیصلہ کر رہی تھیں کہ سونیا کا ہاتھ پر سے نکل آیا تھا اور میرا اٹھٹا ہوا دایاں ہاتھ ناگ کے چھن کی مانند نیچے جھکا تھا۔ ایک وقت دو دھماکے ہوئے تھے، ایک دھماکا سونیا کے ریلواری کے مڑے سے اٹھ رہا تھا اور دوسرا مڑے کی چند پا پر میرا ہاتھ لگنے سے پیدا ہوا تھا۔

ہمارے تو ریت کے گھر بندے کی مانند بے آواز زمین بوس ہو گیا تھا لیکن یاگا اپنے تن و توش اور دل کے حوالے سے ریت کی پیلر ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس کے حلق سے ڈکڑنے کی گونج دل آواز بھری تھی اور وہ دائیں کندھے کو دباتا ہوا پہلو کے بل گر رہا تھا۔ گولی دل سے ذرا اوپر کندھے سے تھوڑی نیچے ہو سکتی ہوئی تھی۔

میں نے طویل جست لگائی کیونکہ گرنے ہی وہ اپنے گھرے ہوئے ریلواری کی جانب ہلک کر بڑھا تھا۔ میری لات نے ایک بار پھر اُس کے مڑے سے غضب ناک دھار اٹھاری تھی لیکن وہ ٹھکنیاں کھاتا ہوا دوڑ جا پڑا تھا اور خون اُس کی ناک اور مڑے کے راستے بلبول کی صورت میں بہ رہا تھا۔

"نقشہ کہاں ہے...؟ بولو یاگا...! سونیا نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اُس کا خون آلود چہرہ ہاتھوں پر رکھ کر پوچھا: "بتاؤ یاگا، تمہارا زخم ہلک نہیں ہے، تمہیں بچایا جاسکتا ہے۔"

یاگانے ساری قوت بچا کی اور ہتھکڑیوں کے بل تھوڑا اٹھا اور "پھلوں" کی آواز سے اُس نے خون سونیا کے چہرے پر ٹھوک دیا۔ "تم خرم چوہدری تم...! وہ کرلے، ہوئے بولا: "میرے نزدیک آؤ، میں اُس کو مٹاؤں اور بے وفائی کو نفرت کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ تم ایک بہادر نوجوان ہو... میں تمہیں بہادری کے نام پر نقشہ دے رہا ہوں۔ میری جیکٹ کی اندرونی جیب...! اُس نے مڑے کھول کر خون کی قے کی اور پھر اُس کا اٹھا ہوا چہرہ زمین پر جا لگا تھا۔

اُس کے لب ہل رہے تھے، وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اُس کا چہرہ ہتھیلی پر اٹھایا اور جھک کر کان اُس کے مڑے کے ساتھ لگا دیے "اس پر... جھرو... نہ کرنا دوست... یہ... یہ... کسی کی بھی وفادار... نہیں رہی... پھر اُس کی سرکوشی بھی موت کے آفت

میں ڈوب گئی تھی۔

میں نے گہری سانس لے کر اُس کا سر چہرہ فرش پر رکھ دیا اور دل گرفتہ سا کھڑکھڑاتے ہوئے پر جا بیٹھا۔ میں دیکھ رہا تھا سونیا اُس کی جیکٹ کی اندرونی جیب کی تلاشی لے رہی تھی۔

اُس نے بے آہستگی چہرہ کھاکر میری جانب دیکھا۔ میں چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپے ہوئے تھا اور انگلیوں کی ہلکی جھریوں سے دیکھ رہا تھا، اُس نے نیلے رنگ کا تہ شدہ کاغذ نکال کر پھرتی سے گریبان کے اندر ڈال دیا۔

"اوہ... اس کی جیب خالی ہے؟" وہ پھر اُس کی دوسری جیبوں کی تلاشی لینے لگی تھی اور مجھے یاگا کے آخری الفاظ سنائی دئے رہے تھے اور سونیا کی عیاری سے میرا خون کھولنے لگا تھا۔

"بس ختم کرو سونیا...! میں نے دہشتی آواز میں کہا: "لاش کی بجائے مرنے کی..."

"جہنم میں جملے نقشہ...! میں جھک کر اٹھا۔ اُس کی وجہ سے ایک اچھا اور بے گناہ انسان ہلاک ہو گیا ہے، دلیس چلو، ہم می جھکے نہایت کی نگرانی کر کے بھی وہ جگہ مسموم کر سکتے ہیں۔"

وہ اٹھی اور تویے سے ہاتھ صاف کرنے لگی تھی۔ میں نے تویے کے دوسرے کونے سے ہاتھ اور چہرہ صاف کیا۔ پھر سونیا ایک دم میرا گریبان پکڑ کر بھرتی آواز میں بولی۔

"دونوں مر چکے ہیں...! میں نے دیکھ بھری نگاہوں سے ہار دے کی جانب دیکھا جس کا بیجاناں اور کاؤں کے راستے باہر نکل آیا تھا۔ یہ زندگی اور کامیابی تمہاری وجہ سے مٹی ہے خرم، اگر تم دوا کا نام نہ لیتے تو مجھے برس کھولنے کی وہ بھی اجازت نہ دیتا۔ میں تو زندگی سے ہائوس ہو چکی تھی۔"

"زندگی اور موت کے فیصلے اوپر ہوتے ہیں سونیا...! میں نے کھردری آواز میں کہا۔ مجھے اُس بڑی سے نفرت ہی نہیں بلکہ کراہت محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ یکدم مجھ سے پٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر کسی دُری ہوئی بچی کی مانند رو لے گئی تھی۔

"ہم زندہ ہیں، ہم زندہ رہیں گے خرم...! وہ سفاک صفت عیار لڑکی ہلک ہلک کر کہہ رہی تھی۔

"ہاں یہ فیصلہ اوپر سے ہی اُتر رہا ہے ہمارے لیے، تم میرے لیے ہو اور میں صرف تمہارے لیے، یہی بچانی گئی ہوگی۔ تم بھی خرم سلطان۔ تم بھی اعتراف کرو۔"

"ہاں...! میں نے اُس کے ہاتھوں پر تھپکی دی۔ میں خدا کی مہربانی کا شکر گزار ہوں جس نے زندگی اور زندگی کی تلخ حقیقت سے مجھے جیسے گنہگار کو آگاہ کر دیا ہے۔ آؤ باہر چلیں، ہم دو لاشوں پر کھڑے ہو کر اپنی فتح اور زندگی کا جشن مناتے اچھے نہیں لگتے۔"

"نہیں...! وہ ایک دم دُور ہو کر غرائی: "یہ ہمارے دشمن تھے۔ میں ان کے سینوں پر پاؤں رکھ کر اپنی کامیابی کا جشن منانے کا حق حاصل ہے۔"

"نہیں سونیا، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ اب مُردے ہیں جب کوئی مر جاتا ہے تو وہ شخص نہیں بلکہ صفت قابل احترام مُردہ بن جاتا ہے۔ مرے ہوئے دشمن سے انتقام لینے کا رواج زمانہ جہالت میں ہو کر رہا تھا۔ وہ سُنخ ناک سستی ہوئی باہر کی جانب چل پڑی تھی اور میں نے بیڈ سے چاندیں اُتار کر مار دے اور یاگا پر ڈال دی تھیں: "خدا تم پر اور مجھ پر رحم فرمائے۔ ہم انسان تھے لیکن دُوسروں کے مفادات نے ہمیں دشمن بنا دیا تھا، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا دوستو...!"

جب میں دُال سے چلا تو میرا دل رو رہا تھا۔ سر درد سے بھٹ رہا تھا اور آنکھیں رُکے ہوئے آنسوؤں کی وجہ سے جل رہی تھیں۔ کاش میں اُن پر دوسکا، دل کی گرفتگی وجود میں یاگا کی مردانہ وجاہتیں لی جاتی بھر پور جوانی اور بیوگی کا داغ اور سونیا کی وہ مکاری اور بے ایمانی تھی۔ اُس نے میری موجودگی میں صاف جھوٹ بول دیا تھا حالانکہ میں دیکھ رہا تھا، نقشہ اُسے مل گیا تھا۔ اُس احترام اور عقیدت میں سونیا نے دراڑ ڈال دی تھی جو ماں بہن اور بھائی کے حوالوں سے میرے اندر زندہ تھا جس نے ہمیشہ مجھے عورت کے تقدس کو ملحوظ رکھنے کا پابند رکھا تھا۔

سونیا کی تیز اور تجربہ کار نگاہوں نے میری دل گرفتگی تاثر لی تھی۔ میں ابھی یاگا کی لاش سے دو قدم ہی دُور ہوا تھا کہ وہ پلٹ کر آگئی اور یاگا کے چہرے سے چادر ہٹا کر گلوگیر آواز میں بولی: "یہ... یہ شخص...! اُس نے گہری سانس لی: "خرم سلطان کبھی یہ شخص میرا محبوب تھا۔ پتہ نہیں اس نے لی چاکر خاطر مجھے چھوڑ دیا تھا کہ میں نے برقعہ کے لیے اس سے آنکھیں پھیر لی تھیں۔ بہر کیف مجھے دکھ ہے لیکن...!"

"بکواس بند کرو۔" نہ جانے میری زبان باہمی کیوں ہو گئی تھی۔ "تمہیں... تمہیں کوئی دکھ نہیں۔ تم ایک درانی پسند لڑکی ہو، تم برفلائی ہو۔ تم پھول پھول کئی کلی پھرنے کی عادی ہو۔ تمہیں کوئی بھی چہرہ زیادہ عرصہ اچھا نہیں لگتا۔ تم اپنی وفاداریوں کی مانند چہرے بھی بدلنے کی عادت بد میں مبتلا ہو۔"

"تم...! حیرت سے اُس کی آنکھیں اُبل پڑیں: "تم خرم سلطان! یہ تم کہہ رہے ہو؟"

"ہاں میں...! میں نے چہرہ کھاکر اُس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا: "کیا یہ اختلاف بے حد کڑوا ہے لیکن تمہیں اعتراف کرنا پڑے گا سونیا، کبھی تمہیں یاگا عزیز تھا۔ پھر وہ اداکار برقعہ سامنے آیا تو تم نے یاگا سے مڑے پھیر لیا۔ پھر میں لڑھکتا ہوا تمہیں بلا۔ تم نے میری خاطر پہلے برقعہ کو چھوڑا اور آج یاگا کو قتل کر دیا ہے۔ کل کوئی اور بھی بخدا رہا میں اُسے گا اور تب تم خرم چوہدری کو اُن کے خیم کے خالی کپ کی طرح سربراہ اچھاں دو گئی۔"

"میں تردید نہیں کروں گی خرم...! وہ بے حد مضطرب رہے۔ میں بولی: "میں جو باتیں گایاں بھی نہیں دوں گی۔ میری ذات کا جو تجزیہ تم نے کیا ہے اُسے جی میں قبول کرتی ہوں، اسکا جو دیکھتی ہے ذہن دی، کچھ قبول کرتا ہے لیکن زندگی کے کسی بڑے سکون موڑ پر اگر میں مل بیٹھنے کا موقع ملا تو میں تمہیں بتاؤں گی اور آج کی باتوں کا جواب دوں گی۔ یہ بظاہر انسانوں کا شہر دکھائی دینے والا اپنے اندر انسان خرم اور درد سے زیادہ رکھتا ہے جو انسان ہیں وہ اپنی ذات کے خول میں بند سکڑے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ میرا جرم، میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں خول سے نکل کر دردوں کے درمیان آگئی ہوں اور دردوں کے ساتھ زندگی برقرار رکھنے کا ایک ہی اصول ہوتا ہے۔ خود میں بھی زندگی کی تمام تر خصوصیات پیدا کر لی جاؤں ورنہ جھوٹے پھیرے ایک دن بھی زندگی کو سانس لینے کی مہلت نہیں دیتے۔"

اُس کا رد عمل چونکہ میری توقعات کے بالکل برعکس رہا تھا، اس لیے مزید سوال و جواب سے دامن بچاتے ہوئے میں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ کسی حد تک اُس کا جواز ٹھوس بھی تھا۔ اگر حالات خرم چوہدری کو بدلنے کی قوت رکھتے ہیں تو کسی لڑکی میں اتنی قوتِ مافقت کیسے ہوتی۔

"اگر تمہاری اخلاقی رگ پر گراں نہ لگے تو یاگا کا کارپس نکال لوں۔ خاصا وزنی ہے اور میں اخراجات کے لیے رقم کی ضرورت بھی ہے۔" میں نے اُسے ختمنا کہ نگاہوں سے گھوندا کیونکہ قتل و غارتگری کی حد تک جو ہو رہا ہے، وہ ناگزیر ہی تھا۔ اگر سونیا پہلے نہ کرنی تو ہمارے اُس کی ناہنجیں اُدھیر دیتا لیکن مُردہ دشمن کی جیبیں مٹونا میرے نزدیک انتہائی گھٹیا حرکت تھی۔

"یوں نہ گھوڑو چوہدری...! اُس نے پرس نکال کر اچھاں کر دزن کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا: "مال غنیمت ہر مذہب میں جائز ہے۔"

"مجھے... مجھے...! میں سسکاری سی لے کر بولا: "پتہ نہیں کیوں میں ہر رخنہ رنگ کارروائی کے بعد بے دُکھی اور پریشان ہو جاتا ہوں احباب

ندامت رگ رگ میں گرم لادے کی مانند سرایت کرتی اور ملاقا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے سامنے آگئی اور چہرہ اٹھا کر میری آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ "تم کس مٹی کے انسان ہو چوہدری! جیتے کی مانند خوبصورت اور خوشنوا، ناک کی طرح تمام تر ہلاکت خیز لیل کے حامل۔۔۔ خطرہ جب تمہیں گھیر لیتا ہے تو تم بیک وقت شیر اور ناک کا روپ دھار لیتے ہو۔ ہڈیاں اور گردنیں جب توڑتے ہو تو تمہارا چہرہ بے حد وحشت ناک دکھائی دینے لگتا ہے لیکن جوں ہی خطرہ مغلوب ہو جاتا ہے تو تم فاتح بن کر یکدم کسی ڈرے سے معصوم بچے کا چہرہ سمجھا لیتے ہو۔ آخر کیا ہو۔ میں نے تمہیں بہت غور سے پڑھا اور سمجھنے کی کوشش کی مگر تم میرے لیے ایک مشکل ترین سوال رہے ہو۔ کم از کم مجھ پر تو کھل جاؤ خرم۔۔۔ میں۔۔۔ یقین کرو خرم میں تمہیں زندگی کا ساقی بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔"

"ابھی کچھ اور اپنی نو بڑھاؤ سونیا۔۔۔" میں نے کہا۔ ابھی تک تو میرے چاروں اطراف بڑا گھبراندہ چیرا ہے۔ ہر طور بہت جلد میں تم پر کھل جاؤں گا۔ تب یقیناً حیرت کا بحر پور جھٹکا تمہیں لگے گا۔۔۔ کہ خرم سلطان جو کچھ دکھائی دیتا رہا ہے وہ کچھ نہیں ہے۔ آفتاب جیسے لاشوں پر کھڑے ہو کر لطیف جذبول کا اظہار کچھ اچھا نہیں لگتا۔ میں نے قدم بڑھائے اور میں اسی لمحے میری حساس سماعت نے ذہنی قدبول کی مانوس چاپ سن لی۔

میں ایک ہی جست میں دروازے کی دائیں جانب دیوار کے ساتھ جا کھڑا ہوا تھا اور سونیا نے بھی خطرے کا الارم سن لیا تھا لیکن وہ ابھی کچھ سمجھ ہی نہ سکی تھی کہ دھماکے سے دروازہ کھلا اور ایک باوردی سارجنٹ دیوار والے اندر آ گیا تھا۔ اُس نے ایک ہی نگاہ میں دو سرپوش لاشیں اور زندہ لڑکی کو دیکھ لیا تھا۔

"میں نہیں جانتا تم کون ہو۔" سارجنٹ سرسراہٹ آواز میں بولا۔ "لیکن فی الحال ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ مجھے تمہارے کسی پڑوسی نے فائرنگ کی اطلاع دی تھی۔ بتاؤ یہ کون ہیں اور اس حالت میں کیوں ہیں؟" "میں ان کو جانتی ہوں۔" سونیا نے بڑی جرأت سے خود کو سنبھال رکھا تھا۔ "یہ مارے ہیں۔" اُس نے پلٹ کر یاگا کا چہرہ دنگا کر دیا۔ "اور یہ مشہور صنعت کار بلکہ مشہور سمگلر یاگا ہے لیکن میں نہیں جانتی یہ اس حالت میں کیوں آئے ہیں۔ ہاں اگر تم مجھے گرفتار کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ پھولیشن میرے حق میں نہیں ہے۔"

"اوہ۔۔۔" سارجنٹ غرایا۔ "تو تم نہیں جانتی یا کچھ بتانا ہی نہیں چاہتی۔ کچھ بھی ہو۔ کم از کم میں یہ جانتا ہوں ان کو تم نے قتل نہیں کیا ہو گا۔ تم جیسی نازک اندام لڑکی کو تو چلا سکتی ہے لیکن کسی کا سر اس

بڑی طرح توڑ نہیں سکتی۔ فی الحال تم خود کو زیرِ حراست ہی سمجھو لیکن ہینڈ گانز کو اطلاع دیتا ہوں۔"

سونیا نے ٹی فون سیٹ اٹھا کر بتائی پر رکھ دیا۔ جب سارجنٹ فون پر جھک رہا تھا تو سونیا نے مجھے کھلے دروازے سے نکل جانے کا آنکھوں سے اشارہ دیا تھا مگر میں حماقت کرنے کے ٹوڈ میں نہ تھا اور نہ ہی سونیا کی گرفتاری میرے مفاد میں تھی۔

وہ ایک ہاتھ سے سونیا کو دیوار کی زد میں رکھے ہوئے بیڈ کوارٹر کا منبر ڈائل کر رہا تھا کہ میں نے قدم بڑھایا۔ میری چال ایسے چپتے کی چال سے مشابہ تھی جو خشک تپوں پر بھی اتنی احتیاط سے پاؤں رکھ کر شکار کی جانب بڑھتا ہے کہ کوئی پتا بھی آواز پیدا نہیں کر سکتا۔ فاصلہ اور قدبول کی سرسراہٹ کا مجھے دھڑکا تھا۔ ہدف تو بے حد آسان اور صاف تھا۔ سارجنٹ میری جانب پشت کیے میرے وجود سے بے خبر غبر ملانے میں مصروف تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں چسنا کر ہاتھوں کو جھوڑے کی شکل دی اور سارجنٹ کی گدھی پر ضرب لگائی۔ اُس کا سر کھٹ سے فون سیٹ پر جا لگا اور بغیر کوئی آواز نہ لگائے وہ میرے پاؤں میں ڈھیر ہوتا چلا گیا تھا۔ سونیا نے یک دم اُس کا دیوار اٹھا لیا اور سارجنٹ کی کپٹی پر نال کھدی۔ "نہیں! حق لڑکی۔۔۔" میں نے اُسے دھکا دے کر سارجنٹ کو پھیلایا تھا اور نہ وہ اُسے بھی ہلاک کر دیتی۔ لاشوں کی تعداد بڑھاؤ۔

"لیکن یہ۔۔۔ یہ مجھے ہچان لے گا۔" سونیا نے دیل دی۔ اس کی زندگی خطرناک ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں۔" میں نے دیوار سے کر سارجنٹ کے قریب ڈال دیا۔ ایک سارجنٹ نے میری محورت یاد رکھی ہوگی، یہ تمہارا معیار یاد رکھے گا لیکن ہم دو محاذوں پر جنگ نہیں چھیڑ سکتے۔ اگر پولیس بھی جنگ میں قوت ہو گئی تو ہمیں چوہوں کی طرح تپوں میں ڈبک کر رہنا پڑے گا۔"

پھر وہاں سے ہم دبے پاؤں باہر نکلے اور دھڑکتے دل سے کار میں جا بیٹھے۔

رات تین بجے جب میں اذیت ناک خونِ لمحات سے لڑتا ہوا واپس گھر کے فلیٹ میں داخل ہوا تو میرے بدن کا جوڑ جوڑ چھوڑے کی مانند ڈکھ رہا تھا اور دل پر دکھ کا ناقابلِ برداشت دباؤ تھا لیکن اس کے باوجود مجھے یک گونہ اطمینان تھا کہ صبح تک نیند کی پیاری اور گرم گود مجھے تمام سوچوں اور افکار کی جنگ سے محفوظ کر لے گی۔

لیکن ستارے کی گردش تو میرے ساتھ ساتھ ہی سفر کر رہی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی ہولناک خیال مجھ سے پھر چپٹ گیا۔ گو ختم

کا تحریری پیغام بتائی پر پڑا، جیسے میری بے بسی پر خندہ زن تھا۔ "ماسٹر۔۔۔ بدترین حالات کے تحت میں روانہ ہو رہا ہوں۔ برشو کو تم زندہ رکھنے کی ہدایت دے دے جیسے ہو۔ جب کہ وہ خود زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ میں اُسے اور ل چاکو اپنے پاس کے پیڑ پر کر رہا ہوں میں بیک وقت بیمار داری اور نگرانی کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔ تمہارا سہریلے انتہائی بڑی خبر ہے کہ پولیس تمہارا حلیہ نشتر کر چکی ہے اور عوام سے تعاون کی پیل بھی کر دی گئی ہے۔ واپس آ کر میرا انتظار کرنا۔ میں طوفانوں سے لڑتا ہوں۔ تم ضرور واپس آؤں گا۔"

تمہارا بھائی گو ختم۔

خط جیسے میری انگلیوں سے گرم ربر کی طرح چٹ گیا تھا اور بری نگاہیں سامنے دیوار پر اپنے مستقبل کی تحریر پڑھ رہی تھیں۔ حالات میرے حلق میں چھپکلی بن کر اٹک گئے تھے۔ میں ننگے اور لگنے کی اذیتوں سے دوچار کر دیا گیا تھا۔ غنیمتوں کی حد تک تو میں رہا بھڑتا، اگر تا سنبھلتا، اپنے لیے رستے بناتا رہتا کیونکہ وہ سارے رگ لگھائیں لگانے والے تھے۔ وہ کسی نہ کسی آڑ میں ہو کر حکم کرتے تھے جب کہ پولیس کے ساتھ کوئی کمزوری، کوئی مجبوری نہ تھی۔ قانون کی طاقت اُن کی پشت پر تھی۔ وہ دن کی روشنی اور رات کے اندھیرنوں کوں کھدروں اور بھرے پڑے راستوں پر اپنے شکار کو لگا کرنے کے لیے آزاد اور مجاز تھی۔

میری وہ ساری تحسین جو بدن سے سفر کرتی آنکھوں میں اُتر آئی تھی اور میں جو قوت سمیت بیڈ پر گرنے کی شدید خواہش ساتھ لے کر اندر داخل ہوا تھا، دیوار کے جھٹکے کی طرح دفعا میں پھیر گئی تھی۔ اگر گو ختم موجود ہوتا تو میں پولیس اور موت و حیات سب کچھ پس پشت ڈال کر گہری نیند میں ڈوب جاتا لیکن گو ختم برشو کی زندگی بچانے جا چکا تھا اور سونیا جیسی خونِ آشام چمکاڈ میرے ساتھ لگا گیا تھا۔

"ہماری گھپ اندھیری رات کی صبح کس قدر روشن ہے۔" سونیا نے میرے ہاتھ سے کاغذ کا پرزہ اُچک کر پڑھا اور پھر بے ہوشے ہواں کو سمیٹ کر بولی۔ "ہم آگ اور خون کے سمندر دل کو عبور کر آئے ہیں اور پیارے گو ختم نے یہ بہت ہماری کامیابیوں کے نام کر دی ہے۔ آؤ خرم وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔"

"مم۔۔۔ مجھے۔۔۔" میں نے اُس کی ہانپیں بے آہستگی روک کر کہا۔ "پریشان نہ کرو سونی۔ میں انسان ہوں۔ ابھی ابھی جن حالات سے گزر کر آیا ہوں۔ وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ صرف جنگلی درندے

خون پینے کے بعد رنگ میں اچھلے کودتے اور خوشی مناتے ہیں۔ میں بے حد کھنچ ہوں سونی۔"

"بھواس۔۔۔" وہ دانت پسین کر بولی۔ "تم۔۔۔ تم۔۔۔ مجھ سے نفرت کرتے ہو۔۔۔ ہے نا۔۔۔"

"نہیں سونی نہیں۔۔۔" میں نے کہا۔ "مجھے تم سے نہیں بلکہ ہر اُس لڑکی سے نفرت اور گھین محسوس ہونے لگتی ہے جو مجھے اپنے ساتھ گناہ کی بدبو دار دلدل میں اُترنے کی دعوت دیتی ہے۔"

"یقین۔۔۔" جتنا مجھے یقین ہی نہیں کہ تم جیسا کہ اس فعل اور بھر پور نوجوان اس سفر سے اپنے پاؤں اکودگی سے بچا سکا ہو۔

"لیکن میں ادھر کا نہیں ہوں سونی۔۔۔" میں نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمارے ہاں لڑکیوں کے بارے میں ایک مقولہ مشہور ہے کہ گاؤں کی لڑکی۔۔۔ اور شہر کی چڑیا ایک جیسی ہوتی ہے۔ میری ذات اُس مثال کے برعکس ہے۔ میرے ملک کا لڑکا اور ادھر کی لڑکی میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

"اوہ۔۔۔" وہ ہونٹ سکڑ کر بولی۔ "تو تم ابھی ان باتوں سے نا بلد ہو۔"

"ہاں۔۔۔" میں نے اقرار میں گردن ہلائی۔ "شاید یہی وجہ ہے کہ خوف زندہ ہوں۔"

"پتہ ہے تم کیوں خوف زندہ ہو۔" وہ نیچے بیٹھ گئی اور میرے گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھ کر بولی۔ "ہر پہلے سفر سے انسان خوف زندہ رہتا ہے جس طرح چاند کے سفر پر جانے کے لیے کوئی انسان روانہ نہیں ہوتا تو ان کو بندریاں، بیتاں اور پروردگار کرنا پڑتی ہیں۔ مانوس راستوں پر ہر پہلا قدم ڈرتا ہے۔ چھوڑو ان باتوں کو جوانی اور رات فلسفوں میں صنایع کرنے والے اجماع ہوتے ہیں۔"

ایسی ہی دو صدی عورتوں نے مجھ سے زبردستی فیصلہ کر دیا تھا۔ ایک مادم شینوا تھی جس نے دولت میں تول کر مجھے ہم سفر بنانا چاہا تھا اور دوسری مادم زری تال تھی جس نے میری مجبور لیل کو خریدنا چاہا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ اٹھے اور اُس کے شانوں پر جم گئے۔ سونیا کا چہرہ جذبول کی آگ میں دبک اٹھا تھا۔ پھر ٹک نے اُسے اوپر اٹھایا اور قد سے لے پوری قوت سے پیچھے اچھال دیا۔ اس کا جسم تپائی اور کڑیوں کے اوپر سے گزرتا آتش دان کے قریب جا لگا تھا۔

"میں جارہا ہوں۔" میری آواز میں غصے اور نفرت کی چھنگار تھی۔ "کوئی احتیاط نہ کرنا۔ شب بخیر۔۔۔"

میری حالت بھی بے بسی قیدی جیسی ہو گئی تھی۔ اُس جذباتی لمحے نے باہر تو اچھا لگتا تھا لیکن باہر نکل کر میں پریشان ہو گیا تھا۔ باہر

جلنے کے تمام راستوں پر پہرے تھے، واپسی کا سفر بھی قابل قبول نہ تھا۔ واپس جانے کا مطلب بھی یہی لیا جاتا کہ خرم چوہدری حالات سے سمجھوتہ کر لے اور ٹھکرانے ہوئے رنجیں دعوتی کارڈ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو کر آیا ہے۔ دونوں ہی صورتیں میری ذات کے مضبوط قلعے کو نقصان پہنچانے والی تھیں۔ میں نے جس قلعے کی عزت و ناموس بچانے رکھنے کا عزم اور جہد کر رکھا تھا، وہ بھر جاتا اور پھر میرے پاس کچھ رہتا میں گنگ سا کھڑا شیطان اور رحمانی قوتوں کے درمیان پس رہا تھا کہ لٹھ کا دروازہ کھلا۔ میرا سکت جسم یکدم بیدار ہو گیا۔ دروازہ کسی خطرے کو بھی اگل سکتا تھا لیکن وہ خطرہ دیدہ زیب تھا۔ وہ میلنے قدر کی سیاہ چمڑی والی نوجوان اورنگ سے قطع نظر خوبصورت چہرہ اور جسم رکھتی تھی۔ اس نے گزرتے گزرتے سرسری نگاہ مجھ پر ڈالی اور ہبک اڑاتی گزرتی۔

"میں نے آواز دی اور وہ ٹھٹھک کر بیٹھ گئی۔ مجھے تھاری مدد کی ضرورت ہے..." وہ مذہب میں ہونٹ چباتی ہوئی واپس آئی اور دو قدم قدر لگ گئی۔ میں اپنے دوست سے ملنے آیا تھا لیکن وہ شاید ناٹ بٹھٹ پیسے۔

"چہرہ..." وہ نرم آواز میں بولی۔ یقیناً میرے سیاہ رنگ نے اس کی آواز میں نرم گوشتے پیدا کر دیے تھے۔ میں تمھاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟

"میں نمبر بتاتا ہوں..." میں نے جواب دیا۔ "براہ کرم اسے میرا پیغام پہنچا دو۔ دیکھو نا میں صبح تک باہر کھڑا تو نہیں رہ سکتا۔"

"ہاں..." اس نے مسکرا کر کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ خود فون کر لو۔" "واہ میرے بہرہ بان مولا..." میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور بلیک بکٹ کی ساتھ چل پڑا۔

وہ ایک صاف ستھرا چھوٹا سا ڈرائنگ روم تھا۔ مارڈ بورڈ سے بڑا کمرہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ کمرے میں ایک کاؤچ، تین کرسیاں اور درمیان میں فارمیکا ٹاپ بیضی تپاتی تھی۔ وال ٹوال گڈلر سٹرخ میٹ بچھا ہوا تھا۔ مشرقی کونے میں ریفریجریٹر قسم کی کوئی شے تھی جس کے اوپر دائیں طرف گڈلن تھا اور پھول غالباً اصلی ہی تھے جو مچھلنے ہوئے تھے۔ بائیں کونے پر ٹیلی فون سیٹ رکھا ہوا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کوئی معقول بہانہ تلاش رہا تھا کیونکہ لڑکی نے جو سوال کرنا تھا وہ مجھے معلوم تھا۔ اگر وہ بے حد سادہ لوح ہوتی تو مجھ سے منبر دریافت کرتی اور خود نمبر فائل کر کے رابطہ ملائی اور اگر ذرا مغرور قسم کی ہوتی تو مجھے اشارے سے رابطہ ملانے کی اجازت دے دیتی اور میرے پاس دونوں صورتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔

لیکن وہ نہ تو سادہ لوح تھی اور نہ ہی معزور اس نے بالکل میری سوچوں کے برعکس خود کو ظاہر کیا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں لگے بغیر پارٹیشن کا تنگ سا دروازہ کھول کر دوسری طرف جاتے ہوئے بولی تھی۔ "میڈ جاؤ مشر میں آتی ہوں..." میں اس کے خلاف توقع روٹھ کر گہری سانس لے کر کاؤچ پر بیٹھ گیا۔ وہ ادھر بھی نہ رکی تھی۔ فوراً ہی باہر واپس آگئی تھی۔ بتدلی صرف اسکارف اور شال کی ہوئی تھی۔ وہ اسکارف آٹا کر گرم براؤن شال اور بھائی تھی جس نے اسے شرفیت کا مانوس روپ دے دیا تھا۔

"ہاں مشراب بتاؤ..." وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے باوقار اور گہرے سنجیدہ لہجے میں بولی۔ "تم پولیس کو کیوں مطلوب ہو؟ میرے ذہن اور جسم کو بھر پور جھٹکا لگا۔ میں تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ "نہیں مشر! اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ بیٹھ جاؤ اور یہ بتاؤ کہ تم قاتل تو نہیں ہو؟"

"یقین کر لو گی؟ میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "دیے میں جھوٹ بھی تو بول سکتا ہوں..."

"ٹھیک ہے مجھے تم پر یقین کرنا ہی پڑے گا..." وہ پرسکون آواز میں بولی۔ "اب بتاؤ میں تمھاری کیا مدد کر دوں؟"

"ان حالات میں ایک بہرہ بان شخص جو کچھ کر سکتا ہے..." میں نے جواب دیا۔ "باہر مجھے پولیس تلاش کر رہی ہے اور میرے پاس کوئی جائے پناہ نہیں، کوئی دنیا نہیں..."

"اگر میں اپنی مجبوری کے پیش نظر معذرت چاہوں تو..." "تو پھر میں وہی راستہ اختیار کر دوں گا جو مجھے جیسا شخص کر سکتا ہے..." میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"یعنی زبردستی والا راستہ..." وہ ہونٹ چبا کر بولی۔ "لیکن تم ایسے نہیں ہو سکتے، تمھاری آنکھیں جھوٹ نہیں بولتیں۔ تم ایک ذہین اور بہادری شخص دکھائی دیتے ہو۔ ایسے لوگ کیمز خصلت نہیں ہوتے۔ سناؤ اچھے نوجوان! میں ایک غریب اور بے سہارا لڑکی ہوں۔ لہذا لڑکی ہونے کے ناطے اور ایک قانون پسند شہری ہونے کی حیثیت سے میں نہایت ہی عاجزی کے ساتھ تم سے درخواست کر دوں گی، یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے تمہیں دیکھے ہی۔ پہچان لیا تھا لیکن یہ سوچ کر تمہیں اپنے ساتھ لے آئی کہ تم مشعل ہو کر کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھو، میں نہیں چاہتی تھی کہ میری آواز دوسرے لوگوں تک پہنچے..."

"شکر یہ رحم دل لڑکی..." میں نے آٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں پسند نہیں کر دوں گا..."

"سنو..." آواز سن کر میں نے چہرہ گھمایا۔ وہ میری جانب آ

رہی تھی۔ "اگر تم میری گردن بچانے کا وعدہ کر دو تو میں پناہ دے سکتی ہوں۔ یہاں مطلب ہے اگر پولیس یہاں آگئی تو..."

"مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو..." میں نے واپس بیٹھتے ہوئے اسے یقین دلایا۔ "میں اپنی محنت پر الزام نہیں آئے دوں گا۔ جیسے یہاں پولیس کے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے..."

"خدا ہم پر رحم کرے..." اس نے شال کی بکسل سے جھوٹا سا رولڈ نکال لیا۔ "تم نے اپنی شرافت سے مجھے ایک مشکل اور ناخوش گوار فیصلے سے بچا لیا ہے۔ اگر تم دوسرا راستہ اختیار کرتے تو میں بے دروغ گولی مارتی..." اسے اپنے پاس رکھو، جوں ہی اس نے رولڈ اور تپائی پر رکھا۔ میں نے اٹھا کر اسے دے دیا۔ "ایک تنہا لڑکی کو ان حالات میں ہر لمحہ بیدار رہنا چاہیے..."

"اوہ..." وہ چونک کر مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "تو کیا ابھی کوئی خطرہ متوقع ہے..."

"دیکھو نا..." میں کاؤچ پر بیٹھنے کی تیاری کرتے ہوئے لولا۔ "میں تمھارے لیے بالکل اجنبی ہوں اور کوئی جرم کر کے یہاں آیا ہوں۔ ہاں... اپنے اطمینان کے لیے تمہیں ایسا کرنا چاہیے ورنہ سکون سے سو سکو گی..."

"تم میری نگرانی کرو..." وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "میں گرم سرد رتوں کی عادی ہوں۔ نیند ان کو چوز کاتی ہے جن کے پاس کچھ اٹا ہے، میں تو خالی لٹاؤ ہوں۔ میرے پاس بچانے کے لیے ایک نہیں رہا ہاں مجھے انوس ضرور رہے گا۔ تم بھوکے ہو گے اور بے گھر میں کھانے کی کوئی شے نہیں ہے۔ میں ہوٹل سے کھا آتی ہوں..."

"تم بھی انوس کو دل میں جگہ نہ دو..." میں نے بیک کشن ٹاؤکر سر کے نیچے رکھا اور لیٹ گیا۔ "میں وہ اونٹ ہوں جو بغیر سائے پیچھے تھکڑا میں چلتا رہتا ہے..."

"دروازہ لاکڈ ہے اور واحد چابی میرے پاس ہے..." اس نے بتایا۔ "لہذا تم بھی بے فکر ہو کر سو جاؤ..."

"اگر براہ نام تو گزارش کروں گا چابی مجھے دے دو..." میری بات پر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور طلالی زنجیر میں لگی ہوئی چابی گلے سے آٹا کر جیب اچھال دی۔

"خلفے تجربہ کار اور محتاط معلوم ہوتے ہو، وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "ذہین لوگ مجھے بہت اچھے سمجھتے ہیں..."

"خدا کرے..." میں تمہیں اچھا نہوں..." میں نے دل میں کہا۔ "میں سوچتا ہوں۔ ایک میری اچھائی کا قہقہہ کھا کر ادھر سگ رہی

ہوگی۔ میں یہ پناہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا..."

میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ چل پڑی تھی اور میں کن کچیلوں سے اُسے دیکھنے لگا کہیں وہ جلتے جلتے جانے کا ارادہ ہی بدل نہ بیٹھے لیکن وہ اندر چلی گئی تھی۔ ایک منٹ بعد قدموں کی چاپ سن کر میرا دل زور زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ "یہ کبمل رکھ لو، ایک میں رکھ لوں گی، اس گھر میں حرارت کا بھی کوئی انتظام نہیں کیلئے موسم ٹھیک ہے..."

میں نے کبمل اٹھا کر اوڑھ لیا اور پھر میری سماعت سے سوچ آف ہونے کی آواز گونجی۔ میں نے تمام خطروں، خیالوں اور حالات کی سیٹھی کو جھٹک کر ذہن سے نکال دیا اور پھر بڑی گہری اور پرسکون نیند میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ خود تنہائی کی تربیت بھی فائدہ گلے کی مہربانی منت تھی۔ اگر یہ وقت مجھ میں پیدا نہ کی گئی ہوتی تو میں کب کا بے خوابی کا مریض بن چکا ہوتا۔ جن حالات کا میں شکار رہتا تھا اگر میری جگہ کوئی عام انسان ہوتا تو وہ ایک پل کیلئے پلک سے پلک نہ جوڑ سکتا۔

نیند تو بے وجہ ہی ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے کلائی ٹوڑ کر وقت دیکھا۔ پانچ بجے میں چار منٹ باقی تھے۔ شاید آٹھ گھنٹے کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ میں نے سوتے وقت فجر کی نماز کے لیے سوچا۔ سوچنے نے میرا پیغام یقیناً لاشعور کو بپ کر دیا ہو گا۔ میں نے کبمل اتار کر انگریزی لی لیکن ایک خیال جلی کے لشکارے کی مانند میرے ذہن میں لہرایا اور انگریزی دریا میں ہی ٹوٹ گئی۔ وہ خیال چابی کا تھا کیونکہ زنجیر میں نے بائیں کلائی میں ہاندھ لی تھی اور کلائی خالی تھی۔ کبمل کو دیکھا نیچے جھانکا مگر چابی غائب تھی۔

میں اٹھ کر کاؤچ سے اُترا اور ساری اخلاقی پابندیاں اور رعایا کو بالائی طاق رکھ کر تنگ سے دروازے سے دوسری طرف داخل ہو گیا۔ مہری خالی تھی اور کبمل پانچ کی جانب پڑا ہوا تھا۔ سانس لے ہی بچن اور ہاتھ رومز کے دروازے کھٹکے ہوئے تھے۔ وہ لڑکی ہاتھ روم میں تھی نہ بچن میں۔ "چوٹ ہو گئی بیٹے..." میں نے چینکار کر زیر لب کہا اور پھر ددڑتا ہوا باہر نکل کر نالے کو چپک کیا۔ دروازہ لاکڈ تھا۔

میں کسی خوش فہمی میں زیادہ دیر متلا رہ کر خطرے کا فاصلہ کر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا۔ لڑکی نے یقیناً اپنا فیصلہ بدل لیا ہو گا۔ کون پرانی آگ میں جلنے کے کسی اندھے فیصلے پر قائم رہ سکتا ہے۔ وہ نہ جانے کون تھی کس قماش کی تھی اور باہر کی دنیا میں اس کا کیا مقام تھا۔ وہ خوف کے زیر اثر باہر نکل گئی ہوگی یا پولیس کی مدد کرنے کے عوض انعام اور تعریفی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کا سنہری موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی ہوگی۔

میں نے پتیل کا لٹو منہ میں پکڑا اور پوری قوت سے دائیں گھمایا۔ کھٹک کی آواز ابھری اور لٹو اندر کا نظام توڑتا ہوا میرے ہاتھ میں

لٹو چھپے اچھالتا ہوا میں باہر نکل گیا۔ میں وہیں سونیکے پاس ہی جانا چاہتا تھا۔ پولیس دروازے کا حشر دیکھ کر یقیناً ہی سوچتی کہ مفروضہ خطہ محسوس کرتے ہی نکل بھاگے۔ مجھے یہ آئندہ ہی تھی کہ وہ لوگ پورے بلاک کی تلاشی لیں گے۔ لہذا میں سونیکے پاس محفوظ رہ سکتا تھا۔ تقریباً ہر فلیٹ کے دروازے پر دو دو کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک خالی اور دوسری بھری ہوئی۔

میں نے دوسرے دیکھا۔ ہمارا دروازہ اللہ کے ٹور سے محروم تھا خالی۔ بوتلوں کی موجودگی میرے ذہن میں بے معنی سی الجھن پیدا کر رہی تھی لیکن جلد ہی وہ الجھن رفع ہو گئی تھی۔ ایک شخص مخالف سمت سے خالی بوتلیں اٹھائے چلا آ رہا تھا۔ یقیناً پہلی بار وہ بھری ہوئی بوتلیں رکھتا چلا گیا۔ اور وہی کوپ دالیں پر خالی بوتلوں سے بھرتا جا رہا تھا۔ انسانی ذہن بھی عجیب شے ہے بعض اوقات لالینی اور غیر متعلق باتوں پر الجھنے لگتا ہے۔

میری نگاہیں اور سامعی قوتیں لفٹ پر لگی ہوئی تھیں کہ مٹا لفٹ کے پٹ کھلے اور وہی لڑکی ٹوکر کی آٹھائے باہر نکلتی دکھائی دی۔ اس نے شال سے آدھا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ ہم دونوں ہی بیک وقت ٹھٹھک کر رک گئے تھے۔ میرے بدن کے عضلات بالکل اسی طرح تن گئے تھے جیسے میرے سامنے میرا کوئی دشمن آن کھڑا ہو گیا تھا۔ چہرہ وہ دھڑکی ہوئی میرے قریب آگئی۔

"اندر... اندر چلو۔ باہر کا موسم بہت خراب ہے۔ میں ناشتے کا سامان لینے گئی تھی۔"

"ناشتے کا سامان یا میری گرفتاری کا انتظام...؟ میری آواز میں طنز اور ناگ کی سی چھنکار تھی۔ لیکن میں...

"اوہ... نہیں... خدا کی قسم نہیں... وہ توپ کر آگے بڑھی اور ٹوکر میرے سامنے کرتے ہوئے بولی۔ "دیکھ لو۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میرے گھر میں کھانے کا انتظام نہیں۔ محض تمہاری خاطر پہلی بار میں گھر میں ناشتہ تیار کروں گی ورنہ میں ہوتی میں ناشتہ کیا کرتی ہوں چلو اندر چلو ورنہ کوئی دیکھ لے گا۔ اب توئی۔ دی اور ریڈیو پر بھی تمہارا عملیہ بتایا جا رہا ہے۔"

میں نے سوچا اور چہرے سے لٹری لڑکی کی سیاہ آنکھوں میں جھانک کر اپنی سوچ کا جواب پڑھا، وہ سچ بول رہی تھی۔ محسوس آنکھوں میں صرف التجا تھی۔

"چلو ایک تجربہ اور سی... میں نے گہری سانس لی اور اس

کے ساتھ چل پڑا۔ جھوک کا منہ اپنی جگہ تھا لیکن محض پیٹ کی غلامی آزادی اور زندگی داؤ پر لگانے کا کبھی فیصلہ نہ کرتا مجھے تو اس اجنبی سی لڑکی کا خیال تھا اگر میں اس کا غلوس ٹھکر کر چلا جاتا تو اسے کتنا دکھ ہوتا۔ وہ یہی سوچتی کہ دنیا میں سچائی اور غلوں کی خوشبو محسوس کرنے والا اب کوئی بھی نہیں رہا۔ اپنے دروازے کا ٹوٹا پھوٹا لالہ دیکھ کر اس نے حیرت بھری نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے اچھی لڑکی۔ میں نے ندامت سے سر جھکا کر کہا۔ "میرے سامنے اور کوئی راستہ نہ تھا۔"

"لیکن لیکن کیسے توڑا...؟" اس نے فرش پر پڑے لٹو کو دیکھ کر پوچھا۔

"ناقص سے... میں نے جواب دیا۔ وہ پکیں چھپکائے بغیر میرے چہرے کو دیکھتی رہی پھر اس کے لبوں پر سکراہٹ کی چباندی چمک اٹھی۔

"اس نقصان کے باوجود مجھے خراب ہے۔ وہ پرجوش آواز میں بولی۔ "میں ایک غیر معمولی مہمان کی میزبان ہوں۔"

"چھوڑو ان باتوں کو... میں نے کہا۔ تمہارے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔ یہ بتاؤ کیا باہر پولیس موجود ہے۔"

"ہاں ڈیوٹی آفیسر کے ساتھ پرنسپل اسکواڈ والے گھوم چکے ہیں۔ ابھی ہدایت بند ہے۔ صرف اسٹینک بار اور بیکری کی چند دکانیں کھلی ہیں۔ یہ جی ہو سکتا ہے وہ لوگ معمول کے گشت پر ہوں۔"

"دیکھا جائے گا... میں کندھے اچکاتا ہوا باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ گو میک اپ میں نے پانی کا استعمال ممنوع قرار دیا تھا لیکن اب مجھے اس میک اپ کی ضرورت نہ تھی بلکہ یہ چہرہ چھپان کی واضح علامت بن گیا تھا۔ ایسا چہرہ ہزاروں میں فوراً پہچانا جاسکتا تھا۔ لہذا میں نے صابن اور پانی کا کھل کر استعمال کیا اور جب وضو سے فارغ ہو کر میں نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا تو بالکوسی کی گرم سانس میرے اندر سے اٹھ رہی تھی۔ میک اپ جوں کا توں برقرار تھا بلکہ صابن نے سینہ جڑوں کو کچھ اور بھی نمایاں کر دیا تھا اور ستم بالکے ستم یہ تھا کہ میک اپ اتارنے کی ٹیوب اس فلیٹ میں رہ گئی تھی جس میں ایڈنا اور مارشال لائٹ بند تھیں۔

باہر نکل کر محض اندازے سے ہی میں قبل رخ کھڑا ہو گیا تھا۔ حالات کی تیز گردش نے مجھے سمتوں کا شعور بھی جیسے چھین لیا ہو۔

میرے بزرگ کہا کرتے تھے کہ مسلمان کو عزت اور مصیبت میں ہی خدا یاد آتا ہے۔ وہ سچے تھے۔ جب تک آزاد اور ہر دگر سے پاک تھا تو کبھی مسجد میں جانے کا خیال نہ آیا تھا اور جب مصیبت کی دلدلی

میں دھنسنے لگا تو خدا بھی بہت یاد آنے لگا اور بندہ ہونے کا اعتراف بھی کرنا پڑا تھا۔ میرے بچے طویل ہو گئے تھے اور عبادت کے دوران مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

دعا سے فارغ ہو کر میں نے دائیں جانب چہرہ گھمایا۔ وہ لڑکی دروازے میں کسی مورتی کی مانند حیرتوں کے سمندر میں ڈوبی کھڑی تھی اور اس کا سانولا چہرہ آنسوؤں کی جھڑی میں ٹھہر رہا تھا۔

"م... میں بھی... وہ کیپکاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "آج نماز پڑھیں گی۔ تم نے مجھے احساس دلایا ہے کہ جسم لباس اور پیشہ غلطیوں کا ڈھیر سی کیل نہ ہو، مسلمان کی روح ہمیشہ پاک رہتی ہے۔ میں بھی جہانی طور پر گندی نالی جیسی ہوں مگر میری روح تو پاک ہے۔" وہ کسی مضوم بچی کی طرح جھکی ہوئی میرے قریب آئی اور اس نے ہاتھ کندھوں تک اٹھا کر نماز شروع کر دی۔ میں بقیلی پر بھڑکی رکھ کر خندا کی شان دیکھنے لگا۔

"آؤ اندر کچن میں ہی ناشتہ کرتے ہیں۔ دعا مانگ کر اٹھتے ہوئے بولی۔ باقی باتیں وہیں ہوں گی۔"

کچن میں ہم آٹھ منے سامنے چوکوں پر جب بیٹھے تو پہلی بار میں نے اس کا چہرہ اپنا نیت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ رات کے وقت مجھے وہ افریقن لگی تھی لیکن غور سے دیکھا تو اس کا ایک ایک نقش بالکل پہچانا دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کا رنگ گندمی تھا اور بڑی بڑی غماز آؤ... انکھیں سیاہ تھیں۔

"کیا تمہارا تعلق کسی عرب اسٹیٹ سے ہے؟" اس نے سلاٹس کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں... میں نے نفی میں سر ہلایا۔ میں پاکستان سے تعلق رکھتا ہوں۔"

"پاکستان...؟" اس کا ہاتھ ہی نہیں، پورا وجود زلزلے کی زد میں آ گیا تھا۔ اگر وہ پلیٹ رکھ نہ چکی ہوتی تو یقیناً گر جاتی۔ "ضلع... گاؤں...؟" اس نے اردو میں پوچھا۔ تب میرا جسم بھی جھٹکے کھانے لگا تھا۔ "ہولو ہولو میرے ہم وطن... اس نے میرا ہاتھ دو بوج لیا۔ بتاؤ..."

"گھبرو... گھبرو میری بہن... میں نے جھجھکی آواز میں کہا۔ مجھے نا سنبھلنے دو۔"

"چھو... چھو... چھو کہو بہن... اس نے جیج کر مجھے جھنجھوڑا۔ "یہ... یہ... کیسا عجیب... اوہ نہیں بلکہ خوبصورت ترین اتفاق ہے۔" میں نے لرزتی آواز میں کہا۔

"سنو میری پیاری بہن! تمہارے اس بدنصیب بھائی کا تعلق پنجاب سے ہے۔ سوچنے دیں پنجاب سے..."

"آہ پنجاب کے گھبرو ویر... اس نے میری بقیلی پر اپنا ہاتھ رکھا۔ "خود کو بدنصیب نہ کہو۔ بدنصیبیاں تو لڑکیوں کے مقدر دل میں ہوتی ہیں۔ پنجاب کے شیر جوان بدنصیب نہیں ہوتے۔ آہ... آج میں کتنی خوش ہوں۔ میرے گھرایا لیے آج نیکی کے فرشتے اترے ہیں۔"

میں نے بہت سی اُس کا چہرہ اوپر اٹھایا کیونکہ میری بقیلی آنسوؤں کے گرم پانی اور چہرے کی حدت سے جلنے لگی تھی۔ تب اسے ایک دم جیسے ہوش آ گیا۔ "اوہ میں بھی کتنی پاک ہوں خوشی میں ناشتے کو بھول ہی گئی۔" اس نے تھراپاس سے قبوہ بیسیوں میں اندھا اور سلاٹس اٹھا کر مکھن لگانے لگی۔ مجھے یقین ہے تمہاری غیرت مجھ سے کچھ پوچھنے کی اجازت نہ دے گی۔ لڑکھڑکھ کر گھر کا شروع کر دو۔ ادھر کا مکھن ادھر کے مکھن کی طرح نرم اور ملائم نہیں ہوتا۔ میں بھی پنجاب کی بیٹی ہوں۔ مجھے آج بھی اپنا گاؤں، کچا مکان، وسیع گرم آؤدھمن اور سونہمی سونہمی مٹی سے لوتی ہوئی گلیوں کی دیواریں سب کچھ یاد ہے۔ میرے گاؤں کے قریب ایک تالاب ہوا کرتا تھا اور تالاب پر پیل کا درخت تھا۔ اس کی گھنی چھاؤں میں میرے گاؤں کے گھبرو بیٹھ کر میر وارث شاہ اور میاں صاحب کی سیف الملوک پڑھا کرتے تھے۔ "ادھر اپنے گھر اور من کو کیا دیکھنے کی آرزو کرادھ نکل آئی ہوگی۔ میں نے قہوے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"نہیں... وہ مضبوط آواز میں بولی۔ "میرا ایمان ہے ابھی ہمارے وطن کے والدین اتنے بے غیرت نہیں ہوئے ہوں گے۔"

"تم ہاتھ نہ دو کو... وہ بولی۔ میں تمہیں اپنی کہانی سن رہی ہوں۔ ان دنوں میری عمر تیرہ چودہ برس رہی ہوگی۔ میں مڈل اسکول میں پڑھتی

جماعت میں تھی کہ میری منگنی حلال سے ہو گئی حالانکہ وہ ہماری ذات کا نہ تھا لیکن جہازوں میں نوکرتار دونوں گھرانے چاہتے تھے کہ انکھیں پاس کرتے ہی شادی کر دی جائے۔ ایک شام مجھے بانو نے بتایا کہ ایک

میں فہم دکھانے والا آیا تو اسے آٹھ آنے میں فہم دکھا تا ہے۔ بانو شیدال اور میں نے مل کر دو لڑکے بنایا کہ جب ہم رفیع حاجت کے لیے کھیتوں میں جائیں گی تو ماسی جانو کے گھر جا کر فہم دیکھا آئیں گی۔

وہ بڑھاپا ماسی جانو کے گھر نماشا دکھا کر آ جاتا تھا۔ اس کے پاس اپنی جیب تھی اور تمبو بھی تھا لیکن ماسی جانو نے پندرہ روپے روزانہ کرایہ پر

اسے اپنی حویلی دے دی تھی۔ شیدال نے بھی بتایا تھا کہ ہندوستانی بھی چھپ چھپ کر فہم دیکھ آتی ہیں۔ جب ہم تینوں بچوں میں چہرے پھیلنے حویلی میں داخل ہوئے تو بڑھاپا ماسی جانو نے بیٹھا گریٹ پی

رہا تھا۔ میں دیکھ کر وہ ہنسا اور چہچہانے کا اشارہ کر کے اندر کی جانب چل پڑا۔ اپنا کاؤں اور ہم تین تھیں اور پھر وہ بوڑھا میرے دادا کی عمر کا تھا۔ جتوہ اور بے۔ بہت ہے۔ اس نے خالی پیالی لے کر بھر دی اور پھر سب کلام جوڑتے ہوئے بولنے لگی: "اندر تین مانگوں والی چوکی پر اس کی مشین تھی۔"

"فلم اندھیرے میں صاف دکھائی دیتی ہے، باری باری اندر آنا۔" اس نے مشین اٹھاتے ہوئے کہا اور کوٹھری کے اندر چلا گیا۔ محض اندھیرے کی وجہ سے میں تو ڈر گئی تھی لیکن شیدال نے پہل کی اور اندر چلی گئی۔ تین منٹ بعد بوڑھا دروازے میں آیا۔ دوسری لڑکی... میں نے بانو کو ٹھوکا دیا۔ وہ اچھل کر اٹھی اور اندر چلی گئی۔ دوسری بار اس نے اندر ہی سے مجھے بلایا۔ کوٹھری میں گھسپ اندھیرا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شیدال اور بانو کو دیکھا۔ "چلو ادھر؟" کوٹھری ہو جاؤ۔ وہ بولا اور پھر مجھے یوں غموں بوجھ میرے چہرے پر خندیں بھوار پڑی ہو۔ پھر میرا ذہن ڈبسنے لگا۔ میں نے آخری بار اپنی آواز سنی تھی۔ میں نے شیدال کو آواز دی تھی: "اس نے رک کر گہری گہری سانسیں لیں اور پھر بولی۔" جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک ایسے کمرے میں پایا جس میں یوب کی روشنی تھی اور چھت کا برقی پنکھا چل رہا تھا۔ "السلام علیکم خاتون..." دایں جانب سے آواز آئی۔ میں نے دیکھا، دروازے میں ایک خوش شکل نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ "رات کیسے گزری؟"

"میں کہاں اور آپ کون ہیں؟" میں نے روتے ہوئے اس نوجوان سے پوچھا۔ "آپ اسپتال میں ہیں اور میں ڈاکٹر ہوں۔" اس نے نہایت ہی مہذبانہ انداز میں بتایا۔ کسی ٹھگ کوڑھے نے آپ کو بے ہوش کر دیا تھا۔ یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ وہ پکڑا گیا۔ وہ یقیناً پیشہ ورانہ فرد تھا۔ آپ زیادہ باتیں نہ کریں۔ آپ کے گھر اطلاع بھجوا دی گئی ہے۔ آپ کی دوست شیدال ذرا جلدی ہوش میں آگئی تھی۔ اس کی زبان، میں بوڑھے کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔

"آپ کا قہرہ..." میں نے پیالی کی طرف اشارہ کیا۔ آپ کی داستان سننے سننے ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

نے پکڑا ہوا کرتا تھے کا معائنہ کیا اور بولا: "آپ ناشتہ کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ کے عزیز اہم نہیں گئے۔ ناشتہ بے حد لذیذ تھا۔ میں نے جی بھر کر ناشتہ کیا اور پھر مجھے لٹا دیا گیا۔ بیٹھے ہی نیند نے شدید حملہ کر دیا تھا۔ کوشش کے باوجود میں خود کو بیدار رکھنے میں ناکام رہی تھی۔ دوسری بار جب آنکھ کھلی تو دیکھا، میرے بید کے قریب تین اجنبی چہرے تھے۔ ایک پاکستانی اور دو عربی لباس میں تھے۔ تینوں ہی کبھی انگریزی اور کبھی عربی میں باتیں کر رہے تھے۔ میں کہانی کو مختصر کرتی ہوں۔ ہمیں قطر پہنچا دیا گیا اور وہ لوگ میرے خریدار تھے۔ ان دونوں میں سے ایک نے مجھے خرید لیا لیکن دوسری صبح اس نے مجھے ایک ساکس سٹار کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا کیونکہ رات بھر میں اسے نوجنی کھسکی اور اس کے چہرے پر غم کوئی رہی تھی۔ میں نے کمرے کا سارا سامان توڑ پھوڑ دیا تھا۔ دوسرا خریدار اپنی عادات اور مردانہ وجاہت کے حوالے سے مجھے پسند آ گیا تھا۔ زبان نہ سمجھنے کے باوجود میں اس کی رُفخاں باتیں سمجھنے لگی تھی۔ پانچ ماہ کی رفاقت کے دوران ہم تین ممالک گھوم چکے تھے اور اس نے صرف مجھے انگریزی زبان سکھائی تھی۔ وہ اس قدر شریف تھا کہ کبھی اس نے میرے جسم کو چھونے کی بھی کوشش نہ کی تھی۔

"اپنے خوب صورت چہرے کی وجہ سے ڈنڈا بڑھوگا..." میں نے کہا اور وہ روتے روتے ہنس پڑی۔ "عربی نے یقیناً اسے بتا دیا ہوگا۔" "میرا خیال ایسا نہیں..." وہ بولی۔ "دراصل وہ مجھے آزادی سے کسی فیصلے تک مہلت دے رہا تھا۔ اگر وہ زبردستی پر آمرا نا چاہتا تو میں بحیثیت عورت کب تک ممانعت کرتی، جب کہ سفر کے دوران ہم نے کتنی ہی راتیں صحراؤں، جنگلوں اور غاروں میں گزاری تھیں۔ وہ اپنے چہرے سے کہیں زیادہ اندر سے خوبصورت تھا۔ آخر اس نے مجھے جیت لیا تھا لیکن میں نے اسے صاف صاف بتایا تھا کہ میرا مذہب شادی سے پہلے سہاگ رات منانے کی اجازت دیتا ہے نہ ہی کسی غیر مسلم سے شادی قرار دیتا ہے۔ اس نے میری دونوں باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا اور قاہرہ کی ایک مسجد میں ہمارا نکاح پڑھا گیا تھا۔ امام مسجد نے ہی اس کا اسلامی نام حسن رکھا تھا۔ وہ عادات و افوار کا بھی عید اچھا تھا۔ اس کی محبت اور رفاقت نے میرے سامنے دکھ حتیٰ کہ گھر اور وطن کی یادیں فراموش کر دی تھیں جب ایک دن سر بازار میں نے اس سے کہا۔ پیارے حسن! اسلام میں عورت کا مقام گھر کی چار دیواری ہوتا ہے۔ چلو پردہ نہ پہنی لیکن میں گشتی تھوڑی طرح شہر گھومنا پسند نہیں کرتی۔ جب حسن نے یہاں میرے لیے یہ فلیٹ کرائے لیا اور خود سن شائن ہوئی میں ملازم ہو گیا۔ اسے وہاں یکسوئی آفسر لگا دیا تھا یا یوں سمجھو کہ آخری وقت تک مجھے ہی بتانا رہا تھا لیکن حقیقت کچھ اور

تھی۔ اسے بول کے مالک مشر مہر پورے منگھانے قمار خانے کا انچارج بند کھا تھا۔ حسن کی نگرانی میں جوتا جوتا تھا اور شاید ماحول اور صحبت نے اسے بھی جواری بنادیا تھا۔ تین ماہ قبل مجھے مشر منگھانے نیلی فون پر اطلاع دی کہ مشر حسن ایک ہنگامے کے دوران ایک بدعاش کی گولی سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ وہ پہلا دن تھا، میں اکیلی اس فلیٹ سے نکل کر گئی تھی۔ حسن کی لاش پولیس لے گئی تھی۔ تیسرے دن مشر منگھانے یہاں اسے اور اس نے بتایا کہ حسن پندرہ ہزار پونڈ کا مقروض تھا۔ اس نے حسن کی خیر میرے دیکھائی اور واشگاف الفاظ میں دھمکی دی کہ قرض کی رقم یکمشت ادا کرو بصورت دیگر، بول میں سروس گرل کی حیثیت سے کام کرو۔ بول تمہاری تنخواہ سے قسطوں میں قرض وصول کرتا رہے گا چونکہ میرا پاس پورٹ ہونل کے قبضے میں تھا، دوسرے مجھے حسن نے اتنی محبت دی تھی کہ میں اس کی زوجہ پر قرض کا عذاب مسترد رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ قانوناً نہ یہی لیکن بحیثیت بیوی یہ میرا فرض تھا کہ میں حسن کا قرض ادا کروں لہذا میں نے مشر منگھانے کو آخر قبول کر لی تھی اور اب تک وہاں سروس کر رہی ہوں۔

"صرف سروس..." میں نے پوچھا تو اس نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر لگا دیں۔ "کوئی اور تکلیف تو نہیں..." "پہلے تو صرف سروس تک ہی محدود رکھا گیا تھا..." اس نے مکھی بےجے میں بتایا۔ لیکن وہ خام شخص جلد از جلد قرض کی رقم وصول کرنا چاہتا ہے اور مجھے جسم فروشی کے لیے مجبور کرنے لگا ہے۔ انکار کی صورت میں جبر اور پھر جان سے مارنے کی دھمکی بھی دے رہا ہے۔ آج میں سوچنے کی مہلت مانگ کر آئی ہوں۔

"وطن واپس جانا چاہتی ہو؟" میں نے کہا۔ "کیا خاندان بھی قبول کرے گا؟"

"یہ خواب میں کب سے دیکھ رہی ہوں..." اس نے مثال سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا لیکن میں ایسی دلدل میں پھنس گئی ہوں، جتنا زور لگاتی ہوں اتنی ہی گہرائیوں میں اترتی چلی جا رہی ہوں، رہا سوال خاندان کا تو حسن سے شادی کرتے ہی میں نے تمام حالات سے گھر والوں کو آگاہ کر دیا تھا، میری خط و کتابت جوتی رہتی ہے۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا..." اس نے چونک کر اوپر دیکھا اور سسک کر بولی۔

بہن کا بھائی ہوتا ہے۔ وہ بے سہارا نہیں ہوتی، میں آج شام کسی وقت مشر مہر پورے سے ملنے آؤں گا۔ نورال کا بھائی بن کر میں اپنی بہن اور وطن کی ناموس کو کسی سنگھار کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ میرا انتظار کرنا نورال میں ضرور آؤں گا۔

"اوہ... نہیں۔ نہیں دیر۔" وہ تڑپتی آواز میں بولی: "وہ ایک غیر شیطان ہے اس کے ارد گرد بد معاشرلوں کا گروہ رہتا ہے اور پھر تم پولیس کو بھی مطلوب ہو، تجھیں بھی پنجاب کی روایات یاد ہوں گی نہیں اپنے بھائیوں کی عزت اور سلامتی کی خاطر اپنے سلسلے جذلوں کو قربانی دیا کرتی ہیں۔ میرے لیے یہی سہارا بہت بڑا ہو گا کہ..." نورال کا بھائی اس شہر میں زندہ ہے۔

"اور میں... میری آواز شدت غم و غصہ سے پھٹ گئی تھی..." ایک بے عزت بھائی اس احساس کے باوجود زندہ رہوں گا کہ میری بہن جسم فروش ہے، کیوں نورال کیا اُدھر تمہارے بھائی اتنے ہی سے عزت ہوتے ہیں..."

"لیکن... لیکن پولیس..." "یہ میرا مسئلہ ہے نورال، تم فکر نہ کرو..." میں نے اٹھتے ہوئے کہا: "اب میں جا رہا ہوں..."

"تھوہو..." وہ بھی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "برس کے سفید نشان چھپا کر باہر جاؤ، میرا فیصلہ ہے کا جمل وقتی حل موجود ہے۔" باہر آکر اس نے ٹیوب سے کا جمل انگلی پر لگایا اور میرے بھرے کے سفید تیزیرے سیاہ کر دیئے، میں نے آئینہ دیکھا واقعی پولیس کا مطلوب چہرہ بڑی حد تک بدل چکا تھا، اب کم از کم برس زدہ چہرے والا خرم چوہدری مشکوک نہ رہا تھا۔ صرف لباس کو تبدیل کرنا ضروری تھا اور لباس کو تحکم کے فلیٹ میں موجود تھا۔

دروازے تک وہ شانہ بہ شانہ ساتھ چلتی رہی، جب میں نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بٹھایا تو اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے استہنامیہ نگاہوں سے چہرہ پھر کر دیکھا وہ چہرہ اٹھلنے عجیب حسرت بھرے انداز میں دیکھ رہی تھی: "کیسے عجیب بھائی ہو، نام بتانے بغیر جا رہے ہو..." میں نے گھوم کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بھائی... بس یہی نام یاد رکھو۔ اس نام سے پیارا اور با اعتماد کوئی دوسرا نام نہیں ہوتا..." وہ کچھ جذباتی سی ہونے لگی تو میں نے بھٹکے سے دروازہ کھولا اور اسے پیچھے دھکیل کر باہر نکل گیا تھا۔

یہ احساس میرے لیے اذیت ناک تھا کہ میرے ہی وطن کے کچھ بے عزت مفاد پرست اپنے وطن کی لکیوں اور پھولوں کو نوچ نوچ کر ہوس پرستوں کے قدموں میں ڈال رہے تھے، وطن کی ہر لڑکی قوم کی ناموس اور بیٹی ہوتی ہے اور بے حس لوگ اپنی ہی ناموس اور بیٹیوں

کو نیلام کر رہے تھے۔

اپنے فلیٹ کا دروازہ جوں ہی سامنے آیا میں تپتے محراب سے نکل آیا تھا۔ سوچوں کے محراب سے نکل کر مجھے اُس جہنم میں داخل ہونا تھا جس کی آگ سے اپنی ذات کا دامن بچا کر میں فرار ہو گیا تھا لیکن وقت میرے لیے جہنم کا نگران تھا۔ وہ مجھے گھیر کر پھر واپس لے آیا تھا۔

بہی وجہ یہی تھی کہ میں اندر جانے سے قبل خود کو ذہنی اور جسمانی طور پر پوری طرح تیار رکھنا چاہتا تھا۔ ناخوش گوار حادثے نے مجھے وہاں سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا جب کہ سونیا کو کسی بھی کارروائی کے لیے وقت اور ٹیلی فون کی سہولتیں میسر تھیں۔

ناب پر ہاتھ رکھ کر میں نے اللہ کا نام لیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ ہال خالی تھا، میں دبے پاؤں چلتا ہوا بیڈنگ گیا بیڈ شیڈشکن آلود تھی اور نیچے پر چند بال گواہی دے رہے تھے کہ سونیا نے بیڈ استعمال کیا تھا، پھر میں نے چہرہ گھما کر وہ جگہ دیکھی جہاں سونیا گری تھی۔ جگہ بالکل صاف تھی جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ زخمی نہ ہوئی ہوگی۔

”سونی! میں نے آواز دی مگر جواب ندارد، صرف تل کے ٹپکنے کی آواز آرہی تھی، میں نے ہاتھ روم کین اور اسٹور روم سب دیکھ ڈالے لیکن وہاں چڑیا کا بچہ بھی نہ تھا۔ سونیا رات گزار کر کین جا چکی تھی۔ کہاں یہ تو وقت کی تھی میں ایک بند سوال تھا جس کا جواب مستقبل ہی دے سکتا تھا۔

میں نے ٹیلی فون کا ریسورسٹ کیا مگر فوراً ہی رکھ دیا جو لوگ اس فلیٹ کی تلاشی لے کر گئے تھے۔ وہ ٹیلی فون پر بھی چہرہ بیٹھا سکتے تھے۔ میں وہ پناہ گاہ ان کی نگاہوں میں لانا نہیں چاہتا تھا جس میں میرے عزیز ترین لوگ پناہ گزین تھے۔

میرے نزدیک سونیا کے سامنے دور استے کھلے ہوئے تھے وہ پاگاہ کے نقش قدم پر جیتی خود فلپائن جا کر مال اڑا سکتی تھی یا چنگ چی کے سائے میں پناہ لے کر منصوبے کی گیند اُس کے ہاتھ میں تھا دیتی، میرے لیے صرف دوسرا راستہ خطرناک تھا، مجھے می جو کے مال کی ضرورت نہ تھی مگر میں منصوبے کی آڑ میں اس شہر سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اگر سونیا اپنی فطرت کے مطابق وفاداری بدل لیتی تو میرے تمام راستے سمبھود ہو سکتے تھے، ایک طرف وہ چنگ چی کو مفادات کے سہرے خواب دکھاتی اور دوسری طرف می جو کو میری سیاہ صورت کے نیچے چھپے ہوئے قزم چوہدری کو بے نقاب کر دیتی۔۔۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا وارڈروب میں گوتم کی سرخ جیکٹ لٹکی دکھائی دی، صرف تین منٹ میں میرے جسم پر گوتم کا لباس

تھا، سرخ جیکٹ سفید تھیں اور سرخ ٹائی نے میرا ساق جکیر بدل دیا تھا، سفید بیڈ شیٹ سے ایک میٹر کا رومال بنایا اور گاؤں کی ریشمی ڈوری لے کر رومال پر بیٹ لی، آئینے میں جو چہرہ تھا۔ وہ سوڈانی عرب نوجوان کا چہرہ تھا۔ جب میں لفٹ سے نکل کر سب سے پہلے رہا تھا تو مارکیٹ کا کاروبار عروج پر تھا اور میں نے ہلاک کے پارکنگ لاٹ میں پولیس کی پٹرولنگ جیب بھی دیکھی تھی۔ ایک ٹیکسی سواری اُتار کر جوں ہی ٹرن لیتی میرے قریب آئی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا: ”ٹیکسی...“ ڈرائیور نے مسکرا کر ٹیکسی میرے قریب رکھ لی، میں نے الٹ الٹ کر عربی لب و لہجے میں انگریزی زبان کا پہلا لے کر اُسے منزل بتائی۔

دو ہلاک قند ٹیکسی سے اتر پڑا اور جان بوجھ کر معروف سڑک پر چلنے لگا، میں اپنے موجودہ قلعے کی آزمائش کرنا چاہتا تھا کیونکہ مجھے کڑی مرنی کی طرح کسی کو نے میں بیٹھنا گوارا تھا نہ ہی حالات نے کبھی مجھے ایسے آرام کی اجازت دی تھی، جب کھلے آسمان تلے ہی آوارہ گردی بکھری گئی تھی تب مجھے اندر جانے سے قبل آزمائشی سفر کر لینا چاہیے تھا۔

میری انگلی اطلاعی گھنٹی کے بٹن پر تھی اور دل اندیشوں کے طوفان میں دھڑلہ دھڑلہ رہا تھا۔ قدرت کی برتری اور انسان کی عاجزی دونوں ہی میرے ساتھ تھیں، میں ایک انسان کو اڑوں کی موٹائی کے پیچھے کھڑا تھا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ دو تین ایچ دوسری جانب کون ہے اور کیا ہے، قدموں کی چاپ جوں جوں نزدیک آرہی تھی۔ میرے دل کی دھڑکنوں کی رفتار میں اضافہ ہونا جا رہا تھا۔ دروازے میں آہستہ آہستہ بھری پیدا ہو رہی تھی اور پھر سیاہ آنکھوں کو میں نے پہچان لیا، اُن آنکھوں نے بھی مجھے دیکھ کر فوراً ہیٹ کھول دینے تھے، میرے سامنے سرپا مسکراہٹ گوتم کھڑا تھا۔ میں نے گوتم کے دائیں شانے سے اوپر دیکھا۔ تپائی کے گرد بیکرا، ایڈنا، مارشا اور سونیا چاروں بیٹھے ہوئے تھے اور سارے چہروں کا رخ دروازے کی جانب ہی تھا۔ ”جس کا سلام میرے پیارے لوگو...“ میں نے اندر قدم رکھتے ہی بشارت سے کہا۔ سب چہرے بیک وقت مسکرانے لگے تھے صرف سونیا نے چہرہ جھکا لیا تھا۔

”مجھ لوڑھے اور ان معصوم بچوں پر رحم کیا کرو میرے بیٹے“ انکل بیکر حسب عادت باوقار لہجے میں بولا: ”سونی کی رپورٹ نے ہم سب کو ہراساں کر رکھا تھا۔“

”حالانکہ...“ میں نے بیکر کی کرسی کے عقب میں ٹنگ کر سونیا کی طرف دیکھا، وہ ناخن کرید رہی تھی۔

”میں بہ امر مجبوری باہر گیا تھا، کیوں میں سونیا میرا جانا ناگزیر

نا...“ اُس نے تیوریاں چڑھا کر اوپر دیکھا اور گوتم کی طرف بھنے لگی، جو میرے لیے کپن سے چوکی اور پیالی لا رہا تھا۔

”آؤ ہم اندر بیٹھے ہیں“ دیکھتے ہوئے بولا: ”سونی تم بھی...“ ”شکر یہ رحم...“ میں نے قبوے کی پیالی لیتے ہوئے بتایا: ”ناشتہ کر آیا ہوں“

جس کمرے میں ہم تینوں داخل ہوئے تھے اس میں پاؤڈر اور لفٹ کی فوشبورچی ہوئی تھی۔ لڑکیوں کے زیرجامے ایک بیڈ پر لے ہوئے تھے۔ سونیا نے اندر داخل ہوتے ہی زیرجامے اٹھا کر بیڈ ٹیبل کے پیچھے پھینک دیے تھے۔ چونکہ کرسی صرف ایک

یہ اس لیے اخلاقیات میں اور سونیا بیڈ پر بیٹھ گئے اور کرسی بیکر نے نکال لی۔ میں کسی اہم خبر کے لیے خود کو اندر آنے آتے پوری طرح رکر چکا تھا، خفیہ میٹنگ میں انکل بیکر ہمیں دیوالائی کہانیاں سناتے نہیں لایا تھا، اُس کے متفکر چہرے سے بھی حالات کی سنگینی مان جھلک رہی تھی۔

”جو کچھ گزشتہ رات تم نے کیا“ بیکر نے سگار کا کوند کاٹتے ہوئے انگو کا آغاز کیا: ”وہ میں سن چکا ہوں۔“

”اور یہی جی کر تمام تنگ و دو اور خون ریزی کا نتیجہ منظر ہا ہے“ میں نے سونیا کے چہرے پر نگاہیں جما کر کہا: ”اور یہ بھی کہ یا گامرنے سے قبل نقشہ شاید نکل چکا تھا“ سونیا کے سانولے چہرے کا رنگ بھر کے لیے سیاہ ہو گیا تھا لیکن وہ ایک کامیاب اداکارہ اور بے دل گردے کی لڑکی تھی۔ اُس نے خود کو فوراً نارمل کر لیا تھا ”ہاں...“ بیکر نے اثبات میں گردن ہلائی: ”لیکن نقشہ ہمارے صوبے کی ایک اضافی شق تھی، مجھے نقشے کی کم شدگی کا کوئی فکر نہیں، میرے سامنے کچھ اور مسائل آگئے ہیں، یہ سلسلہ صرف دوپاٹھیں اور درمیان معاہدہ نہیں رہا بلکہ عجیب صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے، میں جانتا ہوں اس طرف جنگ کی بھی نگاہ ہے لیکن ایک چوتھی

دلی بھی درمیان آگئی ہے!“

میں نے ہنس کر کہا: ”میری دلی خواہش ہے کہ ایسا ہی ہو سطر میں چہل پہل ہے گی۔“

”جو سکتا ہے“ بیکر نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی: ”کوئی بھی عام شہری کی حیثیت سے ٹکٹ خرید سکتا ہے۔“

”جس کے پاس وہ نقشہ ہے“ میں نے پھر سونیا کی آنکھوں میں جھانک کر کہا: ”ہین ممکن ہے۔ وہ بھی ساتھ ہی جائے۔“

”نہیں...“ سونیا نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا: ”میرا خیال ہے نقشہ پاگاہ کی موت کے ساتھ ہی اپنا وجود ختم کر چکا ہے۔ اگر نقشہ وہ کسی اور کے حوالے کر چکا ہوتا تو زندگی داؤ پر کبھی نہ لگاتا۔“

”اُدھ چھوڑو اس قحط کو،“ بیکر بھنجلائی آواز میں بولا: ”میری کمپنی کی ساکھ بری طرح متاثر ہونے لگی ہے، آج دن کی روشنی میں میرے ہنرل منیجر کے آفس میں ایک شخص کو قتل کر دیا گیا ہے۔“

”اُدھ...“ میرے ہونٹوں سے سیٹی کی آواز اُبھری: ”کیا وہ بھی جانے والے مسافروں میں شامل تھا؟“

”نہیں...“ بیکر نے جواب دیا: ”بلکہ وہ دو خواتین کی بکنگ کینسل کروانے آیا تھا جب بکنگ آفس نے ایسا کرنے سے منہ ہٹا دیا۔“

قانونی جواز نہیں ہے، کمشنر سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ بھی کنیشن کے حق میں نہیں ہے، جہانزیں سوار ہونے تک دونوں خواتین پولیس کی کوئی حفاظت میں رکھی جائیں گی، لیکن یہ معاملہ یہاں ہی ختم ہوتا دکھائی نہیں دیتا جس کسی نے اتنی دیدہ دلیری سے ایجنٹ کو قتل کر دیا ہے، وہ اگر خواتین کا کوئی ہمدرد نہیں ہے تو یقیناً دشمن ہی ہو گا جس نے ایک حریف کو راستے سے ہٹا کر اپنا راستہ صاف کر دیا ہے۔“

”چلے دیں انکل...“ میں نے ایک نئے خیال کے تحت پریش آواز میں کہا: ایک راستہ جب بند ہو جاتا ہے تو قدرت متبادل انتظام کر دیتی ہے، کیوں نہ ہم نقشے کی جگہ آس پڑا سر ارجیے کو فٹ کر لیں؟“

”ایں...“ بیکر چونک کر اچھل پڑا: ”اوہ... اوہ نہیں خرم ملتا نہیں، میں تو صرف اس غیث می جو سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ میں کسی اور پھٹے میں اپنی ٹانگ پھنسا کر اپنے بزنس کی ساکھ کو برباد نہیں کر سکتا، وہ حرامی آج پھر مجھے ملا تھا، میں نے جب ایڈی کی خیریت پوچھی اور واپسی کی ضمانت کے متعلق بات کی تو وہ جھاگ کی طرح پہلے بیٹھ گیا، پھر بولا کہ ایڈنا مال کے بد سے کھلے سمندر میں ہی تھا سائے ٹائمندوں کے حوالے کر دی جائے گی، جانتے ہو اس پروگرام کے پیچھے اس کی کون سی چال ہے، سنو وہ جب اپنا مال شفٹ کرے گا تو جہاز کو کسی طرح سمندر میں ہی غرق کر دے گا اور مجھے کہہ دے گا کہ تمھاری بیٹی حادثے کا شکار ہو کر ڈوب گئی ہے۔“

”لیکن انکل...“ میں نے اسے یاد دلایا: ”ایسا تو وہ تب کرے گا اگر ہم مال اس کے حوالے کریں گے۔“

”ہاں...“ بیکر بولا: ”لیکن پھر بھی وہ جہاز کا تعاقب کرے گا... تم اسے نہیں جانتے خرم چوہدری، اس کے ہاتھ بہت مضبوط ہیں، وہ بین الاقوامی اسمگلر ہے اور یہاں اس کا اثر و رسوخ ابھی زندہ ہے۔ وہ بوقت ضرورت بحری پولیس سے پہلی کا پڑ بھی سکتا ہے۔“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں انکل...“ میری آواز میں ترشی گھل گئی ”کھل کر بات کریں۔“

”میں بتاتی ہوں خرم...“ سونیا بول پڑی: ”دراصل انکل اپنا جہاز خطرے میں ڈالنے سے بچکا رہے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ یہ سودا روشن کمپنی کے حوالے کر دیا جائے بلکہ روشن کے بزنس منیجر سے خفیہ سودا بھی تقریباً پانچ لاکھ ہے۔“

”پھر بھی میری محنت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا...“ میں نے کندھے

اچکاتے ہوئے کہا: ”اگر می جو اپنا مال گدھے پر بے جانا چاہے تب بھی میں ساتھ جاؤں گا۔“

”اوہ شکریہ بیٹے تم نے میری ساری پریشانی دور کر دی ہے، بیکر یکدم چپک اٹھا: ”بوڑھے کو کانوں کان خبر نہ ہوگی، میں نے سر جانسن سے تمام معاملات طے کر لیے ہیں۔ وہ پس پردہ رہ کر اس منصوبے کو کنٹرول کرے گا، اس کی دیپٹی دراصل اس عجیبے گرد و غم رہی ہے جس کے بارے میں بہت کچھ کہا جا رہا ہے، بہر طور اس کی اپنی سر دردی ہوگی۔ اب جہاز پر دو منصوبے سفر کریں گے ایک ہمارا اور دوسرا جانسن کا۔“

”کیا جانسن مال سے حصہ لے گا؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں...“ بیکر نے بتایا: ”اسے جہاز کا کرایہ ادا کرنا ہمارے لیے ہے۔“

”ہاں...“ بیکر نے اثبات میں گردن ہلانی: ”جب وہ مال میں سے کچھ نہیں مانگ رہا تو اصولاً ہمیں بھی اس کے مفادات سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ تم لوگ تیار ہی مکمل کروا کر جانے دو انگی ہوگی، تمہیں تین بجے مسٹر جانسن کے حوالے کر دیا جائے گا۔“

”ہم تیار ہیں...“ میں نے کہا: ”میں شام تک ایڈی اور گوتم کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، زندگی بے وفا عورت کی طرح کسی لمحے ساتھ چھوڑ سکتی ہے، میں چاہتا ہوں آج کا دن پیارے اور وفادار لوگوں کے ساتھ گزاروں۔“

”تم... تم...“ بیکر نے اٹھ کر میرے شانوں پر دونوں ہاتھ ٹیک کر جذباتی آواز میں کہا: ”ہاں خرم چوہدری تم واپس آؤ گے۔ ہم تمہیں خود سے جدا نہیں رہنے دیں گے، یہ پیارے اور وفادار لوگ تمہیں گھر، محبت، خلوص اور زندگی کی مہاریں دیں گے۔ وعدہ کرو بیٹے... بوڑھے باپ سے وعدہ کرو تم واپس آنے کے لیے خود کو زندہ رکھو گے۔“

”زندگی کا وعدہ میں کیسے کر سکتا ہوں انکل...“ بیکر کی محنت نے میری آنکھیں نم آ کر کر دی تھیں: ”ہاں اگر زندہ رہا تو آپ لوگ میرے جسم میں خون کی طرح رواں رہیں گے، میں آپ کی شفقت، ایڈی کی محبت اور گوتم کی وفاداری یاد رکھوں گا، بس اس کے سوا میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔“

”شکریہ میرے بچے...“ بیکر نے جھک کر میری پیشانی پر ہاتھ رکھا: ”یہ یاد رکھنا ایک بوڑھے باپ اور ایک نوجوان لڑکی کو تمھاری ضرورت ہے... بس یہ بات یاد رکھنا۔“

”آؤ باہر چلیں...“ بیکر نے چلتے ہوئے کہا اور میں دوڑتا ہوا اس کے ساتھ چل پڑا کیونکہ تنہائی اور سونیا سے میں غور نہ تھا۔ بیکر سیدھا ٹیلی فون اسٹینڈ کی جانب بڑھ گیا تو میں مارشا اور ایڈنا کے درمیان خالی کرسی پر جا بیٹھا۔ نہ جانے کیوں ایڈنا سے لگانے کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ میں قائل تھا، گناہ گار بھی تھا اور قانون کا مغرور مجرم بھی بن گیا تھا لیکن میں نے ایڈنا کی ذات سے کوئی زیادتی نہ کی تھی پھر بھی اس کا قرب پا کر میں جڑ سا گیا تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ رہی ہوگی کہ صرف ایڈنا ہی شرافت، انسانیت اور انسانیت کے صاف ستھرے لباس میں ملبوس تھی باقی ہم سب ایک ہی جام کے نیچے قیدی تھے۔

اس کی جانب دیکھا اس کا گلاب چہرہ چھایا ہوا تھا۔ یقیناً وہ بھی اسی عذاب میں مبتلا تھی۔ وہ بھی مجھ سے لگانے سے گریزاں دکھائی دے رہی تھی۔ بیکر ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر کچن میں بند ہو گیا تھا، جو لوگ باہر کھڑے ان پر جیسے سکہ طاری تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ سل پتھر بن گیا تھا۔

”ختم پیارے...“ گھرے سکوت کی منجمد سطح پر مارشا کی آواز ایسے گری جیسے گندری کسی نے نادانگی میں پھینک دی ہو۔ اپنے پاس سے اجازت لے کر مجھے سیڑھے پر بول چھوڑا آؤ۔

”مجھے ویمس مارشا: گوتم گھوم کر میرے سامنے آیا اور گردن ڈال کر مؤذبانہ لہجے میں بولنے لگا: ”میں ماسٹر کورپورٹ دے دوں پھر جو حکم جو منرا بخویر ہوگی اسی پر گوتم عمل کرے گا۔ وہ بوڑھا بریٹو ہر فون اور دھمکی سے بے نیاز ہو گیا تھا ماسٹر اور اس کی حالت کے پیش نظر میں تشدد بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اسے زندہ رکھنے کا حکم دے چکے تھے وہ حلق پھاڑ کر چیخنے لگا تھا لڑکی نے بھی ریڈیو پر پولیس کا اعلان سن لیا تھا لہذا میں ان کو ایک ویلان سرنگ پر ڈراپ کر کے اصرار کیا تھا۔ لڑکی نے یقیناً باپ کو کسی طبی مرکز تک پہنچا دیا ہو گا اور پولیس کو میرا حکم یاد کیا ہو گا، اس لیے پولیس کڑیاں جوڑ چکی ہے اور اب اسے دوسرا رونا جو انوں اور ایک لڑکی کی تلاش ہے مجھے اپنی ذات کی کوئی پروا نہیں ہے لیکن میری گرفتاری پورے گروہ کے لیے نقصان دہ ہوگی۔“

”تم بڑا بول کر کیوں جانا چاہتی ہو مارشا؟“ میں نے پوچھا: ”تمھاری ہر ضرورت یہاں مہیا کی جاسکتی ہے۔“

”کچھ ضروریات صرف خواب میں تک ہی محدود رہتی ہیں: مارشا نے جواب دیا: ”پھر پولیس کو میں مطلوب نہیں ہوں۔“

”مجھیک ہے...“ میں نے کہا: ”تم قیدی نہیں ہو چلی جاؤ۔“

”کیسے جاؤں؟“ اس نے پرس کھول کر دکھایا: ”بالکل خالی ہوں۔“

ایڈی: میں نے نرم اور اپناٹیت بھری آواز میں کہا: ”کیا تم ہم تہی دست لوگوں کی مدد کر سکتی ہو؟“

اس نے نہایت ہی آہستہ آہستہ چہرہ گھمایا اور شاکی لگا ہوں سے دیکھا اور بھڑائی آواز میں بولی: ”تہی دست تو میں ہوں خرم، مجھے بول محسوس ہوتا ہے جیسے میں ایک تماشائی کی طرح دیکھ رہی ہوں اور ان دیکھے ہاتھ میری زندگی کے سارے اٹانے بوٹ رہے ہوں شاید تم کبھی اس اذیت ناک صورت سے دوچار نہ ہوئے ہو گے۔“

میرے پاس تو صرف آتی جاتی سانس ہیں خرم وہ بھی کبھی کبھی لٹنے کے شدید احساس کے بوجھ تلے دب جاتی ہیں۔

”اوہ...“ میں نے قہقہہ لگایا حالانکہ میں دھاڑیں مارنا چاہتا تھا اور ایڈنا کے گھٹے لگ کر اپنا اور اس کا دکھ آنسوؤں میں گوندھ کر ایک نیا تاج محل تعمیر کرنا چاہتا تھا لیکن ایڈنا کے شہر نے ہی مجھے رونے کا یہ انداز دیا تھا۔ گدھے کی لاش دیکھ کر پہرہوں زندگی اور موت کے الجھے ہوئے بے رحم اور سرد فلسفے پر سوچنے والا خرم سلطان چوہدری انسانی لاشوں پر بیٹھ کر اپنی فتح کا جشن منانے لگا تھا ایک میٹھے بول اور اپناٹیت بھری نگاہ پر زندگی کا بڑے سے بڑا پروگرام پس پشت ڈالنے کی جرات رکھنے والا خرم سلطان، ایڈنا جیسی ٹوٹ کر چاہنے والی وفادار لڑکی کے جذباتوں کا مذاق قہقہوں میں اڑانے لگا تھا اس کی آنکھیں اس کا چہرہ اور اس کے لرزے ہوئوں پر رقم سوال میں پڑھ رہا تھا لیکن میں انجان بنا حالات کی سطح پر کاغذ کی ناؤ کی مانند ابھر اُدھر تیرتا اور اس سے کتراتا پھر رہا تھا۔ کیونکہ جس چیز کی وہ طلب گار تھی وہ میری ذات کے گودام میں سر بہر تھی...

کچن کا دروازہ کھلا اور بیکر ٹیلی فون سمیت باہر آ گیا اور چمڑوں ایک دوسرے کی آنکھوں سے اچھرا لگ الگ وجود میں آ گئے۔ تم لوگوں نے خود کو بڑی مشکلات میں پھنسا لیا ہے بچو: بیکر نے پریشانی سے کہا: ”میں تمھارا کھانا مجرم گروہ میں درج تھا پولیس تماشائی بنی لاشیں ٹھکانے لگا دیتی تھی لیکن اب تم نے براہ راست قانون کا رخ بھاڑ ڈالا ہے۔ تمام پولیس فورس شگامی بنیادوں پر تمھاری تلاش میں ہے کمشنر خود قیادت کر رہا ہے تمھارے ہاتھوں ہلاک ہونے والا شہر یہاں کی ایک معروف سیاسی شخصیت کا بیٹا تھا۔ سیاسی بنیادوں پر کام ہو رہا ہے، یعنی گواہوں کے بیانات کو بنیاد بنا کر تم تینوں کے چہرے تیار کر لیے گئے ہیں اور تی دی پردہ کھلے جا رہے ہیں اور شہر کی مکمل ناکہ بندی کر لی گئی ہے۔“ بیکر بول رہا تھا جیسے ریکارڈ شدہ ٹیپ چل رہی ہو۔ بولتے بولتے اس نے گہری سانس لی: ”اب ان چہروں کے ساتھ باہر نکلا گویا خود کو موت کے گنواؤں میں گرانے کے مترادف ہو گا۔“

”معلومات کا ذریعہ کون ہے انکل؟“ سونیا نے تنہا ناک لہجے

میں پوچھا: میرے دوست پریشان ہو چکے ہیں۔
بیکر چند ثانیہ دیواؤں کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر بیٹل فون پر کوئی
نمبر ڈائل کرنے لگا۔ "سنو گروٹش، اس رنگ ساز کو لے کر یہاں پہنچو،
مجھے تین دیواروں کا پینٹ فوراً بدلنا ہے۔" اس نے ریسپورڈ رکھ کر میری
جانب دیکھا، وہی میک آپ مین آ رہا ہے۔ فکر نہ کرو وہ چہرے بدلنے کا
ماہر ہے۔

"باس: گوتم میا: میرا کیا ہوگا؟

"واٹ واش: بیکر سوچ رہا ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کیونکہ
پولیس سیاہ لوگوں پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے ہے۔ پھر تمہیں بروقت
میرے ساتھ رہنا ہوگا۔ میری ساکھ اتنی تو ہے کہ کوئی آنکھ گستاخی کرنے
کی جرأت نہیں کرے گی۔ رہا مندر سونیا اور خرم کا توان کو آج ہی رات
یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ اوشن کا منجر خود ایک بین الاقوامی قسم کا
اسٹگر رہ چکا ہے۔ ان کو جہاز تک لے جانے کا کوئی نہ کوئی محفوظ انتظام
کر لے گا۔

"میں جا ہی ہوں مشر بیکر: مارشل نے سپاٹ آواز میں کہا۔
وہاں وہ واحد لڑکی تھی جو بیکر کو کسی خطاب اور رشتے کے نام سے نہیں
پکارتی تھی۔

"مجھے بھی ساتھ لے چلو مارشا: ایڈنا بولی۔

بیکر نے چونک کر میری جانب دیکھا: میری پیاری بیٹی
کہاں جانا چاہتی ہے؟

"میں ڈاکٹر چان سے ملنا چاہتی ہوں: اس نے جواب دیا۔
"میرا ذہن اور اعصاب بے حد متاثر ہو رہے ہیں۔ میں کچھ وقت وہاں
گزارنا چاہتی ہوں۔ جب یہ سچان خیز حرکتیں باتیں اور منصوبے
ختم ہو جائیں تو مجھے لے آئیے گا۔ میں یہاں پرانے جوتے کی مانند نہیں
رہ سکتی۔ میں... میں پاگل ہو جاؤں گی ڈیڈ ان شیطانوں کے درمیان
نہیں رہ سکتی۔

"ٹھیک ہے بیٹی: بیکر نے گہری سانس لے کر ٹوٹی آواز میں کہا۔
"تمہیں واقعی یہاں نہیں رہنا چاہیے تھا؟

میں دیوار کا سہارا لیے چپ چاپ کھڑا رہا تھا اور ایڈنا اندر
سے پرس لے کر جب واپس آئی تو میرے قریب سے گزرتے گزرتے
کیم رنگ کر بیٹی۔ زخمی شیریں کی غصیلی نگاہوں سے محظوظ دیکھتی رہی
پھر بدی ہوئی گھوڑی کی مانند تھکنے پھر مٹاتے ہوئے ناگن کی آواز میں
چھنکارتی ہوئی بولی: تمہارے اندر بھی حیثیت روح حصول کر چکی ہے
تم بھی نفس کے غلام بن چکے ہو اب تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ نیکی
کا فرشتہ تمہارا ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ رحمتوں کے دروازے تم پر بند کر دیے
گئے ہیں۔ یہ خدا کا قانون اور اصول ہے جو شیطان کے گروہ میں شامل
ہو جاتا ہے اسے خداوند یسوع اپنے دیوڑے ایسے ہی الگ کرتے

میں جیسے بیمار بکری کو صحت مند بکریوں سے دور کر دیا جا سکے
تھیں بھی جنگل میں چھوڑ دیا گیا ہے اور جنگل کے سائے درندے
تمہاری طرف بڑھتے آ رہے ہیں ان میں میرے ڈیڈی بھی شامل ہیں
"ایڈی: بیکر کی گرج سے کمرہ گونجنے لگا تھا۔ بکواس منہ
کرو اور نکل جاؤ یہاں سے۔

"نہیں انکل: میں کو درمیان میں آ گیا۔ بیکر ہانڈا اٹھا
کراہنے لگا طرف بڑھا تھا: ایڈی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میں واقعی غلام
یسوع کے پسندیدہ دیوڑے سے جدا ہو چکا ہوں۔ میں جنگل میں بھٹک
رہا ہوں اور درندوں کی غراہشیں بھی میری سماعت سے ٹکراتی
ہیں لیکن میں پیاری ایڈنا کو صرف یہ باور کرانا چاہوں گا کہ میں
اس جنگل سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس کوشش کی راہ میں
جو جھڑپی آتی ہے وہ میرے ہاتھوں دوندی جاتی ہے: میں نے
گھوم کر ایڈنا کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ابھی میرے سینک بڑھتے ہیں
جان خرم، یقین رکھو جس طرح تن آدور رخت، جھاڑیاں اور پتھر میری
ٹھوکروں کی تاب نہ لاتے ہوئے راستہ دیتے آئے ہیں اس طرح میں
ہر درندے کا زرخہ بچاؤ تا ہوا جنگل سے نکل جاؤں گا: ایڈنا نے
میرے ہاتھ کو بے رخی سے جھٹک دیا۔

"جاؤ... چلے جاؤ: وہ پاؤں مار کر کہتی: "میں تمہیں نہیں روک
سکتی لیکن میں اپنی آنکھوں سے وہ منظر بھی نہیں دیکھ سکتی جس کی
زندگی تمام تر جذبول اور سوچوں کا نشانہ جس جہاز میں ہو وہ جہاز
دوب رہا ہو تو جس کرب سے اس بد نصیب کو گزنا پڑتا
ہے وہ وہی جان سکتا ہے۔ کسی دوسرے کو اس دکھ کا احساس نہیں ہوتا
"مجھے تمہارے دکھ کا احساس ہے ایڈی: میں نے جھجھکاتے
لہجے میں کہا۔ "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس شہر بے وفا میں صرف تمہاری
ذات وفادار ہے اور تمہارے جذبے بے لوث اور پاکیزہ ہیں۔ تم
نے خرم سلطان کو صرف اپنے لیے چاہا ہے لیکن سب کچھ جاننے اور
محسوس کرنے کے باوجود میں رگ نہیں سکتا۔ رخ نہیں بدل سکتا۔
سفر ملتوی نہیں کر سکتا اس لیے کچھ بہر صورت درندوں کے جنگل
سے نکلنا ہے۔ اگر میں یہاں رہنے کا فیصلہ کر لیتی ہوں تو یقین کرو مجھے
تمہاری ذات کی خوشبو تک آنے... کی یہ لوگ مہلت نہیں دیں
گے۔ تمہاری چاہتوں اور جذبولوں کے ہاتھ میرے تقاب میں لگے
ہوئے طوفانوں کو نہ روک سکیں گے۔ مجھے جانے دو جانے کی دعا دو۔
میں کہیں جا کر اپنا توازن درست کروں گا اور پھر اگر تیرے سراپا کی
مہک لے کر آؤ تو لوٹ آؤں گا... اجازت دو ایڈی۔

"ٹھیک ہے: ایڈنا کی سسکی ابھری۔ "تمہارا جانا ہی بہتر ہے
لیکن جانے سے قبل میری بات سن لو تم واپس نہیں آؤ گے۔ یہ کتاب جو
تمہارے اندر داخل ہو چکا ہے بھونکتا رہے گا اور تمہیں کسی شہر میں

سکون کی امید سونے نہیں دے گا میں نے مقدس باپ سے سنا
تھا کہ جس کے ہاتھوں ایک قتل ہو جائے وہ تمام عیسے چھین رہتا
ہے۔ مقتول کی روح اسے ایک پل سکون کا سانس نہیں لینے دے
تم کیسے اپنا توازن درست کرو گے چودھری اذرا پلٹ کر دیکھو کتنے لوگ
تم قتل کر چکے ہو پھر بھی میں اس بیوہ کی طرح تمہاری واپسی کا انتظار
کرتی رہوں گی جس کے سامنے اس کے خاندان کا جہاز ڈوب گیا ہو...
خدا حافظ... اس نے میرے منہ پر ہاتھ پڑھ کر نرم اور گداز ہاتھ
رکھا اور ہراتی ہوئی میرے پہلو سے رگڑ کھاتی نکل گئی۔ نہ جانے کتنی دیر
میں کتنے کے عالم میں ڈوبا رہا تھا۔ بیٹل فون کی گھنٹی وجر نجات بنی تھی
میں نے کھوئے کھوئے انداز سے چہرہ گھمایا۔ کمرے میں صرف سونیا
تھی، گوتم، بیکر اور ایڈنا اور مارشا چاروں ایک ساتھ گئے تھے یا کچھ
بعد دیگرے باہر نکلے تھے مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔ ایڈنا میری تمام حیات
منقون کر گئی تھی۔ میں اس کی شریذیڑیوں سے بکھر گیا تھا گھنٹی مسلسل
چینج رہی تھی اور میرے کھوئے ہوئے حواس آہستہ آہستہ میری طرف
لوٹ رہے تھے وہ بکھر گئی تھی اور وقت کے ہاتھ کر جیاں چین چمن
کر پھر مجھے مکمل کرنے میں مصروف تھے۔

"خرم: سونیا نے میرے شانے پر زور سے ہاتھ مارا: کال سنو
آنکھیں بند کر کے میں نے جھجھکی لی اور بیٹل فون کی جانب بڑھ گیا۔
"ہیلو... کون؟ میں نے بھرتائی آواز اور بگڑے لہجے میں پوچھا۔
"سنو لڑکے: میں بیکر بول رہا ہوں: اس کی آواز میں لرزش
نمایاں تھیں۔ باہر کا موسم بے حد خطرناک ہے، دروازے کھڑکیاں بند
کر لو ہوا میں گھر گھر جھانکی پھر رہی ہیں۔ ڈاکٹر ایملینس لے کر آ رہا
ہے تم دونوں اپنا آخری معائنہ کروانے اس کے ساتھ چلے آؤ: اس
نے کیم سلسلہ توڑ دیا تھا۔

"کون تھا؟ جو نہیں: میں نے ریسپورڈ رکھا سونیا نے سوال
اچھا ل دیا۔

"کوئی ڈاکٹر نہیں لینے آ رہا ہے: میں نے جواب دیا۔
"پولیس سڑکوں کے علاوہ گھروں میں بھی گھس رہی ہے۔"
"اگر وہ ایسا نہ کرتے تو مجھے تعجب ہوتا۔" سونیا بولی: ہم نے
پولیس کی ناک پر براہ راست ضرب لگائی ہے۔ وہ ہمیں پاتال تک
تلاش کر سگے۔

کال بیل کا بزرنگنگنا یا اور غیر ارادی طور پر میرا ہاتھ جیب
میں جلا گیا۔ سونیا بھی اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ میں نے آنکھ کے
اشارے سے اسے دروازے کی جانب چلنے کو کہا پھر اسے دائیں
طرف رکھ کر میں نے لوگھا کر دھڑ سے پٹ کھول دیا۔ یہ ایک آف جھو
نفسیاتی حربہ تھا اگر باہر کوئی دوست نہ ہوتا تو یوں خلاف توقع
دروازہ کھل جانے پر غور پھر کے لیے حواس باختہ ہو جاتا اور وہی

ختم میں اپنے مفاد کے کھاتے میں درج کر لیتا۔ لیکن سامنے میرا یار
گوتم سفید دانتوں کی نمائش کر رہا تھا۔ میرے منہ سے گہری سانس
برآمد ہوئی اور جسم کا تناؤ ٹوٹ گیا۔ اس کے جسم پر مریضوں کی نیسیلی
یونیفارم تھی اور چہرے پر غمازے کی میز تہ جی ہوئی تھی، وہ چہرے
سے یرقان کا مریض دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے
سے کسی کو بلایا اور سرگوشیاں انداز میں بولنے لگا۔ "ما سٹر ایچ: وہ
لباس میں پولیس گھوم رہی ہے۔ تم دونوں کو یہاں سے اسٹریچرز پر
لے جایا جائے گا۔ ڈاکٹر چان ایملینس میں موجود ہے۔"

"پرس لے لو: میں نے سونیا سے کہا۔ جب وہ پرس لینے جا رہی
تھی تو چارمیل نرس اسٹریچر اٹھائے نمودار ہوئے۔ گوتم نے ان کو
اندراصل ہونے کے لیے راستہ دیا۔

"لیٹ جا میں جناب: ایک معرمل نرس نے مؤدب انداز
میں کہا میں لیٹ گیا اور آنکھوں نے مجھ پر سُرُخ کبل ڈال دیا۔ آپ
گیس کی وجہ سے بے ہوش ہیں جناب: میرے کانوں میں دوسری
ہدایت داخل ہوئی۔ یہی ہدایت سونیا کو بھی دی گئی تھی۔ مصنوعی آواز
جبری بے ہوشی ایک گرم کمرے میں ہم سے واپس لے لی گئی تھی ہاں
ڈاکٹر چان، انکل بیکر اور وہی میک آپ مین موجود تھے۔

"اس معزز اور مجتہد شخص کی خاطر ڈاکٹر چان نے ندامت
بھرے لہجے میں اپنی ذات کو تاویل کے برش سے صاف کرتے ہوئے کہا۔
"زندگی میں پہلی بار میرا پیشہ جرم میں معاون ہو رہا ہے۔ وہ بھی اس
یقین کے بعد کہ دو قیمتی جانی ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔
مجھے اور سونیا کو لیبارٹری میں مین دلچپ مگر کچھ دردناک گھنٹے
گزارنے پڑے تھے۔ ہمارے سامنے پلاسٹک کے دو چہرے تیار ہوئے
تھے۔ چہروں کی تیاری تک تو ہم محض تماشائی ہی تھے۔ لیکن جب
وہ چہرے ہمارے چہروں پر فٹ کر دیے گئے تو ہمیں اذیت ناک
مرحلوں سے گزرنا پڑا تھا پلاسٹک کی جھلی کو جب ناقابل برداشت
گرم اسپرے سے اصلی جلد کے ساتھ چپکایا جا رہا تھا تو میں نے تکلیف
کے احساس کو دانتوں تلے دبایا تھا لیکن سونیا ناقابل برداشت گرمی
کو برداشت نہ کر سکی تھی وہ برسی طرح چینج رہی تھی۔ چونکہ میری آنکھیں
بند تھیں اس لیے میں صرف سوچ کی آنکھوں سے ہی دیکھ رہا تھا کہ
سونیا تڑپ رہی ہوگی۔

"بس... بس خدا کے لیے بس کرو: سونیا ہڑکتی ہوئی کہہ رہی
تھی: "ظالمو، میرا اصلی چہرہ تم نے جلا دیا ہے۔"

"نہیں مس ڈاکٹر چان نے اسے تسلی دی: "دونوں چہروں
کے درمیان بھی ایک حفاظتی جھلی ہے۔ تمہارا اصل چہرہ بالکل متاثر
نہیں ہوگا۔
جب مجھے آنکھیں کھولنے کی اجازت ملی تو میرے سامنے

قد آدم آئینہ تھا اور آئینے میں خرم سلطان چودھری کی گردن پر ایک امریکن خود خال کا حامل خوبصورت چہرہ تھا۔ چھوڑی گنجل موٹھوں نے مروانہ و جانت میں باوقار اضافہ کر دیا تھا۔ میرے سیاہ بالوں کا رنگ بھی سیاہی مائل چھوڑا کر دیا گیا تھا۔ اودھ خرم: سونیا کی چھکارتیں کرکٹیں نے چہرہ موڑ کر دیکھا اور اس حقیقت خیریت نے میری سانسیں بند کر دی تھیں اسے بھی ایک مثالی حسین چہرہ دیا گیا تھا وہ خوشی سے مسکرا رہی تھی لیکن مسکراہٹ کا احساس صرف اس کی آنکھوں اور دانتوں سے ہی ہو رہا تھا۔ پلاسٹک کا بے جان چہرہ جذبول کی زبان سے محروم تھا۔

"اب غل کر لیں مسٹر خرم: میک آپ میں نے کہا: میں نے سیاہ رنگ اتارنے والی دوا ٹب میں ملا دی ہے۔ تب میں نے چونک کر اپنے سیاہ ہاتھوں کو دیکھا۔ گردن اور عریاں سینہ دیکھا۔ میرے منہ سے بے اختیار قبضہ ابل پڑا۔ ڈاکٹر چان نے ہاتھ دھوئے دھوئے چونک کر میری جانب دیکھا۔

"ڈاکٹر چان بچپن میں میری ماں نے ایک بھارت سنائی تھی۔ میں اس بھارت کا زندہ جواب ہوں۔"

"کچھ ساؤ بھادرنو جوان: ڈاکٹر چان ٹاول نما مارو مال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے میرے قریب آگیا۔ تم نے ان چند لمحات کے دوران مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ یقیناً ایسے بیٹے کی ماں بھی عظیم اور دانش مند ہوگی۔ ہاں تو کیا بھارت تھی؟

"ایک گھڑ اور رنگ پانی: میں نے بھارت سنائی۔ ڈاکٹر چند ثانیے سوچتا رہا پھر بولا۔

"آہ۔ واقعی، دلچسپ بھارت ہے، جواب بھی بتا دو۔"

"انڈیا: میں نے کہا۔ ڈاکٹر چان جواب سن کر ہنسنے لگا۔ ہاں قدرت کا کرشمہ دونوں رنگ الگ الگ رہتے ہیں۔ واقعی اس وقت وہ بھارت تم پر فٹ ہے۔ چہرہ انہکی اور جسم آخری۔

"میں میک آپ بین کی رہنمائی میں ہاتھ روم کی جانب چل پڑا۔ اندر بڑا ٹب جھلگ سے بابا بھرا ہوا تھا۔ اس میں بیٹھ جانا چھوڑی

"اودھ نہیں نہیں پیارے بیٹے: وہ جھجھکاتی آواز میں بولا۔ او میرے سینے پر آٹا ہاتھ مارنے لگا۔ ایڈی کے بعد تم مجھے بے حد عزیز ہو، میں نے تمہیں دل کی گہرائی سے بٹھا کہا ہے صرف اتنا بنا دو کہ اتنی رقم کیا کرو گے، کہاں خرچ کرو گے یا کوئی اور معاملہ ہے؟

"میری ایک ہم وطن مقروض ہے اور قرض چکالنے کے لیے بے غیرتی پر مجبور کی جا رہی ہے۔"

"آہ! رحم دل نوجوان! بیکر نے دکھ بھرے لہجے میں بولا۔ یہاں تو ہر پانچواں شخص زخمی ہے۔ کس کس زخم پر مرحم کے حبابے رکھو گے بہر کیف میں تمہارے نیک جذبوں کی راہ نہیں روکوں گا۔ جہاں تک ہو سکے سکے لوگوں اور اندھیروں میں پھٹکے زخمی جسموں کے لیے روشنی بکھاتے چلو۔ پورے قرض و وقت درکار ہے؟

"میں رات آٹھ بجے قرض چکالنے اور اس مجبور لڑکی کو آزادی دلانے وہاں جاؤں گا۔"

"اگر ممکن ہو تو یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔ بیکر نے کہا۔ میں تمہیں اب کسی خطرے میں ڈالنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ تم آرام کرو اور میں تمہاری مطلوبہ لڑکی کو تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔

"میں لڑنے بھڑنے نہیں جا رہا انکل: میں نے کہا۔ یہ ایک سیدھا سادہ سودا ہوگا۔ فرض خواہ کو رقم درکار ہے اور مجھے لڑکی، بس چند منٹوں میں بین دین مکمل ہو جائے گا۔ میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں، مجھے ہی وعدہ ایفا کرنا ہوگا۔

"آؤ دیکھتے ہیں کیا کیا جاسکتا ہے: اس نے ڈاکٹر چان کو ہاتھ اٹھا کر خدا حافظ کہا اور چل پڑا۔ گو تھم تم مس سونیا کو لے چلو۔ دوسری ہدایات تمہیں بند لیو فون مل جائیں گی۔

بیکر کی ذات سے بھی بڑھ کر اس کا دفتر شاندار تھا۔ چھ رنگوں کے ٹیلی فون سیٹ قطار میں دفتر کی شان و شوکت کے مظہر تھے۔ بیکر نے گھومنی کرسی پر بیٹھ کر کال بل کا بٹن دبایا دوسرے لمبے بارودی جیشی نوجوان اندر آگیا۔

"مسٹر چیان جین کو بھیج دو۔ بیکر نے ایک فائل کھولتے ہوئے حکم دیا۔ پھر سرخ ٹیلی فون سیٹ کا ریسپورڈ اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ مسٹر جانسن! میں اپنے آفس میں تمہارا منتظر ہوں۔

برخورد فائل کی ورق گردانی کرنے لگا۔ تقریباً ایک منٹ بعد جین لاشن پر لیا تھا۔

"لیس بیکر آن دی لائن: مجھ سے ریسپورڈ کر اس نے سپاٹ لپے میں کہا۔ مجھے دس ہزار پونڈ درکار ہیں، بند گڈیوں میں: اس نے ریسپورڈ کر سفید ٹیلی فون سیٹ کا ریسپورڈ اٹھا لیا رابطہ طے ہی غراتی آواز میں بولا۔ گڈا ایوننگ مسٹر جیو، خلاف توقع پہلی کال پر تمہیں پا کر حیرت اور خوشی ہوئی ہے۔ ہاں ہاں۔ سب تیاریاں مکمل ہیں۔ صرف نمائندوں کی تبدیلی ناگزیر ہوئی ہے۔ مسٹر جمال سے ایک ایسی غلطی ہرزہ ہوئی تھی جس کی تلافی میرے لیے مشکل تھی لہذا میں نے جوڑا تبدیل کر دیا ہے۔ تم اپنے نمائندوں کو ٹھیک ایک بجے میرے آفس میں بھیج دینا۔۔۔

کون اچھا اچھا وہ لڑکا، نہیں مجھے اس کے بارے میں کوئی نئی اطلاع نہیں لی میرا خیال ہے وہ شہر سے نکل گیا ہوگا۔ وہ تمہاری سرور دی ہے جو میرا اس سے کبھی تعلق نہیں رہا۔ ٹھیک ہے تم اپنی تلاش جاری رکھو۔ لیو لکھ کر بیکر نے قبضہ لگایا۔ چوراخ تلے اندھیرا اسے ہی کہتے ہیں وہ پاگل مجھ سے پوچھ رہا ہے۔

ملازم نے جھانک کر مسٹر جانسن کے لیے اجازت طلب کی اور اس کو ہٹا ہوا ایک مہترنگا معرخص اندر داخل ہو گیا۔ میں نے گردن موڑ کر اس کے سراپا پر نگاہ ڈالی اس کا چہرہ بھیڑیے کی شکل سے مشابہ تھا اور درختی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔ وہ ایک کرسی پیچھے کرتا ہوا میرے پیلو میں بیٹھ گیا۔

"جانسن: بیکر نے عینک اتار کر آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ اپنے ہم سفر سے ملو یہی لڑکا تمہارے ساتھ جائے گا۔

جانسن نے چونک کر میری جانب دیکھا اور بھوس بکھر کر نچوٹ نہ آواز میں بولا۔ میں نے رومانی فلم کے لیے ہیرو نہیں مانگا تھا مسٹر بیکر مجھے مرد چاہیے جو طوفانوں سے لڑنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ ہم پک ٹک منانے نہیں جا رہے۔ جانسن کی تضحیک آمیز باتوں نے میری رگوں میں دوڑتے خون کا درجہ حرارت یکدم بڑھا دیا تھا لیکن میں بیکر کے نفیس آفس کو اکھاڑہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ پھر بیکر کے استہزاء نے میری توجہ بانٹ دی تھی۔

"اگر تم میرے حریز دوست اور موجودہ رفیق کار نہ ہوتے تو میں اس خوب رونو جوان کو ایک... صرف ایک ہاتھ دکھانے کا اشارہ ضرور کرتا۔

تمہیں بے چرون و چرا اسے تسلیم کرنا ہوگا۔

"جیسی تمہاری مرضی: وہ کندھے اچکا کر بولا۔ کیا لڑکی بھی اتنی ہی حسین ہے؟

"ہاں: بیکر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ناگن کی طرح خوبصورت اور خطرناک۔"

"کیا اسے تم نے مورتی کے بارے میں بتا دیا ہے؟ جانسن نے پوچھا، بیکر نے نفی میں گردن ہلائی، حالانکہ وہ مجھے کیسے مجسمے کے بارے میں بتا چکا تھا۔ اس پر وجیکٹ کے خالق اور انچارج نم ہولہذا تمہیں ہی بتانا ہوگا۔

"ہاں تو مسٹر۔۔۔"

"محمد علی: میں نے بے ساختگی سے نام بتایا اور جانسن نام سن کر اچھل پڑا۔

"اودھ! کس ملک سے تعلق ہے؟

"امریکہ: میں نے بتایا۔ میرا خاندان دونیس قبل مشرق سے اُدھر آباد ہوا تھا۔"

"معاف کرنا لڑکے: وہ ہلکوک لگا ہوں سے میرا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔ مشکل سے قطع نظر تم امریکن نہیں ہو، تمہاری زبان اور لہجہ... نہیں لڑکے، اصل ملک بتا دو، دیکھو ہمارا ساتھ ایک خطرناک سفر میں رہے گا۔ ہمیں ایک دوسرے پر مکمل بھروسہ رکھنا ہوگا۔

"میری پیدائش ایک مشرقی ملک میں ہوئی تھی میں ایک سفارت کار گھرنے سے تعلق رکھتا ہوں۔ تعلیم قاہرہ اور ہانگ کانگ میں مکمل ہوئی اور اب فری لانسر ہوں یعنی کرائے کا مکان۔

"اؤں: وہ اضطرابی حالت میں سینہ پر انگلیاں بجاتے ہوئے غرا یا۔ اب میری باتیں غور سے سنو مسٹر علی تمہارا مفاد کیا ہے؟ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، لیکن میں اپنے مفاد پر بات کروں گا۔ ان دنوں بدھسٹ مذہب کے اتار گوتہ بدھ کی مورتی جو نظا ہر سنگ مر کی بنی ہوئی ہے مورتی آرٹ کے حوالے سے بھی کوئی شاہکار ہے نہ نادرا وجود ہے۔ لیکن اس کے ساتھ کچھ مصدقہ اور بہت سی بے سربا پڑا ہوا رہنمایاں منسوب ہیں مورتی صدیوں پرانی ہے اور تبت کے ایک شخص انھوں کی ملکیت بتائی جاتی ہے جو بدھ مت کی تبلیغ کرتا ہوا مصر تک گیا تھا اور کہانی کے مطابق وہ اہرام مصر کی ایک غار میں بیس برس یوگا سے ملتی جلتی ریاضت کرتا رہا تھا اور ریاضت کے دوران ہی اس نے ہاتھ بدھ کی مورتی تراشی تھی، اگر وہ یہی مورتی تبت یا کسی دوسرے شہر میں تراشتا تو کسی کی توجہ ایک نقطے پر مرکوز نہ ہوتی۔ اہرام مصر کے حوالے سے مورتی بے حد قیمتی اور پڑا ہوا بنا دی گئی ہے۔

سب سے جبریت ناک بات یہ ہے کہ مورتی پانچ مرتبہ چوری ہوئی اور کچھ مدت بعد اصل وارث خاندان کو واپس مل جاتی رہی۔ اب بھی مادام شیلی کے بیان کے مطابق مورتی سری لنکے لے جانی گئی تھی اور چند ماہ قبل سری لنکے سے ہی کسی نے بذریعہ خط مادام شیلی کو اطلاع دی تھی کہ آپ سری لنکا آکر اپنی خاندانی مورتی میوزم سے حاصل کر لیں۔

"یہاں ایک سوال میں کہیں کا جانسن؟ بیکر بول پڑا۔ اگرچہ بیان صحیح پر مبنی ہے تو حکومت سری لنکے نے اپنا ایک جاسوس مادام شیلی کے پیچھے کیوں لگا دیا تھا؟

"ہاں یہ سوال میرے ذہن میں بھی اٹھ اٹھا۔ جانسن نے جواب دیا۔ لیکن پولیس کشن نے جب حکومت سے رابطہ قائم کیا تو اچھر سے صاف انکار اور لاعلمی کا اظہار کیا گیا ہے اور وضاحت کی گئی ہے کہ ایک معزز شہری نے مورتی بطور امانت میوزیم کے حوالے کی تھی اور حکومت نے اصل وارث کے مطالبے پر بخوشی مقدس مورتی اس کے حوالے کر دی تھی۔

"اس کا مطلب یہی لیا جاسکتا ہے۔ بیکر نے پرخیاں انداز میں کہا۔ دو بارٹیاں مورتی کے چکر میں ہیں، ایک وہ جس نے خود کو سرکاری نمائندہ ظاہر کیا تھا اور دوسری وہ جس نے اسے راہ سے ہٹایا ہے۔ یعنی اب میدان میں صرف ایک پارٹی رہ گئی ہے جس سے کسی بھی وقت تمہارا مقابلہ ہوگا۔

"تمہارا تجزیہ قرین قیاس ہے۔ دوست۔ جانسن بولا۔ اس پارٹی کو اگر ہم ایک شخص شمار کریں تب ہمیں اُن مسافروں پر نگاہ رکھنا ہوگی جو جہاز پر سفر کریں گے کیا تم نے اُن مسافروں کی لائف بٹری کی چھان بین کر لی ہے؟

"نہیں۔ بیکر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بتایا۔ وقت انوتا ٹرولنگ ایجنسی اس چھان بین کی مجاز نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ایسی ضرورت پہلے محسوس کی گئی ہے۔ ہم کسی مسافر کو بلا جواز روک بھی نہیں سکتے۔

"ہاں یہ مجبوری تو ہے۔ جانسن نے تائیدی ہلچے میں کہا۔ ذرا مسافروں کی فہرست تو دکھاؤ۔

بیکر نے ایک فائل سے ٹائپ شدہ لسٹ الگ کر کے جانسن کے سامنے رکھ دی۔

"اوہ۔ وہ چمکتی آواز میں بولا۔ خواتین کو چھوڑ کر باقی تمام مردوں کا تعلق فلپائن سے ہے۔

"نہیں۔ بیکر نے بتایا۔ ایک لڑکا مگومو ہا جاپانی ہے۔ اسے میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ پہلے گودی پر کام کیا کرتا تھا۔

"تو ان میں ایک رائفہ، وہ موجود ہوں گے جنہوں نے سری لنکا

کے نوجوان کو قتل کر کے میدان صاف کر لیا ہے۔

"ہو سکتا ہے کوئی بھی نہ ہو۔ بیکر نے کہا۔ سری لنکا کے شخص کو مادام شیلی کے محافظوں نے ہٹ کر دیا ہو، کیا ایسا نہیں ہو سکتا جانسن کو مادام شیلی فلپائن سے ہی حفاظتی عملے کے آ کر آئی ہو؟

"اوہ... بالکل... بالکل یہ نقطہ بے حد اہم ہے اور قابل توجہ ہے۔ بہر کیف میں اس مورتی کو حاصل کروں گا اور اس یقین کے ساتھ کہ یہ آخری چوری ہوئی۔ مورتی اگر محض گوتم بدھ کی ذات کی وجہ سے مقدس ثابت ہوئی تو میں خاموشی سے کسی بدھت کو بطور تحفہ دے دوں گا اور اگر اس کی تحریر کسی فرعون کے خزانے کی چابی ہوئی تو یہ مورتی کبھی واپس مادام شیلی تک نہ جاسکے گی۔

دروازہ کی ہلکی سی سرسراہٹ سن کر میں نے پلٹ کر دیکھا ایک چینی نژاد بوڑھا فٹ میٹ پر کھڑا تھا۔ اوہ، آؤ چن۔ بیکر نے اسے دیکھ کر اندازے کی اجازت دی۔ اس نے چرمی بیگ سے کرسی نوٹوں کی گڈیاں نکال کر بیکر کے سامنے قطار میں جمادیں۔ علی: تم رقم لے کر روانہ ہو جاؤ میں بارہ بجے تک تمہارا انتظار یہاں ہی کروں گا تمہاری ہم سفر کو بھی یہاں منگوا لیا جائے گا اور بالکل سیدھا سادا سوواٹے کر کے جلدی لوٹا۔

"شکر ہے جناب۔ میں نے نوٹ اسی تھیلے میں ڈالے اور آٹھ کرکٹ بال "مسٹر چن اگر تم فارغ ہو تو مسٹر علی کو لے جاؤ اور واپس نہیں ہوگی۔" بہتر جناب۔ چن نے سر کو خم دے کر جواب دیا اور میرے ہاتھ سے اس نے بیگ لے لیا۔

سورج تو مغرب کی گود میں اتر چکا تھا لیکن سن شائن ہوٹل کی پُرسکھ عمارت مرکزی سورجوں کی روشنی میں نہائی کھڑی دوسرے دکھائی دے رہی تھی پانچویں منزل کی پیشانی پر ہوٹل کا نام روشنی کی تال پر چھوٹا تھا۔ پارکنگ ٹیڈ میں تل دھرنے کی بھی جگہ تھی پھر بھی مسٹر چن نے اپنی چھٹی سی سوزوں کے لیے گنجائش نکال لی تھی۔ میں نے بیگ سنبھالتے ہوئے چن کے کندھے پر دوستانہ تھپکی دے کر کہا۔ میں پر سکون واپسی کی کوشش کروں گا مگر ہم جیسے لوگوں کے ساتھ ساتھ سنگامے سفر کرتے رہتے ہیں ایسی صورت میں تمہیں ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے خود کو تیار رکھنا ہوگا۔

"فکر نہ کرنا نوجوان۔ اس نے میرے ہاتھ کو تھپ تھپاتے ہوئے جواب دیا۔ میرا جسم کمزور ہے مگر اعصاب مضبوط ہیں۔

دروازہ کھول کر میں اتر آیا اور ایک جوڑے کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ دونوں کسی مٹے پر دروازہ کھٹ کرتے جا رہے تھے لڑکی بار بار احتجاجی انداز میں ہاتھ لہراتی تھی۔ تم نہیں چھوڑو گے۔ جب فاصلہ کم ہوا تو لڑکی کے الفاظ میری سماعت سے ٹکرائے۔ تم ہمیشہ ہر داؤ کو آخری داؤ کہہ کر کھیلتے ہو۔

"آج آخری داؤ، وعدہ کرتا ہوں صرف ایک داؤ کھیلوں گا۔" مرد نے کہا۔ صرف پانچ ڈالر دے دو، قسمت کی دیوی ہمیشہ نامہربان تو نہیں رہتی۔

"ہرگز نہیں۔ عورت نے فیصلہ کن لہجے میں ہاتھ نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ ایک پتی بھی تمہیں نہیں ملے گی۔ لاکھوں ڈالر تم اس تنور میں بھسم کر چکے ہو، مائیکل، شو بے اور برٹ کی طرح کسی رات تمہیں بھی خالی لٹافہ سمجھتے ہوئے پھاڑ کر پھینک دیا جائے گا، قیطانوں کا گروہ کئے گھڑوں کے چرخ بچھا چکا ہے۔ اب بھی وقت ہے واپس چلے چلو ہم پھر محنت کریں گے اور سب کچھ حاصل کر لیں گے جو ہم سے یہاں چھینا جا چکا ہے۔ نہ جانے مجھے اس لمحے وہ عورت ایسے لگی تھی جیسے میرے گلوں کی کوئی عورت اپنے خاوند کو جو دھری ملا کر کے اٹنے پر جانے سے روک رہی ہو۔ میرا ہاتھ بالکل غیر ارادی طور پر ہی اٹھ گیا تھا اور میرے ہاتھ کا وزن اس محسوس کر کے مرد نے چونک کر میری جانب دیکھا۔ نیک خاتون کا مشورہ مان لو دوست، تم اگر آسانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو تو یقین کر لو تمہارے سامنے یہ عورت نیکی کا فرشتہ ہے جو برائیوں سے روک رہا ہے، پلٹ جاؤ میرے دوست، ورنہ کسی رات تمہارے بے روح جسم کو یہاں سے لوٹا یا جائے گا۔

"تم... تم... مرد تھوکن لنگ کر بولا۔ کون ہو دوست اور خود اصرار کیوں جا رہے ہو؟

"میں ایک بھٹکا ہوا مسافر ہوں۔ میں نے جواب دیا۔ اور لوگوں کو بتاتا چھڑتا ہوں کہ آسمان سے روشنی کی جو کرن رہنمائی کی خاطر اتری ہے اسے لگا ہوں سب سے اوپر نہ ہونے دو ورنہ راستہ بھٹک جاؤ گے اور اندھیروں کے ناگ تمہیں نکل جائیں گے۔

"میں... میں جاؤں گا۔ وہ قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔ آخری کوشش کروں گا۔

"نہیں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی سوجھی ہوئی گردن پر پونج لی۔ پلٹ جاؤ، بدی کی آخری کوشش کبھی آخری نہیں ہوتی۔ جاؤ۔ مجھے معاف کرنا خاتون محترم... اب یہ کبھی اوھر کا رستہ نہیں کرے گا۔ اسے لے جاؤ۔

"شکر ہے خوش رو نوجوان۔ عورت کپکپاتی آواز میں بولی میں تمہیں اپنی دعاؤں میں شامل رکھوں گی۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میں نے پلٹ کر دیکھا وہ دونوں واپس پارکنگ ٹیڈ کی جانب جا رہے تھے اور عورت بار بار چہرہ گھما کر میری جانب دیکھ رہی تھی۔ تب میں نے محسوس کیا کہ میرے تاریک اور زخم زخم دکھتے دل کے کسی گوشے میں طمانیت کی پھلجی دی چھوٹی تھی میں نے ایک عورت اور ایک گھر کو اچھڑنے سے بچا دیا تھا۔ نوران کی ہی کہانی کے وہ دو کردار تھے جنہوں نے نوران کی بیان کردہ کہانی کی صداقت میرے

اندھ محکم کر دی تھی۔ میں نوران کے حسن کو تو نہ بچا سکا تھا لیکن نوران کے ظاہری اور باطنی حسن کو بچانے کا عزم میری لگ لگ میں پوری سچائیوں کے ساتھ زندہ تھا۔ جوں جوں میں نے آخری میز سے قدم اٹھا یا پیٹھ کا دروازہ کھل گیا تھا اور میرے ہاتھ میں پھولا ہوا کیش بیگ دیکھ کر استقبالیہ ملازم کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ وہ بیٹھے پر ایک ہاتھ رکھ کر رکوع کی حد تک جھجک گیا تھا۔ وہ سبز روشنی میں تیرتا ہوا ایک وسیع و عریض ہال تھا۔ میں نے فٹ میٹ پر ٹک کر طائرانہ نگاہوں سے ہال کا جائزہ لیا۔ پارکنگ ٹیڈ ہی کی مانند ہال میں بھی تل دھرنے کی گنجائش نہ تھی۔ میں سیدھا کاؤنٹر کی جانب بڑھ گیا کیونکہ نوران کا حزن و ملال میں ڈوبا ہوا چہرہ کاؤنٹر کے آفتق سے ظور سے ہوتا میں نے دیکھ لیا تھا۔ بارٹینڈر کی چوڑی پشت میری جانب تھی وہ شراب کی بوتلوں کو لگا رہا تھا میں نے کھٹ سے بیگ کاؤنٹر پر رکھا اور کہنیاں ٹیک کر نوران کی جانب بھج گیا اور نوران کا سونا چہرہ یکدم مرجھاتے ہوئے سرسوں کے پھول کی طرح ہو گیا تھا۔ چناب کی سونہی مٹی کو سلہم۔ میں نے نوران کی آنکھوں میں جھانک کر تنہائی میں کہا اور وہ اچھل کر بار کے ساتھ ہو گئی۔ میں آگیا ہوں نوران۔

"اوہ... اوہ... تم... لیکن... وہ بھٹکا کر ڈوب گئی۔

"کیا تم بھول گئی ہو کہ میں اصل صورت کے ساتھ نہ کل تمہیں ملا تھا اور نہ اب ہوں۔

"اوہ۔ ہاں... لیکن میں تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گئی تھی کہ وہ کسی سے نہیں ملتا۔ وہ شراب کی بوتل کا کارک اڑاتے ہوئے بولی۔ تم یہاں ہی کھڑے کھڑے پینا، اس طرح میں تم سے باتیں بھی کرتی رہو گی۔ کیا بھائی کی تواضع شراب سے کر دو گی؟ میں نے شاک انداز میں کہا۔

"اوہ۔ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ تو کیا تم نہیں چیتے؟

"تم پتی ہو؟

"نہیں۔ اس نے بوتل واپس رکھ دی۔ میں نے تو حسن کو بھی چھڑا دی تھی۔

"اُسے اطلاع کرو، میں زیادہ وقت لے کر نہیں آیا۔

"وہ نہیں ملتا۔ نوران زور دے کر بولی۔ آج تک میں نے بھی اسے نہیں دیکھا۔ وہ عقیقی خطیرہ دروازے سے آتا ہے اور اوپر کسی کمرے میں بیٹھتا ہے۔ تمام ہدایات ٹیلی فون پر دیتا ہے۔ اس نے پندرہ بیس بد معاش ہال رکھے ہیں۔ ویسے بھی یہاں اچھے لوگ نہیں آتے اس وقت ہال میں ننانوے فیصد شہر بھر کے بد معاش جواری بیٹھے ہوئے ہیں، ہاں اگر یہ راضی ہو جائے۔ اس نے بارٹینڈر کی جانب اشارہ کیا۔

"تو ٹیلی فون پر بات ہو سکتی ہے۔ نوران نے آخری جملہ جان بوجھ کر گزرت اور اونچی آواز میں کہا تھا۔ نتیجہ خاطر خواہ ہی نکلا تھا وہ گھوم

کر میری جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے جس سے؟"

نورا نے ہاتھ لہرایا اور استہزائیہ انداز میں بولی: "یہ نوجوان باس سے بدلو راست بات کرنا چاہتا ہے مشر سائیک: وہ سانپ کی طرح ایک ٹک دیکھنے لگا: کوئی خاص پیغام؟ اس نے سرگوشیاں انداز میں پوچھا اور میں سرکتا ہوا اس کے سامنے ہو گیا۔

"ہاں مشر سائیک: میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بیگ پر پتھکی دی: سنڈکیٹ کی طرف سے آیا ہوں: میں نے اندھیرے میں تیر چھٹکا تھا ہدف پر پتھیک جا بیٹھا تھا: اس نے فوراً ٹیلی فون کا مشرخ بٹن دبایا اور ریسپور کاں سے لگا لیا۔ میرے لیے وہ زبان بالکل ہی جہنی تھی چند باتوں کا تہا دل کر کے اس نے ریسپور میری جانب بڑھا دیا۔

"باس سے بات کرو:

"گڈ ٹائٹ مشر ملہو ترے: میں نے مضبوط اور کھردری آواز میں کہا: میں ایک نفع بخش سودا تمہارے لیے لایا ہوں۔"

"کیسا سودا؟ میری سماعت سے ناگ کی پھٹکا رنکرائی: نوعیت سے آگاہ کرو:

"ٹیلی فون پر نہیں مشر سائیک:

"تو پھر واپس لوٹ جاؤ: اس نے کہا جس نے تمہیں ادھر بھیجا ہے اس نے میرے کاروبار کا طریقہ نہیں بتایا، میں صرف آواز ہوں نوجوان جس طرح بجلی کی گرت آواز تو کرتی ہے مگر موجود نہیں اور جس پر گرتی ہے اسے جلا دیتی ہے:

"اتفاق سے میں شک پرور ہوں مشر ملہو ترے: میں نے ہنس کر کہا: یہی وجہ ہے کہ میں گرج کے ماخذ کے رو برو ہونا چاہتا ہوں۔"

"معاملہ کیا ہے نوجوان؟ اس کا لہجہ پہلی بار دلکش سا لگیا: تم کیا چاہتے ہو؟

"میں ایک لڑکی کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں:

"اوہ: اس نے قہقہہ لگایا: الحق نوجوان خواہ مخواہ میرا وقت ضائع نہ کرو سائیک سے بات کرو اور اپنی پسند کا ٹوکن حاصل کرو:

"کیا مجھے مسخر حسن کا ٹوکن مل سکتا ہے؟

"مشاید آج نہیں، کوئی دوسری دیکھ لو یہاں بین الاقوامی مال ہے ہر قوم اور ہر ملک کی لڑکیاں تھیں دکھادی جائے گی:

"نہیں: میں نے دھاڑ کر کہا: صرف مسخر حسن، میں اسی کو لینے آیا ہوں اور میرے بیگ میں اس کی قیمت موجود ہے:

وہ چند ثانیے خاموش رہا تھا لیکن اس کی پھٹکاری سانس میں سن رہا تھا: میں دو ماٹھ سے بھیج رہا ہوں: اس نے خراٹے ہوئے

کہا: وہ تمہیں مسخر حسن کی قیمت بتائیں گے:

ملہو ترے نے بظاہر ملنے سے انکار کر دیا تھا اور ملاقات کے بغیر میرا مقصد پورا ہونا مشکل تھا۔ اگر کوئی ماضی کی رات ہوتی تو میں زندہ ہوتا اور چلا جاتا جو رکاوٹ سامنے آتی اسے ٹھکر کر دے پر رکھ کر آگے نکل جاتا مگر وہ رات کسی بھی ہنگامے کی متعل نہ تھی مجھے اس شہر سے روانہ ہونا تھا۔

"کیرو اور نکوائے آرہے ہیں: نورا کی کپکپاتی آواز نے مجھے چونکا دیا تھا میں نے پہلے نورا اور پھر اس کی رنگاہوں کے ہدف کو گردن موڑ کر دیکھا وہ دونوں پہلو پہلو فاصلہ رکھے دبے پاؤں پہلی جانب آرہے تھے۔ بدعاشوں سے بدعاشی کرتے کرتے میرے اندر اتنی نوجوان اتنی تھی کہ شریف اور بدعاش میں فرق محسوس کر سکوں دونوں کی چال اور رنگاہوں میں شرافت کی کوئی رقی نہ تھی۔

میں نے تھپتھپا یکدم بغل میں دبایا اور پشت کاؤنٹر سے لگائی، میرے قریب دائیں بائیں گول اسٹول قطار میں پڑے ہوئے تھے۔ دائیں کونے میں ایک بوڑھا اسٹول پر اکڑا ہوا بیٹا بی بی رہا تھا۔ ایک دو تین قدم آگے نکل کر یکدم پٹا اور دوسرا دائیں ہاتھ رک کر لیوینے لگا تھا۔

"بیگ ہمارے حوالے کرو۔: دائیں ہاتھ والے نے مسکرا کر کہا: اور مشر سائیک کے ساتھ لڑکیاں دیکھ لو:

"تمہیں غلط اطلاع ملی ہے دوست: میں نے کہا: اپنے باس سے ایک بار پھر پوچھ لو، مجھے لڑکیاں نہیں بلکہ صرف ایک ٹھوس لڑکی دیکھ رہے:

"اس لڑکی سے پوچھ لو۔: اس نے رز رشوں کی زد میں آنی نورا کی جانب اشارہ کیا: اگر وہ ایک رات تمہارے نام کرنے پر رضامند ہو جائے تو ہم واپس چلے جائیں گے:

"میں لڑکی سے پوچھ چکا ہوں: میں نے جواب دیا: اور وہ ایک رات نہیں بلکہ تمام عمر میرے نام کرنا چاہتی ہے:

"اور یہی میرا باس نہیں چاہتا۔: اس نے بتایا: ہاں اگر تم قسمت آزمائی کا فیصلہ کرو تو ہم پوری دیانت داری سے تمہاری اور تمہارے بیگ کی حفاظت کریں گے:

"میں صرف ایک مقصد کے کر آیا ہوں: میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا: اور وہ حاصل کر کے ہی جاؤں گا۔ مجھے اپنے باس کے پاس لے چلو۔:

"کیرو: دوسرے نے منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے کہا: تیسرا فیصلہ سناؤ:

"سنو نوجوان یہاں سے تم لانی ہوئی رقم صرف ایک صورت میں لے جا سکتے ہو، نیچے چل کر کھیلو۔:

"میں جواہری نہیں ہوں: میں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا: اور تم بھی سن لو میں رقم نہیں بلکہ مسخر حسن کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔" غول... وہ ناک میں پھنکارنا ہوا آگے بڑھنے لگا، میں جس ہنگامے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ مجھ پر زبردستی مسلط کیا جا رہا تھا میں اس ہاتھ دینے اور اس ہاتھ لینے والا شریفانہ طریقہ کار سوچ کر اندر آیا تھا۔ میں نے سن آنکھوں سے نکوائے کی جانب دیکھا۔ وہ بھی پلٹی طرح دبے پاؤں بڑھتا دکھائی دیا۔

مجھے دونوں طرف سے وہ گھیرنا چاہتے تھے اور میری پشت بھی غیر محفوظ ہی تھی۔ اندر ملہو ترے کا ملازم سانگ موجود تھا۔

دونوں قریب آکر رک گئے اور پھر بیک وقت دونوں کے ہاتھ اٹھنے لگے، میں نے بیگ پر بازو کا دباؤ ڈھیل کر دیا۔ بیگ سرکنا ہوا فرس پر جاگرا، دونوں کی قوجا ایک لحظہ کے لیے بیگ نے اپنی جانب کر لی تھی، وہی لحظہ میں نے چشم زدن میں استعمال کرتے ہوئے دو اسٹول بیک وقت پوری قوت سے اُن پر اچھال دیئے تھے۔

اسٹول کیرو کے چہرے سے ٹکراتا آگے نکل گیا تھا میں معری بان نہیں دیکھ سکا تھا لیکن نکوائے کی چیخ نا آواز میری سماعت نے سن لی تھی۔

کیرو اتنی ہی دیر کے لیے لڑکھڑا کر جھکا تھا جتنی دیر بیگ جھکنے میں ہوتی ہے، ابھی چہرے تک ہاتھ پہنچا بھی نہ سکا تھا کہ میری دھڑکی سے پرکھا کر وہ بے توازن ہو گیا تھا میں فرش پر گرتے ہی اٹکی تلابلی میں جاتے ہوئے نکوائے کی جانب سلیپ میں چلا گیا۔ میرے دونوں پاؤں اس کی ایڑیوں پر لگے اور وہ تن آور درخت کی مانند ترچھا ہو گیا تھا۔

نکوائے بالکل میرے قریب ہی گرا تھا لیکن میں برق رفتاری سے کیرو کی طرف پٹا تھا کیونکہ وہ پہلے گرا تھا اور نکوائے سے پہلے وہ سنبھل سکتا تھا۔ اگر میں نزدیک ترین ہدف کو ضرب لگانے کا فیصلہ کرتا تو یقیناً کیرو کی فلائنگ کب میرے جسم کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جاتی۔ جب میں نے پلٹ کر ادھر دیکھا تھا تو کیرو فرش پر پور چکا تھا۔

میں نے آزمودہ ٹیکنیک ہی استعمال کی تھی۔ اوپر اٹھتے اٹھتے میں پھر سلیپ میں غروب ہو گیا تھا اور جب کیرو کا جسم سنسناتا ہوا میرے اوپر سے گزر رہا تھا تو میں نے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو افقی انداز میں اوپر اچھال دیا تھا۔ میز سے کی اتنی نا ناخن کیرو کے جسم میں پوست

ہو کر نیچے سے گردن تک گہری لکیر بنانا ہوا ادا پس آیا تھا۔ کیرو شاید اپنے زور میں اپنے ساتھی کو بچاتا ہوا آگے نکل جاتا مگر میرے ناخن کی رکاوٹ نے اسے نکوائے پر ہی گرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

نکوائے اس لمحے گھٹنوں کے بل اٹھ رہا تھا، اس نے کیرو کو ہاتھوں پر دکا اور واپس میری جانب ایسے اچھال دیا۔ جیسے ہم مد مقابل والی بال کے کھلاڑی تھے۔

میں نے کیرو کو فضا میں ہی دبوچ لیا اور ایک چکر دے کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے نکوائے پر رخ دیا۔ دونوں ہی حلق پھاڑ کر ڈکرائے تھے۔ چونکہ نکوائے نیچے تھا۔ اس لیے اسے دوسری ضرب نے بے کار کر دیا تھا البتہ کیرو کے کس بل سلامت تھے۔ وہ کسی زخمی درندے کی مانند دھواڑتا ہوا میری جانب آیا تھا، نکوائے چت پڑا ایڑیاں رگڑنے لگا تھا۔

کیرو نے یقیناً اپنی جلد بازی اور مد مقابل کو حقیر سمجھنے کی حماقت کا اعتراف کر لیا تھا۔ یہی وجہ رہی تھی کہ وہ بے حد محتاط اور پٹھرے ہوئے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے میری چال بھی سمجھ لی تھی کہ میں نے ہر بار اُن کو ہی حکم کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔

"کیرو: سانگ نے ہانک لگائی اور ایک چاقو فضا میں تیرتا ہوا کیرو کی مٹھی میں آگیا۔ اس نے جس ماہر انداز طریقے سے فضا سے کھلا ہوا چاقو ہاتھ میں لیا تھا۔ اس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ خبر زنی کے فن سے بھی واقف ہے۔

"نہیں... نہیں... ناول مت کھیلو۔: ہال میں سے کسی کورت کی احتجاجی چیخ سنائی دی: نوجوان ہنستا ہے:

کاش میرے پاس صرف ایک ثانیہ ہوتا اور میں اس انصاف پرست عورت کو دیکھ لیتا لیکن میں کیرو کی آنکھوں سے ایک لحظہ کے لیے بھی آنکھیں ہٹانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔... میرے دل و دماغ میں بس ایک ہی خطرے کی گھنٹیاں چیخ رہی تھیں کہ کیرو کہیں چاقو پھینکنے کا ارادہ نہ کر بیٹھے، ایسی نازک پوزیشن کو سنبھالنا میرے لیے انتہائی مشکل ہو جاتا۔ میں آج بھی اس کی جرأت کی تعریف کروں گا، اس نے ہتے مد مقابل کے سینے کا نشانہ لینے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ وہ چاقو والے ہاتھ کو نصف دائرے میں ماہر انداز میں اہاتا ہوا نہایت ہی سست رفتاری کے ساتھ قدم قدم فاصلہ مٹا رہا تھا۔ پہلے تو میں نے فیصلہ کیا کہ پیچھے ہٹنا ہوا ٹوٹے ہوئے اسٹول تک رسائی حاصل کروں اور اسٹول کو بطور ڈھال استعمال کرتا ہوا کسی مضبوط آڑ تک چلا جاؤں، لیکن بڑھتے ہوئے دشمن اور کوبرے کو حرکت

مشعل کر دیا کرتی ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ کیرو اشتعال میں آکر وہ داؤ آزمانے کا فیصلہ کرے جس سے میں بہر طور بچتا چاہتا تھا۔ مجھے پسپا ہوتے دیکھ کر وہ چاقو پھینک سکتا تھا اور میرے سامنے کوئی آڑ کوئی ڈھال نہ تھی اور سنسنائے ہوئے چاقو کی رفتار کا مقابلہ بھی مشکل ہی ہوتا۔ میں دونوں پاؤں پر جم گیا تھا، ایسے ہی جیسے چاقو کی چمک نے میری قوتوں کو سلب کر لیا ہو۔ اس سکوت اور سکون نے کیرو کو تذبذب میں ڈال دیا تھا، وہ پھر غلط فہمی کے گرداب میں جا کر اٹھا، جب درمیانی فاصلہ صرف دو قدم رہ گیا تب بھی میلوٹے کا ہنر بدن بے حس و حرکت ہی رہا تھا۔ اُس نے بڑے سکون سے قدم چڑھایا اور پھر اُس کا چاقو برادر ہاتھ بجلی کے شکارے کی مانند ہر اتا ہوا میرے پیٹ کی جانب جھکا، مٹا میری دائیں ٹانگ بھی لہراتی ہوئی اوپر اٹھی اور پاؤں کیرو کی کلائی سے ٹکرایا، یقیناً ہال میں بیٹھے لوگوں نے بھی ہڈی ٹوٹنے کی آواز سنی ہوگی۔

چاقو اوپر اچھل کر جب نیچے جا رہا تھا تو میں نے طویل چھلانگ لگا کر فضا میں ہی اسے دبوچ لیا تھا، کیرو کلائی کو دوسرے ہاتھ کا سہارا دے کر جھاک نکلتا تھا، لیکن میں نے پک کر اُس کی پنڈلی پر پاؤں کی ضرب لگائی اور بائیں ہاتھ کی ترچھی پتیلی اُس کی چربی جلی گردن پر جمادی۔

وہ بے آواز آٹے کی لوری کی مانند میرے پاؤں میں ڈھیر ہو گیا تھا۔

"مسٹر سنگھا..." میں نے کیرو کی گردن پر پاؤں رکھ کر فتنہ اوپر کر کے بلند آواز سے کہا "دوستی کے نام پر میں تمہارے نمائندوں کو زندگی دے دے ہوں"

اُسی لمحے ٹیلی فون کا بزن بجنے لگا، مسٹر سنگھ نہ جانے کہاں چھپ گیا تھا، ریسپونڈر ان نے اٹھا یا تھا۔

"اوہ... ہاں باس، بہت بہت شکریہ، میں اُسے اوپر لارہی ہوں، فوراً ریسپونڈر لکھ کر کاؤنٹر کی کھڑکی سے دوڑتی ہوئی باہر نکل آئی، میرے بھائی... میرے شیر بھائی، وہ خوشی سے ہانپ گئی۔

"باس تم سے ملنا چاہتا ہے، آؤ وہ اوپر کارڈ ور میں ہمارا منتظر ہے۔"

"کوئی چال...؟ میں نے چاقو بند کرتے ہوئے کہا، کیا تمہیں یقین ہے وہ دھوکا نہیں دے گا؟"

"نہیں وہ چمک رہا تھا، فوراً پرچہ آواز میں بتانے لگی، اُس نے اوپر سے فائیت دیکھی ہے"

"چلو... میں نے کندھے اچکا کر کہا اور بیک اٹھا کر اُس کے ساتھ چل پڑا، آج خدا کی قسم... مجھے معلوم ہوا ہے، میری قوم کی مائیں کیسے کیسے نادر بیٹے جنتی ہیں، تم حیرت انگیز ہو میرے بھائی، کاش میں تمہیں کوئی نام دے سکتی، میں اُدھر جا کر تمہیں کس نام سے اپنی یادوں کے دریچوں میں سما کر رکھوں گی، گھومتی سیڑھیاں چڑھ کر جوں ہی ہم ایک تنگ اور نیم روشن راہداری کے منہ پر گئے تو ایک لڑکی نے جھک کر تعظیم دی۔

"اب آگے صرف یہ نوجوان جائے گا، اُس نے نرم اور موزن آواز میں کہا، تم ہمیں رک کر باس کے بلاؤے کا انتظار کرنا، آؤ ان جانے دیں کے بہادر نوجوان..."

"اوہ... لیکن یہ تنہا...؟ نورال تڑپ کر میرے بازو سے پٹ گئی۔

"گھبراؤ نہیں بہن، میں نے اُس کے ہالوں کو تھپ تھپا کر کہا۔

"میں تمہاری دعاؤں کی ڈھال ساٹھ لے جا رہا ہوں۔"

میں لڑکی کے ساتھ راہداری میں داخل ہو گیا، دور وہ کمرے قطار دھ قطار دوڑ جا کر اندھیرے میں ڈوبے دکھائی دے رہے تھے، مٹا میری سماعت سے ایک نسوانی چیخ مٹرائی اور میرے قدم ٹھٹھک گئے۔

"چلتے رہو نوجوان، لڑکی نے سرگوشی کی، آگے کسی کمرے سے قہقہہ بھی سن سکتے ہو، یہاں آنسوؤں، چیخوں اور قہقہوں کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کسی عورت کو مدد کی ضرورت ہے، میں نے متذبذب پیچھے میں کہا۔

"نہیں، لڑکی نے نفی میں سر ہلایا اور اس کی پھلتے دار زلفیں اُس کے چہرے پر پھریں، ادھر پیشہ ور لڑکیاں ہیں، ان میں کچھ تشدد پسند بھی ہیں۔ جس طرح عادی نشے باز سہم میں سونیاں داخل کرتے ہوئے سرور میں جھپکتا ہے، بالکل اسی طرح یہ غلیظ لڑکیاں تشدد سے اپنی پیاسی خواہشوں کی تکمیل کرتی ہیں، وہ چلتے چلتے رک گئی، بند کمرے کے کواڑ پر دستک دینے لگی۔

"اُسے آنے دو، اندر سے مانوس آواز آئی اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ روایات سے ہٹ کر ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک ڈیسک کے پیچھے اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا، اُس کی شکل دیکھ کر مجھے اپنا بولہ بلی گتیا یاد آگیا جس کی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھیں ہر وقت نیم خوابیدہ رہتی تھیں اور باچھیں ٹٹھی ہوئی تھیں، گول چھوٹا ہڈا چہرہ پیچھے چمک جانے کی وجہ سے شکل کتے سے مشابہت رکھتی تھی

اُس کے بڑے بڑے کان آگے کی جانب مڑے ہوئے تھے، اور بالوں سے بالکل بے نیاز تھا، بیٹھ جاؤ نوجوان، وہ سرخ آنکھوں سے ہنستا ہوا بولا، تم اچھے فن کار ہو اور یہی تمہاری سفارش میں نے تمہیں لڑتے دیکھا ہے، جانتے ہو وہ دونوں میرے ہال کی ناک کی حیثیت رکھتے ہیں، میری ذات اور کاروبار کی ہمت ہی کے کندھوں پر قائم ہے۔"

"مجھے انسو ہے جناب، میں نے اپنی زبان کو قابو میں نہ ہونے نہامت کا اظہار کیا، میں لڑنے بھڑکنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔"

"میں خوش ہوں، وہ ہنس کر بولا، مجھے وہ بنیاد آزمانے کا نفع مل گیا ہے جس پر میری ذات کی بلند عمارت کھڑی ہے اور وہ بوط استون مل گیا ہے جس پر میں اتنی ہی بڑی دوسری عمارت کھڑی کر سکتا ہوں۔"

"فزع نوازی کا شکریہ جناب، میں نے انگسار انداز میں میں تو ابھی اس میدان کا رنگ روٹ ہوں۔"

"غیر باتیں بعد میں ہوں گی، وہ پرچ سے خشک فروٹ کا ڈاٹھاٹے ہوئے بولا، مجھے بتاؤ یہ مسز حسن کا کیا معاملہ ہے، سے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟"

"اپنے وطن، کیونکہ وہ میری بہن ہے... میری بات پر پھل پڑا۔

"بہن...؟"

"ہاں دینی بہن..."

"اوہ... اچھا... اُس کا تاتاؤ ہنسی میں بہ گیا، لیکن اس کی ایک بہن اور بھی یہاں ہے۔"

"کون ہے؟ میں تڑپ سا گیا، میں... میں... اس کی رہائی دینے بھی سودا کر سکتا ہوں۔"

"لیکن وہ میری قید میں نہیں ہے بیالے، اُس نے ہنسنے سے طنز یہ پیچھے میں کہا، اُسی نے مجھے سنایا تھا کہ وہ ادھر بھی آت تھی، جب اسلامی قانون نے اُس کا دھندا بند کر دیا تو گرائی۔"

"اس کا معاملہ بعد میں طے ہو گا مسٹر سنگھا، میں نے کھولتی زمین کہا، پہلے مسز حسن کی بات کرو، مجھے پتہ چلا ہے اس کا فائدہ مارا مقروض تھا اور اب تم اس قرض کی وصولی اُس کی بیوہ کے نام وصول کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں... اُس نے منہ چلائے ہوئے کہا، یہ تو کاروباری اصول

ہے، قرض تو بہر طور وصول کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"کیا تمہارے ملک کا قانون خاوند کا قرض میوی سے وصول کرنے کی اجازت دیتا ہے؟"

"میرا اپنا ایک الگ قانون ہے، وہ بولا، میں اپنے قانون کے مطابق فیصلے کیا کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں نے بیگ کی زپ کھولتے ہوئے کہا، میں قرض کی رقم لے آیا ہوں، وصول کرو اور مسز حسن کا پاسپورٹ میرے حوالے کر دو۔"

"دس ہزار پونڈ..."

"ہاں... میں نے اثبات میں سر ہلایا اور گڈیاں بیگ سے نکالنے لگا، حالانکہ تم اس کی تنخواہ کے کچھ رقم وصول کر چکے ہو لیکن میرے پاس حساب کتاب کا وقت نہیں ہے، تم لوہری رقم لے لو۔"

اُس نے ایک گڈی اٹھائی اور چند نوٹ اوپر نیچے اور درمیان سے الٹ پلٹ کر دیکھے اور پھر تمام گڈیاں اپنی جانب سرکاتے ہوئے خوش دلی سے بولا، نوجوان، اٹھا لے اس جذبے کی روح میں کچھ بھی ہے لیکن میں تسلیم کرتا ہوں تم ذہین اور طاقت ور مکمل مرد ہو، تم نے خوب صورت انداز دکھائے اور خوب صورت انتخاب ہے تمہارا، مسز حسن اتنی خوب دوتو نہیں لیکن ایک پاکیزہ خیالات کی ضدی عورت ہے اور اسی ضد سے وہ میری نظروں میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے، اُس نے گھوم کر پہلے ایک بٹن برائگی رکھی اور پھر آہنی سیف کا پٹ کھول کر قطار میں رکھے پاسپورٹوں میں سے نورال کا پاسپورٹ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا، جب میں نے پاسپورٹ اٹھا ناچا ہا اُس نے پاسپورٹ پر اپنا چوڑا اور بد وضع ہاتھ رکھ دیا، نہیں مسٹر، یہ رقم تو مسز حسن کے کھلتے ہیں جائے گی، مسز حسن میری ملازمت میں ہے اور تین سال معاہدے کی رُو سے وہ میری ملازمت نہیں چھوڑ سکتی، لیبر لاء کے عین مطابق اُسے این اوسی کے ایئر کوئی پارٹی فرم یا شخص نہیں لے جاسکتا، ہاں اگر تم این اوسی خریدنا چاہو تو صرف پانچ ہزار پونڈ اور اد اُردو اور اُسے لے جاؤ۔"

"سنو مسٹر سنگھا، میں نے غراتے ہوئے کہا، تم جو کچھ اور جتنا کچھ مجھے پیمان چکے ہو، وہ صرف میری ذات کی کتاب کا دیباچہ ہے، تم سراسر بد دینا تھی اور بد معاشی پر اُتر آئے ہو، وہ صرف مقروض شوہر کی وجہ سے پابند تھی، اب دنیا کا کوئی قانون اُسے نہ پر دستی نہیں روک سکتا۔"

"یس سر، نسوانی آواز سن کر میں نے گردن موڑی لیکن وہی لڑکی کھڑی تھی۔

"مسز سن کو اندر بھیج دو" مہو ترے نے کہا: ہاں تو تم کسی قانون اور بد معاشی کی بات کر رہے تھے تو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ یہاں صرف میرا قانون چلتا ہے اور میں کوئی راہب نہیں ہوں نہ ہی یہ خالق ہے، یہ اس شہر کا سب سے بڑا قمار خانہ ہے اور قمار خانے کا مالک بد معاش ہی نہیں بلکہ ہزار بد معاشوں کا مجموعہ ہو سکتا ہے! میرا جسم غصے سے ٹپکنے لگا تھا اور ہاتھ بڑی طرح خارش محسوس کرنے لگے تھے۔

"آؤ مسز سن... مہو ترے بولا اور نوراں میرے دائیں کندھے کے ساتھ آکر کھڑی ہو گئی۔

"تم کیوں اور کہاں جانا چاہتی ہو؟ اُس نے ڈیسک پر ہاتھ مار کر پوچھا: آخر کیوں؟

"اس لیے کہ یہ میرے لیے مناسب جگہ نہیں! نوراں نے نہایت تحمل سے جواب دیا: میں واپس اپنے وطن جانا چاہتی ہوں!" اور وہ معاہدہ...؟

"قرض چکانے کے بعد میں کسی معاہدے کی پابند نہیں رہی!" اگر میں تمہیں پابند رکھنا چاہوں تو...؟

"تب بھی میں گزارش کروں گی!" نوراں شاید میری وجہ سے حوصلہ ساتھ لاتی تھی: "مجھے جانے کی اجازت دی جائے کہ میں اس فیشن میں کسی جگہ فٹ نہیں ہو سکتی، اگر تم نے مجھے فٹ کرنا چاہا تو میں ٹوٹ جاؤں گی یا تمہاری مشینری خراب ہو جائے گی، ہم دونوں کا مفاد اسی میں ہے مسز سن کا، تم مجھے آزما چکے ہو۔"

"میں... میں یہ رسک لوں گا!" وہ آگے بھٹک کر بولا: "میں اس مشین میں فٹ ہونا چاہتا ہوں، میرے ہاتھوں میں مٹی بھی سونا بن جاتی ہے، تم بھی رگوں کو اپنی سوچوں کی ساخت بدلنے پر مجبور ہو جاؤ گی اور میں جانتا ہوں یہ تمہارا بھائی نہیں... اس نے تمہیں اپنی مردانہ وجاہت سے متاثر کر لیا ہے!"

"نہیں... نہیں... نوراں حیرت سے کہنے لگی: "یہ غلیظ الزام نہ دو!" یہ میرا بھائی ہے اور میں اس کی بہن ہوں!"

"اؤ نہہ... اس نے کرنسی نوٹوں کی گڈیاں اور پاسپورٹ سمیٹ کر دراز میں ڈال دیے، اس کی ایک اور بہن بھی ہے جانتی ہو ٹینہ کو... سنو نوجوان یہ ڈرامہ یہاں نہیں چلے گا، وہیں اور ملک کے حوالے سے صرف مسز سن نہیں قید بھی تمہاری بہن ہے، جانتے ہو وہ اس وقت کس کی گرفت میں ہے!"

"خاموش... میں ٹھٹھیاں بچھ کر دھاڑا: "وہ... وہ گندی نالی میں ریٹکنے والی غلیظ مخلوق میری بہن نہیں ہو سکتی،

میری قوم اور ملک سے کوئی تعلق نہیں... مہو ترے نے قبضہ لگایا اور ٹیلی ویژن کا بٹن آن کر کے ناب گھمانے لگا۔

مٹا اسکرین پر ایک بیڈروم کا منظر آ جا کر ہو گیا: "بچو نوجوان... بچو نوراں... مہو ترے کی طنزیہ آواز میری ذہنی سماعت سے ٹکرائی۔ ایک نوجوان بے حجاب لڑکی گاؤں کی گلیوں سے ٹھیک نکلے غم دراز تھی ایک توندیل رینگے نامی شخص اس کی کلائی چاٹ رہا تھا، لڑکی بڑی طرح کھل کھلا کر ہنس رہی تھی اور میری رگوں میں رواں فون جیسے گرم لاوے میں بدل گیا تھا، لڑکی نے اُسے دھکا دیا اور وہ گھٹنوں کے بل ہو کر ہانپنے لگا تھا۔

"بند... بند کرو یہ شیطانی کھیل... میں نے چیخ کر کہا: "تم میری تدلیل نہیں کر سکتے!"

اُس نے ہاتھ بڑھا کر بٹن آف کر دیا اور اسکرین کا مکروہ سین اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔

"ٹینہ پاکستانی ہے اور اس کا ساتھی مدراس کا ایک ہندو سیٹھ ہے، اُس نے بطور خاص پاکستانی لڑکی کی فرمائش کی تھی۔" "ٹھیک ہے مسز سن کا" میں نے دونوں ہتھیلیوں پر جسم کا بوجھ ڈالتے ہوئے غم استادہ ہو کر کہا: "میں کل پھر آؤں گا۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھنے کے لیے فوراً آگے جھکا اور میرا دایاں ہاتھ چھٹکارا ہوا اُس کی گردن پر لگا، مجھے یقین نہیں تھا کہ اچھے تن و نوش کا نامی گرامی بد معاش میری ایک ضرب بھی سہہ نہ سکے گا، اُس کا منہ کھلا اور "اول" کی ہلکی سی آواز کے ساتھ وہ لڑھک گیا تھا۔

میں نے پھلاٹنگ لگائی اور دوسری طرف جا کر اور صرف آدھے منٹ میں، اُس کی دراز میں رکھے کرنسی نوٹ بوڑھا رز، اسٹریٹنگ دینار اور ریال کی مالیتوں میں تھے۔ بیگ میں جا چکے تھے، نوراں کا پاسپورٹ اور یہ دیکھے بغیر کہ فٹ کس ملک اور مائیت کے ہیں، پانچ گڈیاں اُس کی طرف اٹھاتا ہوا میں باہر نکل آیا تھا، ہم اپنی مدد آپ کے تحت یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔

"نن... نہیں... تمہیں چھوڑ کر..."

"نوراں... میں نے گرفت آواز میں کہا: "نکل جاؤ اور پہلی فرصت میں یہ شہر چھوڑ دینا..." میں نے بیگ سنبھالے ہوئے قدم اٹھائے اور پھر پلٹ کر پوچھا: "ٹینہ کس کمرے میں ہے جلدی بناؤ..." اور میرا انتظار نہ کرنا..."

"روم... روم نمبر پندرہ... نوراں نے لرزتی آوازیں کہا اور نوٹ اپنے اسکارف میں لپیٹی ہوئی میرے ساتھ ہی چل پڑی تھی۔ باہر وہی لڑکی کھڑی تھی۔ میں اُسے دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے

کڑبڑا سا لیا تھا۔

"اوہ ٹینہ مجھے ہاس نے رہا کر دیا ہے۔ ویسے میں کل آؤں گی تم سب دوستوں سے ملنے..."

"بہت خوشی ہوئی، ٹینہ نے بے دلی سے کہا اور پھر ہم دونوں راہداری میں داخل ہوئے ہی دائیں بائیں بکھر گئے، مطلوبہ کو زیادہ دور نہ تھا۔ بائیں ہاتھ ساٹواں کمرہ تھا۔ میں نے فکری لمحوں پر ہاتھ رکھا اور مخصوص جھٹکا دیا تالا احتجاج کرتا ہوا کھل گیا تھا۔ میں نے بند کواڑوں کو جوتے کی نوک ماری اور اندر داخل ہو گیا۔ تالا ٹوٹنے کی آواز یقیناً وہ سن چکے تھے۔ میں سامنے گیا تو اُن کو اپنی طرف ہی متوجہ پایا، بوڑھا سکڑ گیا تھا لیکن ٹینہ میرے سر پاپا کو بڑی دلچسپ اور عجیب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ "اے مسٹر اندر اب تم چلے پھر تے نظر آؤ، ٹینہ نے جھماہی لیتے ہوئے کہا: "دوہرا گاہک بھیج دیا گیا ہے!"

"لیکن... لیکن تم... میں نے رات بھر کی بلنگ کرائی تھی!" وہ بھڑک اٹھا: "یہ ہے ایمانی نہیں چلنے دوں گا!"

"تمہارا وطن؟" میں نے قریب جا کر کمرے سے ٹینہ کا جسم ڈھانپ کر سوال کیا۔

"پاکستان..."

"واپس اپنے وطن جانا پسند کرو گی؟" حیب میں چاقو میری گرفت سخت تر ہوئی جا رہی تھی۔

"نہیں... اُس نے نفی میں سر ہلایا: "وطن میں کیا رکھا ہے روزے، نمازیں، پر وہ اور... میرا ہاتھ اُس کے حلق پر جم گیا اور اُس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے ابل پڑی تھیں۔

"زبان... اپنی ناپاک زبان باہر نکالو..." میں نے انگلی اور انگوٹھے کا دباؤ بڑھایا اُس کی زبان باہر نکل آئی۔ چاقو کا بٹن دباتے ہی پھل باہر آیا اور میں نے دائیں گھٹنے کو اس کے سینے پر رکھ دیا وہ پھلی کی مانند تڑپ رہی تھی اور پھر چاقو نیچے جھکا اور دوسرے لمبے اُس کی زبان کٹ کر میری پھلی میں تڑپنے لگی تھی۔ اب تم میرے پاک وطن کا نام بھی نہ لے سکو گی۔ مسٹر آئندہ... یہ اب پاکستانی نہیں بلکہ ایک ذلیل گتیا ہے... شوق سے اپنے دام کھرے کرو... میں نے زبان اچھالی اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

مہو ترے نے بہن کی گالی دے کر جو انگارہ میری روح کی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔ وہ بچہ گیا تھا لیکن وہ جگہ ہنوز جل رہی تھی درد کر رہی تھی جہاں انگارہ چٹا ہوا تھا۔ کاش وہ لڑکی ایک دفعہ ہی سی ندامت کا اظہار کر دیتی، وطن واپس جانے پر صدمہ مند ہو جاتی تو میں

مہو ترے کے دراز سے نکالی ہوئی ساری دولت اُس کی تھولی میں ڈال دیتا اور اُسے جان پر کھیل کرواں سے نکال لے جاتا۔

وہی لڑکی جیتی ہوئی مہو ترے کے کمرے سے نکلی تھی اور سیڑھیوں میں غروب ہو گئی تھی۔ اگر وہ مجھ سے دُور نہ ہوتی تو شاید میں اُس کا منہ بند کر دیتا۔ مگر فاصلہ اتنا تھا کہ میں صرف طویل سانسوں میں ہی ڈوبتا ابھرتا رہ گیا تھا۔ خطرے کا الارم ہوٹل کی دیواروں سے سر ٹکراتا جب میری سماعت سے ٹکرایا تو میں اُدھر ہی دوڑتا چلا گیا جہر سے آیا تھا کیونکہ کوئی راستہ مجھے دکھایا نہیں گیا تھا۔ دوڑتا ہوا جب میں سیڑھیوں کی جانب گیا تو بال میں کھلبلی مچی ہوئی تھی، مسٹر سانگ بیچ بیچ کر کچھ کہہ رہا تھا، سب کی نگاہیں اوپر ہی لگی ہوئی تھیں۔

"وہ رہا... وہ آ رہا ہے... باکس نے چیخ کر کہا: "شاہ باں کو جاؤ!" کسی ہم پسند لڑکی نے مجھے بیچ کر مشورہ دیا تھا لیکن میں بس تیس منٹ کی بلندی سے پکے فرش پر کودنے کا مشورہ قبول نہیں کر سکتا تھا، مجھے بہ طور سیڑھیوں ہی استعمال کرنا تھیں اور جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا تو ایک گول کشادہ سوراخ نے منہ بردار اگلے شروع کر دیے تھے۔ وہ غالباً نہ خانے کی لفٹ ہی تھی۔ وہ اچھل اچھل کر باہر آ رہے تھے اور ابھی کسی کی گھبر پڑی تھی، وہ تعداد میں چار تھے اور چاروں کے ہاتھوں میں سیاہ رنگ کی اسٹین گنیں تھیں اس سے قبل کہ کوئی اُن کی توجہ میری جانب مبذول کرنا، میں نے ادھر اُدھر آڑ کے لیے دیکھا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر دائیں بائیں سنگ مرمر کے لانگ سائیز گل دان رکھے ہوئے تھے اور سفید پھول میری بے بسی پر مسکرا رہے تھے۔ وہ چاروں دوڑتے ہوئے کاؤنٹر کی جانب بڑھتے چلے گئے تھے۔ غالباً مسٹر سانگ نے وجہ بتائے بغیر ہی اُن کو اوپر بلالیا تھا اور اب وہ اس سے وجہ دریافت کرنے لگے تھے۔

"اُدھر اوپر کھڑا ہے!" مسٹر سانگ نے حلق پھاڑ کر اُن کو بتایا اور اس سے قبل کہ وہ پلٹ کر اوپر دیکھتے اور میرے جسم کی جانب بیک وقت گولیوں کی ڈار روانہ کرتے میں کودا اور قریب ترین گل دان کی لفٹ میں چھپ گیا تھا۔

میرے ذہن میں خوش فہمی قسم کی کوئی شے نہ تھی میں جانتا تھا میری قسمت کا ستارہ ڈھنڈی ہے اور خطرات میرے تعاقب میں شکار سی کتوں کی طرح منہ اٹھائے چلتے رہتے ہیں۔ شاید کچھ لوگ مجھے ہی مورد الزام ٹھہرائیں کہ میں خود ہی جھڑپوں کے چھتے پر پتھر مارنے کی حماقتیں کرتا ہوں۔ میں تردید نہیں کروں گا صرف یہ جواز پیش کروں گا کہ میرے ہاتھ میں پتھر تھوکتا کوئی ہے

... اگر ملہوتے شرافت اور ایمان داری سے یہاں ادا کرتا... اس ہاتھ لیتا اور دوسرے ہاتھ میری مطلوبہ شے میرے حوالے کر دیتا تو یقیناً صورت دوسری ہوتی مگر اُس نے سوداے کرنے میں شرارت دکھائی۔ پھر بھی میں نے چاہا تھا کہ ہاتھوں کو روک کر خاموشی سے نکل جاؤں، میں تو یہی ارادہ کر کے وہاں گیا تھا کہ ہنگاموں نے امن بچائے رکھوں گا۔ پھر اُس نے مجھے بہن کی گال دی اور بتایا کہ تمہاری ایک بہن ہندو سیٹھ کے ساتھ دیکھی جا رہی ہے تو میرا خون ایک دم کھل اٹھا تھا وہ گالی، انگارہ بن کر میری روح کی تھیلی سے چپک گئی تھی ادھر جانا اور اپنی نام نہاد بہن کو اپنی غیرت اور وطن کی ناموس کو بچانا میرے فرض میں شامل ہو گیا تھا۔

ملہوتے ہی وہ ان دیکھا ہاتھ تھا جس نے پتھر میرے ہاتھ میں دے دیا تھا اور وہی پتھر میں نے چھتے پردے مارتا تھا۔ پھر میں بھینچتا ہوا چھتے سے اڑ کر چاروں طرف پھیل گئی تھیں اور زبردستی ڈنک مارنے کے لیے مجھے تلاش کر رہی تھیں اور میں گلدان کی ادھ سے ان غصیل بھڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا کیونکہ جب میں گلدان کی ادھ میں غوطہ کھاتا تو وہ مسٹر ساگ سے ہدایت لے رہے تھے۔ ہاں، ہاں میں موجود لوگوں نے مجھے گلدان کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا تھا لیکن چھتے چلا تے لوگ یکدم ہی خاموش ہو گئے تھے جیسے اُن کو سانپ سونگھ گیا ہو یا موت کے فرشتے نے اُن کی آوازوں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہو، اُس دن مجھے احساس ہوا تھا کہ آواز کی طرح خاموشی بھی اپنے اندر ایک اثر رکھتی ہے۔ گہری خاموشی نے میرے اعصاب کٹھن کر دیے تھے میں صرف اپنے دل کی دھڑکنوں کی آواز ہی سن رہا تھا۔

خاموشی کی وجہ یہ تو یہی ہوئی لوگ اُن سفاک قاتلوں کو دیکھ کر سہم گئے تھے۔ ایک اجنبی کے خوفناک انجام نے اُن کی زبانیں گنگ کر دی تھیں یا وہ سانسیں روک کر تماشا دیکھ رہے تھے وہ کچھ بھی رہی ہو مگر اُن کی خاموشی میرے حق میں گئی تھی۔ وہ درندے جہاں سے لے کر جب پلٹے تو مجھے اوپر نہ پا کر اچھتی لگا ہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ انھوں نے پلٹ کر لوگوں کی جانب بھی سوالیہ

لگا ہوں سے دیکھا تھا مگر کسی نے بھی اُن کے سوالوں کا جواب نہ دیا تھا حالانکہ سب جانتے تھے کہ نکار گلدان کی آڑ میں دیکھا ہوا ہے۔ "اوپر جاؤ۔" ساگ نے اُن کو تذبذب میں دیکھ کر حکم دیا۔ "وہ عقی سیرھیوں کی طرف گیا ہوگا۔"

"شکر یہ پیارے۔" میں نے دل ہی دل میں ساگ کا شکریہ ادا کیا جس نے مجھے ایک دوسرے رستے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن

سوال اب یہاں سے نکلنے کا تھا کیونکہ وہ چاروں دو دو کی ٹولی میں بیڑھیاں چڑھتے اوپر آ رہے تھے اگر میں عقی رز سینے کی خوشی میں اٹھ کھڑا ہوتا تو اسٹین گنوں کی بوچھاڑ ایک سیکنڈ میں مجھے بھون ڈالتی۔ میری حالت اُس شگوش کی تھی جو بھدنی جھاڑی میں دیکھا شکاری کتوں کو اپنی جانب قدم قدم بڑھتے دیکھ رہا ہو۔ اگر وہ صرف شکاری کتے ہی ہوتے تو میں جست لگا کر نکل بھاگتا۔ فیصلہ تیز رفتاری کے ہاتھوں میں ہوتا جو تیز دوڑتا وہی میدان مار جاتا۔ لیکن وہ ملہوتے کے پردہ گرے تھے اور ان کے ہاتھوں میں بوشی کی رفتار سے تیز رفتار گولیاں تھیں اگر میں بھاگتا لگا تا تو زمین چھوٹنے سے قبل بے شمار گولیاں میرے جسم میں داخل ہو چکی ہوتیں میں رہا اور بھی استعمال کر سکتا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ میری پھرتی اور مہارت زیادہ سے زیادہ آگے آنے والی ٹولی کو ناکارہ کر سکتی تھی اور وہ بھی گرتے گرتے ایک برسٹ مار سکتے تھے لہذا میں نے ریوالتور سے ہاتھ اٹھایا۔

جب وہ چاروں قدم قدم آدھی بیڑھیاں چڑھائے تو معاً میرے ہاتھ سے سر ڈنگ مرم مرم کیا جیسے اُس بے زبان نے گونگا اشارہ کیا ہو۔ پتھر کا اشارہ میں فدی سمجھ گیا تھا۔ پھر میں گھٹنوں کے بل اٹھا اور دوسرے لمحے گلدان دھماکے سے پہلی سیڑھی پر لگا اور لڑھکتا بولنے لگا۔ اچھی گلدان پہلی ٹولی سے ٹکرایا ہی تھا کہ میں نے اچھل کر دوسرا گلدان بھی اٹھایا اور بلند کر کے نیچے لڑھکا دیا۔ چاروں ناگہانی موت کو دیکھ کر چیخے لیکن وزنی گلدانوں نے اُن کو دوسری چیخ کی مہلت ہی نہ دی گلدان ان کے جسموں کو توڑتے روندتے ہوئے نیچے ہال میں چلے گئے تھے اور میں رُک کر تماشا نہیں دیکھ سکتا تھا جب میں پلٹ کر بھاگا تو ہال میں کھڑے لوگوں نے چیخ چیخ کر مجھے داد دی تھی اتنی داد شاید ہی کسی شاعر یا گھلاڑی کو ملی ہوگی لیکن میں رُک کر داد کا لطف اٹھانے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ میں اس ہنگامے اور شور شراب کے لیے جہانی کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی موضوع کیے بغیر اُن عقی سیرھیوں کو استعمال کرنا چاہتا تھا جو ابھی خطرے کی زد سے محفوظ تھیں۔

تنگ راہداری میں میرے جوتوں کی بازگشت میرے ساتھ ساتھ گونجتی دوڑ رہی تھی میں اندھا دھند یہ جانے بفر کہ بیڑھیاں کہاں ہیں دوڑ رہا تھا کہ اچانک موڑ سے نورال سامنے آگئی۔ وہ بھی مخالف سمت سے دوڑتی آرہی تھی۔ جب وہ ہوٹل کے ہال میں میرے سامنے آئی تھی تو اُس وقت اُس کے سر پر دو بیڑھیاں تھیں لیکن بدحواسی میں یا دوڑتے دوڑتے وہ دو بیڑھیاں گرا آئی تھیں اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ جلدی، جلدی وہ ہانپتے ہوئے چیخی۔ وہ تمام دروازے

درہا ہے۔

"بیڑھیاں کدھر ہیں؟ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے ہاتھ گھیسٹتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ادھر؟" اُس نے دائرہ پلانٹ کی بیلوں کی جانب اشارہ کیا۔ "میرا ہاتھ چھوڑ دو، میں تمہارے ساتھ نہیں دوڑ سکتی۔" اُس کی آواز سانسوں میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔ تب میں نے دوڑتے دوڑتے اُسے بھٹکا دیا اور بھٹک کر اُسے دائیں کندھے پر ڈال دیا کیونکہ وہ لڑکھڑانے لگی تھی۔ ابھی میں تین بیڑھیاں ہی اُتر اٹھا کہ اُس کی بے تحاشا دوڑنا ہوا سیرھیوں کے قریب سے گزرتا دکھائی دیا۔ اُسے نورال نے دیکھ لیا تھا۔ اگر وہ نہ دیکھتی تو مجھے بند کواڑوں سے بھی راستہ لینے کے لیے زور آزمائی کرنا پڑتی۔ "اوہ میرے خدا، وہ دروازہ بند کرنے جا رہا ہے۔" نورال نے کندھے پر تڑپ کر کہا اور میں نے پھرتی سے ریوالتور نکال کر فائر بھونک دیا۔ گولی دوڑتے ہوئے شخص کا دائیں ہتھلی پر لگی وہ سپر لڑکھڑایا اور پھر جب اُن کی نگاہ مجھ پر پڑی تو یکدم اکڑوں بیٹھ گیا۔ بیڑھیاں اُتر کر میں نے نورال کو کندھے سے اُتار دیا اور دو قدم چل کر نہایت آرام اور خاموشی سے اکڑوں بیٹھ گیا۔ میں کی کھوپڑی پر ریوالتور کا دستہ مارا وہ کوئی آواز نہ لے بغیر اوندھے لڑکھڑایا تھا شاید مجھے دیکھ کر ہی قوت گویاں اُس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ دروازہ کی آغوش کی مانند کھلتا ہوا تھا۔ باہر ایک تنگ اور نیم روشن تھی جو دور دور تک سسنا دکھائی دے رہی تھی۔ دائیں ہاتھ والے نے رہنمائی کرتے ہوئے بتایا۔ بائیں جانب آگے تالاب ہے۔

"کیا وہ لوگ تعاقب میں آئیں گے؟ میں نے چند قدم چلنے کے بعد پلٹ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اگر نیچے نہ جانے میں ساگ نے اطلاع کر دی تو شاید مارش بندر اچھیوں کو بھیج دے۔"

"مارش کون ہے؟ میں نے پوچھا۔

"تہ خانے کا انچارج۔" نورال نے بتایا۔ لیکن میں نے ساگ

ال سے فرار ہوتے دیکھا تھا۔ جب تم نے گلدان لڑھکا کر چاروں انظروں کو ناکارہ کر دیا تو ساگ بدحواس ہو گیا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ تم جا چکی ہوگی؟ میں نے اُس کے ہاتھ سے لے لیتے ہوئے کہا۔

"کیا مجھے ایسا کرنا چاہیے تھا؟" اُس نے میرے شانے پر ہاتھ

بند کرنے کی ہدایت کر دی تو عبدل خان کو اشارے سے میں نے منع کر دیا تھا۔ چاہا عبدل خان کو ہاٹ کا خیر پچھان ہے اور میرا واحد ہمدرد ہے۔

"اوہ تو کیا میں نے تمہارے ہمدرد کو بھی مغلوب کر دیا ہے؟ میں نے تانسف بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" وہ بولی۔ "عبدل خان ادھر آیا ہی نہیں تھا۔ یہ کوئی اور لالچی کتا تھا جو ساگ سے انعام لینے کی آرزو رکھتا ہوگا۔ یہاں تباہ حال نوجوان ایسے چھوٹے چھوٹے کام کر کے جوار یوں اور انتظامیہ سے جیب خراج وصول کرتے رہتے ہیں۔"

مجھے گھومتی ہوئی روشن سڑک پر نکل تھی اور فٹ پاتھ پر چند قدم چلنے کے بعد خالی ٹیکسی نے ہارن دے کر خود ہمیں متوجہ کر لیا تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے نورال کی جانب دیکھا لیکن بولنے سے قبل ہی اُس نے میری نگاہوں کے سوال کا جواب نفی میں دے دیا تھا حالانکہ مجھے یقین تھا وہ اپنے فلیٹ میں جانا پسند کرے گی۔ گو میں نے اُس پر احسان کیا تھا اُسے بہن کہا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک شریفانہ رات بسر کی تھی لیکن پھر بھی میں اُس کے لیے اجنبی ہی تھا۔

"میرا اپنا کوئی گھر نہیں ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور کو بیکر کے گھر کا پتہ بتا کر میں نے نورال کو بتایا۔ میں ایک محسن کے گھر رہتا ہوں اور آج رات کسی پہرہ چھت اور وہ شفقت بھی مجھے چھین جائے گی۔ اگر تم اپنے فلیٹ میں چلی جاؤ تو بہتر ہوگا۔"

"اب میرا کوئی فلیٹ نہیں، کوئی سہارا نہیں رہا میرے بھائی۔"

نورال بھرائی ہوئی آواز میں بولی جس جلتے جہاز پر سوار تھی وہ تم نے غرق کر دیا ہے۔ اب سمندر کی بے مہر ظالم لہروں اور خونی مگر پھولوں کے درمیان مجھے چھوڑ رہے ہو، ملہوتے اگر زندہ ہے تو ہوش میں آتے ہی اپنے شکاری کتوں کو میری تلاش پر مامور کر دے گا۔ پہلے وہ ہال اندر نہ کے درمیان کچھ مروت کرتا رہا تھا مگر اب اگر میں اس کے قبضے میں چلی گئی تو میری ہڈیاں بھی چبا ڈالے گا، مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ نورال نے جو کہا تھا اُس کا احساس مجھے بھی تھا لیکن میں ایک غیر متنبہائی کی

ذمہ داریاں نبھانے کی پوزیشن سے دور کیا جا رہا تھا۔ اگر میرا کوئی مستقل ٹھکانہ اور ذریعہ معاش ہوتا تو میں نورال کو خود سے جدا کرنے کا تصور بھی نہ کرتا۔ اُسے ساتھ لے جاتا اور اپنی نگرانی میں اس کے لیے واپسی کے سارے انتظامات کرتا لیکن میں خود ایک ایسے جہاز کا مسافر تھا جسے چاروں طرف سے آگ نے گھیرے میں لے لکھا تھا پھر میں اُسے کس بھروسے پر اپنے ساتھ رکھتا اور سلامتی کا یقین لاتا۔ "میں تم پر بوجھ ہوں مجھے احساس ہے۔ مجھے خاموش پا کر وہ

سسکتی ہوئی بولی: لیکن میرا ماضی اور حال تمھارے سامنے ہے اگر تم نے سہارا نہ دیا تو میں کسی دوسرے گرواب میں بچپنس جاؤں گی پھر کون آئے گا؟ ہر بار تم جیسا شریف اور غیرت مند بھائی تو نہیں مل سکتا اگر میرا بوجھ تمھاری منزل پر اثر انداز ہونے لگے تو مجھے چھوڑ دینا میں واپس چل جاؤں گی۔

تم نے شاید میری بات کو غلط سمجھا ہے: میں نے اس کی کلانی پر تھپکی دی کیونکہ وہ بری طرح رونے لگی تھی۔ ڈرائیور کو ہانک باتیں نہیں سمجھتا تھا لیکن آنسوؤں کی زبان آدم خور قبائل سے لے کر مذہب اقوام تک ایک ہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ڈرائیور کچھ بے گل سا ہو کر بار بار عقب نما آئینے میں مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے بھی تم سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ میرے ساتھ جو مجبوریاں ہیں اس کا اندازہ تمھیں ہو چکا ہوگا۔ ان حالات کے پیش نظر میں نے چاہا تھا تم اپنے پاؤں پر چلو لیکن اس کا یہ مطلب بگڑ نہیں کہ میں تمھیں پھر کسی خطرے میں ڈال کر اگ بوجاؤں گا۔ ٹھیک ہے میرا حسن خاندان یقیناً نہ دے داری قبول کر لینگا: جب میں نورال کے ساتھ اندر داخل ہوا تو سونیا اور انکل بیکر کے سوا دوسرے لوگ سوائے نشان بنے دیکھنے لگے۔ سونیا نے جھک کر ایڈنا کے کان میں کچھ کہا وہ یکدم پراسکون سی ہو کر مسکرائی تھی۔ میں آپ کے لیے دوسری بیٹی لایا ہوں انکل: میں نے نورال کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا: ہم وطن اور ہم قوم ہونے کے نلتے یہ میری بہن ہے۔ جھپٹوں کے جھٹ سے نکال لایا ہوں: نورال نے جھک کر بیکر کو سلام کیا اور لڑکیوں کی طرف بڑھ گئی۔ ایڈنا نے اٹھ کر وہاں انداز میں اسے بانہا میں لے لیا۔ البتہ سونیا نے محض ہاتھ ملانے کی رسم پوری کی تھی۔ نورال یہ میرے محسن مسٹر بیکر ہیں اور یہ جو کنوئیاں اٹھائے کھڑے ہیں میرا بھائی دوست اور چال نشان گو تھم ہے میرے بعد یہ ایک بھالی کافر ص پورا کرے گا۔

ایڈی: بیکر نے پیار سے کہا: اپنی بہن کو اندر لے جاؤ اور تم سونیا یہاں رہو گی۔ پیار سے کچھ کھانے کو مل جائے تو لے آؤ: میں نے گو تھم سے کہا جو میرے نئے چہرے کو پسندیدہ لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا: بڑی زوردار پر بیکر کے آ رہا ہوں: جب تینوں چلے گئے تو بیکر نے کسی کارن میری جانب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا: جہاز کی روانگی ٹھیک ایک بجے ہوگی۔ جانسن نے سائبہ بگنگ سے صرف چار ٹکٹ بھال رکھے ہیں۔ اس نے ایک کاربن کاپی میرے ہاتھ میں دے دی۔ علی سمیت میں افراد کے نام تھے جن میں مادام شیلی، مس ایڈنا، مسٹر جمال اور مسٹر جمال کے نام بھی موجود تھے۔

سونیا اپنا نام استعمال نہیں کرے گی: تمھاری بیوی کی حیثیت سے سفر کر رہی ہے۔

می جو کے نمائندے: میں نے پوچھا: کیا جانسن...؟ وہ ہیں: بیکر میری بات کاٹ کر بولا: مگر یہاں جانسن یا می جو نے مجھے تاریکی میں رکھا ہے۔ غالباً می جو بالکل خفیہ نگرانی کو اپنا چاہتا ہے۔ سب دوسرے پروگرام کے ساتھ تمھیں ان لوگوں کو بھی ٹریس کرنا ہوگا۔ دوسری بات جو میں پہلے بھی بتا چکا ہوں وہ اب کسی شک میں نہیں رہی ایڈی اب اس کی مجبوری پر جی ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ فلپائن کے ساحل پر جہاز نگرانی ہوگا تو وہاں مسٹر ناصر جمال کو ایڈنا دے دی جائے گی جبکہ وہ اپنا مال ساحل سے دور اپنی بوٹ میں منتقل کرے گا، ظاہر ہے ایڈنا اس کے پاس نہیں ہے وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتا اور وعدہ نہ پورا کرنے کی صورت میں اسے میرے رد عمل کا بھی خوف ہے لہذا وہ یقیناً اپنا مال اتارنے کے بعد جہاز کو نقصان پہنچائے گا تاکہ ایڈنا کو حادثے کے کھاتے میں ڈال کر میری طرف سے سرخ رو ہو جائے، لہذا مال اتارنے سے قبل ہی تم لوگ جہاز کو چھوڑنے کا راستہ خود تلاش کرو گے۔

کھلے سمندر میں ہم کیا کر سکتے ہیں انکل: سونیا نے پوچھا: کیا آپ بھی می جو کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے کسی بوٹ کا انتظام نہیں کر سکتے؟

میں انتظام کر چکا ہوں میرے بچو: بیکر نے بتایا: ایک بوٹ جہاز کے ساتھ جائے گا، تمھیں اسی بوٹ کو استعمال کرنا ہوگا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ کوئی اپنا طراح ساتھ کر دوں مگر جانسن نہیں مانا تم کسی بھی طراح کو بوٹ چلانے پر مجبور کر سکتے ہو۔

کیا اس پتھر سے ہمارا کوئی تعلق ہوگا؟ میں نے پوچھا: اگر آپ جانسن کے حق میں دست بردار ہو چکے ہیں تو ہم صرف مال پر نگاہ رکھیں گے۔

لا تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میرے بیٹے: بیکر ہاتھ رگڑتے ہوئے بولا: لیکن ترجیح تم صرف مال کو دو گے۔ ہاں اگر پتھر بھی حاصل کر لو تو ہم دیکھیں گے اس پتھر کے ساتھ گردش کرتی ہوئی کہانی کہاں تک درست ہے۔ تمھیں بیک وقت تین سمتوں اور طاقتوں سے لڑنا پڑے گا می جو، جانسن اور مادام شیلی: میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا انکل: میں نے کہا: اگر گو تھم بھی ساتھ ہوتا تو میں پشت پر اسے رکھتا۔ سونی بہر حال ایک نرم و نازک لڑکی ہے۔

گو تھم کی مجھے اور ایڈی کو ضرورت ہے: بیکر نے معذرتی لپچ میں کہا: تم فلپائن میں پاؤں جما لو گے تو میں ایڈی اور گو تھم کو بھیج دوں گا۔ ایڈی زیادہ عرصہ قید میں نہیں رہ سکتی۔ می جو اگر یہاں سے چلا بھی گیا تو کچھ لوگ چھوڑ جائے گا میں نہیں چاہتا ایڈی ان کی نگاہوں میں آئے، اسے بہر طور تمھاری ذمے داری پر جانا ہوگا: "انکل: میں نے ایڈنا کے موضوع کو بدلنے کی خاطر کہا: کنوئیک سونیا نے چونک کر میری جانب دیکھا تھا بیکر نے بڑے واضح انداز میں ایڈنا کا مستقبل میرے ساتھ تھکی کر دیا تھا جبکہ سونیا بھی مجھ پر حق جتانے والوں میں شمار تھی اور مجھے بھی اس کے تعاون کی ضرورت تھی: یہ پتھر والی کہانی کسی طرح میرے حلق سے نیچے نہیں آتی، اگر پتھر اتنا ہی اہم ہے تو اس کی تشہیر کیوں کی گئی اور مادام شیلی دوسرے محفوظ ترین ذرائع چھوڑ کر بحری سفر کیوں کر رہی ہے۔ تیسری بات یہ بھی عجیب ہے کہ اس نے جہاز کی روانگی کے پروگرام میں تبدیلی کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

یہی سب کچھ تو تمھیں معلوم کرنا ہے: بیکر نے جواب دیا: عین ممکن ہے پتھر کی آڑ میں کسی کا کوئی دوسرا مقصد ہو: گو تھم نے بڑے میرے سامنے رکھ دی اور مؤدب انداز میں دو قدم ہٹ کر کھڑا ہو گیا: وہ لڑکی بھی میرے ساتھ چھوٹی آئی ہے: میں نے سلاش اٹھاتے ہوئے بتایا:

"اس نے صرف کافی طلب کی ہے ماسٹر: گو تھم نے جواب دیا: آپ کھانا کھالیں تو کافی سب کو ملے گی: میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کھانے میں جھٹ گیا۔ کافی سب نے ایڈنا کے کمرے میں پی تھی اور جب بیکر نے روانگی کا اعلان کیا تو میں نے بیگ نورال کے سامنے رکھ دیا اور اپنی مادری زبان میں کہا: میں جس سفر پر روانہ ہو رہا ہوں اس کے لیے دولت کی نہیں بلکہ ایک بہن کی خصوصی دعاؤں کی ضرورت ہوگی اور تم جس ملک میں واپس جا رہی ہو وہاں انسان کے قدار شخصیت کو صرف دولت کے پیلے پر ناپا تو لاجباتا ہے بھائی کلاتے ہیں اور بہنیں اپنی خوشی کے لیے بھائیوں کی کمائی خرچ کرتی ہیں اس میں میری کمائی نہیں ہے لیکن دولت ہے جو وہاں تمھیں کام دے گی بس دعاؤں اور اپنی یادوں میں مجھے یاد رکھنا۔

میں تمھارے مان کو قائم رکھوں گی: نورال نے کہا اور بیگ اٹھا کر ایڈنا کے ہاتھ میں دے دیا۔

ایڈی: میں نے کہا: یہ میری اور میرے وطن کی امانت ہے۔ یہاں اسے زیادہ دن نہ رکھنا اس کا پاسپورٹ بیگ میں ہے۔

"تم فکر نہ کرو ختم سلطان: بیکر بول پڑا: میں باپ ہوں اور ذمے دار بھی ہوں، تمھاری بہن کو عزت اور احترام کے ساتھ وطن واپس کر دوں گا۔ اب تم چل پڑو۔ جانسن انتظار کر رہا ہوگا: میں نے اٹھ کر نورال کے سر پر ہاتھ پھیرا ایڈنا سے ہاتھ ملایا اور ایک طویل سانس لے کر بیکر کے ساتھ چل پڑا۔

گھومتی ہوئی آہنی سیڑھیاں طے کر کے ہم دوسری منزل پر گئے کیپٹن جانسن کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ دوسری منزل پر پہلے سامنے دو کمرے روشن تھے لیکن دونوں کے دروازے بند تھے۔ میری چھٹی حس ہی تھی جس نے مجھے کھڑکی کے شیشے سے اندر جھانکنے کا مشورہ یا تھا۔ اگر میں جھانک کر اندر نہ دیکھتا تو عین ممکن تھا کہ کوئی ناخوشگوار حادثہ ہو جاتا کیونکہ اندر جانسن کے سامنے بوڑھا می جو بیٹھا ہوا تھا وہ شخص جو میرا دشمن تھا جسے میری تلاش تھی گو میری بدلی ہوئی شکل وہ نہ پہچان پاتا لیکن ڈاکٹر نے آواز کو جوں کا توں سننے دیا تھا۔ دوسرا خطرو یہ بھی تھا کہ انکل بیکر نے جس نامر جمال کامی جو سے تعارف کر لیا تھا وہ سیاہ نام تھا اور موجودہ نامر جمال ایک خوش رو مغربی نوجوان تھا۔ می جو اس تبدیلی پر بدک سکتا تھا اعتراض کر سکتا تھا اور ہم اس آخری لمحے کو کسی ایسی آنکھ میں نہیں ڈال سکتے تھے: نہیں انکل: میں نے لپک کر بیکر کا ہاتھ تھام لیا اور اسے گھسیٹتا ہوا دور لے گیا: "اندی جو بیٹھا ہوا ہے، اسے جلنے دیں۔"

ہم نیم تاریک گیلری میں آگے بڑھتے چلے گئے تمام دفاتر بند تھے۔ ایک تاریک گوشے میں رک کر بیکر نے کہا: کچھ بڑے بڑے جانسن کا معاہدہ مجھ سے تھا اور بالکل خفیہ تھا، می جو یہاں کیسے موجود ہے: میں نے اسٹول اٹھا کر بیکر کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا لیکن وہ مضطربانہ انداز میں شہلے لگا تھا۔

"میرے ذہن میں دو ہی باتیں آرہی ہیں: میں نے کہا: "اول یہ کہ جانسن نے بلاوجہ ہی جہاز کی پیش کش نہیں کی ہوگی اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہوگا۔ مجبور کرنے والے دو اشخاص ہیں ایک گوچی جس نے اوشن کو مارکر جہاز کے عوض ختم چودھری کا سرمہ لگا تھا اور دوسرا چنگ چی، جو اپنے دشمن کو سمندر میں بھی رگینا چاہتا ہے۔ وہ ایک باخبر اور طاقت ور خندہ ہے اس نے اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا ہوگا کہ می جو اپنا آخری اثاثہ یہاں سے لے جا رہا ہے ہو سکتا ہے پتھر کی کہانی نے بھی اسے ادھر متوجہ کر لیا ہو، اب جہاز خندہ گردی کا اکھاڑہ بن کے رہے گا۔"

"اگر یہ بات یقینی ہے تو میں تم دونوں کے ساتھ نہیں کروں گا۔"

بیکرنے میرا شانہ مضبوطی سے تھام کر کہا: "چلو ہم واپس چلتے ہیں میں کوئی بھی جواز پیش کر دوں گا۔"

"بزرگ اپنے بچوں کو بزدلی کا درس نہیں دیا کرتے انکل۔"

میں نے قدرے تلخ آواز میں کہا: "گوہر مقصود ساحل کی ریت پر نہیں ملا کرتے۔ ہم سمندر کی اگلی تہوں سیماں چھنے والے نہیں ہیں۔ ہم خطرات کے سمندر میں غوطہ لگائیں گے انکل اور اس کے لیے ہم پوری طرح تیار ہیں۔"

"اوہ میرے بیٹے۔" بیکر لرزیدہ آواز میں بولا: "تمہیں کچھ ہو گیا تو یقین کرو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا ایڈی کا مجرم بن کر میں کیسے جی سکوں گا؟ میں پہلے کہ چکا ہوں دولت کی میرے پاس کوئی کمی نہیں۔ میں تمہیں اس مہم سے حاصل ہونے والی دولت سے دو گنی دولت دے سکتا ہوں۔ میری زندگی کی سب سے بڑی دولت اور خوشی میری بیٹی ہے۔ اُس کی خوشی کے لیے میں بہت نیچے گر سکتا ہوں، بہت اذیت کھا سکتا ہوں۔"

"اور میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں انکل آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گا۔" میں نے کھیل کو سنبھال دیتے ہوئے اُسے سہارا دیا کیوں کہ وہ میری آزادی کے راستے میں اپنی بیٹی کو ڈال رہا تھا، جبکہ میں ہر قیمت پر ہانگ کانگ سے فرار ہوجانے کا عزم کر چکا تھا۔ میں اس شہر میں رہ کر بیکر کی بیٹی کے حوالے سے اپنے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ڈالنا چاہتا تھا اور نہ ہی چنگ جی کو فراموش کر سکتا تھا جو میری تلاش میں زمین کا کوڑا کوڑا چھاننے کا حکم دے چکا تھا۔

"چلو ہم جانسن کی قیام گاہ پر اُس کا انتظار کریں گے۔"

بیکرنے میرا ہاتھ تھام کر کہا: "میں بھی اس وقت می جو کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔"

سونیا گھر سے لے کر دفاتر تک چپ چاپ رہی تھی حالانکہ اس منصوبے کی روح رواں وہی تھی اگر وہ منصوبہ بندی نہ کرتی تو میں ایڈنا کو بیکر کے حوالے کر کے کسی طرف نکل جاتا۔ اس کی خاموشی معنی خیز تھی۔ سڑکیاں اُتر کر جب ہم روشنی میں آئے تو میں نے گردن موڑ کر اُس کی جانب دیکھا۔ اس کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ رقصاں تھی جیسے وہ ہماری بدحواسیوں سے لطف اندوز ہوتی رہی۔

"تمہارا کیا خیال ہے می جو یہاں کیسے اور کیوں آیا ہے؟ میں نے کار میں بیٹھ کر پوچھا۔

"میں تمہارے تجزیے سے متفق ہوں۔" اُس نے مختصر سا جواب دے کر پھر چپ سا دھلی۔

"اگر چنگ جی بھی حصّے رہا ہے تو یہ سفر خاصا مشکل ہوگا بیکرنے اپنی رائے ظاہر کی۔

جانسن کی محل نما کوٹھی، جدید ترین فرنیچر اور آرائشی سامان اپنی زبان سے کہہ رہا تھا کہ جانسن محض تنخواہ دار کیپٹن نہیں ہے۔ اس کے کچھ ذرائع آمدن ایسے بھی ہوں گے جو عہدے کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں وہ دوسری زندگی کا مالک ہے۔ یا ایک اچھے مجرم کی طرح اُس نے عہدے کو بطور آڑ رکھا ہے۔ ایک کیپٹن اتنی شاہانہ زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے عمارت میں بلائی کی فوج بھی دیکھی تھی جو افزائش کے انداز میں ادھر سے ادھر جا رہے تھے۔ ایک سیاہ فام نے سفید دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے ہمارا استقبال کیا تھا اور وسیع و عریض ڈرائنگ روم تک ہماری رہائی کی تھی۔ وہ بے حد مہذب انسان دکھائی دے رہا تھا۔ کیپٹن کا پیغام مجھے مل چکا ہے جناب وہ ہاتھ ملنے ہوئے مودب انداز میں بولا: "مجھے کہا گیا ہے کہ مہانوں کو بتادیا جائے کہ سمندری طوفان کی وجہ سے روانگی عارضی طور پر ملتوی کر دی گئی ہے۔"

"اوہ! بیکر چونک پڑا۔ پھر اُس نے سوائیہ لنگاہوں سے میری جانب دیکھا: "تو کیا ہم واپس جائیں؟"

"نہیں جناب۔ کیپٹن کا تحریری پیغام ملاحظہ فرمائیں۔" اُن نے ایک گلابی کاغذ بیٹے سے الگ کر کے بیکر کو پیش کر دیا۔ میں نے بیکر کے کندھے سے ٹھیک کر کاغذ کی تحریر پر نگاہ ڈالی۔ بدخط اور شکستہ انگریزی تحریر تھی۔

"اگر میری عدم موجودگی میں مسٹر بیکر کے ساتھ مہمان آئیں تو ان کو مطلع کر دیا جائے کہ سمندر سفر کے قابل نہیں۔ دوسری اطلاع تک وہ لوگ آرام کرتے رہیں۔"

"لیکن میں تمہارا انتظار نہیں کر سکتا۔" بیکر نے قدرے غصیلی آواز میں کہا: "میں اپنے ریڈیو مہم سے بات کرتا ہوں۔ وہ اگلے لگا تو ملازم نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا اور ٹیلی فون سیٹ اٹھا لیا۔ مسٹر برٹ میں بیکر بول رہا ہوں۔ رابطہ سٹے ہی بیکر نے بڑا بڑا لہجے میں کہا: "مجھے موسم کی تازہ ترین رپورٹ دو اور یہ بھی بتاؤ کہ جہازوں کی نقل و حرکت کی کیا پوزیشن ہے؟" پھر چند منٹ وہ ہاں ہوں کرتا، دوسری طرف سے کچھ سنتا رہا۔ "او کے۔ برٹ! میں واپس گھر جا رہا ہوں۔ جوں ہی موسم سازگار ہونے کی اطلاع ملے مجھے مطلع کر دینا۔" اُس نے کریڈل پر ریسیور رکھ کر ٹیلی فون سیٹ صوفے پر رکھ دیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہوا: "موسم پچاس سے بائیس

سو کھمیر کے درمیان خراب ہے لیکن بتایا گیا ہے کہ بالکل عارضی طوفان ہے جس کا رخ جنوب کی جانب ہے۔ دو تین گھنٹوں میں ہماری راہ سے آگے نکل جائے گا اگر تم اجازت دو تو میں اُپس چلا جاؤں، اب میری ضرورت بھی نہیں، کاغذات جانسن کے پاس ہیں مزید ہدایات وہی دے گا۔ معاہدے کے مطابق تم دونوں اس کے چارج میں جا چکے ہو۔"

"ہاں جانیں۔" میں نے اجازت دے دی۔ بیکر نے اٹھ کر سونیکے دائیں ہاتھ کو اوپر اٹھا کر چومنا اور ٹھیک کر اُس کا کندھا تھپ تھپایا پھر میری جانب مڑ کر مجھے گلے لگایا: "خدا کے سپرد میرے بیٹے! ہماری آنکھیں، کان اور دل تمہاری طرف لگے رہیں گے۔ اپنا اور میری بیٹی کے جذباتوں کا خطرات میں خیال رکھنا جہاز کی دنیا بڑی محدود ہوتی ہے۔ سرگوشیاں بھی ہم سفر سن لیا کرتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ لیٹاٹے مجھے دروازے تک لے گیا پھر ہم آواز میں میرے کان کے قریب منہ کر کے بولا: "یہ لڑکی تمہاری دریافت ہے اور یہ نہ بھولنا کہ یہ کون تھی، کہاں سے ٹوٹ کر ہمارے درمیان آئی ہے۔ ایسے لوگوں کی بڑی بہت دور دور تک پھیلی ہوتی ہیں میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ یہ تمہارا سایہ ہے اس کا خاص خیال رکھنا جو سانپ راستے میں بیٹھے ہوتے ہیں وہ دکھائی دیتے ہیں اُن سے بچنے کے ہزار راستے ہوتے ہیں مگر آستین میں پالے ہوئے سانپ اچانک ڈس لیا کرتے ہیں۔ لڑکی کی خاموشی اور چمک دار آنکھوں نے مجھے مشکوک کر دیا ہے۔ اس قماش کی لڑکیاں صرف اپنے مفادات کی وفادار ہوا کرتی ہیں۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے قبل اپنی پشت کا خاص خیال رکھنا۔"

"شکریہ انکل۔" میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں اسے نظر انداز نہیں کروں گا، خصوصاً می جو اور جانسن کی ملاقات نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"خدا حافظ۔" بیکر نے ایک بار پھر مجھے پہلو سے چمکایا اور پھر باہر نکل گیا۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔" سونیا نے کیپٹن کے ملازم سے پوچھا۔

"میرا نام تو باشی ہے مادام۔" وہ مسکراتے لگا: "کیپٹن مجھے بیکر ٹائیگر کے نام سے یاد کرتا ہے۔"

"تو باشی! میرا ساتھی صرف پانی پیتا ہے لہذا میرے لیے تیز سا ایک جالے آؤ۔" سونیا نے میری جانب مسکراتی نگاہوں سے دیکھا: "اس سے بھی پوچھ لو شاید کچھ چائے پانی کا طلب محسوس کر رہا ہو۔"

"جناب! تو باشی نے کہا: کیپٹن کے ہاں ہر ملک کی بہترین

شراب موجود ہے تیز اور پانی جیسی بے رنگ و بے ذائقہ آپ کے لیے کیا لاؤں؟

"صرف ٹھنڈا پانی دوست۔" میں نے جواب دیا۔ وہ ہنستا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ تب سونیا ایسے آچھل کر آئی جیسے اس کے جسم کو کسی طاقت ور اسپرنگ نے جکڑ رکھا تھا میرے سامنے آکر بڑے جارحانہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔

"سنو خرم چودھری! اب نول سے نکل آؤ، تم وہ ہرگز نہیں ہو جو خود کو ظاہر کرتے رہے ہو۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو سونیا؟ میں نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"اور پھر میری ذات کسی پرست کے نیچے نہیں ہے۔ میں وہی ہوں جو میں ظاہر ہوں۔"

"کیا تم بیکر کی بیٹی ایڈنا سے محبت نہیں کرتے؟"

"میں تو سیاہ رو گو تھم اور اُس لڑکی مارشال سے بھی محبت کرتا ہوں۔" میں نے بتایا۔

"کیا ایڈنا سے بھی تم وہی سلوک کرتے ہو۔۔۔ جو کل مجھ سے کیا تھا؟"

"بے شک۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا: "اگر وہ ایسی حماقت کرتی تو۔۔۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کوئی لڑکی اس ذلت کو بھول سکتی ہے؟ وہ غرا کر بولی: "کل جو تھوک تم نے میرے چہرے پر مل دیا تھا وہ میں نے صاف نہیں کیا۔ میں حساب ضرور چکاؤں گی، لیکن ابھی نہیں۔"

"مادام ژرمی تاں نے بھی غالباً ایسے ہی سوچ لکھا تھا۔" میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا: "جب وہ حساب چکائے لگی تو بے چاری مر گئی۔ میں تمہارا ہم سفر ہوں گا پھر راتیں تو ہمیں مل ہی جائیں گی۔ اُس کے گلابی ہونٹ کچھ کہنے کے لیے پھر پھڑپھڑائے ہی تھے کہ اندر سے تو باشی اور باہر سے ہارن کی آواز بیک وقت آئی، تو باشی ٹرے تپائی پر رکھتا ہوا باہر کی جانب لپک گیا تھا۔ تو باشی کے ساتھ اندر آنے والا طویل قامت خوش رو شخص تھا جس کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ چمکی ہوئی تھی پھر بھی میرے اعصاب تن گئے تھے بہر حال وہ ایک اجنبی چہرہ تھا۔

"کیپٹن مارش! اس نے مصلحتی کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: "آپ یقیناً ناصر جمال ہیں۔" اُس نے میرا ہاتھ گرم خوشی سے دبائے ہوئے پھر ہٹایا اور سر کو خم دے کر سونیا کو تعظیم دی۔ مجھے خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔"

"شکریہ کیپٹن۔" میں نے بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ

سے دیا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ کیپٹن جانسن جائیں گے۔
 "کیوں تو باشی؟ اس نے استفہامیہ لگا ہوں سے تو باشی کو
 دیکھا؟ کیا جانسن جانے والا تھا؟
 "جی ہاں کیپٹن، تو باشی نے بتایا۔ کل مجھے کیپٹن نے خود
 بتایا تھا۔"

"مذاق کیا ہو گا تو باشی؟ کیپٹن مارش نے ہنسنے ہوئے کہا کیپٹن
 جانسن چند روز پہلے مغرب کا ٹرپ مکمل کر کے آئے ہر۔۔۔ ویسے بھی
 یہ ٹرپ اسپیشل ہے، جانسن نے مجھے فون پر بتایا تھا کہ مسٹر ناصر حال
 کسی خاص مشن پر فلپائن جارہے ہیں شاید مادام شیلی کے باؤی
 گارڈ کی حیثیت سے کیوں مسٹر ناصر؟"

"ہم ہنی مون منانے جا رہے تھے۔ میں نے محبت سے
 ہیریئز لگا ہوں سے سونیا کو دیکھ کر کہا۔ میرے پاس نے فلپائن
 تک یہ اضافی ذمہ داری سونپ دی ہے۔"

ابھی کیپٹن مارش نے کسی بھی نہ سنبھالی تھی کہ کیپٹن جانسن
 دندنا ہوا اندر داخل ہوا۔ چونکہ وہ سیدھا میری جانب ہی بڑھا تھا
 اس لیے اخلاقیات میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے بائیں پھیلا کر مجھے
 سمیٹ لیا پھر پشت پر تھپکی دے کر اوڑھنوں ہاتھ تھا کہ کر پر جوش
 آواز میں بولا۔ "مسٹر بیکر نے جتنا کچھ تمہارے بارے میں کہا تھا تم اس
 سے بڑھ کر ہو۔ پھر وہ مارش کی طرف گھوم گیا۔ "مسٹر مارش! یہ ٹرپ
 خصوصی طور پر مسٹر ناصر کے لیے ہو گا۔ یہ میرے مرنے اور عزیز ترین
 دوست بیکر کا چہتا جو آج ہے تمہیں ان کا خاص خیال رکھنا ہے۔
 ہاں مسٹر ناصر حال، تمہارے انکل راستے میں مجھے ملے تھے۔"

"کیپٹن، مارش بولا۔ کیا پہلے آپ کا پروگرام تھا؟
 "ہاں۔ جانسن نے اثبات میں گردن ہلاتی۔ لیکن گوجی
 نے مجھے اجازت نہیں دی۔ تم جانتے ہو میرا شپ گودی میں
 ان لوڈ ہو رہے۔ اصولاً مجھے ادھر موجود رہنا چاہیے۔
 "موسم کی کیا رپورٹ ہے؟ مارش نے پوچھا۔ مجھے مسٹر گوجی
 نے بتایا تھا ایک آب دوز اور ایک بوٹ ساتھ جائے گی۔"

"ہاں احتیاط ایسا کیا جا رہا ہے؟ جانسن نے جواب دیا۔
 "ویسے طوفان آگے نکل چکا ہے اسی لیے میں ان کو لینے آیا ہوں
 مادام شیلی کو بھی فون برا طلاع دی جا چکی ہے۔ تم دونوں میرے
 ساتھ آؤ۔ دوسرے کمرے میں جا کر جانسن نے ایک چوکور ڈبے کی
 جانب اشارہ کیا جو سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ یہ ڈبہ اس منصوبے
 کی رُوح ہے۔
 "وضاحت کیجئے مسٹر جانسن۔ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"اوہ! اس نے ڈبے کو تھپ تھپاتے ہوئے گہری سانس
 لی۔ پہلے تم بتاؤ گے کہ بیکر نے تمہیں کیا بتایا ہے؟
 "صرف یہی کہ ہمیں ایک پتھر مادام شیلی سے حاصل کرنا ہو گا۔
 میرے بونے سے پہلے سونیا بول پڑی۔

"کچھ اور نہیں؟ اس نے معنی خیز مسکراہٹ سے میری جانب
 دیکھا۔ کھل جاؤ پیارے، اب ہم ایک ہیں، ہمارا مفاد اور نقصان
 ایک ہے منصوبہ اصل میں دوسرا تھا یہ تو ایک اضافی بات نکل
 آئی تھی۔"

"اگر کوئی منصوبہ ہے بھی تو۔ میں نے محتاط انداز میں کہا۔
 اس کی تفصیل ہمیں جہاز پر بتانی جانے والی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اس نے شانے اچکائے۔ وہ تمہارا اپنا
 معاملہ ہے۔ مجھے صرف اپنے مفادات تک محدود رہنا چاہیے۔
 اب غور سے سن لو، مادام شیلی ایک کبس میں پتھر لے جا رہی ہے
 جو پولیس کی نگرانی میں جہاز کے خاص لاکر میں رکھوایا جائے گا۔
 وہ کبس بالکل اس کبس جیسا ہے۔ رنگ اور سائز ایک ہے۔ تم یہ

کبس ساتھ لے جاؤ گے اور موقع پا کر کبس تبدیل کر دو گے۔ اس نے
 کبس کا ڈھکن کھول کر اندر سے سفید نگہ مر کی چوکور سیل نکال لی۔ وہ
 منزل مقصود سے پہلے کبس نہیں کھولے گی۔ صرف کبھی کبھی لاکر کو چیک
 کرتی رہے گی۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہونا؟ میں نے اثبات میں ہر

ہلایا اور اس نے سل اندر رکھ دی اور پھر جیب سے ایک چھوٹا سا
 تالا نکال کر لگا دیا۔ اب میں اس کو سیل کر دوں گا۔ اس نے لائٹر
 جلا کر میرے ہاتھ میں دے دیا اور لاکھ کی ڈلی شعلے پر رکھ دی پھر
 ایک گلابی لیبل تالے پر رکھ کر سیل لگا دی۔ اب کوئی بھی، مادام شیلی

بھی نہیں پہچان سکتی۔ سب کچھ ویسا ہے۔
 "لاکر کی نگرانی کا کیا انتظام ہو گا؟ سونیا نے پوچھا۔

"جیسا ہونا چاہیے۔ جانسن نے بتایا۔ وہ ہم چھوٹے لوگوں
 کو اس میں شریک نہیں کریں گے، حقیقی مارش کو بھی نہیں، لیکن
 مجھے یقین ہے تم لوگ کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لو گے۔"

باہر جانسن کی ٹوٹر کھڑی تھی، اس کے ساتھ مارش کی مریدہ
 پارک تھی۔ دونوں کو پہلو پہ پہلو کھڑی دیکھ کر میرے لبوں پر بے اختیار

مسکراہٹ اُبھر آئی۔ مجھے اپنے گاؤں کی ماسی رجو کی بات یاد آ گئی
 تھی جس نے فوجی ٹرک کے پیچھے بجالتی جیب کو دیکھ کر کہا تھا۔ ہائے
 گاڑی کا بچہ دوڑ رہا ہے۔ جانسن کی چھوٹی سی کار مریدہ کا بچہ ہی
 دکھائی دے رہی تھی۔ کاغذات سے قطع نظر جانسن اپنی کار کی
 جانب بڑھتے ہوئے بولا۔ تم لوگ صرف ہم سفر ہو، اگر وہ تمہاری بیوی

ہو تو میں اسے مارش کی گاڑی سے نہ بھیجتا۔ مجھے تم سے کچھ ضروری
 کرنا ہے۔ مارش اور سونیا از خود ہی ہم سے فاصلہ رکھا۔ ہم شیلی

کی کرتے دوسری کار میں بیٹھ گئے۔ سونیا جو کچھ تھی میری نگاہوں
 تھی لیکن جانسن کے ساتھ اس کا خاموش تعاون، میری نگاہیں
 مزید پریشانی کا باعث تھا وہ بیکر کی موجودگی میں پتھر کی موٹی
 سی تھی لیکن اس کے جاتے ہی وہ چپ کی چادر سے نکل آئی
 اور خود کو ہر معاملے میں برتر رکھنے لگی تھی۔

"مجھے مسٹر بیکر نے بتایا ہے کہ نامہ ایک کرائے کا قاتل باہر
 لیکن اور تجربہ کار پرائیویٹ سٹریٹس ہے ایک انسان میں جب
 پرائیاں ایک ساتھ چل رہی ہوں تو اسے کم از کم میں انسان نہیں
 کہتا یہ تو میں کسی شیطان میں ہی ہوتی ہیں اور مجھے اس مشن کے
 ہر شبہ انسان کی نہیں ایک تم جیسے انسان ناخوش رو شیطان
 ہی ضرورت تھی۔"

میں جانسن کی باتیں سن کر صرف انکساری سے مسکرا دیا تھا۔
 خاصیت جیسی ہوئی تھی اور سٹریٹس جو اس سال بیوہ کی مانگ جیسے
 ہی ہوئی تھیں دونوں کاریں قانونی رفتار سے اوپر آگے پیچھے
 رہ رہی تھیں، جانسن کی چھوٹی سی کار جیسے زمین پر تیر رہی تھی
 جانسن صرف جہاز کا ہی کپتان نہ تھا بلکہ ایک اچھا مشاق
 پتھر بھی تھا۔ باتوں کے دوران وہ میری جانب متوجہ رہنے کے
 جو دکار کو کنٹرول میں رکھے ہوئے تھا۔ وہ یقیناً جان بوجھ کر طویل
 ٹول سے جا رہا تھا ورنہ اس کی قیام گاہ سے بندرگاہ نزدیک ہی
 ایک تنگ موڑ کاٹ کر ڈیلی سٹریٹ پر کار اتارتے ہوئے، اس
 رفتار کم کرنی شروع کر دی، رفتار نامتوئی تدریج نیچے گرتی چلی جا رہی
 تھی اس نے چہرہ گھما کر میرے چہرے کو دیکھا جو اب میں نے بھی اس
 نگاہوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ تب اس نے سامنے لگا ہوا جلتے
 سٹریٹس میں ہیل پر انگلیاں بجا نا شروع کر دیں جس سے اس
 دل کا اضطراب عیاں ہو رہا تھا۔

"میں جو کچھ تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں اسے دھمکی نہ سمجھنا مسٹر ناصر
 ہاں۔ وہ غرائی آواز میں بولنے لگا۔ میں دوستوں کو مرعوب کرنے اور
 حکم کرنے کا علوی نہیں ہوں بلکہ میرا تو یہ اصول ہے کہ دشمن کو بھی
 حکم نہ دو۔ تم ایک ذہین قاتل اور جاسوس ہو تمہیں جیسے میری اصولوں
 اپنانا چاہیے۔ دیک جاؤ اور موقع ملے ہی اپنے شکار کی پشت میں
 لی اتار دو۔ ایسی صورت میں مقابلے کی نوبت ہی نہیں آتی مقابلہ
 نام اور نام کے لیے کیا جاتا ہے لیکن ایک اچھے مجرم کو انعام اور نام
 ضرورت نہیں ہوتی گناہی ہی اس کی کامیابی اور سلامتی کی ضمانت

ہوتی ہے۔
 "لیکن ہمارے ہاں اس اصول کا نام بزدلی اور کمزوری ہے۔
 میں نے اس کی طویل بکواس کا جواب دیا۔ ہم نہ تو سوئے ہوئے
 دشمن پر وار کرتے ہیں، نہ جیتے پڑاؤ نہ ہی پشت کی طرف سے۔
 "ہر ملک کا اپنا اپنا الگ مزاج ہوتا ہے پیارے دوست!
 تم جو ادھر تھے اگر ادھر بھی ویسے ہی رہو گے تو یقین کرو تم آنے والی
 صدی تک سڑک کے اس طرف کھڑے ہو گے تمہیں آج کی تیز رفتار
 زندگی کبھی دوسرے کنارے جانے کی مہلت نہ دے گی۔ یہاں تو وہی
 اپنی مرضی کی سمت ہر مسکتا ہے جو ساتھ دوڑتا ہے۔"

"یعنی میں اپنی ذات بدل دوں؟ میں نے تڑختی آواز میں کہا۔
 "ذات سے مراد اگر مذہب، نام اور عادت ہیں تو میں یہ
 مشورہ نہیں دوں گا۔ حرف خود کو بدلنے کا فیصلہ کرو۔ ادھر جہاں سے
 تم جا رہے ہو اور ادھر جہاں منزل مقصود تمہاری منتظر ہے۔ بڑے
 بڑے گھاگ اور سٹفاک ماسٹر بکھرے پڑے ہیں۔ صرف میری ایک
 بات پہلے باندھ لو فائدے میں رہو گے کبھی چائنس ضائع نہ کرنا، اگر
 چائنس تمہیں عزیز ترین ہستی کو پھلانگنے سے ملتا ہے تو بے دھڑک
 پھلانگ جانا۔ جو ہرگز نہ دالے لمحے کو استعمال کرتا ہے وہی
 کامیاب ہوتا ہے۔"

بندرگاہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی جانسن نے ہاتھ باہر
 نکال کر کیپٹن مارش کو مخصوص اشارہ دیا۔ اس کی ویو پیکر کار غرائی ہوئی
 آگے نکل گئی۔ میری سماعت سے کہنیوں اور مزدوروں کی آوازیں۔۔۔
 ٹکڑے لگی تھیں۔ میں نے گردن موڑ کر کھلے سمندر کی طرف دیکھا سائل
 سے دور نگر انداز جہازوں کی روشنیاں لہروں پر سوار ساحل کی طرف
 آتی دکھائی دے رہی تھیں جیسے ستاروں کی برات رقص کرتی آ رہی
 ہو۔۔۔ پارکنگ سٹیشن کاریں پارک کر کے پہلے مارش اور سونیا اترے
 اور سونیا میری طرف دیکھنے لگی تھی اور مارش ایک طرف چل پڑا تھا۔
 جوں ہی میں اور سونیا کیپٹن جانسن کے آفس میں داخل ہوئے
 میرے جسم کو بھر پور جھٹکا لگا۔ سامنے صوفے پر گوجی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ گوجی
 جس نے مجھے می جو سے خریدنا چاہا تھا اور جوابی بیوی کے قاتل کے
 خون کا پیا سا تھا۔ میں قدرت کی ستم ظریفی پر ہونٹ چبا کر رہ گیا تھا
 ان دیکھے ہاتھ نے پھر مجھے ان لوگوں کے درمیان لاکھڑا کیا تھا جن
 کے جلتے سائے سے میں دور رہنا چاہتا تھا۔ ان سے ملو مسٹر ناصر ہاں!
 جانسن نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ میرے پاس گوجی، جن کے
 جہاز پر تم لوگ سفر کرنے والے ہو۔
 "گڈ نائٹ سر۔ میں نے حتی الامکان اپنی آواز کو دبالتے
 ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ نوجوان" گوچی بھڑائی ہوئی آواز میں بولا: "ہاں کیپٹن تم نے نوجوان کو اچھی طرح سمجھا دیا ہوگا کہ اسے کیا کرنا ہے؟"

"ابھی نہیں جناب" جانسن نے مؤدب لہجے میں بتایا: "میرا خیال تھا آپ ہی اصل گفتگو کریں گے۔"

گوچی نے دوسری بار میرے چہرے اور سر سے پاؤں تک جائزہ لیا: "بظاہر ٹھیک ہے" وہ خود کھائی کے انداز میں جڑ بٹایا: "سنو مسٹر ناصر جمال" میں نے بھاری لائف ہسٹری سن کر تمہیں جانسن نے کافی صلہ کیا ہے۔ بیکر میرا دیرینہ دوست اور ہم پیشہ ہے۔ میری باتیں غور سے سنو، عمل کرنا نہ کرنا بعد کی بات ہوگی۔"

"میں بھی بکریاں جنگل میں چھوڑ کر ادھر نہیں آیا جناب۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا: "میں باتوں سے زیادہ عمل کا قائل ہوں باتیں ہوائی فائرنگ جیسی ہوتی ہیں۔ بہر کیف آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں میں سن لوں گا۔"

"کیا بس اسے دکھا دیا تم نے؟ گوچی نے سرد آواز میں پوچھا۔ جانسن نے فدیہ انداز میں گردن اثبات میں ہلادی: "اور یہ بھی کہ اسے کیا کرنا ہے؟"

"ہاں مسٹر گوچی" میں بول پڑا: "مجھے اس بکس سے بلا مشل کا بکس تبدیل کرنا ہوگا۔"

"ہاں" گوچی نے ہونٹ سکڑ کر کہا: "اور اس بکس کو حاصل کرتے ہی تم اوپر جا کر تاراج سے اشارہ دو گے۔ روشنی چاروں طرف گھماؤ گے، جانسن بوٹ میں جہاز کے ارد گرد چکر لگاتا رہے گا جوں ہی اسے اشارہ ملے گا یہ جہاز کے نزدیک آئے گا اور جواباً روشنی سے اشارہ کرے گا پھر تم وہ بکس ڈوری میں باندھ کر بوٹ تک پہنچاؤ گے۔ اگر میری ہدایات پر عمل نہ ہو تو جہاز کے اندر اور ادھر ساحل پر اترتے ہی تم بدترین حالات کا شکار ہو جاؤ گے میرے ہاتھ مضبوط اور طویل ہیں۔ میں عہد شکن لوگوں کو معاف کرنے کا عادی نہیں ہوں۔" پھر وہ جانسن سے مخاطب ہوا: "تم میرے ساتھ آؤ، وی آئی پی لاونج میں مادام شیلی بیٹھی ہوئی ہے۔ اور تم اس کی نگاہوں سے دور رہو گے، سفر کے دوران اگر تعارف ہو جائے تو میرے رہے گا" گوچی، کیپٹن جانسن کے ساتھ جیب بائرنکل گیا تو ہجانی کیفیت نے میرے جسم کا نظام متاثر کرنا شروع کر دیا۔

میرا اندازہ درست ہی ثابت ہوا تھا۔ چنگ چی سے لے کر گوچی تک مہربان اور نامہربان سارے لوگ جو میرے نزدیک آئے تھے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ کیپٹن جانسن بھی ایک ایسا ہی کردار تھا جن سے بچنے کی خاطر میں نے سونیا اور بیکر کا سہارا

لیا تھا۔ اب کوئی شک نہ رہ گیا تھا کہ سونیا میرے ساتھ رہنے کی ہمت نہ کھیتی۔

کے باوجود اپنی ذات کی جڑوں کے حوالے سے گوچی اور جانسن ٹی ہوئی تھی۔ وہ ایک منجھی ہوئی اداکارہ تھی بڑی خوبصورتی سے کردار نبھاتی ہوئی مجھے غیر محسوس انداز میں ہانک کر بھڑائی ہی لوگوں درمیان لے آئی تھی۔ چند منٹ بعد ایک اجنبی نوجوان اندر آیا، اس نے گردن جھکا کر مجھے تعظیم دی اور پھر نہایت ہی دھیمی اور مؤدب میں بولا: "باس کی خواہش ہے کہ مہانوں کو جہاز کی روانگی تک آئی پی لاونج میں آرام کرنا چاہیے۔ براہ کرم آپ میرے ساتھ چلیے۔"

"کیا وہاں دوسرے مہمان بھی ہیں؟ میں نے پوچھا۔

"اب نہیں ہیں جناب" اُس نے بتایا: "باس کے ساتھ دو خواتین جہاز کی طرف چلی گئی ہیں۔"

سونیا نے اُٹھ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ اُس نوجوان کی وجہ میں صرف دانت پیس کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ سونیا کسی نئی ٹوٹی دھن کی طرح مجھ سے چپک کر چل رہی تھی اور میرا جسم ناخوشگوار سرسراہٹ کی زد میں آ گیا تھا۔ لاونج کے خود کار دروازے میں ایک لمبی آدمی کھڑا تھا۔ اُس نے بھی جھک کر مصافحہ کیا اور میرے ہاتھوں کی پشت چومنے لگا۔ "تشریف لے چلیے جناب" اُس نے ڈانٹ کی جانب اشارہ کیا اور پیٹ گھول کر ایک طرف مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

اندر داخل ہوئے تو ایک نوخیز اور خوش شکل لڑکی نے سر مسکراہٹ بن کر استقبال کیا: "عزت مآب شیخ" نوجوان بولا: "مس نیرا ہے یہاں کی ہر دل عزیز میزبان اور کیپٹن جانسن کی دوست میں نے پلٹ کر دیکھا کیونکہ مجھے احساس ہوا تھا کہ میرے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی سونیا، دروازے سے اندر داخل نہیں ہوئی۔ واقعی وہ اندر تھا۔ وہ اندر نہیں آئی تھی۔ ان کو باس نے طلب کیا تھا جناب نوجوان نے میری نگاہوں کا سوال پڑھ کر بتایا۔

"تشریف رکھیے جناب" نیرا نے جھڑک کر کہا: "ہاتھ تھام لیا میں آپ کو تنہائی کا احساس نہیں ہونے دوں گی۔"

میرے اندر سے جلتی ہوئی طویل سانس نکلی۔ قدم قدم جھوٹ اور غریب کے کانٹے پاؤں میں جھجھ رہے تھے۔ بیکر نے میرا نام بدل دیا تھا۔ ڈاکٹر نے صورت تبدیل کر دی تھی اور اس شہر نے مجھ سے شرفِ انسانیت چھین لیا تھا۔ میں ایک زمیندار کا بیٹا اور ایک غریب الوطن بھوکا اور بد نصیب شخص تھا لیکن لوگوں نے میری ذات جھوٹ کے خول میں بند کر کے مجھے عزت مآب بنا دیا تھا۔ یقیناً میزبان لڑکی سے بھی جھوٹ ہی بولا گیا۔

گا۔ دیندہ نازک سی گلاب رنگ لڑکی مجھ جیسے تلاش نوجوان کو

ٹیلی فون کے برز نے مجھے تلخ اور کڑوی سوچوں سے باہر کھینچ لیا تھا۔ نیرا نے ریسپورڈا کھا کر غالباً جاپانی زبان میں بات کی تھی نیرا ایسا ہی تھا جیسے دوسری طرف سے اُسے کوئی بات سمجھائی جا رہی ہو۔ وہ تیزی سے سر کو بھی اثبات میں کبھی نفی میں جبش نے جی تھی بھڑا اُس نے مسکراتی نگاہوں سے میری جانب دیکھا: "اپ کے لیے پیغام ہے جناب" اُس نے بتایا۔ میں نے اُٹھ کر ریسپورڈا لیا۔ وہ ریسپورڈا دینے کے بعد وہیں کھڑی رہی تھی میں... اس لیے اس کے ساتھ جا کھڑا ہوا تھا کہ وہ وہاں سے ہٹ جائے گی مگر وہ ایک ایسی بھی اپنی جگہ سے نہ سرکی تھی۔ دوسری طرف سے جانسن بول رہا تھا۔

"تمہارے لیے گاڑی آرہی ہے۔ ہارن سن کر بائرنکل آنا۔"

تھوڑی سی بیوی میرے ساتھ جا رہی ہے۔ اُس نے قہقہہ لگایا: "اگر سفر میں سکون رہا تو فلیائن تک تم بہت سی باتوں کا اضافی منافع حاصل کرو گے۔"

"میں اس خصوصی مہربانی کے لیے آپ لوگوں کا شکریہ ضرور ادا کروں گا کیپٹن" میں نے ممنون لہجے میں کہا: "میں آپ جیسے عنوان و فراموش نہیں کیا کرتا۔ چونکہ میرے پاس حساب کتاب کا کوئی حاتمہ نہیں ہے اس لیے میں حساب ہمیشہ صاف لکھتا ہوں" ابھی اُس نے ریسپورڈا دکھا بھی نہ تھا کہ باہر سے ہارن کی آواز آئی، شاید آواز اُس نے بھی سن لی تھی۔

"میں سن رہا ہوں گاڑی تمہیں پکار رہی ہے، چلے آؤ" اُس نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

"میں بھی کیپٹن کے ساتھ جا رہی ہوں۔ نیرا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشیاں آواز میں بتایا: "فلیائن میرا آبائی ملک ہے اب وہاں کس ہوٹل میں قیام فرمائیں گے جناب؟ پتہ نہیں حالات کیسے ہوں آپ میرا کارڈ رکھ لیں" اُس نے پرس سے سنہری جھونپڑا کا کارڈ نکال کر میری جیب میں بٹھونس دیا: "جب بھی میری ضرورت ہو اس کارڈ کو کال کر لیجئے گا ریش والدین سے ملنے کا یہاں نہ کر کے کیپٹن سے چھٹی کر لوں گی۔"

"میں ملک بد قسم کا شہزادہ ہوں مس نیرا" میں نے اسسٹنٹ زوہ لڑکی کے ہاتھ پر چھپکی دی کیونکہ میرے طرز عمل نے اسے بہت زور دے کر دیا تھا۔ پھر عزت مآب شیخ لوگوں کے مفادات کے لیے کام نہیں کیا کرتے۔"

کارڈیٹیو کے بالکل نیچے اسٹارٹ حالت میں کھڑی تھی مجھے جانسن نے پیغام دے دیا تھا پھر بھی میں سانپ کا ڈسا ہوا

شخص بُل کھاتی ہوئی اس رسی سے بھی ڈرجا تانتا میں نے کار کے قریب جا کر جیب میں بٹھے ہوئے ریوالتور پر ہاتھ رکھا اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

"مسٹر ناصر جمال؟ ڈرائیور نے اندر روشنی جلاتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں استفسار کیا۔

"ہاں چلو" میں نے اس کے شانے کو دوستانہ انداز میں تھپ تھپا دیا: "جہاز یہاں سے کتنی دور لنگر انداز ہے؟"

"زیادہ دور نہیں جناب" ڈرائیور نے گاڑی کو گیس میں ڈالتے ہوئے جواب دیا: "پانچ منٹ کا فاصلہ ہوگا۔"

جیٹی پر صرف چند مزدور چل پھر رہے تھے جس شور شرابے اور گہما گہمی کی مجھے توقع تھی وہ نہ تھی، جہاز تین چار سو گز دور سمندر میں راج جس کی مانند گردن اُٹھائے پانی پر ڈول رہا تھا۔ ایک چھوٹی سی بوٹ شاید میل ہی انتظار کر رہی تھی، ڈرائیور نے ہی بوٹ تک میری رہنمائی کی تھی۔ بوٹ میں جانسن اور سونیا پہلو پہلو بیٹھے ہوئے تھے سونیا کے چہرے پر گہری سنجیدگی کا خول تھا اور اُس نے مجھے یوں دیکھا تھا جیسے کوئی اجنبی عورت نووارد مرد کو سرسری نگاہوں سے دیکھتی ہے۔

"میگزیشن ڈیپارٹمنٹ کی رسی کا ردائیوں سے بچنے کی خاطر یہ طریقہ اپنایا گیا ہے" جانسن نے بتایا: "چونکہ تم لوگوں کے ماکہ کاغذ جلی ہیں اس لیے کوئی بھی گڑبڑ ہو سکتی تھی؟"

"کیا مسافروں میں ایڈنا کا نام بھی شامل ہے؟ میں نے پوچھا۔

میں اس کے جواب سے یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ می جی کے بارے میں جو کچھ بیکر نے اندازہ لگا یا تھا کہاں تک درست تھا؟

"ہاں" جانسن بولا: "مادام شیلی کی بیٹی کا نام ایڈنا ہے۔ یہ نام غالباً تم نے سڑ بیکر سے سنا ہوگا۔"

"کوئی مریض بھی اس جہاز سے فلیائن لے جایا جا رہا ہے؟ میں نے سوال گھما کر کیا۔

"کیوں؟ جانسن چونک پڑا: "تمہیں کسی مریض سے کیا تعلق ہے؟"

"تعلق تو کچھ نہیں" میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

"در اصل پہلے پروگرام میں مسٹر بیکر کے جہاز سے ایک مریض بھی جانے والی تھی جس سے میری شناسائی تھی؟"

"چند مسافر ایسے بھی ہیں جن کا نام مسافروں کی لسٹ میں شامل نہیں ہے" جانسن نے بتایا: "وہ لوگ پچاس کلومیٹر آگے جہاز پر سوار ہوں گے۔ یہ باتیں تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ تم دونوں بھی ان ہی مسافروں میں شامل ہو۔ می جی جوار بیکر کے درمیان

251

جو معاہدہ ہوا ہے اس میں تمہارا نام سر فہرست ہے۔

”کیا خودی جو بھی ان میں شامل ہوگا؟“

”نہیں۔ جانسن نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ مال ہمارے حوالے کر کے واپس چلا جائے گا۔ وہ مال تم فلپائن سے ادھر ہی ایک بوٹ کے حوالے کر دے گا۔۔۔ یہ سب کچھ تمہیں پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔“

سیڑھیاں چڑھ کر ہم اوپر پہنچ گئے۔ جانسن نے ایک اسٹورڈ کو بلا کر کچھ کہا اور پھر مجھ سے اوداعی مصافحہ کر کے واپس چلا گیا جس کی بین میں ہمیں اسٹورڈ نے کیا وہ نہ صرف سجاوٹ اور بناوٹ میں لا جواب تھا بلکہ مہک بھی رہا تھا۔ اندر جا کر میری ساری کوفت فور ہو گئی تھی۔ ایک بیڈ دیکھ کر میں نے پہلے سونیا کو پھر اسٹورڈ کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ جناب آپ کی سہولت کی خاطر ایک بیڈ لگایا گیا ہے۔ مادام کے لیے ساتھ والا کیبن مخصوص ہے۔ میان مشترکہ ہاتھ ہے۔ دروازہ اندر سے کھلتا ہے۔ دوسرا بیڈ گلفے سے جگہ تنگ ہو جاتی۔“

”اوہ۔“ میں ہنس پڑا۔ کوئی بات نہیں، بہت بہت شکریہ۔“

میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ تھا میں جانتا تھا جن لوگوں نے میرے لیے اس سفر اور فریڈ لین کا انتظام کیا ہے وہ مجھے سکون کی نیند نہیں سونے دیں گے۔ ان سہولتوں کا معاوضہ مجھ سے وصول کریں گے۔ لیکن پھر بھی میرے اندر آزادی کا احساس دل خوش کن تھا۔ میں اپنی تمام تر برائیوں اور ذوق داروں کو ذہن سے جھٹک کر گداڑ بیڈ پر دراز ہو گیا۔ سونیا چند لمحے تذبذب کے درمیان کھڑی ہی آس کی آنکھوں میں التجا تھی۔۔۔ لیکن میں نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس نے پچھلے ہونٹ دانتوں تلے دبایا اور گہری سانس لے کر اپنے کیبن میں داخل ہو گئی۔ ادھر میں نے سکون اور طمانیت سے پھر پورے سانس لی اور تھکے ہوئے گھوڑے کی طرح لوٹ لگاتا ہوا بیڈ پر بکھرتا چلا گیا۔ کیپٹن مارش کو بھی غالباً ہمارا ہی انتظار تھا جب دروازہ ہی متحرک ہو گیا تھا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ماں مجھے لوریاں دے رہی ہو۔ میں ماں اور وطن کی یادوں میں گم نہ جانے کب ہو گیا واثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ مجھے نیند کی مہربان گو دکنٹی دیر نصیب ہوئی تھی۔ اچانک نرم لمس اور گرم گرم سانسوں کی حرارت نے میری نیند توڑ دی۔ کیبن کی دودھیا روشنی میں سونیا کا گلاب رنگ چہرہ نظر آ رہا تھا۔

”یہ میں سونیا ہوں خرم۔“ اس نے شاید مجھے عالم غنودگی میں سمجھا۔ ہوش میں آؤ، میں تمہیں ایک اہم خبر دینے آئی ہوں۔ میں چند منٹ قبل اوپر گئی تھی کسی نے سائینس رگے ہوئے ریلوے سے مجھ

ہر گولی چلائی تھی۔ میں تمہیں یہی اطلاع دینے آئی ہوں کہ کوئی ہمارا دشمن بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ میں سب کچھ اس لیے نہیں بتا رہی کہ سونیا موت سے خوف زدہ ہے، نہیں چودھری۔ سونیا پیدا نش سے لے کر اب تک متعدد بار موت کے حلق تک گئی ہے ہر بار موت نے کڑوی گولی کی طرح اگل دیا ہے میں موت سے نہیں ڈرتی میں تو صرف اس لمحے سے ڈرتی ہوں جب تم مجھ سے چھین لیے جاؤ گے۔ اس لیے کہ میں نے اپنے من کا وہ دروازہ تمہارے لیے کھول دیا ہے۔“

”یہ باتیں میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔“ میں نے سر دھجے میں کہا۔ تم میری بات کا جواب دو، مادام شیل کی کہانی میں کہاں تک سچ ہے؟

”یہ بڑی پیچیدہ اور طویل کہانی ہے خرم۔“ سونیا بتانے لگی۔ ”ان دنوں میں جانسن کے ساتھ تھی، جانسن بغیر ساتھی کے ایک دن بھی نہیں رہ سکتا۔ تم حیران ہو گے کہ وہ ڈیوٹی کے دوران بھی اپنی ساتھی کو ساتھ رکھتا ہے۔ چند ماہ قبل جب ہمارا جہاز منہر سوینز پر لنگر انداز تھا تو وہاں اس پتھر کی سن گن مل تھی۔ آثار قدیمہ کا مرکز ماہر پراسلر طور پر ہلاک ہو گیا تھا اور سنا گیا تھا کہ سری لنکا کا معاون آفیسر ایک اہم پتھر لے کر فرار ہو گیا ہے پھر میں جانسن سے الگ ہو گئی تھی اور پتھر کی کہانی میرے ذہن سے محو ہو چکی تھی پھر تمہارے انکل بیکری زبانی جب پتہ چلا کہ کوئی عورت سری لنکا سے پتھر لے کر ادھر آئی ہے اور اس کا تعاقب کرنے والا آدمی مارا گیا ہے تو میں نے شیل فون پر جانسن سے رابطہ قائم کیا اور اسے بتا دیا کہ شاید وہی پتھر ان دنوں یہاں ہے اور بیکری کے جہاز سے فلپائن جا رہا ہے۔ جانسن نے کوئی چکر چلایا اور بیکری کو اپنے جہاز کی پیش کش کر دی۔ بس مجھے اتنا ہی کچھ معلوم ہے۔ لیکن مصر کے حوالے سے یقیناً وہ پتھر اہم ہی ہو سکتا ہے۔“

”ہوں۔“ میں نے پُر خیال انداز میں ہنکارا بھرا۔ لیکن مجھے کیا حاصل ہوگا؟ جانسن پتھر لے کر فوج پر چکر ہو جائے گا۔“

”بہت کچھ۔“ سونیا محنت سے بولی۔ اگر تم نے دل سے مجھے قبول کر لیا تو میں تمہیں دنیا کا خوش نصیب شخص بنا دوں گی۔ جب میں جانسن کے پاس آئی تھی تو اس نے تربیت کے دوران مجھ سے عہد لیا تھا کہ کبھی جانسن ضائع نہ کرنا۔ مجھے قسمت نے سہرا جانسن دیا ہے، بیک وقت دو قیمتی پتھر میرے سامنے ہیں ایک میری سماجی زندگی شاندار بنادے گا اور دوسرا میری زندگی کی دیرانیوں کو آباد کرے گا۔۔۔“

”نہیں۔“ میں نے اسے دھکیل دیا۔ یہ میں مشروط محبت اور وفاداری کا قائل نہیں ہوں۔ اگر تم بے لوث محبت کرو گی تو اس محبت

کی پیش یقیناً میں بھی محسوس کروں گا۔ میں انسان ہوں، ہاں اگر تمہارے نزدیک محبت کا مفہوم وہی ہے جس کا اعادہ تم بار بار کرتی رہی ہو تو ایسی محبت ہر ملک کے بازاروں میں ملتی ہے۔“

”کاش۔“ وہ طویل سانس لے کر سسکتی آواز میں بولی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم بالکل دوسری قسم کے جوان ہو تو میں محبت کو فاصلہ رکھ کر آگے بڑھتی لیکن تصور میرا بھی نہیں تھا۔ ہمیں ورثے میں محبت کا یہی ہیما نہ ملا ہے۔ وہ محبت جو تم چاہتے ہو صرف چاند سے ہی کی جا سکتی ہے جو صرف دیکھا جا سکتا ہے، یا خدا سے جو صرف محسوس ہو سکتا ہے لیکن جسے چھوا جا سکے اس سے تصوراتی محبت ہمارے نزدیک مضحکہ خیز جذبے کا نام ہے۔“

”سنو سونیا۔“ میں نے لا جواب سا سونے کے باوجود اپنی ارد فون پر قرار رکھتے ہوئے کہا۔ میں فی الحال محبت کی عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ موت کی وادی میں قدم رکھنے والا اور لاشوں کو پھیلانے والا شخص محبت کی گرم وگداز بانہوں کا کیسے تصور کر سکتا ہے یہ پھول فرصت کی کیاری میں ہی پھل پھول سکتا ہے۔ ہاں اگر زندگی نے ساتھ نہ چھوڑا تو فرصت کے طغات تمہیں ضرور دوں گا۔“

”وعدہ کرتے ہو؟ وہ خوش ہو کر چپکی۔“ بس خرم سلطان، میں اس خوش آئند خواب پر جی لوں گی۔“

”چلو اب باہر چلنے کی تیاری کرو۔“ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ کیونکہ باہر چل پہل شروع ہو گئی تھی۔

جب میں چھوٹے سے باغیچہ میں داخل ہوا تو مجھے اپنی بے بسی پر ہنسی آ گئی۔ میں غائب پھل فرسٹ کلاس کا مسافر تھا جس کے پاس تن کے بوسیدہ میبلے لباس کے سوا کوئی زاد راہ نہ تھا ابھی میں نے لباس جسم سے جدا نہیں کیا تھا کہ سونیا دروازہ کھول کر ہنسی بولی۔ ”اگنی۔“ میں نے اس کی اس عجیب حرکت پر خشک ننگا ہوں سے اسے گھورا۔ اس نے گھبرا کر فوراً صابن اور تولیہ آگے بڑھا دیا۔ میں نے صابن اور تولیہ لے کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔۔۔ تیار ہو کر تم پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے جب ڈائینگ روم کی سیڑھیاں اتر رہے تھے تو عقب سے آتی ہوئی آواز نے میرے قدم جکڑ لیے کیونکہ میری سماعت سے جو نام نکلا یا تھا وہ دھماکے کا اثر رکھتا تھا۔

”نہیں۔“ میں نے سونیا کا ہاتھ دبا کر سرگوشی میں کہا۔ پلٹ کر مت دیکھو بلکہ ان کو متوجہ کرنے اور تعارف حاصل کرنے کا یہیں کوئی معقول جواز سوچنا پڑے گا۔ ابھی بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ اس آفت کی برکال نے نہ صرف جواز سوچ لیا بلکہ عمل بھی کر بیٹھی۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اور لڑھکتی ہوئی سیڑھیاں چھوڑ کر نیچے جا پڑی تھی میں نے

بھی پھیلانگ لگاتے ہوئے چار سیڑھیاں یکبارگی طے کر لی تھیں۔

”تم ناشتہ ان کے ساتھ کرنے کی کوشش کرنا۔“ جب میں آئے بانہوں میں سہارا کر اٹھا رہا تھا تو سونیا نے ہدایات دیں۔ ”مجھے واپس اوپر لے چلنا۔ میں موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گی۔“

میں اس کی ساری پلاننگ فوراً ہی سمجھ گیا تھا۔ اس عیار رول کی ذہنی ذہانت سے ایک اچھا چانس پیدا کر لیا تھا۔

”زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔“ ایک مہربان آواز سن کر میں نے چہرہ گھمایا۔ میرے قریب ایک ادھیر عمر خوش رُوح عورت اور ایک جوان لڑکی کھڑی تھی۔ لڑکی نے ڈیڑھی بڑی بھوری آنکھوں سے میری آنکھوں میں براہ راست دیکھا اور اس کے لبوں پر ہلکا سا تبسم بکھرتا چلا گیا۔

”مجھے اوپر لے چلو جمال۔“ سونیا نے میرے حصار میں بھجوتے ہوئے کہا۔ اپنی آواز میں کہا۔ ”میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔“ مادام شیل نے آگے بڑھ کر سونیا کے بکھرے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس کے شانے کو تھپ تھپانے لگی۔

”ایڈنا۔“ اس نے نرم لہجہ میں کہا۔ بہن کی مدد کرو۔“

”شکریہ مہربان خاتون۔“ میں نے سر کو تعظیم میں خم دیا۔ میں اسے اوپر لے جاؤں گا۔ شاید ڈاکٹر کوال کرنا پڑے۔“ ایڈنا ایک قدم بڑھ کر رک گئی اور نرم ریز آواز میں بولی۔

”اگر میری خدمت کی ضرورت ہو تو میں ساتھ چلوں؟“

”نہیں شکریہ مس۔“ میں نے کہا۔

میں آگے بڑھ گیا۔ اوپر جا کر میں نے پلٹ کر دیکھا مادام شیل جا رہی تھی لیکن ایڈنا اسی جگہ کھڑی میری جانب دیکھ رہی تھی جوں ہی میں نے دیکھا وہ بڑبڑاتی ہوئی چل پڑی تھی لیکن میں نے اس کی کنزوری اور اپنے مشن کی کامیابی کا پیش خیمہ دیکھ لیا تھا۔ بقول سونیا میری مردانہ وجاہت نے ایڈنا کے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا۔ ویسے بھی دوستی کی حد تک وہ لڑکی بڑی بھی نہ تھی۔

”میں دیکھ رہی ہوں وہ گھائل ہو چکی ہے۔“ سونیا نے موڑ مڑتے ہی کہا۔ ”اب مجھے اتار دو اور اسے اپنے جال میں جکڑ لو، میں ان کے کیبن کی تلاشی لوں گی۔ تمہارا کام صرف ان کو دس پندرہ منٹ مصروف رکھنا ہے۔ اگر بکس ان کے کیبن میں ہی ہے تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔“ سونیا مجھے ہدایات دیتی ہوئی قطار در قطار کیبنوں کو دیکھتی ہوئی آگے نکل گئی۔ تب میں پلٹ کر سیڑھیاں پھیلانگنا ہوا ڈائینگ ہال میں داخل ہو گیا۔

ہال تقریباً خالی ہی تھا۔۔۔ میں دروازے میں رک کر خالی کرسی تلاش کرنے لگا، کونے میں دو کرسیاں خالی تھیں ایک مادام شیل کی

میز پر اور دوسری ان کی قریبی میز کی جس پر ایک سفید فام عورت تنہا ناشتہ کر رہی تھی۔ میں میزوں کے درمیان سے گزرتا، خود تگاؤں سے ٹکراتا، سفید فام عورت کی میز کی جانب بڑھتا گیا کیونکہ میں بلوٹا مادام شیلی تک پہنچنا میسر نہ ہوا تھا۔ "معاف کیجئے گا، مس! میں نے مؤدب انداز میں اس چائیس سالہ عورت کو مس کہہ کر مخاطب کیا۔ کیا میں یہاں بیٹھ جاؤں؟" اس نے نوالہ چباتے ہوئے چہرہ اٹھا کر کھڑکی نگاہوں سے دیکھا۔

"کرسی اٹھا کر کوئی اور میز دیکھ لو! اس نے ترش لہجے میں کہا۔ "مجھے فوس ہے، مس! کوئی میز خالی نہیں ہے!" میں نے میز پر ہتھیلیاں ٹیک کر کہا۔

"ہوں! اس کے چہرے پر غصے کی ٹکٹیں اُبھر آئیں۔ بیٹھ جاؤ لیکن میں کھانے کی میز پر کوئی ڈائیناگ سننے کی عادی نہیں ہوں۔ تم آج کل کے نوجوان موقع محل نہیں دیکھتے۔"

"شکریہ مس! میں نے کرسی سیدھی کرتے ہوئے کہا اور بیٹھ گیا۔ میں محتاط ہوں گا۔"

"ادھر ایک کرسی خالی ہے میرے بیٹے! مادام شیلی نے آواز دی شاید اس نے اس غصیلی عورت کی بک بک سن لی تھی۔

"جاؤ! وہ عورت استہزاء لہجے میں بولی۔ بڑھیا بلا رہی ہے۔ میں کرسی نزدیک کر کے بیٹھا اور غور سے مادام کی جانب دیکھا۔

وہ ایک روایتی قسم کی بردبار باوقار اور مہربان ماں تھی۔ میری نہ سہی۔ لیکن اس میں ایک باوقار بزرگ عورت کی ساری خوبیاں موجود تھیں اس کے اسکاف سے جھانکتے ہوئے سفید بال دیکھ کر مجھے اپنی ماں یاد آگئی تھی۔ تب میں نے سوچا تھا ایک اچھی اور مثالی ماں ہر جگہ ماں ہی دکھائی دیتی ہے۔ "شکریہ مادام! میں نے ماں کہتے کہتے دام کا اضافہ کر دیا تھا۔

"کوئی بات نہیں پیارے بیٹے! اس نے ٹیکن سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔ ہم جا رہی ہیں، صبح صبح خواہ مخواہ تم ایک نیک بڑھی عورت سے اچھے بیٹھے تھے! آؤ ایڈی، باہر کا موسم بہت سہانا ہے، ہم قہار ایکسپریس پر چل قریب کریں گے۔"

میں یکدم ہی بے چین ہو گیا کیونکہ وہ جا رہی تھیں اور سوئیا ان کے کہیں کی تلاش لی رہی تھی۔ مجھے ہر کیف ان کو دیکھنا تھا۔ اگر قدرت نے اتنی آسانی سے وہ موقع فراہم کر دیا تھا جس کے لیے میں بڑے طویل منصوبے بناتا رہا تھا تو اس موقع کو یوں ضائع کر دینا بد نصیبی ہی ہوتی۔ "مادام! میں نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ نے مجھے بیٹا کہا ہے۔ میں غریب الوطن ہوں، پردیس میں ماں

کا تصور بھی بڑا فرحت بخش ہوتا ہے کیا آپ کچھ دیر میری خاطر رک نہیں سکتیں۔ میں بھی سمجھوں گا آج ماں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔" بیٹھ جاؤ پیاری لڑکی! مادام نے اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھ کر کہا اور ایڈی نا بھی دھم سے بیٹھ گئی یہ میں تم جیسے پیارے بیٹے کی دل

فکشی نہیں کروں گی! اس نے اشارہ کر کے ویٹر کو بلا لیا اور میرے لیے ناشتے کا آرڈر دے دیا۔ میں باقاعدہ دم تک جاؤں گی بحری سفر ہمیشہ میرے معدے کا ستیاناس کر دیتا ہے۔ جب مادام باقاعدہ دم میں داخل ہو گئی تو میں نے محتاط انداز سے آہستہ آہستہ چہرہ موڑ کر دائیں طرف بیٹھی ایڈی نا کی جانب دیکھا وہ میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے گلاز ہونٹ مائل پر مسکراہٹ تھے اور اس کی آنکھیں اس قدر کشادہ اور روشن تھیں جیسے مکان کے کھلے دروازے ہوں اور باہر کھڑا شخص اندر تک دیکھ سکتا ہو۔

"آپ مسافر ہیں یا محلے سے متعلق ہیں؟ اس نے متر متر آواز میں پوچھا۔

"مسافر! میں نے اس کی آنکھوں میں ڈوبتے ابھرتے جواب دیا۔ "مشرق سے آتا کہ مغرب کی آغوش میں پناہ لینے جا رہا ہوں۔"

"اوہ! وہ کھٹک کر بولی۔ یہ انسان بھی عجیب شے ہے مغرب والے مشرق کے حسن کے خواب دیکھتے ہیں اور مشرقی مغرب کی رونمائی پسند کرتے ہیں۔"

"اوہ پیارے بچو! مادام نے چہک کر اپنی واپسی کا اعلان کیا۔ "تم لوگ تعارف کے مراحل میں ہو۔"

"ہاں م! ایڈی نا مسکرانے لگی۔ فی الحال سرورق دیکھ رہے ہیں۔ "تجربہ یہی کہتا ہے! مادام نے بیٹھے ہوئے کہا۔ "سرورق اچھا ہے تو کتاب بھی اچھی ہوگی، ویسے میری ذاتی رائے ہے۔ ہوسکتا ہے سرورق دھوکہ بھی دیتا ہو!"

منا مجھے اپنے شانے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا میں نے چونک کر دیکھا۔ مجھے وہی عورت کھڑی تھی۔ میں فوراً کسی طالب علم کی طرح بڑبڑاتا ہوا آٹھ کھڑا ہوا۔ "بیٹھو بیٹھو نوجوان! عورت نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔ میں یہ پوچھنے آئی ہوں تم ناراض تو نہیں ہو؟

"بالکل نہیں مس! میں نے جواب دیا۔ میں نابالغ بچوں کی باتوں کا برا نہیں منایا کرتا۔ میری بات پر ایڈی نا نے قہقہہ لگایا۔ مادام بھی زیر لب مسکرانے لگی غالباً وہ مصنوعی دانتوں کی وجہ سے قہقہہ لگانے میں محتاط تھی۔

"تم واقعی مہربان بزرگ ہو! عورت نے ہنس کر کہا اور میری پشت پر تھپکی دے کر بیٹی اور اپنی گرسی گھسیٹ لائی پھر میرے اور ایڈی نا

بیان بیٹھ گئی۔ ویٹر ناشتے کی ٹرے لایا تو اسی نے ٹرے پکڑی اور وہ بنائے لگی۔ میرے سامنے کپ رکھ کر اس نے باری باری ایڈی نا دام سے چینی کے بارے میں پوچھا۔ ایڈی نا نے تکرار کر کے مزید بیٹے سے معذرت طلب کر لی تھی اور مادام نے ایک انگلی اٹھا کر

سے اجازت دے دی۔ میں فطرتاً بد زبان اور بد مزاج نہیں ہوں! اس نے میز پر انگلیاں بجاتے ہوئے اپنی ترش کلامی کی انت شروع کر دی۔ انسان کو ماضی کے تلخ تجربات محتاط بنادیتے ہیں سیاح ہوں اور عموماً بحری راستے استعمال کرتی ہوں۔۔۔

نوع اور درامتی پسند واقع ہو لہے۔ میں جب خشکی پر رہتے ہوں آجاتی ہوں تو بحری سفر پر نکل کھڑی ہوتی ہوں گزشتہ ماٹراسے آ رہی تھی۔ ڈائنگ میل پر بالکل آج کی طرح ایک کڑی اجازت لے کر بیٹھ گیا تھا۔ میرے خدا، وہ شخص اتنا باتونی اور اس تھا کہ مجھے جیسی گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والی امق بن گئی تھی اپنے ساتھ برطانیہ لے گیا۔ تب میں نے خود پر دو سرا غول بڑھا ہے۔"

"ہر انگلی براہ نہیں ہوتی میری بچی! مادام نے متانت سے کہا۔ خیال ہے تم اپنی زیادتی کی وضاحت کر چکی ہو، اب اس موضوع پر نہیں ہونی چاہیے، نوجوان یہی طرح شرمارا ہے۔"

ایڈی نا نے چہرہ آگے جھکا کر میری جانب دیکھا۔ میں شرما تو نہیں غالباً اس عورت کی بک بک سے پریشان ہو رہا تھا۔ وہ خواہ مخواہ درمیان ہڈی بن گئی تھی۔

"مشرق کی یہی آوازیں ہم لوہکیوں کو باگل کر دیتی ہیں! وہ مجھے ان لوگوں کا دھیما پن اچھا نہیں لگتا۔"

"حلا نہ یہی مشرق کا اصل حسن ہے! ایڈی نا نے اس کی رائے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ مجھے تو مشرق والے اس لیے پسند ہیں کہ ماہرہ چلو اور سوچ کر لوگوں کے سہری اصولوں پر کاربند ہوتے ہیں۔ ہاں تو زندگی اس قدر تیز رفتا ہے کہ گجگسکی طرح مرد عورت ان سمتوں سے ٹکراتے ہیں اور چکنا چور ہو کر بکھر جاتے ہیں۔"

"سوری مس! وہ بولی۔

"ایڈی نا! ایڈی نا نے اپنا نام بتایا۔ پلیز تم بھی اپنا نام بتا دو۔" "میرا نام ماریا ہے اور نسلا ریڈ انڈین ہوں! ماریا نے تعارف ہاں تو میں کہہ رہی تھی ایڈی نا ڈیٹر مجھے تعاری رائے سے اتفاق ہے، میں پہلے کہہ چکی ہوں مجھے مشرقی لوگوں کا دھیما پن اس بھانپ نہیں لگتا کہ یہ لومڑی کی طرح مکار اور خود غرض ہوتے ہیں۔ لہذا آج کے انسان کی اوسط عمر پچاس ساٹھ برس ہو کر رہ گئی

ہے ان میں سے ابتدائی پندرہ سو برس اور آخری پندرہ برس نکال دو تو باقی پچیس تیس برس بچتے ہیں۔ ان میں آدھیں، تلاش، اشتیاع، علم معاش اور غم دوران کتنے مسائل ہمارے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اتنی مختصر زندگی میں ہمارے پاس آہستہ چلنے اور سوچ کر کچھ کہنے کا وقت ہی کہاں ہوتا ہے۔ عرب کی مشہور رومانی داستان ایلی مجنوں تو شاید آپ نے بھی پڑھی ہوگی! ماریا بولی۔ اس نے بزدلی اور حماقت کا ریکارڈ ہی توڑ دیا تھا۔ ایلی محل میں عیش کر رہی تھی اور جناب قیس صاحب ایلی لیل پکارتے صحراؤں میں جلتے رہتے تھے مجھے تو مرزا پسند آیا جس نے صاحبان کو چاہا، طلب کیا، نہیں ملی تو جھپٹ کر کٹھالی اور۔۔۔"

"غیرت مند بھائیوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا! میں نے اس کی بات مکمل کر دی۔ پرجوش اور تیز دھار محبت کو ہمارے ہاں ایک دن بھی زندہ نہیں رہنے دیا جاتا۔ آپ لوگوں کی تہذیب میں لڑکی بڑے فخر سے اپنے دوست کو گھر والوں سے متعارف کرانے لے آتی ہے اگر داتا کو گھر نہ آنا چاہیے تو ٹیلی فون پر بے جھجک والدین کو پیغام دے دیتی ہے لیکن مشرقی تہذیب شک کا سایہ بھی برداشت نہیں کرتی، وہاں مرد اور عورت کا تعلق، بیوی خاوند، ماں بیٹا اور بہن بھائی کے سوا کوئی دوسرا قابل برداشت نہیں ہوتا۔"

"لیکن اس کے باوجود تمہارے ہاں روحانی ادب ہے! ایڈی نا نے اعتراض کیا۔ لوگ محبت کے نام سے آگاہ ہیں۔ محبت کی جاتی ہے کیا ایسا نہیں ہے؟"

"میں انکار نہیں کروں گا۔ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ پھر اور قتل ہر معاشرے میں جرم ہے لیکن چوریاں یہاں بھی ہوتی ہیں، ہمارے ہاں بھی۔"

"واہ! مادام نے نعرہ لگایا۔ تم نے ایک اچھا جواب دیا ہے۔ اب مجلس برخواست کرو، ہاں میں صرف ہم لوگ ہی رہ گئے ہیں۔ ان بے چاروں کو بچ کے لیے صفائی کرنا ہوگی۔"

ڈیک پر خاصی چہل پہل تھی۔ کچھ لوگ سفری کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور کچھ ریلنگ پر جھکے منڈکی جھاگ اڑاتی لہروں کا نظارہ کر رہے تھے وہاں میں نے سونیا کو بھی دیکھا وہ ایک کونے میں ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑی تھی، میرے ساتھ مادام اور ایڈی نا تھیں ماریا اور آتے ہی ایک بوڑھے سے باتیں کرنے کے لیے رک گئی تھی۔ "یہ ہمارا کہیں ہے! ایڈی نا نے گزرتے گزرتے ایک بندر ڈانے پر ہاتھ رکھ کر بتایا میں نے دیکھا دروازے کے قریب ہی ایک دیو قامت حبشی کھڑا تھا۔ اس نے سر جھکا کر مادام کو تعظیم دی تھی۔

"یہ ہمارا بلائی گاڑ ہے۔" مادام نے میرا شک یقین میں بدل دیا۔
 "مادام! میں نے مؤدب انداز میں کہا: مجھے اجازت دیجئے
 اپنی ساتھی لڑکی کی خیریت معلوم کراؤں۔"
 "مئی! ایڈنا بول پڑی۔ شام کی چائے مٹھ۔" اس نے
 پہلی بار جتنی نگاہوں سے دیکھا۔
 "ناصر جمال! میں نے مسکرا کر اسے نام بتا دیا۔ اصولاً اور اخلاقاً
 یہ دعوت میری طرف سے ہونی چاہیے۔"
 "کیوں تم؟ ایڈنا نے مادام کے شانے پر چہرہ رگڑتے ہوئے
 ٹھنک کر پوچھا: ٹھیک ہے نا؟
 "ہاں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" مادام نے اس کے گال
 تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔
 "شکر ہے پیاری مئی! ایڈنا نہال سی ہو کر چکی۔ مسٹر ناصر ہمیں
 ساتھ لے چلا۔
 "دعوت قبول کرنے کا شکریہ مس ایڈنا! میں نے بہترین مسکراہٹ
 دی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ سونیا کا چہرہ بارہ بج رہا تھا۔ اس کی
 وجہ میں مادام کے دروازے پر دیکھ چکا تھا اسے پریشان دیکھ کر میرا
 دل قہقہے لگانے کو چاہ رہا تھا۔ کیونکہ مجھے نہ تو اس تھر کی خواہش
 تھی جو مادام اپنے ساتھ لے جا رہی تھی اور نہ ہی اس مال کی آرزو تھی
 جس کے لیے مجھے مقرر کیا گیا تھا۔ میں صرف بھڑیلوں کے غول سڈور
 نکل جانا چاہتا تھا اور وہ راستہ میرے لیے خود بھڑیلوں نے ہی کھول
 دیا تھا۔ میرا بنیادی مقصد بہر کیف پورا ہو رہا تھا۔ ہیو پارٹنر: قریب
 جا کر میں نے خوش دلی سے کہا: کیا بات ہے تمہارا چہرہ یوں دکھائی دیتا
 ہے جیسے ابھی ابھی کسی عزیز کو قبرستان چھوڑ آئی ہو۔
 "میں جانتی ہوں! سونیا ہونٹ سکڑ کر ناخوشگوار لہجے میں
 بولی: تم اس لڑکی کی وجہ سے اس قدر خوش ہو؟
 "ہاں ہوں پھر... میں نے ہنس کر اسے چڑایا: تم میری بیوی
 نہیں ہو کہ میں انکار کروں۔"
 "اگر تم انکار کرتے تو مجھے دکھ ہوتا۔ اس نے خلاف توقع
 جواب دے کر پل بھر کے لیے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میں بھی یہی
 چاہتی تھی کہ اسے اپنے پیچھے لگاؤ۔ کیونکہ اب ان کی عدم موجودگی میں
 کارروائی ناممکن ہے۔ وہاں ہر وقت وہ رچکے پھرہ دیتا ہے۔
 "یعنی ہندو اب میرے کندھے پر رکھی جائے گی۔ میں نے
 لہروں کا رقص دیکھتے ہوئے کہا۔
 "تم... تم... سونیا نے استفہامیہ انداز میں پوچھا: خیم! میں
 محسوس کر رہی ہوں تم منشی چھوٹے ہی بدل گئے ہو۔ دیکھو ڈیرا اگر ہم

ناکام رہے تو دوسرے نقصان سے دوچار ہو جائیں گے۔ مالی نقصان
 اور جان کا خطرہ کیا تم جانشن کی دھمکی بھول چکے ہو، اس کے آدمی
 ہماری مٹرائی پرستی کے لیے حاضر ہوں گے۔"
 "میں تو نہیں بھولا البتہ تم منشی کے خرم جو دھری کو بھول
 ہو۔" میں نے رینگ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا: اگر می جو
 جنگ کے خطرناک ساتھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے تو جانشن کے گرو
 میرے قریب نہ آسکیں گے۔ میرا اہم مشن فرار ہے۔ بہر کیف میں وہ
 معاملات سے بھی غافل نہیں ہوں۔
 "فی الحال سارے معاملات پر ایڈنا کو ترجیح دو۔" سونیا
 مشورہ دیا۔ دیکھو خرم! میں نہیں دلی گہرائیوں سے چاہتی ہوں کہ
 خود بخود کسی دوسری لڑکی سے محبت کرنے کی اجازت دے دی ہو۔
 عورت فطرتاً حاسد ہوتی ہے خصوصاً مرد کے معاملے میں مگر مقصد
 بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ اسے اتنا مجبور کر دو کہ وہ اپنی مال کو بچ
 فراموش کر کے تمہیں اپنے کیبن میں لے جائے۔ ہماری کامیابی
 یہی صورت ہو سکتی ہے کہ تم اندر تک رسائی حاصل کرو، میں
 گینڈے کو رجھانے کی کوشش کروں گی۔" میں نے آہستہ آہستہ چہرہ
 گھمایا اور میرے کڑے تیور دیکھ کر سونیا ہم گئی۔ آواز اندر چلی۔
 نے میرا ہاتھ تھام کر کہا: میں جانتی ہوں خرم تمہیں میری باتوں
 نے دکھ دیا ہے۔ مگر حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر جانشن دیر
 میں نہ آتا تو ہم سب کچھ اپنی ذمہ داری نبھانے کے لیے آزاد ہو
 میں نہیں چاہتی ہم ادھر جا کر جی دشمنی اور خون ریزی کی آگ میں
 ہم اپنے کیبن میں پہنچ گئے۔
 "اپنے خیالات درست کرو: میں نے کہا: میں باہر جا رہی
 ہوں۔ اگر میرا ساتھ جاتی ہو تو میرے اشاروں پر نگاہ رکھنا۔
 جوں ہی باہر نکلا ایک ملاح آتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر
 مسکراہٹ دیکھ کر میں نے یہ سمجھ کر اسے جوابی مسکراہٹ دی کہ وہ
 رسما ایک فرسٹ کلاس مسافر کو استقبال مسکراہٹ دے رہا ہے۔
 "مسٹر ناصر جمال! اس نے مؤدب لہجے میں کہا: کیپٹن
 نے آپ کو یاد کیا ہے۔
 "کہاں ہیں؟ میں نے پوچھا۔
 "نیچے لیج روم میں! اس نے جواب دیا اور میرے ساتھ
 چل پڑا۔ گھومتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر تنگ راہداری سے گزرتے ہوئے
 جب ہم لیج روم کے دروازے کے سامنے پہنچے تو سیر نے اندر جانے
 اشارہ کیا اور خود آگے بڑھ گیا۔ میں نے اندر داخل ہونے سے قبل
 کر دیکھا، سامان کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں بے آقا
 داخل ہو گیا۔ بیٹیوں کے پیچھے کچھ لوگ موجود تھے باتوں کی آواز آتی
 دے قدموں میں سامان کے درمیان تنگ راستے سے گزرتا
 ہی سامنے گیا میرا وجود بھٹک سے جیسے آگیا تھا اگر ان کا رخ
 طرف ہوتا تو مجھے اچھلتے دیکھ کر وہ کوئی بھی اندازہ قائم کر سکتے تھے
 مارش کے ساتھ می جو کھڑا تھا۔ دونوں کی پشت میری جانب
 پہل خیاں جو فوری طور پر میرے ذہن میں پھوٹا تھا اگر میں اس پر
 دیکھتا تو یقیناً مستقبل کی پیشانی پر تحریر کچھ دوسری ہوتی بلکہ میں
 اس خیال کو اضطراب کہہ کر رد کر دیا۔ ورنہ می جو کو گولی مار دینا کچھ
 نہ تھا۔ گولی مار کر میں آسانی سے خود کو سامان میں گم کر سکتا تھا۔
 نے اضطرابی کیفیت پر گہری گہری سانسوں کے عمل سے قابو
 اور دھک دار قدموں سے چل پڑا۔ تب ہی دونوں نے بیک
 پلٹ کر دیکھا۔
 "آئیے آئیے مسٹر ناصر! کیپٹن مارش پر جوش انداز میں ہاتھ لہرا
 رہے۔ گرینڈ ماسٹر! یہ ہیں مسٹر بیکر کے نمائندے مسٹر ناصر جمال! می جو
 ہندوستانی ہوئی آنکھوں سے میرے سراپا کو دیکھا اور صاف
 لیے سوکھا ہوا ہاتھ بڑھا دیا میں نے قدم سے جھک کر اس کا ہاتھ
 ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔" ناصر! یہ گرینڈ ماسٹر می جو ہیں۔ آپ
 کے مال کا نگران مقرر کیا گیا ہے۔
 "میں نے اپنے آقا سے ان کی بہت تعریف سنی تھی۔ میں نے
 اور بچے کو بھاری بناتے ہوئے کہا: یہ اعزاز میرے لیے قابل
 ہے کہ میں اس خدمت کے لیے چنا گیا ہوں۔"
 "شکر ہے نوجوان! می جو نے نرم آواز میں کہا: بیکر نے تمہارے
 میں بھی بہت کچھ بتایا ہے۔ پہلے سامان دیکھ لو تاکہ میں لا کر میں
 اسے میرے ساتھ بھی دو نگران آئے ہیں۔ ایک چابی تمہارے پاس
 ہے اور دوسری ان کے حوالے کی جائے گی جب سامان طلب کیا جائے
 کی موجودگی میں تم لوگ اپنی اپنی چابی سے لا کر کھولو گے اور سامان
 کے نمائندوں کے حوالے کر دو گے۔ پروگرام کے بارے کیپٹن کو ہدایات
 دی ہیں۔ کب اور کہاں سامان اترے گا غالباً تمہیں بھی بیکر نے
 دیا ہوگا۔
 "جی ہاں ماسٹر! میں نے اثبات میں سر ہلایا: مجھے میرے آقا
 کی بات دے دی تھیں۔
 "جب میرا سامان میرے حوالے کیا جائے گا۔" می جو نے
 اسی وقت میرا نمائندہ بیکر کی میٹی کو تمہارے سپرکریڈے گا میں
 بیکر کو مطلع کر دیا ہے۔
 "کیا آقا زادی اسی جہاز پر سفر کر رہی ہیں؟ میں نے ادب سے پوچھا۔

"یہ تمہارا مشن نہیں نوجوان! می جو غرایا: بس تم سے جو کچھ
 کہا گیا ہے اسی پر عمل کرو۔"
 "بہتر ماسٹر! میں نے سہم جانے کی اداکاری کرتے ہوئے سکڑ
 کر کہا: میں گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔"
 "کیپٹن! وہ مارش کی جانب گھوم گیا: مجھے بتایا گیا ہے کہ بیکر
 نے ایک لڑکی بھی مقرر کی ہے، میں کسی لڑکی کے کندھوں پر اتنی بڑی
 ذمہ داری کا بوجھ ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ تم بیٹیوں نگوں کی ڈیوٹی خود
 مقرر کر دینا۔ میں چاہتا ہوں ہر وقت ایک نگران یہاں موجود رہے۔"
 "ایسا ہی ہوگا ماسٹر! مارش نے جواب دیا: بلکہ اگر آپ
 اجازت دیں تو میں اپنا سکیورٹی گارڈ بھی ادھر لگا دوں گا۔"
 "نہیں! می جو نے انکار کر دیا: اگر مجھے جہاز کے نگران ہی مقرر
 کرنے ہوتے تو میں اتنا پیچیدہ راستہ اختیار ہی نہ کرتا۔ جہاز کا عملہ
 صرف تمہیں جواب دہ ہوگا جب کہ ان لوگوں سے میں جواب
 طلب کروں گا۔"
 "جیسے آپ کی مرضی ماسٹر! مارش کندھے اچکا تا ہوا سلمان کی
 جانب چل پڑا۔ مسٹر ناصر! براہ کرم سامان لا کر میں رکھنا شروع کر دو۔
 میں نے اجازت طلب نگاہوں سے می جو کی جانب دیکھا اس نے گردن
 ہلا کر کیپٹن کی تائید کر دی۔ سامان تین سربہر بیٹیوں اور پندرہ پلاٹسک
 کے تھیلوں پر مشتمل تھا۔ میں نے سامان اٹھاتے وقت ہی اندازہ کر لیا
 تھا کہ بیٹیوں میں سونا، ہیرے اور دیگر قیمتی اشیاء ہوں گی جب کہ
 تھیلے لو کی زبان سے اپنی اہمیت بتا رہے تھے۔ تھیلوں میں چرس،
 افیون اور ہیروئن پیک تھی۔ ہر تھیلے کا وزن پچاس کلو سے کم نہ رہا ہوگا۔
 لا کر کیا تھا لوہے کی عام سی الماری تھی جو لکڑی کے تختوں کے درمیان
 چھپی ہوئی تھی، البتہ قفل کا نظام قدرے پیچیدہ سا تھا۔ کیپٹن نے
 نمبروں کو گھما کرتا لے بند کیے تھے اور ایک چابی میرے حوالے کر دی تھی
 میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور آنکھوں کے راستے قفل کا نظام ذہن
 کے دریچے سے اندر محفوظ ہو گیا تھا۔ اس وقت نوبت تھی: مارش
 نے گھڑی دیکھ کر کہا: بارہ بجے تک آپ ڈیوٹی دیں گے۔ اس طرح
 ہر تین گھنٹے بعد ڈیوٹی بدلتی رہے گی۔ میں نے اثبات میں گردن کو خم
 دیا اور می جو کیپٹن کے ساتھ چل پڑا تھا۔
 جو کچھ ہوا تھا سونیا اس سے آگاہ نہ تھی۔ جب مارش نے تین
 گھنٹوں کے لیے مجھے نہ خانے میں بند رہنے کا حکم سنایا تھا اس وقت
 مجھے سونیا کی پریشانی کا خیال آیا تھا لیکن میں سونیا کے لیے کوئی پتہ
 نہ دے سکتا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ سونیا دن کی روشنی میں می جو
 کے سامنے آئے جو اس کے چہرے پر میک آپ کر دیا گیا تھا لیکن

وہ اپنے اسی خدوخال سے بچپانی جاسکتی تھی۔ اسے موجودہ حالات سے باخبر کرنا بھی ضروری تھا ورنہ میری طویل غیر حاضری اور گشتی کا کوئی دوسرا مطلب بھی اخذ کر سکتی تھی۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد میں نے اوپر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ می جو کھلے چہرے کے ساتھ کھلی جگہ گھومنے پھرنے کا خطرہ کبھی مول نہیں لے گا۔ اگر اسے خطرہ نہ ہوتا تو وہ خود اپنے مال کے ساتھ ہی سفر کرتا۔ کسی نامعلوم خطرے نے ہی اسے دوسروں پر انحصار کرنے پر مجبور کیا ہوگا۔ ڈیک پر زندگی معمول کے مطابق متحرک تھی میں تیز قدم اٹھاتا جب ایڈنا کے کیبن کے قریب گیا تو ایڈنا دروازے میں کھڑی دکھائی دی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں کے چراغ جل اٹھے اور گلاب رنگ ہونٹ اودھ کھلے پھول کی مانند مسکانے لگے تھے۔ "ہیلو ایڈنا" میں نے قریب جا کر اظہارِ مسرت کیا۔ "کیا مدام آرام کر رہی ہیں؟"

"نہیں" ایڈنا نے چمک کر بتایا۔ "مطالعہ کر رہی ہیں تم کہاں تھے؟ میں تین چکر لگا چکی ہوں۔"

"نیچے انجن روم کی طرف نکل گیا تھا" میں نے اسے بتایا۔ "کیپٹن مارش میرا دیرینہ دوست ہے اس نے ادھر بلا لیا تھا۔"

"آؤ ادھر چلیں" اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ "فارغ ہوں۔"

"سوری مس ایڈنا" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "بارہ بجے کے بعد حاضری دوں گا پھر ہم مل کر چائے پینے چلیں گے۔"

"لیکن اب کیوں نہیں؟ وہ لاؤسے انداز میں ٹھٹک کر بولی۔

"پلیز... مجھے شرمندہ نہ کرو، میں مصروف ہوں" بعد مشکل اس سے ہاتھ چھڑا کر تین تقریباً دوڑتا ہوا اپنے کیبن میں داخل ہوا۔ سونیا میرے بیڈ پر اوندھی بیٹی ہوئی تھی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر سپاٹ انداز میں دیکھا اور پھر کروٹ بدل کر منہ دیوار کی جانب کر لیا۔ میں تمہیں منانے اور ہنسائے کے لیے نہیں آیا" میں نے سر و آواز میں کہا۔ "مجھے تمہاری ناراضگی کی قطعاً پروا نہیں ہے میں تمہاری سلامتی کے لیے بتانے آیا ہوں کہ خود کو اس کیبن تک ہی محدود رکھنا می جو اس جہاز پر موجود ہے۔"

وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی اور خوف زدہ سی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ "اوہ! اس کا مطلب ہے مال جہاز پر آچکا ہے؟"

"ہاں" میں نے جواب دیا۔ "میں خود مال لا کر میں بند کر کے آیا ہوں اور بارہ بجے تک انجن روم میں میری ڈیوٹی ہوگی۔ میرا خیال ہے می جو رات کے اندھیرے میں جہاز چھوڑے گا۔"

"پھر احتیاطاً مجھے ریڈی میڈ میک آپ کر لینا چاہیے" وہ

اچھل کر اٹھی اور دوڑتی ہوئی با تھر روم میں داخل ہو گئی۔

ٹھیک بارہ بج کر سات منٹ پر کیپٹن مارش کے ساتھ ایک نوجوان انجن روم میں داخل ہوا۔ میرے لیے وہ اجنبی ہی تھا میں نے می جو کے گروہ میں اسے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن جسمانی ساخت سے کافی طاقت ور اور پھر تیل دکھائی دے رہا تھا۔ "مسٹر جگدیو" مارش نے نوجوان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تعارف کرایا۔

"نام جمال" میں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے مسکراہٹ اٹھائی۔ "آپ کا تعلق غالباً انڈیا سے ہے؟"

"نہیں" نوجوان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ "بھونان۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر جگدیو" میں نے اس کا ہاتھ گرجوشی سے دبا کر چھوڑ دیا۔ "آپ لا کر چیک کر لیں" اس نے ہینڈل پر کر جھٹکا دیا اور پھر مسکراتا ہوا کسی برہمیٹھ گیا۔

"آئیے مسٹر ناصر" کیپٹن مارش نے کہا۔ "لیج کا وقت ہو رہا ہے والا ہے۔"

"آپ کو تورات بھر بار بار جاگنا پڑے گا کیپٹن" میں نے دل کے خدشے کے تحت کہا۔ "دیکھئے نا سرتین گھنٹے بعد آپ اپنی نگرانی ڈیوٹی تبدیل کریں گے۔"

"اوہ نہیں" مارش ہنسے لگا۔ "ایسا نہیں ہے اب اس کے ساتھ خود ڈیوٹی پر آجائے گا۔"

میں نے اطمینان کی سانس لی کیونکہ میرے ذہن میں جو منہ پل رہا تھا اس میں کیپٹن مارش کی گنجائش نہیں تھی اور میں کسی بڑے اور غیر متعلق شخص کو منصوبے کی جھینٹ چڑھانے کے حق میں نہ تھا۔

کیپٹن نے میری آنکھیں دوڑ کر دی تھی۔ دوپہر کا کھانا میں نے سونیا کے ساتھ کھایا تھا چونکہ میں ڈیوٹی سے فارغ ہو کر ٹھکانے آ رہا تھا۔ پھر غسل بھی کیا تھا۔ یہی وجہ رہی تھی کہ جب ہم دونوں ڈائیننگ ہال میں داخل ہوئے تو لوگ کھانے سے فارغ ہو کر گپ شپ لگا رہے تھے۔ ایڈنا اور مدام بھی جلدی ہی اٹھ گئی تھیں۔ ڈائیننگ ہال سے نکل کر سونیا میری ہدایت پر اپنے کیبن میں بند ہو گئی اور میں ٹھہرا ہوا ڈیک کی جانب چلا گیا۔ راستے میں ایڈنا کا کیبن تھا باہر وہی نیگرو تھا۔ بسا اے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اگر میں چاہتا تو دستک دے کر دروازے کھلوایتا لیکن قیلوے کا وقت تھا میں نے ان کو ڈمرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور آگے نکل گیا چونکہ میرا چہرہ میک اپ کے خول کے اندر تھا اس لیے مجھے اپنے بچپان لیے جانے کا کوئی دھڑکا نہیں تھا۔

"نہیں پیاری مٹی" اتنے خوشگوار موسم میں تو مڑوے بھی جاگ پڑتے ہیں، کیا ہم جائیں مہم؟

"جاؤ، اگر ایک آدھ منٹ رک سکو تو مجھے بھی ساتھ لے چلنا۔"

"آرام سے تیار ہو جائیں مدام" میں اندر داخل ہو گیا۔ "ہم ماں جی پیاری ہتی کے بغیر نہیں جائیں گے۔"

"شکر بیٹے" مدام نے متا جھری آواز میں کہا۔ "بس میں تیار ہوں۔"

چلے میری فرمائش پر انھوں نے بیٹی پسند کی تھی۔ "مسٹر ناصر" پیالی کے افق سے ایڈنا دیکھتے ہوئے بولی۔ "گو یہ بات کچھ میوب سی ہوگی، مگر میں دل کی بات دبانے سے قاصر ہوں، کیا آپ ادھر ملازمت حاصل کرنے جا رہے ہیں؟"

"یقیناً" میں نے چائے کا سب نکل کر جواب دیا۔ "زندگی کی گاڑی دھکیکنے کے لیے ذریعہ معاش ضروری ہوتا ہے۔"

"کسی مخصوص پیشے سے آپ کا تعلق ہے یا...؟ بات ادھوری چھوڑ کر اس نے سب لیا۔"

"پیشے کے لحاظ سے میں مزدور ہوں" میں نے بتایا۔ "وطن سے کسی شب پر سروس کی خواہش لے کر نکلا تھا لیکن ادھر اگر خواب بھر گئے ہیں اب معاش کی تلاش میں آوارہ گردی کر رہا ہوں۔"

"ممی" ایڈنا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "آپ کی اجازت کے ساتھ میں مسٹر ناصر کو آفر دے رہی ہوں۔"

"پہلے میری ایک آنکھیں دوڑ کر دیکھئے" مدام نے حسبِ عادت رومال سے ناک صاف کرتے ہوئے کہا۔ "یہ جو لڑکی تمہارے ساتھ ہے۔ رشتے کے لحاظ سے تمہاری کون ہے؟"

"مادم میں آپ کو ایک لطیفہ سنانا ہوں۔ شاید آپ کی آنکھیں دوڑ جو چلے۔ میں نے خالی پیالی طے میں رکھتے ہوئے کہا۔ "ایک شخص جب کبھی کسی کے سر پر ٹوپی دیکھتا تو اسے اپنے ننگے سر کا احساس ستانے لگتا تھا ایک دن گلی سے گزرتے ہوئے دُعا کی لے مہربان خدا مجھے ایک نئی ٹوپی عطا فرما۔ عین اسی وقت کسی خاتون نے اپنے خاوند کی پرانی ٹوپی اوپر سے گلی میں پھینکی اور اس شخص کے سر پر ان گری پہلے تو وہ بہت خوش ہوا کہ اللہ میاں نے فوراً دعا قبول کر لی ہے پھر جب اس کی نگاہ ٹوپی پر پڑی تو وہ بولا۔ لے خدا! میں نے تو نئی ٹوپی کے لیے دعا مانگی تھی" مدام اور ایڈنا ہنستے ہنستے دہری ہو گئی تھیں اور ہال میں بیٹھے لوگ پلٹ پلٹ کر دیکھنے لگے تھے۔ میں تنہا تھا اور ساتھی کے لیے میں نے بھی دعا کی تھی لیکن پرانی ٹوپی کی طرح یہ لڑکی میرے سر پر رکھ دی گئی ہے لہذا خشتی تک اسے طوعاً و کرہاً برداشت کرنا پڑے گا۔"

میں ادھر ادھر گھومتا رہا۔ دراصل میں سونیا کے بیان کی تصدیق کر رہا تھا اس نے رات مجھے بتایا کہ کسی نے اس پر گولی چلائی تھی جو کبھی کوئی تھا سونیا کے ساتھ مجھے بھی دیکھنا رہا ہوگا دن کی روشنی اگر وہ مجھ پر گولی نہیں چلا سکتا، کم از کم گھور تو سکتا تھا۔ میں کسی ایسے ہی شخص کو تلاش کر رہا تھا مگر مجھے کسی نے بھی گھور کر نہیں دیکھا۔ میں نے بوجھ کر رنگ پر جھکا ہوا تھا کیونکہ ایک جاپانی نژاد نوجوان ٹھہرتا اور دوسری بار میرے قریب سے گزرا تھا۔ اس وقت ڈیک تقریباً ویران ہو چکا تھا۔ لوگ چلے پینے چلے گئے تھے ایک معذور بوڑھا البتہ چٹائی پر لیٹا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ اگر اس نوجوان کو ڈیک خالی ہونے کا ہی اشتیاق تھا اور اسے میری ہی تلاش تھی تو میں نے خود کو آسان کر دیتا تو کوئی آنکھ دیکھ نہ پاتی۔ اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا تو میرا جسم تن گیا اور رینگ پر میری گرفت مضبوط ہو گئی۔ آپ کے پاس ماچس ہوگی دوست" اس نے نرم اور مودبانہ آواز میں پوچھا۔ میں نے رینگ پر گرفت بدستور مضبوط رکھتے ہوئے پلٹ کر دیکھا اس نے بھی یقیناً دیکھا ہوگا کہ میرے دونوں جوتوں کی نوکٹیں بھی آبی جنگلے میں پھنسی ہوئی تھیں اگر وہ کوشش کرتا تو مجھے ہاں سے ہٹا دیتا۔ "مجھے افسوس ہے دوست" میں نے دستا نہ انداز میں جواب دیا۔ "میں اس نعمت سے محروم ہوں۔"

"میں صبح سے دیکھ رہا ہوں خوبصورت خوش نصیبی تمہارے ساتھ ساتھ چل رہی ہے" وہ بولا۔ "اور اب بھی یقیناً تمہاری جانب سے دوڑتی آ رہی ہے۔"

میں نے چہرہ یکدم گھمایا اور وہ ہنستا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔ واقعی خوبصورت ایڈنا میری طرف آرہی تھی۔ میں تمہارے دروازے پر دستک دے آئی ہوں" اس نے قریب آ کر بتایا۔ "تمہاری بیوی شاید بہت گہری نیند سونے کی عادی ہے۔"

"بشرطیکہ اس کا بیٹ بھرا ہوا ہو" میں نے کہا اور ایڈنا کا قبہ پر نرم بکھیرتا ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

"چلو مٹی تمہارا انتظار کر رہی ہیں" اس نے بے تحشک میرا ہاتھ تھام لیا۔ اور پھر گھسیٹی ہوئی اپنے کیبن تک لے گئی۔ دروازہ کھول کر اس نے اندر تھانک کر دیکھا کھلے دروازے سے میں نے بھی دیکھ لیا تھا مدام کھڑی سو رہی تھی۔ "ممی آپ تیار ہو کر نیچے آجائیے۔ ہم جا رہے ہیں۔"

"اوہ لڑکی" مدام زور سے بولی۔ "تم پارے کی طرح مت پھرتی پھر، بیمار پڑ جاؤ گی۔"

”یعنی تمھاری بیوی نہیں ہے؟ مادام نے پوچھا۔
 ”نکٹ پر اس کا نام میرے نام کے ساتھ ہے۔ میں نے گول
 مول جواب دیا۔ لہذا فی الحال وہ میری بیوی ہے۔“
 ”ٹھیک ہے تم جیسے نوجوان کی ضرورت ہے۔“ مادام نے
 فیصلہ صادر کر دیا۔ ”اُدھر آتے ہی میں اس کا لیے کوفارنگ کروں گی
 پھر تم براستہ مہرامیکہ جانیں گے۔“
 ”اوہ امریکہ۔“ میں خوشی سے اُچھل پڑا۔ میرے خوابوں کی زندگی
 بہت بہت شکر و محرم خاتون۔ میں بھی اُس بندریا کو چھوڑ دوں گا۔“
 ”اب اُٹھ چلو پتھر۔“ مادام نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ میں زیادہ دیر
 بیٹھ نہیں سکتی۔ مادام آہستہ آہستہ اُگے چل رہی تھی، سب کچھ چونک کر ایک
 مقصد کے تحت چور ہا تھا۔ اس لیے میں نے اپنی عادت کے خلاف ایڈنا
 کو فاصلہ کم کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اگر میں اپنی سابقہ اکثریتی
 اور عورت سے بدکنے کی روش پر قائم رہتا تو ایڈنا اتنی تیزی سے میان
 فاصلہ بھی کم نہ کر سکتی لیکن مجھے اُسے نزدیک لاکر ہی اپنا مقصد حاصل کرنا تھا۔
 میں اور ایڈنا کیسے دروازے پر ٹھہر گئے۔

”تم لوگ کھڑے کیوں ہو گئے۔ آؤ اندر چلیں۔“
 ”شکریہ مادام۔“ میں نے مؤدب لہجے میں کہا۔ آپ آرام فرمائیں
 میں پھر کسی وقت حاضری دوں گا۔“
 ”اوہ نہیں پیارے لڑکے۔“ مادام نے میری پشت پر تھپکی دی۔
 ”چلو تمھیں خشک فروٹ کھلاؤں۔“ انکار کی گنجائش نہیں رہی تھی۔
 پھر شاگھ جیسے تک میں فارغ ہو گیا تھا۔ اُن کے پاس بھی دو کیبن تھے باغ
 کا دروازہ کھول کر انھوں نے دونوں کو مار کھا تھا میں نے اندر اہل
 ہو کر سرسری نگاہوں سے سامان دیکھا اور حیرت سے میری آنکھیں
 جھپکنے لگی تھیں۔ وہ کیس جس کی شہرت نے بڑے بڑے ماسٹر
 کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ سائڈ ٹیبل پر ایسے ہی پڑا ہوا تھا جیسے اُس
 کے اندر ردی کا غدر رکھے ہوں۔ وہ کیس واقعی اس کیس سے مشابہ تھا جو
 جانسن نے ہمارے حوالے کیا تھا۔ مادام کے ساتھ ایڈنا دوسرے پورشن
 میں چلی گئی تھی جب واپس آئی تو اکیلی تھی۔

”تھوڑا رخ بدل لو پتھر۔“ وہ آتے ہی بولی۔ میں لباس بدلنا
 چاہتی ہوں۔“
 میں نے کرسی کا رخ بدل لیا۔ مگر گردن پر سرور اور ٹھوس دباؤ
 محسوس ہوا۔ لیکن میں پلٹ کر دیکھنے اور کوئی حرکت کرنے کا وقت ضائع
 کر چکا تھا۔ ایک اور خوش رنگ ناگن نے خرم چوہدری کو دوس لیا تھا۔
 ایڈنا نے اپنے سر پر لپا کا کھور و فارم گھما کر مجھے اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا
 مجھے افسوس ہے ناصر جمال۔ ایڈنا کی آواز میں واقعی ندامت کی لہر تھی۔

”لیکن محبت اور فرض میں بڑا فاصلہ رہا ہے لیکن یہ لمحاتی اور عارضی چیز
 بھی ہو سکتا ہے میں تم سے معافی مانگ لوں گی۔“
 ”مسنے اگر معاملے کی بات کرو ایڈنا۔“ میں نے کہا۔ کوئی غلط فہمی
 بھی ہو سکتی ہے۔“
 ”اندر آ جاؤ گاڑی۔“ مادام شیلی نے درمیان دروازے سے غور
 ہو کر بیکارا اور دروازہ کھول کر نیگرو باڈی کا روٹھو دانتوں کی نمائش
 کرتا اندر آ گیا۔ اسے کرسی کے ساتھ جکڑو۔“ مادام نے اسکا رخ
 باڈی گاڑی کی جانب اچھال کر حکم دیا۔
 اگر میں زمین پر ہوتا اور ایک لڑکی مجھے یوں بے بس کرتی تو میں
 کسی نہ کسی طرح باڈی اپنے حق میں کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ جب نیگرو
 بے احتیاطی سے میرے قریب آیا تھا۔ اُسے اُٹھا کر ایڈنا پر پھینک دینا
 بھی اتنا مشکل نہ تھا۔ مگر خشکی اور تری کا فرق مجھ پر سوار تھا۔ میں فرار ہو کر
 سمندر میں کود نہیں سکتا تھا اور کیبن کوئی محفوظ پناہ گاہ نہ تھی اور نہ ہی
 میں قبل از وقت کوئی ہنگامہ برپا کرنا چاہتا تھا۔ نیگرو نے میرے بازو
 کرسی سے باندھ دیے اور ایڈنا نے دیوالوڑی مجھے ہٹا لیا تو مادام کرخت

پہرہ لیے میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اب کرسی سمیت میرے نیچے کو آرام
 سے اُٹھا کر دوسرے کمرے میں لے چلو۔“ مادام نے دوسرا حکم دیا۔ نیگرو نے
 جھک کر مجھے یوں اُٹھا لیا جیسے کوئی پتھر اپنا کھلونا اُٹھا رہا ہو۔ بلاشبہ
 ایک طاقت ور مرد تھا۔ اگر میں اس سے ٹکرانے کا فیصلہ کر ہی لیتا تو
 بازی جیتنے کے لیے مجھے دانتوں پسینہ آ جاتا۔
 ”میری محبت اور آفراب بھی برقرار ہے ناصر۔“ ساتھ ساتھ چلتی
 ایڈنا نے میرے بالوں کو مصیبت قہقہے سے ہونٹے کہا۔ لیکن فرض اور سلاطی
 ہر جذبے پر غالب ہوتی ہے۔ میں نے جواب دیا نہ ہی چہرہ اُٹھا کر اُس
 کی جانب دیکھا تھا۔ احساس ندامت اور تشویش ناک علامات نے میرے
 حواس میں جیسے انگارے بھر دیے تھے۔

”اسے پیچانو لڑکے۔“ مادام نے دوسرے کیبن میں جاتے ہی کہا۔
 ”تمھاری پرانی ٹوپی ہے شاید۔“ مادام نے یقیناً حیرت کا بھر پور جھکا دیا
 تھا لیکن میں نے اُس کی توقع کے بالکل برعکس ہی رد عمل ظاہر کرتے
 ہوئے کھل کر قہقہہ لگا لگا یا تھا کیونکہ میں اتنے جھٹکے برداشت کرتا آیا تھا
 کہ اب کئی شدید ترین واقعات بھی مجھے استعجابی کیفیت سے دوچار نہیں کر
 سکتا تھا۔ کہنے میں ادھڑی ہوئی لڑکی می جڑے گروہ کی خطرناک سونیا تھی
 اگر اس کی جگہ بیکری بیٹی اور میری پسندیدہ لڑکی ایڈنا ہوتی... تو بھی میں
 مادام کو طنز پر قہقہہ لگانے کا موقوف نہ دیتا۔ مجھے خلاف توقع ہنستے دیکھ کر میری
 جانب اچھالنا جو ابھر واپس مادام کو ہی لگا تھا کیونکہ میں نے اُسے جو بکتا اور
 حیرت زدہ ہونے دیکھا تھا۔ جب میں واپس اندر آئی تو جیکال اسے

پتھر جھکا تھا۔ مادام نے صفائی پیش کرتے ہوئے بتایا۔ ”جیکال کی زبان
 ب مجھے معلوم ہوا کہ لڑکی اُسے درغلا کر اندر لائی۔“ اور اپنی قیمت
 کے سائڈ ٹیبل پر پڑا ہوا کبس لگاں تو میں نے تھیں بھی بلاناغہ لڑکی
 سے کہا۔ اب تم بتاؤ گے کہ کبس کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو؟ مادام نے
 مقدم چل کر سونیا کے چہرے سے بال ہٹائے اور اُسے سہارا
 دیا۔ ”یہاں اُس کی خراشوں پر انگلی پھیرتے ہوئے پکپکانے کے
 باز میں بولی۔ مجھ سے تعاون کرو اچھی لڑکی، میں جانتی ہوں تمھیں
 سی دوسری طاقت نے کوئی لایچ دے کر میدان میں آنا رہا ہوگا۔ لہذا
 ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں یہ کھیل ہے اگر تم لوگ حیرت
 لیتے تو وقت تمھارا ساتھ دیتا، شاباش بولو۔“
 ”مم۔۔۔ میں کچھ نہیں جانتی۔“ سونیا کراہتے ہوئے منمنائی۔
 میں ناصر کو تلاش کر رہی تھی، میرا خیال تھا آپ لوگوں کے کیبن
 میں ہوگا۔ میں کی ہول سے دیکھ رہی تھی کہ اس نے دبوچ لیا۔ میں
 پیپن سے اس بریریت کی شکایت کروں گی۔“
 ”سنو لڑکی۔“ مادام کو پرے دھکیل کر ایڈنا غرائی۔ یہ پورٹی

نورت اپنے اندر متنا کے گداز جذبے کھتی ہے لیکن میں تمھاری چٹری
 دھیر دھیر لگی۔ کبس کے متعلق ہمارا باڈی کا رُخ کچھ بھی نہیں جانتا تم
 نے یقیناً اپنے حیرت سراپا کے عوض کبس طلب کیا ہوگا۔ مجھے صرف
 نانا بتا دو، تم کس کے لیے کا کر رہی ہو؟
 ”ناصر۔“ سونیا رو پڑی۔ ”ان کو بتاتے کیوں نہیں کہ ہم صرف
 مسافر ہیں، تم خاموش کیوں ہو؟“
 ”اس لیے کہ تم نے مجھے نوکری اور سہانے مستقبل کا جھانر
 دے کر اپنے ساتھ سفر پر مجبور کیا تھا۔“ میں نے غصیل آواز میں کہا۔
 ”مادام، اگر کچھ یقین کریں تو میں بتاؤں گا کہ میں اسے صرف تین روز
 قبل سے جانتا ہوں۔“

”سنو۔“ مادام بولی۔ ”میں یقین کرنے نہ کرنے کی مجاز نہیں رکھتی
 ہاں میں تم دونوں کو سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لیے پندرہ مہینے
 کی مہلت دے سکتی ہوں۔ اگر تم نے اس لڑکی کو زبان کھولنے پر آمادہ
 نہ کیا تو مجھے تشدد کا فیصلہ کرتے ہوئے افسوس ہوگا۔ آؤ ایڈی ہم کچھ دیر
 آرام کر لیں۔ تم بھی جیکال باہر میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو۔“
 ”میں اپنی سلامتی اور بہتر مستقبل کی خاطر اس کے حلق میں
 انگلی ڈالنے کی پوری کوشش کروں گا مادام۔“ میں نے قہر آلود لہجہ میں
 سے سونیا کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ ”اس نے مجھے بھی گھوکا
 دیا ہے۔“
 ”ناصر۔“ ایڈنا گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گئی۔ ”میری خاطر اور

اس مستقبل کی خاطر مجھے مایوس نہ کرنا جس کے خواب میں دیکھتی
 رہی ہوں اور تمھیں پاکر جن خوابوں کی تعبیر کا مجھے یقین ہو چلا تھا۔
 اگر تم مطمئن نہ کر سکتے تو مجھے اپنے مفادات اور زندگی پر تمھیں قربان
 کرنا پڑے گا۔ اس اذیت ناک لمحے سے مجھے بچالو، ناصر جمل۔“
 ”اس کے چہرے پر جھٹک دو ناصر۔“ سونیا بل کھا کر چینی اور
 ایڈنا نے گھوم کر اس کے بال مٹھتی میں جھٹکے اور ٹھانچہ مار دیا۔
 ”میں اپنا فیصلہ بدلنے پر قادر ہوں۔“ ایڈنا دھماڑی۔ میں
 اسے اپنے لیے زندہ رکھ سکتی ہوں۔“
 ایڈی... ایڈی۔“ مادام نے دوڑ کر اس چھری ہوئی بندر یا
 کو بانہوں میں بھر لیا۔ ”وہی ہوگا جو تم چاہو گی۔ ان کو میں مہلت
 دے چکی ہوں، آؤ ان کو سوچنے دو۔“
 جب وہ تینوں دوسرے کیبن میں چلے گئے اور مادام نے
 درمیان دروازہ بھی بند کر دیا تو میں نے چہرے پر تشویش اور تاسف
 طاری کر لیا کیونکہ میری باتوں نے سونیا کو بطن کر دیا تھا۔ میں تم
 سے اوجھ و دار اور ناکامی کا جواب طلب نہیں کروں گا۔“ میں نے

سرگوشیا نہ آواز میں کہا۔ ”کھیل میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے لیکن
 میں جانتا چاہوں گا کیا اس نیگرو کا بیان درست ہے؟“
 ”ہاں۔“ سونیا نے اثبات میں گردن ہلاتی۔ ”میں صبح سے
 آتے جلتے اس کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی جب تم لوگ ادھر
 چلے گئے تو میں نے چانس استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے خود
 دروازہ کھول کر مجھے اندر چلنے کی دعوت دی تھی۔ میں نے کبس کھا
 اور مشروط پیش کش کر دی۔“
 ”کیا تمھاری جیب میں لاشٹری ہے؟“ میں نے نہایت ہی جھم
 آواز میں پوچھا اور سونیا نے لیٹ کر روٹ لی اور میرے قریب آ گئی۔
 ”میری پشت کی جانب آؤ اور اپنی جیب میرے ہاتھوں کے نزدیک
 کرو۔“ سونیا نے بروقت خود کو اوپر اٹھایا اور جب اُس کی جیب میری
 انگلیوں سے لگی تو میں نے اُس کی جیب سے لاشٹر نکال لیا۔ ”شعلے
 پر کپڑا رکھ دو۔“ میں نے ہدایت دی اور ایک منٹ بعد نائیلون کا
 مفر جل گیا۔ سونیا نے آزاد ہوتے ہی میرے ہاتھ بھی کھول دیئے۔
 میں نے سونیا کے کان میں منصوبہ انداز ل دیا اور وہ تربیت یافتہ لڑکی
 مسکراتی ہوئی اپنی جگہ واپس جا کر لیٹ گئی تھی میں بھی ہاتھوں پر اسکا رخ
 لیٹ کر ہاتھ سا بڑ پوزیشن میں لے گیا تھا۔ گردن موڑ کر میں نے ایڈی
 جھلانگ لگانے سے قبل سونیا کو دیکھا وہ ایسے تڑپ رہی تھی جیسے
 پھلی ریت پر پانی کے لیے تڑپ رہی ہو۔ مادام، مادام۔ میں حلق
 پھاڑ کر چیخا۔ ”جلدی آئیے پاگل لڑکی نے خود کشی کر لی ہے۔ دوسرے

مٹھے دھڑ سے کواڑ کھلے۔ اندر آنے والی ایڈنا تھی اور اس کے پیچھے دام برہنہ پا داخل ہوئی۔ اسے بچاؤ ایڈی میں نے سر ادر ادر ہلاتے ہوئے کہا: اس نے دیوار سے سر مکرلیا ہے۔

ایڈنا نے دوڑ کر سونیا کو اٹھانا چاہا۔ اس وقت دام شلی حیران و پریشان میرے نزدیک آچکی تھی پھر دھماکا ہوا، ایڈنا ڈکرائی ہوئی میری کرسی سے ٹکرائی، سونیا نے زوردار دھڑکتی اس کے سینے پر مادی تھی۔ جو کچھ سونیا نے کیا تھا میری ہدایت پر ہی ہوا تھا لیکن اس قدر موثر اور جان دار لوگ لگانے پر میں نے دل ہی دل میں اسے سراہا تھا دام شلی اور میرے درمیان جو فاصلہ تھا اس کا اصولی تقاضا یہی تھا کہ اسے میں سنبھال لیتا۔ ویسے بھی سونیا نے اپنے جتنے کا شکار گرا لیا تھا ہمارے درمیان طے بھی یہی ہوا تھا کہ موقع محل کے مطابق ایک ایک شکار دلوں میں لیں گے۔۔۔ لیکن میرے ہاتھ بھی سفر کے مراحل میں ہی تھے کہ سونیا تیر کی مانند سننا ہی ہوئی میری آنکھوں کے سامنے سے گزرتی دام شلی سے جا ٹکرائی، اس کے اڑنے کا انداز بھی تیر ہی جیسا تھا اس کی مگر دام کے اتھل پھل پیٹ پر لگی تھی۔ میں نے دام کا

صرف منہ کھلنے دیکھا تھا۔ درد کی شدت نے یقیناً اس کی آواز حلق سے نیچے روک لی ہوئی۔ وہ آٹے کی بودی کی مانند گر گئی تھی۔ اگر یہ کاروائی کسی گھریلو قسم کی روکی نے کی ہوئی تو حیرت کی بات ہوئی لیکن سونیا ایک مجرم گروہ کی سرگرم رکن تھی، اس کے باوجود مجھے کسی نازک اندام روکی سے اس قدر بھرتی کی توقع نہ تھی، اس نے پلک جھپکنے کی دیر میں دو ہدفوں پر کاری ضربیں لگا کر مجھے لمحہ بھر کے لیے گنگ سا کر دیا تھا۔ میں نے پلٹ کر ایڈنا کو دیکھا وہ گھٹنوں کے بل اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگر میری توجہ ادر ہوتی تو میں اس صورت کو مرنے سے بچا لیتا جس کا متا کے نور سے دمکا چہرہ اور سفید بال مجھے میری ماں یلو دلاتے تھے لیکن حادثہ اور موت اٹل ہوتے ہیں۔ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی ٹانوس آواز سن کر میں نے سرعت سے ادر دیکھا۔ مگر سونیا کا ہاتھ کام کر چکا تھا اور دام کا جسم، مرغ جسم کی مانند تڑپ رہا تھا۔ وہ ظالم روکی یہ تم نے کیا کر دیا؟ میں نے آٹھے ہوئے کہا لیکن وہ ظالم روکی میرے چہرے سے سننے کے لیے فارغ نہ تھی۔ اس نے نیم استادہ ایڈنا پر چھلانگ لگا دی تھی۔ اپنے باؤمی گاڈ کو تم اندر بلاؤ گی۔ ایڈنا کی گردن آرام لاک میں پھنسا کر سونیا نے سفاک اور سرد آواز میں کہا: ورنہ تمہاری گردن بھی توڑ دی جائے گی۔

”اسے میرے حوالے کر دو۔ ایڈنا کا چہرہ تکلیف سے جھڑپتے دیکھ کر میں نے کہا۔ اس نے مجھے یقین ہوا تھا کہ اس روکی کے لیے میرے دل میں کوئی نرم گوشہ موجود ہے۔ اسے اذیت کا شکار دیکھ کر میرا دل

دکھ سا گیا تھا میں نے سونیا کی کلاں پر گرفت مضبوط کر دی مگر اس کا پکارا۔

”نہیں، جس طرح میں تم پر تشدد نہیں کر سکتی اسی طرح تم بھی کال کے آنے سے قبل کرسی پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ پیچھے کر لیے۔ اس خوبصورت ناخن پر زیادتی نہ کر سکو گے تم اس گیند سے کوسنبھال کال کو چونکنے سے باز رکھنے کے لیے سابقہ پوزیشن ضروری تھی۔ وہ گے۔ میری دائیں جیب میں سائینس سرگاریہ الور موجود ہے نکال لو۔ اب ہماری سلامتی ان کی زبان بندی سے مشروط ہو گئی ہے۔

”میں تم سے تعاون، ایڈنا کی زندگی کے عوض کر سکتا ہوں۔ میں نے ایڈنا کو بچانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی ہی ساتھی سے سودے بازی شروع کر دی۔

”اعتقاد باتیں نہ کرو۔ سونیا بالکل بدلے ہوئے تیروں سے غرائی ہم جنگل میں سفر نہیں کر رہے ہیں۔ اس ایک لاش کا جواز ضروری ہے اگر اس کی زندگی تھیں اتنی ہی عزیز ہے تو پہلے اس سے زبان بندی کا وعدہ لے لو۔ اگر یہ تعاون پر آمادہ ہو جائے تو میں بلاوجہ اسے ہلاک نہیں کروں گی۔

ایڈنا نے آنکھوں اور ہاتھوں سے اقرار کر دیا تو سونیا نے اسے چھوڑ دیا۔ چند لمحے ایڈنا گنگے کو سہلائی رہی اور گہری گہری سانسیں لیتی رہی پھر چانک اچھل کر دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ سونیا نے بھی ایک لحظہ ضائع کیے بغیر فلائنگ کلک لگائی اور میری آنکھوں نے بڑا شاندار منظر دیکھا۔ ایڈنا یکدم سلب میں گر پڑی تھی اور سونیا کے دونوں پاؤں لکڑی کی دیوار میں ٹکرائے اور وہ سر کے بل نیچے گر گئی تھی اس سے قبل کہ میں کچھ سمجھتا یا درمیان میں کو دو دونوں کو روک لیتا۔ ایڈنا الٹی قبا بازی کھاتی ہوئی نہ صرف پاؤں پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی بلکہ اس کا دایاں پاؤں سونیا کی گردن پر ٹنگ گیا تھا۔ نہیں مسٹر نامہ جمال: ایڈنا کے ہاتھ میں خفا سا ریو الور دیکھ کر میرا اٹھا ہوا پاؤں حلق ہو گیا۔ میں خوبصورت مردوں پر بھی رحم کرنے کی عادی نہیں ہوں۔

”اس کھلونے کو جیب میں رکھ لو ایڈی۔ میں نے نرم آواز میں کہا۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ جیکال کو طلب کر کے اس روکی کو اس کے حوالے کر دو تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں خواہ اس کے چنگل سے آزادی چاہتا ہوں۔ اگر تم نے ان حالات میں میرا نام بھی شامل کر دیا تو میں ناکردہ گناہ کی پاداش میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ پلیز مجھ پر رحم و سہ کر دو۔

ایڈنا کا چہرہ تذبذب کا آئینہ دار دیکھ کر میں نے ایک قدم بڑھایا۔۔۔ پھر دوسرا اور آٹھے ہوئے ریو الور پر ہاتھ رکھ دیا۔ شکریہ پیاری روکی اب جیکال کو آواز دو۔ ایڈنا نے گہری گہری سانس لی اور پاؤں سونیا کی گردن سے ہٹا لیا۔

”جیکال۔۔۔ جیکال اندر آؤ۔ ایڈنا نے بے آواز بلند باؤمی گاڈ

میں نے گری ہوئی کرسی پاؤں سے اچھال کر سیدھی کی اور

کرتے ہیں۔ اس نے میرے ہاتھ میں ریو الور دیکھ کر ایڈنا کو نظر انداز کر دیا تھا اور پوری توجہ سے خود کو فٹ کرنے میں مصروف تھی۔

”مجھ سے کیا کہنا نا چاہتے ہو نا صحر جمال: ایڈنا نے نہایت ہی پرسکون آواز میں پوچھا۔ میں اعانوں کی جنت سے نکل کر ادر نہیں آئی۔ میں تمہاری برتری کا اعتراف کرتی ہوں اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ موت کا چہرہ دیکھ کر کٹ ٹوٹ گئی ہوں تو گولی کو اجازت دو۔

”شکریہ ایڈی۔ ریو الور سے میگزین نکال کر میں نے اس کی جانب اچھال دیا اور میگزین دوسرے کیبن کی طرف پھینک دی۔ ایڈنا نے ریو الور فضا میں ہی ہاتھ اٹھا کر دبوچ لیا تھا۔ میرا یہ مقصد تھا کہ ریو الور پر ایڈنا کے ہاتھ کا مس ثابت ہو جائے ایڈنا کے بیان اور میری پلاننگ میں فنگر پرنٹس کو بنیادی حیثیت حاصل تھی ویل پنی دفاعی کی تجدید اور کوئی دوسرا عہد فی الحال نہیں کروں گا۔ ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے، بہر کیف مادام کی زندگی میں جتنا کچھ کہہ چکا ہوں اس پر قائم رہوں گا لیکن اس تعلق کو برقرار رکھنے کے لیے آزادی اور زندگی اولین شرط ہے اگر جیکال اور مادام کا خون میرے ہاتھوں پر دیکھ لیا گیا تو آزادی اور زندگی دونوں محذوش ہو جائیں گی۔

”میں غیر مشروط تعاون کروں گی۔ ایڈنا بولی۔

”ہم تینوں ڈاننگ ہال میں تھے۔ میں نے ٹھوس آواز میں کہنا شروع کیا۔ اس کی گواہی ویرز اور دوسرے لوگ بھی دیں گے میری بیوی شیر خواروں سے گرنے کی وجہ سے کیبن میں ہی کھاتی پیتی تھی جب

ہم چلے سے فارغ ہو کر اوپر آئے تو جیکال میری بیوی پر مجرمانہ حملہ کر چکا تھا۔ مادام پہلے اندر داخل ہوئیں اور جیکال نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے فوراً مادام کی گردن توڑ دی اور جب مادام گر رہی تھیں تو تم نے صورت حال کے پیش نظر اپنے ریو الور سے جیکال پر گولی چلا دی کیونکہ وہ تم پر بھی قاتلانہ حملہ کرنے کے لیے بڑھا تھا۔ میری بیوی کی جسمانی حالت اس بیان کی تصدیق کرے گی۔ ایڈنا پلک جھپکاتے بغیر چند ثانیے مجھے گھورتی رہی، پھر طویل سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

”ٹھیک ہے نا صحر جمال: وہ پیشانی دھڑکتے ہوئے بڑھڑائی۔ اپنی بیوی سے صرف اتنا پوچھو کہ جس کے بارے وہ کیا جانتی ہے اور معلومات کا ذریعہ کیا تھا۔ پھر میں تمہاری پسند کا بیان دے دوں گی۔

”میں کبھی زبان نہ کھولتی۔ سونیا لنگڑاتی ہوئی اٹھی اور میرا پہلا لے کر بولنے لگی۔ مگر اب حالات سنگین ہو گئے ہیں۔ ہم تینوں خطرناک پوزیشن میں گھریے ہیں۔ میں تمہیں بتا دوں گی۔ اس سے قبل یہ یقین کر لو کہ نا صحر کچھ بھی نہیں جانتا مجھے کیبن جالسن کی زبانی پتہ چلا تھا کہ مادام شیل چند نایاب ہیرے مشرق سے غیر قانونی طور پر لے جا رہی ہے میرا تعلق کبھی ایک مجرم گروہ سے رہ چکا ہے میں نے اپنے طور پر ہی ہیرے اڑانے کا منصوبہ بنایا تھا اور اب حلیفہ وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچاؤں گی۔

”مسٹر نامہ: ایڈنا نے مسکرا کر کہا: ادر وہی بکس پڑا ہے۔ ادر لے آؤ، میں اپنی بہن کو وہ نایاب ہیرے دکھا دوں۔

میں بکس لایا اور ایڈنا نے ریو الور کے دستے سے تلے کی سیل توڑ دی پھر لاکٹ میں بیرونی ہوئی چابی سے تار کھولا۔ میں تو دو قدم دور تھا لیکن سونیا شدید ذہنی دباؤ کی وجہ سے ہلپنے لگی تھی کیونکہ وہ پتھر جس کی خاطر دولائیں ہمارے قریب پڑی ہوئی تھیں اور ایک لاش بیکر کے آفس کے سامنے گری تھی۔ اب سامنے آنے والا تھا۔ ایڈنا نے بکس سے ایک مربع فٹ سرخ سنگ موزن کال کر میرے ہاتھ دیا۔ یہ ہے وہ میرا۔ ایڈنا فٹریہ انداز میں بولی: اؤ قریب سے دیکھ لو۔ میں اور سونیا شانہ بشتا چلتے پتھر پر ہیک گئے۔ پتھر کی سطح پر پہلا بدھ کی شبیہ کچھ اس مہارت سے بنائی گئی تھی جیسے کاغذ پر تصویر بنا کر پتھر پر چسپاں کر دی گئی ہو۔ لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ مورتی پتھر کھرج کر اندر فٹ کر دی گئی تھی۔ مورتی پر سیاہ لکیروں کا اُبھا ہوا جال تھا اور صاف پتہ چلتا تھا کہ لکیروں بعد میں کسی نے بنائی ہیں۔ نہ تو وہ نقشہ تھا اور نہ ہی محض جال تھا۔ وہ لکیروں کا معر تھا جگہ جگہ گول نقطے تھے۔ لکیروں کے ساتھ ساتھ ابرو مارک بھی تھے جب میں نے پہلے تیر کو سنگ میل مان کر نگاہوں کا سفر شروع کیا تو ساری

بات اور سارا مہر میری سمجھ میں آگیا تھا۔ وہ رہتا نقشہ ہی تھا جو کسی مخصوص جگہ تک پہنچنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ مجھے جو سفر دیکھ کر اتنا نے فوراً پتھر اٹھا کر واپس کس میں رکھ دیا اور تالا لگاتے ہوئے بولی۔
"میرے دوستو! یہ متہرک رہو لیکن صرف کسی بدھٹ کے نزدیک، ہمارا تعلق بھی بدھمت سے ہے اور ہم نے یہ پتھر سری لنکا کے ایک نوادرات کے شوقین سے خرید لیے۔"
"ادھ میرے خدا! سونیا نے سرتھام کر کہا۔" مجھے کسی نے غلط بتایا تھا۔ مجھے افسوس ہے پیاری بہن۔"

"اگر اس کا تعلق ہمارے عقیدے سے نہ ہوتا تو میں تمہیں تحفے کے طور پر دے دیتی۔" ایڈنا نے کہا۔ اب ہمیں اس دہرے حادثے کی رپورٹ کیپٹن کو دینی چاہیے۔
"تم اپنے کیپٹن میں چلو۔" میں نے سونیا سے کہا۔ میں کیپٹن مارش کو رپورٹ دینے جا رہا ہوں۔
"ادھ نہیں! ایڈنا بولی۔ "اس کی موجودگی یہاں ضروری ہے۔" کیا تم دونوں کے دل صاف ہو چکے ہیں؟ میں نے سونیا کو گھونٹنے

ہوئے پوچھا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ میری عدم موجودگی میں سونیا پتھر حاصل کرنے کی کوشش نہ کر بیٹھے۔
"ہاں! سونیا نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور میں ایڈنا سے معافی مانگ چکی ہوں۔"

کیپٹن مارش اپنے سکیورٹی آفیسر کے ساتھ جب میری رپورٹ سن کر آیا تو ایڈنا نے وہی بیان دیا جو اسے میں نے بتایا تھا۔ چند منٹ رہی تو سنی باتوں کے بعد کیپٹن نے دونوں لاشیں سروخانے میں پہنچانے کا حکم دیدیا۔
"مس ایڈنا! کیپٹن نے ہمدردانہ آوازیں کہا۔ ہماری بحری روایات کے مطابق لاشوں کو سمندر کے حوالے کرنا پڑتا ہے لیکن سفر اب تھوڑا باقی ہے اگر آپ اپنی ماں کی لاش کے لیے درخواست دیں تو میں روایات سے ہٹ کر خشکی تک لاش بطور مانت رکھ لوں گا۔"
"شکریہ کیپٹن! ایڈنا نے جھڑائی آواز میں جواب دیا۔ میں تنہا امریکہ تک لاش کے ساتھ نہیں جاسکتی۔ میں آپ کو روانہ کی کارروائی کی اجازت دیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے مس ایڈنا! مارش نے کہا۔ آج رات دس بجے ہم آپ کی موجودگی میں یہ فرض ادا کریں گے۔"
"میں اپنی پیاری ماں کو آخری سفر پر روانہ کرنے کے لیے غور آؤں گی کیپٹن! ایڈنا نے اٹھ کر مادام کے چہرے پر لرزیدہ ہاتھ پھیرا اور آنکھوں پر رومال رکھ کر چیخے ہٹ گئی۔
"ہم سب آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں مس ایڈنا!"

کیپٹن مارش نے کہا اور لاشیں اٹھانے کا اشارہ دے دیا۔ سونیا کی حالت اور حادثے کی وجہ سے کیپٹن مارش نے میری ڈیوٹی معاف کر دی تھی۔ ورنہ مجھے چھ بجے سے نو بجے تک ڈیوٹی پر جانا پڑتا۔ جب کہ میں اپنے منصوبے کی مجبوری سے چھاد نوکے درمیان آخری کارروائی کرنے کا پڑگرام طے کر چکا تھا کیونکہ رات کسی بھی وقت می جوگی پوٹ آ سکتی تھی لیکن کیپٹن نے براہ راست مجھے بیوی کی دیکھ بھال پر مجبور کر دیا تھا رات کا کھانا کیپٹن کی ہدایت پر ہمیں ایڈنا کے کیپٹن میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ایڈنا صرف برائے نام ہمارا ساتھ دیتی رہی تھی وہ امریکہ تھی پھر مشرقی لوکی کھانے کی بجائے ماں کی لاش بدین کرتی رہتی۔ ٹھیک نو بجے ایڈنا کو دس بجے تک آرام کرنے کا مشورہ دے کر ہم اپنے کیپٹن میں چلے گئے۔ سونیا بدستور سنگڑا کر چل رہی تھی۔ اب کیا پروگرام ہے خرم جو دھری بیڈ پر بیٹھے ہی سونیا نے پوچھا۔ جہاز ساحل پر لگنے سے قبل بہ طور پتھر حاصل کرنا ہوگا، ورنہ ایڈنا اُدھر پتھر کسی لاکر میں رکھوا دے گی اور ہم امریکہ تک اس کا تعاقب کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔
"اب اس کا لاکر میں بول گا میں نے جواب دیا۔ ایڈنا مجھے

اپنے مستقبل کے لیے پند کر چکی ہے۔ مادام کی موجودگی میں تمام باتیں طے ہو گئی ہیں میں فلپائن جلتے ہی عارضی طور پر تمہیں چھوڑ دوں گا اور ایڈنا کا ہاتھ تمام لوگوں کا۔ پھر کسی مناسب وقت پر پتھر حاصل کر کے تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"میں یقین کر لوں؟ سونیا بولی۔ تم مجھے دھوکا نہیں دے گے؟
"یقین اگر کوئی ٹھوس شے ہوتی تو میں تمہیں دے دیتا۔ میں نے شائے اچکا کر کہا۔ ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد کرنا ہی ہوگا۔ ابھی اصل معاملہ باقی ہے۔ می جوگا مال ٹھکانے لگانا ہے۔ مجھے پتھر کی فکر نہیں اصل مقصد مال ہے۔"

"میرا مشورہ قبول کر کے چودھری؟
"ہاں اگر قابل قبول ہوتا تو۔"
"مال می جوگی پوٹ پر جانے دو۔"
"ادھ... پھر...؟"

"ہم اپنے لیے خطرے کا حماز پیش کر کے اسی پوٹ پر منتقل ہو جائیں گے۔ سونیا نے بتایا۔ پھر پوٹ پر قبضہ کرنا اتنا مشکل نہیں ہوگا جس قدر مشکل یہاں سے مل جہاز کی پوٹ پر لے جانا ہے۔"

"تمہارا مشورہ دل کو لگتا تو ہے۔ میں نے کہا۔ لیکن پوٹ پر ہو سکتا ہے خود می جو بھی موجود ہو۔
"پھر کیا ہوگا؟ وہ بولی۔ تم نے پہلے ہی تو می جو کے حلقے سے بہت کچھ چھینا ہے؟"

"ٹھیک ہے ہم اس پر عمل کریں گے۔" میں نے اس کے منصوبے کی منظوری دیتے ہوئے کہا۔ ایڈنا سے فلپائن کے ساحل پر مل لوں گا۔ چلو اب ذرا آرام کر لیں۔ دس بجے جنازے کی رسم میں شامل ہونا ہے۔ میں جو توں سمیت بیڈ پر کروٹ کے بل لیٹ گیا۔ لاناگ ٹوڈ کا پہننا اور اتارنا ہمیشہ مجھے سخت ناپسند رہا ہے لیکن جس قسم کی زندگی مجھ پر لا دی گئی تھی اس کا تقاضا نرم اور سبک قسم کے جوتوں کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ جوتے نہ اتارنے کی تہ میں سونیا کا وجود بھی تھا میں چاہ رہا تھا کہ وہ بھی آرام کرنے دوسری طرف چلی جائے لیکن وہ پارہ صفت لڑکی آرام کرنے کے سوڈ میں نہ تھی۔

"خرم! میرے شانے پر ٹھوڑی رکھ کر وہ نرم ریز آوازیں بولی مجھے۔ جانے کیوں دوسرے گھیر لیتے ہیں یوں لگتا ہے جیسے میں تمہیں ہمیشہ کے لیے کھودوں گی۔ کیا مجھے اس کی اجازت نہیں دو گے کہ ہم جہاز چھوڑتے وقت ایڈنا کو بھی سنبھالے چلیں۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟ میں نے اس کا چہرہ دیکھ کر کہہ دیا۔
"ناراض نہ ہو خرم سلطان! دیکھو نا ہم جہاز کسی نیک کام کے

لیے تو نہیں چھوڑیں گے۔ ایک بڑائی کے ساتھ دوسری بڑائی بھی ضرور ہو جائے تو دونوں ایک ہی کھاتے میں لکھی جاتی ہیں۔ تم صرف اجازت دے دو، کس میں حاصل کروں گی؟"

"اور جانسن کی پوٹ کو کیوں نظر انداز کر رہی ہو جو شاید اس وقت بھی کس کے اعظما میں جہاز کے گرد چکر لگا رہا ہوگا۔"

"میرے بھوئے دوست، کون جانسن اور کسی نظر اندازی... خشکی کی باتیں خشکی پر ہی رہ گئی ہیں۔ اس نے قہقہہ لگایا۔ کیا ہماری حیثیت کبھی طفیل اور کرٹے کی رہی ہے۔ جانسن کون ہوتا ہے ہم سے کام لینے والا اس کے امداد رگ طاقت اور عقل ہوتی تو میں می جوگا سہارا کیوں لیتی۔ بھجول جاؤ خرم سلطان جانسن کبھی ہم سے ملا تھا۔"

میں پل پل اپنی ذات کے برت اٹھاتی لڑکی کو ایک ٹکٹ کھیتا رہا۔ وہ اگر مجرم ذہن اور بے وفائی نہ ہوتی تو میرے جسم و جان کا ایک مضبوط بازو بننے کی پوری صلاحیت رکھتی تھی میرے اندر عورت اور بیوی کے حوالے سے ایک ایسی ہی لڑکی رہی ہوئی تھی جو عرف کے طوفان اور تپے صحراؤں میں میرے شانہ بہ شانہ بغیر روکھڑے چل سکے۔ ایسی ساری خصوصیات سونیا میں موجود تھیں لیکن اس نے نسوانیت کا جو ہر جرم کی گندی نالی میں ضائع کر دیا تھا۔ اب وہ عورت کے خوبصورت روپ میں ڈائن تھی۔ کروٹ کر اربل تھی اور ایسی بیوی میرے جسم اور روح کو بالیدگی نہیں دے سکتی تھی۔ کاش تم نے کسی مشرقی مسلمان گھرانے میں جنم لیا ہوتا۔ میں نے کریناک آوازیں دل کی

بات کو زبان دے دی۔ تم میری تصوراتی لڑکی ہو مگر۔"
"مگر کیا؟ بولو بولو خرم جو دھری خدا کی قسم! میں مگر کی رکاوٹ ڈو کر دوں گی۔ وہ پھر جوش آوازیں بولی۔
"مگر تم دھتورے کا پھول ہو۔ جو صرف نگاہوں کو تکلیف تو پہنچاتا ہے لیکن کوئی سونگھ بیٹھے تو جوش و حواس سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ تم وہی زہر بلا مگر دیدہ زیب پھول ہو۔"

"ہاں ہوں! اس نے پرمکنت لہجے میں اقرار کیا۔ لیکن دوسروں کے لیے، خرم سلطان کے لیے میں گلاب کا پھول بن سکتی ہوں۔ مجھے اپنا کر تو دیکھو۔"

"پلیز، خود بھی پل بھر کر سیدھی کر لو اور مجھے بھی آرام کرنے دو! ایڈنا کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو، جاؤ۔"

"جنگلی سور۔" وہ کھسیانی آوازیں بولی اور دوسرے کیپٹن میں داخل ہو گئی۔ اگر کوئی مرد مجھے اتنی غلیظ گالی دیتا تو میں اس کی زبان کھینچ لیتا لیکن وقت اور صنف نازک نے میرا ہاتھ روک لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ منظر خاص وقت انگیز اور سوگوار ہوگا جب لاشیں

کو سمندر کے سپرد کرنے کی رسم ادا کی جائے گی۔ ایڈنا لاکھ مغرب کی پرورہ ہی مگر مادام اس کی ماں تھی وہ ضبط کے سارے بندھن توڑ کر روئے گی لیکن وہ منظر اتنا خاموش اور سپاٹ تھا کہ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم دو انسانوں کے جسم ہیشہ کے لیے دنیا سے زحمت نہیں کر رہے بلکہ کوئی گلی سڑی شے سمندر میں پھینک رہے ہوں۔ ایڈنا نے سیاہ اسکاٹ مائٹ کی علامت کے طور پر سر پر باندھ رکھا تھا اور غلے کے لوگوں اترے میں کھڑے اجتماعی دعا میں شامل تھے۔ مس ایڈنا! مارش نے دعا کے اختتام پر کہا آپ اپنی ماں کا آخری دیدار کر لیں۔ ایڈنا بالکل میرے قریب ہی کھڑی تھی جب وہ چلی تو اس کے ساتھ میں بھی چل پڑا۔ بلوام کا چہرہ یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے کوئی تھکی ہاری ماں بچے کو لوریاں دیتے دیتے خود بھی سو گئی ہو۔ ایڈنا نے جھک کر مادام کے بالوں پر ہاتھ رکھا اور سسکی لے کر چیخے ہٹ گئی۔ اسی وقت چار آدمی آگے بڑھے اور مادام کو اٹھانے لگے جیکال کو بغیر دعا کے غالباً دس بجے سے قبل ہی پھینک دیا گیا تھا۔ میں نے ایڈنا کے شانے پر ہاتھ رکھا اور وہ پٹ کر خاموشی سے میرے ساتھ چل پڑی تھی مجھے سونیا کی عدم موجودگی کا احساس ہوا وہ نہ جانے کب اپس چلی گئی تھی۔ میں نے پٹ کر غلے کے لوگوں کی جانب دیکھا۔ وہ لوگ مادام کی لاش سے فارغ ہو کر سر جھکائے واپس جا رہے تھے۔

"تمہاری بیوی! ایڈنا نے میری تلالشی نگاہوں کو جھانپ کر بتایا۔ ادھر آتے ہوئے کیپٹن نے پتھر کی نائن کے سامنے رک گئی

تھی:

"اودھ اچھا! میں نے لہر وایانہ انداز میں جواب دیا اور ایڈنا کو شب بھر کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ایڈنا نے بھی مجھے نہیں روکا۔ جب اس کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو میں پلٹ کر بے پاؤں ایس چل پڑا۔ تھری ناٹن کیبن انجن روم میں اترنے والے راستے کے ساتھ تھا۔ اُس کیبن سے میں نے ایک بوڑھے کو باہر نکلتے اُس وقت دیکھا تھا جب میں ڈیوٹی دے کر اوپر آ رہا تھا۔ وہ مجھے اچانک سامنے پا کر ٹھٹک سا گیا تھا اور پھر جھجھکتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ اس وقت میں نے اس کے چونکنے کا کوئی نوٹس نہ لیا تھا۔ مگر سونیا کا تعلق اس کیبن سے ظاہر ہوتے ہی مجھے وہ بوڑھا یاد آ گیا تھا۔ اندر روشنی تھی میں نے اودھرا دھڑکھٹا رہا۔ راری بالکل سسنا پڑی ہوئی تھی غالباً کیپٹن مارش نے مادام اور جیکال کی موت کے بارے میں کسی سائزر کو آگاہ نہ کیا تھا یہی وجہ تھی کہ لوگ مزے سے سوئے ہوئے تھے۔ میں نے ٹھیک کر دائیں آنکھ کی ہول سے لگا دی اور جو شخص مجھے دکھائی دیا اس کی موجودگی نے میرا جسم ہی نہیں بلکہ ذہن بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اگر کوئی دوسرا مجھے کہتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا کیونکہ بحیثیت سلطان میرا یہ ایمان اور عقیدہ ہے کہ موت کے بعد وہ صرف تیا مت کے روز ہی دوبارہ زندہ ہوگا لیکن میں اپنی آنکھ کو کیسے جھٹکاتا۔ میری آنکھ دیکھ رہی تھی اور ذہن مسلسل انکار کر رہا تھا۔ صوفے پر سونیا کا انکل شمعون بیٹھا ہوا تھا جسے میں نے گردن توڑ کر ہلاک کر دیا تھا۔ ناقابل یقین بات یقین کا روپ دھار چکی تھی۔ پھر میری سماعت سے شمعون کی آواز نکل کر آئی اور ذہن نے بھی اسے قبول کر لیا۔

"میں سونی خد نہ کرو! شمعون نفی میں سر ہل رہا تھا۔ خرم سلطان نے صرف تھاری تذلیل کی ہے مگر تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اُس نے مجھ پر جان لیوا حملہ بھی کیا تھا۔ یہ تو بروقت طبی امداد نے مجھے نئی زندگی دے دی تھی۔ خرم سلطان ہمارا ہی نہیں، چیف ماسٹر کا بھی بڑا بیٹا اور خطرناک دشمن ہے جس نے تمہاری گروہ کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اس کی تاب توڑ کامیابیوں پر ماسٹر کو ہانگ کانگ چھوڑنے کا فیصلہ کرنا پڑا ہے لیکن وہ شخص اُسے ہر قیمت پر زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ لہذا میں تمہاری ضد نہیں مان سکتا۔ اُسے بہر طور زندہ رہنا ہے اور فلپائن پہنچ کر ہم نئے سرے سے اُسے گھیر کر چیف کے قدموں میں ڈالیں گے۔"

"لیکن انکل! سونیا بولی اگر وہ زندہ رہا تو ماسٹر کے مال کو ہڑپ کر جائے گا اور اس لڑکی سے قیمتی پتھر حاصل کر کے خود خزانے تک پہنچ جائے گا۔ وہ ناگ ہے انکل اس کا سر کچلنا ہے حد ضروری ہے۔ آپ می جو سے کوئی بھی نہ ہانا کر سکتے ہیں۔ جب وہ مر جائے گا

تو می جو بھی ہاتھ مل کر خاموش ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے سونی! شمعون طویل سانس لے کر مسکرایا۔ میں تمہیں آزاد رہا تھا۔ ورنہ میں تو اس روپ میں آیا ہی اُس کے لیے ہوں۔ بلاشبہ می جو نے مجھ پر ذمے داری عاید کر دی تھی کہ خرم جو دھری کو کوئی گزند نہ آئے مگر میں اپنے قاتل اور مستقبل کے خطرے کو کیسے زندہ رہنے دے سکتا ہوں؟"

"ٹھیک یو انکل! سونیا جھپک اٹھی! اگر آپ نہ بھی ملتے تو میرا فیصلہ اٹل ہوتا۔ میں اسے جہاز سے زندہ اترنے کی کبھی اجازت نہ دیتی۔"

"اب تم جاؤ اور میرے سنگل پر دھیان رکھنا! شمعون نے کہا: ورنہ تم بھی..."

"آپ فکر نہ کریں انکل! سونیا بولی: میں وقت سے پہلے ہی اُسے سمندر کے حوالے کر کے آپ سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے آزاد ہو جاؤں گی۔"

"مجھے تم پر یقین ہے سونی! شمعون نے اٹھتے ہوئے کہا: وہ صرف میدان کا مروہ ہے لیکن تم لو مڑی کی طرح مکار اور بھڑیے جیسی خصلت رکھتی ہو۔ سامنے اور حالت بیداری میں اُس پر وار نہ کرنا ورنہ میں تم جیسی بیٹی سے محروم ہو جاؤں گا۔ وہ ناگ سے بھی بڑھ کر پھرتیلا اور خطرناک ہے۔"

سونیا جوں ہی واپسی کے لیے مڑی میں سیدھا ہوا اور اسٹگی سے نیم تاریک میز پر بیٹھیں میں دیک گیا، سونیا انگڑائی ہوتی اپنے کیبن کی جانب جا رہی تھی۔ غصے کی شدت سے خون کا دباؤ میری کینیاں چٹخنے لگا تھا۔ ایک منٹ بعد جب میں نے ایریاں اٹھا کر دیکھا سونیا موڑے غائب ہو چکی تھی میں نے تین سیڑھیاں طے کیں اور شمعون کے کیبن کے سامنے آ گیا یہ بات میرے علم میں تھی کہ دروازے خود کار نظام کے تحت لاک نہیں ہوتے اور میں نے لاک میں چابی گھمانے کی آواز نہیں سنی تھی۔ دروازے کا ہینڈل پکڑ کر میں نے انہیں گھمایا اور کوڑا کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ شمعون گاؤں کی ڈوری کھول رہا تھا۔ اُس نے دروازے کی آواز سن کر بغیر دیکھے ہی کہا: کیا ابھی تک لاشیں دُعا تیرے مار چلی ہیں؟

"میں نہیں پیارے انکل! میں نے اس کی گردن پر ریو اور رکھتے ہوئے کہا اور اس کا جسم جھٹکا سا کھا کر منجمد ہو گیا۔ بلکہ وہ لوگ تیسری لاش کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"مجھے کچھ بولنے کا موقع نہیں دو گے خرم سلطان؟ اُس کی آواز پر موت کا لرزا طاری ہو گیا تھا۔ اگر تم نے مجھے مار دیا تو تم بھلی

بد نصیب جہاز کے ساتھ غرق ہو جاؤ گے۔"

"ہاتھ اوپر اٹھا کر گھوم جاؤ انکل شمعون! میں نے بائیں ہاتھ سے اس کی جیبوں کی تلاشی لے لی تھی اس نے بلا توقف ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور گھوم کر میرے سامنے آ گیا۔ بیٹھ جاؤ۔"

"بہادر نوجوان! وہ بیڈ پر بیٹھ کر بولا: میں تم سے صرف رحم کی جھپک مانگ سکتا ہوں۔"

"نہیں انکل! تم جیسے لوگ رحم کے جذباتوں سے نفرت کیا کرتے ہیں! میں نے اُس کی ٹھوڑی کے نیچے ریو اور کی نال رکھ دی وہاں اگر تم سو دے بازی کی کوئی معقول پیش کش کرو تو غور کیا جا سکتا ہے۔"

"میرے پاس اپنی جان اور اس منصوبے کے سوا کچھ بھی نہیں جس کو تم ایک بار مسترد کر چکے ہو۔"

"تو پھر میں بتاؤں تم کیوں بھیجے گئے ہو؟"

"نہیں... نہیں! میری آنکھیں ٹراپیگر پر دیکھ کر وہ گھٹکیا اٹھا۔"

"مم... میں خود آیا ہوں، مجھے سونیا نے بتایا تھا کہ خرم سلطان کس جہاز سے جا رہا ہے۔"

میرا ہاتھ گھوما اور شمعون کو اہتا ہوا بیڈ سے لڑھک کر فرش پر گر گیا۔ تمہیں می جو نے بھیجا ہے اور جہاز کو تباہ کرنے کی ذمہ داری تمہارے سر پر لگی ہے۔ می جو ایک تیسرے پلوٹکار مارگرانا چاہتا ہے کیا ایسا نہیں ہے؟

"سنو خرم جو دھری! اُس نے میرے گھٹنوں پر ناگ رکھتے ہوئے کہا: جہاز تباہ ہو جائے ساری دنیا نیست و نابود ہو جائے۔ مگر می جو تمہیں زندہ رکھنا اور دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ اُس کا حکم ہے جو دھری! جب وہ مجھے ملے گا تو میں اس کا شکریہ ادا کر دوں گا۔"

میں نے اس کی ناگ پر گھٹنا مارا اور وہ ناگ دبا کر اوندھے منہ سجے میں گر گیا۔ مجھے بتاؤ، شمعون! جہاز کو کس طرف سے خطرہ آئے گا؟ میں اپنی زندگی کے عوض درجنوں بے گناہ اور محسوم زندگیاں می جو کے غارت پر قربان نہیں ہونے دوں گا۔"

"جہاز تباہ ہو کر رہے گا۔ وہ بڑبڑایا: جہاز کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"کیوں... بولو شمعون! کون تباہ کرے گا؟ میں نے اُس کی گردن پر ہلاؤں مارا اور وہ ملیباتا تھا سیدھا لیٹ گیا۔ بتاؤ مجھ کو کیسے تباہ کیا جائے گا؟"

"ناٹم... ناٹم! شمعون پر جیسے غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے جھک کر اُسے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھایا تو اس کی ناگ سے خون اٹل پڑا۔"

"بولو... بولو شمعون! خدا کے لیے بولو مجھے بتاؤ ناٹم کہاں ہے؟"

تب میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کیونکہ شمعون کی گردن ڈھلک کر ایک طرف ہو گئی تھی۔ میں نے نبض پر ہاتھ رکھا وہ ابھی زندہ تھا لیکن گھٹنے کی جوت اور پاؤں کی مہلک ضرب نے اُسے بے ہوش کر دیا تھا۔ اب صرف سونیا ہی وہ واحد ہستی تھی جو جہاز کو تباہ ہونے سے بچا سکتی۔ میں نے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر دوڑنا ہوا۔ جوں کے بل اپنے کیبن کی طرف گیا چونکہ میں ابھی باہر تھا اس لیے سونیا نے دروازہ لاک نہیں کیا تھا۔ دروازہ کھول کر میں اندر داخل ہوا۔ سونیا خلاف توقع اپنے کیبن میں تھی حالانکہ مجھے امید تھی کہ وہ میرے بیڈ پر بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ دل بھانے اور جھوٹی محبت جتلتے کی جھر پور کوشش کرے گی۔ کیا تم سو گئی ہو...؟ میں نے درمیان دروازے پر انگل مارنے ہوئے اُسے پکارا۔

"کیا تم تنہا ہو؟ سونیا نے پوچھا اور میں جواب بن کر خود اندر چلا گیا۔ وہ الماری سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔ قریب ہی اُس کا سفری تھیلارکھا ہوا تھا۔ میں نے ایڈنا کے لیے تمہیں تنہا چھوڑ دیا تھا۔"

"تم بے حد وسیع القلب لڑکی ہو۔"

اُس نے اسکرٹ تڑکتے کرتے ہاتھ روک کر چہرہ میری جانب گھمایا۔ اور تم...؟

"میں: میرے لبوں پر مسکراہٹ کھل اٹھی۔ میں بھی اپنے دل میں بڑی وسعتیں رکھتا ہوں۔ میرے دل میں نفرتوں، محبتوں اور دکھوں کے شہر آباد ہیں۔"

"آن شہروں میں میرا بھی کوئی مکان ہے؟ سونیا نے الماری سے اسکاٹف لٹکتے ہوئے پوچھا۔"

"ہاں کئی منزلہ مکان! میں اُس کے قریب جا کر بونٹا۔ لیکن اُس میں نفرتیں اور حقارتیں مقیم ہیں۔ میرا ہاتھ اٹھتے اٹھتے یہ سوچ کر دیکر گر گیا کہ ہدفِ ذہنیت کی پوری تھی نہ ہی مجھ سے کی ڈی، اُس کا نام سونیا تھا جو مجھے ہانڈی کی دنیا کی لڑکی نہ تھی بلکہ لوہے کے اعصاب کی مالک زہریل ناگن تھی۔"

دوسری بار جب ہاتھ ناصیلے اور ہدف کی اہمیت کا تعین کر کے اٹھا تو سونیا کے حلق سے جھنجھٹا غراہٹ نکل اور میرے پاؤں میں گری تھی اور گھٹنا رکھنے میں تاخیر کا مطلب تھا اُسے چنے کی مہلت دی جاتی جبکہ میں یہ رسک لینے کی پوزیشن میں نہ تھا۔

"نفرت کا یہ انداز تم جیسے مرد کے شایان شان تو نہیں خرم! میرے گھٹنے کے بوجھ تلے وہ ہر سکون آواز میں بولی بکیرا ایڈنا نے تمہیں ایسا ہی

کرنے کا حکم دیا ہے۔

”تم دونوں میرے نزدیک ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو۔ میرے حلق سے غراہٹ نکلتی ہے مجھے تمھارے اکل شمعون نے یہ حکم دیا ہے۔“
سونیا کا منہ یکدم کھل گیا۔ وہ کوئی دودھ پتی بچی نہ تھی۔ شمعون کا نام میری زبان سے سن کر وہ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ میرے پاس اب شہید کا وقت نہیں ہے۔ میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ مجھے ہلاک کرنے کا فیصلہ میرا اور تمھارا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے صرف ایک سوال کرنا ہے کہ جہاز کو تباہ کرنے کے لیے جو ٹائم بم لکھا گیا ہے وہ کہاں ہے؟ پھر سن لو صرف ایک سوال ہے اور تمھیں جواب دینا ہے۔ میں محض مسافروں کو تم بد معاشوں کے مفادات کی آگ میں نہیں جلنے دوں گا۔“
”کیا اکل شمعون کو پھر ہلاک کر آئے ہو؟“ سونیا نے تھوکی نکل کر پوچھا۔

”ہاں اُس نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔“

”پھر موت جہاز پر ضرور قرض کرے گی۔“ سونیا نے سبک کرتا ہوا اور ہم دونوں بھی دوسرے لوگوں کے درمیان موجود ہوں گے۔ موت سے فرار کا راستہ صرف اکل کو ہی معلوم تھا۔“

”اوفرہ راستہ میں نے مسکا کر کہا۔ راستے کی تم فکر نہ کرو۔ میں وقت کا فراہم ہوں۔ میں نے ہمیشہ پہاڑوں سے اپنے لیے راستہ چھینا ہے۔ تم میرے سوال کا جواب دو۔“

”اگر تمھارے سوال کا جواب ہوتا تو اکل تمھارے ہاتھوں کبھی مرنا پسند کرتے۔“ سونیا بولتی چلی گئی۔ یقین کرو یا نہ کرو لیکن یہ تلخ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ ٹائم بم رکھنے والے ہاتھ اکل کے نہ تھے۔ جی جئے بڑا ہی منظم گروہ اور پروگرام اس جہاز پر سوار کیا ہے۔ کیونکہ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا دشمن اور اس کا پسندیدہ تو همان خرم چودھری بھی روپ بدل کر اسی جہاز سے سفر کر رہا ہے۔ ٹائم بم کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہے لیکن کہاں ہے اور سوئی کس ہندسے پر جام ہے۔ یہ صرف میجر اور اس کے کسی ایک ہی دست کوری معلوم ہے۔ ہاں میں تمھیں یہ بتا سکتی ہوں کہ جب تک میجر کا مال بوٹ پر منتقل نہیں ہو جاتا جہاز خطرے سے باہر رہے گا۔“
”مال کب اور کہاں آئے گا؟“ میری آواز کی کڑکی بے جان سی ہو گئی تھی کیونکہ مجھے سونیا کے بیان میں جھوٹ کی آمیزش نہیں ملتی تھی اور بلا جواز تشدد خواہ مخواہ میرا وقت اور ذہن ہی خراب کرتا۔

”غالباً وہاں جو فلیپائن کا دروازہ ہے۔ ویسے جہاز آگے فیلا تک جائے گا۔“ سونیا نے جواب دیا اور میں نے گھٹنا ہٹالیا۔ میں ابھی آج ہی رہا تھا کہ سونیا۔ بجلی کے لشکارے کی مانند بجلی اور میری ناک پر مگر ہر جھوٹی الماری کی طرف چلی گئی۔ مگر زوردار ہی تھی اور ناک جھکنا نازک ترین

عضو اس لیے میری آنکھوں کے سامنے تاروں کا قرض شروع ہو گیا تھا۔ اگر ستاروں کی روشنی معلوم ہو جاتی تو تاریکی میں سونیا دوسرا جان لیوا وار کرنے میں یقیناً کھیلا رہتی۔ مگر ابھی ناپچتے ستاروں کی روشنی میں میرا زہن جاگ رہا تھا اور بصارت بیدار تھی۔ سونیا کے ہاتھ میں چمکدار چھوٹا سا خنجر لہراتا ہوا میں نے دیکھ لیا تھا۔ اس نے ہاتھ کا زاویہ ماہر فخرزن کی طرح بنایا تھا۔ اگر میں حواس میں نہ ہوتا تو دل کا نشانہ بن جانا میں نے یکدم نیچے جھک کر نہ صرف دل کا مقام خنجر کی زد سے بچے کر لیا تھا بلکہ ہاتھ کی انگوٹھی چوٹ اس کی کھانی پر لگانے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔ خنجر ہاتھ سے نکل کر چھت سے ٹکرا یا اور کہیں گر گیا۔ میں خنجر گرنے کا مقام نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ سونیا کھپائی ملی کی مانند مجھے لوچنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ میں نے ایک ہاتھ اُس کے چہرے پر مارا پھر وہ غرائی ہوئی۔ آچھی۔ میری دائیں لات اٹھی اور اس کے پیٹ میں لگی۔ وہ کراہتی ہوئی اپنے سفری بیگ پر پشت کے بل جا گری۔ اُسی لمحے کہیں میں اُس کی گھٹی گھٹی چیخ پھیل گئی تھی۔ میں نے جھپٹ کر اُسے بالوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پھر فوراً چھوڑ دیا۔ بیگ پر خون کی دھار گر رہی تھی۔ خنجر اُڑتا ہوا دس کے بل بیگ پر گرا تھا اور جب میری لات کھاکر وہ بیگ پر گری تو خنجر اُس کی پشت میں پیوست ہو گیا تھا۔

میں نے جھپٹ کر اُسے اٹھایا اور یہ دیکھ کر میرے منہ سے طویل سانس نکل گئی۔ خنجر کا صرف دستہ دکھائی دے رہا تھا اور دستے کے راستے خون بہہ رہا تھا۔ کھیل ختم ہو چکا تھا۔ میں نے دو منٹ انتظار کیا جب اس کا چمکڑتا ہوا جسم ساکت ہو گیا تو میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ ... اس کے گردیاں میں توقع کے مطابق میری انگلیاں کاغذ سے ٹکرائیں اور انگلیوں میں بھنسا ہوا کاغذ باہر نکال دیا۔ وہی نقشہ تھا جو بقول سونیا کے میجر سے چرایا گیا تھا اور اُس کے دفن خزانے کی نشان دہی کرتا تھا۔ جی جئے فلیپائن کے کسی مقام پر سارا مال چھپا رکھا تھا جسے سونیا حاصل کرنے جا رہی تھی لیکن زندگی نے سفر میں ہی اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ سونیا کی کریمہ عادات سے مجھے گھن آتی تھی اُس کی خوب غرضی اور ہر حال ذات سے نفرت تھی لیکن اس کی موت کا مجھے آج بھی افسوس ہے۔ یہ ضروری تو نہ تھا کہ جس سے نفرت تھی اُسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ میں نے اُسے چھوڑنے اور بدترین قسم کی سزا دینے کا فیصلہ تو کر رکھا تھا مگر اُسے جان سے مارنے کا بھی ارادہ نہ کیا تھا لیکن انسان جو چاہتا ہے وہ ہوتا نہیں۔ اُس کا وقت آ گیا تھا جسے کوئی بھی ٹال نہیں سکتا تھا۔ اُس کی ناگہانی موت نے مجھے بھی کئی خطرات اور الجھنوں میں ڈال دیا تھا کیپٹن مارش اُسے میری بیوی کی حیثیت سے جانتا تھا۔ وہ عیادت کے لیے بھی آ سکتا تھا۔ اُس کی گم شدگی کے بارے میں

باز پرس بھی ممکن تھی۔ مادام شبلی اور جیکال کے حارثے کو سونیا کی موت پر کوئی دوسرا رنگ بھی دیا جاسکتا تھا۔ وہ بھی طبعی موت نہیں مرے تھے اور سونیا کے جسم میں بھی خنجر گھونپ دیا گیا تھا۔ اگر مارش جمع تفریق کرنے بیٹھ جاتا تو میرے راستے میں کئی رکاوٹیں کھڑی ہو سکتی تھیں۔ جبکہ میں نہ رک سکتا تھا اور نہ ہی کسی الجھن سے ٹھوکر کھا کر قدموں کا رخ پھرنا چاہتا تھا۔ جی جئے فلیپائن اور فلیپائن میں چھپا ہوا مال حاصل کرنے کی چابیاں میرے ہاتھ لگ چکی تھیں۔ ایڈنا بھی فی الحال پوری طرح حیرت قیضے میں تھی۔ حالات واقعات نے اُسے مجھ پر بھروسہ کرنے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔ اُسے ایک مضبوط ساتھی کی شدید ضرورت تھی اور میں نے اپنی ذات کی خدمات پیش کر رکھی تھیں۔ میں اس کا قیمتی چھتر نکھسے سے بال کی طرح کسی بھی لمحے نکال سکتا تھا۔

جہاز اپنی معمول کی رفتار سے اپنی منزل کا فاصلہ سینٹا بٹھو رہا تھا۔ اُس کی رفتار کے ساتھ ساتھ وقت بھی اپنی بساط پھینکا جا رہا تھا۔ میرے ساتھ بد نصیبی یہ تھی کہ میں منزل کی خوشی کا استقبال کرنے کی تیاری نہیں کر پایا تھا۔ مسافر منزل کو قریب آتے دیکھ کر سامان سینٹا شروع کر دیا کرتے ہیں مگر میرا سامان بکھر گیا تھا۔ ایک نہیں چار مسائل نکلی تلوار لیے میری جانب بڑھ رہے تھے۔ سب سے پہلے سونیا کی لاش کو ٹھکانے لگانے کا مسئلہ تھا جو میرے کہیں میں خون سے لٹھری پڑی تھی۔ شمعون کو زندہ رکھنا اور اُس سے معلومات حاصل کرنے کا معاملہ بھی کھٹائی میں ڈالنے کے قابل نہ تھا۔ ایڈنا کو ساتھ چھپنے پر رضامند کرنا بھی بوجھ کے چنے چبانے سے زیادہ مشکل تھا۔ اگر وہ بے حیاں شے ہوتی تو منتقل کرنا آسان ہوتی۔ سونیا تو اپنے ہی خنجر سے ہلاک ہو گئی تھی مگر ایڈنا بھی زندہ تھی اور میں اُسے ہلاک کرنے کا فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ آخری مرحلہ میجر کے مال کا تھا جو منصوبے میں سر فہرست تھا۔ سونیا کی لاش پر بیٹھ کر ڈال کر میں ٹھہراں کی چال چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ لاش ٹھکانے لگانے سے قبل میں ایڈنا سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ سونیا کی موت میں میرے ارادے کا دخل نہ تھا۔ لیکن وہ مرجھ چکی تھی اور میں اس کی موت سے ایڈنا کی خوشنودی حاصل کرنے کا دہرا فائدہ اٹھا لیتا تو کچھ آسانیاں پیدا ہو سکتی تھیں کیونکہ میں نے ایڈنا سے وعدہ بھی کر رکھا تھا کہ اُسے حاصل کرنے کی راہ میں مکمل بھولی کو ہٹا دوں گا۔ مجھے امید تھی سونیا کی موت ایڈنا کے لیے خوش خبری سے کم نہ ہوگی۔

ایڈنا کے کہیں میں روشنی تھی اور دروازے کے عین سامنے دوسری دیوار کے ساتھ ایک شخص بائیں سر رکھے کروٹ کے بل لیٹا ہوا تھا اور شراب کی بوتل اُس کے پیلوں میں اوندھی پڑی ہوئی تھی میں نے بھی خیال کیا تھا کہ کوئی شرابی نشے میں دھت ہو کر روٹھ گیا ہو گا۔

میسری دستک پر قدموں کی چاپ نے ایڈنا کی آمد کا اعلان کیا تھا۔ دروازہ کھول کر سونیا ایڈنا اُس کے استفسار سے قبل میں نے اپنی آواز کا کارڈ اندر بھیج دیا اور اس نے دروازہ کھول کر مجھے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ میری ریڑھ کی ہڈی پر دباؤ بڑھا اور میرا اٹھا ہوا قدم خشک کر رہ گیا۔

”نہیں دوست۔ سر سوا آواز آئی۔“ پیچھے دیکھ کر بغیر اندر چلے چلو اور اپنی دوست کو بھی حماقت سے باز رکھو ورنہ وہ تم جیسے مرد سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ ایڈنا یکدم کھٹے کوڑی اوٹ میں دیوار کے ساتھ چپک گئی۔ اُس نے ایک فوری اور اچھا فیصلہ کیا تھا لیکن وہ شخص بھی یقیناً اُسی اسکول کا فارغ التحصیل رہا ہو گا جس میں اتنے اچھے فیصلوں کی ٹانگیں توڑنے کا علم سکھایا جاتا ہے۔ ہاتھ اوپر کر کے ناک کی سیدھ میں پڑھتے جاؤ دوست۔“
اُس نے دیوار اور میرے جسم سے ہٹا لیا اور خود دروازے میں ہی رک گیا تھا۔ اگر سابقہ پوزیشن برقرار رہتی تو ایڈنا اُسے چھاپ سکتی تھی۔ ”مرسل ایڈنا میں صرف تین ٹنگ گنتی کی مہلت دوں گا کیونکہ میری کسی سے رشتہ داری نہیں ہے۔ اگر تم اپنے دوست کے ساتھ جا کر نہ کھڑی ہو میں تو اسے چار بجتے ہی شوٹ کر دوں گا۔“

”میرے دوست کی بات مان لو ایڈنا۔ میں نے اُسے مشورہ دیا۔ ہم گولی کی زبان سے نہیں، دوستانہ انداز میں اپنے معاملات طے کریں گے۔ میرے دوست کو یقیناً کوئی غلط فہمی ادھر لال ہے۔ ایڈنا اوٹ سے نکل کر میرے ساتھ آ کر کھڑی ہو گئی تو وہ اندر آ گیا اور دروازہ بند کرتا ہوا ہمارے دائیں جانب کاؤچ پر بیٹھ گیا۔ میں کن آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی جاپانی فوجی تھا جس نے دن کو مجھ سے ماچس ماٹھی تھی۔ کیا تم بھی بیٹھ جائیں؟ میں نے چہرہ گھما کر پوچھا اُس نے آنکھوں سے اجازت دے دی۔ ہاں پیارے دوست! میں بیڈ پر اڑوں۔ بیٹھے ہوئے بڑے سکون سے بولا۔ اگر تمھیں کسی نے مس ایڈنا یا میرے قتل پر مقرر کیا ہے تو میں جانتا ہوں تم نہ کوئی وجہ بتاؤ گے نہ ہی ہماری صفائی کی ضرورت محسوس کرو گے۔“

”ایسی کوئی مجبوری میرے ساتھ نہیں ہے دوستو! اس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔“

”پھر شاید تمھیں یہ لڑکی پسند آگئی ہے۔ میں نے آنکھ دبا کر اُسے مسکراہٹ دی۔ اگر ایسی بات ہے تو میں غیر جانبداری پر قائم رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔“

”کیا بکواس ہے۔ ایڈنا غصے سے چیخ اٹھی۔“

”حالات میری جان حالات۔ میں نے ایڈنا کو تھپ تھپایا۔ زندگی اتنی ارزاں نہیں کہ اُسے محض جذلوں پر قربان کر دیا جائے۔“

فراموش کر گئی تھی، میں جانتی ہوں خرم سلطان کسی کا ہو کر نہیں رہتا ہاں بولو تم کچھ بتانے جا رہے تھے؟

"میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ لڑکی جس کا اصل نام اور چہرہ میں نہیں جانتا، میری راہ روک کر کھڑی ہو گئی تھی، مادام شیلی اور میرے درمیان جو باتیں ہوئی تھیں۔ اس نے سن لی تھیں۔ وہ مجھے اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتی تھی، اس نے مجھے دھکی دی تھی کہ اگر میں اس کے اشاروں پر نہ چلا تو میری اصدیت ظاہر کر دے گی، جب کہ میں اپنی اصلی شخصیت کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا کیونکہ میرے دشمن اسی جہاز میں میرے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، بس اپنی بقا اور آزادی کے لیے میں نے وہ فیصلہ کیا جو مجھے جیسے شخص کو کرنا پڑتا ہے۔" یعنی تم نے اسے۔۔۔

"ہاں جوڑی۔۔۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ میں نے اسے خاموش کر دیا ہے اور اس کی لاش میرے کپن میں پڑی ہے، میں یہی خوش فہمی تھیں سناتے آیا تھا۔

"آہ بے چاری۔۔۔" اس نے سروسائس لی مگر اس کا چہرہ اور خوشی سے چمکتی ہوئی آنکھیں گواہ تھیں کہ اسے اس خبر نے خوشی دی ہے، چہرہ دفعہ ہنس پڑی۔ عجیب اتفاق ہے، ایک لاش میرے کپن میں ہے اور ایک تم ادھر چھوڑا ہے، چلو باقی باتیں ہوتی رہیں گی، ہمیں سب سے پہلے اپنے اپنے شکار کو ٹھکانے لگانا چاہیے، جاؤ اسے سمندر کے حوالے کر دو، پھر اسے بھی ادھر روانہ کر دیں گے۔

میرے ذہن میں یہ شمار سوال چکر رہے تھے۔ مادام شیلی، مقدس پتھر اور ایڈنا، یہ ایک ایسی ٹکون تھی جس کے اندر میں سوالوں کا بوجھ اٹھائے دیواروں سے سر چھو رہا تھا۔ لیکن کوئی راستہ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ جوڑی نے جو کچھ کہا تھا اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا، لاشیں بلاشبہ ہمارے سروں پر ننگی تلواریں کی مانند ٹک رہی تھیں، گو جہاز پانی پر تیز رہا تھا، یہاں پولیس کا خدشہ نہ تھا لیکن جہاز پر زندہ لوگ سوار تھے اور دشمنی کے تمام تر قوانین ساتھ لائے تھے۔ لہذا میں سوالوں اور آنکھوں کو سمیٹ کر طوفاؤں کو ہاں سے نکل گیا تھا۔ سونیا کی لاش اٹھاتے ہوئے میرے ہاتھ غلط جھر کے لیے کپکپا سے گئے تھے۔ سونیا وہی لڑکی تھی جس کے لیے کبھی میرے دل میں اچھے جذبے تھے احترام تھا، اس نے بعض کڑے لمحات میں میری مدد بھی کی تھی، لیکن وہ وفادار نہ تھی اور ایسے لوگ جب بے نقاب ہو جاتے ہیں تو ایسی ہی ذلتیں ان کے ساتھ کوئی جاتی ہیں۔ خدایوں اور خود غرض لوگوں کو کبھی تاریخ نے اچھا مذاق اور اچھا نام نہیں دیا۔

جہاز کے ساتھ ساتھ جھاگ کا قافلہ سفر کر رہا تھا، میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ ڈیک سنان تھا، پھر جھک کر نیچے دیکھا، تب معامیری نگاہ جہاز اور جھاگ سے ذرا دور پڑی، سرج لائٹ میں وہ بوٹ جہاز سے پیاس گزردہ مشرق سے مغرب کی جانب جا رہی تھی اور میری تیز نگاہوں نے بوٹ سے جھانکنے والا چہرہ پہچان لیا تھا، وہ جانسن کا چہرہ تھا۔ میں چونکہ قدرے اندھیرے میں تھا۔ اس لیے جانسن نے یقیناً مجھے نہ پہچانا ہوگا۔ اس نے یکدم چہرہ اندر کر لیا تھا، اسی لمحے میں نے سونیا کی لاش ہاتھوں پر اوپر اٹھائی اور سمندر میں اچھال دی۔

جوڑی نے پہلی دستک پر ہی دروازہ کھول دیا تھا غالباً وہ دروازے کے قریب کھڑی انتظار کر رہی تھی۔ لاش بیڈکورد میں لپیٹ کر اس نے قالین پر کھڑا ہوا فون بھی صاف کر دیا تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر استقبالیہ نگاہوں سے دیکھا، میں ذہنی طور پر دوسری لاش بھی اٹھانے کے لیے تیار تھا، لیکن اس سے قبل کہ میں اپنی خدمات پیش کرتا، دروازے پر ہلکی سی دستک نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ چونکہ ہم دونوں دروازے کے قریب ہی کھڑے تھے، کوئی بھی بات کہتے تو باہر موجود شخص آواز سن سکتا تھا۔ اس لیے لگا ہوں کی زبان سے ہی ہم نے ایک دوسرے سے پوچھا تھا کہ باہر کون ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ دروازہ کھولے میں ایڈنا۔ دوسری بار دستک کے ساتھ کسی نے نوب آواز میں کہا۔ میں سیکورٹی آفیسر گارمز ہوں۔ میری ناک سے لگی ہوئی سانس نلکی اور جوڑی کا نرم چہرہ تن سا گیا۔

"کیا بات ہے آفیسر۔۔۔" اس نے کڑخت لہجے میں پوچھا۔ کیا یہ فرض آپ کے چارٹ میں درج ہے کہ آدھی رات کو مسافروں کو پریشان کیا جائے۔"

"سوزی مس۔۔۔ سیکورٹی آفیسر منتنایا۔ میں اپنا فرض ہی ادا کرنے حاضر ہوا ہوں، مجھے ایک گارڈ نے رپورٹ دی ہے کہ ایک شخص نے کوئی وزنی شے سمندر میں پھینکی ہے اور وہ آپ کے کپن میں داخل ہو رہے۔"

"وہ وزنی شے ایڈنا نہیں ہے آفیسر میں بالکل ٹھیک ہوں۔ براہ کرم آپ واپس چلے جائیں۔"

"کیا وہ شخص اندر موجود ہے مس۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ ایڈنا نے جواب دیا۔ اور وہ میرا دوست ہے، کیا آپ نہیں جانتے ہیں ایک ہولناک حادثے سے دو چار ہو چکی ہوں، وہ میری دلجوئی کے لیے یہاں موجود ہے۔"

حالات کی بدلتی ہوئی صورت کا احساس مجھے تو تھا۔۔۔ لیکن

جوڑی پر سکون انداز میں سوال و جواب کر رہی تھی، میں نے بڑھ کر لاش اٹھائی اور دوسرے کپن کی جانب بڑھ گیا جب لاش مادام شیلی کے خالی پلنگ کے نیچے ٹھونس کر میں واپس آیا تو سیکورٹی آفیسر اندر آچکا تھا۔

"اوہ مسٹر نامر۔۔۔ سیکورٹی آفیسر مجھے دیکھتے ہی دوستانہ آواز میں بولا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اندر میں تو میں بس ایڈنا کو زحمت نہ دیتا، مجھے انسوس ہے، وہ یقیناً کوئی اور رہا ہوگا۔ گارڈ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ آئیے مسٹر نامر ہم اس شخص کو تلاش کریں، کچھ گزردہ ضرور محسوس ہوتی ہے۔" اس نے آنکھ دبا کر مخصوص اشارہ کیا۔

"اس شخص کو تلاش کرنا ہماری فستہ داری نہیں آفیسر۔ جوڑی سر دلیجے میں بولی۔ پلیر آپ چلے جائیں۔"

"اوہ نہیں میں ایڈنا۔ آفیسر نے میرا ہاتھ پکڑ کر دیا یا۔ بحیثیت شہری یا ہم سفر کسی گزردہ کو روکنا ہم سب کی یکساں ذمہ داری ہے، میں ان کو زیادہ دیر نہیں روکوں گا، آئیے مسٹر نامر۔۔۔ وہ مجھے تقریباً گھسیٹتا ہوا چل پڑا، جوڑی کے چہرے پر غصے کا رنگ لہریں مارنے لگا تھا لیکن وقت اور حالات کی نزاکت کے احساس نے اس کی زبان بند کر رکھی تھی، مجرم کتنا ہی دلیر کیوں نہ ہو، احساس جرم اسے بزدل بنا دیتا ہے، میں بھی تھکے ہوئے بل کی طرح گردن جھکا کر آفیسر کے ساتھ اسی احساس جرم کے تحت چل پڑا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا سیکورٹی آفیسر اس کپن میں زیادہ دیر کھڑا رہے جس میں ایک لاش موجود تھی۔ ڈیک پر ہو کا عالم طاری تھا البتہ پانی کی مانوس آواز موجود تھی آفیسر مجھے ریڈنگ کے قریب لے گیا۔ آپ کے لیے پیغام ہے۔ آفیسر نے ریڈنگ سے ٹیک لگا کر بتایا۔ کیپٹن جانسن نے ٹرانسمیٹر پر مجھے کال کیا تھا، وہ بے حد پریشان تھا، لیکن میں نے اسے آپ کی اطلاع کارکردگی کی رپورٹ دے کر مطمئن کر دیا ہے۔"

"کیپٹن کھٹے سمندر میں یقیناً حالات کی سنگینی نہیں سمجھ رہا ہوگا۔ میں نے شاک آواز میں کہا۔ مجھے یہاں اندر باہر لڑنا پڑ رہا ہے، اس نے یقیناً جواب طلب کیا ہوگا۔"

"ہاں۔۔۔ آفیسر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ گزشتہ رات بھی اس نے بوٹ بھیجی تھی آج خود آ گیا ہے، میں نے اسے بتایا ہے کہ مسٹر نامر جمال نے کمال چابک دستی اور احتیاط سے مادام شیلی اور اس کے باڈی گارڈ کو راستے سے صاف کر دیا ہے اور ایڈنا کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، کیپٹن تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔ آفیسر نے سائیڈ پاٹ سے شارٹ ریج کا چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکال لیا اور جانسن کو مدغم آواز میں کال کرنے لگا۔ کیپٹن براہ کرم مسٹر نامر سے بات کریں۔ سیکورٹی آفیسر نے ٹرانسمیٹر

جانب بڑھا دیا۔

"گڈ نائٹ کیپٹن۔ میں نے ٹرانسمیٹر منہ کے قریب کرتے ہوئے سلسلہ کلام کی ابتداء کی، جواب میں پہلے بصیرتاً ہی سنائی دی پھر جانسن کی دہکتی اور چھنکاری آواز ابھری، غالباً وہ جہاز سے دور ہو گیا تھا۔ آواز عامی مدغم تھی جس میں بوٹ کے انجن کی آواز بھی مل رہی تھی۔ ٹرانسمیٹر مجھے کان کے ساتھ لگا نا پڑا تھا۔

"ہیلو ہوائے، کیا گزرتا ہے، مجھے جو رپورٹ ملی ہے۔ وہ منصوبے سے میل نہیں کھاتی، قتل و غارت اور ہنگامہ میرے منصوبے میں شامل نہ تھا۔"

"ایسا کرنا ناگزیر تھا کیپٹن۔ میں نے جواب دیا۔ میری ساتھی لڑکی ڈیل کراس کر رہی تھی، مادام شیلی نے اسے توڑ لیا تھا، اگر میں اس نحریت کا منہ بند نہ کرتا تو اس کا باڈی گارڈ مجھے کسی بھی وقت اٹھا کر سمندر میں پھینک دیتا لہذا میں نے پہلے ان کو خاموش کیا اور پھر غدار ساتھی کی گردن توڑ دی، اب میرے راستے میں صرف مس ایڈنا کھڑی ہے، اگر اس کی زندگی میرے مفاد میں نہ ہوتی تو اسے بھی سمندر کے حوالے کر چکا ہوتا مگر اس کو زندہ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ مطلوبہ پتھر اس کے کپن میں نہیں ہے صرف وہی اس پتھر تک رہنمائی کر سکتی ہے اور میں اسے دوسرے طریقے سے رام کر رہا ہوں۔"

"شان دار۔۔۔ شاندار لڑکے۔ جانسن پر خوش لہجے میں بولا۔

"میں واپس جا رہا ہوں۔ کیونکہ سمندر پر سکون نہیں ہے، بوٹ جہاز کے نزدیک لے جانا خطرناک بھی ہو سکتا ہے، اب میرا رخ فلپائن کی جانب ہوگا۔"

"ٹھیک ہے کیپٹن میں دوسری ملاقات پر آپ کو اچھی خبر دوں گا۔"

"مجھے یقین ہے۔" وہ بولا۔ جہاز سے اتر کر تم سیدھے ریٹائر ہوٹل کا رخ کرنا، ہوٹل کا منیجر میرا کزن ہے، وہ تمہیں بھلائی مجھے تک پہنچا دے گا۔"

"میں وعدہ نہیں کروں گا کیپٹن، حالات کے مطابق ہی منزل کا تعین ہو سکتا ہے، بہر کیف میں آپ کی امانت کی حفاظت کروں گا اور موقع ملے ہی آپ تک پہنچا دوں گا۔"

"حالات سے اگر تمہارا مطلب خشکی پر کوئی خطرہ ہے تو یقین کر لو، وہاں میرے آدمی تمہارے گرد و دیوار بن جائیں گے ہوٹل تک تمہاری نگرانی اور پوری حفاظت کی جائے گی، یہ اطلاع اس لیے بھی ضروری ہے نامر جمال کہ انسان اور فرشتے میں جو فرق ہوتا ہے اسے میں نظر انداز نہیں کر سکتا، انسان کسی بھی لمحے لالچ کے گرداب

میں گر سکتا ہے، پس تم اتنا یاد رکھنا جہاز سے ہوٹل تک بے شمار آنکھیں مختاری نگہان ہوں گی۔"

"میں آنکھوں کا جال توڑنے کا ماہر ہوں کیپٹن، میری آواز میں مغز آپ شامل تھی۔ آنکھوں کی دھمکی زدو، جو گردنیں توڑ سکتا ہے۔ وہ آنکھیں بھی پھوڑ سکتا ہے، مجھ پر صرف اعتماد رکھو۔"

"بہت اچھا لڑکے۔۔۔ جانسن کی آواز ٹوٹ گئی۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"آئندہ بھی خیال رکھنا کیپٹن، میں کرخت لیجے کو برداشت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، میں اپنی صوابدید پر کام کروں گا۔ اور کامیابی کی صورت میں خود رابطہ قائم کروں گا۔ اس سے قبل کہ کیپٹن جانسن جواب دیتا میں نے ٹرانسمیٹر سیکورٹی آفیسر کے حوالے کر دیا۔ اس نے بھی کوئی بات نہیں کی۔ آف کر کے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر زبردستی لپٹے میں بولا۔ جب میری خدمات کی ضرورت پڑے تو کال کر لینا دوست، میں ذاتی طور پر مختاری شخصیت اور کارکردگی سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔"

"کیا تم میرے لیے ایک بوٹ اور چند آدمی مہیا کر سکتے ہو؟"

"سودی۔ اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے معذرتی انداز میں کہا۔ آدمیوں کی فراہمی کوئی مسئلہ نہیں مگر بوٹ کا کنٹرول براہ راست کیپٹن مارش کے پاس ہے، صرف جنگی حالات میں بوٹ ریمیز کی جاسکتی ہے۔"

"انہو کے بارے کیا خیال ہے؟"

"کس کس کو انکار کرو گے میرے دوست۔ سیکورٹی آفیسر میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ بوٹ کے لیے ایک تجربہ کار ملازم بھی ہونا چاہیے بالخصوص ہم ملازم کو بھی مجبور کر لیں مگر کھلے سمندر میں ہم اسے مطلوبہ منزل کی جانب چلنے پر مجبور نہیں کر سکتے، وہ ہمیں دھوکے میں رکھ کر کسی بھی خطرناک پتلیشن سے دوچار کر سکتا ہے۔"

"ان مفید اطلاعات کا شکریہ آفیسر۔ میں نے اس کا ہاتھ پھوڑ دیا۔ میں کوئی دوسرا راستہ تلاش کر لوں گا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ تو میں دو منٹ کے توقف کے بعد شمعون کے کیمین میں داخل ہو گیا۔ میں اسے فرش پر بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ گیا تھا، وہ جگہ خالی تھی میرا دل دھک سے اچھلا، شمعون کی عدم موجودگی میرے لیے کوئی نیک شگون نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنے کسی معاون کے پاس جا کر میرے لیے مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ میں نے می بو کو بھی جہاز میں دیکھا تھا، اگر وہ جہاز میں موجود تھا تو کوئی بھی فیصلہ صادر ہو سکتا تھا۔ اسے جہاز میں میری موجودگی کا علم تھا۔ شمعون اسے میری ذمے داری سے بھی آگاہ کر دیتا تو میری کامیابی کے سارے راستوں

پر می جو کی ذات، پٹنوں کی طرح بکھر جاتی۔ میں پٹنے ہی والا تھا کہ پانی کے گرنے کی آواز میری آڑی آڑی سماعت سے ٹکرائی تو میں دوڑتا ہوا ہاتھ روم کی جانب گیا اور دھڑ سے دروازہ کھول دیا۔ شمعون اندر ہی تھا لیکن قدرتی لباس میں تھا۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ چونکہ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ اس لیے خود کو خاموش رکھنے اور چھپانے کی ضرورت نہ رہی تھی۔

"انگل میں معافی مانگنے واپس آیا ہوں۔ میں نے اپنی آمد کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے دل سے خوف نکالنا چاہا میری وضاحت رد عمل خوش گوار ہی رہا تھا۔ شمعون نے فوری جواب دے دیا تھا۔

"تھر ماس میں قبوہ موجود ہے۔ یہ۔۔۔ شمعون نے کہا۔ میں ماضی قریب کی یاد صاف کر کے آتا ہوں۔"

تھر ماس تو موجود تھا لیکن پیالی نام کی کوئی شے دکھائی نہیں دی تو میں نے تھر ماس کے ڈھکن کو ہی پیالی کے طور پر استعمال کر لیا، قبوہ لذیذ اور خوشبودار تھا، ابھی میں نے چند سیپ ہی لیے تھے کہ شمعون تویلیے سے بال رگڑتا ہوا باہر آگیا۔ میں نے چہرہ ٹھکانے اور استقبالی مسکراہٹ تک اس کی تعظیم کی رسم ادا کی تھی۔ آرام سے قبوہ چلو تو جوان، کپ دراز سے نکلتے ہوئے شمعون بولا۔ میں جانتا ہوں تم جیسے لوگ اپنی خطاؤں پر کبھی نادم نہیں ہوا کرتے بلکہ معذرت اور معافی کا سوال ہی خارج از بحث کر دو، ہاں اگر تم پچھ معلوم کرنے دوبارہ آئے ہو تو میرا جسم حاضر ہے اٹھو اور مجھے دھم کر پٹ جاؤ۔ میرے پاس تھیں مطمئن کرنے کے لیے مزید کوئی خبر نہیں ہے، جو کچھ بتا چکا ہوں۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا تم ہی نہیں، میری ذات، میری حیثیت اور بیٹے کی محبوبہ بھی اس جہاز میں ہے، دھماکہ اپنے پرانے کی تیز نہیں کرے گا بلکہ جب تک میں اور سونیا موجود ہیں تم بھی سلامت رہو گے۔"

"یقین کرو انگل میں کچھ پوچھنے نہیں آیا۔ میں نے تھر ماس سے اس کا کپ بھردیا۔ میں اپنے اضطراری عمل پر واقعی شرمندہ ہوں۔ دراصل آپ کو زندہ دیکھ کر میں حواس باختہ ہو گیا تھا۔"

"چلو میں معاف کرتا ہوں۔ وہ سیپ لے کر مسکرایا۔ کیا ہم سابقہ تعلق اور غلط فہمیوں کو نظر انداز کر کے تجدید دوستی نہیں کر سکتے تو تم چودھری۔ مجھے سونیا اور مٹھائے سہائے کی ضرورت ہے۔"

"کیا میری دوستی پر آپ اعتماد کر لیں گے انگل؟"

"ہاں، کیوں نہیں، اگر غلط فہمی کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو ہم بہترین دوست بن سکتے ہیں۔"

میں نے ہاتھ بڑھایا اور شمعون نے جھک کر دونوں ہاتھوں

سے میرا ہاتھ محکم لیا۔ حال اور مستقبل کے نام انگل میں غلوں دل سے دوستی کی ابتدا کرتا ہوں اور سابقہ زیادتی اور حاققوں کی معافی مانگتا ہوں، مجھے برکت اور سونیا کے ساتھ اپنے دل کے گوشے میں جگہ دے دیں۔"

"شکریہ پیاسے بیٹے، شمعون نے اٹھ کر میرے شانے کو خطبہ چھپایا۔ برکت دوسری لاش کا نوجوان ہے، البتہ تم دونوں میرے بازوؤں کی طاقت ہو۔"

"اب میں کچھ پوچھوں انگل؟"

"ہاں پوچھو مگر میرے جواب پر یقین کر سکو تب۔۔۔"

"میں ماسٹری جو سے مل چکا ہوں، کیا وہ بھی میری ہی شکل سے مجھے پہچانتا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ شمعون نے نفی میں سر ہلایا۔ اسے صرف یہی بتایا گیا تھا کہ قترم سلطان میک آپ میں ہانگ کا ٹنگ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے، اگر وہ جانتا ہوتا تو میرے ذمے یہ ڈیوٹی نہ لگتا کہ قترم سلطان کو جہاز کے مسافروں میں سے پہچانو۔"

"کیا وہ اب بھی جہاز میں موجود ہے؟"

"نہیں۔ وہ پہلی کاپڑ کے ذریعے یہاں سے چلا گیا ہے۔"

اب ہماری ملاقات فلپائن میں ہی ہوگی۔

"اس کا مجھ کو کون ہے انگل۔ کیا سونیا؟"

"ہاں۔۔۔ شمعون مسکراتے لگا۔ دراصل سونیا اس سے خوفزدہ ہے، اگر وہ معافی مانگنے یا صفائی پیش کرنے کے سامنے چلی جاتی تو مجھے زیر زمین ہی رہنا پڑتا، وہ بدپوش ہو گئی تھی اور میں نے جب سنا کہ دوسری گواہ ٹری تاں بھی تھا اسے اٹھوں خاموش ہو چکی ہے تو میں مظلومیت کی داستان سنانے می جو کے پاس چلا گیا تھا، میں نے سارا الزام سونیا کے سر تھوپ کر خود کو کتاب سے بچا لیا تھا میں نے می جو کو یقین دلایا ہے کہ سونیا نے قترم چودھری کو ہمارے خلاف درغلا یا تھا اور دونوں نے مل کر مجھے راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا تھا۔"

"آخر جہاز کی تباہی میں می جو کا کیا مفاد ہے انگل؟"

"ہوگا، ورنہ وہ ایسا کیوں کرتا۔۔۔"

"اس کا مال کہاں اور کب آئے گا؟"

"ٹھیک دو بجے، شمعون نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ اب

میں سرخ روٹی سے مال کے ساتھ آتر جافل گا، کیونکہ میرے ذمے قترم چودھری کی تلاش اور اس کی حفاظت تھی۔ ماسٹر نے مجھے ہدایت کی تھی کہ بہت جیت پر قترم سلطان کو جہاز سے انکار کرنا ہوگا، وہ نہیں چاہتا کہ جہاز کے ساتھ اس کا پسندیدہ نوجوان بھی تباہ ہو جائے

پس تم لوگ تیار رہو، دو بجے جہاز، دس منٹ کے لیے روکا جائے گا اور مال منتقل کرنے کے بعد آگے بڑھے گا، پس دو اور تین بجے کے درمیان جہاز پر مصیبت نازل ہوگی۔"

"مجھے اب اجازت دیں انگل۔ میں اٹھ کر بولا۔ سونیا کو بھی تیار کرنا ہے۔"

"ایک منٹ قترم۔۔۔ شمعون ہاتھ اٹھا کر بولا اور قبوے کا آڑی گھونٹ حلق میں اندیل کر کھڑا ہو گیا۔ بات وہی ہے جس نے ہمارے درمیان خوفی تضاد پیدا کر دیا تھا، تم میری بات سمجھ رہے ہو چودھری۔۔۔"

"ہاں انگل۔ میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ وقت نے باور کروا دیا ہے کہ وہ میرا جذبہ باقی فیصلہ تھا، یہاں وفاداری نہیں بلکہ جی داری کا راج ہے، وفاداری کے فیصلے میں مجھے غلامی کی پیش کش کی گئی تھی، میں دل و جان سے آپ کے ساتھ ہوں۔"

"اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ شمعون کی آواز شدت جذبات سے دھکنے لگی تھی۔ میرے بچے تم نے میری ساری پریشانی دور کر دی ہے، ٹھیک ہے تم اس رٹ کی کوڑہنی طور پر تیار کرو، ہم ادھر ساحل کے قریب کارروائی کریں گے۔"

وہاں سے نکل کر میں نے کھلی فضا میں چند منٹ گہری سانسوں کے درمیان نئی صورت حال کے بارے سوچا، می جو کا مقرر کردہ نمائندہ خودو حال بن گیا تھا۔ شمعون کی موجودگی اور تعاون تمام ناخوشگوار واقعات کی روک تھام کی پُر توفیق ضمانت تھی مجھے صرف مادام جوزی کی فکر تھی۔ وہ جہاز چھوڑنے پر شاید رضانہ نہ ہوتی۔ جبکہ میں اس گلدان کو ہی ساتھ لے جانے کا تہیہ کیے ہوئے تھا جس میں پھل دار پودا لگا ہوا تھا۔

"اسے جانا پڑے گا۔" میری طویل اور فیصلہ کن سانس کے ساتھ تھر تھرائی ہوئی آواز نکلی ہیں نے کندھے جھٹک کر ساری پریشانیوں سمندر کی جھاگ دار لہروں میں پھینک دیں اور جوزی کے کیمین کی طرف بڑھ گیا۔

ابھی میرا ہاتھ دستک دینے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ جوزی کی مدغم آواز نے میرے اٹھتے ہوئے ہاتھ کو روک دیا تھا، میں نے جھٹک کر کی ہول سے آنکھ لگائی۔ وہ اندر دکھائی نہیں دی، لیکن اس کی آواز لہرائی ہوئی ہوا کے دوش پر میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"اوہ ڈیڈ، میں زیادہ دن اس وحشی کو نہیں روک سکوں گی، وہ بے لگام گھوڑا ہے، آپ بھی اس کی عادات سے آگاہ

میں، اگر میں نے اصرار کیا تو وہ بھڑک اٹھے گا۔ براہ کرم آپ جلدی
خود آئیں یا روڈی کو بھیج دیں، وہی اس کی ٹکڑ کاہے ہیں اسے
منافع نہیں کر سکتی۔ میرے بوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ ابھرائی۔
ٹھیک ہے مادام جوزی، میں نے دل میں سوچا، میں مقابلے کے
لیے تیار ہوں، میں پلٹ گیا اور چند منٹ ہو اور سی کے انداز
میں ٹہل کر واپس آیا، اندر خاموشی طاری تھی۔ تب میں نے دستک
دی اور جوزی نے فوراً ہی میری آواز پہچان کر دروازہ کھول دیا۔
"کوئی خطرہ...؟"

"سب ٹھیک ہے۔" میں مومن پر گرتے ہوئے بولا، "لیکن میں
تم سے چند اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"
"پہلے یہ بتاؤ وہ کیوں آیا تھا اور تمہیں باہر کیوں لے گیا تھا؟"
"وہ مجھے سفر اور کینی کے اخلاقی منابطے یا دلائل لے گیا تھا، میں
نے معنی خیز لگا ہوں سے جوزی کے سراپا کو دیکھتے ہوئے جھوٹ بولا۔
"اُس کے خیال میں ہم آوارہ جڑے کا کردار ادا کر رہے ہیں جو منابطے
کے منافی ہے۔"

"اوہ غلیظ سورا۔" جوزی مٹھیاں بھیج کر غزائی "اگر وہ ایسی
بات مجھ سے کہتا تو میں اُس کی زبان کھینچ لیتی۔"
"قصداً اُس کا نہیں میڈم۔" میں نے نرم لہجے سے اُس کا غصہ
سرو کرنا چاہا۔ "لوگ دلوں کے اندر نہیں جھانکا کرتے۔ ظاہری آنکھیں
جو دیکھتی ہیں۔ وہی انداز سے قائم کر لیے جاتے ہیں، میں نے اُسے
مطلبن کر دیا ہے۔"

"تم غالباً مادام شیلی اور میرے تعلق کے بارے پوچھنا
چاہتے ہو۔"

"ہاں۔" میں نے مدغم لہجے میں جواب دیا، "لیکن فی الحال
اپنے تعلق پر کچھ باتیں کریں گے، گو ہمارا تعلق نہ ہونے کے برابر ہے
اس لیے میں تو دو چنگ جی کے حوالے سے متعارف کروانا پسند
کروں گا۔"

"ہاں وہ حوالہ ہی تمہاری ذات کا روشن اور قابلِ فخر تعارف
ہے۔" جوزی نے بوجھل پلکیں اٹھا کر میری جانب دیکھا چنگ تھا
کا خرم سلطان چودھری جو زلفاؤں کا آئینہ دل مڑ رہا۔

"شکریہ میڈم۔" میری آواز میں مٹھنیت تھی۔ "تم نے مجھے
ایک بڑی الجھن سے بچا لیا ہے، اب میں کھلے دل اور پورے
خلوص سے تمہیں شریک سفر اور شریک مقصد بنا تا ہوں۔"
"شریک سفر تو ہوں، وہ ہنس کر بولی۔ "رہی مقصد کی
بات تو ہمیں ایک دوسرے پر مکمل بھروسہ کرنا ہو گا کیونکہ میں بھی
تھریجا بھری سفر پر روانہ نہیں ہوتی تھی۔ میرے سفر کی مٹھی میں بھی کچھ

مقاصد ہیں، آؤ اپنی اپنی مٹھی کھول دیں۔"

تب میں نے پہل کی اور اپنی مٹھی کھول کر اُس کے سامنے
رکھ دی۔ میرا خیال تھا کہ وہ میری مٹھی کا مال دیکھ کر حیرت سے
گنگ ہو جائے گی، لیکن وہ میرے انداز سے کہیں زیادہ گہری
اور مضبوط تھی، اُس نے نہایت ہی تحمل سے اور بغیر کسی تاثر کے میری
باتیں سنیں نہ حیرت و استعجاب سے اُس کی آنکھیں پھٹیں نہ ہی وہ
خوشی سے بے قابو ہوئی تھی۔ اُس نے ثابت کیا تھا کہ وہ ایک عظیم
باپ کی عظیم بیٹی ہے، ایک مضبوط تنظیم کی سرکردہ رکن ہے۔

"صرف تمہاری ذات کی موجودگی اور دریافت میرے لیے
باعث حیرت اور خوشی ہے خرم سلطان۔" میری باتوں کے اختتام پر
وہ ٹھہری ٹھہری پرسکون آواز میں بتانے لگی۔ "جو کچھ تم نے بتایا ہے،
میں تمہارے خلوص اور اعتماد کے لیے ممنون ہوں۔ تم ایک بہادر
نوجوان ہو، جو بہادر ہوتے ہیں۔ اُن کا ظرف بھی بہت بڑا ہوتا ہے،
میرے اس انکشاف پر یقیناً تم خرم مند ہو گے نہ اپنی سبکی محسوس
کرو گے کہ ہمارے ذرائع بیدار اور وسیع ہیں۔ اس جہاز میں میری
موجودگی صرف مادام شیلی کی وجہ سے ہی نہیں ہے، وہ تو چلتے چلتے
ایک نفع بخش سودا ہو گیا تھا۔ ورنہ اصل مقصد بھی وہی تھا جس
کا ذکر تم نے کیا ہے، ہمارے ذرائع نے بتایا تھا کہ می جو اپنے
اثاثوں کی کھرجین لے جا رہا ہے۔ میرے دوتے صرف کھرجین حاصل
کرنا نہیں ہے بلکہ مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں یہ معلوم کروں
کہ کھرجین کہاں مستقل کی جائے گی، ڈیڈی اپنے حریف کو فلپائن میں
بھی سکون کی سانس نہیں لینے دیں گے۔ ہم می جو کو گھیرتے گھیرتے
اس قدر ہراساں اور پریشان کر دیں گے کہ وہ اپنے آبائی وطن کی
جانب واپسی کا سفر کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"کیا یہ اطلاع تمہارے لیے نئی نہیں کہ وہ آج ہی رات کسی وقت
جہاز سے اپنا مال اُتارے جائے گا؟"

"بے شک یہ بات ہمارے علم میں نہ تھی، اُس نے اعتراف
کر لیا۔" اگر یہ اطلاع تم نہ دیتے تو میرا سفر رائگاں ہی جاتا، میں اس
کے لیے ممنون ہوں۔"

"اب کیا کرو گی؟"

"تم سے مشورہ لوں گی۔" وہ کھٹک کر بولی۔ "کیونکہ یہاں اگر
آگے تاریکی چھا گئی ہے، میرے ساتھ افرادی قوت نہیں ہے،
میں جہاز پر کوئی بھی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"
"اگر میں یہ مشورہ دوں کہ کارروائی ناگزیر ہے تو...؟"
"تو...؟" وہ آگے جھک کر مضبوط سرگوشیاں لہجے میں بولی۔
"میں آنکھیں بند کر کے مشورہ قبول کروں گی، کیونکہ مشورہ دینے والی

ذات پر مجھے ایمان کی حد تک اعتماد ہے، اگر خرم سلطان کا تعاون
حاصل ہو تو چنگ جی کی بیٹی بھڑکتی آگ میں بھی مسکراتی ہوئی کود
جائے گی۔"

"عظیم چنگ کی قابلِ احترام بیٹی کیا یہ نہیں جانتی کہ خرم سلطان
چنگ جی کا باغی اور مغرور مجرم ہے؟"

"مجرم نہیں صرف باغی۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "اور بغاوت اگر
اپنی بقا اور آزادی کے لیے ہو تو قابلِ ستائش ہوتی ہے، میرے
ڈیڈی نے تمہیں کبھی باغی اور مجرم نہیں کہا۔ اگر تم بھی چنگ جی کی
وفاداری کا لباس پہن لیتے تو آج ہمارے دلوں میں تم اس قدر
ذری حیثیت نہ ہوتے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ زندوں کی فوج میں تم بھی
میرے سامنے تک نہ آ سکتے، یہ تمہاری انفرادیت ہے خرم سلطان!
کوئی جرم نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے مادام۔" میں نے پرجوش آواز میں کہا۔ "میں اُن
اچھے جذبوں کا پرستار ہوں جو تمہارے دل میں میرے لیے زندہ ہیں،
اب تیاری کرو، ہم مال کے ساتھ ہی جائیں گے۔"

"لیکن... لیکن...؟" وہ بدبواہی سے بولی۔
"کیپٹن مارش اور می جو کے کارندے جانتے ہیں کہ نامہ اعمال
کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے اور مارش کے علم میں یہ بھی ہے
کہ وہ لڑکی جیکال کی سفاکی کا شکار ہو چکی ہے، لہذا تم اس کا رُف کو
چہرے کی خراشوں کو چھپانے کے لیے باندھ لو۔"

"اوہ...؟" جوزی کچھ پریشان ہو گئی تھی۔ "اگر میں پہچان لی گئی
تو میرے ڈیڈی کے بال می جو کے پاؤں تلے آجائیں گے خرم، میں
نہیں چاہتی میری وجہ سے میرے ڈیڈی جیتی ہوئی بازی ہار جائیں۔"
"تو پھر مجھے اجازت دو۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں بھی نہیں چاہتا
کہ میری وجہ سے تم کسی پریشانی سے دوچار ہو جاؤ۔"

"اوہ نہیں نہیں...؟" وہ بڑبڑانے لگی۔ "میں تمہیں پا کر پھر
کھونا نہیں چاہتی خرم سلطان، جو کچھ می جو لے جا رہا ہے، اُس سے
کہیں زیادہ تمہاری ذات ہمارے لیے قیمتی ہے، میں اپنے مشن سے
دستبردار ہو سکتی ہوں۔ ہم دوسرے ذرائع سے فلپائن میں می جو کو
تلاش کریں گے۔"

"مجھے افسوس ہے مادام جوزی! میں اپنے قدموں کا رخ
نہیں بدل سکتا۔"

"لیکن کیوں کیوں؟ تمہیں کیا چاہیے؟" وہ بولی۔ "اُس مال سے دو گنا مال
تمہیں دے دوں گی۔ جو تم مانگو گے وہی ملے گا۔ بس فلپائن تک
میرے ساتھ رہو، میں تم سے وعدہ کرتی ہوں، اگر تم نے کہیں جانا
چاہا تو میں تمہاری راہ نہیں روکوں گی۔"

"شکریہ مادام... میں جانتا ہوں چنگ جی اپنی بیٹی کے
لیے بہت کچھ کر سکتا ہے لیکن خرم سلطان چودھری کے ساتھ یہی
ایک بد نصیبی ہے کہ وہ خود کو نیلام پر نہیں چڑھا سکا۔ میں می جو
کے خزانوں کا متلاشی نہیں ہوں، میں تو اُس دوزخ سے فرار چاہتا
ہوں جو می جو اور چنگ جی نے بھڑکار کھا ہے جس دولت کا حوالہ تم
دے رہی ہو، وہ دولت میرے ایک دوست مسٹر بیکر کے پاس بھی
وافر ہے لیکن میں اُسے بھی ٹھکرا آیا ہوں، اگر تم ساتھ دینا چاہو تو
میں غیر مشروط طور پر تمہیں فلپائن تک لے چلوں گا اور اگر تم نے چاہا
تو می جو سے چھینا ہو اسارا مال بھی تمہارے قدموں میں ڈھیر کر کے
خالی ہاتھ کسی طرف نکل جاؤں گا۔"

"مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے خرم۔" وہ رو ہانسی سی آواز
میں بولی۔ "میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میں نے آج تک ہر قدم باپ
کے لیے اٹھایا ہے، آج اپنے لیے ہی..."

"چلو جلدی سے اپنا سامان سمیٹ لو۔" میں نے بیٹھے
ہوئے کہا۔

"میرے پاس صرف سفری بیگ ہے۔" وہ بھی بیٹھ گئی۔
"اب اگر مناسب سمجھو تو مادام شیلی کے متعلق کچھ بتاؤ؟"

"تم بتاؤ، شیلی کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟"

"کچھ زیادہ نہیں۔" میں نے صوفے پر نرم دراز ہوتے ہوئے کہا۔
"ایک پارٹی نے میری خدمات خریدی تھیں۔ مجھے بتایا گیا کہ ماں
بیٹی ایک ایسی مورتی لے جا رہی ہیں جو دراصل کسی خزانے کا نقشہ
ہے۔"

"حالانکہ یہ محض افواہ تھی،" جوزی ہنس کر بتانے لگی۔ "ڈیڈی
نے باقاعدہ اپنے ذرائع سے تحقیق کروائی تھی، جاپان کی ایک
عبادت گاہ سے ہمارا تبادہ کی متبرک مورتی چور کر سکی لنگا بھیج دی
گئی تھی۔ عبادت گاہ کے منتظم اعلانے مادام شیلی کی خدمات
مستعار میں مادام شیلی کا تعلق امریکہ سے تھا اور وہ ایک پرائیویٹ
مراغہ رسالہ ایجنسی کی رکن تھی۔ وہ اپنے ساتھ اپنی بیٹی کو لائی تھی
مقصد محض سیر و سیاحت ہی تھا، اگر مادام شیلی تنہا ہوتی تو میرا خیال
ہے کسی کو کالوں کا ان خبر نہ ہوتی اور مورتی لے کر نکل جاتی۔ مگر بیٹی کی
ضد نے اُسے طویل سفر کرنے پر مجبور کر دیا تھا، مورتی دو عبادت گاہوں
کے درمیان متنازعہ ہے۔ مورتی کے بارے دونوں پارٹیوں کا
ایمان ہے کہ مورتی کو تم بدھ کی زندگی کے دور کی ہے اور گوتم بدھا
پتھر میں سما کر امر ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ مذہب کے نزدیک
یہ مورتی بے حد اہم اور مقدس سمجھی جاتی ہے۔ سری لنکا کی پارٹی
نے مورتی کی واپسی کے لیے ڈیڈی سے سوال کیا ہے اور آدھا

معاوضہ پیشگی ادا کیا جا چکا ہے۔ اس بار فی کا نامزدہ قلیاٹن میں میرا منتظر ہوگا۔ مورتی اس کے حوالے کر کے بقایا معاوضہ وصول کروں گی۔

"مادام شیلی کی بیٹی...؟"

"اوہ... بوزی نے ہلکا سا قہقہہ لگا یا۔ وہ ہماری بہان ہے۔ مشن مکمل ہوتے ہی اس کو باعزت طور پر امریکہ کے لیے روانہ کر دیا جائے گا، میں اسی کی شکل میں مادام کے ساتھ آتی ہوں، لیکن ہم یہ بھول گئے تھے کہ مادام کا تعلق سرائی رساں ادارے سے ہے۔ اس نے مجھے پہچان لیا تھا اور ہمارے درمیان بالکل خاموش معاہدہ ہو گیا تھا کہ قلیاٹن تک ہم ایک دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ مورتی کی وہ کہانی جو تم سن رہی ہو، جھوٹی ہے تو...؟"

"تو پھر سچ کیا ہے؟"

"مورتی کسی خزانے کی نگہی ہے؟ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنی بات کا رد عمل پڑھنا چاہا مگر وہ تو گہری جھیل کی مانند پرسکون تھیں۔ اس کا چہرہ بھی پتھر کی مانند بے حس ہی تھا۔ کسی بھی مورتی پر مگر یوں کا جال نہیں بچایا جاتا۔"

"تم... تم... بوزی کی سزا آہٹ ابھری؟ کیا کہنا چاہتے ہو قہرتم سلطان...؟"

"یہ کہنا قابل احترام میڈم... میں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر سرسراہٹ آواز میں جواب دیا۔ بلکہ کرنا چاہتا ہوں میں اس مورتی کے ساتھ جو دوسری افواہ گردش کر رہی ہے اسے آزمائے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"فیصلہ...؟ وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔"

"ہاں فیصلہ... میں نے بھی بدے ہوئے کڑے تیوروں کے ساتھ اثبات میں گردن ہلاتی مادام شیلی، جیسا کہ اور میری ہم سفر سونیا اسی لیے راہ سے ہٹائی گئی ہیں۔ وہ تینوں میرے فیصلے کی راہ میں پتھر تھیں اور میں پتھروں کو اب برداشت نہیں کرتا کیوں کہ ٹھوکروں نے میری مدح کے پاؤں ہو بہا کر دیئے ہیں، اب میں صرف فیصلے کرتا ہوں اور عمل کرتا ہوں۔"

"سنو قہرتم چودھری... ہاؤ اٹھ کر میرے قریب آئی؟ میں تمہیں بتا چکی ہوں، معاہدہ میرے ڈیڈی نے کیا تھا اور عمل کے لیے مجھے آگے بڑھایا گیا ہے۔ میں تمہارے فیصلے کی نہ تو تائید کر سکتی ہوں اور نہ ہی تصادم کی راہ اختیار کروں گی، ہاں ایک درمیانی راہ ہے اگر ہم اپنے دوسٹوں کی طرح پہلے مورتی کی اصلیت معلوم کریں اور پھر

کوئی فیصلہ کریں، میں اس وقت تک اپنی ذمہ داری پر مورتی پارٹی کے حوالے نہیں کروں گی۔"

میں اس شاطر لڑکی کی قہر پر زبردست لب مسکرا یا تھا۔ وہ بڑی خوبصورتی سے مورتی اور قہرتم چودھری کو اپنے باپ کے حوالے کرنا چاہتی تھی، لانگ فریکوینسی ٹرانسمیٹر پر ہونے والی گفتگو کا کچھ حصہ میں سن چکا تھا، یقیناً چنگ چی نے اسے ہدایت کی ہوگی کہ قہرتم سلطان کو بہ صورت قلیاٹن میں اٹھانے رکھنا، وہ مجھے مورتی کے جال میں اٹھانا چاہتی تھی۔ اگر میں صرف اپنی ذات اور بانڈوں پر بھروسہ کر لیتا تو یہ میری احمقانہ خوش فہمی ہی ہوتی اور اگر میں چنگ چی کی قوت اور لا محدود ذرائع سے پسٹم پوشی اختیار کرتے ہوئے بوزی پر اپنا حکم، اپنی طاقت اور اپنا فیصلہ مستط کر دیتا تو یہ بھی ایک اندھی چھٹانگ ہوئی۔ لہذا میں نے مادام بوزی کی شاطرانہ چال کے جواب میں بھی مصلحت آمیز و پسپائی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"ٹھیک ہے میڈم۔ میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ میں بھی تصادم کی راہ اختیار نہیں کرنا چاہتا۔"

"تم نے میری لاج رکھ لی ہے؟ وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگی۔ بوزی میں سوچ رہی تھی اگر قہرتم نے سب عادت اٹھنے پر تیار ہو گیا تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ وہ ابھی اور مورتی والا ڈیڈی اٹھا لائی یہ یہ اب تمہاری تحویل میں رہے گا، ہاں اگر تم چاہو تو خشکی پر جا کر مجھے دو تھپی بھی مار سکتے ہو، زیادہ سے زیادہ میرے ایک تجربے میں اضافہ ہوگا، یہ مورتی اب مکمل طور پر تمہاری ذمہ داری میں رہے گی۔"

میں نے نہ اس کا رسمی شکریہ ادا کیا اور نہ سنا انکار کی تکرار کرنے میں وقت ضائع کیا مورتی نکال کر آٹ پلٹ کر دیکھی اور پھر پتلون کے پوڑے بیلٹ کے نیچے رکھ کر بیڈٹ کس لی۔ آؤ اُدھر چلتے ہیں۔ میں نے بوزی کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ہم اس خطرے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اتنی بڑی ذمہ داری کو سنبھالنے کے لیے مخالف گروہ نے صرف ایک نا تجربہ کار لڑکا ہی نہ مقرر کیا ہوگا جو ایک شیشہ بدن لڑکی کا ہاتھ بھی نہ سہہ سکا تھا، کوئی دوسرا بھی مورتی کے چکر میں ہونا چاہیے، جاتے جاتے ایک اور پرمذاق تماشہ ہی ہے؟ اپنے کیبن میں داخل ہو کر میں نے سونیا کا بیگ بوزی کو دکھایا۔ تم ہاتھ روم میں جا کر سونیا کا لباس پہن لو۔ بوزی نے بے چون و چرا بیگ سے ایک بوڑھا نکال لیا اور ہاتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔ جب وہ مخرج بلاؤنڈ اور تقریباً ہلکے نسواری رنگ کا اسکرٹ پہن کر باہر آئی تو میں نے تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لیا، اس پر لباس خوب چڑھا تھا، پھر اس نے میری ہدایت پر سیاہ اسکارف چہرے پر ایسے انداز میں لپیٹ لیا کہ آنکھوں کے سوا سارا چہرہ ناقابل شناخت ہو گیا تھا۔ اب تم یہ ڈیڈی اپنے ساتھ رکھو گی۔"

میرے ہاتھ میں ڈیڈی دیکھ کر وہ چونک پڑی۔

"لیکن... کیوں...؟"

"اس لیے کہ اگر کوئی نکلتی موجود ہے تو وہ اس میں پھنس جائے گی۔"

"وضاحت کرو قہرتم...؟"

"کیا یہ وہی ڈیڈی نہیں ہے؟"

"ہاں یقیناً وہی ہے؟ پھر میں نے ڈیڈی کھولا تو وہ حیرت سے اچھل پڑی تھی کیونکہ بالکل ویسی ہی مورتی ڈیڈی میں عموماً استراحت تھی۔ لیکن کیوں قہرتم...؟ اس کی آواز جھرجھرائے لگی تھی۔ تم نے مورتی پھر ڈیڈی میں کیوں رکھ دی ہے؟"

تب ہی میرے ذہن میں روشنی کا تیز جھماکا ہوا اور قہرتم سلطان یکدم وقت اور ضرورت کا انسان بن گیا، بوزی جیسی شاطر اور ذہین ترین لڑکی بھی اصل اور نقل میں تیز نہیں کر سکتی تھی جالانکہ اسے سوچنا چاہیے تھا کہ چلتے وقت ڈیڈی اس کے پلنگ پر اچھال دیا گیا تھا اور میرے کیبن میں ویسا ہی ڈیڈی کہاں سے آ گیا تھا؟ جاسن کی ہمارت اور کمال کو میں نے دل ہی دل میں داد دی تھی، جس نے اصل کی نقل اتارتے ہوئے بہترین ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہاں اور کتنے لوگ ہیں؟ میں نے بات بنائی۔ ظاہر ہے وہ لوگ مادام شیلی کی بیٹی ایڈنا کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہوں گے جب ڈیڈی ہمارے پاس دیکھیں گے تو کھل کر سامنے آنے کے سوا ان کے سامنے کوئی راستہ نہیں ہوگا، اگر وہ ہیں اور سامنے نہ آئے تو اُدھر بھی ہمارے لیے خطرہ بن سکتے ہیں، یہاں ہی فیصلہ ہو جانا چاہیے۔

"تم ہنگامے پیدا کرنے کے بہت شائق ہو قہرتم؟ وہ مسکرائی۔"

"ٹھیک ہے میں بھی تمہیں میدان میں دیکھ لوں گی۔"

"تم کچھ دیر آرام کرو، میں ایک چکر لگا آؤں۔ میں نے نرم اور پیار بھرے لہجے میں کہا، کیونکہ میں اپنے جھوٹ کی بندیا کو اب بہ صورت جو رہا ہے پر بھروسہ نہیں چاہتا تھا، اگر بوزی اپنے کیبن میں جاتی تو خالی ڈیڈی میرے جھوٹ کی قلعی کھول دیتا۔ میں اس ڈیڈی کو تمہند کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔"

"میں اُدھر ہی آرام کر لوں گی... وہ اٹھلاتی ہوئی بولی۔ مجھے چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی بیگ میں رکھنی ہیں؟"

"نہیں میڈم... میں نے بادل خواستہ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے پلنگ کی جانب دھکیل دیا۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اب تم ایڈنا نہیں بلکہ ناصر جمال کی بیوی سونیا ہو، تمہیں اپنے نقلی شوہر کے کیبن میں ہی دیکھا جانا چاہیے۔"

"میں نقلی سہاروں پر خوش نہیں رہ سکتی قہرتم؟"

"فی الحال میڈم... میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ یہ وقت کی ضرورت ہے، ہم اس وقت بزنس کے مشکل مرحلوں سے گزر رہے ہیں، جب اصل زندگی ہمارے لیے تمام آسودگیوں اور عشوہ طرازیوں کے ساتھ آئے گی تو ہم اس کا غیر مقدم اصل بن کر ہی کریں گے۔"

"آہ... کتنا خوش آئند خیال ہے؟ اس نے آنکھیں موند لیں اور میں دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

جہاز جب ٹھہرا تو میری رگوں میں دوڑنے والا خون اضطرابیت کے زیر اثر رگیں پھاڑنے لگا تھا، میرے سامنے وہ نازک مرحلہ اور

فیصلے کی گھڑی آگئی تھی جس سے میری زندگی آزادی اور مستقبل وابستہ تھا، جہاں زور آزمائی، میدان مارنے کی ضمانت ہوتی ہے۔ وہاں نہ میرا دل گھبراتا ہے نہ خون کی گردش میں فرق پڑتا ہے، مگر جہاں ترازو کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو، فیصلے کی اختلاقی دوسری ہو، وہاں ٹوٹا ٹھکڑا اور دیکھو کے فارمولے پر محض کار ناپڑتا ہے۔ آنے والوں کے پاس می جو کا آخری حکم کیا تھا، اس سے میں بے خبر تھا، میں ممکن تھا کہ وہ جہاز سے صرف مال کی منتقلی کا حکم ہی لے کر آئیں اور ہمارا ساتھ ان کے پروگرام میں شامل نہ ہو، ایسی صورت میں وہ انکار کر سکتے تھے، تکرار اور اصرار پر وہ مزاحمت کا سامنا بھی اختیار کر سکتے تھے۔ ان ہی خدشات اور غظرات کے پیش نظر میں پھر شمعون کے پاس چلا گیا تھا، وہ بوڑھا چاق و چوبند حالت میں روانگی کے لیے تیار تھا مجھے دیکھ کر اس کے لبوں پر عیاں سہی مسکراہٹ ابھرا آئی تھی۔ میں تمہارا ہی منتظر تھا لڑکے... اس نے ہر پکا بولایک ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر منتقل کرتے ہوئے کہا۔ میں نے بہت سوچا ہے، مگر صرف ایک ہی حل قابل عمل دکھائی دیتا ہے، تمہیں بحیثیت قہرتم سلطان سامنے کر دیا جائے، آنے والوں میں تھی لانگ شن شامل ہے اور وہ می جو کی نمائندگی کر رہا ہے، یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے کہ گروہ کے نمبر ان میں سے صرف وہی تمہیں نام اور صورت سے اچھی طرح پہچانتا ہے اور اسے خالص ہدایت ملی ہوگی کہ اگر قہرتم سلطان کو تلاش کر لیا گیا ہو تو مال کے ساتھ اسے بھی لایا جائے۔"

"یہ دوسری اور آخری کوشش ہوگی انکل؟ میں نے نیم رضامندی کے انداز میں کہا۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ مال کے ٹکڑوں کو بھی لے جانا چاہیں۔"

"نہیں تو جوان؟ شمعون نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بتایا۔

"مگر ان یہاں ہی رہیں گے کیونکہ جہاز میں ایسا سامان بھی جارہا ہے

جو ناقابل گرفت ہے، وہ لوگ اس سامان کو بند گاہ سے قانونی طریقے پر حاصل کر کے میٹر کے ہیڈ کو وارنٹنگ لے جائیں گے۔

"تو کیا مجھے میک اپ اتارنا ہوگا؟"

"نہیں... شمعون بولا۔ میں شی لانگ سے بات کر لوں گا۔"

"بہر صورت جانا تو ہے انکل۔ کسی بھی طرح ہی..."

"ہاں جانا ہے۔ وہ سنسنے لگا۔ جائے بغیر ہم اپنے پروگرام پر عمل کیسے کر سکتے ہیں، جاؤ سوئی کو بھی یہاں لے آؤ۔ جب تک مال اترتا ہے، میں شی لانگ سے بات کر لوں گا۔"

"سوئی کی حالت کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے انکل۔ میں نے چہرے پر دھکے طاری کرتے ہوئے بتایا۔ کیا اس نے آپ کو نہیں بتایا کہ ایک حبشی نے اس پر کیا ظلم کیا ہے؟"

"ہاں بتایا ہے، شمعون نے کہا۔ لیکن وہ ٹوٹ چھوٹ سے بچ گئی تھی۔"

"صرف جسمانی ٹوٹ چھوٹ ہی انسان کو ناکارہ نہیں کرتی انکل۔ اصل چیز تو روح ہوتی ہے، اس کی روح کو توڑ پھوڑ دیا گیا ہے، وہ جھجھکی اور منحل ہے اور چہرے کی خراشیں سوچن اور درد میں بدل گئی ہیں۔ میں اسے عین وقت پر سہا لے کر لے آؤں گا۔"

شمعون تانیہ بھر کچھ سوچتا رہا اور پھر طویل سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔"

"انکل مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ میں ساتھ چل پڑا۔ میں شی لانگ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

کیپٹن مارش نے غالباً پہلے ہی سارا سامان نکلوا دیا تھا جب میں شمعون کے ساتھ گیا تو چھوٹی ٹی سی کرین سامان نیچے کھڑی بوٹ پر اتار رہی تھی، مارش کے علاوہ تین آدمی موجود تھے، دو بوگی لوڈ کر رہے تھے اور ایک سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا انگریزی کر رہا تھا۔ شمعون اسی کی طرف گیا تھا۔ دونوں کے درمیان دو منٹ باتیں ہوئیں اس نے مزید میری جانب دیکھا۔ وہ جھدے ہونٹوں اور کھلے جڑے کا بد صورت شخص تھا، جس کے بال ابلھے ہوئے گردن پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر دائیں آنکھ سے ٹھوڑی تک گہرے زخم کا نشان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ چوڑے شانے پچکا ہوا پیٹ اور ٹوٹے ٹوٹے تڑے کان زبان حال سے گواہی دے رہے تھے کہ وہ کس دنیا سے نکل کر آیا ہے۔ متوازن قدم اٹھانا جب وہ میرے سامنے آیا تو اس کی سرخ انگارہ آنکھوں میں دردندگی جاگتی دکھائی دی۔ "نوں۔ اس کی ناک سے سزا آہٹ ابھری، اتنے میں شمعون بھی میرے دائیں پہلو میں اکھڑا ہوا۔"

"ختم۔ یہ ماسٹر شی لانگ شن ہے، چیف کا خصوصی نامندہ۔"

میں نے بول پر دوستانہ مسکراہٹ جگائی اور ہاتھ بڑھایا، لیکن وہ بچوں پر چھوٹا ہوا آگے بڑھا اور میرے سینے پر اٹا مٹا مار کر بولا۔

"تمھارے بارے میں بڑے افسانے لوگوں نے سنائے ہیں؟"

میں نے انکسار سے سر کو ذرا سا خم دیا لیکن بول ہی اس کا متنازعہ دوسری بار اٹھا میں نے ہاتھ پر روکتے ہوئے اس کی کلائی چڑلی۔ اس نے جھٹکا دیا اور میں نے کلائی مروڑ کر اسے پرے دھکیل دیا، میرا جوابی رد عمل اس کے لیے خلاف توقع ہی رہا ہوگا چند ثانیہ تو وہ جھجھکیا مگر مگر دیکھتا رہا پھر بھینکا رہا ہوا بڑھایا تھا کہ شمعون کو ذکر درمیان آگیا۔ شی لانگ نے لات اٹھا لی مگر شمعون بھی اسی اندھیری نگرانی کا باشندہ تھا۔ اچھل کر لات کی زد سے دور ہو گیا۔

"ماسٹر شی لانگ تمھارا پہلا تمکا میں نے دوستی کے نام پر وصول کر لیا تھا۔ میں نے بھی بھینکا رتی آوازیں کہاں۔ اگر یہ تمھارا دوستی کا ہی انداز ہے تو آگے بڑھو دوستی کے نام پر میری ہڈیاں توڑ دو، لیکن..."

"میں تمھارے کس بل دیکھ رہا تھا لڑکے... اس نے دونوں ہاتھ سیدھے میرے چہرے کی طرف بڑھائے اور میں نے چہرہ جھکا کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر آگے کی جانب جھٹکا دیا۔ اس کا توازن بگڑ گیا تھا، اسی غیر متوازن لمحے کو مجھے استعمال کرنا تھا اور میں نے نتائج سے قطع نظر اسی کے دونوں ہاتھ مروڑ کر اس کے کالوں پر مارے اس کا منہ کھلا اور ایسے آواز نکلی جیسے بھرے ہوئے دُرَم پر وزنی ضرب لگی ہو۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اپنی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا تھا۔

"رک جاؤ ختم رک جاؤ۔" پیچھے سے شمعون نے میرا شانہ تھپ تھپایا۔ شی لانگ ہمارا دوست ہے۔"

"میں نے بھی اسے دوستی اور دشمنی کا فرق بتلایا ہے انکل۔"

"بوڑھے اس سے کہو شی لانگ کو یہ انداز پسند آیا ہے۔ وہ جھجھراتی آوازیں بولا۔ اسے میرے ساتھ میری بوٹ میں چلنا ہو گا۔ ہم بطور نگران مال والی بوٹ کے تعاقب میں چلیں گے تم لوگ نیچے اترو، میں اسٹور کو ایک نظر دیکھنے جا رہا ہوں۔"

جس نے سفر پر میں روانہ ہو رہا تھا۔ اس کی ابتدا اچھی نہ ہوئی تھی اور بد تنگونی میرے سر پر منڈلانے لگی تھی۔ میں شی لانگ کے یورپی جان رہا تھا، جنابت اور کینگی اس کے چہرے پر نیون سائن کی طرح روشن تھی، کھلے سمند میں وہ کوئی بھی حرکت کر سکتا تھا۔

"... انکل یہ ساندھیں مگر مارنے کھلے سمند میں لے جا رہے ہیں۔ میں نے شمعون سے سرگوشی سے کہا۔ اگر ہم اس کے ساتھ گئے تو ہمارا مشن ناکام ہو جائے گا۔ اسے ادھر نہیں جانا چاہیے۔"

"ہاں... شمعون ٹوٹتی آوازیں جیسے سسک اٹھا تھا۔ یہ

ی جو سے بھی بڑا شیطان ہے، لیکن تم کیا کر سکتے ہو؟

"آپ کی اجازت اور تعاون کے ساتھ میں یہ جہاز اٹھ سکتا ہوں۔"

"مجھے... مجھے یقین ہے ختم سلطان لہذا کی قسم مجھے یقین ہے۔"

شمعون نے جذباتی لہجے میں کہا۔ میں تہہ دل سے اس ہم کی باگ تھلے ہاتھوں میں دیتا ہوں۔ مجھ بوڑھے کو بطور سایہ اپنے ساتھ رکھو۔"

"آپ اپنے کہیں میں میرا انتظار کریں۔ میں جواب کا انتظار کیے بغیر دوڑتا ہوا نیچے جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

لیج روم کا دروازہ نیم وا تھا، میں نے جھانک کر دیکھا اور میرا جسم سنسنے لگا۔ شی لانگ چوری کا مال نگرانوں میں تقسیم کر رہا تھا، میں نے اس کی مٹھی میں موتی دیکھے لیے تھے یقیناً اس نے نگرانوں کو لات دے کر موتیوں کے تھیلے سے موتی نکال لیے تھے۔ اس نے تقسیم کے بعد لافانی جیب میں رکھا اور دونوں نگرانوں کے شانوں پر پھینکا۔ دینے لگا، وہ الہامی ممنونیت کے طور پر سرنگوں کھڑے تھے، اگر ان کے چہرے اٹھے ہوئے ہوتے تو میں اتنی آسانی سے نہ تو اندر داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی شی لانگ کی گردن تک ہاتھ لے جانا آسان ہوتا۔

"میرا حقہ دوستو۔ میں شی لانگ کے عقب میں جا کر بولا، وہ کسی زخمی ناگ کی سرعت سے بھینکا رہا ہوا اٹھا اور میرا اٹا مٹا اس کی ٹھوڑی کے نیچے پڑا، وہ خالی ہاتھ مال غنیمت تقسیم کر رہا تھا دوسرے بھی چھٹوں میں لوٹ کا مال بند کیے بے دست ہی تھے۔ پھر رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کا خوف اور خفت بھی ان پر طاری ہو گئی تھی۔

کچھ سمجھنے اور سمجھنے کے لیے وقت درکار تھا اور وہی وقت میری مٹھی میں تھا، میں ان کو وقت دے کر خود بے وقعت نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اگر کوئی دوسری جگہ ہوتی، وقت اجازت دیتا تو میں شی لانگ کو ہاتھ پاؤں اچھا لے کر ضرور موقع دیتا، اس کا فن دیکھتا، کوئی نیا داؤسیکھ لیتا۔ مجھے تسلیم کرنا پڑا تھا کہ وہ می جو کا دوست راست اور نائب ہونے کا پوری طرح اہل تھا، اگر بے خبری میں فاصلہ میرے حق میں نہ چلا گیا ہوتا اور وہ حملہ آور ہوتا تو مجھے لوہے کی چٹنے چبانے پر مجبور کر دیتا، لیکن پہل میری طرف سے ہوتی تھی۔ اس لیے وہ بدحواس سا ہو کر لڑنے کے لیے تیار ہوا تھا۔ وہ اٹنی قلابازی میں گیا تھا اور ایک عمل سے دہرا فائدہ حاصل کرنے کا فن بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے قلابازی میں جاتے ہوئے دونوں پاؤں میرے چہرے کی جانب اٹھائے تھے لیکن میں پہلے فاصلے کی رعایت حاصل کر چکا تھا، وہ بالکل میرے قریب سے اوپر اٹھا تھا۔ اس لیے میں نے بھی

بیک وقت دو عمل آزمائے تھے اور دونوں ہی اتنے مؤثر اور کارگر تھے کہ شی لانگ ڈکراتا ہوا ایک نگران کو ساتھ لیتا نیچے گرا تھا۔ میں نے اس کی پٹھلیوں پر نائف کٹ مارا تھا اور ٹانگوں کے جوڑ پر دائیں جوتے کی نوک لگائی تھی، ایک ضرب نے اس کا توازن بگاڑ دیا تھا اور جوتے کی چوٹ نے اسے درد دیا ہوگا۔ جو نگران اس کے جسم کے نیچے آیا تھا اس نے اسے واپس میری جانب اچھال دیا تھا اور میں نے ہلکی سی فلائنگ کک سے اس کا استقبال کیا تھا شی لانگ کو اچھال کر گرنے والا بھی فارغ ہو گیا تھا، مجھے چاروں اطراف کو نگاہ میں رکھنا چاہیے تھا لیکن میں شی لانگ کو جلد از جلد ناکارہ کرنے کی دھن میں دوسرے خطرات کو فراموش کر چکا تھا لیکن وہ بھی پھٹی یا ساتویں جس ہی تھی جس نے بروقت میری نگاہوں کا زاویہ بدل دیا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک نگران کی گولی ختم سلطان چودھری کی داستان حیات خون میں جھگو کر ختم کر دیتی۔ اس نے نہ صرف پستول نکال لیا تھا بلکہ نال کا رخ بھی میری جانب اٹھا چکا تھا۔ فلائنگ کک کی دھمک دار ضرب کھا کر شی لانگ کا جسم ابھی فضا میں ہی پھڑپھڑا رہا تھا کہ میں نے پستول بردار کا عندیہ جان لیا تھا اور پاؤں کے بل گرتے گرتے میں نے سلیپ کا فیصلہ کر لیا تھا، اس نے نشانہ میرے سر کو ہی بتایا تھا، کیونکہ اس کے اندازے کے مطابق مجھے لگ لگا کر پاؤں کے بل ہی واپس آنا تھا۔ سلیپ کی رفتار میرے فیصلے سے بھی تیز تھی، ابھی شی لانگ کا جسم زمین سے اوپر ہی تھا کہ میرا پھسلتا ہوا بدن اس کے نیچے سے گزرا اور میں نے گزرتے گزرتے دونوں ہاتھوں کو اوپر کیا۔ شی لانگ کا جسم میرے ہاتھوں سے ٹکرایا اور میں نے اسے اوپر اچھال دیا۔ جب پستول کے منہ سے زوردار آواز نکلی تو میری سماعت سے صرف دھماکا ہی نہیں بلکہ شی لانگ کی کرب ناک چیخ اور پستول بردار کے حلق سے ابھرنے والی دھواڑ بیک وقت ٹکرائیں، گولی جو میرے لیے روانہ کی گئی تھی، اس نے شی لانگ کو چاٹ لیا تھا اور میرے پاؤں کی سڑوک نے پستول بردار کو تڑوں سے اکھاڑ دیا تھا۔ میں تڑپ کر اوپر اٹھا اور دوسرے نگران پر طویل چھلانگ لگا دی جو صورت حال سے بھر کر فرار ہو رہا تھا۔ اسے لیتا ہوا میں الماری سے ٹکرایا اور اس کی گردن آرم لاک میں پھنسا لی، چند منٹ سے بھی کم وقت میں اس کا تڑپتا ہوا جسم پُرسکون ہو گیا تھا۔

شی لانگ مرتے ہوئے سانپ کی مانند بل کھا رہا تھا۔ لیکن پہلا نگران بیت لیشا بھت کو گھور رہا تھا۔ میں اس کی جانب ایک قدم ہی بڑھا تھا کہ وہ تڑپ کر اٹھا اور میرے پاؤں میں لوٹنے

لگاؤ مجھے معاف کر دو، مجھے نہ مارو، اس کے بدلے میرا حصہ لے لو۔
اُس نے چار موٹی نکال کر فرش پر رکھ دیئے، میں نے چاروں موٹی اٹھا کر بیٹھیں، رکھ لیئے اور زندگی کی بھیک مانگنے والے کی گردن پر تیرھی آٹھیلی کی ضرب لگائی وہ "اورغ" کی آواز کے ساتھ ہی دوبارہ لمبا لیٹ گیا۔ اُس نے صرف چار موٹی دیئے تھے جب کہ تینوں مرنے والوں کے پاس بہت سے موٹی تھے، لیکن وہ اب مڑوہ جسم تھے اور میں مڑووں کی جھبوں سے موٹی نکالنے کی مذموم اور کراہٹ آمیز حرکت نہیں کر سکتا تھا، میری دشمنی میرا مقابلہ صرف زندہ لوگوں سے تھا، جب تک وہ زندہ تھے میں نے اُن پر ظلم کرنے سے دریغ نہیں کیا تھا، لیکن مڑوے کی بے حرکتی کا احساس میں کیسے فوج پھینکتا۔

سیرھیال چڑھ کر میں تیز تیز قدموں سے شمعوں کے کہیں کی جانب جا رہا تھا کہ وہی ہم راز سیکورٹی آفیسر مسکراتا ہوا سامنے آگیا۔ وہ آفیسر میں آپ کو ہی تلاش کر رہا ہوں، اس سے قبل کہ وہ اپنے آقا کی طرف سے مجھ پر سوالات کی پوچھا کرتا میں نے اُس کے ذہن کا رخ دوسری طرف پھیرنے کا فیصلہ یکدم ہی کر لیا تھا، آفیسر! آپ کے لینے نئی اطلاع ہے کہ میں ایڈنا یا جہازنی الفور چھوڑ رہی ہے اور میں نے اُس کا اعتماد اس قدر حاصل کر لیا ہے کہ وہ مجھے بخوشی ساتھ لے جانے پر رضامند ہے، موثری والا بکس اُس کے ساتھ جائے گا، میں کوشش کروں گا کہ بکس وہ اپنے بوڑھے نگران کے حوالے کر دے، اگر ایسا ہوا تو تم بوڑھے پر جھپٹا مارو گے، بظاہر میں مس ایڈنا کا طرف دار بن رہی ہوں گا، مقصد برائی کے لیے یہ کھیل ناگزیر ہے، تم اُدھر ریلنگ کے ساتھ انتظار کرو۔

"دیکھئے جناب" وہ بولا "میں کہنی کا باقاعدہ ملازم ہوں اور کیپٹن مارش اس مشن میں شامل نہیں ہے، اگر کوئی گروہ سمجھتی تو مجھے نوکری کے علاوہ قید کی سزا بھی دلائی جاسکتی ہے۔"

"یہ راز ہے دوست" میں نے اُس کے ہاتھ پر ٹھپکی دی۔
"کیپٹن دوسری طرف مصروف ہے اور ڈیک مسافروں سے خالی ہے، تم بے فکر ہو" اُسے تذبذب میں چھوڑ کر میں آگے بڑھ گیا تھا۔ شمعوں مجھے دیکھتے ہی پکٹتا ہوا آیا اور میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا، سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے انکل، اب ہم اُسی بوٹ پر سفر کریں گے۔

"اوہ... اوہ... تو کیا...؟"

"ہاں شی لانگ جہاز کے ساتھ سمندر کی تہ میں چلا جائے گا۔"
"میرے خدا... شمعوں نے پشیمانی رگڑی" تم کیسے ہو؟
"دشمن کے لیے کوئی برق اور دوست کے لیے ابر کرم..."

"جاؤ سوئی کوئے آؤ!"

"انکل چلنے سے قبل ایک چھوٹا سا ڈرامہ کرنا ہے اور کوئی کردار آپ ہوں گے؟"
"بولو..."

"ہمارے پاس ایک چھوٹا سا بکس ہے جو کسی کی امانت ہے، ظاہر ہے اب ہم سیدھے فلپائن میں داخل نہیں ہوں گے۔ لہذا میں دہ امانی انداز میں وہ امانت سمندر کے حوالے کرنا چاہتا ہوں تاکہ ساپ بھی مرجائے اور لامحی بھی سلامت رہے۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"اداکاری... میں نے مسکراتا ہوا ایک شخص اپنا ہاتھ آپ پر حملہ آور ہوگا، لیکن خالی ہاتھ، آپ اچھل کر ریلنگ سے ٹکرائیں گے اور بکس آپ کی گرفت سے نکل کر سمندر میں جا کرے گا، لیکن سب کچھ قدرتی انداز میں ہونا چاہیئے۔"

"ٹھیک ہے میں پوری کوشش کروں گا۔"

میں اُسی لمحے کی پیش بندی کر رہا تھا جب وہ مجھ سے بکس کے بارے سوال کرتا، میرے پاس بکس کی غیر موجودگی کا کوئی مخصوص حوالہ ہونا چاہیئے تھا کوئی عینی شاہد بھی ہونا ضروری تھا، اُسی کا اپنا آدمی اگر گواہی دیتا تو چون و چرا کی گنجائش نہ رہتی۔ شمعوں کو تیار چھوڑ کر میں مادام جوزی کو لینے نکل گیا۔ وہ بھی پر توئے ہی کھڑی تھی، اس کا اور سونیا کا سفری بیگ میں نے کندھے سے لٹکایا اور بکس بغل میں دبایا۔ تم سونیا ہو... اور تمہارا انکل شمعوں تمہارے استقبال کے لیے کھڑا ہے، تم ہوں ہاں! سے زیادہ کوئی آواز نہیں نکالو گی۔ میں نے جوزی کو بتایا۔

شمعوں نے چند قدم آگے بڑھ کر جوزی کے شانول اور بالوں پر تھکیاں دیں۔ حوصلہ رکھو سوئی بس آج کی رات ہم پر مشکل ہے، اس نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے مرگوشوں میں کہا "مشکل اور بڑی رکاوٹیں خرم دور کر چکا ہے، بیگ مجھے دے دو۔"

"یہ بکس آپ سنبھال لیں انکل" میں نے بغل میں دبایا ہوا بکس اُس کے حوالے کر دیا۔ شمعوں دائیں پیلوں میں چل رہا تھا، میں نے چلتے چلتے غیر محسوس طور پر ریلنگ سے فائدہ اُٹھ کر شروع کر دیا تھا، کیونکہ دس بارہ قدم دور میں نے سیکورٹی آفیسر کو ریلنگ کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ ہم گزرتے چلے گئے تھے اور سیکورٹی آفیسر کسی سنگتی کی طرح کھڑا رہا تھا چند قدم آگے ڈیک کی حد تک ہو رہی تھی، اگر وہ اسی طرح کھڑا رہتا تو میں دبا جانے کی کار بیٹھتا کیونکہ نقلی پتھر کی وہل میں ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا، میں نے اپنے پیلوں کھرجا ہٹ سنی۔ سیکورٹی آفیسر نے کمال بھرتی اور جاکدستی سے چھپ کر شمعوں کے ہاتھ سے بکس چھین لیا تھا اور شمعوں ہونٹ بنا کھڑا رہ گیا تھا۔

"یہ... یہ... کیا مذاق ہے آفیسر! شمعوں نے بدحواسی میں کہا۔ اُس نے سیکورٹی آفیسر کو یونیفارم کی وجہ سے پہچان لیا تھا، دوسری بات یہ تھی کہ شمعوں بکس کی قدر قیمت سے نا آشنا تھا۔

"اوہ... اوہ وہ نکل رہا ہے" میرے سہارے چلتی ہوئی نقلی سونیا ترولی "جلدی کرو خرم..."

میں کیا کرتا میرے پروگرام میں مداخلت شامل ہی نہ تھی میں تو تماشائی تھا۔ ایسیج پر انکل شمعوں کو میری ہدایات پر کھیل کھیلنا تھا مگر نہ

جانے کیوں جب کہ رہ گیا تھا، یونیفارم نے اُسے متذبذب کر دیا تھا یا جان کا خوف اُس پر طاری ہو گیا تھا۔ شمعوں تیر کی طرح سنسناتا ہوا نکلا، تب اس کی خاموشی میری سمجھ میں آئی، وہ اس انتظار میں تھا کہ بکس چھیننے والا ہم سے فاصلہ بڑھائے تاکہ پھینکا پھینکی کا منظر ہم صاف طور پر نہ دیکھ سکیں، پھر بکس سمندر میں گرنے کا جواز وہ اپنی پسند کا قاعہ کر سکے۔ اُس نے جاتے ہی سیکورٹی آفیسر پر چھلانگ لگائی غالباً آفیسر کو یقین ہی نہیں رہا ہوگا کہ کمان بدن بوڑھا اتنی پھرتی کا مظاہرہ کرنے پر قادر ہو سکتا ہے، آفیسر بکب کھا کر کھڑکھڑاتا ہوا ریلنگ سے ٹکرایا اور دوسرے لمحے شمعوں نے بکس پر ہاتھ ڈالا اور خود بھی ریلنگ سے جا لگا، اُسی وقت آفیسر نے بھی اس پر جوابی حملہ کر دیا تھا، پھر میں دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ کب اور کیسے بکس سمندر میں جا کر اٹھا۔ دونوں خالی ہاتھ ایک دوسرے سے الگ ہو کر کھڑے ہو گئے تھے، وہی وہ موقع تھا جب مجھے مداخلت کر کے اپنا بھرم اور شمعوں کی ہڈیوں کو بچانا تھا، بکس کا نقصان جوزی اور سیکورٹی آفیسر کے نزدیک ایسا تھا کہ دونوں کھٹ افسوس ملتے رہ جاتے۔ اس سے قبل کہ آفیسر کھینچا تو چھپنے کی کوشش کرتا میں جوزی کو چھوڑ کر اُن کے درمیان کھڑا ہو گیا، وہ دونوں ہی مجھے اپنا سمجھتے تھے لہذا مجھے کسی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا، میں نہایت سکون سے ڈرامہ کر سکتا تھا، لیکن دونوں کرداروں کی موجودگی بھانڈا چھوڑ بھی سکتی تھی، مجھے ایک کو بچانا تھا اور دوسرے کو حوصلہ دینا تھا۔ انکل آپ اُدھر جائیں۔ اُسے آپ کی ضرورت ہے، میں نے شمعوں کو دھکیل کر دور کر دیا، جب وہ وہاں سے چند قدم دور ہوا تو میں نے آفیسر کی پشت پر تھکیاں دیں "کوئی بات نہیں آفیسر ہم ایک دوسرے کے گواہ ہیں، کارروائی میں ہر بات ممکن ہوتی ہے، ہم نے اپنی پوری کوشش کی ہے، میرا خیال ہے موثری کا چوبہ لڑکی کے پاس محفوظ ہے، میں اس کے ساتھ لگا ہوا ہوں، اُدھر جا کر آپ کیپٹن جانسن کو ہوٹل میں مل کر رپورٹ دیں گے، میں چر بہ حاصل کرتے ہی کیپٹن سے رابطہ قائم کر لوں گا۔ اب اُس لڑکی کے اطمینان کے لیے ہمیں فوراً کشتی کرنا ہوگی، میں نے اُسے اٹھایا اور پھر بہا ہٹ سکی نیچے

دے مارا، اُس نے بھی جواب ناگیں اچھالیں۔ میں نے اچھل کر اُسے لات ماری اور وہ کراہتا ہوا اوندھا ہو گیا۔
"اوہ لڑکے کیا اُسے تم نے ہلاک کر ڈالا ہے؟" میں صیب ہانپتا ہوا واپس جوزی کے قریب گیا تو شمعوں نے ہکلا تے ہوئے پوچھا "وہ... وہ جہاز کا ملازم تھا۔"

"وہ ڈاکو تھا اور میں نے اُسے ادھیڑ دیا ہے۔"

"بکس میں کیا تھا بچو؟"

"میک آپ کا سامان... جوزی کی زبان بندی بڑی سودمند تھی ورنہ میں اتنی آسانی سے تھوٹ دیول سکتا۔"

وہاں صرف کیپٹن مارش کھڑا تھا، باقی لوگ بوٹ میں جا چکے تھے، مارش مجھے اور سونیا کو اچھی طرح جانتا تھا، اس نے آگے بڑھ کر ہمارا استقبال کیا اور رسمی انداز میں ٹوٹی کھوپڑی اُس نے جوزی کو تعظیم دی۔ کیپٹن! میں نے کھڑکھڑتے لہجے میں کہا "میری بیوی کی حالت اچھی نہیں، جہاز اپنی رفتار اور شبیدول کے مطابق سفر کرے گا صیب کہ اسے فوری امداد درکار ہے، ہمیں بڑا کرم بوٹ تک پہنچائیں، شی لانگ نگران بوٹ میں آئے گا، آپ ہمیں نیچے اتار کر بوٹ کو روانگی کا اشارہ دیں گے، شی لانگ آپ کے افس میں کاروباری معاملات پر گفتگو کرنے اُدھر گیا ہے، میں آپ کے تعاون اور انسان دوستی کو بحیثیت یاد رکھوں گا، کیپٹن مارش نے کریں آپ بڑا کرم ہاتھ کا مخصوص اشارہ دیا۔ بوٹی آہستہ آہستہ ہماری جانب تھکنے لگی۔ میں نے شمعوں کے تعاون سے سنبھال کر جوزی کو بوٹی میں بٹھایا اور پھر مارش سے گرم ہوش مصافحہ کر کے میں بھی شمعوں اور جوزی کے درمیان بچھن کر بیٹھ گیا۔ حالانکہ دوسری طرف بوٹی میں میرے لیے جگہ چھوڑی گئی تھی مگر میں جوزی اور شمعوں میں حامل رہ کر فاصلہ برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اُس کا چچا تھا اور سونیا اُس کے بیٹے بڑھتی ہوئے والی بیوی تھی، وہ اُسے سونیا ہی سمجھ رہا تھا، قریب بیٹھ کر وہ کوئی بھی ایسا سوال کر سکتا تھا جس کا جواب صرف سونیا ہی دے سکتی تھی۔ جوزی کی چپ اُست، مشکوک بھی کر سکتی تھی۔ بوٹی آہستہ آہستہ ہمارا تعلق جہاز سے توڑ رہی تھی اور بوٹ کی جانب تھک رہی تھی۔ میرے ذہن اور جسم میں نئے ان دیکھے سفر کی اینٹھن شروع ہو گئی تھی جو کچھ میرے پروگرام میں شامل تھا جو کچھ نئے سفر کے دوران ہونے والا تھا۔ اُس سے کھاتقہ صرف میں ہی آگاہ تھا اور مجھے ہی فعال کردار ادا کرنا تھا اور میں جیس جانتا تھا کہ بوٹی میں موجود لوگ کس قماش اور حوصلے کے لوگ ہیں۔

کھلی جھت والی وسیع وسیع بوٹ میں کل تین افراد تھے۔ ہنگامی حالات سے نکلنے کے لیے میں ذہنی اور جسمانی طور پر بالکل تیار تھا لیکن وہ تینوں ہمیں اُترتے دیکھ کر تذبذب میں پڑ گئے ہوں گے، اُن

کو غالباً یہی بتایا گیا ہوگا کہ باقی لوگ دوسری بوٹ پر ان کی مگرانی کیں گے۔ "تھکے پاس ریوا لوائے تاج میرے مدغم سوال کا جواب اثبات میں جوڑی نے ہنکار سے دیا تھا۔ اگر سرمنڈواتے ہی اسے برس پڑے تو تھیں واپس اپنی جون میں آنا ہوگا۔ جوڑی نے میری کلائی پر اثباتی انداز میں تھپکی دی اور اسکارف کی گرہیں مضبوط کرنے لگی۔ میں نے بوگی سے تھلاٹنگ لگاتے ہوئے بوگی میں کھڑے لوگوں کے درمیان جا کر کہا: "گڈ نائٹ دوستو!"

"ماسٹر کہاں ہے؟ ایک گھٹیلے بدن کا شخص سرد آواز میں بولا۔ "بوٹ میں مزید گنجائش نہیں ہے۔"

"دل کی بات کرو دوست۔" میں نے اس سے شانے پر ہاتھ مارا۔ "جگہ دلوں میں ہوتی ہے خصوصاً وفادار دوستوں کے لیے، ہم ادھر کے نگران ہیں۔ چیف نے یہی حکم دیا تھا، ماسٹرشی لانگ کیپٹن کے آفس میں حساب کتاب میں مصروف ہے، وہ دوسری بوٹ میں آئے گا، اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ہمیں اپنی بوٹ میں بلا لے گا، جوڑی بھی بوگی سے نکل کر میرے پہلو میں آگئی اور شمعوں نے آپریٹر کو بوگی اٹھانے کا اشارہ کر دیا۔

"ٹھیک ہے آرک: دوسرے آدمی نے مونے کی پشت پر تھپکی دے کر کہا: "چیف نے کسی نگران بوگی کا ذکر کیا تھا۔"

"کیا ہوگا... لیکن میں تو بوٹ میں گنجائش کی بات کر رہا ہوں۔" "میرا وزن صرف چھیانوے پونڈ ہے، جوڑی نے مزاحیہ انداز میں کہا: "بھری اگر بوٹ ہماری وجہ سے تکلیف محسوس کرنے لگی تو ہم دوسری بوٹ میں چلے جائیں گے۔"

وہ کندھے اچکا کر پلٹ کر بولا: "اچھ اشارت کرو جوانی۔" جوانی نیم روشنی میں مجھے نو عمر اور خوش رول کا دکھائی دیا تھا، اس نے گفتگو میں کوئی حصہ بھی نہ لیا تھا، بعد میں بھی وہ میرے انداز سے کے عین مطابق نو عمر اور شرمیلہ جوان ثابت ہوا تھا۔ ابھی جوانی نے اچھن بیدار بھی نہیں کیا تھا کہ کیپٹن مارش نے میری درخواست پر بوٹ کو روانگی کا اشارہ دیا: "شکر یہ کیپٹن ہم رواد ہورہے ہیں۔" میں نے اوپر منہ کر کے براؤز بلند کیا اور کیپٹن نے اوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور کنارے سے ہٹ گیا۔ جلدی کرو دوستو، کیپٹن یقیناً جہاز کو چلنے کا حکم دینے والا ہے، اگر جہاز حرکت میں آگیا تو ہماری بوٹ کا غڈکی ناؤ بن کر بہروں کے گرداب میں پھنس جائے گی۔

"میری آپ جوانی... مونے آرک نے جج کر جوانی کو حکم دیا اور بوٹ کا اچھن دھڑکنے لگا، بوٹ تھرتھارنے لگی، لیکن میرا دل پُرسکون ہوتا چلا گیا، میں کہتے ہی کھٹن اور خطرناک مراحل سے گزر آیا تھا۔ بوٹ پانی کی ناہموار سطح پر اچھلتی کودتی دایں بائیں ڈگمگاتی

اور جھاگ اڑاتی دوڑنے لگی۔

میں شمعوں اور جوڑی کے ساتھ آنے والے وقت کے باسے میں بات کرنا چاہتا تھا، گو جوڑی شمعوں کے پردگرا میں شامل نہ تھی اور نہ ہی میں اسے مستقلاً اپنے پاؤں کی میٹری بنانے پر تیار تھا، لیکن بوٹ کی کسی بھی کارروائی میں وہ غیر متعلق اور غیر جانب دار نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ میرے دونوں ساتھی انگریزی جاپانی اور چینی زبانوں کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتے تھے اور میں تو صرف بمشکل انگریزی پر گزر سیر کر رہا تھا، دوسری طرف ہمارے حریف بھی انگریزی سمجھنے والے تھے، اگر میں انگریزی کو ہی ذریعہ اظہار بناتا تو آرک جو ہم سے قریب ہی کھڑا تھا باتیں سن لیتا، کچھ باتیں کر دو دوست! میں نے آرک کے نزدیک کھسک کر کہا: "پتہ نہیں کب تک ہمارا ساتھ رہے۔"

"میں تو ابھی تک تم لوگوں کو کسی خانے میں فٹ نہیں کر پایا۔" "کیا واقعی ہمارے متعلق تمہیں چیف نے کوئی ہدایت نہیں دی تھی؟"

"ماسٹرشی لانگ کو جہاز پر سوار مسافروں میں سے کسی فوٹون کو تلاش کرنے اور اسے ساتھ لانے کا حکم تو دیا گیا تھا۔"

"وہ نوجوان خرم سلطان ہے۔" میں نے جواب دیا اور آرک نے چونک کر میری جانب رخ پھیر لیا: "کیا بھی تم نے خرم سلطان کو دیکھا ہے؟"

"نہیں! اس نے بتایا: لیکن اس کے بارے گروہ میں بڑی عجیب اور ناقابل یقین باتیں گردش کرتی رہتی ہیں، سنا ہے اسی کی وجہ سے ہمارا گروہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اور چیف کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا ہے۔"

"اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اسی بوٹ میں وہ عجیب شخص موجود ہے تو؟" "اوہ... سن... نہیں... وہ اچھل کر ایک بندل چڑھ گیا۔"

"وہ... لیکن..."

"یقیناً کرو دوست... میں نے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"خرم سلطان یہاں موجود ہے؟"

"اگر... اگر... وہ تم ہو تو... اس نے پھرتی سے ریوا اور نکال کر تان لیا ہاتھ ہاتھ اوپر۔"

میں نے تہمت لگایا اور یکدم نیچے جھک گیا، بوکھلاہٹ میں آرک کوئی بھی چلا سکتا تھا: "کیا اس عجیب نوجوان سے متعلق تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کھلونے اسے دھمکا نہیں سکتے؟ میں اچھلا اور دھڑکے آ کر بدلتا ہوا میرے گھٹنوں تلے تھا اور ریوا اور بندلوں میں گر کر دب گیا تھا۔ ہاں میں ہی خرم سلطان ہوں! اس کے حلق

پر گھٹنے کا دباؤ ڈال کر میں سرد آواز میں بولا: "لیکن میں دوستوں کا غلام بھی ہوں، میں انسان ہوں ورنہ نہیں ہوں، دوست بن کر ہو۔" گے تو مجھے ریشم سے بھی ملائم پاؤں لگے، اٹھ جاؤ۔ یہ ایک فوری اور نفسیاتی حربہ تھا جو بے حد کامیاب اور مؤثر رہا تھا جب اس نے

مجھے قزم چودھری تسلیم کر لیا تو بھیگی بلی بن گیا۔ میرے نام کی دہشت نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا، اور وہ جہانی طور پر وہ مجھ سے ہمت دکھائی دے رہا تھا۔ اگر تم زبان سے دوستی کا اظہار کر دیتے تو میں تمہاری کمان میں سفر کرتا، لیکن اب بوٹ میری ہدایات اور کنٹرول میں... ہوگی، اگر کسی کو اعتراض ہے تو سامنے آنے یا جوانی نے چہرہ بٹھا کر دیکھا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا، آرک اور دوسرے شخص نے باری باری میرے ہاتھ کو چوما، آرک کا ریوا اور تو بندلوں میں گم ہو چکا تھا، لیکن دوسرے آدمی نے اپنا ریوا اور میرے پاؤں میں رکھ دیا۔ میں نے ریوا اور اور میگزین نکال کر ریوا اور جوڑی کی جانب اچھال دیا۔

"مسٹر آرک! میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا: "میرا جسم اٹھو اور کانوں کا مجھ سے ہے، اگر کسی کے ذہن میں کوئی ذہنی لاپرواہی موجود ہے تو اسے باہر نکال دو، میں دشمن کو معاف کر دیتا ہوں۔ مگر دوست تمہارا کو ایک سیکنڈ بھی برداشت نہیں کرتا۔"

"میں صرف اپنی ذات کا فتنے دار ہوں ماسٹر! آرک نے جواب دیا۔

"تم کیا کہتے ہو دوست؟ میں نے دوسرے سے پوچھا۔

"میرا نام شانگ ہے اور میں اپنی وفاداری کا عہد کر چکا ہوں۔" وہ ناک میں منمناتے ہوئے بولا: "جوانی تو وہ لڑائی بھڑائی کی دنیا کا آدمی نہیں ہے۔"

"شکر یہ دوستو! میں نے دونوں کے شانوں پر دایاں بایاں ہاتھ رکھ کر کہا: "اب ہم کاروباری گفتگو کریں گے، مسٹر آرک تم مجھے بتاؤ گے کہ بوٹ کب اور کہاں کنا سے پر لگے گی؟"

"یہ ہدایت ماسٹرشی لانگ ہی دے گا۔"

"اگر وہ نہ آیا تب...؟"

"اوہ... آرک کی ناک سے پھنکار نکلی! تو کیا وہ نہیں... آئے گا؟"

"فی الحال یہی فرض کر لو..."

"پھر مجھے یقین کرنا پڑے گا کہ بوٹ انوا ہو چکی ہے۔"

"ہاں فی الحال تم بھی مفروضہ قائم کر لو۔"

"اگر یہ سچ ہے تو جلد ہر تم لے چلو گے بوٹ ادھر ہی جائے گی۔"

آرک لرزتی آواز میں بولا: "لیکن میرا مشورہ یہی ہوگا چیف کے غضب سے بچو، وہ ہمیں زمین کی اٹھارہ انچوں سے بھی اوپر پھینکے گا۔ وہ ادھر آگے موجود ہے اور اس کے ذریعے لا محدود ہیں، بوٹ کو وہ تلاش کرے گا۔"

"یہ میری درد سہی ہے آرک، تم وہی کرو گے جو تم سے کہا جائے گا، میرا نام اور کام کرنے کا طریقہ تم جانتے ہو گے، میں چیف کی ناک کے سامنے سے اگر اپنی پسند کی شے اٹھا سکتا ہوں تو بوٹ کو محفوظ رکھنا بھی کوئی مشکل نہیں ہے، اپنی سلامتی کے لیے بس تم تعاون کرو! اسی میں تمہاری بہتری ہے، میں چیف سے زیادہ مہربان اور قدر دان ہوں! "حکم کرو ماسٹر! شانگ مستعدی سے آگے آتے ہوئے پُرجوش آواز میں بولا: "شانگ تمہارا غائبانہ پرستار رہا ہے، وہ شخص یقیناً اس بوٹ سے شیر سے بہتر ہوگا جس کی برتری کا ثبوت ہمیں مل چکا ہے، میں فلبانی ہوں، ادھر آنے سے قبل کا یڈ تھا، پھر پتوں کے گروہ کے ساتھ آوارہ گردی کرتا ہوا لانگ کانگ پہنچا تو ماسٹرشی لانگ نے مجھے دیکھ لیا، وہ میرا بڑا بھائی ہے، تم میرا تعاون حاصل کرنے سے قبل یہ بتا دو شی زندہ ہے یا مردہ...؟"

"میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں، وہ میرے ہاتھوں ہلاک نہیں ہوا تھا، جب میں اس سے جدا ہوا تو وہ زندہ تھا۔"

"اوہ لگ... وہ اور میرے نزدیک ہو گیا اور سرگوشیاں آواز میں بولا: "بتاؤ ماسٹر بوٹ کدھر جائے گی؟"

"لاؤ ہاگ کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟"

"اچھا شہر اور چھوٹی سی محفوظ بندرگاہ ہے، ادھر پولیس کا بھی زیادہ خطرہ نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے تم جوانی تک میرا حکم پہنچا دو، بوٹ لاؤ ہاگ کی طرف لے چلے..."

شانگ سے فارغ ہو کر جب میں نے چہرہ بٹھا کر دیکھا شمعوں جوڑی کے گھٹنوں پر چھوڑی رکھے سرگوشیوں میں باتیں کر رہا تھا، یہ چچا بھتیجی کے درمیان کیا کچھ دی پک رہی ہے؟

شمعون کھسپائی سی منہسی میں بولا: "میری جان تمہاری تعریف کے سوا اور کوئی موضوع ہو ہی کیا سکتا ہے، سونی نے اگر تمہیں میرے بیٹے پر ترجیح دی ہے تو کچھ بے جا نہیں، تم برتھ جیسے سست الودھ دیکھو سے بہت اوپر ہو۔"

"لیکن میں برتھ کے حق کا غاصب نہیں ہوں گا انکل! میں نے ایک بندل پر بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے کہا: "یہ ہمارا کاروباری اشتراک اور میل جول ہے، البتہ تم اچھے دوست ضرور رہیں گے۔"

"یہ تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے بیٹے، شمعون کھسپتا ہوا میرے

قریب آگیا۔

"آپ جو نانی پر نگاہ رکھیں انکل! میں نے اسے جوڑی سے دور کرنا چاہا! ہم میں سے کوئی بھی بحری راستوں کو نہیں جانتا!"

شمعون اٹھ کر آگے چلا گیا اور جوڑی میرے قریب آگئی۔

"لوڑھا ابھی تک مجھے سونیا ہی سمجھ رہا ہے! وہ مضطرب انداز

میں بولنے لگی! اور بڑی خطرناک باتیں کر رہا تھا۔ ٹھنڈی سونیا

مجھیں راستے میں ہی ہلاک کرنے پر مہم تھی، اس نے مجھے بتایا ہے

کہ اب میں بھی ٹھنڈی رائے سے متفق ہو گیا ہوں، اگر خرم سلطان

زندہ رکھا گیا تو مال کے ساتھ وہ ہم دونوں کو بھی بھگ کر جائے گا!"

"میں جانتا ہوں اور اس کی طرف سے غافل بھی نہیں ہوں!"

میں نے کہا! سونیا اور شمعون جی جو کے بہت قریبی ساتھی رہ چکے

میں شمعون کو جہاز پر میری تلاش میں ہی سوار کیا گیا تھا، لیکن میں اس

بوڑھے کو معاف کرنا چاہتا تھا!"

"نہیں خرم... جوڑی نے کہا! ناگ ہر حال میں ناگ ہی

ہوتا ہے!"

"ٹھیک ہے! میں طویل سانس لے کر اٹھا! لیکن میں

پہل نہیں کروں گا!"

"اوہ نہیں خرم۔ بیٹھ جاؤ، وہ کسی بھی وقت اچانک تمہیں

گولی مار کر بوٹ پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اسے تمہاری

قوت اور سابقہ شہرت سے غلط ہے کہ تم سب سابق دوستی جھاڑنے

ہوئے کسی طرف مال لے کر نکل جاؤ گے!"

"بوٹ اپنے طے شدہ سفر کے لیے تیل لاتی تھی یا آرک نے اگر

مؤدب لہجے میں بتایا! منزل جو نانی اور ماسٹرشی لانگ کو ہی معلوم

تھی، میں نے بوڑھے کی فرمائش پر جو نانی تک تمہارا حکم پہنچا دیا ہے!

کیونکہ جو نانی عربی اور ملائشی زبانوں کے سوا کوئی زبان نہیں جانتا،

اس نے معذرت سے بتایا ہے کہ بوٹ اینان کے مغرب میں ایک

ماہی گیروں کی بستی تک جاسکتی ہے!"

"میرے ساتھ آؤ! میں آرک کا بازو تھام کر بولا! میں خود

اس سے بات کروں گا!"

گو عربی میری مذہبی زبان تھی اور مسلمان ہونے کے ناتے

میرے اور قاضی سلامت اللہ سے عربی پڑھی بھی تھی لیکن مجھے شک

تھا کہ میں اپنا مذاہنی میں نہیں بیان کر سکوں گا۔

جس کا ترجمہ آرک نے کیا اور پھر آرک نے ہی بتایا کہ جو نانی مسلمان

"میں بھی ایک مسلمان ہوں اور وطن سے دور ایک مسلمان

جھائی سے مل کر روحانی خوشی ہوتی ہے!"

"مجھے بھی! اس نے آرک کی معرفت مختصر سا جواب دیا۔

"لیکن میں مجبور ہوں! ایندھن مجھے طویل سفر کی اجازت نہیں دیتا،

ہاں اگر دوسری بوٹ ہمیں فاضل ایندھن سے مدد کرے تو دوسری

بات ہے!"

میری تمام تر توجہ جو نانی پر مرکوز تھی، لیکن میں شمعون سے بھی

غافل نہ تھا۔ وہ میرے دائیں ہاتھ میرے سامنے ہی کھڑا تھا۔ اس

یہ میں کیسوٹی کے ساتھ جو نانی کو اپنی راہ پر لا رہا تھا۔ وہ بیچ و دل

کو لڑانے والی سی تھی جو عقب سے آڑتی ہوئی میری سماعت سے

محروم تھی، میرے حلق سے دھواؤ نکلی اور میں ابھی پوری طرح گھوما

بھی نہ تھا کہ میرے اوپر کوئی چیز گری میں نے چھلانگ لگائی اور کچھ

کر مڑنے کے بل بندلوں پر جا گرا تھا... شانگ جیسے میں نے بے خبر

سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا، جس نے سب سے پہلے اپنا رویہ اور میرے

قدموں میں ڈال کر حلف و فاداری کی رسم ادا کی تھی۔ اسی نے بیک

وقت جوڑی پر حملہ اور مجھ پر انسان بکڑنے والا مضبوط جال پھینک

دیا تھا اس کی پھرتی اور جرأت مندانہ کارروائی قابلِ داد تھی لیکن

میں اسے داد دینے کی پوزیشن میں نہ رہا تھا۔ وہ یقیناً اس فن میں

ماہر رہا ہوگا، ورنہ اتنی جلدی مجھے جکڑ کر بے حس و حرکت بندل

نہ بنا سکتا۔ میں اس قدر بے بس ہو گیا تھا کہ انگلی کو بھی حرکت

نہیں دے سکتا تھا۔

"آرک تم لو کی کو دیکھو! شانگ کی آواز آئی! اور اسے

بھی باندھ کر ادھر لے آؤ!"

"شاباش فوجوان! میرے کانوں میں شمعون کا قبضہ گرم

لاوے کی مانند گرا! میں چیف سے تمہاری کارکردگی شاندار

الفاظ میں بیان کروں گا!"

"اپنا منہ بند رکھو بوڑھے! آرک نے شاید اسے تھپتھپ مارا

تھا، میں نے آواز ہی سنی تھی! تم بھی ان ہی کے سانچے ہو!"

"ٹھیک ہے! شمعون غصیلی آواز میں بولا! اب میں زبان

بند رکھوں گا۔ مگر اس تھپتھپ کا جواب تمہیں می جو کو دینا پڑے گا، وہی

تمہیں بتائے گا کہ میں کون ہوں اور کس کا ساتھی ہوں!"

"یقین کرو آرک! شمعون احتجاجی لہجے میں چیخنے لگا تھا مجھے

چیف نے قصوصی طور پر خرم جو دھری کی تلاش پر لگا دیا تھا میں ہی

اسے گھیر کر ادھر لایا ہوں!"

کسی نے جوڑی کو میرے قریب گرایا۔ میں نے تمام تر فوج

صرف کر کے کرٹ بدلی، اب میں چپ لیٹا ہوا تھا لیکن میرے گھٹنے

میری ٹھوڑی سے لگے ہوئے تھے۔ میں دیکھ اور سن تو سکتا تھا لیکن

کسی بھی عضو کو جنبش دینے سے قاصر تھا۔

"دیکھو تو نہیں گئی! آرک نے پوچھا۔

"نہیں! شانگ نے جواب دیا! سخت جان لگتی ہے!"

"تلاشی بھی لے لو! آرک نے ہدایت دی۔

تقریباً دو منٹ سکوت طاری رہا صرف بوٹ کے انجن کی...

گھر گھر اٹ اور اچھلتے پانی کی چھل چھلاہٹ اس سکوت کو توڑ رہی

تھیں، بوٹ اپنی پوری رفتار سے اپنی منزل کے قریب ہو رہی

تھی اور میں سر بام کند میں الجھ کر بے دست و پا ہو کر رہ گیا تھا۔

"جیب کو ہے نہیں! شانگ نے بتایا! البتہ یہ بیک ادھر

ڈیش بورڈ کی روشنی میں لے جاؤ!"

میں کھلی آنکھوں سے متحرک سا دیکھ رہا تھا، آرک اور

شانگ دونوں جوڑی اور سونیا کے تھیلے لے جا رہے تھے، میں

نے مشکل گردن ذرا سی موڑی تو شمعون بھی جو نانی کے پیلوں میں ڈبکا

دکھائی دیا! جوڑی! کیا تم میری اولاد میں ہو! جو اب جوڑی نے میری

پسیوں پر شو کا مارا! اور میرا مایوسیوں کی تار کیوں میں ڈوبا ہوا دل

یکدم جکا چونڈ روشنی میں ابھرا آیا تھا، جوڑی ٹھیک تھی اور اس کی خاموشی

بے وجہ نہ رہی ہوگی، مجھے چنگی کی دست راست پر پورا اتھارہ تھا کہ

وہ حالات سے فٹنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔

"میں ناخن استعمال کروں گی! اس کی سرکشی سنائی دی۔

وہ دونوں تھیلوں پر جھکے ہوئے تھے، غالباً ایک ایک

چیز نکال کر دیکھ رہے ہوں گے، جو نانی کی توجہ مٹیوں اور لیوروں

پر مبذول تھی اور شمعون سکڑا ہوا اپنے آپ میں چھپا ہوا تھا۔ یہ سچویش

یقیناً جوڑی بھی محسوس کر رہی تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ بجلی کے کوندے

کی طرح لہرایا اور میں نے نائیلون کے دھاگوں کی توتڑا اسٹ ماف

سن لی! دوسری اور تیسری جھر جھر اٹھ کے بعد جال کے بال تھیلے

ہوئے محسوس ہونے لگے۔ تب میں نے پہلے دایاں بازو سیدھا کیا!

میں تھے۔ میں نے جب بوٹ پر قبضہ کیا تھا تو میرے اردووں میں دور

دور تک خون ریزی کا نام و نشان تک نہ تھا میں صرف اپنے نام

کی دھاک سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیے ہوئے تھا۔ ڈرا دم کا کر

ان کی نکیل ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا، حالانکہ جوڑی کی زبان سے شمعون

کے شیطانی ارادے مجھ تک پہنچ چکے تھے اس کے باوجود میں نے

شمعون پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ نہ کیا تھا۔ میں اگر گناہ و ثواب جرم و ذرا

اور نیکی بدی کا ترازو بکڑے رکھتا تو میرے حریف مجھے ہی نہیں بلکہ

چنگی کی بیٹی کو بھی بچا ڈکھاتے جیسے میں باوثوق ممانت کے ساتھ

ادھر لایا تھا۔ وہ اگر چنگی جی جیسے باپ کی بیٹی نہ ہوتی میری پسندیدہ

لڑکیوں میں اس کا شمار نہ ہوتا تو بھی لڑکی ہونے کے ناتے اس کی

نگہبانی میرے فرائض میں شامل تھی۔ وہ میری ہم سفر تھی اور میری

ذات کی وجہ سے تشدد کا نشانہ بن گئی تھی۔ انتہائی قدم اٹھانے کی تہ

میں صرف جوڑی کی سلامتی کا خیال تھا، وہ چاروں مسلح تھے اور

میرے دشمن تھے۔ اگر خشکی پر مجھے فیصلہ کرنا پڑتا تو میں جوڑو کراٹے

کے دو چار ہاتھ اور لاتیں اٹھالتا ہوا ان کی دسترس سے دور ہو

جاتا، مگر سند میں مارو یا خرچا کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔

میرے دونوں ہاتھ آزاد ہو چکے تھے اور جال کے بل بھی کھل گئے تھے

جوڑی اپنے فخر صفت ناخنوں سے جال کاٹ کر خاموش نہیں ہو گئی

تھی، اس کے ہاتھ مجھے جال کی گرفت سے نکالنے کے لیے مسلسل

معروف رہے تھے۔ جب جال میرے جسم سے الگ ہوا تو میں اچھل

کر اٹھ کھڑا ہوا! میرا دیرینہ دوست اور محافظ سپاہیہ دیو اور میرے

ہاتھ میں تھا اور وہ چاروں ڈیش بورڈ کی رنگین روشنی میں بے خبر تھے۔

اگر مقصود نظر صرف میدان کی صفائی اور کامیابی ہوتی تو میں پلک جھپکنے

کی دیر میں دیو اور کو گنتی گنتی کے انداز میں متحرک کرتا اور وہ سارے

خاموش ہو جاتے، لیکن ان کی پوزیشن ایسی تھی کہ اگر میں فائر کرتا تو

کوئی جھٹکی ہوئی گولی بوٹ کے انجن کو بھی نقصان پہنچا سکتی تھی، کوئی

اہم نظام معطل کر سکتی تھی جب کہ بوٹ کی فعالیت میری کامیابی سے

مشروط تھی۔